عمر فاروق رضی اللہ عنہ

خلیفۂ دوم کی جامع، مدلل اور مستند سوانح حیات

حافظ پروفیسر اظہر محمود ایم۔اے

Marfat.com

عمر فاروق رضی اللہ عنہ

خلیفۂ دوم کی جامع، مدلل اور مستند سوانح حیات

حافظ پروفیسر اظہر محمود ایم۔ اے

مکی دارالکتب

37- مزنگ روڈ، بک سٹریٹ، لاہور

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

83750

❖ کتاب ⇦ عمر فاروقؓ

❖ مصنف ⇦ حافظ پروفیسر اظہر محمود ایم۔اے

❖ اشاعت ⇦ 2010ء

❖ مطبع ⇦ علی فرید پرنٹرز، لاہور

❖ برائے ⇦

مکی دارالکتب 37- مزنگ روڈ، بک سٹریٹ، لاہور

❖ قیمت ⇦ 600 روپے

اہتمام: محمد عباس شاد
0321-9426395

E-mail: m_d7868@yahoo.com
Ph: 042-37239138,8460196

Marfat.com

فہرست

- پیش گفتار ____ 16
- سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ____ 19
  - نام ونسب 19
  - خاندان 19
  - پیدائش 20
  - فکر معاش 24
  - قریش کی سفارت 25
  - عمر رضی اللہ عنہ کی بارعب شخصیت 26
- عمر رضی اللہ عنہ حلقہ اسلام میں ____ 30
  - قریش مکہ کو اطلاع 40
  - قریش کی سختیوں میں اضافہ 46
  - عمر رضی اللہ عنہ راہِ ہجرت میں 48
- سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں ____ 52
  - قباء میں قیام 52
  - مسجد قباء کی تعمیر 54
  - اسلامی مواخات 54
  - ''اذان'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق 57
- غزواتِ نبوی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ____ 61

Marfat.com

◄ غزوۂ بدر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ 62
⊙ غزوۂ احد اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ________ 68
◄ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سسرالی رشتہ 72
◄ غزوۂ بنی المصطلق اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ 74
◄ غزوۂ احزاب اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ 75
◄ معاہدہ حدیبیہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ 75
◄ سریہ بنی ہوازن 82
◄ عمرۃ القضاء اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ 85
◄ فتح مکہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ 87
◄ غزوہ حنین اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ 91
◄ غزوہ تبوک اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ 93
◄ واقعہ ایلاء 95
◄ واقعہ قرطاس 97
◄ وفاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ 99
⊙ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عہد صدیقی میں ________ 102
◄ بیعت عامہ 106
◄ جیش اُسامہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ 106
◄ مانعین زکوٰۃ کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے 108
◄ جمع قرآن اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ 109
◄ عراق و شام کی فتح کی ترغیب 110
◄ خلافت اسلامیہ کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی نامزدگی 112
⊙ خلافت فاروقی کا آغاز ________ 117
⊙ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سرزمین عراق میں ________ 123

Marfat.com

- معرکہ جسر 126
- معرکہ بویب 130

جنگ قادسیہ ________ 135

رستم میدانِ جنگ میں ________ 145

- جنگ کا آغاز 148
- جنگ کا دوسرا دن 150
- جنگ کا تیسرا دن 156

فتح مدائن ________ 164

- معرکہ جلولا 172
- حلوان پر قبضہ 175
- جزیرہ اور تکریت کی فتح 175

فتوحات شام ________ 178

- دمشق کی فتح 179
- حمص کی فتح 180
- قنسرین کی فتح 182
- مسلمانوں کا انطاکیہ پر قبضہ 185
- فحل کی فتح 187

جنگ یرموک ________ 189

- بیت المقدس کی فتح 202
- حمص پر قبضہ کی دوبارہ کوشش 209
- سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی معزولی 213
- عرب میں قحط 224
- طاعون عمواس 227

Marfat.com

- خوزستان کی فتح 232
- ہرمزان مدینہ طیبہ میں 239
- معرکہ نہاوند 242
- اب کہاں دنیا میں ایسی ہستیاں 249
- عراق پر عام لشکر کشی 252
- اصفہان کی فتح 254
- ہمدان کی بغاوت 255
- رے کی فتح 256
- آذربائیجان کی فتح 258
- طبرستان کی فتح 259
- آرمینیہ کی فتح 260
- فارس کی فتح 261
- کرمان کی فتح 263
- سجستان کی فتح 263
- مکران کی فتح 264
- خراسان کی فتح 265

مصر کی فتح ________ 270

- فتح فرما 272
- بلبیس کی فتح 274
- فتح ام دنین 274
- فتح قلعہ بابلیون 275
- اسکندریہ کی فتح 282

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال ________ 293

Marfat.com

- قتل ایک سازش؟ ____ 311
- فاروقی فتوحات پر ایک نظر ____ 315
- نظامِ حکومت ____ 322
  - ملک کی تقسیم 323
  - سلطنت کے صوبے 325
  - ① مکۃ المکرمہ 325
  - ② مدینہ منورہ 326
  - ③ طائف 326
  - ④ یمن 327
  - ⑤ بحرین 328
  - ⑥ مصر 329
  - ⑦ ولایات شام 332
  - ⑧ ولایات عراق 334
  - ⑨ المدائن 335
  - ⑩ آذربائیجان 335
  - عمال کا تقرر 336
  - عہدیداروں کی تنخواہیں 340
  - گورنروں کے فرائض 340
  - گورنروں کے اثاثوں کی فہرست 342
  - حج میں گورنروں کی حاضری 342
  - عاملوں کی تحقیقات کا محکمہ 343
  - احتساب 343
  - عہد فاروقی کے بعض عہدیداران کے نام 351

Marfat.com

◀ نام مقام ماموریت عہدہ کیفیت 351
⊙ مالی نظام (ریاست کے ذرائع آمدنی ومصارف) ________ 354
◀ ① خراج 354
◀ مصر کی مال گزاری 362
◀ شام سے خراج کی آمدنی 363
◀ قانون مال گزاری میں فاروقی اصلاحات 363
◀ زراعت کی ترقی کے ذرائع 366
◀ ا۔ احیاء موات 366
◀ ② غیر مملوکہ زمینوں کے بارے میں اعلان 368
◀ ③ زراعت کی حفاظت 368
◀ ④ آبپاشی کے ذرائع 368
◀ ۲۔ جزیہ 369
◀ ۳۔ فے اور غنیمت 374
◀ ۴۔ عشور 374
◀ ۵۔ زکوۃ وصدقات 380
⊙ فوجی نظام ________ 383
◀ فوج کے صدر مقامات 389
◀ فوجی چھاؤنیاں 392
◀ بھرتی کے دفاتر 394
◀ فوج کی تنخواہیں اور ان کی تقسیم 396
◀ فوجی یونیفارم 397
◀ فوج اور اختلاف موسم 298
◀ چھٹی کا قاعدہ 399

Marfat.com

◀ عرب میں جنگ کے طریقے اور فوج کے مختلف حصے 400
◀ کمانڈر انچیف کا عہدہ 407
◀ جنگ کا اسلحہ 409

⊙ عدالت وقضاء ____ 412

◀ قضاۃ کا انتخاب 418
◀ ١١۔ قضا کے بارہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وسعت نظر 421
◀ عدلیہ کی انتظامیہ سے علیحدگی 423
◀ قاضیوں کی رشوت سے حفاظت 428
◀ عدالتوں کی بلڈنگیں 433
◀ محکمہ افتاء 434
◀ پولیس 438
◀ جیل خانہ جات 439
◀ پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ 439
◀ ① نہر ابی موسیٰ 439
◀ ② نہر سعد 440
◀ ③ نہر معقل 441
◀ ④ نہر امیر المومنین 441
◀ مہمان خانے 444
◀ دیگر عمارتوں کی تعمیر 444
◀ سڑکوں اور پلوں کی تعمیر 445
◀ چوکیاں اور سرائیں 445

⊙ نئے شہروں کی تعمیر ____ 446

◀ کوفہ کی تعمیر 446

Marfat.com

◂ بصرہ کی تعمیر 451
◂ فسطاط کی تعمیر 453
◂ موصل کی تعمیر 457
◂ جیزہ کی تعمیر 458
⊙ شعبہ بیت المال ________ 460
⊙ اسلام کی نشر و اشاعت اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ________ 467
◂ قرآن حکیم کی تدوین میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مساعی 472
◂ جمع و تدوین قرآن عہد صدیقی میں 475
◂ حدیث کی تعلیم 483
◂ فقہ 486
◂ مساجد کی تعمیر 491
◂ مسجد نبوی کی توسیع 496
⊙ نظمِ مملکت ________ 500
◂ انٹیلی جنس 516
◂ شکایات کی واقفیت کے دوسرے ذرائع 518
◂ مختلف اسفار 523
◂ امیر المومنین کا لقب 524
◂ فلاحی مملکت 526
◂ فلاحی ریاست اور تقسیم دولت کی ناہمواری 548
◂ غیر مسلموں سے برتاؤ 553
◂ اہل بیت نبوت سے تعلقات 560
◂ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح 566
◂ کتابوں سے اس نکاح کے دلائل 569

Marfat.com

⊙ ذاتی حالات ______ 573
- شاعری 574
- عبرانی زبان سے آشنائی 577
- علم الانساب میں مہارت 578
- غنا سے لطف اندوزی 579
- اہل علم کی قدر دانی 579
- مزاج میں سختی 584
- زہد و قناعت 585
- غیرت 588
- حُب رسول صلی اللہ علیہ وسلم 589
- متعلقین رسالت کا احترام 590
- عدل فاروقی 593
- فضائل و مناقب 598
- امت محمدیہ کے پہلے محدث 599
- حق گوئی کی آسمانی تصدیق 603
- جنت میں محل کی بشارت 603
- علمی شان 604
- قبائے دین کی عطاء 604
- سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھنے کی سعادت 605
- سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مقام خلافت 606
- شیطان آپ سے بھاگتا ہے 606
- حضور علیہ السلام کے وزیر 607

⊙ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے اجتہادات ______ 608

Marfat.com

◀ وظائف کی تقسیم میں عدم مساوات 620
◀ طلاق کے بارہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ 620
◀ متعہ کی حرمت کا اعلان 629
◀ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور حرمت متعہ 632
◀ نصوص قرآن سے حرمت متعہ 635
◀ احادیث سے حرمت متعہ 636
◀ متعہ حضر میں کبھی جائز نہیں تھا 638
◀ حجاب کے بارہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا حکم 638
◀ بچہ کی حضانت کا حق دار 643
◀ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک امیر کی شرائط 644
◀ اسلامی مملکت کے شہریوں کا تحفظ 648
◀ پرآسائش زندگی کے بارہ میں نظریہ 656
◀ تمتع کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نظریہ 659
◀ مولفۃ القلوب کو زکوٰۃ دینا 660
◀ چوری کی سزا کے بارہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نظریہ 661
◀ قاضیوں کے بارہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے احکام 664
◀ خمس اور ذوالقربیٰ کا حصہ 670

⊙ اولیاتِ عمر رضی اللہ عنہ ________ 675
⊙ خانگی زندگی ________ 679

◀ ازواج 679
◀ اولاد 681
◀ اولادِ ذکور 683

Marfat.com

پیش گفتار

یہ کتاب جو آپ کے ہاتھ میں ہے یہ خلیفہ راشد سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی سوانح اور سیرت کے بارے میں ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا تعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس قبیلہ سے تھا جس کو قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے السابقون الاولون کے لقب سے یاد کیا اور جن کے لیے بلکہ نیکی میں ان کی اتباع کرنے والوں کے لیے بھی پروانہ مغفرت عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (التوبہ: ۱۰۰)

''اور مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ سب سے پہلے ہیں اور جنہوں نے ان کی پیروی کی نیکی کے ساتھ، ان سے اللہ راضی ہوا اور وہ راضی ہوئے اس سے اور ان کے واسطے تیار کیے باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہی ہے بڑی کامیابی۔''

انہی لوگوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خیر امتی القرن الذی بعثت فیھم)) (مسلم: ۴/۱۹۶۳۔۱۹۶۴)

''اللہ نے پہلے ہی سے ان کے قلوب کا امتحان کر لیا تھا تقویٰ کے معیار پر ان کے قلوب کو پرکھ لیا تھا اور یہ اس امتحان میں کامیاب و کامران نکلے۔''

پھر انہی کے بارے میں فرمایا:

﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ﴾ (الحجرات: ۷)

Marfat.com

''یہ سارے کے سارے رشد و ہدایت کے پیکر ہیں۔''

ہدایت ان کی اتباع سے ملتی ہے بلکہ یہ ہدایت کی روشنی کے مینار ہیں، ان کو دیکھ کر لوگ اپنی ہدایت کی راہیں منتخب کرتے ہیں۔ پھر فرمایا:

﴿فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً﴾ (الحجرات:۸)

''یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا فضل ہے اور اس کی ایک بہت بڑی نعمت ہے (جو انہیں عطا فرمائی گئی)''

ان حضرات کے قلب کو الگ سراہا، قالب کی الگ تحسین کی گئی، قلبی مقامات اور قالب کے اعمال کو الگ سراہا اور طبقے کی الگ تعریف کی گئی۔

انہی آیات اور احادیث نبویہ کی روشنی میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

''جو شخص کسی کی پیروی کرنا چاہے اسے چاہیے کہ وہ فوت شدہ بزرگوں کی پیروی کرے کیونکہ زندہ کو فتنہ سے محفوظ نہیں سمجھا جا سکتا۔ وہ فوت شدہ حضرات اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو اس امت میں سب سے افضل تھے۔ ان کے دل نیک تھے، ان کا علم گہرا تھا، وہ تکلف سے بیک قلم پاک تھے، اللہ نے انہیں اپنے نبی کی صحبت اور اس کے دین کی اقامت کے لیے چن لیا تھا۔ ان کی فضیلت کو پہچانو، ان کے نقش پا کی پیروی کرو اور جہاں تک ہو سکے ان کے اخلاق اور ان کی عادات سے سند پکڑو، بے شک وہ سیدھی راہ پر تھے۔'' (شرح السنۃ:۱/۲۱۴۔۲۱۵)

امام نووی رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں اپنے جذبات کو ان الفاظ کا جامہ پہنایا ہے:

"انهم ائمة الاعلام، وقادة الاسلام، يقتدى بهم في عصرهم وبعدهم"

(نووی شرح مسلم:۱/۳۸۲)

''بے شک یہ حضرات بہت بڑے پیشوا تھے اور یہی لوگ قافلہ اسلام کے قائد تھے۔ ان کے اپنے وقتوں میں بھی ان کی اقتداء اور پیروی ہوتی تھی اور ان کے بعد بھی ہو گی۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسلام کے احکام کو زمین کے مشرق و مغرب میں پھیلایا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے لوگوں کو قرآن حکیم کی تعلیم دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن و آثار کو روایت

Marfat.com

کر کے اگلی امت کو مستفید فرمایا۔ چنانچہ ان کی تاریخ میں ملت اسلامیہ کے لیے ہدایت کا ایک ذخیرہ پوشیدہ ہے اور موجودہ دور میں ان کی تعلیمات اور اعمال حیات انسانی ارواح کے لیے ایک غذا اور تہذیب نفوس کے لیے ایک توشہ، عقل وخرد کے لیے ایک نور اور فکر وفہم کے لیے ایک مہمیز کا کام دیتے ہیں۔

اس کتاب میں دوسرے خلیفہ راشد سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی قرآن و حدیث اور تاریخ کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شخصیت وہ ہے جن کی پیروی اور اتباع کی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید وترغیب فرمائی اور ان کے طریق زندگی کو اپنانے کی ترغیب دی۔ چنانچہ فرمایا:

((علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المحدثین من بعدی))

(سنن ابی داود: ۴/۲۰۱، ترمذی: ۵/۴۴ حسن صحیح)

''میرے بعد تمہارے لیے ضروری ہے کہ میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی کرو۔''

اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء واتباع کی خصوصی طور پر تاکید فرمائی۔

"اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر)) (سنن الترمذی: ۳/ ۲۰۰)

''میرے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کرنا۔''

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا دور خلافت تاریخ اسلامی کا ایک روشن باب ہے۔ ان کے عہد خلافت میں اسلامی سلطنت کے حدود وثغور میں ۲۲ لاکھ مربع میل سے بھی زائد کا اضافہ ہوا اور دنیا میں ایک فلاحی مملکت قائم ہوئی جس کا وجود اس سے پہلے نہیں تھا۔ آپ کے دور خلافت میں زندگی کے ہر شعبہ میں مسلمانوں نے ترقی کی اور قیصر وکسریٰ کی سپر پاورز اس اسلامی فلاحی مملکت کے سامنے سرنگوں ہوگئیں۔

آپ نے قریباً ساڑھے دس سال بار خلافت اٹھائے رکھا۔ اس دوران میں آپ نے کیا کیا اصلاحات کیں جس سے انسانیت کو فائدہ پہنچا اور انسانوں کی فلاح وبہبود کے لیے آپ نے کیا کیا کام انجام دیے، ان سب چیزوں کو اس کتاب میں مختلف بنیادی کتابوں سے تلاش کر کے درج کیا گیا ہے اور مجھے امید ہے کہ قارئین جب اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں گے

Marfat.com

تو ان کے دلوں سے ضرور میرے لیے دعائیں نکلیں گی۔

اللهم ارنا الحق حقًا وارزقنا اتباعه، وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه اللهم انت اكرم المسلمين ان توفقني ان اكون من عبادك الصالحين وارجوك ان تغفرلي ولوالدي وللمومنين والمومنات انك انت الغفور الرحيم۔

پروفیسر حافظ اظہر محمود ایم۔اے
الریاض، المملکۃ العربیۃ السعودیہ
۶ اگست ۲۰۰۹، مطابق ۱۵ شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ

Marfat.com

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

نام عمر، کنیت ابو حفص، لقب فاروق، والد کا نام خطاب، والدہ کا نام حنتمہ۔ آپ کا تعلق قریش کی شاخ بنو عدی سے تھا۔ پورا سلسلہ نسب والد کی طرف سے یہ ہے:

عمر ابن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک۔ (الاصابہ: ۲/ ۵۱۸، طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۶۵)

عدی کے دوسرے بھائی مرہ تھے جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے تھے۔ اس لحاظ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر ملتا ہے۔

والدہ کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے:

حنتمہ بنت ہاشم بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم۔

آپ کی والدہ کے دادا مغیرہ وہ آدمی تھے کہ جب قریش کا قبیلہ نبرد آزما ہونے کے لیے جاتا تو فوج کا انتظام ان کے ذمہ ہوتا۔

خاندان:

آپ کا تعلق عدی بن کعب قبیلہ سے تھا جو قریش کا عدنانی قبیلہ تھا۔ جس کی شرافت اور بزرگی نے اسے ان سربرآوردہ قبائل میں شامل کر دیا تھا جن میں ہاشم اُمیہ، تیم اور مخزوم سب سے زیادہ ممتاز سمجھے جاتے تھے۔

خطاب تاریخ کے رپورٹروں کے مطابق نہایت ذہین اور زیرک شخص تھے۔ اس وجہ

Marfat.com

سے وہ اپنے قبیلہ میں نہایت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اور مختلف معرکوں میں بنو عدی کے جنگی قائد کی حیثیت سے جرأت و بہادری کا مظاہرہ کر کے دادِ شجاعت حاصل کر چکے تھے۔ چنانچہ حرب فجار میں بنو عدی کی قیادت زید بن عمرو بن نفیل اور ان کے چچا خطاب بن نفیل کے ہاتھوں میں تھی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ خطاب اپنی قوم کے قائد اور سردار تھے اور تمام قبیلہ ان کی قیادت پر فخر کرتا تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا خاندان بنو عدی زمانہ جاہلیت ہی سے نہایت ممتاز اور اعلیٰ سمجھا جاتا تھا اور اس خاندان میں قریش کا عہدۂ سفارت تھا۔ آپ کے جد اعلیٰ عدی بن کعب عربوں کے پاس باہمی تنازعات میں ثالث مقرر ہوا کرتے اور قریش کو اگر کسی قبیلہ کے ساتھ کوئی ملکی معاملہ پیش آتا تو وہ سفیر بن کر جایا کرتے تھے۔ یہ دونوں منصب آپ کے خاندان میں نسلاً بعد نسل چلے آ رہے تھے۔

اس خاندان کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس کے ایک فرد زید بن عمرو نے بت پرستی ترک کر کے بتوں کا ذبیحہ بھی کھانا چھوڑ دیا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی آوازۂ توحید بلند نہیں فرمایا تھا۔ انہوں نے اپنی قوم سے کہا: ''کیا اللہ تعالیٰ آسمان سے مینہ اس لیے برساتا ہے اور زمین سے سبزہ اس لیے اگاتا ہے اور جانوروں کو اس لیے پیدا کرتا ہے کہ تم انہیں ان چراگاہوں میں چراؤ اور غیر اللہ کے لیے ذبح کر دو۔ بخدا! اپنے سوا مجھے اور کوئی دوسرا فرد روئے زمین پر نظر نہیں آتا جو ابراہیم (علیہ السلام) کے دین پر ہو۔'' اس بارے میں ان کے کچھ اشعار بھی صاحب الاغانی نے اپنی کتاب کی جلد ۲ ص ۱۲۵ پر نقل کیے ہیں جن میں توحید کی تعلیم دی گئی ہے اور اپنی قوم کو بت پرستی چھوڑنے کی تلقین کی گئی ہے۔ زید بن عمرو کی ان باتوں سے خطاب ان کے سخت دشمن ہو گئے کیونکہ خطاب نہایت غصہ والے انسان تھے اور سنگ دلی ان کی گھٹی میں تھی۔ اس دشمنی نے انتہائی سنگین صورت اختیار کر لی۔ چنانچہ قریش کی ایک جماعت نے زید بن عمرو کو مکہ سے نکال دیا۔ اس معاملہ میں سب سے شدید اور سب سے زیادہ سنگ دلانہ روش خطاب کی تھی۔

پیدائش:

خطاب نے اپنی قوم کی تعداد بڑھانے کے لیے کئی شادیاں کیں۔ ایک شادی انہوں

Marfat.com

نے حنتمہ بنت ہاشم بن مغیرہ سے کی جس کا تعلق بنو مخزوم سے تھا۔ بنو مخزوم اس زمانہ میں عرب میں ایک نہایت عزت والا قبیلہ سمجھا جاتا تھا۔ خطاب کی یہ بیوی سیدنا خالد بن ولید کی چچا زاد بہن تھی۔ اس اعتبار سے مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم ان دونوں کے جد امجد تھے۔ مغیرہ مخزومی کا شمار قریش کے سرداروں اور سورماؤں میں ہوتا ہے۔ اس لیے ان کو ''صاحب الدعنہ'' کا لقب حاصل تھا۔ قریش کی نگاہ میں اس کے مرتبہ کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا خواجہ عبدالمطلب کو سب سے پہلے جس شخص نے یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنی منت پوری کرنے کے لیے اپنے بیٹے عبداللہ کو ذبح نہ کریں، وہ یہی مغیرہ بن عبداللہ تھے۔ مغیرہ نے کہا کہ آپ عبداللہ کو ذبح نہ کریں بلکہ اس کے عوض میں آپ فدیہ ادا کر دیں۔ فدیہ میں ہم اپنا سارا مال آپ کو دینے کے لیے تیار ہیں۔

خطاب کی بیوی حنتمہ اسی عز و شرف والے مغیرہ کی پوتی تھیں اس وجہ سے وہ اپنی سوکنوں میں ممتاز سمجھی جاتی تھیں۔ جب اس کے بطن سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو خطاب کو نہایت خوشی ہوئی۔ انہوں نے اپنے اعتقاد کے مطابق بتوں پر بڑی نذریں چڑھائیں اور بنو عدی کے غرباء کو اتنا دل کھول کر کھانا کھلایا جو ایک ضرب المثل بن گئی۔

جاہلیت میں لوگ تاریخ پیدائش کو اتنا اہم نہیں سمجھتے تھے کہ اسے یاد رکھیں۔ دوسرے کسی کو کیا پتہ تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ایک ایسا انقلاب آئے گا کہ وہ ایک معمولی آدمی سے امیر المومنین بن جائے گا اور قیصر و کسریٰ اس کی ہیبت سے لرزیں گے اور اس کا نام سن کر ان پر کپکپی طاری ہو جائے گی، لہٰذا قطعیت کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کب پیدا ہوئے؟ لیکن عام مؤرخین کے حساب کے مطابق وہ عام الفیل سے ۱۳ سال بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش پر غیر معمولی خوشی کا اظہار کیا گیا اور آپ کی والدہ نے آپ کا نام عمر رضی اللہ عنہ رکھا۔

(تاریخ الخلفاء: ص ۱۳۳)

بچپن اور لڑکپن اگرچہ پردۂ خفا میں ہیں لیکن ماں اور باپ دونوں اپنے اپنے قبیلے میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور قبیلہ میں ان کا شمار بڑے لوگوں میں ہوتا تھا، پھر باپ کو قریش میں منصب سفارت حاصل تھا اس وجہ سے علم انساب، سپہ گری، خطابت، پہلوانی اور دیگر علوم و فنون میں مہارت تامہ حاصل کی۔ کتابوں کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ لڑکپن کی منزلیں طے کر کے جب آپ نے جوانی میں قدم رکھا تو شرفاء عرب کے تمام

Marfat.com

مشغلوں میں سے آپ کا گزر ہوا۔ چنانچہ ابھی جوانی کا آغاز ہی تھا کہ انہوں نے جسمانی ورزشوں میں مہارت پیدا کر لی۔ سوق عکاظ کے میلہ میں عرب کے پہلوان اور شہ سوار اپنے اپنے کرتب دکھانے کے لیے ہر سال آتے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی اس میلے میں اپنی پہلوانی اور شہ سواری سے لوگوں کو محظوظ کرتے۔ اور یہ کبھی دیکھنے میں نہیں آیا کہ انہوں نے کبھی کسی پہلوان یا شہ سوار سے مات کھائی ہو۔

عمر رضی اللہ عنہ عکاظ کے میلے میں ہر سال جایا کرتے اور پہلوانی اور شہ سواری میں اپنا لوہا منوا کر واپس لوٹتے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے جب لڑکپن سے جوانی کی منزلوں میں قدم رکھا تو قوت و طاقت کے اعتبار سے اپنے تمام ہم عمروں میں ایک امتیازی شان رکھتے تھے اور مکہ اور اس کے مضافات کا کوئی نوجوان قامت و جسامت میں انہیں نہ پہنچتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ عوف بن مالک نے کچھ لوگوں کو ایک جگہ جمع دیکھا جن میں ایک شخص سب سے بلند تھا۔ اتنا بلند کہ نگاہیں اس پر رکتی تھیں۔ عوف بن مالک نے پوچھا: ''یہ کون ہے؟'' جواب ملا ''یہ عمر بن الخطاب ہے۔'' طبقات ابن سعد کی روایت ہے کہ یہ شخص لوگوں میں تین ہاتھ اونچا تھا۔ پوچھا ''یہ کون ہے؟'' جواب ملا ''خطاب کا بیٹا عمر۔'' (طبقات ابن سعد تذکرہ عمر رضی اللہ عنہ)

آپ کی پہلوانی اور شہ سواری کچھ اتنی مشہور تھی کہ جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو ایک شخص کسی چرواہے سے ملا اور کہا: ''تجھے معلوم ہے کہ مکہ کا طاقتور اور توانا مرد حلقہ اسلام میں داخل ہو گیا؟'' چرواہے نے کہا: ''وہی جو عکاظ کے میلے میں کشتی لڑتا تھا؟'' اس نے کہا: ''ہاں وہی'' یہ سنتا تھا کہ چرواہے نے چلا کر کہا ''خدا کی قسم! وہ ان میں خیر یا شر کو ضرور وسعت دے گا۔''

جوانی میں گھڑ سواری بھی آپ کا نہایت محبوب مشغلہ تھا اور اس کی ترنگ تمام زندگی آپ میں رہی۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ اپنے عہد خلافت میں ایک روز آپ گھوڑے پر سوار ہوئے۔ ایڑ جو لگائی تو گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ کچھ راہ گزرتے لوگ اس کی جھپٹ میں آتے آتے رہ گئے۔ لوگوں نے امیر المومنین کو اس طرح گھڑ سواری کرتے دیکھ کر تعجب کیا۔ فرمایا: ''اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ دل میں امنگ اٹھی۔ میں گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑ لگا دی۔''

جوانی میں پہلوانی اور گھڑ سواری کے علاوہ شعری مذاق بھی آپ کا نہایت شستہ اور بلند تھا۔ چنانچہ اسی عکاظ کے میلہ میں آپ مختلف شعراء کا کلام بڑے غور سے سنتے۔ اچھے

83750

Marfat.com

شعروں کی نہ صرف داد دیتے بلکہ انہیں کوزۂ ذہن میں محفوظ بھی رکھتے اور پھر مناسب مواقع پر انہیں مزے لے لے کر پڑھتے۔ یہ بھی دیکھا گیا کہ حطیۂ، زبرقان اور دیگر بڑے بڑے شعراء سے ان کی اکثر گھنٹوں گفتگو رہتی اور شعر کے محاسن و معائب پر تبصرہ ہوتا۔ عکاظ کے میلے میں جب عرب کے اکثر بڑے بڑے شعراء اپنے اشعار کی داد حاصل کرنے کے لیے آتے تو ابن الخطاب ہر سال اس میلے میں شریک ہو کر ان کے کلام سے مستفید ہوتے۔

انساب عرب میں بھی وہ اپنا حریف نہ رکھتے تھے۔ یہ فن انہوں نے اپنے والد خطاب سے حاصل کیا تھا۔ وہ بڑے فصیح اللسان اور بلیغ البیان تھے۔ اسی لیے قریش کی سفارت کا فریضہ ان کے ذمہ تھا۔ کیونکہ ایک سفیر مختلف قبائل میں جا کر ان کے باہمی جھگڑوں اور تنازعات کا تصفیہ کراتا ہے، اس وجہ سے فصیح اللسان ہونا اس کے لیے ضروری ہے۔ اور اگر کچھ کمی ہو تو مختلف لوگوں کو مل کر سفیر خود ہی بلاغت بیانی حاصل کر لیتا ہے۔ اس وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی عنفوانِ شباب ہی سے فصاحت و بلاغت میں یکتائے روزگار تھے۔

آپ کا بچپن اور جوانی اگرچہ عام آدمیوں کی طرح گزرے لیکن آپ نے پڑھنا لکھنا سیکھ کر اپنے کو دوسرے لوگوں سے ممتاز کر لیا تھا کیونکہ اس زمانہ میں جو شخص پڑھ لکھ جاتا تھا اس کا معاشرہ میں نہایت اونچا مقام ہوتا تھا۔ پورے مکہ میں اس وقت صرف ۱۷ آدمی پڑھے لکھے تھے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی ان میں سے ایک تھے۔ پڑھنے لکھنے کے ساتھ ساتھ جنگی علوم وفنون سے بھی بخوبی آشنا تھے بلکہ جنگی قابلیت آپ نے اپنے ننھیال بنی مخزوم سے ورثہ میں پائی تھی۔ اسی جنگی مہارت کی وجہ سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مرض الموت میں فرمایا تھا: ''جیسے میں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو شام بھیجا ہے اگر عمر بن الخطاب کو بھی جیسا کہ میں چاہتا تھا، عراق بھیج دیتا تو میرے دونوں بازو خدا کی راہ میں پھیل جاتے۔''

مسعودی نے اپنی کتاب مروج الذہب میں آپ کے تجارتی سفروں کا ذکر کیا ہے جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایام جاہلیت میں کیے اور جن میں انہیں اکثر امرائے عرب سے ملاقات اور ان سے گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ غالب گمان یہ ہے کہ ان تجارتی سفروں میں کسب مال سے زیادہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو قریش کے منصب سفارت، ایام وانساب عرب کے علم اور زمانہ کی کتابوں کے مطالعہ نے اکتساب علم کا زیادہ حریص بنا دیا تھا جس کا انکشاف آپ کی قبول اسلام کے بعد کی زندگی سے ہوتا ہے۔

Marfat.com

فکر معاش:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب جوانی کی حدود میں داخل ہوئے تو ضجنان اور مکہ کے درمیان اور اس کے آس پاس اپنے والد خطاب کے اونٹ چرانے لگے۔ ان کے والد بڑے سنگ دل اور سخت مزاج آدمی تھے۔ اپنے زمانہ خلافت میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ ایک ایسی جگہ سے گزرے جہاں درختوں کا جھنڈ تھا اور جسے ضجنان کہتے تھے۔ آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا: ''مجھے وہ وقت یاد آ گیا ہے جب میں یہاں اپنے باپ خطاب کے اونٹ چرایا کرتا تھا، اور ان کا دل نہایت سخت تھا۔ میں کام کرتا تو تھکا مارتے اور کوتاہی کرتا تو مجھے سخت سزا دیتے۔ اور ایک یہ دن ہے کہ میرے اور خدا کے درمیان کوئی (حاکم) نہیں۔''

(الفاروق مع النبی، عاطف لماضہ: ص ۵، ابن عساکر: ۵۲/ ۲۶۹)

عقد الفرید میں ہے کہ ایک دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نابغہ جعدی سے فرمایا: ''مجھے اپنے وہ اشعار سناؤ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہیں۔'' اس نے آپ کو چند شعر سنائے۔ آپ نے فرمایا: ''یہ اشعار تمہی نے کہے ہیں؟'' اس نے جواب دیا: ''ہاں'' آپ نے فرمایا: ''میں نے اپنے باپ خطاب کے اونٹ چراتے مدتوں یہ اشعار پڑھے ہیں۔'' یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ قریش کے جوانوں میں اونٹوں کا چرانا ان کی عزت ومنزلت کے اعتبار سے مختلف ہوتا تھا۔

(عمر بن الخطاب، علی احمد الخطیب: ص ۱۵۳، عمر بن الخطاب، محمد احمد ابو النصر: ص ۱۷)

قریش کے اکثر لوگ تجارت پیشہ تھے۔ تاریخ کے اوراق کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی تاجر تھے۔ آپ دیبا وحریر اور ریشم کی تجارت کرتے تھے۔ تجارت میں آپ کے شریک کار کعب بن عدی التنوخی تھے۔ آپ نے نہایت غور وفکر کے بعد تجارت میں قدم رکھا تھا۔ آدمی کے کاروبار سے بھی اس کی افتادِ طبع اور فطری مذاق کا پتہ چلتا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ریشمی کپڑوں کی جو تجارت شروع کی اس سے ان کی طبعی نفاست کا پتہ چلتا ہے۔ ریشم کے پارچہ جات چونکہ خوبصورت، نفیس اور قیمتی ہوتے ہیں، اسی وجہ سے اہل جنت کا لباس بھی حریر وریشم کا ہوگا۔

چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿ولباسهم فيها حرير﴾

Marfat.com

''اہل جنت کا لباس جنت میں حریر اور ریشم کا ہوگا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اس معاشرہ میں ریشم کے کپڑوں کا کام کرنا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ ان کی طبیعت میں ایک نفاست، ہوش مندی، احتیاط پسندی اور دور بینی تھی۔ آپ ایک طرف تو صاحب شمشیر وسناں تھے اور جنگی مہارت اور قابلیت میں نہایت اعلیٰ تھے اور دوسری طرف ریشم کی طرح نرمی بھی آپ کی طبیعت میں موجود تھی جس کا اظہار کئی موقعوں پر ہوا۔ چنانچہ جب مسلمانوں کی امارت کی ذمہ داری آپ کو سونپی گئی تو آپ نے سب سے پہلی دعا جو بارگاہ رب العزت میں مانگی وہ کچھ یوں تھی:

''اے اللہ! میں سخت ہوں مجھے نرم کر، اے اللہ! میں کمزور ہوں مجھے طاقت دے، اے اللہ! بخیل ہوں مجھے سخی بنا۔''

بہرحال سیدنا عمر رضی اللہ عنہ صرف پہلوان اور شہ سوار ہی نہیں تھے بلکہ علم وحکمت کے ماہر اور ریشم کے بہترین تاجر بھی تھے۔

قریش کی سفارت:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ قیرش کے قبیلہ عدی کے سرداروں میں سے تھے اور آپ کا خاندانی عہدہ سفارت تھا۔ آپ نے اپنے جوانی کے دَور کو لایعنی اور فضول کاموں میں نہیں گزارا بلکہ علم و فضل، فصاحت و بلاغت اور اعلیٰ مقامات کے حصول کے لیے کوشاں رہے۔ طبیعت رذیل اور گھٹیا کاموں پر کسی صورت آمادہ نہ ہوتی تھی۔ جہاں آپ جسمانی قوتوں سے مالا مال تھے وہاں علمی فضائل وکمال بھی آپ میں پوری طرح موجود تھے جو قریش کے کسی معزز سردار میں موجود ہونا ضروری ہیں۔ اسی وجہ سے اپنے باپ خطاب کے انتقال کے بعد آپ کے قبیلہ نے سفارت جیسی اہم ذمہ داری آپ کو سونپی تھی۔ چنانچہ قریش کے مختلف قبیلوں کے درمیان کوئی خانہ جنگی یا کوئی تنازع اٹھ کھڑا ہوتا تو صلح کی سلسلہ جنبانی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی کیا کرتے تھے۔ یہ منصب آپ کو تو جوانی ہی میں اپنے باپ کے انتقال کے بعد مل گیا تھا اور اس اہم منصب کی ذمہ داری کو ادا کرنے والے سب سے کم عمر قریشی آپ ہی تھے۔ قریش معزز بھی تھے اور فصاحت و بلاغت میں یکتائے روزگار بھی۔ چنانچہ جب بھی کسی قبیلہ کے مفاخر بیان کرنا مقصود ہوتا یا کسی مخالف کے عیوب و نقائص اجاگر کرنے کی نوبت آتی تو تمام قریش کی نگاہیں اپنے سفیر عمر بن

Marfat.com

الخطاب رضی اللہ عنہ کی جانب اٹھتیں اور وہ اٹھ کر یہ فریضہ سرانجام دیتے۔ اس سے اندازہ فرمائیں کہ اتنے زبان آور لوگوں میں اٹھ کر جن کی زبان اور لہجے میں قرآن حکیم نازل ہوا اور جو زبان ہر قسم کی خوبیوں سے مالا مال تھی اور اب بھی وہاں اس قبیلہ کی نمائندگی کرنا اور ان کے مفاخر بیان کرنا کوئی معمولی کام نہ تھا اور نہ ہی یہ کوئی معمولی عزت افزائی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نہ صرف اسلام میں ایک اعلیٰ مقام کے حامل تھے بلکہ دور جاہلیت میں بھی اپنی قوم میں نہایت عز و شرف کے مقام پر فائز تھے۔ (الخلیفۃ الفاروق، العانی: ص ۱۶)

عمر رضی اللہ عنہ کی بارُعب شخصیت:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شخصیت ایک نہایت خوبصورت اور بارُعب شخصیت تھی۔ دوسرے لفظوں میں آپ جلال و جمال کا آمیزہ تھے۔ لمبے دھڑنگے، مضبوط جسم کے مالک تھے۔ آپ کے سر کے اگلے حصے کے بال جھڑ چکے تھے۔ رنگ گورا چٹا تھا، رخسار اندر کو پچک گئے تھے۔ لوگوں کے درمیان چلتے تو یوں معلوم ہوتا کہ کسی سواری پر سوار ہیں۔ آپ کے صاحبزادے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد سرخ و سفید رنگ اور مضبوط جسم کے مالک تھے۔ آپ تنگی اور فراخی ہر حالت سے بخوبی عہدہ برآ ہو سکنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے۔ دونوں ہاتھوں سے یکساں قوت کے ساتھ کام کر لیتے تھے۔ گویا بنی سدوس میں سے ہوں۔

(طبقات ابن سعد: ۳/۲۳۵، الفاروق عمر، عبدالرحمٰن الشرقاری: ص ۸)

جسمانی وجاہت و ہیئت کے ساتھ حق تعالیٰ شانہٗ نے عقل و خرد کی خوبیاں بھی فراوانی سے عطا فرمائی تھیں۔ اگرچہ عالم شباب ہی میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو قومی مسائل اور ان کی اصلاح کے طریقوں پر غور و فکر کا موقع بہم پہنچایا اور عزت نفس کے احساس نے ان کی رائے میں عصبیت پیدا کی، پھر ان کے مزاج کی سختی اور ان کے جسم کی توانائی نے اس عصبیت کو تشدد کی حد تک پہنچا دیا یہاں تک کہ وہ اپنی بات منوانے کے لیے زبان کی حدت کے ساتھ ساتھ بازو کی قوت سے بھی کام لے لیا کرتے تھے، لیکن دوسرے کی بات کو بڑے غور سے سننے کی خوبی بھی اللہ نے آپ میں ودیعت فرمائی تھی۔ دوسرے کی بات وہ اس لیے بڑے غور سے سنتے تھے تاکہ انہیں رد کریں تو قطعی دلیل سے اور ختم کریں تو پوری قوت سے اور قبول کریں تو قلب کی اتھاہ گہرائیوں سے۔

Marfat.com

سرکار دو عالم ﷺ نے جب مکہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تو جہاں مکہ والے آپ کے اور آپ کے ماننے والوں کے مخالف ہو گئے وہاں عمر بن خطاب بھی سب سے زیادہ سخت اور سب سے زیادہ بے رحم تھے۔ ان کے مزاج کی درشتی اور غصے کی تیزی نے انہیں حد درجہ تشدد پسند بنا دیا تھا حالانکہ اس وقت ان کی عمر قریباً ۲۰ سال تھی۔

روایات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر بن خطاب کو سرکار دو عالم ﷺ کی دعوت سے جو دشمنی تھی وہ جہالت اور تعصب کی وجہ سے نہ تھی کیونکہ آپ اس حقیقت سے بخوبی آشنا تھے کہ سرزمین مکہ میں آپ سے زیادہ علم و حکمت کا جاننے والا اور کوئی نہیں۔ اگرچہ آپ ﷺ پڑھے لکھے نہیں۔ لیکن آپ ﷺ کے قلب میں علم و حکمت کے چشمے پھوٹے ہوئے ہیں۔ وہ آپ کے بعض اقوال سے بہت بتاثر بھی تھے۔

عمر ﷜ کی اسلام کے بارے میں یہ ساری دشمنی اس بات کا نتیجہ تھی کہ اگر محمد ﷺ کا اتباع کیا گیا تو قریش کی وحدت کا یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور مکہ مکرمہ کی حدود میں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑک اٹھیں گے۔ مکہ میں ایک بے سکونی اور انتشار کی فضا پیدا ہو جائے گی اور بلدِ حرام کی قدر و منزلت کو نقصان پہنچے گا۔ اور اگر رسول اللہ ﷺ کی دعوت قبول کرنے والے مسلمانوں کو مار کر دوبارہ اپنے دین پر نہ لایا گیا تو پورے مکہ اور قریش کی ہوا اکھڑ جائے گی اور مکہ کا وقار فنا کے گھاٹ اتر جائے گا۔

آپ کمزور مسلمانوں کو مارتے اور بہت مارتے اور پھر ان کے صبر و استقلال کو دیکھ کر خلوت میں بیٹھ کر یوں بھی کہتے کہ ''آخر ان بے چاروں کا قصور کیا ہے جس کی پاداش میں ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں بلکہ سارا قصور تو محمد ﷺ کا ہے جس کے معجز بیانی اور قادر الکلامی نے ان غریبوں اور بے نواؤں کو اپنے حلقہ میں پھانسا ہوا ہے، لیکن پھر خیال آتا کہ اگر محمد ﷺ کے اس فتنہ کو ختم کر دیا جائے تو مکہ کا گیا ہوا سکون واپس لوٹ سکتا ہے اور تمام قبائل پھر اسی طرح اتفاق و اتحاد کے ساتھ رہ سکتے ہیں؟ پھر دوسرے لمحے یہ خیال بھی آتا کہ محمد ﷺ کی باتیں بھی تو غلط نہیں ہیں بلکہ ان کی باتیں بڑی دل آویز ہیں۔ وہ اپنی دعوت علم و حکمت پر مبنی بنیادوں پر دیتا ہے۔ اس کی دعوت کا پیرایہ بڑا حسین ہے۔ اس نے اپنی پیدائش سے لے کر آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اس کی یہ دعوت کیسے جھوٹی ہو سکتی ہے؟'' پھر یہ خیال آتا کہ ''اسے قتل بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کی دعوت کو قبول کرنے والے صرف کمزور لوگ ہی نہیں بلکہ بعض کا

Marfat.com

تعلق مکہ کے معزز قبائل سے ہے۔

یہ سارے سوالات عمر رضی اللہ عنہ کو تنہائی میں پریشان کیے رکھتے، لیکن دوسری طرف اپنی قوم کا انتشار بھی ان سے برداشت نہ ہوتا، چنانچہ وہ اپنی طبیعت پر جبر کر کے اسلام کی دعوت کو قبول کرنے والے مسلمانوں پر بھی سختی شروع کر دیتے، مقصد وہی تھا کہ مکہ کی حرمت وعظمت بحال رہے اور قریش انتشار وافتراق کی بادسموم سے محفوظ ومصئون رہیں۔

عمر رضی اللہ عنہ دیکھ رہے تھے کہ ہر انسان کو فطرت سے ڈر لگتا ہے اور طبعی طور پر انسان خطرات اور ان کے نتائج سے گھبراتا ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کرنے والے لوگ اگرچہ معاشرہ میں نہایت کمزور ہیں لیکن وہ عزم و ہمت کے ساتھ اپنی منزل کی طرف گامزن ہیں۔ راستہ کا کوئی خطرہ انہیں اپنی منزل پر پہنچنے سے نہیں روک سکتا۔ ایمان ویقین ان کا زادراہ ہے اور اللہ رب العزت پر توکل ان کا اسلحہ ہے۔ اسی وجہ سے یہ دین روز بروز روبہ ترقی ہے۔ ان لوگوں نے اپنے دلوں کو ذاتی مصالح اور شخصی منفعت سے بے نیاز کر کے دین کے صراط مستقیم پر چلنا شروع کیا ہے اور وہ ان تھک طریقے سے اس راہ پر گامزن ہیں۔ اور راستہ کی ہر تکالیف کو وہ خندہ پیشانی سے برداشت کر رہے ہیں۔ ان سب باتوں نے عمر رضی اللہ عنہ کے دل پر اثر کیا۔ ان کا دل کوئی پتھر کا دل نہیں تھا بلکہ گوشت پوست کا دل تھا۔ پیروانِ اسلام کی زندگی نے عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں انقلاب کی لہریں پیدا کر دیں۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی آنکھوں نے یہ بھی دیکھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کفار مکہ کے سامنے جس شخص نے قرآنی دعوت کو پیش کیا وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ نہایت نحیف ونزار شخص لیکن دل جبل بوقبیس کی طرح مضبوط اور سخت۔ ان کے منہ سے قرآن حکیم سن کر قریش مکہ ان پر پل پڑتے ہیں اور مار مار کر لہولہان کر دیتے ہیں لیکن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے زخموں کی ذرہ برابر پروانہیں کرتے اور ساتھیوں سے فرماتے ہیں کہ اگر تم کہو تو میں کل پھر ان کے سامنے قرآن حکیم کی تلاوت کروں۔ ساتھی کہتے ہیں: ”نہیں اتنا ہی کافی ہے تم نے ان کے سامنے وہ کلام پیش کر دیا ہے جسے وہ سخت ناپسند کرتے ہیں۔“

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے حالات بھی ان کے سامنے تھے کہ قریش مکہ نے ان کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا۔ اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے تعذیب کا ہر حربہ ان پر آزمایا لیکن وہ ہر ایذا کے مقابلہ میں احد احد پکارتے ہیں۔ بلال رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ ان کافروں

Marfat.com

کے نزدیک کوئی کلمہ احد سے بھی زیادہ باعث غیظ وغضب ہے تو میں ضرور ان کے سامنے وہ کلمہ کہوں۔

ان سب واقعات نے عمر رضی اللہ عنہ کے دل پر گہرا اثر کیا۔ اب ان کے مزاج میں نرمی اور قلب میں رحم کے جذبات انگڑائیاں لینے لگے اور کمزور مسلمانوں پر تشدد کرنے کی پالیسی میں انہوں نے نظر ثانی کرنا شروع کر دی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت میں یہ سب کچھ دیکھتے رہے۔ چنانچہ جب وہ حلقہ اسلام میں داخل ہوئے تو انہیں اسلام کے جمال اور حقیقت کا یقین ہو گیا اور ہدایت و گمراہی، کفرو ایمان اور حق و باطل کا فرق معلوم ہو گیا کیونکہ جب تک جاہلیت کے نشیب و فراز کو نہ دیکھا ہو اسلام کی صحیح حقیقت کا احساس نہیں ہوتا۔ (الفتاویٰ: ۱۵/ ۳۶، فرائد الکلام للخلفاء الکرام: ص ۱۴۴)

Marfat.com

عمر رضی اللہ عنہ حلقہ اسلام میں

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ظلم وستم جاری تھے۔ بے گناہوں پر ظلم ڈھائے جارہے تھے یہاں تک کہ لوگ اب مکہ کی سرزمین کو چھوڑ کر حبشہ کے لیے تیاری میں مصروف تھے۔ مکہ کے ہنستے بستے گھر تارکین وطن کی وجہ سے ویران دکھائی دے رہے تھے۔ ان سب باتوں کے اثرات عمر بن خطاب کے قلب پر بھی پڑے۔ (اخبار عمر، طنطاویات: ص ۱۲)

ایک طرف یہ ہورہا تھا۔ دوسری طرف رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں پر کیے گئے ظلم وستم کی وجہ سے نہایت پریشان تھے۔ اہل کفر میں دو شخص ایسے تھے جو نہایت جری، بہادر اور اسلام دشمنی میں نہایت سرگرم تھے۔ خواہ کچھ بھی ہوجائے وہ کبھی بھی حالات سے سمجھوتہ نہیں کرتے تھے۔ دونوں نہایت دبنگ قسم کے انسان تھے۔ ان دونوں کی یہ خصوصیات کفر کے لیے استعمال ہورہی تھیں جو اسلام کی دعوت کے پھیلاؤ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ کا باعث بن رہی تھیں۔

حاکم نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو عمروں میں سے ایک عمر کے مسلمان ہونے کی دعا نہیں مانگی تھی بلکہ صرف عمر بن خطاب کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کی دعا فرمائی تھی۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

((اللھم اعز الاسلام بعمر ابن الخطاب خاصة))

''اے اللہ! خاص طور پر عمر بن خطاب کو حلقہ اسلام میں داخل کر کے اسلام کو عزت عطا فرما۔'' (زرقانی: ۱/۲۷۳، سنن ابن ماجہ: ۱/۳۹)

بعض روایات میں یہ الفاظ آئے ہیں:

((اللھم اعز الاسلام باحب الرجلین الیك بعمر بن الخطاب او بابی جھل بن ھشام)) (ترمذی: ۲/۲۰۹، دلائل النبوۃ: ۲/۳)

Marfat.com

ان دونوں میں سے زیادہ محبوب صرف اور صرف عمر بن خطاب تھے۔ اور پیغمبر اسلام ﷺ کی یہ دعا مستجاب ہوئی۔ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کو جس میں صرف سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا نام آیا ہے طبرانی نے الاوسط اور الکبیر دونوں میں نقل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سرکار دو عالم ﷺ کے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے نکلی ہوئی اس دعا کو قبول فرمایا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے دشمن اسلام کو جان نثار اسلام بنا دیا۔

ایک اور روایت میں جس کو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے، یہ الفاظ آئے ہیں:

اللھم اعز الدین بعمر

''اے اللہ اسلام کو عمر کے ذریعے سے عزت دے۔''

(طبقات ابن سعد: ۳/۲۶۹، مستدرک حاکم: ۳/۸۳، تاریخ الاسلام ذہبی: ۱/۱۷۲)

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر اس دعا کی وجہ سے بالکل اچانک اسلام منکشف ہوگیا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی اعلیٰ اخلاقی زندگی، آپ کا شب و روز دعوت و تبلیغ میں مشغول رہنا، آپ کے ساتھیوں کا اپنے اس مشن کے لیے مختلف صعوبتیں اور اذیتیں برداشت کرنا، مخالفتوں کی وجہ سے آپ کا اور آپ کی دعوت کا مستقل چرچا جس کی وجہ سے ہر ایک کے لیے آپ کا وجود ایک سوالیہ نشان بن گیا تھا، ان تمام چیزوں نے بے شمار لوگوں کے ذہنوں میں اسلام کی تخم ریزی کر دی تھی۔ قبائلی عصبیت اور اسلاف پرستی کی وجہ سے ایک شخص بظاہر عناد اور ضد میں مبتلا ہوتا مگر اندر ہی اندر اسلام کی خاموش پرورش کو بھی وہ روک نہ سکتا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اسلام کے بارے میں عام شہرت یہ ہے کہ اچانک ایک واقعہ آپ کے اسلام لانے کا سبب بن گیا، حالانکہ معاملہ ایسا نہیں۔ یہ درست ہے کہ آخری مرحلہ میں آپ کے اسلام کا محرک بلاشبہ یہ واقعہ تھا لیکن اس کی ابتدائی تخم ریزی آپ کے دل میں بہت پہلے ہو چکی تھی۔

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں عرض کیا گیا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سخت خوئی اور تند مزاجی کی وجہ سے تمام مکہ میں مشہور تھے اور مسلمانوں کو ایک طویل عرصہ تک ان کی سختیاں برداشت کرنا پڑیں، لیکن جملہ روایات پر مجموعی نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ رفتہ رفتہ اسلام ان کے قلب میں جاگزیں ہوا۔ جب وہ مسلمانوں پر تشدد کرتے تو ان کے صبر اور توکل علیٰ اللہ کو دیکھ کر ان کے

Marfat.com

قلب میں ایک خاص اثر ہوتا کہ آخر اسلام میں کوئی خوبی تو ہے تبھی تو یہ لوگ ہمارے ہاتھوں اتنی تکالیف اور سختیاں برداشت کر کے بھی اسلام کی شاہراہ پر گامزن ہیں، لیکن اس کے ساتھ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ باپ دادا کی ایجاد کردہ رسموں کا بھی بڑا احترام کرتے تھے اور کسی صورت میں انہیں چھوڑنے پر یا ان میں ردوبدل کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ دوسرے اسلام کی پاکیزہ تعلیمات بھی ان کے ذہن کو متاثر کرتیں اور بتوں کی پوجا کے بارے میں جب اسلام کی تعلیمات پر وہ غور کرتے کہ یہ نہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں اور نہ کوئی نفع ونقصان پہنچا سکتے ہیں تو ان کے دل میں ان بتوں کے بارے میں نفرت کے جذبات باہم دست وگریبان ہوتے تھے۔ پھر بعض موقعوں پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کی غیبی دست گیری بھی کی اور غیبی آواز سے انہیں حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی۔ خود بیان فرماتے ہیں کہ بعثت نبوی سے کچھ عرصہ قبل میں ایک صنم کدہ میں لیٹا ہوا تھا کہ ایک شخص ایک بچھڑا لے کر آیا۔ اور اسے ذبح کیا اس کے ذبح ہوتے ہی ایک آواز آئی:

''اے بخیح! ایک فصیح البیان شخص یہ کہتا ہے لا الہ الا اللہ۔''

یہ آواز سن کر لوگ بھاگ کھڑے ہوئے، لیکن میں وہیں کھڑا رہا تا کہ دیکھوں کہ اس کے بعد کیا ہوتا ہے، لیکن پھر وہی آواز آئی۔ اس واقعہ کے تھوڑے عرصہ بعد یہ مشہور ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں۔ (بخاری: ۱/ ۵۴۶)

بعض کتابوں میں یہ روایت اس طرح ہے کہ ابوجہل نے یہ اعلان کیا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرے اس کے لیے میں سو اونٹ کا کفیل اور ضامن ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے بالمشافہ ابوجہل سے دریافت کیا کہ تمہاری طرف سے کیا یہ ضمانت درست ہے۔ ابوجہل نے جواب دیا کہ ہاں۔ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے تلوار لے کر روانہ ہوا۔ راستہ میں ایک بچھڑا نظر آیا جسے لوگ ذبح کر رہے تھے۔ میں بھی دیکھنے کے لیے وہاں کھڑا ہو گیا۔ میں وہاں کھڑا تھا کہ کسی پکارنے والے نے بچھڑے کے پیٹ میں سے آواز دی کہ

یا آل ذریح امر بخیح، رجل یصیح بلسان فصیح یدعو الیٰ شھادۃ
ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ

''اے آلِ ذریح! ایک کامیاب امر ہے، ایک مرد فصیح زبان کے ساتھ

Marfat.com

پکار رہا ہے اور وہ لوگوں کو شهادة ان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله کی طرف بلا رہا ہے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آواز سنتے ہی میرے دل میں خیال آیا کہ یہ آواز دراصل مجھ کو دی جا رہی ہے اور میں ہی اس آواز کا مخاطب ہوں۔

(فتح الباری: ۷/ ۱۳۸، باب اسلام عمر، زرقانی: ۱/ ۲۷۶ وغیرہ)

اس غائبانہ آواز نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قلب و ذہن پر کیا اثر چھوڑا، اگرچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو خود بیان نہیں فرمایا، لیکن الفاظ کے نشیب و فراز بتا رہے ہیں کہ اسلام کے اثرات قلب عمر رضی اللہ عنہ میں جاگزیں ہو چکے تھے۔ چنانچہ ان کا رویہ اہل اسلام کے ساتھ پہلے سے مختلف ہو گیا۔ سختی کے بجائے اب نرمی آ گئی، چنانچہ ان کے اپنے قبیلہ کی ایک عورت ام عبداللہ لیلیٰ بنت ابی حشمہ السابقون الاولون میں سے تھیں، فرماتی ہیں کہ جب ہم حبشہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے تو عمر رضی اللہ عنہ آئے اور میرے پاس کھڑے ہو گئے۔ وہ ابھی تک اپنے شرک پر قائم تھے اور ہمیں ان کی ذات سے طرح طرح کی اذیتیں برداشت کرنی پڑتی تھیں۔ میرے خاوند عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کسی کام سے باہر نکلے ہوئے تھے اور میرا شیر خوار بچہ عبداللہ کھیل رہا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''ام عبداللہ! کدھر کا ارادہ ہے؟'' میں نے جواب دیا: ''تم لوگوں نے خدا کے دین کی پاداش میں ہم پر مکہ کی سرزمین تنگ کر دی ہے، لیکن اللہ کی زمین بڑی وسیع ہے۔ ہم گھر بار چھوڑ کر جا رہے ہیں۔'' انہوں نے مجھ سے پوچھا: ''ام عبداللہ! جانا یقینی ہے؟'' میں نے کہا: ''ہاں۔'' فرماتی ہیں: ''میری بات سن کر عمر رضی اللہ عنہ نے ٹھنڈی آہ بھری، اور صرف اتنا کہا "صحبکم الله" (خدا تمہارا ساتھی اور حامی ہو) فرماتی ہیں: ''میں نے جیسی رقت اس وقت ان پر طاری دیکھی اس سے قبل کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس کے بعد وہ چلے گئے۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے جانے سے وہ سخت دل گیر تھے۔ جب میرے شوہر عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ آئے تو میں نے انہیں یہ واقعہ سنایا اور کہا: میرا خیال ہے کہ عمر اب اسلام قبول کر لیں گے۔ عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''خطاب کا گدھا ایمان لے آئے تو لے آئے لیکن اس شخص سے امید نہیں۔''

(سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۱۶، فضائل الصحابۃ، امام احمد: ۱/ ۳۴۱)

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے رویہ اور مزاج میں مسلمانوں کے بارے میں کافی تبدیلی آ چکی تھی۔ اب مسلمانوں سے دشمنی محبت میں تبدیل ہو چکی تھی۔ اور اب

Marfat.com

انہیں اذیتیں دینے کی بجائے ان کے لیے دعا کی جا رہی تھی۔

مسند امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسلام سے پہلے میں اس ارادہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آمنا سامنا ہو جائے گھر سے نکلا۔ آپ مجھ سے پہلے مسجد میں موجود تھے۔ میں جا کر آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ آپ نے داخل مسجد ہو کر نماز شروع کر دی اس میں سورۃ الحاقہ کی تلاوت شروع فرمائی۔ میں کھڑا سنتا رہا یہاں تک کہ قرآن حکیم کے نظم و اسلوب نے مجھے حیرت میں ڈال دیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا: ''خدا کی قسم جیسا کہ قریش کہتے ہیں یہ شخص واقعی شاعر ہے۔ میں دل میں یہ کہہ رہا تھا کہ آپ نے یہ آیت پڑھی:

﴿انه لقول رسول کریم وما هو بقول شاعر قلیلاً ما تومنون﴾

''یہ ایک بزرگ رسول کا کلام ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں۔ تم بہت کم ایمان رکھتے ہو۔''

اب میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ شخص تو کاہن ہے، تبھی تو میرے دل کی بات جان گیا ہے، لیکن اس کے بعد ہی آپ نے یہ آیت پڑھی:

﴿ولابقول کاهن، قلیلاً ماتذ کرونه تنزیل من رب العالمین﴾

''یہ کسی کاہن کا کلام بھی نہیں، تم بہت کم نصیحت پکڑتے ہو۔ یہ تو جہانوں کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے۔''

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورت ختم کی تو اسلام میرے دل پر اثر انداز ہو چکا تھا۔

(فوقع فی قلبی الاسلام کل موقع)

(مسند احمد: ۱/۱۷، تاریخ الخلفاء: ص ۱۰۹، عمر بن الخطاب لابن جوزی: ص ۶، ابن ہشام: ۱/۳۴۶۔۳۴۸ وغیرہ)

یہ ہے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا اصل واقعہ جس کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی زبان سے خود بیان کیا ہے اور بخاری اور مسند امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جیسی معتبر روایات میں بیان ہوا ہے، لیکن اس کے برعکس جو واقعہ کذاب راویوں نے بیان کیا ہے اس کو اتنی شہرت دی گئی کہ بخاری اور مسند احمد کی روایات نیچے دب کر رہ گئیں۔ وہ واقعہ کچھ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز عمر بن خطاب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا مصمم ارادہ کر کے گھر سے نکلے۔ اس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ صفا کے قریب دار ارقم میں اقامت فرما تھے اور

Marfat.com

مسلمانوں کی مجموعی تعداد اس وقت چالیس کے قریب تھی۔ ابھی راستہ ہی میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی نعیم بن عبداللہ النحام رضی اللہ عنہ .... (یہ نعیم بن عبداللہ النحام مسلمان تو ہو چکے تھے لیکن اپنے اسلام کا اظہار نہیں کیا تھا۔ النحام کا لفظ نحمہ سے مشتق ہے۔ نحمہ کے معنی ہیں آہٹ یا کھنکار کی آواز۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا: ((سمعت نحمته فی الجنة)) میں نے جنت میں اس کی کھنکار سنی۔ اس خوشخبری کی وجہ سے ان کا لقب ''النحام'' پڑ گیا۔

(سیرۃ حلبیہ: ۱/۳۴۹)

بعض روایات میں ہے کہ بنی زہرہ یا بنی مخزوم کے کسی شخص سے ملاقات ہوگئی۔

(ملاحظہ ہو عمر بن الخطاب لابن جوزی: ص ۱۰، مختصر السیرۃ شیخ عبداللہ: ص ۱۰۲۔۱۰۳)

نعیم نے عمر کے تیور دیکھ کر اندازہ لگایا اور پوچھا: ''ابن خطاب! کہاں کا ارادہ ہے؟''
عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''اس فتنہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کرنے جا رہا ہوں جو محمد ﷺ نے برپا کر رکھا ہے۔'' نعیم نے کہا: ''محمد ﷺ کو قتل کر کے بنو ہاشم اور بنو زہرہ سے کس طرح بچ سکو گے؟'' عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''معلوم ہوتا ہے کہ تو بھی صابی (بے دین) ہو گیا ہے اور اپنے باپ دادے کا دین چھوڑ بیٹھا ہے۔'' نعیم بن عبداللہ نے کہا: ''ابن الخطاب! محمد ﷺ کو ختم کرنے سے پہلے اپنے گھر کی خبر لو، تمہاری بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت خطاب اور بہنوئی سعید بن زید رضی اللہ عنہ دونوں صابی ہو چکے ہیں اور باپ دادا کے دین کو خیر باد کہہ کر حلقہ رسول میں داخل ہو چکے ہیں۔
عمر رضی اللہ عنہ ان اشتعال انگیز اور طعن آمیز فقروں کو کب برداشت کر سکتے تھے۔ ان فقروں کو سنتے ہی غصے سے بھر گئے اور محمد ﷺ کی تلاش چھوڑ کر بہن کے گھر پہنچ گئے۔ سیدنا خباب بن الارت رضی اللہ عنہ جو ان کی بہن اور بہنوئی کو قرآن حکیم کی تعلیم دے رہے تھے، عمر رضی اللہ عنہ کی آہٹ سنتے ہی چھپ گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہوئے مگر تلاوت کی کچھ بھنک عمر رضی اللہ عنہ کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ عمر جیسے ہی مکان میں داخل ہوئے، پوچھا: ''تم کیا پڑھ رہے تھے؟'' بہن اور بہنوئی نے بات کو چھپانا چاہا، لہٰذا کچھ خاموش رہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اسی تیزی میں کہا میں نے سنا ہے کہ تم دونوں صابی (بے دین) ہو گئے ہو؟ بہنوئی سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا: عمر! اگر تمہارا دین حق نہ ہو بلکہ اس کے سوا کوئی دوسرا دین حق ہو تو بتلاؤ کیا کرنا چاہیے؟ بہنوئی کے اس جواب نے عمر رضی اللہ عنہ کے غصہ کو اور تیز کر دیا اور وہ ان پر پل پڑے۔ بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا شوہر کو بچانے کے لیے آگے بڑھیں تو عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اس قدر مارا کہ چہرہ لہو سے تر بتر ہو گیا۔ اب

Marfat.com

بہن کو بھی جوش آ گیا بولیں، اے خطاب کے بیٹے! تجھ سے جو کچھ ہو سکتا ہے کر لے، ہم تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو قبول کر چکے ہیں۔ اے اللہ کے دشمن! تو ہمیں محض اس لیے مارتا ہے کہ ہم اللہ کو ایک مانتے ہیں۔ خوب جان لے، ہم اسلام کے حلقہ میں داخل ہو چکے ہیں اگرچہ تیری ناک خاک آلود ہو۔''

بہن کا یہ جوش سے بھرا ہوا جواب سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کچھ پسیجے اور آپ کے غصہ میں کچھ ٹھنڈک پیدا ہوئی اور شرم آ گئی لہجے میں کہا: ''مجھے دکھاؤ تم کیا پڑھ رہے تھے؟'' بہن نے کہا: ''تم ناپاک ہو اور قرآن حکیم کو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ جاؤ وضو کر کے آؤ۔''

اب عمر رضی اللہ عنہ کا غصہ بالکل ٹھنڈا ہو چکا تھا اور اصل حقیقت معلوم کرنے کا شوق اتنا بڑھ چکا تھا کہ بہن کے اس سخت اور توہین آمیز کلام کو نہایت صبر سے برداشت کیا۔ فوراً اٹھے اور وضوء یا غسل کیا (اختلاف الروایات فی ذالک) اور صحیفہ مطہرہ کو ہاتھ میں لیا۔ اس میں لکھا تھا: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' عمر رضی اللہ عنہ اللہ جل شانہ کے یہ پاک نام دیکھ کر لرزہ براندام ہو گئے اور صحیفہ مبارکہ کو وہیں رکھ دیا۔ جب آپ کے اوسان بجا ہوئے تو اسے پھر اٹھایا۔ بسم اللہ کے بعد سورۃ طٰہٰ لکھی تھی۔ قرآن حکیم کا ایک ایک لفظ ان کے قلب پر نقش ہو رہا تھا۔ فصاحت زبان محاسن کلام، ندرتِ بیان، بلندی معانی، جامعیت مطالب، حسن انشاء، شگفتگیٔ الفاظ اور تعلیمات ہدایت کی پاکیزگی پر سر دُھنتے تھے۔ آخر جب اس آیت پر پہنچے:

﴿انی انا اللہ لا الہ الا انا فاعبدنی واقم الصلوٰۃ لذکری﴾

''میں ہی معبودِ برحق ہوں، میرے سوا کوئی پرستش کا اہل نہیں، پس میری ہی عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔''

تو صداقت کا جذبہ کامل اپنی پوری طاقت کے ساتھ قلب صافی میں محشر انگیز ہوا اور انوارِ رُشد و ہدایت نے رہبری فرما کر چشم بصیرت کھول دی۔ آنکھیں پرنم ہو گئیں اور زبان سے بے اختیار نکلا: ''کیسا پاکیزہ کلام ہے۔'' حقیقت میں جس معبود کی یہ تعریف ہے اور جس کا یہ کلام ہے وہی قابل پرستش و ستائش ہے (ما احسن الکلام واکرمہ) اس کے بعد بے اختیار بول اٹھے: اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً رسول اللہ۔

سیدنا خباب بن الارت رضی اللہ عنہ مکان میں چھپے یہ سب ماجرا دیکھ اور سن رہے تھے۔ جب انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے کلمہ شہادت سنا تو فوراً باہر نکل آئے اور سب حضرات

Marfat.com

نے خوشی سے نعرہ تکبیر بلند کیا اور جوش مسرت میں ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگے۔ خباب بن الارت رضی اللہ عنہ نے کہا: ''عمر! خوشخبری ہو، رسول اللہ ﷺ کی دعا تمہارے حق میں قبول ہوئی۔

عمر رضی اللہ عنہ نے خباب رضی اللہ عنہ سے کہا، مجھے اسی وقت سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں لے چلو۔

سرکار دو عالم ﷺ اس وقت دار ارقم المخزومی میں تشریف فرما تھے۔ سیدنا خباب بن الارت رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر دار ارقم کی طرف روانہ ہوئے جہاں سرکار دو عالم ﷺ اور دیگر صحابہ کرام جن میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے جو صرف تین روز قبل ایمان لائے تھے، تشریف فرما تھے۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ دستک دی اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ یہ معلوم کر کے کہ عمر رضی اللہ عنہ اندر آنا چاہتے ہیں، کوئی شخص دروازہ کھولنے کی جرأت نہیں کر رہا تھا کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ انتہاء درجہ مغلوب الغضب اور اسلام کی دشمنی میں بڑے غالی تھے۔ مکان میں موجود سب لوگ یہی سمجھ رہے تھے کہ عمر رضی اللہ عنہ خون خرابہ کرنے آئے ہیں۔ اصل حقیقت حال کا کسی کو پتہ نہ تھا، اس لیے سب خوف زدہ تھے۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دروازہ کھول دو اور آنے دو، اور سن لو اگر عمر رضی اللہ عنہ اطاعت حق اور قبول اسلام کے ارادہ سے آیا ہے تو اہلاً وسہلاً اور اگر کسی ایذاء رسانی کے ارادہ سے آیا ہے تو اسی کی تلوار ہوگی اور اسی کا سر۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے دروازہ کھول دیا گیا اور دو شخصوں نے میرے دونوں بازو پکڑے اور حضور ﷺ کے سامنے لا کر مجھے کھڑا کر دیا۔ آپ ﷺ نے ان دونوں شخصوں سے فرمایا: اس کے ہاتھ چھوڑ دو۔ آپ ﷺ نے پھر میرا کرتا پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور فرمایا: ''اے خطاب کے بیٹے! اسلام لاؤ، اور پھر یہ دعا فرمائی:

((اللھم اھدہ))

''اے اللہ! اس کو ہدایت دے۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

''اے اللہ! یہ عمر بن خطاب حاضر ہے۔ اے اللہ! اس سے اپنے دین کو عزت دے۔''

پھر عمر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا:

''عمر! کیا تو اس وقت تک باز نہ آئے گا جب تک حق تعالیٰ تجھ پر کوئی رسوا کن عذاب نازل نہ فرمائے؟''

علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے نعیم بن عبداللہ والی یہ روایت بیان کر کے لکھا ہے کہ

Marfat.com

''یہ وہ زمانہ تھا جب رسول اللہ ﷺ ارقم کے مکان پر جو کوہ صفا کے نیچے واقع تھا، پناہ گزین تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی۔ چونکہ شمشیر بکف تھے۔ صحابہ کو تردد ہوا، لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا: آنے دو۔ مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ ﷺ خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا: کیوں عمر، کس ارادہ سے آئے ہو؟ نبوت کی پر جلال آواز نے ان کو کپکپا دیا۔ نہایت خضوع کے ساتھ عرض کی ''ایمان لانے کے لیے'' آنحضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بے ساختہ ''اللہ اکبر'' کا نعرہ اس زور سے مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔''

(سیرۃ النبی ﷺ: ۱/۲۲۴۔۲۲۶)

علاوہ ازیں اور بھی کئی حضرات نے اپنی کتابوں میں چند الفاظ کے اختلاف کے ساتھ اس قصہ کو نقل کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۳۴۵۔۳۴۶، عیون الاثر لابن سید الناس: ۱/ ۲۱۶۔۲۱۷، زرقانی: ۱/ ۶۷ وغیرہ)

یہ سارا قصہ ہم نے سیرۃ النبی اور دوسری کتابوں سے نقل کیا ہے اور علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ جیسے محقق نے اس کو اپنی کتاب ''الفاروق'' میں بھی نقل کیا ہے، لیکن علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کی اسناد اور روایت کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی۔ اردو میں کتابیں لکھنے والے دوسرے مؤرخین اور سیرت نگاروں نے بھی اس قصہ کو بڑے شد و مد سے لکھا ہے اور اسی کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا سبب قرار دیا ہے۔ اس واقعہ کے بارے میں علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس واقعہ کو انساب الاشراف، بلاذری، طبقات ابن سعد، اسد الغابہ، ابن عساکر اور کامل ابن اثیر میں نقل کیا گیا ہے۔

پیشتر اس کے کہ ہم اس واقعہ پر کوئی بحث کریں، علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کے بارے میں جو وضاحت کی ہے، اس کو ملاحظہ فرمائیں، سید صاحب فرماتے ہیں:

''دار قطنی نے اس روایت کو مختصر لکھ کر کہا ہے کہ اس کا ایک راوی قاسم بن عثمان بصری قوی نہیں (باب طہارۃ للقرآن) ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک حاکم ص ۵۱۹ جلد ۴ کے استدراک میں لکھا ہے کہ یہ روایت واہی اور منقطع ہے۔ اور میزان الاعتدال میں

Marfat.com

قاسم بن عثمان کے حال میں، جو اس روایت کا ایک راوی ہے، لکھا ہے کہ اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا قصہ بیان کیا ہے "وھی منکرۃ جداً" اور وہ نہایت منکر ہے۔ کنز العمال (فضائل عمر ابن الخطاب) میں بھی اس روایت کی کمزوری ظاہر کی گئی ہے۔ ان روایتوں کے مشترک راوی اسحاق بن یوسف، قاسم بن عثمان، اسحاق بن ابراہیم الحسینی اور اسامہ بن زید بن اسلم ہیں اور یہ سب پایہ اعتبار سے ساقط ہیں۔"

(سیرۃ النبی: ۳/۲۳)

اس قصہ کی بعض روایات میں سورۃ حدید کی تلاوت کا ذکر ہے اور بعض میں سورۃ طٰہٰ کی ابتدائی آیات کا ذکر ہے اور بقیہ کہانی وہی ہے۔ یہ روایات طبقات ابن سعد، مسند ابی یعلی، سنن دار قطنی، مستدرک حاکم، بیہقی، طبرانی، بزار اور ابونعیم وغیرہ میں موجود ہیں۔ ان سب کی روایات میں جو راوی ہیں ان کے بارے میں علمائے جرح و تعدیل نے جو جرح کی ہے اس روایت کے غلط ہونے کے شواہد حسب ذیل ہیں:

اس روایت کے الفاظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اپنے بہنوئی سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے ناآشنا تھے، اور آپ کو نعیم بن عبداللہ کی زبانی پتہ چلا کہ وہ دونوں مسلمان ہو چکے ہیں حالانکہ یہ بات صحیح روایت کے خلاف ہے۔ چنانچہ بخاری میں سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی اپنی زبان سے بات منقول ہے۔

واللہ لقد رایتنی عمر لموثقی علی الاسلام قبل ان یسلم عمر۔

"اللہ کی قسم، میں نے اپنے کو اس حال میں دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے قبل مجھے باندھ کر ڈال دیا کرتے تھے۔" (بخاری: ۱/۵۴۵۔۵۴۶)

اس روایت صحیحہ سے غیر مبہم طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے بہنوئی سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو اس کے اسلام لانے کے بعد رسیوں سے باندھ کر زمین پر ڈال دیا کرتے تھے تاکہ وہ کہیں نہ جا سکیں اور کسی دوسرے قریشی تک اپنے ایمانی جراثیم منتقل نہ کر سکیں۔

یہ واقعہ دشمنان عمر نے انہیں سفاک، ظالم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنانے والا ظاہر کرنے کے لیے گھڑا ہے وگرنہ حقیقت یہ نہیں ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسلام کیا لائے مسلمانوں میں خوشی و مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی اور انہوں نے اس زور سے صدائے تکبیر بلند کی کہ آواز مکہ مکرمہ کی گلیوں اور شاہراہوں پر سنی گئی

Marfat.com

(فکبر المسلمون تکبیرۃ سمعت بطرق مکہ) (عیون الاثر: ۱/ ۲۱۷)

عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی خوشی نہ صرف اہل زمین کو ہوئی بلکہ آسمان والے بھی ان کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کی وجہ سے خوش ہوئے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے تو جبریل امین علیہ السلام سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ''اے محمد! تمام آسمان والے عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے خوش ہوئے ہیں۔'' (لقد استبشر اهل السماء باسلام عمر)

(عیون الاثر: ۱/ ۲۲۱، مستدرک حاکم: ۳/ ۸۴، زرقانی: ۱/ ۲۷۷، طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۹۲، ابن ماجہ، باب فضل عمر رضی اللہ عنہ، صفة الصفوة: ۱/ ۲۷۴، نہایۃ الارب: ۱۶/ ۲۵۶)

قریش مکہ کو اطلاع:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جب اسلام لا چکا تو ارادہ کیا کہ قریش میں جو شخص سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں سب سے بڑھ کر ہے، میں سب سے پہلے اسی کے سامنے اپنے قبول اسلام کا اظہار اور اعلان کر دوں گا۔ خیال آیا کہ ابو جہل سے بڑھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اور کوئی دشمن نہیں۔ چنانچہ میں سب سے پہلے ابو جہل کے مکان پر پہنچا، دروازہ بند تھا۔ میں نے دستک دی۔ ابو جہل کو میرے بارے میں یہ اطلاع مل چکی تھی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادۂ بد کے ساتھ دارِ ارقم کی طرف گیا ہوں۔ وہ ہمہ تن انتظار میں تھا کہ جلد از جلد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی خبر ملنے والی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو گئے ہیں۔ (ہو سکتا ہے کہ جب عمر رضی اللہ عنہ دارِ ارقم کی طرف گئے ہوں تو کسی نے یہ مشہور کر دیا ہو کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادہ سے وہاں گئے ہیں) چنانچہ جب اس کو معلوم ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ دروازہ پر کھڑا ہے تو اس نے نہایت عجلت سے دروازہ کھولا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کو دیکھتے ہی کہا: ''ماموں! میں اس لیے آیا ہوں کہ تمہیں بتا دوں کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین حق کو قبول کر لیا ہے۔ میں اللہ اور اس کے رسول برحق پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ایمان لے آیا ہوں اور ان کی رسالت کی تصدیق کرتا ہوں۔'' یہ الفاظ سننے تھے کہ ابو جہل پر ایک بجلی سی گری اور اس نے غضبناک حالت میں جھٹ کواڑ بند کر لیے اور کہا: ''جا تو اور تیرا اسلام دونوں غارت ہوں۔''

(شرح المواہب: ۱/ ۳۲۰، اخبار عمر، ص ۱۹، سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۳۵۰)

Marfat.com

یہ بات ذہن میں رہے کہ ابوجہل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی والدہ حنتمہ کا سگا چچازاد بھائی تھا اس لحاظ سے وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ماموں لگتا تھا۔

ابوجہل نے بد دعا تو اپنے بھانجے عمر رضی اللہ عنہ کو دی تھی، لیکن چند ہی سالوں کے بعد لوگوں نے دیکھ لیا کہ وہ خود اور اس کے تمام عناد پیشہ ساتھی کس طرح جنگ بدر میں موت کے گھاٹ اترے اور نہایت خائب و خاسر ہو کر بدر کے کنویں میں پھینکے گئے اور خدائے قیوم نے اسلام اور عمر رضی اللہ عنہ دونوں کو عزت و سربلندی عطا فرمائی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے تو خیال آیا کہ اپنے اسلام کی ایسے شخص کو اطلاع دوں جو بات کے مشہور کرنے میں بہت زیادہ ماہر ہوتا کہ سب لوگوں کو میرے مسلمان ہونے کی اطلاع ہو جائے۔ فرماتے ہیں کہ چنانچہ میں جمیل بن معمر جمحی کے پاس گیا جو اس بات میں پورے مکہ میں مشہور تھا اور کہا: ''جمیل! تجھے معلوم ہے کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں داخل ہو گیا ہوں۔ جمیل یہ سنتے ہی اسی حالت میں اپنی چادر کھینچتا ہوا مسجد حرام کی طرف بھاگتا ہوا گیا جہاں تمام سرداران قریش اور ہر قبیلہ کے رؤساء جمع تھے، اور جاتے ہی بآواز بلند بولا: ''لوگو! سن لو، عمر صابی (بے دین) ہو گیا ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی جمیل کے پیچھے پیچھے گیا اور وہاں جا کر کہا: لوگو! جمیل غلط کہتا ہے۔ میں صابی نہیں ہوا، میں تو اسلام لایا ہوں اور یہ گواہی دی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ یہ سننا تھا کہ تمام لوگ عمر رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑے اور مارنا شروع کر دیا اور حالت یہ ہو گئی کہ لوگ عمر رضی اللہ عنہ کو مار رہے تھے اور عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو مار رہے تھے یہاں تک کہ سورج سر پر آ گیا اور عمر رضی اللہ عنہ تھک کر بیٹھ گئے، اور فرمایا: ''جو کچھ بن پڑے کر لو، بخدا! اگر ہم لوگ تین سو کی تعداد میں ہوتے تو مکہ میں یا تم رہتے یا ہم۔''

(سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۳۴۸۔۳۴۹، عمر ابن الخطاب ابن جوزی: ص ۸، الریاض النضرۃ: ص ۳۱۹)

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت بھی نقل کی ہے کہ ''جب کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل ہوا تو لوگ اس کے پیچھے پڑ جاتے اور اسے زدوکوب کرتے۔ چنانچہ جب میں مسلمان ہوا تو اپنے ماموں عاص بن ہشام (یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا حقیقی ماموں تھا اور آپ کی والدہ حنتمہ بنت ہشام کا سگا بھائی تھا) کو اپنے مسلمان ہونے کے بارے میں بتایا۔ یہ خبر

Marfat.com

سنتے ہی وہ گھر کے اندر گھس گیا۔ پھر میں قریش کے ایک بہت بڑے آدمی کے پاس گیا (شاید یہ ابوجہل کی طرف اشارہ ہے) اور اسے بھی اپنے مسلمان ہونے کی خبر دی۔ وہ بھی یہ خبر سن کر گھر کے اندر گھس گیا۔'' (عمر بن الخطاب: ص ۸، ابن جوزی)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جس روز مسلمان ہوئے، اگرچہ آپ بڑے جری اور بہادر تھے اور مکہ کا ہر شخص آپ سے دبتا تھا لیکن معاملہ عقیدہ اور دین کا تھا، اس وجہ سے سارا مکہ برافروختہ ہو گیا۔ ایک بہت بڑا ہجوم ان پر چڑھ دوڑا۔ آپ کے صاحبزادے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جن کی عمر اس وقت چھ سال کے قریب تھی، فرماتے ہیں کہ میں اپنے مکان کی چھت پر کھڑا دیکھ رہا تھا پورا میدان برافروختہ ہجوم سے اٹا ہوا تھا۔ سب طرف یہی شور تھا ''صباعمر'' عمر دین سے پھر گیا۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہجوم نے گھر پر ہلہ بول دیا تھا اور جان سے مار ڈالنے کی دھمکیاں دی جا رہی تھیں اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خوف کے مارے گھر کے اندر تھے۔ اسی دوران ایک شخص آیا۔ وہ بڑی شان و شوکت کا آدمی تھا۔ یمنی آزار اور چادر جو ''حبرہ'' کہلاتی تھی، زیب تن تھی، قمیص میں ریشمی کپڑے کی کفیں لگی ہوئی تھیں۔ وہ ہجوم کو چیرتا ہوا مکان کے اندر عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور ان سے دریافت کیا، کیا بات ہے؟ یہ ہجوم کیسا ہے؟ ''آپ کی قوم کے آدمی کہہ رہے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کو مار ڈالیں گے کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ اس رئیس نے کہا: ''ایسا ہرگز ممکن نہیں۔'' اس شخص کی یہ بات سن کر مجھے اطمینان ہو گیا۔ اس کے بعد وہ شخص وہاں سے نکلا اور ہجوم سے کہنے لگا: ''اگر ایک شخص کا رُجحان طبع کسی دوسری طرف ہو گیا ہے تو تمہارا اس میں کیا ہے؟' اور کہا: ''جب بنی عدی بن کعب (سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قبیلہ) کو معلوم ہوگا کہ تم ان سے برسر پرخاش ہو تو کیا وہ خاموش بیٹھے رہیں گے؟'' اس کے بعد اس نے کہا: ''اس کی طرف کوئی راہ نہیں، عمر رضی اللہ عنہ میری پناہ میں ہے۔ تم اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔'' سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جیسے ہی اس شخص کی زبان سے امن اور پناہ کے الفاظ نکلے تمام ہجوم کائی کی طرح چھٹ گیا۔

(فضائل الصحابۃ، امام احمد: ۱/۳۴۶، بخاری: ۱/۵۴۵، سیرۃ ابن ہشام: ۱/۳۴۹، عیون الاثر: ۱/۲۲۰)

روایت کے آخر میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا اس وقت بچپنا تھا۔ وہ عاص بن وائل السہمی کو نہیں پہچانتے تھے۔ ہجرت کے بعد جب بڑے ہوئے تو ایک مرتبہ اپنے والد

Marfat.com

محترم سے پوچھا: ''ابا! وہ شخص کون تھا جس نے ہجوم کو منتشر کیا تھا؟'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''وہ عاص بن وائل تھا جو قبیلہ سہم کا سردار تھا۔''

(دلائل النبوۃ بیہقی: ۲/۹، ابن ہشام: ۱/۳۴۹، البدایہ والنہایہ: ۳/۸۲، فتح الباری: ۷/۱۳۵)

لیکن علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا جو بیان اپنی سیرۃ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ میں نقل کیا ہے، اس سے مترشح ہوتا ہے کہ ہجوم کو منتشر کرنے والا نہ تو عاص بن وائل تھا اور نہ ہی ابوجہل، بلکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا حقیقی ماموں عاص بن ہاشم تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب وہ (جمیل بن معمر) بآواز بلند پکارنے لگا کہ لوگو! خطاب کا بیٹا صابی ہو گیا تو لوگ مجھ پر پل پڑے۔ وہ مجھے مارتے تھے اور میں انہیں مارتا تھا۔ میرے ماموں نے آ کر کہا: 'لوگو! میں نے اپنے بھانجے کو پناہ دے دی ہے۔ اب کوئی شخص اس کو ہاتھ نہ لگائے۔ چنانچہ تمام لوگ مجھ سے الگ ہو گئے۔ اس کے بعد میرے لیے یہ بات ناگواری کا باعث تھی کہ کوئی دوسرا مسلمان پٹتا نظر آئے، لیکن دشمنان دین کی ظلم رانی مجھے برابر اس الم ناک منظر کے دیکھنے پر مجبور کر رہی تھی۔ چنانچہ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ یہ بات دینی حمیت کے سخت خلاف ہے کہ دوسرے مسلمان تو برابر پٹ رہے ہوں، لیکن میری طرف کوئی انگلی بھی نہ اٹھائے۔ آخر ایک روز علی الصبح تمام لوگ حسب معمول حجرے میں بیٹھے ہوئے تھے تو میں اپنے ماموں کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ ''میں تمہاری امان اور پناہ واپس دیتا ہوں۔'' اس نے کہا: ''ایسا ہرگز نہ کرو'' میں نے برابر انکار کیا۔ ماموں نے پوچھا: ''تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟'' میں نے کہا! ''میری یہ خواہش ہے کہ میں پٹوں اور پیٹا جاؤں یہاں تک کہ حق تعالیٰ شانہ اسلام کو غلبہ عطا فرمائیں۔

(سیرۃ عمر بن الخطاب: ص ۱۱)

ابن اسحاق کی ایک روایت میں ہے کہ بخدا! ایسا لگتا تھا کہ وہ لوگ (یعنی وہ ہجوم جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر ٹوٹا ہوا تھا) ایک کپڑا تھے جسے اس کے اوپر سے جھٹک کر پھینک دیا گیا۔

(ابن ہشا: ۱/۳۴۹)

مختصر یہ کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا خرمن کفر پر برق سوزاں بن کر گرا۔ سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے نے کفر کی صفوں میں ایک

Marfat.com

اضطرابی کیفیت پیدا کر دی۔ ان کی راتوں کی نیند حرام ہوگئی۔ دوسری طرف مسلمانوں کی کیفیت ان سے بالکل مختلف تھی۔ وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔ اب قریش مکہ کی چیرہ دستی کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا دریائے غیظ وغضب بت پرستوں کے خلاف ہر وقت موجزن رہنے لگا۔ ایک روز انہوں نے نہایت دل سوزی کے ساتھ بارگاہ نبوت میں عرض کیا: ''یا رسول اللہ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''کیوں نہیں، ہم یقیناً حق پر ہیں۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''پھر یہ نہایت تعجب کی بات ہے کہ مشرکین تو علی الاعلان بت پرستی کریں، لیکن ہم خدائے ذوالجلال کے پرستار اور توحید الٰہی کے علم بردار چھپ کر اپنے خدا کی عبادت کریں۔'' چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک روز سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ''کس وجہ سے آپ کا لقب فاروق پڑا؟'' آپ نے جواب دیا: ''مجھ سے تین روز قبل سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ پھر جب میں مسلمان ہوا تو میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا: ''یا رسول اللہ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ خواہ زندہ رہیں یا مریں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کیوں نہیں، قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، تم لوگ حق پر ہو، خواہ زندہ رہو یا اس دنیا سے انتقال کر جاؤ۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''تب میں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! پھر یہ چھپنا کیسا؟ اس ذات برحق کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، ہم ضرور باہر نکلیں گے اور علی الاعلان مسجد الحرام میں اپنی عبادت کریں گے۔'' چنانچہ ہم دو صفوں میں حضور علیہ السلام کو ساتھ لے کر باہر آئے۔ ایک صف میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری صف میں میں تھا۔ ہمارے چلنے سے چکی کے آٹے کی طرح ہلکا ہلکا غبار اڑ رہا تھا (له كديد ككديد الطحين) حتیٰ کہ ہم مسجد الحرام میں داخل ہوگئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قریش نے مجھے اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو ان کے دلوں پر ایسی چوٹ لگی جو اب تک نہ لگی تھی۔ اسی روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا لقب ''فاروق'' رکھ دیا۔ (فسماني رسول الله صلى الله عليه وسلم الفاروق يومئذ)

(عمر ابن الخطاب لابن الجوزی: ص ۶۔۷، صفۃ الصفوۃ: ۲۷۲/۱، دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۷۹/۱۔۸۰، عیون التواریخ: ۷۵/۱، تاریخ الاسلام، ذہبی: ۱۸۰/۱)

اس قسم کی روایت زرقانی شرح المواہب: ۲۷۷/۱ پر بھی منقول ہے۔

Marfat.com

اہل اسلام کا دارارقم سے نکل کر مسجد الحرام میں آنا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ایک بہترین کارنامہ ہے۔ اس سے ایک تو اسلام اور اہل اسلام کو تقویت ملی، دوسرے رؤسائے قریش کو اپنے جبر واستبداد کا ایوان سرنگوں ہوتا دکھائی دیا اور وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کے حلقہ میں دیکھ کر سانپ کی طرح پیچ وتاب کھانے لگے۔ اسی وجہ سے سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا گویا اسلام کی فتح تھی اور ان کی ہجرت نصرتِ الٰہی تھی اور ان کی خلافت ہدایت خداوندی تھی۔ ان کے مسلمان ہونے سے پہلے ہماری مجال نہ تھی کہ ہم مسجد الحرام میں خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کریں، لیکن عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کے بعد ہم وہاں بلا خوف وخطر نماز پڑھنے لگے۔'' (البدایہ والنہایہ: ۳/۷۹)

بخاری میں انہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تب سے ہم برابر طاقتور اور باعزت ہونے شروع ہو گئے۔

(بخاری: ۱/۵۴۵، طبقات ابن سعد: ۳/۲۶۹، عمر ابن الخطاب لابن الجوزی: ص ۱۸)

سیدنا صہیب رومی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو اسلام پردے سے باہر آیا اور اس کی اعلانیہ دعوت دی گئی اور حالت یہ ہوگئی کہ ہم حلقے بنا کر بیت اللہ کے گرد بیٹھے، بیت اللہ کا طواف کیا اور جس نے ہم پر سختی کی اور ہم سے چیرہ دستی سے پیش آیا اس سے انتقام لیا اور اس کے بعض مظالم کا جواب بھی دیا۔ (و رددنا علیه بعض ملیأتی به)

(عمر بن الخطاب ابن الجوزی: ص ۱۳، تاریخ الخلفاء سیوطی، طبقات ابن سعد: ۳/۲۶۹، صفۃ الصفوۃ: ۱/۲۷۴)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبوت کے چھٹے سال ماہ ذی الحجہ میں اسلام لائے۔ یہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام سے تین روز بعد اسلام لائے۔ (اخبار عمر، الطنطاویات: ص ۲۲)

اسلام کے وقت آپ کی عمر ۲۷ سال تھی۔ (تاریخ الخلفاء: ص ۱۳۷)

آپ کے اسلام لانے سے پہلے ۳۹ افراد حلقہ اسلام میں داخل ہوئے تھے، اور آپ کے اسلام لانے سے چالیس کی تعداد پوری ہوگئی۔ یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ۳۹ افراد مجھ سے پہلے مسلمان تھے لیکن کئی مسلمان ایسے بھی تھے جنہوں نے اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کیا تھا۔

(اخبار عمر، الطنطاویات: ص ۲۲)

Marfat.com

قریش کی سختیوں میں اضافہ:

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو انہوں نے لڑ بھڑ کر قریش مکہ کو مجبور کر دیا کہ مسلمانوں کو کعبہ میں نماز ادا کرنے سے نہ روکیں۔ چنانچہ حلقہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے جب تک کہ انہوں نے اپنے اور دوسرے مسلمانوں کے لیے عبادت کرنے کے وہ تمام حقوق حاصل نہ کر لیے جو اللہ کے دشمنوں کو اللہ کے گھر میں حاصل تھے۔ اس جہاد میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ برابر کے شریک تھے۔ اس ایجابی موقوف نے قریش کے تمام قبائل پر خصوصی اثر ڈالا۔ اور بہت سے لوگوں کے دل اسلام کی طرف مائل ہو گئے۔ کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جیسا دشمن اسلام حلقہ بگوش اسلام ہو گیا ہے تو اسلام واقعی ایک سچا مذہب ہے جس کی جاذبیت نے عمر رضی اللہ عنہ جیسے آدمی کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔ لیکن وہ قریش کی چیرہ دستیوں اور ستم رانیوں کے خوف سے اسلام قبول نہیں کر رہے تھے۔ لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے نے انہیں بہت حوصلہ دیا کیونکہ انہوں نے اپنی جرأت اور بہادری سے قریش مکہ کو اتنا مرعوب کر دیا کہ مسلمان بغیر کسی مزاحمت کے بیت اللہ میں نماز پڑھنے لگے۔ اب وہ بھی آہستہ آہستہ اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ جب سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ اسلام کے حلقہ میں داخل ہوئے تو قریش مکہ نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ حمزہ رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت کو قریش کے تمام قبائل میں پھیلا دیا ہے۔ یہ صورت قریش کے لیے نہایت خطرناک تھی۔ چنانچہ اب وہ اس نئی صورت کا مقابلہ کرنے کے لیے تدبیریں سوچنے لگے۔

وہ تدابیر جو انہوں اسلام کی دعوت کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے سوچیں ان میں ایک تدبیر یہ تھی کہ قریش کے تمام قبائل نے باہم مل کر ایک عہد نامہ مرتب کیا کہ خاندان ہاشم اور بنو عبدالمطلب سے معاشرتی تعلقات منقطع کر دیئے جائیں۔ نہ انہیں کوئی بیٹی دے اور نہ کوئی ان کی بیٹی لے۔ نہ اس سے کوئی شئے خریدی جائے اور نہ ان کے ہاتھ کوئی شئے فروخت کی جائے۔ پہلے تو وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقدام قتل کی تدبیریں سوچا کرتے تھے لیکن پھر ان کے ذہن میں یہ آیا کہ اگر انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا اقدام کیا تو مکہ کی وادی مشرکین کے خون سے لالہ زار ہو جائے گی، لہٰذا اب انہوں نے اپنی اسٹراٹیجی (Strategy) میں تبدیلی کی اور اقدام قتل کے

Marfat.com

بجائے ظلم کی ایک اور راہ تجویز کی جو پہلی تمام ظالمانہ کارروائیوں سے زیادہ سنگین اور سخت تھی۔ وہ ظالمانہ کارروائی یہ تھی کہ انہوں نے متفقہ طور پر ایک تحریری معاہدہ تیار کیا کہ جب تک بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب محمد ﷺ کو قتل کے لیے ان کے حوالہ نہ کر دیں گے، ان دونوں خاندانوں سے ہر قسم کے معاشرتی تعلقات منقطع رہیں گے۔ اور اس بارے میں ان سے کسی قسم کی رواداری نہ برتی جائے گی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد قریش اور مسلمانوں کے مابین اذیتوں میں کچھ زیادہ شدت پیدا ہوگئی۔ پہلے یہ اذیتیں انفرادی تھیں لیکن اب انہوں نے اجتماعی صورت اختیار کر لی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح قریش کے ہاتھوں سب اذیتیں برداشت کرتے رہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی انتظامی قابلیت، اصابت رائے اور دین اسلام کے بارے میں تصلب اور تعصب انہیں ذات رسالت سے قریب تر کرتا رہا۔ اور نگاہِ نبوت اس کی مستقبل کے لیے ایمانی اور روحانی تربیت کرتی رہی۔

اس دور میں سرکار دو عالم ﷺ کی حکمت عملی یہ تھی کہ طاقت اور جبر کے استعمال سے ہر ممکن پہلو تہی کی جائے۔ زیادتی کرنے والوں کو معاف کیا جائے اور دعوت الی اللہ کا طریق کچھ اس قسم کا اختیار کیا جائے جس میں نصیحت ہو، دانائی ہو، حکمت ہو، شیریں زبانی ہو اور جو بات بھی دشمن سے کی جائے وہ شیریں اور دل نشین ہو۔ لڑائی جھگڑے سے ہر ممکن پرہیز کیا جائے اور تحمل و برداشت کا دامن کسی صورت ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔ اگر دشمن راستہ میں مل جائے تو اس سے اس طرح پیش آیا جائے جیسے وہ تمہارا گہرا دوست ہے۔ دین کے مخالفین سے بھی حسن سلوک سے پیش آیا جائے۔ نبوت کی اس حکمت عملی میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی قوت، جرأت، بہادری، بے باکی اور دلیری کے ابھرنے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ لہٰذا آپ کی زندگی کے یہ مہ و سال خاموشی کے نظر آتے ہیں کیونکہ جماعتی نظم اور نبوی حکمت عملی کے پابند تھے۔ اور یہ بات نہ صرف سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ (اسد اللہ واسد رسولہ) جیسا بہادر انسان بھی اس دور میں خاموش دکھائی دیتا ہے، حالانکہ یہ وہ شخص تھے جنہوں نے اسلام لانے کے روز مسجد الحرام میں ابوجہل کے ساتھیوں کی موجودگی میں اس کے سر پر اس زور سے اپنی کمان ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا اور اس سے خون بہنے لگا، لیکن اس کو آپ پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ (نہایۃ الارب: ۶/ ۲۰۸، دلائل النبوۃ: ۱/ ۴۵۹)

Marfat.com

عمر رضی اللہ عنہ راہِ ہجرت میں:

ذی الحجہ ۱۳ء نبوی میں بیعت عقبہ ثانیہ ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتا دیا کہ اہل ایمان کا دارالہجرت یثرب ہوگا۔اس کے بعد نہ صرف یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی اجازت دے دی بلکہ ایک اصول طے ہو گیا کہ جو شخص دائرہ اسلام میں داخل ہو اس پر لازم ہے کہ وہ مدینہ طیبہ کو اپنی قیام گاہ بنائے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اب ہجرت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

((ان اللہ قد جعل لکم اخواناً و داراً تأمنون بھا))

''بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے بھائی بھی بنا دیئے جو تمہاری نصرت کریں اور وطن (مرکزی) بھی بنا دیا جس میں تم امن پاؤ۔''

(البدایہ والنہایہ: ۳/۱۶۹، الروض الانف: ۱/۲۸۴، ولیم میور، لائف آف محمد: ۲/۲۴۲)

اب اذن ہجرت کے بعد مدینہ منورہ کی شاہراہ کھل گئی اور جان نثاران اسلام یکہ وتنہا اور اپنے خاندانوں کے ساتھ قریش مکہ سے چھپ چھپا کر اور رات کی تاریکی میں اپنے کو مخفی رکھ کر مدینہ طیبہ جانے شروع ہو گئے،لیکن مشرکین مکہ نے ان کی روانگی میں مختلف قسم کی رکاوٹیں کھڑی کرنی شروع کر دیں کیونکہ مسلمانوں کا ایک مرکز پر جمع ہو جانا ان کے لیے خطرات کا پیش خیمہ تھا۔

دوسرے مہاجرین تو چھپ چھپا کر مکہ کی سرزمین سے نکلے اور اکثر رات کے اندھیرے میں مدینہ طیبہ گئے،لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی یہاں بھی ایک عجیب شان دکھائی دیتی ہے۔جس طرح ان کا اسلام لانا انوکھا تھا اسی طرح ان کی ہجرت بھی الگ نوعیت کی تھی۔آپ نے اکیلے نہیں بلکہ بیس آدمیوں کی ایک جماعت کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

(بخاری: ۱/۵۵۸)

روایات میں آتا ہے کہ آپ اس شان کے ساتھ مدینہ طیبہ کی جانب روانہ ہوئے کہ اسلحہ سے لیس ہو کر مشرکین مکہ کے مجمعوں سے گزرتے ہوئے بیت اللہ پہنچے۔نہایت اطمینان سے طواف کعبہ کیا۔نماز پڑھی پھر وہاں موجود مشرکین کو مخاطب کر کے فرمایا:

''تمہاری صورتیں بگڑیں،تمہارا ناس ہو۔ہے کوئی تم میں جو اپنی ماں کو بے پوت،

Marfat.com

اپنے بیٹے کو یتیم اور اپنی بیوی کو بیوہ کرانے کا ارادہ رکھتا ہو، آئے اور اس وادی سے اس طرف آ کر میرا مقابلہ کرے۔''

لیکن وہاں کس میں تاب تھی کہ اسلام کے اس بطلِ جلیل کا مقابلہ کرتا۔

(تاریخ الخلفاء سیوطی: ص ۱۱۵، زرقانی: ۱/۳۷۱)

ایک روایت جو سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ عمر بن خطاب کے سوا کسی مسلمان نے اعلانیہ طور پر مکہ مکرمہ سے ہجرت کی ہو۔ جب وہ ہجرت کرنے لگے تو تلوار گلے میں حمائل کی، کمان کندھے پر رکھی، تیر مٹھی میں لیے اور ایک چھوٹا سا ڈنڈا جس کے نیچے تیر کا سا پھل لگا تھا، کمر سے باندھا اور کعبے کی طرف چل پڑے۔ کعبہ اس وقت قریش سے بھرا ہوا تھا۔ پہلے انہوں نے نہایت سکون واطمینان کے ساتھ بیت اللہ کے سات طواف کیے، پھر نماز پڑھی، پھر قریش کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے اور یہ کہا:

''تمہارا منہ کالا ہو، اللہ تعالیٰ تم جیسے لوگوں کو ذلیل وخوار اور مغلوب ومقہور کرتا ہے، جو کوئی اپنی ماں کو ماتم کناں، اپنے بیٹے کو یتیم اور اپنی بیوی کو بیوہ بنانا چاہتا ہے، وہ اس وادی کے پیچھے مجھ سے دو دو ہاتھ کرلے۔''

(صحیح التوثیق فی سیرۃ الفاروق: ص ۳۰)

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ جن لوگوں نے ہجرت کی ان کی تعداد کتابوں میں بیس بتائی گئی ہے جن میں ان کے بھائی زید بن خطاب رضی اللہ عنہ ان کے بہنوئی سعید بن زید رضی اللہ عنہ، ان کے داماد خنیس بن حذافہ (سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر) بھی شامل تھے۔ (فتح الباری: ۷/۲۶۲)

ابن ہشام نے سیرت میں اور ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مسلمانوں کو ہجرت کا حکم فرمایا تو یہ تاکید بھی کی کہ مکہ مکرمہ سے ایک ایک دو دو کر کے نکلیں اور اپنی ہجرت کو پوشیدہ رکھیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ قریش مشتعل ہو کر تمہیں کوئی نقصان پہنچائیں۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے اس فرمان پر پوری طرح عمل کیا اور ایک ایک دو دو کی صورت میں آہستہ آہستہ مکہ مکرمہ سے نکلنا شروع ہو گئے۔ جن حضرات کے پاس سواریاں تھیں وہ اپنی سواریوں پر اور جو حضرات بغیر سواری کے تھے وہ پیدل مکہ چھوڑ کر مدینہ طیبہ جانے لگے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عیاش بن ربیعہ رضی اللہ عنہ، ہشام رضی اللہ عنہ بن عاص بن وائل

Marfat.com

نے یہ طے کیا تھا کہ تناضب کے مقام پر جو مکہ مکرمہ سے دس میل دور ہے، اکٹھے ہوں گے اور پھر وہیں سے اکٹھے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی جائے گی۔ اور جو بھی وقت مقررہ پر نہ پہنچا، سمجھا جائے گا کہ وہ پکڑا گیا ہے اور باقی ماندہ لوگ اس کا انتظار کیے بغیر مدینہ کی راہ لیں گے۔ ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ تو مکہ مکرمہ میں پکڑ لیے گئے اور عیاش رضی اللہ عنہ بن ربیعہ ہمارے ساتھ مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ ہمارے پیچھے پیچھے ابوجہل بن ہشام اور حارث بن ہشام (جو عیاش بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی تھے اور ماں جائے بھائی بھی تھے کیونکہ ابوجہل اور حارث دونوں سگے بھائی تھے ان کے باپ ہشام بن مغیرہ کی وفات کے بعد ان کی ماں نے ربیعہ بن مغیرہ سے نکاح کر لیا تھا جو ہشام بن مغیرہ کا بھائی تھا۔ عیاش رضی اللہ عنہ اسی ربیعہ سے پیدا ہوئے) ایک روایت میں ہے کہ عیاش رضی اللہ عنہ ابھی قبا ہی میں تھے کہ ابوجہل اور اس کا بھائی حارث پہنچ گئے۔ ان دونوں نے عیاش رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تمہاری ماں نے نذر مانی ہے کہ جب تک وہ تمہیں نہیں دیکھ لے گی نہ سر میں کنگھی کرے گی اور نہ دھوپ سے سائے میں جائے گی۔ یہ سب کچھ انہوں نے اپنی عیاری اور مکاری سے کہا یہاں تک کہ عیاش رضی اللہ عنہ کو اپنی ماں پر ترس آ گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عیاش رضی اللہ عنہ کو بہت سمجھایا کہ یہ دونوں تمہیں دھوکہ سے پھانس لینا چاہتے ہیں ان کے فریب میں نہ آؤ۔ یہ تم کو صرف تمہارے دین سے فتنہ میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ یہ دین کے دشمن ہونے کے ناطے تمہارے بھی دشمن ہیں۔ تمہاری ماں کو جب جوئیں ستائیں گی تو آپ ہی کنگھی کر لے گی اور مکہ کی کڑی دھوپ جب لگے گی تو آپ ہی سائے میں چلی جائے گی، لیکن عیاش رضی اللہ عنہ پر ماں کی محبت غالب آ گئی۔ دوسرے مقدر میں ابھی تکلیف کے دن تھے، اس لیے وہ میری بات نہ مانے اور کہا کہ اپنی ماں کی قسم پوری کرنے کے لیے میں ان دونوں کے ساتھ جاؤں گا اور وہاں سے اپنا مال لے کر واپس آ جاؤں گا۔ میں (سیدنا عمر رضی اللہ عنہ) نے کہا: ''میں اپنا آدھا مال تمہیں دیتا ہوں، تم ان کے ساتھ نہ جاؤ۔'' مگر وہ نہ مانے، میں نے انہیں بہت سمجھایا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آخر میں نے کہا: ''اگر تمہیں جانا ہی ہے تو میری اونٹنی لے جاؤ کیونکہ یہ بڑی تیز رفتار ہے۔ اس کی پیٹھ نہ چھوڑنا جب ان دونوں کی نیت خراب ہو تو فوراً اس پر بھاگ آنا۔''

میری یہ بات انہوں نے مان لی اور میری اونٹنی پر سوار ہو کر ان دونوں کے ساتھ مدینہ سے نکل پڑے۔ راستہ میں ایک جگہ ابوجہل نے ان سے کہا: ''بھیا! میرا اونٹ کچھ ٹھیک نہیں چل رہا۔ کیا تم مجھے اپنی اونٹنی پر پیچھے نہ بٹھا لو گے؟'' عیاش رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کیوں نہیں۔'' عیاش رضی اللہ عنہ

Marfat.com

نے اپنی اونٹنی بٹھادی۔ پھر دونوں زمین پر اترے تاکہ ابوجہل اپنے اونٹ سے عیاش رضی اللہ عنہ کی اونٹنی پر بیٹھ سکے۔ حارث بھی اپنا اونٹ بٹھا کر نیچے اتر آیا۔ ابوجہل اور حارث دونوں مکار تھے اور انہوں نے عیاش رضی اللہ عنہ کو پھانسنے کے لیے آنکھوں ہی آنکھوں میں منصوبہ بنایا تھا اور اب اس کی تکمیل ہو رہی تھی۔ دونوں نے مل کر عیاش رضی اللہ عنہ کو رسیوں سے باندھ لیا۔ محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ عیاش رضی اللہ عنہ کے خاندان والوں نے بتایا کہ ابوجہل اور حارث عیاش رضی اللہ عنہ کو لے کر دن دہاڑے اس حال میں مکہ پہنچے کہ وہ رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے اور دونوں بھائی اعلان کرتے جارہے تھے کہ ''اے اہل مکہ! اپنے اپنے نالائق لونڈوں کو اسی طرح سیدھا کرو جس طرح ہم نے اپنے اس بے وقوف بھائی کو کیا ہے۔''

ابن ہشام کی روایت میں ہے کہ ہشام رضی اللہ عنہ بن عاص اور عیاش بن ربیعہ رضی اللہ عنہ قریش مکہ کی قید میں پڑے رہے۔ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما چکے تو آپ ان دونوں کے لیے بڑے فکر مند تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز فرمایا: ''کون ان دونوں کو میرے پاس لانے کے لیے تیار ہے۔'' سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بھائی ولید بن ولید بن مغیرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! میں یہ خدمت انجام دینے کے لیے تیار ہوں'' پھر ولید رضی اللہ عنہ خفیہ طور پر مکہ گئے۔ پہلے تو چھپ کر ان کی ٹوہ میں لگے رہے کہ دونوں قیدیوں کا پتہ چلائیں۔ ایک روز اس عورت کے پیچھے جا کر ان کا ٹھکانہ معلوم کر لیا جو ان کے لیے کھانا لے کر جارہی تھی۔ یہ دونوں ایک بے چھت مکان میں قید تھے۔ رات کے وقت سیدنا ولید رضی اللہ عنہ دیوار پھلانگ کر ان دونوں کے پاس گئے۔ دونوں کی بیڑیاں کاٹیں اور اپنے اونٹ پر بٹھا کر مدینہ منورہ لے آئے۔

(سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۴۷۴۔۴۷۶، التربیۃ القیادیۃ: ۲/ ۱۵۹۔۱۶۰)

Marfat.com

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں

قباء میں قیام:

یہ تھا آپ کی زندگی کا ایک دور جو آپ نے پیدائش سے لے کر ہجرت تک مکہ مکرمہ میں گزارا۔ اس مکی دور کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک دور پیدائش سے لے کر قبول اسلام تک کا دور ہے۔ یہ آپ کا جاہلی دور ہے۔ اور دوسرا دور قبول اسلام سے ہجرت مدینہ تک کا دور ہے۔ یہ آپ کا اسلامی دور ہے۔ پہلا دور وہ تھا جس میں آپ صرف عمر رضی اللہ عنہ تھے اور جاہلیت کی تاریکیوں میں آپ ٹامک ٹوئیاں مار رہے تھے۔ نہ منزل کا پتہ تھا اور نہ راستے کی خبر۔ دوسرا دور آپ کا اسلام کے نیر تاباں کی روشنی میں چلنے کا تھا جس میں راستہ بھی معلوم اور منزل بھی آنکھوں کے سامنے اور ہادی و رہبر بھی ساتھ تھا۔ اس دور میں آپ عمر رضی اللہ عنہ تھے، بلکہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے، لیکن مکہ کی زندگی میں آپ جماعتی نظم کی پابندیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ اس وقت اسلام لانے کے بعد بھی آپ کے وہ جوہر کھل کر لوگوں کے سامنے نہ آئے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات ستودہ صفات میں ودیعت کیے ہوئے تھے۔

۱۳ نبوی میں آپ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ سرکار دو عالم ﷺ ابھی مکہ ہی میں تھے جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہجرت فرما کر مدینہ آ گئے۔ مدینہ طیبہ کے مضافات میں قباء کی ایک بستی تھی۔ کچھ مہاجرین مدینہ کی بجائے قباء میں ٹھہر گئے۔ قباء مدینہ طیبہ سے صرف تین میل دور ہے۔ کیونکہ جاں نثاران نبوت کو معلوم نہیں تھا کہ پیغمبر اسلام کہاں قیام فرمائیں گے۔ اس وجہ سے مدینہ طیبہ میں ٹھہرنا اور قباء میں قیام ان کے لیے برابر تھا۔ لہٰذا سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی قباء میں بنی عمرو بن عوف میں رفاعہ بن عبدالمنذر کے ہاں قیام فرمایا۔

Marfat.com

کچھ عرصہ کے بعد ان کے اہل و عیال بھی یہیں آ کر ٹھہرے۔ قباء کو عوالی بھی کہتے تھے، چنانچہ مسلم میں ان کی فرودگاہ کا نام عوالی لکھا ہے۔ (مسلم: ج ۱)

قباء میں انصار کے کچھ خاندان آباد تھے۔ ان میں سب سے زیادہ عمرو بن عوف کا خاندان ممتاز تھا۔ اسی خاندان میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ قیام پذیر تھے۔ یہ خاندان قبیلہ اوس کا بطن تھا۔ (فتح الباری: ۱۹۴/۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ آمد پر ہوی کی آواز سننے والے خوش نصیب اسی قبیلہ کے لوگ تھے۔ (طبقات ابن سعد: ۱/۱۵۰)

عرب کا یہ دستور تھا کہ وہ اپنے مہمانوں کا استقبال ہتھیاروں سے مسلح اور آراستہ ہو کر کیا کرتے تھے۔ اس بے تابی میں بھی انہوں نے اپنی اس آن بان اور شان کو نہیں چھوڑا۔ چنانچہ وہ پہلے ہتھیاروں کی طرف لپکے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کو دوڑے۔ (بخاری: ۱/۵۵۲)

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آواز سننے کے ساتھ ہی بنی عمرو بن عوف کے لوگوں میں شور بلند ہوا اور تکبیر سنی گئی۔ مسلمان آپ کی آمد کی خوشی میں نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے استقبال کے لیے نکل پڑے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد پروانوں کی طرح اکٹھے ہو گئے۔ اس وقت آپ پر سکینت چھائی ہوئی تھی اور یہ وحی نازل ہو رہی تھی:

> ''بے شک اللہ تعالیٰ آپ کا مولیٰ ہے اور جبریل (علیہ السلام) اور صالح مومنین بھی اور اس کے بعد فرشتے آپ کے مددگار ہیں۔''
>
> (زاد المعاد: ۲/۵۴)

''حرہ'' میں لوگوں سے ملنے کے بعد آپ داہنی طرف مڑے اور پھر پورے اجتماع کے ساتھ بنی عمرو بن عوف میں رونق افروز ہوئے۔ یہ ۸ ربیع الاول ۱۴ نبوی مطابق ۲۳ ستمبر ۶۲۲ء کی تاریخ اور دوشنبہ کا دن تھا۔ (زرقانی: ۱/۳۵۱، وفاء الوفاء: ۱/۱۷۶)

کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ قبیلہ عمرو بن عوف کا رئیس تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاں قیام فرمایا۔ دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کے ہاں تھا، لیکن پہلی روایت زیادہ قوی اور صحیح ہے۔ یہ بات بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لیے ایک فضیلت کا باعث ہے کہ جو قبیلہ آپ کی فرودگاہ تھا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قباء میں اسی قبیلہ میں قیام فرمایا۔

Marfat.com

مسجد قباء کی تعمیر:

قباء میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف چار روز قیام فرمایا یعنی پیر، منگل، بدھ اور جمعرات۔ اسی دوران مسجد قباء کی بنیاد رکھی جس کا پہلا پتھر خود سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے رکھا۔ آپ کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اور اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ایک پتھر رکھا۔ پھر دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پتھر رکھنا شروع کیے اور تعمیر کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اسی مسجد کے بارے میں قرآن حکیم میں کہا گیا ہے کہ یہ وہ مسجد ہے جس کی بنیاد اول روز ہی سے تقویٰ پر رکھی گئی۔ (روض الانف: ۲/۱۱)

اسلامی مواخات:

ہجرت کے بعد مسلمانوں کی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ مسلمانوں کی سیاسی زندگی میں ایک خاص تبدیلی واقع ہوئی۔ مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ دونوں نے مل کر نئے عزم اور نئے ارادہ کے ساتھ دعوتِ اسلامی کی نشر و اشاعت کا ایک آزاد ماحول میں آغاز کیا اور مسلمانوں میں اب اس ماحول میں اپنی وحدت و قوت کا شعور پیدا ہوا۔ اس شعور میں پختگی پیدا کرنے کے لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار میں ایک بے مثال رشتہ اخوت قائم فرمایا۔ بیعت عقبہ ثانیہ میں انصار مدینہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو وعدہ کیا تھا اس کو آخر عمر تک نبھایا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ بہنے سے قبل وہاں اپنا خون بہایا۔ دنیا میں اخلاص و ایثار اور جاں نثاری کی مثالیں قائم کیں۔

اخلاص و ایثار کے پیکر انصار جو مدینہ طیبہ کے اصل باشندے تھے اور ان کا تعلق اوس اور خزرج دو قبیلوں سے تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ تشریف لاتے ہی ان کے ساتھ مہاجرین کا بھائی چارہ قائم کر دیا۔ یہ بھائی چارہ اور مواخات سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مکان پر ہوئی۔ (عیون الاثر: ۱/۳۲۲)

اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ کل ۹۰ (نوے) آدمی تھے۔ ان میں آدھے مہاجر اور آدھے انصار تھے۔ بھائی چارے کی بنیاد امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق یہ تھی کہ مہاجرین کے دلوں سے غربت اور اجنبیت کی وحشت کو دور کیا جائے۔ ایک دوسرے کے دلوں میں غم

Marfat.com

خواری اورغم گساری کے جذبات پیدا کیے جائیں۔ بعض حضرات نے اس بھائی چارے کا مقصد یہ بھی لکھا ہے کہ جاہلیت کی تمام عصبیتیں تحلیل ہو جائیں۔ نسل، رنگ اور وطن کے تمام امتیازات ختم ہو جائیں۔ غیرت وحمیت جو کچھ ہو وہ صرف اور صرف اسلام کے لیے ہو۔ غم گساری اور موانست کے جذبات معاشرہ میں پیدا ہوں۔ انصار نے اس بھائی چارے کو اس طریق سے نبھایا کہ چشم فلک نے آج تک کبھی ایسی اخوت کا مظاہر نہیں دیکھا تھا۔

حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن سید الناس رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مواخات دو مرتبہ ہوئی۔ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں جس میں مہاجرین میں باہمی رشتہ مواخات قائم فرمایا اور دوسری ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مہاجرین اور انصار کے مابین مواخات قائم کی جس میں ایک انصاری کو ایک مہاجر کا بھائی قرار دیا گیا۔ چنانچہ مکہ میں مہاجرین کے مابین جو بھائی چارہ قائم کیا گیا، ان میں سے چند حضرات کے نام علامہ ابن سید الناس رحمۃ اللہ علیہ نے حسب ذیل لکھے ہیں:

① سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مؤاخات، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے

② سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی مؤاخات، سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے

③ سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی مؤاخات، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے

④ سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی مؤاخات، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے

⑤ سیدنا عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کی مؤاخات، سیدنا بلال بن رباح رضی اللہ عنہ سے

⑥ سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی مؤاخات، سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے

⑦ سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی مؤاخات، سیدنا سالم رضی اللہ عنہ مولیٰ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے

⑧ سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی مؤاخات، سیدنا طلحہ بن عبیداللہ سے

⑨ سیدنا ومولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مؤاخات، سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے

(عیون الاثر: ۱/۳۲۱، فتح الباری: ۷/۲۱۰۔۲۱۱)

دوسری مؤاخات (بعض روایات کے مطابق ہجرت کے پانچ ماہ بعد اور بعض روایات کے مطابق مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد اور بعض اقوال کے مطابق مسجد نبوی کی تعمیر کے دوران (عیون الاثر: ۱/۳۲۲) انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مکان پر ہوئی۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۴۵ مہاجرین کو ۴۵ انصار کا بھائی بنایا۔ اس مؤاخات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل صحابہ رضی اللہ عنہم کو انصار کا بھائی بنایا۔

Marfat.com

① سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	سیدنا خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ
② سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ	سیدنا عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ
③ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	سیدنا اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ
④ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ	سیدنا سعد بن حنیف رضی اللہ عنہ
⑤ سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ	سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ
⑥ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ	سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ
⑦ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ	سیدنا سلام بن سلام رضی اللہ عنہ
⑨ سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ	سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ
⑤ سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ	سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ
⑩ سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ	سیدنا ابوایوب خالد بن زید انصاری رضی اللہ عنہ

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیرۃ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم، حکیم محمود احمد ظفر، ابن ہشام: ۱/۵۰۴، عیون الاثر: ۱/۳۲۴، تاریخ الخمیس: ۱/۳۵۲، الدرر فی المغازی والسیر لابن عبدالبر: ص ۹۱_۹۲، فتح الباری: ۷/۲۱۰)

مؤاخات کی فہرست میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی نہیں آیا ہے۔ ابن ہشام کی روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے عقد مؤاخات قائم فرمایا، لیکن ابن سعد اور دوسرے مؤرخین نے اس رشتہ کو تسلیم نہیں کیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی مواخات بجائے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سیدنا سعد بن حنیف رضی اللہ عنہ سے قرار دی ہے۔

(ملاحظہ ہو السیرۃ النبویہ لابن کثیر: ۲/۳۲۶)

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس مواخات کا انکار کیا ہے اور یہاں تک دعویٰ کیا ہے کہ

ان ذالك من الاكاذيب وانه لم يواخ بين مهاجری ومهاجرين

(زرقانی علی المواہب: ۱/۳۷۳)

دوسرے اگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین میں کسی کو اپنا بھائی بناتے تو وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوتے۔ (زاد المعاد: ۲/۵۶)

مہاجرین اور انصار کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھائی چارہ قائم تو فرما دیا اور

Marfat.com

تاریخ اسلام کے اوراق اس بات کی پوری پوری شہادت فراہم کرتے ہیں کہ انصار نے مہاجرین کے ساتھ اس بھائی چارے کا صحیح معنوں میں حق ادا کر دیا۔ چشم فلک نے ایسے بھائی نہ کبھی پہلے دیکھے تھے اور نہ آئندہ قیامت تک کبھی دیکھے گی۔ انہوں نے اپنے مکانات، اپنی زمینیں، اپنے باغات غرض کہ جائیداد میں سے ہر شے اپنے مہاجر بھائیوں میں تقسیم کر دی۔ ابو داؤد اور ترمذی میں ہے کہ کوئی انصاری درہم و دینار کا اپنے مہاجر بھائی سے زیادہ اپنے کو مستحق نہیں سمجھتا تھا۔ (زرقانی: ۱/۳۷۴)

مواخات کا یہ رشتہ اس قدر مستحکم اور مضبوط تصور کیا جاتا تھا کہ نسبی قرابت داروں کے بجائے یہی ایک دوسرے کے وارث تھے۔ وراثت کا یہ حکم جنگ بدر تک قائم رہا۔ پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اور مہاجرین و انصار میں باہمی توارث ختم ہو گیا لیکن بھائی چارے کا بندھن اس قدر پختہ رہا کہ آج تک یاد کیا جاتا ہے۔ اب صرف مواخات اور غمگساری رہ گئی۔

(زرقانی: ۱/۳۷۴، فتح الباری: ۱/ ۲۱۰، عیون الاثر: ۱/ ۳۲۲)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے یہ اسلامی بھائی عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ بنو سالم کے سردار تھے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد بھی اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قباء ہی میں قیام رکھا کیونکہ قباء مدینہ ہی کی ایک مضافاتی بستی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی یہیں مقیم رہے۔ قباء مدینہ طیبہ سے قریباً ۵ کلومیٹر دور علاقہ تھا اس وجہ سے روزانہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہونا قدرے مشکل تھا۔ اس وجہ سے آپ ایک روز ناغہ کر کے بالالتزام سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور پورا دن آپ کی بارگاہ میں حاضر رہتے۔ اور جو کچھ سرکار دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنتے وہ اپنے اسلامی بھائی عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کو رات کو سنا دیتے۔ دوسرے روز سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے کام کاج میں مصروف ہو جاتے اور سیدنا عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ سارا دن آپ کی خدمت میں رہتے اور جو کچھ ارشادات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے وہ اپنے اسلامی بھائی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو رات کو جا کر سنا دیتے۔ بخاری اور حدیث کی دوسری کتابوں میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ (عمر بن الخطاب، محمد احمد ابو النصر: ص ۸۷)

''اذان'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ خوبیوں سے نوازا تھا، لیکن اسلام لانے کے

Marfat.com

بعد آپ جماعتی نظم کے تحت ان خوبیوں کو کام میں نہ لا سکے کیونکہ آپ سمجھتے تھے کہ جماعت ایک نظم کے تحت چلتی ہے اور اگر جماعتی نظم کی ایک شخص بھی پاسداری نہ کرے تو پوری جماعت انتشار کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس وجہ سے آپ صاحب نظم اور صاحب رائے ہونے کے ناطے اپنی مکی زندگی میں نظم و ضبط کے پابند رہے، چنانچہ تاریخ کے اوراق میں کوئی خاص واقعہ آپ سے نہیں ملتا۔ آپ جلالی طبیعت کے آدمی تھے اور دشمن پر آگے بڑھ کر حملہ کرنے کے عادی تھے لیکن مکہ میں آپ کے حوصلوں کی نمود کے لیے کوئی میدان نہ تھا۔ مدینہ کی آزاد فضا میں آپ نے اپنی ان خوبیوں کے نقوش تاریخ اسلام میں رقم کیے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ان صلاحیتوں اور خوبیوں میں سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ میں ودیعت فرمائی تھیں، ایک یہ تھی کہ آپ الہامی شخصیت کے مالک تھے۔ جو کچھ آپ کے فکر و نظر کے پیمانے میں آتا، حق تعالیٰ شانہٗ اس کی تائید میں اکثر وحی فرما دیتے۔ چنانچہ قرآن حکیم کی کئی آیات آپ کی رائے کے مطابق نازل ہوئیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو عمر بن الخطاب علی الخطیب: مسلم، رقم الحدیث: ۲۴۰۰، مسند احمد: ۱/۲۵۰، الفتاوی: ۲۸/۱۰)

مکی زندگی میں زیادہ تر جو آیات قرآنی نازل ہوئیں ان میں مسلمانوں کی ذہنی اور فکری زندگی میں پختگی پیدا کی گئی۔ کیونکہ عملی انقلاب سے پہلے ذہنی انقلاب ایک ضروری اور لابدی شے ہے۔ اگر قوم میں پہلے فکری انقلاب پیدا نہ کیا جائے تو عملی انقلاب اکثر و بیشتر باعث نقصان وخسران ہوتا ہے۔ چنانچہ مکی زندگی میں توحید خداوندی پر پختہ یقین، قیادت پر یقین اور عقائد کی مضبوطی اور احکام اور ابتلاء و مصائب میں صبر و شکر اور برداشت کی قوت پیدا کرنے پر زور دیا گیا۔ زکوٰۃ، روزہ، نماز جمعہ، نماز عیدین، صدقہ فطر، جہاد وغیرہ کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔

صرف نماز مکہ مکرمہ میں فرض ہوئی تھی وہ بھی نہایت مختصر یعنی دو دو رکعتیں تھیں۔ اب مدینہ منورہ میں جب مسلم معاشرہ قائم ہوا تو مدینہ کی ابتدائی زندگی میں مسلمانوں کو نماز باجماعت کے لیے بلانے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ مسلمان نماز کے لیے خود بخود اکٹھے ہو جاتے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو فکر ہوئی کہ نماز کے لیے مسلمانوں کو کس طرح بلایا جائے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں نماز کے اعلان کے لیے بوق اور ناقوس کا رواج تھا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی بوق

Marfat.com

اور ناقوس کا مشورہ دیا لیکن مزاج نبوت ان چیزوں کو اچھا نہیں سمجھتا تھا۔ اگرچہ ابن ہشام کی روایت میں ہے کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے بوق اور ناقوس تجویز کیا پھر خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج نے اس کو ناپسند فرمایا۔ بہرحال یہ مسئلہ زیر بحث تھا۔ ایک رات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں سو رہے تھے کہ آپ نے خواب میں کسی کو سنا: ''ناقوس نہ بناؤ بلکہ نماز کے لیے اذان دو۔ صبح کے وقت آپ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ خواب سنانے حاضر ہوئے لیکن حضور علیہ السلام پر اس سے پہلے ہی وحی نازل ہو چکی تھی۔ (ابن ہشام: ۲/ ۵۰۹)

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! آج رات میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ ایک سبز پوش ہاتھ میں ناقوس لیے میرے پاس آیا۔ میں نے اس سے کہا ''اے بندہ خدا! یہ ناقوس فروخت کرے گا؟'' اس نے کہا: ''تم اس کا کیا کرو گے؟'' میں نے کہا: ''نماز کا اعلان کریں گے۔'' اس نے کہا اگر میں اس سے بھی اچھی ترکیب بتا دوں۔'' چنانچہ اس نے عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اذان سنائی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا بلال کو اذان کا حکم فرمایا۔ روایت میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بتاتے جاتے تھے اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ وہ کلمات پکارتے جاتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس وقت گھر میں موجود تھے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی آواز سن کر تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور بارگاہ نبوت میں عرض کی:

یا رسول اللہ! لقد رأیت مثل الذی رأی

اے اللہ کے رسول! خدا کی قسم! میں نے بھی بالکل یہی خواب دیکھا جو عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے دیکھا ہے۔

(ابن ہشام: ۲/ ۵۰۹، بخاری: ۱/ ۸۵، ابوداؤد: ۱/ ۸۷، ترمذی: ۱/ ۲۶، ابن ماجہ: ص ۵۱)

مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا ایک آدمی کھڑا ہے۔ اس پر دو سبز چادریں ہیں۔ اس نے ایک دیوار پر کھڑے ہو کر اذان دی اور دو مرتبہ کھڑے ہو کر کلماتِ اذان ادا کیے اور اسی طرح اقامت بھی دو دو مرتبہ کلمات دہرا کر کہی۔

اس روز سے مدینہ طیبہ کی فضاؤں میں دن میں پانچ مرتبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و

Marfat.com

تقدیس کی خوشبو پھیلنے لگی اور نماز کے لیے یہ اذان مسلمانوں کا ایک شعار ہو گیا جوان کی ایمانی قوتوں کو نکھارتی ہے۔ اذان کے لیے وحی نازل ہونے سے قبل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قلب میں اس کا القاء ہونا اور خواب میں اذان دینے کا طریقہ انہیں بتایا جانا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ دین حق اس مرد روحانی کے رگ و پے میں پیوست ہو چکا تھا اور اس نظام خداوندی کے سوا جو اسلام کی سربلندی اور اشاعت و تشہیر میں اضافے کا سبب تھا، کسی اور شئے کے متعلق ان کا ذہن سوچتا ہی نہ تھا۔

Marfat.com

غزواتِ نبوی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

سرکار دو عالم ﷺ کے مدینہ طیبہ ہجرت فرمانے کے بعد آپ نے دوسری قوموں سے جو معاہدات کیے، دعوت اسلامی کی اشاعت کے لیے جو تدابیر اختیار کیں، قریش مکہ اور دوسرے قبائل سے جو جنگیں لڑیں، ان میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جس میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شریک نہ ہوئے ہوں، کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دوسرے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کچھ امتیازی شان رکھتے تھے۔ دوسرے تمام صحابہ کرام خود بارگاہ نبوت میں عقیدت و احترام کے جذبات لے کر حاضر ہوئے لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگ کر لیا تھا۔ دوسرے لفظوں میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مریدان رسول تھے لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مرادِ رسول کے مقام پر فائز تھے۔ اس وجہ سے مدینہ طیبہ میں سرکار دو عالم ﷺ نے ہر کام میں انہیں شریک کیا۔ کیونکہ گلشن اسلام کے باغبان نے تزئین گلشن کی خاطر اسے خالق کائنات سے مانگ کر لیا تھا۔ دوسرے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مزاج بھی تو دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مختلف تھا جس کو علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے ۔

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ان کا مقام بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد دوسرا تھا جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سیدنا محمد بن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے بہتر کون تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ سب سے بہتر ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ میں نے پھر پوچھا کہ ان کے بعد کون بہترین امت تھا؟ فرمایا: عمر بن

Marfat.com

خطاب رضی اللہ عنہ۔ مجھے خیال ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے بعد وہ عثمان رضی اللہ عنہ کا نام لیں گے لہٰذا میں نے از خود کہہ دیا کہ پھر آپ سب سے بہتر ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے بطور تواضع فرمایا کہ میں تو مسلمانوں میں سے ایک عام مسلمان ہوں۔ (بخاری: ۱/ ۵۱۸، ابوداؤد: ۲/ ۲۸۸)

ان وجوہات کی بنیاد پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی میں کوئی واقعہ بھی ایسا نہیں جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شرکت کے بغیر انجام پایا ہو، اور کوئی غزوہ بھی ایسا نہیں جس میں آپ نے شرکت نہ فرمائی ہو۔ (عمر بن الخطاب لابن الجوزی: ص ۸۹)

غزوۂ بدر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ:

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مدینہ طیبہ ہجرت فرمانے کے بعد قریش کا یہ خیال تھا کہ اگر مسلمانوں کی یہ چھوٹی سی ریاست مستحکم (Stable) ہوگئی تو قریش مکہ کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہے گا، لہٰذا جلد از جلد مسلمانوں کی اس ریاست کا استیصال کر دیا جائے تاکہ وہ زور نہ پکڑ جائے اور اگر وہ زور پکڑ گئی تو پھر ہماری خیر نہیں۔ چنانچہ اس خیال سے انہوں نے مدینہ طیبہ کی ننھی منھی اسلامی ریاست پر حملہ کی تیاریاں کیں۔ ۲ ہجری سے پہلے دو تین دفعہ انہوں نے چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں مدینہ پر حملہ بھی کیا لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بروقت دفاعی اقدام کر کے ان کو بھگا دیا۔

ان چھوٹے حملوں کی ناکامی کے بعد اب ۲ ہجری میں پورا کفر پورے اسلام کے مقابلہ میں آ گیا۔ اس غزوے کا نام ''غزوۂ بدر'' ہے۔ اس غزوہ نے اسلام کی عزت و شہرت چار دانگ عالم میں پھیلا دی اور شرک کو اتنی ذلت و رسوائی اٹھانا پڑی کہ وہ پھر کھل کر مسلمانوں کے سامنے نہ آ سکا۔ اگرچہ اس غزوہ کے بعد بھی کفر کئی مرتبہ اسلام کے سامنے آیا لیکن اتنی بے باکی کے ساتھ نہ آیا بلکہ مسلمانوں کا رعب کافروں کے دلوں پر بیٹھا ہوتا۔ اسی لیے قرآن حکیم میں اس کو ''یوم الفرقان'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی اس میں حق اور باطل میں فرق اور امتیاز ہو گیا۔ لوگ کفر کی حقیقت کو بھی سمجھ گئے اور اسلام کی حقیقت سے بھی انہیں آشنائی حاصل ہوگئی اور حق و باطل اور ہدایت و ضلالت کا فرق دنیا پر واضح ہو گیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس وقت جنگ کے لیے تیار نہیں تھے، اس لیے کچھ حضرات نے یہی عذر پیش کیا کہ ہمارے سامنے تو صرف قافلہ کا معاملہ تھا۔ ہم جنگ کے لیے تیار ہو کر نہیں

Marfat.com

آئے (مالنا طاقة بقتال العدو ولكنا اردنا العير) لیکن یہ صرف چند حضرات کی بات تھی۔ اکثریت کے دلوں میں ایک اور جذبہ بھی موجزن تھا اور ان کے قلوب میں ایک اور ولولہ بھی انگڑائیاں لے رہا تھا جس کا اظہار سیدنا مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کی زبان سے ہوا جو اس وقت وہاں پہنچ گئے تھے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوت میں عرض کی کہ یارسول اللہ! ہم آپ کے ہر حکم کی اطاعت کے لیے دل و جان سے حاضر ہیں۔ اس کے بعد سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر اظہار جان نثاری کیا۔ اور وہی کچھ کہا جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اور کہنا بھی وہی کچھ چاہیے تھا کیونکہ صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد فاروق رضی اللہ عنہ ہی کا مقام ہے۔

اس جنگ میں انصار اور مہاجرین دونوں نے اپنے ایثار و قربانی کا مظاہرہ کیا۔ لیکن مہاجرین کا ایثار انصار سے زیادہ تھا کیونکہ جن لوگوں پر انہوں نے تلوار اٹھائی وہ ان کے اپنے ہی خاندان کے لوگ تھے۔ اس وجہ سے ان کا ایثار حیرت انگیز تھا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اپنے اعزاء و اقرباء اور جگر کے ٹکڑوں کی بھی پروانہ کی اور چشم فلک نے دیکھا کہ مسلمانوں کی تلواریں ان کے مقابلہ کے لیے اٹھیں۔

عتبہ بن ربیعہ جب میدان میں آیا تو ان کے بیٹے سیدنا ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ اس کے مقابلہ کے لیے نکلنے لگے لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا۔ (سیرۃ حلبیہ: ۲/۱۹۹)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لخت جگر "عبدالرحمٰن" نے میدان میں نکل کر مبارزت کی آواز دی تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بیٹے کے مقابلہ میں میدان میں نکلنے کے لیے تیار ہو گئے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا اور فرمایا کہ میرے پاس سے نہ ہٹیں۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تلوار اپنے سگے ماموں کے خون سے رنگین ہوگئی اور انہوں نے تاریخ کے اوراق پر یہ بات ثبت کر دی کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہے، عمر رضی اللہ عنہ اس کا دوست نہیں ہوسکتا۔ اور اسلام کے معاملات میں قرابت اور محبت کا اثر ان پر کبھی غالب نہیں آسکتا۔ آپ کے اس ماموں کا نام عاص بن ہشام تھا اور یہ قریش کا ایک معزز سردار تھا۔

(البدایہ والنہایہ: ۳/۲۹۰)

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک روز سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سے ملے اور فرمایا: میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے دل میں میرے بارے میں کوئی کدورت ہے؟ شاید تم مجھے

Marfat.com

اپنے باپ کا قاتل سمجھتے ہو۔ اگر میں انہیں قتل کرتا تو کبھی تم سے معذرت نہ کرتا، لیکن میں نے تو اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو قتل کیا ہے۔ تمہارے والد کے پاس سے میں گزرا ضرور تھا۔ وہ بیل کے سینگ ٹٹول رہے تھے۔ میں تو ہٹ گیا لیکن ان کے چچازاد بھائی علی رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھا اور قتل کر دیا۔

سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے والد نے بیٹے پر حملہ کیا۔ بیٹے نے مدافعت کی تو بیٹے کی تلوار سے باپ قتل ہو گیا۔ (سیرۃ حلبیہ: ۲/ ۱۸۸)

اس قسم کے کئی واقعات اس جنگ میں پیش آئے۔ جس نے ثابت کیا کہ دین کی راہ میں اپنا سب کچھ بے حقیقت سمجھنا چاہیے، یہاں تک کہ اگر لڑائی میں اس کا بھائی، والد، ماموں، بیٹا یا کوئی رشتہ دار سامنے آ جائے تو اسے قتل کرنے میں بھی تامل سے کام نہیں لینا چاہیے، کیونکہ اس نے اپنی زندگی راہ خدا میں وقف کر دی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی اس اثر کی مکمل تصویر تھی۔ اور جنگ بدر میں اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کر کے اس کی مثال پیش کر دی۔

اس جنگ میں ستر قیدی مسلمانوں کے ہاتھ لگے تھے۔ ان میں سے ایک قیدی نضر بن حارث کو قتل کرنے کا حکم آپ نے مقام صفراء میں دیا اور جب آپ عرق الطبیہ پہنچے تو عقبہ بن ابی معیط کی گردن ماری گئی۔ (زرقانی: ۱/ ۴۴۹)

باقی قیدیوں کو لے کر آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ مدینہ پہنچ کر آپ نے قیدیوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرما دیا اور فرمایا کہ ان قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔
(زرقانی: ۱/ ۳۴۱)

آپ کے اس ارشاد پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس طرح عمل کیا کہ دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم پہلے ان قیدیوں کو کھانا کھلاتے بعد میں اگر کچھ بچ جاتا تو خود کھاتے، ورنہ کھجوروں پر گزارا کرتے۔

چند روز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ ان قیدیوں کے بارے میں کیا کرنا چاہیے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا: "یا رسول اللہ! یہ لوگ اپنے خاندان اور قبیلے کے لوگ ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ آئندہ چل کر یہ لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں اور پھر یہی لوگ کافروں کے مقابلہ میں ہمارے معین و مددگار ہوں۔" اس لیے میری رائے یہ ہے کہ انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ اس طرح ان کے ساتھ حسن سلوک بھی ہوگا اور ہمیں اپنی

Marfat.com

اقتصادی حالت کی بہتری اور سدھار کے لیے رقم بھی مل جائے گی۔

(مسند احمد بن حنبل: ۲۴۳/۳، مجمع الزوائد: ۸۷/۲)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اس رائے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں کفار کے لیے کوئی نرم گوشہ نہیں تھا، اس لیے بارگاہ نبوت میں عرض کی: ''یارسول اللہ! واللہ! میری وہ رائے نہیں ہے جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہے بلکہ میری رائے یہ ہے کہ یہ لوگ کفر کے اعیان و اکابر ہیں۔ ان کی تمام کوششیں اسلام کے خلاف رہی ہیں، لہٰذا ان کو ختم کر دینا چاہیے تاکہ کفر کا زور ٹوٹے۔ حدیث میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے جو الفاظ منقول ہیں، وہ پڑھنے کے قابل ہیں آپ نے بارگاہ رسالت میں عرض کی:

یا رسول الله! کذبوك واخرجوك وقاتلوك فاضرب اعناقهم

''اے اللہ کے رسول! ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا، آپ کو آپ کے وطن مکہ سے نکالا اور پھر آپ سے جنگ کی، پس ان کی گردنیں مارنے کا حکم فرمایئے۔''

(ترمذی: ۲۰۴/۱، ۱۳۴/۲)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی عرض کیا کہ ان کو قتل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے عزیز کو خود قتل کرے۔ علی رضی اللہ عنہ کو فرمائیں کہ وہ اپنے بھائی عقیل کو قتل کریں اور مجھے اجازت دیں کہ میں اپنے عزیزوں کو قتل کروں کیونکہ یہ لوگ صنادید کفر ہیں۔ اس سے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ ہمارے دلوں میں جس طرح شرک کے لیے بیزاری کے جذبات ہیں اسی طرح مشرکین کے لیے بھی کوئی نرم گوشہ نہیں ہے۔

پھر سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اپنی اپنی آراء بارگاہ نبوت میں پیش کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کی آراء سنیں اور پھر حجرہ شریف میں تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد باہر تشریف لائے اور مختصر سے خطاب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی دل کو اتنا نرم کر دیتا ہے کہ دودھ سے بھی زیادہ رقیق اور نرم ہو جاتا ہے اور کسی کے دل کو پتھر سے بھی زیادہ سخت کر دیتا ہے۔

آپ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جذبات کی مذمت نہیں فرمائی بلکہ سب کی تحسین فرمائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو میکائل سے، سیدنا

Marfat.com

ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ دی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جبرائیل علیہ السلام اور سیدنا نوح علیہ السلام سے اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ دی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تجویز پسند آئی اور میری بات پسند نہ آئی۔ چنانچہ آپ نے قیدیوں سے فدیہ لینا پسند فرمایا۔

مختصر یہ کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رائے اور ان کے ہم نوا دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے کو پسند فرماتے ہوئے آپ نے فدیہ لینے کا فیصلہ تو کر لیا اور حکم بھی صادر فرما دیا، لیکن اس سے بارگاہ الوہیت سے عتاب نازل ہوا۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگلے روز میں صبح سویرے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ وہ دونوں رو رہے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رونے کی وجہ دریافت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''فدیہ قبول کرنے کی وجہ سے تمہارے اصحاب پر جو شے پیش کی گئی ہے اس کی وجہ سے رو رہا ہوں۔'' اور آپ نے ایک قریبی درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''مجھ پر ان کا عذاب اس درخت سے بھی زیادہ قریب پیش کیا گیا۔'' اور حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ما کان لنبی ان یکون له اسریٰ حتیٰ یثخن فی الارض، تریدون عرض الدنیا والله یرید الآخرة والله عزیز حکیم لولا کتاب من الله سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم﴾

''کسی نبی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ اس کے پاس قیدی آئیں یہاں تک کہ ان کو قتل اور زمین میں اچھی طرح ان کا خون بہائے۔ تم دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے۔ اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کا نوشتہ مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو اس شئے کے بارے میں جو تم نے لی ہے، ضرور تم کو بڑا عذاب پہنچتا۔''

چونکہ اس نوشتہ میں قیدیوں سے فدیہ لینے کی اجازت دی گئی تھی اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قبول فدیہ پر عذاب نہیں دیا گیا بلکہ صرف عتاب کیا گیا۔ اور عتاب بھی اس لیے کیا گیا کہ انہوں نے کفار کو اچھی طرح کچلنے اور پامال کرنے سے پہلے قیدی بنا لیا تھا، اور اس لیے بھی کہ انہوں نے ایسے مجرمین جنگ سے فدیہ لینا قبول کر لیا تھا جو صرف جنگی قیدی نہ تھے بلکہ جنگ کے ایسے بڑے مجرم تھے جنہیں جدید قانون مقدمہ چلائے بغیر نہیں چھوڑتا۔ چونکہ ان

Marfat.com

لوگوں کا جرم عام جنگی قیدیوں سے بڑا ہوتا ہے، لہٰذا مقدمہ چلانے کی صورت میں بھی فیصلہ عموماً سزائے موت یا عمر قید کی صورت میں ہوتا ہے۔ (احکام القرآن، جصاص: ۷۲/۳)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر اس وقت عذاب آتا تو سوائے عمر رضی اللہ عنہ کے اور کوئی نہ بچتا۔ اور ایک روایت میں سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا نام بھی ہے کیونکہ ان کی بھی یہی رائے تھی کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ (زرقانی: ۴۴۱/۱)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس جنگ میں اپنی بہادری کے جوہر دکھائے اور ہر موقع پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے معین و مددگار رہے۔ اور جہاں مشورہ کی ضرورت تھی وہاں بالکل صحیح مشورہ بھی دیا، اس کے علاوہ بھی غزوہ میں آپ کی شرکت کی کچھ امتیازی خصوصیات تھیں۔

① جیسا کہ گزشتہ صفحات میں عرض کیا گیا ہے کہ قریش کے تمام قبائل اس معرکہ میں شریک ہوئے لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قبیلہ بنو عدی میں سے ایک شخص بھی اس جنگ میں شریک نہ ہوا۔ یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے رعب کا اثر تھا۔

② سب سے پہلے جو شخص اس جنگ میں شہادت سے سرفراز ہوا، وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا غلام مہجع رضی اللہ عنہ تھا۔

③ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں کو خود اپنے ہاتھوں سے قتل کیا اور یہ مثال پیش کی کہ اسلام کا دشمن عمر رضی اللہ عنہ کا دوست اور رشتہ دار نہیں ہو سکتا۔

④ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے قبیلے اور حلفاء کے ۱۲ آدمی شریک جنگ تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر میں تھے۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں:

زید بن خطاب رضی اللہ عنہ ⊙ عبداللہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ ⊙ عمرو بن سراقہ رضی اللہ عنہ ⊙ واقد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ⊙ خولی ابن ابی خولی رضی اللہ عنہ ⊙ مالک بن ابی خولی رضی اللہ عنہ ⊙ عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ ⊙ عامر بن بکیر رضی اللہ عنہ ⊙ خالد بن بکیر رضی اللہ عنہ ⊙ ایاس بن بکیر رضی اللہ عنہ اور عاقل بن بکیر رضی اللہ عنہ ⊙ مہجع رضی اللہ عنہ۔

(ابن ہشام: ۶۸۴/۲)

⑤ ان میں سے دو افراد نے جام شہادت بھی نوش فرمایا اور جریدہ عالم پر اپنا نام ثبت کیا۔ ایک عاقل بن بکیر رضی اللہ عنہ اور دوسرے مہجع رضی اللہ عنہ۔ (ابن ہشام: ۷۰۷/۲)

Marfat.com

غزوۂ احد اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

غزوۂ بدر میں شکست فاش کھا کر جب قریش مکہ واپس مکہ پہنچے تو یہ وہی وقت تھا جب ابوسفیان کا کاروان تجارت بھی مکہ پہنچا تھا۔ تجارت کا سامان ایک ہزار اونٹوں پر لدا ہوا تھا اور اس کا مشترک سرمایہ پچاس ہزار دینار تھا۔ یہ پورا مال سو فیصدی نفع کے ساتھ تھوک اٹھا دیا گیا تھا۔ (ابن سعد: ۲۵/۴) حصہ داروں کی اصل رقم واپس کر دی گئی اور نفع کے پچاس ہزار دینار جنگ کے لیے محفوظ رکھے گئے۔

غزوۂ بدر میں قریش کو جو ذلت آمیز شکست ہوئی تھی اس کے زخم وہ کئی سالوں تک چاٹتے رہے۔ چنانچہ غزوۂ احد اسی شکست کی ایک صدائے بازگشت تھی۔ بدر کے چرکے کا زخم ان کے دلوں سے مندمل نہیں ہو رہا تھا کیونکہ ان کے نادر روزگار اور سرکردہ اشخاص مسلمانوں کی تلواروں سے لقمہ اجل بنے تھے، اس وجہ سے ان کے سینے غیظ وغضب کی آگ سے کھول رہے تھے۔ آخر میں سریہ زید بن حارثہ کے واقعہ نے جلتی پر تیل کا کام کیا کیونکہ اس میں قریش کا ایک لاکھ درہم کا مال واسباب مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ جس نے قریش کو اقتصادی طور پر بہت نقصان پہنچایا۔ اب ہر طرف سے انتقام انتقام کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ ان آوازوں نے مکہ کی قیادت کو جنگ کے لیے مجبور کر دیا۔ چنانچہ ایک بڑے لشکر کو تیار کیا گیا جس کی کل تعداد تین ہزار تھی۔ قائدین قریش کی عورتوں کو بھی اس لشکر میں شامل کیا گیا جن کی تعداد پندرہ تھی۔ تین ہزار اونٹ، سات سو زرہ پوش، دو سو گھوڑے اور ہر قسم کا اسلحہ ان کے ہمراہ تھا۔ ایک سو تیر انداز بھی تھے اور لشکر کی کمان ابوسفیان کے ہاتھ میں تھی۔ رسالہ کی کمان خالد بن ولید کو دی گئی اور عکرمہ بن ابی جہل کو اس کا معاون بنایا گیا اور پرچم دستور کے مطابق قبیلہ بنی عبدالدار کے ہاتھ میں دیا گیا۔

لشکر کی تیاری اور روانگی پوری راز داری کے ساتھ ہوئی لیکن مدینہ کی انٹیلی جنس بھی

Marfat.com

اس بارے میں بالکل بے خبر نہ تھی۔ آپ نے حباب بن المنذر رضی اللہ عنہ کی معرفت قریشی فوج کا پتہ چلایا۔ انہوں نے بتایا کہ لشکر کی تعداد تین ہزار ہے۔ (طبقات ابن سعد: ۲/۲۵) مختصر یہ کہ باہمی مشورہ سے فیصلہ یہ ہوا کہ مدینہ سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ اسلامی لشکر ایک ہزار پر مشتمل تھا جس میں ایک سو زرہ پوش اور پچاس شہ سوار تھے۔ لشکر میں کچھ منافقین بھی تھے جو دشمن کے بالکل قریب مقام ''شوط'' پر جا کر اسلامی لشکر سے الگ ہو گئے۔ ان کی تعداد تین سو تھی۔ ان کے الگ ہونے کی وجہ سے اسلامی لشکر کی تعداد صرف سات سو رہ گئی۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لشکر کی خود صف بندی کی۔ ماہر تیر اندازوں کا ایک دستہ جو پچاس آدمیوں پر مشتمل تھا جن کو تاکید کی گئی کہ تم نے کسی صورت اپنی اس جگہ کو نہیں چھوڑنا۔ جب دونوں طرف سے صف بندی ہو گئی تو باقاعدہ جنگ کا آغاز ہو گیا۔ بڑے زور کا رَن پڑا۔ مسلمانوں کی صفوں پر ایمان کی روح چھائی ہوئی تھی۔ شہادت کا ایک وجد طاری تھا۔ وہ کافروں پر اس طرح حملہ کر رہے تھے جیسے باز چڑیوں پر حملہ کرتے ہیں۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ نے جام شہادت نوش کیا لیکن مشرکین میں جلد ہی بھگدڑ مچ گئی۔ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ان کی عورتیں اپنی پنڈلیوں سے کپڑے اٹھائے تیزی سے بھاگ رہی ہیں اور ان کی پازیبیں دکھائی دے رہی ہیں۔ (بخاری: ۲/۵۷۹) کچھ مسلمان دشمن کے تعاقب میں تھے اور کچھ ان کا مال اکٹھا کر رہے تھے۔ دشمن کو کافی دور چھوڑ کر تعاقب کرنے والے بھی واپس آ کر مالِ غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف ہو گئے۔

عین اس وقت جب کہ اسلامی لشکر فتح و نصرت سے ہم کنار ہو کر دنیا کی تاریخ کے اوراق میں اپنی تاب ناک فتح کے نقش ثبت کر رہا تھا، درہ پر متعین تیر انداز دستہ کی ایک خوفناک غلطی نے اس فتح کو شکست میں تبدیل کر کے رکھ دیا۔ اور اسلامی لشکر کو اتنا نقصان اور قائد اسلام کو اس قدر تکلیف پہنچی جو ناقابل بیان ہے۔ اور مسلمانوں کی وہ ہیبت اور وہ دبدبہ جو جنگ بدر کی فتح کے نتیجہ میں حاصل ہوا تھا کافی حد تک جاتا رہا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور عکرمہ بن ابی جہل دشمن کی فوج کے عقابی نظر رکھنے والے ماہر کمانڈر تھے۔ دورانِ جنگ بھی انہوں نے تین بار درہ کے اس مورچہ پر حملہ کیا لیکن نقصان اٹھانا پڑا، مگر قریشی لشکر کے بھاگتے ہوئے بھی خالد بن ولید نے اس مورچہ پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ یہ کمزور ہو چکا ہے۔ چنانچہ انہوں نے سواروں کے ایک دستہ کے ساتھ پہاڑ کے پیچھے سے اس مورچہ پر حملہ کر دیا۔ صرف دس مجاہدین وہاں موجود تھے۔

Marfat.com

انہوں نے قریش کے دستے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن کب تک؟ آخر دشمن ان کی لاشوں کو پھلانگتا ہوا آگے بڑھا اور دندناتا ہوا منتشر مسلمانوں کے سروں پر پہنچ گیا جو دشمن کی آمد سے بے خبر تھے۔

درّہ کا مورچہ چھوڑنے والے مجاہدین کو اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی بڑی خوفناک غلطی کر رہے ہیں، اس خوفناک غلطی کے نتیجہ میں قریش مکہ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر دیا۔ عبداللہ بن قمئیہ جو قریش کا مشہور پہلوان تھا، آپ کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے تلوار سے آپ پر حملہ کیا۔ اسلام کی بہادر ام عمارہ مازینہ رضی اللہ عنہا سامنے آ گئیں۔ تلوار ان کے شانے پر پڑی۔ زخم نہایت گہرا ہو گیا اور مندمل ہونے کے بعد بھی وہاں ایک گڑھا سا بن گیا۔ سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے بھی تلوار کا جواب تلوار سے دیا۔ وہ چونکہ زرہ پہنے ہوئے تھا لہٰذا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ محمد بن اسحاق کی روایت کے مطابق سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا مشکیزہ لے کر پانی پلانے آئی تھیں۔ ہاتھ میں تلوار بھی تھی۔ جب انہوں نے مسلمانوں کا یہ انتشار دیکھا تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ہادی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنے لگیں۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۲/۸۱، سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۵۵)

ابن قمئیہ نے آپ کی دائیں جانب پسلیوں پر اس زور سے تلوار ماری کہ اگر دو آہنی زرہیں آپ کے جسد اطہر پر نہ ہوتیں تو بہت گہرا زخم ہو جاتا، لیکن اب زرہوں کی وجہ سے زخم تو نہ ہوا لیکن اس کی دکھن قریباً ایک ماہ تک باقی رہی۔ (طبقات ابن سعد: ۳/۲۹، سیرۃ حلبیہ: ۲/۲۵۸)

اس کے بعد اس نے پہلے کی طرح پھر ایک زوردار تلوار ماری جو آنکھ کے نیچے کی ابھری ہوئی ہڈی پر لگی اور اس کی وجہ سے خود کی دو کڑیاں چہرہ مبارک کے اندر دھنس گئیں۔ اب پوری جنگ کا مرکز ثقل آپ کی ذات تھی۔ مشرکین کی خواہش تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تمام کر دیں (معاذ اللہ) سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص نے آپ پر ایک زوردار پتھر پھینکا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلو کے بل گر گئے اور نیچے کے دو رباعی دانت ٹوٹ گئے۔ اور نچلا ہونٹ بھی بری طرح زخمی ہو گیا۔

اس وقت آپ نے لوگوں کو آواز دی: "الی عباد اللہ" (اللہ کے بندو! ادھر میری طرف آؤ) اس وقت تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے ساتھ تھے جن میں سے ایک سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ بعض روایات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد کچھ کم بھی آئی ہے۔

(ملاحظہ ہو فتح الباری: ۷/۲۷۸، زرقانی: ۲/۳۵، ابن ہشام: ۳/۷۷)

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس روز میدان سے بھاگ گئے تھے لیکن یہ

Marfat.com

روایت صحیح نہیں ہے۔ طبری اور ابن ہشام اور دوسرے کئی مورخین نے اس کی تردید کی ہے۔ علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی الفارق میں کہا ہے کہ یہ روایت درست نہیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو' الفاروق' از علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ)

غزوۂ احد کی جنگ ظہر کے وقت تک ختم ہو چکی تھی۔ ظہر کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زخمی ہونے کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھی۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی یہ نماز بیٹھ کر پڑھی۔

(ابن ہشام: ۴/ ۸۷)

نماز سے قبل سیدنا علی رضی اللہ عنہ مہراس (ایک چشمہ کا نام) سے اپنی ڈھال میں پانی بھر کر لائے اور آپ کو پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں کچھ ناگوار بُو محسوس کی اس لیے پیا تو نہیں البتہ اس سے چہرے کا خون دھولیا اور سر پر بھی ڈالا اور اس حالت میں فرمایا:

''اس شخص پر اللہ کا سخت عذاب ہو جس نے اس کے نبی کے چہرے کو خون آلود کیا۔''

(ابن ہشام: ۲/ ۸۵)

اتنے میں سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کہیں سے شیریں اور خوش ذائقہ پانی لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نوش فرمایا اور دعائے خیر فرمائی۔ (سیرۃ حلبیہ: ۲/ ۳۰)

قریش کے لشکر نے جب واپسی کی تیاری کی تو ابوسفیان نے پہاڑ پر چڑھ کر آواز دی! ''کیا تم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) زندہ ہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''کوئی شخص اس بات کا جواب نہ دے۔'' جب کوئی جواب نہ آیا تو ابوسفیان نے پھر یہ آواز دی'' کیا تم میں ابن ابی قحافہ (ابوبکر رضی اللہ عنہ) زندہ ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: ''کوئی جواب نہ دے'' جب کوئی جواب نہ آیا تو اس نے پھر یہ آواز دی: ''کیا تم میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ زندہ ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب دینے سے بھی منع فرمایا۔ جب اس بات کا بھی کوئی جواب نہ آیا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے خوش ہو کر کہا: ''بہر حال یہ سب قتل ہو گئے کیونکہ اگر وہ زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔''

ابوسفیان کی یہ بات سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بے قابو ہو گئے اور بلند آواز سے فرمایا: ''اے اللہ کے دشمن! تو نے بالکل غلط کہا۔ تیرے رنج و غم کا سامان اللہ تعالیٰ نے ابھی باقی رکھ چھوڑا ہے۔ یہ سب زندہ ہیں۔''

لیکن ابوسفیان نے نعرہ لگایا!

"اعلیٰ ھبل"

Marfat.com

ہبل کی جے ہووے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا۔ عمر! تم اس کا یہ جواب دو:

"اللہ اعلیٰ واجل"

اللہ سب سے اعلیٰ اور برتر ہے۔

پھر ابوسفیان نے دوسرا نعرہ لگایا:

"لنا عزیٰ ولا عزیٰ لکم"

ہمارے لیے عزیٰ ہے اور تمہارے پاس کوئی نہیں۔"

اس کے بعد ابوسفیان نے کہا: "یہ دن یوم بدر کا بدلہ ہے، لہٰذا ہم اور تم برابر ہو گئے اور لڑائی ڈول کی مانند ہے، کبھی اوپر اور کبھی نیچے۔"

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "ہم اور تم برابر نہیں۔ ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور تمہارے جہنم میں۔"

بعد ازاں ابوسفیان نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو آواز دی کہ میرے پاس آؤ۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جاؤ اور دیکھو کیا کہتا ہے۔" سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کے پاس گئے تو ابوسفیان نے کہا: "عمر! میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں۔ سچ بتاؤ کہ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کیا؟" سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "خدا کی قسم ہرگز نہیں۔ وہ اس وقت تیری بات کو سن رہے ہیں۔" ابوسفیان نے کہا: "تم میرے نزدیک ابن قمیئہ سے زیادہ سچے اور نیک ہو۔"

(بخاری: ۲/۵۷۹، فتح الباری: ۷/۲۷۲، زرقانی: ۲/۴۷، زاد المعاد: ۲/۹۴، ابن ہشام: ۲/۹۳، عیون الاثر: ۲/۳۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سسرالی رشتہ:

جنگ احد کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا ایک سسرالی رشتہ بھی قائم ہوا وہ یہ کہ آپ کی صاحبزادی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہو گئیں اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے خود نکاح فرما لیا۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح سیدنا خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ دونوں میاں بیوی نہایت خوش وخرم اپنی زندگی کے دن گزار رہے تھے۔ پھر ہجرت بھی دونوں نے کی۔ ۲ھ میں جب غزوۂ بدر پیش آیا تو سیدنا خنیس رضی اللہ عنہ نے بھی اس میں شرکت فرمائی اور اپنی بہادری کے

Marfat.com

جوہر دکھائے، لیکن میدان جنگ میں کچھ ایسے کاری زخم آئے کہ ان سے جان بر نہ ہو سکے۔ چنانچہ واپس آ کر انہی زخموں کی وجہ سے جام شہادت نوش فرمایا۔

ایک روایت میں ہے کہ اگرچہ غزوۂ بدر میں بھی شرکت کی تھی لیکن وہ زخم جو ان کی شہادت کا باعث بنے غزوۂ احد میں کھائے تھے، لیکن یہ روایت صحیح نہیں۔ صحیح یہی ہے کہ غزوۂ بدر کے زخموں کی وجہ سے انتقال فرمایا تھا۔

(بخاری، حدیث نمبر: ۵۱۲۲، مسند احمد: ۱/۱۲، جامع الاصول: ۱۱/ ۴۰۸، تحفۃ الاشراف: ۸/۵۶، نسائی: ۶/ ۷۷۔۷۳)

طبقات ابن سعد میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو میں نے حفصہ رضی اللہ عنہا کے عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح کی پیش کش کی، لیکن انہوں نے میری اس درخواست کو قبول نہ کیا۔ میں نے اس بات کا ذکر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ میں نے عرض کی۔ ''یا رسول اللہ! میں نے عثمان رضی اللہ عنہ سے حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی پیش کش کی لیکن انہوں نے بے التفاتی سے کام لیا اور میری پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح تیری بیٹی سے زیادہ اچھی عورت سے کر دیا اور تیری بیٹی کا نکاح عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ اچھے آدمی سے کر دیا۔''

(طبقات ابن سعد: ۸/۸۳ من طریق الواقدی)

ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ کے مطابق یہ نکاح ۲ھ میں ہوا (ملاحظہ ہو الاستیعاب: ۴/۱۸۱۱، اسد الغابہ: ۷/ ۶۵، الاصابہ: ۷/۵۸۲) اور زہری کی روایت کے مطابق ۳ھ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد: ۸/۸۱، انساب الاشراف: ۱/۴۲۲، صفۃ الصفوۃ ابن الجوزی: ۲/ ۳۸، سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۲۲۷، فتح الباری: ۹/ ۸۱، تہذیب الاسماء والصفات نووی: ۲/ ۳۳۸)

حافظ ابن سید الناس رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ نکاح شعبان میں ہجرت نبوی سے تیس (۳۰) ماہ بعد ہوا۔ یہ ایک قول ہے اور دوسرے قول کے مطابق غزوۂ احد کے بعد یہ نکاح ہوا۔

(عیون الاثر: ۲/ ۳۹۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان اس رشتہ مصاہرت کے قائم ہونے سے

Marfat.com

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی کاشانہ نبوت میں آنے جانے لگے اور آپ کے تعلقات میں اور زیادہ قربت اور استواری پیدا ہوئی۔

غزوۂ بنی المصطلق اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ:

غزوۂ بنی المصطلق کا دوسرا نام غزوۂ مریسیع ہے۔ بنی المصطلق ایک قبیلہ کا نام ہے جو بنوخزاعہ کی ایک شاخ ہے۔ یہ غزوہ موسیٰ بن عقبہ کے نزدیک ۵ھ میں پیش آیا اور محمد ابن اسحاق کی روایت کے مطابق شعبان ۶ھ میں پیش آیا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ ۴ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ (حاشیہ بخاری: ۲/۵۹۳)

جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ سے فراغت پائی تو دو مسلمانوں کا جانوروں کو پانی پلانے پر جھگڑا ہو گیا بلکہ منافقین نے جھگڑا کروا دیا۔ مہاجرین نے سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے بات کر کے معاملہ رفع دفع کروا دیا۔ عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے جونہی یہ واقعہ سنا تو بھڑک اٹھا اور اس پر ہذیانی کیفیت طاری ہو گئی۔ سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے وہ تمام باتیں جو عبداللہ بن ابی نے مہاجرین کے خلاف کہی تھیں، سن لیں۔ اس کی باتیں بہت زہریلی اور مسلمانوں کے بہت خلاف تھیں۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے وہ تمام باتیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دیں۔ آپ بہت کبیدہ خاطر ہوئے اور چہرۂ انور سرخ ہو گیا۔

یہ بات تمام لشکر میں پھیل گئی کہ عبداللہ بن ابی نے یہ کہا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے کان میں بھی یہ بات پہنچ گئی کہ عبداللہ بن ابی نے یہ یہ باتیں کی ہیں۔ رگِ فاروقی فوراً حرکت میں آئی اور بارگاہ نبوت میں فوراً حاضر ہو کر عرض کیا: ''یارسول اللہ! اجازت دیجیے کہ اس دشمن خدا کی گردن اس کے جسم سے جدا کر دوں؟ یا عباد بن بشر کو حکم فرمائیے کہ اس کا سر قلم کر دے۔'' آپ نے فرمایا: ''عمر! صبر سے کام لو، میں ایسا حکم نہیں دے سکتا کیونکہ لوگ کہنے لگیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔ (ان محمداً یقتل اصحابہ)

عبداللہ بن ابی کو جب پتہ چلا کہ سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اس کی ساری باتیں بارگاہِ رسالت میں بیان کر دی ہیں اور اس کا بھانڈا بیچ چوراہے میں پھوڑ دیا ہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اللہ کی قسمیں کھا کر کہنے لگا کہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے جو کچھ آپ کو بتایا ہے، میں نے وہ نہیں کہا اور نہ مجھ میں یہ ہمت ہے کہ ایسی بات زبان پر لا سکوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے عبداللہ کی قسموں پر اعتبار کرتے ہوئے اس کی بات کو سچ مان لیا۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو اس سے بہت ندامت ہوئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے سورۃ المنافقون نازل فرما کر زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی تائید فرمادی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری باتوں کی تصدیق فرمادی ہے۔ (بخاری: ۱/ ۴۹۹۔ ۲۲۷۔ ۲۲۹، ابن ہشام: ۲/ ۲۹۰۔ ۲۹۲)

عبداللہ بن ابی کا ایک لڑکا جس کا نام بھی عبداللہ رضی اللہ عنہ تھا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی اور نہایت راسخ الاعتقاد مسلمان تھا۔ اس نے جب اپنے باپ کے یہ کرتوت سنے تو بارگاہ نبوت میں حاضر ہر کر عرض کی: ''یا رسول اللہ! معلوم ہوا ہے کہ آپ میرے باپ عبداللہ بن ابی کو قتل کرانا چاہتے ہیں؟ اگر واقعی ایسا ہے تو مجھے حکم فرمایئے میں اس کا سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں ڈال دوں گا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر آپ نے میرے سوا کسی اور کو انہیں قتل کرنے کا حکم فرمایا تو میں اپنے باپ کے قاتل کو چلتا پھرتا نہ دیکھ سکوں گا۔ اور چونکہ کافر کے بدلے میں مسلمان کو قتل کروں گا اس وجہ سے مجھے جہنم کی آگ میں جلنا پڑے گا۔'' (ابن ہشام: ۳/ ۲۹۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹے کی بات سن کر فرمایا کہ ''ہم اسے قتل نہیں کریں گے بلکہ جب تک وہ ہمارے ساتھ ہے رفق واحسان کے ساتھ اس سے پیش آئیں گے۔'' لیکن اہل مدینہ ابن ابی کو نفرت اور غضب کی نظروں سے دیکھتے رہے۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مسلمانوں کے بارے میں گفتگو فرما رہے تھے۔ ہوتے ہوتے بات عبداللہ بن ابی تک پہنچ گئی کہ اس کی قوم اس سے کیسا حقارت آمیز برتاؤ کرنے لگی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں عمر رضی اللہ عنہ کیا خیال ہے؟ اگر میں عبداللہ بن ابی کو اس روز قتل کرا دیتا جس روز تم نے مجھ سے کہا تھا، تو بخدا! ایک ہنگامہ برپا ہو جاتا، لیکن اگر آج تم اسے قتل کرنے کے لیے کہتے تو تمہاری بات ضرور مان لیتا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: بخدا! مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد میری بات سے زیادہ بابرکت ہے۔ (ابن ہشام: ۳/ ۲۹۳)

جب رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی مرا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھانا چاہی لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور نماز پڑھنے میں مزاحم ہوئے۔

غزوۂ احزاب اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ:

یہ غزوہ شوال ۵ ہجری میں پیش آیا۔ (زرقانی: ۲/ ۱۰۳، فتح الباری: ۷/ ۳۰۲) سرکار،

Marfat.com

عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کو جو جلاوطن کیا اس میں ان کے بڑے بڑے رؤساء خیبر چلے گئے۔ چنانچہ ان میں سے یہود کے ۲۰ سردار اور دانشور مکہ آئے اور قریش مکہ کے ساتھ انہوں نے اسلامی اسٹیٹ کو تباہ کرنے کے لیے ایک خوف ناک پلان تیار کیا اور ساتھ ہی ایک متحدہ محاذ بنانے کی پلاننگ بھی کی۔

مشرکین اور یہود کی اس مشترکہ پلاننگ سے مدینہ کی بیدار مغز اور چوکس قیادت غافل نہیں تھی۔ اس کی انگلیاں ہمیشہ حالات کی نبض پر رہتی تھیں۔ چنانچہ مشرکین، یہود اور عرب کے دوسرے قبائل کے متحدہ محاذ کا دس ہزار کا لشکر مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لیے آرہا تھا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے خندق کھودنے کا دفاعی منصوبہ بنایا۔ حضور علیہ السلام نے خندق کی حدود خود متعین فرمائیں اور دس دس آدمیوں کو دس گز زمین خندق کی کھدائی کے لیے تقسیم فرما دی۔ خندق اس قدر گہری کھودی گئی کہ نیچے تری نکل آئی۔ او رجلدی اتنی کھودی گئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چھ روز میں خندق کھود کر فارغ ہو گئے۔

(فتح الباری: ۲/۳۰۵، طبقات ابن سعد: ۲/۴۸)

مشرکین کبھی کبھی خندق میں اتر کر حملہ کرتے تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مدافعت کے لیے خندق کو ادھر ادھر کچھ فاصلہ پر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو متعین کر دیا تھا کہ دشمن اس طرف سے نہ آنے پائے۔ خندق کے ایک حصہ پر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ متعین تھے۔ چنانچہ آج یہاں ان کے نام کی ایک مسجد بھی موجود ہے جس کا نام مسجد عمر رضی اللہ عنہ ہے۔ ایک روز کافروں نے حملہ کا ارادہ کیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ساتھ آگے بڑھ کر مشرکین کے اس حملہ کو روکا۔ اور ان کی جماعت کو منتشر کر دیا۔ ایک اور دن کافروں کے مقابلہ میں اتنا مصروف رہنا پڑا کہ عصر کی نماز قضا ہو گئی۔ بعض روایات میں ہے کہ بعض نمازیں قضا ہو گئیں۔

(بخاری: ۲/۵۹)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوت میں آ کر عرض کیا کہ آج کافروں نے اتنا مصروف رکھا کہ نماز پڑھنے کا موقع نہیں دیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے بھی ابھی تک عصر کی نماز نہیں پڑھی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ کو ان نمازوں کے قضا ہونے کا اس قدر افسوس ہوا کہ آپ نے مشرکین کے لیے بددعا کی۔ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے جس طرح انہوں نے ہم کو وسطی کی ادائیگی سے روکا یہاں تک کہ سورج

Marfat.com

غروب ہو گیا۔ (بخاری: ۲/۵۹۰)

امام نووی کے بیان کے مطابق محاصرہ کے دوران مختلف دنوں میں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں قضا ہوئیں۔ (نووی شرح مسلم: ۱/ ۲۲۷)

بالآخر بنوقریظہ اور قریش کے متحدہ محاذ میں پھوٹ پڑ گئی۔ اس دوران مسلمانوں نے محاصرہ کی شدت اور سختی کا ذکر کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے انہیں یہ دعا مانگنے کے لیے ارشاد فرمایا:

اللھم استر عوراتنا وامن روعاتنا

''اے اللہ! ہمارے عیبوں کی پردہ پوشی فرما اور ہمیں خطرات سے محفوظ فرما۔'' (فتح الباری: ۷/ ۳۰۹، زرقانی: ۲/ ۱۲۱)

دوسری طرف خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد احزاب میں زوال کے بعد کھڑے ہو کر یہ دعا مانگی:

اللھم منزل الکتاب سریع الحساب وھازم الاحزاب اھزمھم وانصرنا علیھم

''اے اللہ! کتاب کے نازل کرنے والے، جلد حساب لینے والے، ان لشکروں کو شکست دینے والے، انہیں شکست دے اور ہمیں ان پر نصرت عطا فرما۔''

(بخاری: ۲/ ۵۹۱، زرقانی: ۲/ ۲۱۲)

آخر کار اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی دعائیں سن لیں اور مشرکین کے لشکر پر تند و تیز ہوا کا طوفان بھیج دیا۔ ان کے تمام خیمے اکھڑ گئے۔ رسیاں اور طنابیں ٹوٹ گئیں۔ ہانڈیاں الٹ گئیں۔ صحرا کا گرد و غبار اڑ اڑ کر ان کی آنکھیں بھرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی فرشتوں کا لشکر بھیج دیا جنہوں نے ان کی ہمتیں پست کر دیں اور ان کے دلوں میں رعب اور خوف کی ایک خاص کیفیت پیدا کر دی۔ مختصر یہ کہ کفر کا ابر سیاہ جو مدینہ کے افق پر چھا گیا تھا، چھٹ گیا۔ مشرکین کے واپس جانے کے بعد اسلامی لشکر کے قائد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الان نغزوھم ولا یغزوننا نحن نسیر الیھم (بخاری: ۲/ ۵۹۰)

''اب ہم ان پر حملہ آور ہوں گے اور یہ ہم پر حملہ آور نہیں ہو سکیں گے۔''

Marfat.com

معاہدہ حدیبیہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ:

رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو مکہ سے گئے ہوئے چھ سال گزر گئے تھے۔ ان چھ سالوں میں وہ دشمن سے مدافعت کی وجہ سے مسلسل جنگوں میں مصروف رہے۔

مسلمان ان چھ سالوں میں کعبہ کی زیارت سے محروم اور حج وعمرہ کے دینی فریضہ کی ادائیگی سے قاصر تھے، خصوصاً مہاجرین بیت اللہ کے فراق کا صدمہ کچھ زیادہ محسوس کرتے تھے۔ انہیں اور غموں کے علاوہ مکہ اور کعبہ کی جدائی کا الم بھی گھن کی طرح کھائے جا رہا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کو ایک روز یہ خواب دکھلایا گیا کہ آپ اور آپ کے ساتھی مسجد حرام میں امن کے ساتھ داخل ہوئے۔ بیت اللہ کا طواف اور عمرہ کیا پھر بعض لوگوں نے سر کے بال منڈوائے اور بعض نے کتروائے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس خواب سے مطلع فرمایا تو انہیں اس پر بڑی خوشی اور مسرت ہوئی، چونکہ زیارت کعبہ کے شوق نے انہیں دیوانہ بنایا ہوا تھا، اس لیے وہ سمجھے کہ اس سال ہی مکہ میں داخلہ نصیب ہوگا۔ محبت وشوق کی جو چنگاری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں دبی ہوئی تھی وہ بھڑک اٹھی، لہٰذا انہوں نے سفر کی تیاریاں شروع کر دیں۔

(زرقانی: ۲/۱۸۰، فتح الباری: ۵/۲۴۲، طبقات ابن سعد: ۲/ ۶۹، عیون الاثر: ۲/۱۶۰_۱۶۱، ابن ہشام: ۳/ ۳۰۸_۳۱۰)

ذوالحلیفہ پہنچ کر ہدی کو قلاوے پہنائے اور عمرہ کا احرام باندھا تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ آپ صرف عمرہ کے لیے جا رہے ہیں، جنگ کا ارادہ نہیں۔ مکہ کے قریب جا کر آپ کو پتہ چلا کہ خالد بن ولید مقدمۃ الجیش کے دو سو سواروں کو لے کر غمیم کے مقام پر پہنچ گئے ہیں۔ آپ نے سفر جاری رکھا یہاں تک کہ آپ نے اقصائے حدیبیہ میں ایک چشمہ پر قیام فرمایا۔

قریش نے یہ عزم کر لیا تھا کہ مسلمانوں کو مکہ میں قدم نہیں رکھنے دیں گے۔ قریش کی اس بدخلقی اور جہالت کے باوجود رحمت عالم ﷺ کا جذبہ مصالحت غالب رہا اور جوابی کارروائی کے بجائے آپ نے پھر ایک مرتبہ صلح کی پیش کش فرمائی۔ اور اس مقدس سفارت کے لیے پہلے سیدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کو کہا گیا لیکن انہوں نے یہ کہتے ہوئے معذرت کر دی کہ یا رسول اللہ! آپ کو پتہ ہے کہ اہل مکہ مجھ سے کس قدر برہم اور کس درجہ میرے دشمن ہیں۔ اگر مجھے

Marfat.com

اذیت دی گئی تو مکہ میں بنی کعب کا ایک شخص بھی ایسا نہیں جو میری حمایت میں کھڑا ہو سکتا ہو، اس لیے اگر آپ میرے بجائے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بھیجیں تو بہتر ہو گا کیونکہ ان کا قبیلہ اور کنبہ مکہ میں ہے، وہ آپ کی سفارت صحیح طریقہ سے ادا کر سکیں گے۔ آپ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی یہ رائے پسند آئی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے کردار کی ایک خوبی یہ تھی کہ اگرچہ انہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت تھی اور دین اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین، گستاخی یا نافرمانی کا جہاں معمولی سا بھی شائبہ ہوتا تھا ان کی رگِ فاروقی اسی وقت پھڑک اٹھتی تھی۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر وہ قابل رشک ایمان بھی رکھتے تھے، لیکن اس کے باوجود خدمت نبوی میں اپنی رائے کے اثبات واصرار میں انہیں کوئی تکلف نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تجویز پر سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بلا کر مکہ اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ ہم لڑنے نہیں آئے ہیں، صرف عمرہ کرنے آئے ہیں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زیادہ دیر تک مکہ رکے رہنے کی وجہ سے یہ افواہ پھیل گئی کہ قریش نے انہیں شہید کر دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا بہت صدمہ ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک میں قریش سے اس کا بدلہ نہیں لوں گا یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں ایک کیکر کے درخت کے نیچے اس بات پر بیعت لی کہ جب تک اس قتل کا بدلہ نہ لے لیں میدان چھوڑ کر نہیں بھاگیں گے۔ چنانچہ سب سے پہلے سیدنا ابو سنان اسدی رضی اللہ عنہ نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے جو ماہر تیر انداز تھے، تین مرتبہ بیعت کی۔ جب سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیعت کر چکے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر رکھا اور فرمایا: ''یہ بیعت عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے ہے۔'' اس واقعہ کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میری جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بایاں ہاتھ میرے دائیں ہاتھ سے کہیں بہتر تھا۔ (زرقانی: ۲/۲۰۶۔۲۰۸، ابن ہشام: ۳/۳۱۵۔۳۱۶)

بخاری کی روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بیعت سے پہلے ہی لڑائی کی تیاری شروع کر دی تھی۔ بخاری غزوہ حدیبیہ میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ فلاں انصاری سے گھوڑا مانگ لاؤ۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ باہر نکلے تو دیکھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے جہاد کی بیعت لے رہے ہیں۔ انہوں نے جا کر حضور علیہ

Marfat.com

السلام کے ہاتھ پر بیعت کی۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آئے تو دیکھا کہ وہ ہتھیار لے جا رہے ہیں۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ان سے بیعت کا واقعہ بیان کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسی وقت اٹھے اور جا کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔

اس بیعت کو قرآن حکیم نے ''بیعت رضوان'' کا نام دیا ہے کیونکہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی رضا کی سند عطا فرمائی جنہوں نے اس موقع پر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ (ملاحظہ ہو سورۃ الفتح: ۱۸)

قریش کو جب اس بیعت کا علم ہوا تو وہ خوف زدہ ہو گئے۔ اور حالات کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے انہوں نے فوری طور پر صلح کے لیے تگ و دو شروع کر دی۔

(فتح الباری: ۷/۳۴۵)

چنانچہ اب کی بار انہوں نے سہیل بن عمرو کو صلح کے لیے بھیجا۔ سہیل کی گفتگو کے بعد بالآخر فریقین میں کچھ شرائط طے ہوئیں، لیکن جو شرائط طے ہوئیں وہ ظاہری طور پر مسلمانوں کے حق میں نہیں تھیں بلکہ بظاہر کافروں کے حق میں مفید تھیں، اس بات کا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو نہایت اضطراب تھا۔ معاہدہ ابھی لکھا نہیں گیا تھا کہ وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا کہ کافروں کے ساتھ اس طرح دب کر کیوں صلح کی جائے۔ یہ بھی کہا: ابوبکر! کیا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں ہیں؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں، پھر پوچھا: کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: کیوں نہیں، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا: کیا وہ مشرک نہیں ہیں؟ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تو پھر ہم اپنے دین میں کمزوری کو دخل کیوں دے رہے ہیں؟ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عمر! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کر رہے ہیں وہ کسی مصلحت ہی سے کر رہے ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ''میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس گفتگو سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مطمئن نہ ہوئے۔ چنانچہ اسی غم اور غصے کے عالم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا: ''یا رسول اللہ! آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہوں'' پھر پوچھا: ''کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ضرور ہیں۔'' عرض کی! ''کیا یہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟'' فرمایا: ''ہاں ہیں۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''پھر ہم اپنے دین میں کمزوری کو دخل کیوں دے

Marfat.com

رہے ہیں؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں اللہ کا بندہ اور اس کا نبی اور رسول ہوں۔ ہرگز اس کے حکم کے خلاف ورزی نہیں کروں گا اور وہ مجھے کبھی ناکام نہیں ہونے دے گا۔'' اس جواب سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ انداز گفتگو اگرچہ ظاہری طور پر خلاف ادب دکھائی دیتا ہے، چنانچہ بعد میں ان کو اس پر ندامت بھی ہوئی تاہم سوال و جواب کی اصل بنیاد اس نکتہ پر تھی کہ صلح کیوں ان شرائط پر کی جا رہی ہے۔ یہ ان کی خود اعتمادی اور عزت نفس تھی جس کی وجہ سے وہ اپنی اس رائے کو وقیع سمجھ رہے تھے۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں برابر اپنی رائے پر اصرار رہا یہاں تک کہ حضور علیہ السلام کی تائید میں وحی خداوندی نازل ہوئی اور اس نے اس کو ''فتح مبین'' قرار دیا۔

ایک اور واقعہ نے بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے غم اور غصے میں اضافہ کیا۔ وہ واقعہ یہ تھا کہ معاہدہ کی دستاویز ابھی لکھی جا رہی تھیں کہ سہیل بن عمرو کے بیٹے ابو جندل رضی اللہ عنہ اپنی بیڑیاں گھسیٹتے قریش کی قید سے نکل کر یہاں حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں آ پہنچے۔ یہ پہلے سے مسلمان ہو چکے تھے اور قریش مکہ ان کو پابہ جولاں کر کے اور قید و بند کی صعوبتیں دے کر طرح طرح کی ایذائیں پہنچا رہے تھے۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ نے یہاں پہنچ کر اپنے آپ کو مسلمانوں کے درمیان ڈال دیا۔ سہیل نے کہا: ''یہ پہلا شخص ہے جو عہد نامہ کے مطابق واپس ہونا چاہیے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابھی تو نوشتہ صلح پورا لکھا بھی نہیں گیا، اور فریقین کے ابھی اس پر دستخط بھی نہیں ہوئے، پھر اس پر عمل کیسا؟ لیکن سہیل نہ مانا، رسول اللہ ﷺ نے اس سے کہا کہ اچھا تو تم اس کو میری خاطر یہاں چھوڑ دو، لیکن وہ نہ مانا، پھر سہیل نے ابو جندل رضی اللہ عنہ کے چہرے پر ایک زوردار تھپڑ مارا اور اس کے کرتے کا گلا پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹا۔ ابو جندل زور زور سے چلا کر فریاد کرنے لگا۔ آپ ﷺ نے اسے صبر کی تلقین کی اور فرمایا کہ بہت جلد اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اور تمہارے جیسے دوسرے کمزور مسلمانوں کے لیے کشادگی اور پناہ کی جگہ بنا دے گا۔ ہم نے قریش کے ساتھ ایک عہد نامہ کر لیا ہے اس لیے بدعہدی نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اچھل کر ابو جندل رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ وہ ان کے ساتھ چلتے جا رہے تھے اور کہتے جا رہے تھے: ''ابو جندل! صبر کرو۔ یہ لوگ مشرک ہیں ان کا خون تو بس کتے کا خون ہے۔'' اور ساتھ ہی ساتھ اپنی تلوار کا دستہ ان کے قریب کرتے جا رہے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں یہ اس لیے کر رہا تھا کہ مجھے امید تھی کہ ابو جندل رضی اللہ عنہ تلوار لے کر اپنے باپ سہیل کا سر اڑا دیں گے،

Marfat.com

لیکن انہوں نے اپنے باپ کے بارے میں بخل سے کام لیا۔ آخر کار رسول اللہ ﷺ نے ابو جندل رضی اللہ عنہ کو سہیل کے حوالے کر دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا بڑا دکھ تھا۔

الغرض معاہدہ مکمل ہو گیا اور گواہان اور فریقین کے دستخط ہو گئے۔ مسلمانوں کی طرف سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ (کاتب عہد نامہ) سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے بطور گواہان دستخط کیے۔ عہد نامہ کی ایک کاپی آپ ﷺ کے پاس اور دوسری سہیل بن عمرو کے پاس رہی۔ (طبقات ابن سعد: ۲/۷۱)

صلح نامہ لکھا گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک گواہ کی حیثیت سے اس پر دستخط بھی کر دیئے لیکن ابوجندل رضی اللہ عنہ کی واپسی اور معاہدہ کی وہ شرائط جو حضور علیہ السلام نے قریش کے ساتھ طے کی تھیں، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ انہیں مسلمانوں کے لیے باوقار نہیں سمجھتے تھے، مگر نگاہ نبوت کے پیش نظر کچھ اور مفادات تھے۔

حدیبیہ میں دو ہفتہ قیام کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لے گئے۔ جب مکہ اور مدینہ کے درمیان پہنچے تو سورہ فتح نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اکٹھا کر کے سورہ فتح سنائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس صلح کو اپنی شکست سمجھے ہوئے تھے۔ اس لیے افسردہ اور دل شکستہ خاطر تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو "فتح مبین" فرمایا (انا فتحنا لك فتحاً مبینا) اس لیے ازراہ تعجب آپ ﷺ سے دریافت کیا: "یا رسول اللہ! کیا یہ فتح ہے؟" آپ نے فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے بے شک یہ عظیم الشان فتح ہے۔"

(فتح الباری: ۵/۲۴۵۔۲۵۶، زرقانی: ۲/۲۱۰، طبقات ابن سعد: ۲/۷۰، عیون الاثر: ۲/۱۶۰۔۱۷۳، بخاری: ۱/۳۷۸۔۳۸۱، ۲/۵۹۸۔۶۰۰، مسلم: ۲/۱۰۳۔۱۰۶، زادالمعاد: ۲/۱۲۲۔۱۲۷، ابن ہشام: ۳/۳۰۸۔۳۲۲، اخبار عمر: ص ۱۴، صلح حدیبیہ، باشمیل: ص ۲۷۰، القیادۃ العسکریہ فی عہد رسول اللہ ﷺ: ص ۴۹۵، طبری: ۲/۶۳۴، غزوۃ الحدیبیہ لابی الفارس: ص ۱۳۴)

سریہ بنی ہوازن:

بنو ہوازن کی سرکشی کی اطلاعات بارگاہ رسالت میں متواتر پہنچ رہی تھیں۔ رسول

Marfat.com

اللہ ﷺ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو تیس افراد کی سربراہی میں تربہ کی طرف روانہ فرمایا تاکہ بنو ہوازن کو لگام دی جا سکے۔ ان کے ساتھ بنو ہلال کا ایک رہبر بھی تھا۔ اہل ہوازن صحرائی لومڑ سے زیادہ چالاک اور ہوشیار تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رات کو سفر کرتے اور دن میں خفیہ جگہ پر پڑاؤ ڈالتے۔ تمام تر احتیاط کے باوجود اہل ہوازن کو مجاہدین کی آمد کا پتہ چل گیا اور وہ راہ فرار اختیار کر گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مقام فساد پر پہنچے تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ ''تربہ'' مکہ سے دو روز کی مسافت پر ایک وادی ہے جو بستان عامر تک چلی جاتی ہے۔

(طبقات ابن سعد: ۲۷۲/۳، سیرۃ ابن ہشام: ۲۲۸/۲)

معاہدہ حدیبیہ نے اگرچہ آپ کو قریش اور پوری جنوبی سمت سے مطمئن کر دیا تھا لیکن مدینہ کے شمال میں بسنے والے خیبر کے یہودیوں سے ہر وقت آپ کو خطرہ لاحق رہتا تھا۔

اخیر محرم الحرام ۷ھ میں آپ چودہ سو پیادوں اور دو سو سواروں کے ساتھ خیبر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ازواج مطہرات میں سے صرف سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا آپ کے ساتھ تھیں۔ حدیبیہ میں بھی آپ ہی ہم رکاب تھیں۔ (زرقانی: ۲۱۷/۲، زادالمعاد: ۱۳۳/۲)

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رات کے وقت رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں خیبر کے لیے روانہ ہوئے۔ دوران سفر ایک شخص عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ جو ایک مشہور شاعر تھے، حدی خوانی کرنے لگے۔ اشعار سن کر سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: ''یہ حدی خوان کون ہے؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ''عامر بن اکوع۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اس پر رحم کرے۔'' ایک اور روایت میں ہے کہ ''اللہ اس کی مغفرت فرمائے۔'' یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یا رسول اللہ! اس کے لیے تو جنت واجب ہو گئی۔ کاش آپ عامر رضی اللہ عنہ کے وجود سے ہمیں چند روز اور بہرہ ور ہونے دیتے۔'' (بخاری: ۶۰۳/۲، فتح الباری: ۳۵۷/۷، مسلم: ۱۱۵/۲)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ تھا کہ جب آپ جنگ کے موقع پر کسی شخص کے لیے خصوصیت سے دعائے مغفرت فرماتے ہیں تو وہ ضرور شہید ہو جاتا ہے۔ چنانچہ سیدنا عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ بھی اس جنگ میں شہید ہو گئے۔

خیبر پر مسلمانوں کے حملہ کی خبر جنگل کی آگ کی طرح تمام جزیرہ نما عرب میں پھیل گئی۔ عرب کا ہر شخص نتیجے کے لیے گوش برآواز تھا، خصوصاً قریش مکہ نہایت بے تابی کے ساتھ نتیجہ کے منتظر تھے۔ انہیں پوری امید تھی کہ خیبر کے یہودی اپنی بہادری، اپنے قلعوں کی سربلندی،

Marfat.com

اسلحہ کی بہتات اور پہاڑوں کی بلند ترین چوٹیوں کی وجہ سے مسلمانوں کا نہ صرف حملہ ناکام بنا دیں گے بلکہ ان کی وہ درگت بنائیں گے کہ انہیں چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔ چنانچہ ان میں سے اکثر نے تو شرطیں بھی لگا رکھی تھیں۔

خیبر کی آبادی دو منطقوں پر مشتمل تھی جس میں آٹھ قلعے اور کچھ گڑھیاں تھیں۔ مسلمانوں نے باری باری ہر قلعہ کو فتح کر لیا۔ جب انہوں نے قلعہ قموص کا محاصرہ کیا تو کچھ دقت پیش آئی۔ یہ قلعہ اس شہ زور اور بہادر یہودی کا قلعہ تھا جس کو مرحب کہتے تھے۔ اور جس کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ وہ ایک ہزار مردوں کے برابر ہے۔ محاصرہ کو کئی روز گزر گئے اور قلعہ فتح نہ ہوا۔ روایات میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دردِ شقیقہ کی وجہ سے میدان میں تشریف نہ لا سکے۔ اس لیے علم دے کر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ انہوں نے جی توڑ کر مقابلہ کیا لیکن قلعہ فتح نہ ہوا۔ دوسرے روز سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو علم دے کر بھیجا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی پوری کوشش اور جواں مردی سے مقابلہ کیا لیکن بغیر فتح کے رات کو واپس ہوئے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں کل علم اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ سے اس قلعہ کو فتح فرمادے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ رات نہایت اضطراب سے گزاری۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جو قناعت پسندی میں اپنی مثال آپ تھے، اور آپ نے کبھی حکومت اور سرداری کی تمنا نہیں کی تھی، وہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ اس موقع کی تمنا میں ان کی خودداری بھی قائم نہ رہ سکی۔ (مسلم: ۲/۲۷۸)

دوسرے روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "علی رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟" سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس وقت آشوب چشم میں مبتلا تھے اور جنگ کرنے کے قابل نہ تھے، لیکن حضور علیہ السلام نے انہیں اپنے پاس بلایا، ان کی آنکھوں کو اپنا لعابِ دہن لگایا اور دعا فرمائی۔ روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

خذ هٰذه الراية فامض بها حتىٰ يفتح الله عليك

"اے علی رضی اللہ عنہ! یہ جھنڈا لو اور غنیم پر حملہ کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ہاتھ سے اسے فتح فرمادے۔" (بخاری: ۲/ ۶۰۵، ۱/ ۵۲۵، مسلم: ۲/ ۲۷۹)

چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب علم نبوی ہاتھ میں پکڑ کر قلعہ قموص پر حملہ کیا تو رئیس قلعہ مرحب نے میدان جنگ میں اتر کے دعوتِ مبارزت دی۔ اس کے مقابلہ میں سیدنا عامر بن

Marfat.com

اکوع رضی اللہ عنہ میدان میں آئے۔ دونوں ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے۔ لیکن سیدنا عامر رضی اللہ عنہ اپنی ہی تلوار کے ایک گہرے زخم سے شہید ہو گئے۔ یہ بڑے جانباز اور بہادر تھے۔ ان جیسا بہادر کم ہی پیدا ہوا ہوگا۔ (بخاری: ۲/۶۰۳، مسلم: ۲/۱۱۵۔۱۲۲)

مرحب نے اب دوسری مرتبہ دعوت مبارزت دی۔ اب کی بار سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اس کے مقابلہ میں آئے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اللھم اعنہ علیہ (اے اللہ اس کی مدد فرمانا) محمد ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے میدان میں آ کر مرحب کو ایسی تلوار ماری کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔
(ابن ہشام: ۲/۳۳۳، عیون الاثر: ۲/۱۸۶، ابن اثیر: ۲/۲۱۹، البدایہ والنہایہ: ۴/۱۸۹ وغیرہ)

خیبر کی زمین جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین میں تقسیم کی تو زمین کا ایک ٹکڑا جس کا نام ''ثمغ'' تھا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آیا۔ زمین لینے کے بعد وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: مجھے خیبر میں ایک زمین ملی ہے جس سے بہتر چیز آج تک میرے حصہ میں نہیں آئی۔ اس کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چاہو تو زمین اپنے پاس رکھو اور آمدنی وقف کر دو۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے فقیروں، رشتہ داروں، غلاموں اور مہمانوں کے لیے فی سبیل اللہ وقف کر دیا جس کے متولی کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ بقدر ضرورت اس میں سے کھا پی سکتا ہے اور فرمایا کہ اصل زمین فروخت نہ کی جائے، نہ ہبہ کی جائے اور نہ کوئی اس کا وارث ہوگا۔ چنانچہ اسلام میں یہ سب سے پہلا وقف ہے جو اسلامیان شرق و غرب کے نظام اوقاف کی اولین اساس ہے۔ اور یہ بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ایک منفرد خصوصیت ہے کہ اسلام میں وہ وقف کے اولین بانی ہیں۔ (مسلم، باب الوقف)

عمرۃ القضاء اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ:

عمرۃ القضاء کا نام اس لیے رکھا گیا کہ یہ عمرہ حدیبیہ کی قضا کے طور پر تھا۔ دوسرے اس لیے کہ یہ حدیبیہ کے معاہدہ کے مطابق کیا گیا تھا کیونکہ اس طرح کی مصالحت کو عربی میں قضا اور مقاضاۃ کہتے ہیں۔ اس دوسری وجہ کو علماء محققین نے زیادہ راجح قرار دیا ہے۔
(فتح الباری: ۷/۵۰۰، زاد المعاد: ۱/۱۷۲)

حدیبیہ کے معاہدہ کے مطابق ایک سال گزر جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مکہ جانے کا وقت آ گیا۔ جونہی ذیقعدہ کا چاند نظر آیا آپ نے مسلمانوں

Marfat.com

عمرۃ القضاء کی تیاری کا حکم دیا۔ اس اعلان سے مسلمانوں کے دل بلیوں اچھل رہے تھے۔ آپ نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ کوئی بھی شخص جو گزشتہ سال حدیبیہ میں موجود تھا، پیچھے نہ رہے۔ چنانچہ اس دوران جو لوگ شہید ہو چکے تھے ان کے علاوہ باقی لوگ اور ان کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی رفیق سفر ہو گئے۔

مدینہ سے روانگی کے وقت مسلمانوں کے ہمراہ ساٹھ قربانی کے جانور تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قلب میں مکہ مکرمہ کی زیارت اور بیعت اللہ کے طواف کی خوشی اور مسرت اٹھکیلیاں لے رہی تھیں۔ مہاجرین اور بھی بے تاب تھے کہ جس بستی میں انہوں نے آنکھیں کھولیں اسے دیکھنا نصیب ہوگا۔ جس شہر کی دیواروں کے سایہ میں وہ پل کر جوان ہوئے، ان دیواروں کو مس کرتے ہوئے اس شہر کے گلی کوچوں میں گشت کریں گے۔ جن دوستوں کے ساتھ زندگی کا طویل عرصہ گزارا انہیں دیکھ کر آنکھوں کو طراوت نصیب ہوگی۔ وطن کی خوشگوار ہوا سے مشام جان معطر ہو گیا۔ اس مبارک بستی کی خاک سرمہ چشم بنے گی جہاں فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے، ان کا بچپن گزرا، ان کا لڑکپن گزرا اور اپنی جوانی کو اس سرزمین میں بڑھاپے میں تبدیل کیا۔ اور جس سرزمین میں سید الملائکہ جبریل امین خدا کی پہلی وحی لے کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے۔

غرضیکہ دو ہزار کی جمعیت اس جوش و خروش کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف گامزن ہوئی کہ ان کے دل فرط مسرت سے بلیوں اچھل رہے تھے۔ چونکہ صلح حدیبیہ میں یہ شرط تھی کہ ہتھیار ساتھ نہ لائیں، اس لیے جب یاجج پہنچے تو سارے ہتھیار اور سیدنا اوس بن خولی انصاری رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت دو سو آدمیوں کا ایک دستہ وہیں چھوڑ دیا جو ان ہتھیاروں کی حفاظت کے لیے تھا۔ صرف نیام میں رکھی ہوئی تلواریں لے کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ (فتح الباری: ۷/۵۰۰، زاد المعاد: ۲/۱۵۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں اس گھاٹی کے راستہ سے داخل ہوئے جو حجون پر نکلتی ہے۔ روایت میں ہے کہ مشرکین نے آپ کے چہرہ انور کو ایک نظر دیکھنے کے لیے لائن لگا رکھی تھی۔ آپ داخلہ کے وقت مسلسل لبیک کہہ رہے تھے، یہاں تک کہ حرم میں جا کر اپنی چھڑی سے حجر اسود کو چھوا۔ رسول اللہ پنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے۔ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ تلوار حمائل کیے آپ کی اونٹنی کی مہار پکڑے آگے آگے چل رہے تھے اور رجز کے اشعار پڑھ رہے تھے جن کا ترجمہ یہ تھا:

Marfat.com

''اے کافر کے بچو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ حکم فرمایا کہ بہترین قتل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ہو۔ ہم نے تمہارے ساتھ جہاد و قتال کیا، اس کا حکم نہ ماننے کی وجہ سے جیسے قرآن کے منزل من اللہ ہونے کو نہ ماننے کی وجہ سے تم سے قتال کیا۔''

یہ اشعار سن کر سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ابن رواحہ! تم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور اللہ کے حرم میں اشعار پڑھ رہے ہو؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے عمر! انہیں رہنے دو۔ ان کے یہ اشعار کافروں کے حق میں تیر کی مار سے زیادہ سخت ہیں۔''

(ترمذی: ۲/ ۱۰۷، فتح الباری: ۷/ ۵۰۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عمر! میں سن رہا ہوں'' اور ابن رواحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اے ابن رواحہ! ان اشعار کے بجائے یہ پڑھو:

لا الله الا الله وحده نصر عبده واعزه جنده وهزم الاحزاب وحده

''یعنی ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی نے اپنے بندے کی نصرت فرمائی اور اس کے لشکر کو عزت دی اور تمام گروہوں کو اکیلے نے شکست دی۔''

سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے ان کلمات کو پڑھنا شروع کر دیا۔ آپ کے ساتھ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی یہ کلمات دہراتے۔ ان کی آواز سے دشت وجبل گونج اٹھے اور پہاڑ پر دبکے ہوئے مشرکین کے دل ہیبت سے کانپ اٹھے۔ (طبقات ابن سعد: ۲/ ۸۸)

مکہ میں تین روز قیام کرنے کے بعد آپ مکہ میں جس انداز سے داخل ہوئے تھے اسی شان سے رخصت ہوئے۔ آگے آگے آپ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو ہزار نفوس قدسی کا جم غفیر جن کے تقدس کی فرشتے بھی قسم کھاتے ہیں۔ پہلی رات آپ نے ''سرف'' میں گزاری اور پھر سفر کی منازل طے کرتے ہوئے واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری: ۷/ ۵۰۰۔۵۰۱، مسلم: ۱/ ۴۱۲، زاد المعاد: ۲/ ۱۵۲، ترمذی: ۲/ ۱۰۷، طبقات ابن سعد: ۲/ ۸۷، زرقانی: ۲/ ۲۵۴، بخاری: ۱/ ۲،۲۱۷/ ۶۰۰۔۶۱۱)

فتح مکہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ:

معاہدہ حدیبیہ کو قریش نے ۸ھ میں توڑ دیا، لیکن اس معاہدہ کو توڑنے کے بعد قریش

Marfat.com

کو احساس ہوا کہ انہوں نے بڑی سخت غلطی کی ہے۔ چنانچہ قائد قریش ابوسفیان مدینہ طیبہ پہنچا اور وہاں اپنی صاحبزادی ام حبیبہ سلام اللہ علیہا اور سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا اور دیگر حضرات کی وساطت سے تجدید صلح کی کوشش کی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اس بات کو کوئی اہمیت نہ دی اور مکہ پر حملہ کی تیاری شروع کر دی۔

ایک طرف حملہ کے اس معاملہ کو نہایت راز داری سے رکھا گیا اور دوسری طرف اصحاب بدر میں سے ایک شخص سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے ایک خط لکھ کر ایک عورت کو دیا اور اسے کچھ معاوضہ دے کر کہا کہ اس خط کو قریش تک پہنچا دو۔ چنانچہ وہ خط کو اپنی چوٹی میں چھپا کر مدینہ سے روانہ ہوگئی۔ واقدی کی ایک روایت میں ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے سہیل بن عمرو، صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل کو یہ خط لکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوے کا اعلان کر دیا ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ حضور علیہ السلام کا ارادہ آپ لوگوں کے سوا کسی اور کا ہو۔ اور میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں پر میرا ایک احسان رہے۔'' (فتح الباری: ۷/ ۵۲۱، زرقانی: ۲/ ۲۹۸)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ کو بھیج کر اس عورت سے وہ خط برآمد کرالیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب اس حملہ کو مخفی رکھنا چاہتے تھے تو حاطب رضی اللہ عنہ کا اہل مکہ کو خبر دینا عسکری اصولوں کے بالکل خلاف تھا حالانکہ اس خط میں انہیں ڈرایا دھمکایا ہی گیا تھا۔ خط سامنے آیا تو سب حضرات کو حیرانگی ہوئی۔ یہاں بھی رگِ فاروقی پھڑکی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بے تاب ہوگئے۔ عرض کی: ''یا رسول اللہ! اجازت ہو تو اس منافق کی گردن اڑا دوں۔'' لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا۔ سب صحابہ رضی اللہ عنہم مضطرب تھے لیکن جبین رحمت پر کوئی شکن نہیں تھی۔ آپ نے نہایت تحمل اور بردباری سے ارشاد فرمایا: ''حاطب یہ کیا؟'' سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ نے یہ خط ارسال کرنے میں جو عذر پیش کیا وہ بارگاہ نبوت میں قبول ہوا۔ ادھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ برہنہ تلوار لیے کھڑے تھے اور حاطب رضی اللہ عنہ کا سر قلم کرنے کی اجازت کے طلب گار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: دیکھو، یہ بدری ہیں اور عمر رضی اللہ عنہ تمہیں کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو مخاطب کر کے فرما دیا تھا:

﴿اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم﴾

''جو چاہو کرو، میں نے تمہیں بخش دیا۔''

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سن کر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اہل

Marfat.com

بدر کے مرتبہ کا پتہ چلا تو ان پر رقت طاری ہو گئی۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور زبان سے نکلا: اللہ ورسولہ اعلم (اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔)

(بخاری: ۱/ ۴۲۲۔ ۲/ ۶۱۲، زرقانی: ۲/ ۲۹۸، البدایہ والنہایہ: ۴/ ۲۸۴، فتح الباری: ۷/ ۵۲۱)

الغرض آپ ﷺ ۱۰ رمضان المبارک ۸ھ میں دسمبر ۶۲۹ء کو دس ہزار خدا پرست اور خدا شناس مجاہدین کا باوقار لشکر لے کر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اسلامی لشکر کی یہ روانگی بعد نماز عصر ہوئی۔ (فتح الباری: ۸/ ۴۷)

ازواج مطہرات میں سے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا آپ کے ساتھ تھیں۔

منزل بہ منزل سفر کر کے رات کے پہلے پہر ان دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ مکہ کے قریب مرالظہران کی وادی میں نزول فرمایا۔ قریش کے کچھ سرداروں کے کانوں میں یہ بھنک پڑ چکی ہوئی تھی کہ ایک بہت بڑا لشکر آ رہا ہے۔ اس بھنک کی تفتیش کی غرض سے مخفی طور پر قریش کے چند رؤساء اور سردار، ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء مکہ سے نکلے ہوئے یہاں پہنچ گئے۔ اس وسیع وعریض میدان کو جو میلوں کی وسعت کو اپنی آغوش میں لیے ہوئے تھا، جگمگاتا دیکھ کر انگشت بدندان رہ گئے۔ انہیں اس بات کا وہم وگمان بھی نہ تھا کہ یہ شان وشوکت اور آگ کے الاؤ کا یہ بحر ناپیدا کنار محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کا ہے، جن کو چند سال پہلے سب کچھ چھین کر نہایت کس مپرسی کی حالت میں مکہ سے نکالا گیا تھا۔ (عیون الاثر: ۲/ ۲۲۸)

جونہی اس لشکر نے مرالظہران میں پڑاؤ ڈالا، سیدنا عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے سفید خچر پر سوار ہو کر نکلے تاکہ اگر کوئی لکڑ ہارا یا کوئی اور آدمی مل جائے تو اس کے ذریعہ قریش کو یہ خبر بھجوا دی جائے کہ وہ آپ ﷺ کے مکہ میں داخلہ سے قبل آپ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر امان طلب کر لیں۔ (عیون الاثر: ۲/ ۲۲۸)

اب لکڑ ہارے یا کسی آدمی کے بجائے انہیں مکہ کا سردار ابوسفیان مل گیا۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوسفیان کی آواز پہچان لی اور کہا: ''ابوحنظلہ!'' اس نے بھی اندھیرے میں میری آواز پہچان لی اور بولا: ''ابوالفضل۔'' میں نے کہا: ''ہاں۔'' اس نے کہا: ''کیا بات ہے؟ میرے ماں باپ تجھ پر قربان۔'' میں نے کہا: ''یہ رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہیں۔ واللہ! ہائے قریش کی تباہی۔''

ابوسفیان نے کہا: ''اب کیا کیا جائے؟ میرے ماں باپ تجھ پر قربان۔'' میں نے کہا:

Marfat.com

''خدا کی قسم اگر انہوں نے تمہیں پالیا تو تمہاری گردن ماردیں گے، لہٰذا اس خچر پر تم میرے پیچھے سوار ہو جاؤ۔ میں تمہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لیے چلتا ہوں۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ابو سفیان کو اپنے پیچھے خچر پر بٹھالیا اور قبائل کے خیموں کا گشت کرانے لگے۔ خود فرماتے ہیں کہ جب میں کسی الاؤ کے پاس سے گزرتا تو لوگ پوچھتے کون ہے؟ لیکن جب دیکھتے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر ہے اور میں اس پر سوار ہوں تو کوئی تعرض نہ کرتے۔ یہاں تک کہ میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے الاؤ کے پاس سے گزرا۔ انہوں نے پوچھا: ''کون ہے:'' اور اٹھ کر میری طرف آئے۔ جب انہوں نے میرے پیچھے ابوسفیان کو بیٹھے دیکھا تو کہنے لگے: ''ابوسفیان، اللہ اور اس کے رسول کا دشمن، الحمدللہ، بغیر کسی عہد و پیمان کے ہاتھ آ گیا'' اور تلوار لے کر لپکے کہ دشمن اسلام ابوسفیان کو اس سے پہلے ختم کر دیں کہ وہ بارگاہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں جا کر پروانہ امن حاصل کر لے، لیکن سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بھی جہاں دیدہ آدمی تھے اور زمانہ کے نشیب و فراز سے بخوبی واقف و آشنا تھے۔ وہ اس بات سے غافل نہیں تھے کہ عمر رضی اللہ عنہ کا کیا ارادہ ہے؟ انہوں نے فوراً خچر کو ایڑ لگائی اور تیز کر دیا۔ فرماتے ہیں کہ میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ میں پہنچ گیا۔ اتنے میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی خیمہ میں گھس آئے۔ اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اصرار تھا کہ اے اللہ کے رسول، اجازت دیجیے کہ اس فتنہ مجسم کے بوجھ سے زمین کا بوجھ ہلکا کر دوں۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: ''یارسول اللہ میں نے ابوسفیان کو پناہ دے دی ہے۔'' جب ابوسفیان کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بار بار قتل کرنے کے بارے میں کہا تو میں نے کہا: ''عمر! ٹھہرو، خدا کی قسم، اگر بنوعدی بن کعب (سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قبیلہ) کا آدمی ہوتا تو تم ایسی بات نہ کہتے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: عباس! خدا کی قسم، تمہارا اسلام لانا میرے نزدیک خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے۔ اور اس کی وجہ میرے نزدیک صرف اور صرف یہ ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تمہارا اسلام لانا خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے۔ بہرحال دونوں حضرات میں کچھ تیز تیز باتیں بھی ہوئیں لیکن جان بخشی اور امان کی جو دیوار پختہ ہو چکی تھی وہ منہدم نہ ہوئی۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان کو اپنے خیمہ میں لے گئے اور صبح کے وقت اس کو لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابوسفیان! تم پر افسوس، کیا تمہارے لیے اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم یہ جان سکو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟'' ابوسفیان نے کہا:

Marfat.com

"اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً رسول اللہ"

(نسب قریش: ص ۱۲۲، طبقات ابن سعد: ۲/ ۹۸)

غرض کہ سرکار دو عالم ﷺ مرالظہران سے روانہ ہو کر مکہ میں داخل ہوئے۔ داخلہ کے وقت آپ ﷺ نے سر مبارک جھکا رکھا تھا۔ یہاں تک کہ داڑھی کے بال کجاوے کی لکڑی سے لگ رہے تھے۔ ارشاد فرمایا کہ شعب بنی ہاشم میں قیام کا انتظام کیا جائے۔ یہ وہی شعب بنی ہاشم تھی جہاں تین سال تک تمام بنی ہاشم کا سوشل بائیکاٹ کر کے محصور رکھا گیا۔ آپ کے لیے سرخ چمڑے کا خیمہ نصب کیا گیا جس میں آپ رونق افرز ہوئے۔ پہلے غسل کیا پھر آٹھ رکعت پڑھیں۔

(بخاری: ۱/ ۴۷۳، البدایہ والنہایہ: ۴/ ۳۰۰)

اشراف اور رؤسائے قریش مسلمان ہو گئے کیونکہ اب انہیں بخوبی پتہ چل گیا تھا کہ اسلام کے سوا کامیابی کی اور کوئی راہ نہیں، بلکہ اب تو وہ اپنی گذشتہ زندگی پر کف افسوس ملنے لگے تھے جو اسلام کی مخالفت میں گزری تھی۔ چنانچہ آپ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر کوہ صفا پر لوگوں سے بیعت کے لیے تشریف لے گئے۔ لوگ جوق در جوق آپ کی خدمت میں آ کر خدا اور اس کے رسول کی اطاعت پر بیعت کرنے لگے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آپ سے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ عورتوں کی بیعت کے وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم ان سے بیعت لے لو۔ چنانچہ عورتوں سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بیعت لی۔ ایک روایت میں ہے کہ کئی مردوں سے بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بیعت لی۔

غزوہ حنین اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ:

فتح مکہ کے بعد سرکار دو عالم ﷺ اپنے دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ ابھی مکہ ہی میں مقیم تھے کہ آپ کو اطلاع موصول ہوئی کہ قبیلہ ہوازن مکہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اور قبیلہ ثقیف بھی اس سے مل گیا ہے۔ یہ دونوں قبیلے نہایت جنگ جو اور ماہر تیر انداز تھے۔ انہیں خطرہ تھا کہ کہیں پیغمبر اسلام ان پر حملہ نہ کر دیں۔ چنانچہ ان کا بیس ہزار کا لشکر مالک بن عوف نصری کی زیر قیادت جمع ہو گیا۔

دشمن کے لشکر کا سن کر رسول اللہ ﷺ بھی ۶ شوال ۸ ھ کو بارہ ہزار مجاہدین کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوئے۔ ان بارہ ہزار میں دس ہزار تو وہ مجاہد تھے جو مدینہ طیبہ سے آپ ﷺ کے

Marfat.com

ساتھ آئے تھے اور دو ہزار مکہ کے لوگ جن میں سیدنا ابو سفیان رضی اللہ عنہ اوران کے دونوں بیٹے یزید رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔عرب نے اتنا بڑا لشکر آج تک نہ دیکھا تھا۔ ہرایک قبیلہ کا اپنا اپنا جھنڈا تھا۔اور ہرایک سپاہی اپنی فوج کی کثرت پر اس قدر نازاں تھا کہ ان میں سے چندایک نے ایک دوسرے سے گفتگو میں یہاں تک کہہ دیا کہ اتنی بڑی فوج کوکون شکست دے سکتا ہے۔

یہ فوج شام کے وقت میدان کارزار کے قریب پہنچی۔ جیسے ہی پیشانی مشرق سے صبح صادق کا جھومر نمودار ہوا،سب نے فریضہ نماز ادا کیااور ابھی پوری طرح اجالا بھی نہیں ہوا تھا کہ میدان حنین کی طرف پیش قدمی ہونے لگی۔ یہ میدان نشیب میں تھا۔سب طرف پہاڑ تھے اور پہاڑی راستے ایسے ڈھلوان تھے کہ پیر جمنے مشکل تھے۔میدان جنگ کے بیشتر مقامات پر دشمن کی فوجیں قابض اور راستہ کے پہاڑوں پر غنیم کے تیر انداز دستے مسلمانوں کے انتظار میں تھے۔ جونہی مسلمانوں کا لشکر حنین کی تنگ وادی سے گزرا،غنیم کی فوجوں نے جو درہ کی چوٹی پر گھات لگائے بیٹھی تھیں،اپنے کمانڈر مالک بن عوف کی ہدایت کے مطابق پے در پے تیروں کی باڑھ چھوڑ دی۔مسلمان صبح کے جھٹپٹے میں وادی حنین کی طرف جارہے تھے،وہ دشمن کی موجودگی سے بے خبر تھے،اس لیے وہ پورے اطمینان کے ساتھ بے خبری کے عالم میں اتر رہے تھے کہ اچانک ان پر تیروں کی بارش ہوگئی۔اس اچانک حملہ سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔وہ بدحواس ہوگئے اوران میں ایسی بھگدڑ مچی کہ کوئی کسی کا پرسانِ حال نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا محور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیکر مقدس تھا جو اپنی جگہ استقلال و استقامت کا پہاڑ بن کر کھڑا تھا۔آپ کا رخ کفار کی طرف تھااور آپ بجائے پیچھے آنے کے پیش قدمی کے لیے اپنے خچر کوایڑ لگارہے تھے۔تلوار ہاتھ میں تھی اورفرمارہے تھے:

انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب

''میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں اور میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔''

سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حارث بن عبدالمطلب نے اس نازک موقع پر آگے بڑھ کر خچر کی لگام پکڑ لی اور سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے رکاب تھام لی کہ خچر کہیں تیزی سے آگے نہ بڑھ جائے۔دس بارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل قریب تھے فوری طور پر آپ کے گرد اکٹھے ہو گئے۔سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ،سیدنا علی رضی اللہ عنہ،سیدنا عمر رضی اللہ عنہ،سیدنا عباس رضی اللہ عنہ،

Marfat.com

سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ انہی قریبی جان نثاروں میں سے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو جن کی آواز خاصی بلند تھی، فرمایا کہ صحابہ کو آواز دو۔

اس آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام فوج ایک دم پلٹ پڑی۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ فریقین میں دھواں دھار جنگ ہوئی اور لڑائی کا رنگ بدل گیا اور غنیم مسلمانوں کے اس زبردست حملے کی تاب نہ لا کر میدان سے بھاگ نکلا اور مسلمانوں کے ہاتھ بہت سامال غنیمت آیا۔

(فتح الباری: ۸/ ۳۴، ابن ہشام: ۳/ ۴۴۹، عیون الاثر: ۲/ ۲۵۹)

غزوہ تبوک اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ:

اس زمانہ میں اچانک شام کے کچھ نبطی سوداگر مدینہ میں روغن زیتون فروخت کرنے آئے۔ انہوں نے آکر بتایا کہ رومیوں نے شام میں ایک لشکر جرار اکٹھا کیا ہے اور فوج کو سال بھر کی تنخواہیں تقسیم کر دی ہیں۔ اور فوج تمام قبائل پر مشتمل ہے اور اس کا ہراول دستہ بلقاء تک آ گیا ہے۔ (مجمع الزوائد: ۶/ ۱۹۱، فتح الباری: ۸/ ۸۵، زرقانی: ۳/ ۶۷، طبقات ابن سعد: ۲/ ۱۱۹)

ان اطلاعات نے مسلمانوں میں ایک ہلچل پیدا کر دی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی تیاری کا حکم فرمایا اور اس بات کا تہیہ کر لیا کہ مسیحیت پر ایسی ضرب کاری لگائی جائے جس سے ان کے منہ پھر جائیں اور پھر کبھی انہیں مسلمانوں کے سامنے آنے کی ہمت اور جرأت نہ ہو، لیکن موسم کی وجہ سے صورت حال کی نزاکت میں مزید اضافہ ہو گیا، کیونکہ موسم کا یہ حال تھا کہ گویا دوزخ نے منہ کھول رکھا ہے۔ دشت وجبل کرہ نار بنے ہوئے تھے۔ بلا کی تپش قدم قدم پر جان کنی کا خطرہ اور مزید یہ کہ لوگ تنگی اور قحط سالی کی ابتلاء سے دوچار تھے۔ فصلیں اور پھل پکے ہوئے تھے، گھروں میں غلہ نہیں تھا۔ ایک عجیب معاشی تنگی کا عالم تھا اور اس پر مستزاد یہ کہ مدینہ سے لے کر تبوک تک طویل مسافت جس کے لیے ہمت کے ساتھ زادِ راہ اور پانی کی اشد ضرورت تھی۔ اور مسلمان مسلح ہو کر چمکتی ہوئی زرہیں پہنے اس انداز سے نکلے کہ چشم آفتاب نے اتنے اللہ والے اس طرح اللہ کی راہ میں اس سے قبل نکلتے نہیں دیکھے تھے۔ اور ان کے طمطراق کی خبر سن کر غنیم میں مقابلہ کی ہمت نہ رہی۔ اور دنیا نے دیکھا کہ ایسے بہادروں اور جانبازوں کے سامنے منزل کی صعوبت، گرمی کی شدت بھوک اور پیاس کی دقت اور حالات کی عسرت گرد راہ ہو کر رہ گئی۔ مسلمان پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی تیاری کا اعلان سن کر اس کی تعمیل کے لیے

Marfat.com

دیوانہ وار مصروف ہو گئے۔

لوگ تو جنگ میں جانے کے لیے اکٹھے ہو گئے کیونکہ ہر شخص کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موقع کی اہمیت کا احساس دلایا لیکن اس جیش کے لیے مال واسباب کی فراہمی بھی ایک بہت بڑا مسئلہ تھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے چندہ کی اپیل کی۔ آپ کی اپیل پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کل مال آپ کی خدمت میں لا کر پیش کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑ کر آئے؟'' عرض کیا: ''صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو۔'' سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنا نصف مال لا کر خدمت نبوی میں پیش کیا۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دو سو اوقیہ (قریباً ساڑھے ۲۹ کلو) چاندی لا کر حاضر کی۔ سیدنا عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے نوے وسق (ساڑھے تیرہ ہزار کلو) کھجور لا کر پیش کی۔ (زرقانی: ۶۴/۳)

الغرض اسلامی لشکر مدینہ سے باہر جمع ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کا انتظام سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے سپرد اور اپنے اہل وعیال کا انتظام سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا۔

(عیون الاثر: ۲۱۳/۲)

کوچ کا نقارہ بجنے کے ساتھ ہی لشکر میں حرکت پیدا ہوئی۔ ذرا سی دیر میں ہر طرف غبار اٹھ رہا تھا۔ گھوڑوں کی ہنہناہٹ نے فضا میں ارتعاش پیدا کر دیا۔ شہر کی عورتیں گھروں کی چھتوں سے اس لشکر جرار کا نظارہ دیکھنے لگیں جو صحرا کو پامال کرتا ہوا شمال کی جانب بڑھا۔ یہ جمعرات کا دن تھا اس کی منزل تبوک تھی اور اس میں تیس ہزار مردان جنگی تھے۔ اس سے بڑا لشکر اس سے پہلے کبھی دشمن کے مقابلہ میں نہ گیا تھا۔

تبوک پہنچ کر آپ نے بیس روز قیام فرمایا۔ آپ نے ان بیس دنوں میں دشمن کا انتظار کیا لیکن آپ کے آنے سے دشمن کچھ اس طرح مرعوب ہو گیا کہ اس کو مقابلہ میں آنے کی سکت نہ رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی دھاک عیسائیوں کے دلوں پر بیٹھ گئی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک میں بیس روز قیام کے بعد بغیر کسی تصادم کے واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ جب آپ مدینہ کے قریب پہنچے اور مدینہ کے درودیوار پر آپ کی نگاہ پڑی تو فرمایا: ''یہ طابہ ہے اور یہ احد پہاڑ ہمیں محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔'' اور مدینہ میں آپ کی آمد پر آپ کا اور آپ کے لشکر کا زبردست استقبال کیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجب کے مہینہ میں تبوک کے لیے روانہ ہوئے، تیس روز

Marfat.com

آمدورفت میں لگے بیس روز تبوک میں قیام فرمایا۔ رمضان المبارک میں مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ یہ آپ کا آخری غزوہ ہے جس میں آپ نے شرکت فرمائی۔ اس کے بعد انتقال تک آپ مدینہ ہی میں رہے۔

واقعہ ایلاء:

۹ھ میں ایلاء کا واقعہ پیش آیا۔ اس وقت دور دراز علاقے مسلمانوں کے زیر نگین ہو چکے تھے اور مال غنیمت اور سالانہ محاصل کا بے شمار ذخیرہ مدینہ میں آتا رہتا تھا۔ لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی زہد و قناعت کے ساتھ بسر ہوتی تھی۔ دو دو مہینے آپ کے کاشانہ اطہر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ تمام عمر دو وقت برابر سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا۔ اس زاہدانہ زندگی میں آپ کی ازواج مطہرات بھی آپ کے ساتھ برابر کی شریک تھیں۔ جب فتوحات اسلامیہ کا دائرہ بڑھا اور غنیمت کا مال مختلف علاقوں سے مدینہ طیبہ آیا تو ازواج مطہرات کے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ بھی راحت و آرام سے اپنی بقیہ زندگی بسر کریں کیونکہ وہ بھی بڑے بڑے روساء قبائل کی بیٹیاں بلکہ شہزادیاں تھیں۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں آنے سے قبل اپنے گھروں میں ناز و نعم کی زندگیاں بسر کر کے آئی تھیں۔ لہٰذا مال و دولت کی فراوانی دیکھ کر انہوں نے بھی اپنے خانگی مصارف میں اضافہ کی خواہش کا اظہار فرمایا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو نہایت مضطرب ہوئے۔ پہلے اپنی صاحبزادی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو سمجھایا کہ تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مصارف میں اضافہ کا تقاضا نہ کرو۔ جو کچھ مانگنا ہے مجھ سے مانگو۔ خدا کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرا لحاظ فرماتے ہیں ورنہ تم کو طلاق دے دیتے۔ بعد ازاں آپ ایک اور بیوی کے دروازہ پر گئے اور انہیں بھی سمجھایا۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''عمر رضی اللہ عنہ! تم ہر شئے میں تو دخل دیتے ہی تھے اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے معاملہ میں بھی دخل دینے لگے ہو۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس بات سے افسردہ ہو کر خاموش ہو گئے۔

ایک مرتبہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ درمیان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ادھر ادھر آپ کی ازواج مطہرات بیٹھی ہوئی ہیں اور خانگی مصارف کے اضافہ پر مصر ہیں۔ دونوں حضرات اپنی صاحبزادیوں کو مارنے پر آمادہ ہو گئے لیکن انہوں نے کہا کہ ہم آئندہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زائد مصارف کی تکلیف نہ دیں گی۔

Marfat.com

اگر چہ یہ دونوں اپنے مطالبہ سے دست بردار ہو گئیں لیکن دیگر ازواج مطہرات اپنے مطالبہ پر قائم رہیں۔ اتفاقاً اسی زمانہ میں آپ ﷺ گھوڑے سے گر پڑے۔ پہلو مبارک پر ایک درخت کی جڑ سے خراش آ گئی جس سے آپ کو خاصی تکلیف تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے متصل ایک بالا خانہ تھا جو گویا ان گھروں کا توشہ خانہ تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ کو ان کے مطالبہ سے سکون خاطر نہ رہا تھا لہٰذا آپ ﷺ نے عہد فرما لیا کہ ایک ماہ تک ازواج مطہرات سے نہیں ملیں گے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس بالا خانے میں قیام فرما لیا۔ منافقین جو بات بڑھانے میں خاصے مشہور تھے، انہوں نے مشہور کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ اس بات کا مشہور ہونا تھا کہ مدینہ طیبہ میں کہرام مچ گیا۔ ہر شخص مضطرب تھا کہ یہ کیا ہو گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد نبوی میں جمع ہو گئے اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے رونا شروع کر دیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے ہمسایہ میں ایک انصاری رہتے تھے۔ کچھ رات گئے انہوں نے بڑے زور سے میرا دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے گھبرا کر دروازہ کھولا اور پوچھا: خیر ہے؟ انہوں نے کہا غضب ہو گیا۔ میں نے کہا: کیا غسانی مدینہ پر چڑھ آئے ہیں؟ بولے نہیں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یعنی آقائے نامدار ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے۔ میں صبح مدینہ آیا۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی۔ آپ ﷺ نماز سے فراغت کے بعد بالا خانہ میں تنہا جا کر بیٹھ گئے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا۔ دیکھا کہ وہ بیٹھی رو رہی ہیں۔ میں نے کہا: ''میں نے تجھ سے پہلے ہی کہا تھا'' لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں وہاں سے اٹھ کر مسجد نبوی میں آیا۔ دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم منبر کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں۔ میں ان کے پاس بیٹھ گیا لیکن طبیعت میں سکون نہیں تھا۔ وہاں سے اٹھ کر بالا خانہ میں آیا اور رسول اللہ ﷺ کے خادم کی معرفت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضری کی اجازت چاہی لیکن بارگاہ نبوت سے کوئی جواب نہ آیا۔ میں پھر مسجد نبوی میں چلا گیا۔ پھر بے تاب ہو کر بالا خانے کے نیچے آیا اور دربان سے دوبارہ طلب اذن کی درخواست کی۔ جب کوئی جواب نہ ملا تو میں نے پکار کر کہا ''رباح میرے لیے اذن مانگو۔ شاید آپ کو یہ خیال ہے کہ میں حفصہ رضی اللہ عنہا کی سفارش کرنے آیا ہوں، بخدا! آپ ﷺ فرمائیں تو میں حفصہ رضی اللہ عنہا کی گردن اڑا دوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے میری آواز سن کر اذن باریابی بخشا۔ میں اندر گیا تو دیکھا کہ آپ ایک کھردری

Marfat.com

چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور جسم مبارک پر بانوں یا چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں۔ اِدھر اُدھر نگاہ کی تو دیکھا کہ ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہوئے ہیں۔ ایک کونے میں کسی جانور کی کھال لٹک رہی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سب کچھ دیکھ کر میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے رونے کا سبب پوچھا۔ میں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! اس سے زیادہ رونے کا اور کیا موقع ہوگا کہ اللہ کا دشمن قیصر و کسریٰ تو باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ کے رسول ہو کر یہ حالت ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عمر! تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر و کسریٰ دنیا لیں اور ہم آخرت۔'' میں نے عرض کی: ''کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو طلاق دے دی؟'' فرمایا: ''نہیں۔'' میں نے اللہ اکبر کہا۔ پھر عرض کیا کہ مسجد میں تمام صحابہ مغموم و محزون بیٹھے ہیں۔ اجازت ہو تو انہیں جا کر خبر کر دوں کہ یہ واقعہ غلط ہے۔''

یہ مہینہ ۲۹ روز کا تھا۔ ۲۹ دن ہوئے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بالا خانے سے اتر آئے۔ سب سے پہلے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے۔ انہوں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! آپ نے تو ایک ماہ کا عہد فرمایا تھا اور ابھی تو ۲۹ دن ہوئے ہیں'' کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک ایک روز گنتی تھیں۔ ارشاد فرمایا: ''مہینہ کبھی ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔''

واقعہ قرطاس:

۱۰ھ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے۔ اس سفر میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ پابہ رکاب تھے۔ حج سے واپسی پر ربیع الاول ۱۱ھ کے آغاز میں آپ بیمار ہو گئے۔ اس سے قبل اوائل صفر ۱۱ھ میں دامن احد میں تشریف لے گئے وہاں شہدائے احد کے لیے دعا کی، پھر جنت البقیع میں تشریف لے جا کر ان کے لیے دعا فرمائی اور دعا اس طرح فرمائی گویا زندوں اور مردوں دونوں سے رخصت ہو رہے ہیں۔

۲۹ صفر کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں درد کی شدت پیدا ہو گئی۔ کچھ دیر بعد قدرے افاقہ ہوا تو سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے۔ یہ غالباً ۲۹ صفر ۱۱ھ کا واقعہ ہے۔ یہ آپ کے مرض کا آغاز تھا۔ (زرقانی: ۸/۲۵۶، ابن ہشام: ۴/۶۴۳، البدایہ والنہایہ: ۵/۲۲۴)

اب مرض دن بدن شدت اختیار کرتا گیا۔ جب مرض نے زیادہ شدت اختیار کر لی تو

Marfat.com

تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے اجازت لے کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لے آئے۔ پیر کے روز آپ سیدہ رضی اللہ عنہا کے ہاں منتقل ہوئے اور آٹھ روز بعد اگلے پیر کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے حجرہ مبارک میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ تیرہ یا چودہ روز کی علالت میں آٹھ روز کی تیمارداری کا شرف سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حصہ میں آیا۔ (زرقانی: ۸/ ۲۵۵)

وفات سے چار روز قبل جمعرات کو جب آپ سخت تکلیف سے دو چار تھے تو جو لوگ حجرہ نبوی میں موجود تھے، انہیں فرمایا: کاغذ، قلم اور دوات لے آؤ تا کہ میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ یہ سن کر وہاں موجود لوگوں میں اختلاف اور تنازع پیدا ہو گیا۔ اور پیغمبر کے ہاں جھگڑا کرنا مناسب نہیں۔ پھر کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا وہ اس دنیا کو چھوڑ کر جانا چاہتے ہیں؟ یہ پوچھو تو سہی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے چھوڑ دو کہ میں جس خیال میں ہوں اس سے بہت بہتر ہے جس طرف تم مجھے بلاتے ہو۔

(بخاری: ۱/ ۴۴۹)

اس روایت میں تنازع اور اختلاف کی تفصیل نہیں ہے۔ ایک دوسری روایت میں اس کی تفصیل کچھ یوں بیان کی گئی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درد اور بیماری کا غلبہ ہے (غلبہ الوجع) اور تمہارے پاس قرآن حکیم موجود ہے۔ پس ہمیں خدا کی کتاب کافی ہے۔ اور اہل بیت میں اختلاف پیدا ہو گیا اور آپس میں جھگڑا کرنے لگے۔ ان میں سے بعض کہتے تھے کہ قلم دوات لاؤ، خدا کے رسول تمہارے لیے ایسی کتاب لکھ دیں گے جس کے بعد کبھی گمراہ نہ ہو سکو گے اور ان میں سے بعض وہی بات کہتے تھے جو عمر رضی اللہ عنہ نے کہی تھی۔ پس جب اللہ کے نبی کے پاس شور اور اختلاف زیادہ ہوا تو آپ نے فرمایا: مجھے چھوڑ دو۔ (بخاری: ۲/ ۱۰۹۵)

حدیث میں لفظ ''ھجر'' آیا ہے جس کا ترجمہ چھوڑنے کا ہے۔ اور یہی ترجمہ مقتضائے حال کے مطابق ہے کیونکہ جب آدمی اس دنیا سے جا رہا ہوتا ہے تو کاغذ اور قلم دوات طلب کر کے وصیت لکھنے کا علم اس وقت کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاغذ اور قلم دوات مانگی تو حاضرین نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھو تو سہی کہ کیا آپ اس دنیا سے روانگی کی تیاری فرما رہے ہیں۔ لیکن بعض حاضرین نے کہا کہ قلم دوات لاؤ تا کہ اس آخری وقت میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ لکھوانا چاہتے ہیں وہ لکھ لیا جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی شدت کا احساس کرتے ہوئے کہا کہ ایسے تکلیف دہ وقت میں آپ کو مزید تکلیف دینا مناسب

Marfat.com

نہیں ہے۔ ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے۔ اب اہل خانہ میں سے کچھ لوگ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بات کو پسند کر کے کہنے لگے کہ واقعی آپ کو تکلیف نہیں دینی چاہیے۔ جب ان دونوں میں اختلاف واقع ہوا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے چھوڑ دو۔ میں اب جس خیال میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند آ گئی اور آپ نے لکھنے کا ارادہ ترک فرما دیا۔

وفاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ:

۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ بروز پیر چاشت کی شدت کے وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عالم فانی سے عالم باقی کو انتقال فرمایا۔ (فتح الباری: ۸/ ۹۸، زرقانی: ۳/ ۱۱۰) اس قیامت خیز خبر نے تمام اہل مدینہ کو اس قدر متاثر کیا کہ ان کے ہوش اڑ گئے۔ کوہ غم ٹوٹ پڑا۔ تمام عالم ان کے لیے تاریک ہو گیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا ہو، بات کرنی ان کے لیے مشکل ہو گئی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ روتے روتے بے ہوش ہو گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی حالت کچھ عجیب تھی۔ آپ کی وفات کی خبر سنتے ہی ان کے ہوش اڑ گئے اور انہوں نے ہر اس شخص کو جھٹلایا جنہوں نے اس المناک حقیقت کا انہیں یقین دلانا چاہا۔ وہ لوگوں سے کہہ رہے تھے:

''منافق کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ واللہ! آپ نے وفات نہیں پائی بلکہ موسیٰ بن عمران کی طرح اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے ہیں جو چالیس روز غائب ہو کر واپس آ گئے تھے حالانکہ ان کی نسبت بھی کہا جاتا تھا کہ وفات پا گئے ہیں۔ خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی موسیٰ بن عمران کی طرح مراجعت فرمائیں گے اور ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے جو کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی ہے۔'' (ابن ہشام: ۴/ ۶۵۵)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نہایت جوش میں تھے۔ برہنہ تلوار ہاتھ میں تھی۔ مسجد میں جوش سے ادھر ادھر دیوانہ وار پھر رہے تھے۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ ان کے سامنے یہ کہہ سکے کہ حضور علیہ السلام کا واقعی انتقال ہو گیا ہے۔

انتقال سے کچھ دیر قبل سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں کافی افاقہ ہو گیا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ سمجھنے لگے تھے کہ آپ اب روبصحت ہو جائیں گے۔ چنانچہ بعض صحابہ مطمئن ہو کر

Marfat.com

اپنے اپنے گھر چلے گئے تھے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی اجازت لے کر اپنے گھر تشریف لے گئے تھے۔ ابھی وہ اپنے مکان پر پہنچے ہی تھے کہ یہ جان گداز خبر ان کو ملی۔ وہ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر واپس بیت نبوت تشریف لائے۔ مسجد نبوی کے دروازے پر گھوڑے سے اترے اور نہایت غمگین حالت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی طرف بڑھے۔ حجرہ میں داخل ہو کر دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر بستر پر پڑا ہے۔ اور تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نہایت حزین و غمگین بیٹھی ہیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے چہرۂ انور سے چادر کو ہٹایا اور پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بات سے لوگوں کو سخت حیرت ہو رہی تھی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آتے ہی اس بات کو بھانپ لیا۔ چنانچہ آپ حجرہ مبارکہ سے باہر تشریف لائے۔ اس وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے یہی بات کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات واقع نہیں ہوئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''عمر ٹھہرو اور خاموش ہو جاؤ۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر اس وقت ایک عجیب کیفیت طاری تھی، اس لیے انہوں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بات سنی ان سنی کر دی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ اب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر منبر نبوی کی طرف بڑھے اور لوگوں سے فرمایا کہ خاموش ہو کر بیٹھ جائیں۔ چنانچہ سب لوگ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بات سننے کے لیے مسجد میں خاموش بیٹھ گئے۔ اب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''لوگو! جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں اسے نہایت غور سے سنا جائے۔ اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہم پلہ کون ہو سکتا تھا جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے مصدق تھے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو خلیل بناتے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا اور کوئی مستحق نہ تھا۔ اس لیے تمام لوگ ہمہ تن گوش ہو کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ارشادات سننے کے لیے بیٹھ گئے۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حمد و ثناء کے بعد فرمایا:

''لوگو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کیا کرتا تھا اسے جان لینا چاہیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو وفات پا گئے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتا تھا وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور اس پر کبھی موت نہیں آ سکتی۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: محمد نہیں ہیں مگر اللہ کے ایک رسول جن سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ سو اگر آپ کا انتقال ہو جائے یا آپ شہید ہو جائیں تو کیا تم لوگ اسلام سے پھر جاؤ گے؟ اور جو شخص

Marfat.com

دین اسلام سے پھر جائے گا تو وہ اللہ کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔'' (بخاری: ۲/۶۴۰)

اس کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمائیں جن کو علامہ زرقانی نے نقل کیا ہے۔ (فتح الباری: ۸/۲۸۰، البدایہ والنہایہ: ۵/۲۴۳، ابن ہشام: ۴/۶۵۶)

لوگوں کا رخ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر وہ عمر رضی اللہ عنہ جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کہنے کے باوجود نہ بیٹھے اور نہ اپنی بات کہنے سے خاموش ہوئے، اب نہایت خاموشی سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تقریر سنتے رہے۔ جب انہوں نے آیت مذکورہ پڑھی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاؤں لڑکھڑا گئے، ان کی آنکھوں سے غفلت کا پردہ اٹھ گیا اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا یقین ہو گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی باتوں کی وجہ سے جو لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بارے میں متذبذب ہو گئے تھے، انہیں بھی آپ کی وفات کا پورا پورا یقین ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ آیت انہوں نے آج ہی سنی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری حالت بھی کچھ یہی ہو گئی کہ گویا میں نے آج ان آیات کو پڑھا ہے اور اپنے خیال سے رجوع کیا۔ (قرطبی: ۴/۲۲۳)

سیدنا سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم، میں نے جونہی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا، میں نہایت دہشت زدہ اور متحیر ہو کر رہ گیا۔ یہاں تک کہ میرے پاؤں میرا بوجھ نہیں اٹھا رہے تھے، اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس آیت کی تلاوت کرتے سن کر میں زمین پر گر پڑا کیونکہ مجھے یقین ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام واقعی وفات پا چکے ہیں۔ (بخاری: ۲/۶۴۱)

مختصر یہ کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خطبہ سے جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہوش میں آئے تو ان کا سیاسی شعور بیدار ہو چکا تھا اور وہ سوچنے لگے تھے کہ اس جان گداز اور جانکاہ سانحے کے بعد اس امت مسلمہ کا انجام کیا ہو گا؟ اس نازک ترین موقع پر یہ انہی کے فکر و عمل کی کارفرمائی تھی جس نے اسلام کو ہر خطرہ سے محفوظ رکھا اور اس کی توسیع و اشاعت کی تمام راہیں ہموار کر دیں۔

Marfat.com

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عہد صدیقی میں

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا یقین ہونے کے ساتھ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں کئی سوال انگڑائیاں لینے لگے کہ اب اس امت کا انجام کیا ہوگا؟ اب پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جانشین کون ہوگا؟ جانشینی کے معاملہ میں اگر کوئی اختلاف واقع ہو گیا تو ہوسکتا ہے مسلمانوں میں پھر وہ پرانی دلی رنجشیں عود کر آئیں اور پھر آپس میں سر پھٹول شروع ہو جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو اس سے اسلام اور مسلمان دونوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا۔ مکہ اور مدینہ سے دور جو لوگ جزیرہ نما عرب کے مختلف گوشوں میں آباد تھے انہیں مدینہ والوں اور خصوصی طور پر قریش کا اقتدار گوارا نہیں ہوگا۔ اگر ان لوگوں نے بغاوتیں کر دیں تو کیا مدینہ کی اس چھوٹی سی ریاست کے پاس اتنی طاقت ہے کہ ان کی بغاوتوں کو فرو کر سکے۔ اس قسم کے کئی سوالات تھے جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سیاسی شعور میں پیدا ہونے شروع ہو گئے۔

اب سب سے پہلا مسئلہ جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں خلش پیدا کر رہا تھا وہ آپ کے خلیفہ کے انتخاب کا تھا۔ خلیفہ ایسا ہونا چاہیے کہ تمام سیاسی امور میں مسلمانوں کی راہ نمائی کر سکے۔ جو خود اخلاص کا پیکر ہو، امت مسلمہ کو اس پر پورا اعتماد ہو، قوم میں باوقار ہو، پھر اس انتخاب خلیفہ میں تساہل سے کام نہیں لینا چاہیے بلکہ یہ مسئلہ جلد پورے طور پر حل ہو تا کہ اسلامی معاشرہ میں اختلاف کی دراڑیں پیدا نہ ہوں۔ اور اگر مہاجرین و انصار میں کوئی اختلاف واقع ہو گیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ اس اختلاف کی آگ کے شعلے پورے جزیرہ نما عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیں۔

ان سب سوالات کو اپنے کوزۂ ذہن میں ترتیب دیتے ہوئے اور ان کے جوابات پر غور و فکر کرتے ہوئے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہجوم کو چیرتے پھاڑتے وہ مسجد نبوی سے باہر نکلے اور بغیر

Marfat.com

کچھ سوچے سمجھے چل پڑے۔ راستہ میں انہیں سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ مل گئے۔

جونہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو دیکھا، کہا: ''ہاتھ بڑھایئے میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کروں۔'' سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ بات سن کر انگشت بدنداں رہ گئے۔ وہ خود بھی اس مسئلہ کی اہمیت کو بخوبی سمجھتے تھے اور ''امین الامت'' ہونے کے ناطے ان کے ذہن میں بھی یہ سوال انگڑائیاں لے رہے تھے، لیکن جو طریقہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بیعت کا اختیار کیا، وہ اس سے مطمئن نہ تھے۔ لہٰذا انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے منہ کی طرف غور سے دیکھا اور کہا: ''عمر! جب سے تم مسلمان ہوئے ہو تمہارے منہ سے اس قدر بے وقوفی کی بات میں نے کبھی نہیں سنی۔ کیا تم مجھ سے بیعت کرو گے جب کہ تم میں ثانی اثنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت موجود ہے؟''

سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی بات بالکل درست تھی۔ عمر رضی اللہ عنہ ان کی اس بات کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ پھر یہ دونوں حضرات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے جہاں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کی تجہیز و تکفین ہو رہی تھی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس میں مصروف تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بھی وہاں جا کر بیٹھ گئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پہلے سے وہاں موجود تھے۔

ادھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ دوسری طرف منافقین کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کی بحث چھیڑ دی اور بعض لوگوں نے اس خیال کا اظہار کیا کہ پیغمبر کا جانشین سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو ہونا چاہیے اور کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ دو امیر ہوں۔ ایک انصار سے اور ایک مہاجرین سے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم بیت نبوت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دفعۃً دیوار کے پیچھے سے ایک آدمی نے مجھے آواز دی: ''ابن الخطاب! ذرا باہر آئیں۔'' میں نے کہا: ''چلو ہٹو، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مصروف ہیں۔'' اس نے کہا: ''ایک حادثہ ہو گیا ہے اور یہ کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے ہیں اس لیے جلد جا کر ان کی خبر لو، ایسا نہ ہو کہ انصار کچھ ایسی باتیں کر گزریں جن سے لڑائی چھڑ جائے۔ (فتح الباری: ۲۳/۷، بحوالہ مسند ابویعلی موصلی)

سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار نے دو باتیں پیش کیں۔ ایک یہ کہ دو امیر ہوں ایک انصار میں سے اور دوسرا مہاجرین میں سے۔ اور دوسری تجویز یہ تھی کہ خلیفہ انصار میں سے ہو۔

Marfat.com

پہلی شکل تو بالکل نا قابل عمل ہے۔ دو امیر تو کسی مملکت میں چل ہی نہیں سکتے۔ اب رہی دوسری صورت تو اس میں بھی کئی خرابیاں تھیں۔ قریش جو عرب کے سب سے زیادہ با اقتدار تھے اور ان میں موروثی طور پر بھی امارت و ریاست کے اوصاف و کمالات دوسروں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ پائے جاتے تھے اور خود لسان نبوت نے بھی ان کی اس خوبی کو ان الفاظ میں بیان کیا تھا: "الائمة من قريش" (امام تو قریش ہی میں پیدا ہوتے ہیں) وہ امارت سے محروم ہو جاتے اور اس کا نقصان اسلامی معاشرہ کو پہنچتا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس شخص نے انصار کی اس میٹنگ کے بارے میں بتایا اور مسئلہ کی اہمیت کے بارے میں بھی باخبر کیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کان میں یہ سب کچھ بیان کیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس ہنگامہ آرائی کی بابت سن کر فوری طور پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر سقیفہ بنی ساعدہ پہنچ گئے۔ دیکھا کہ ایک عجیب ہنگامہ اور شوروغل برپا ہے یہ تینوں بھی وہاں جا کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں انصار کا ایک خطیب کھڑا ہوا اور اس نے کہنا شروع کیا:

''ہم اللہ کے انصار اور اسلام کے لشکر ہیں، اور اے مہاجرین تم ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی (رھط) ہو، لیکن اب تم ہم سے برگشتہ ہو گئے ہو اور جو ہمارا مقام ہے اس سے ہم کو الگ کرنا چاہتے ہو۔''

وہ اپنی تقریر ختم کر کے بیٹھ گیا۔ اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ بولنا چاہا لیکن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں روک دیا اور خود کھڑے ہو گئے اور ایک ایسی تقریر کی جو اپنے مضمون اور فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے ایک بے مثال تقریر تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا بیان ہے کہ اس موقع کے لیے میں ایک بہت اچھی تقریر پہلے سے ذہن میں تیار کر کے لایا تھا اور یہ خیال تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ایسی تقریر نہیں کر سکیں گے۔ لیکن جب ابوبکر رضی اللہ عنہ خود کھڑے ہوئے تو انہوں نے وہ ساری باتیں فی البدیہہ کہہ دیں جو میں بڑے غور و فکر کے بعد ذہن میں لے کر گیا تھا۔

(طبری: ۲/ ۴۵۷، بخاری: ۱/ ۵۱۸)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہلے تو اپنی تقریر میں مہاجرین کے فضائل اور اسلام کے لیے ان کی غیر معمولی قربانیوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے رشتہ قرابت کا ذکر کیا، اس کے بعد فرمایا: ''اے انصار! تم جو کچھ اپنے بارہ میں کہتے ہو بلاشک وشبہ تم اس کے اہل ہو اور اس میں

Marfat.com

کوئی شک وشبہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی تمہیں گہرا تعلق ہے، لیکن عرب اس معاملہ میں سوائے قریش کے اور کسی کی اطاعت قبول نہیں کریں گے۔'' اس کے بعد آپ نے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ''لو ان میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت کرلو۔''

بخاری کی روایت کے مطابق سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میرا نام بیعت خلافت کے لیے پیش کیا تو میرے لیے یہ حد درجہ ناگوار بات تھی۔ بخدا! بغیر کسی گناہ کے میری گردن اڑا دی جاتی، یہ بات میرے لیے بہت آسان تھی بہ نسبت اس کے کہ میں ایک ایسی قوم کا امیر بنتا جس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود ہوں۔ (بخاری: ۲/۱۰۰۹)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دوسرا نام سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا پیش کیا۔ ابن سعد نے ان کے بارے میں ایک روایت نقل کی ہے کہ جب بعض لوگوں نے ان سے بیعت کرنا چاہی تو انہوں نے فرمایا: ''تم لوگ میرے پاس آتے ہو حالانکہ تم میں ثانی اثنین (غار ثور کی رفاقت کی طرف اشارہ ہے) یعنی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود ہیں۔'' (طبقات ابن سعد: ج ۳)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ دونوں میں سے ایک سے بیعت کے بارے میں کہنا تھا کہ یک دم شور و شغب اٹھا۔ انصار کی طرف سے سیدنا حباب بن منذر نے کچھ تھوڑی سی تلخ کلامی کی جس کو بعض حضرات نے بڑا بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پیش قدمی کر کے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ''نہیں ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے کیونکہ آپ ہم سب سے بہتر ہیں، ہمارے سردار ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ آپ ہی سے محبت کرتے تھے۔'' یہ کہہ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور فوری طور پر بیعت کرلی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بیعت کرنا تھا کہ مہاجرین و انصار سب نے ہاتھ بڑھا دیئے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلی۔ (بخاری: ۱/ ۵۱۸۔ ۲/ ۱۰۰۹)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن اسحاق کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سب سے پہلے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔ (البدایۃ والنھایۃ: ۵/ ۲۴۷) ممکن ہے مہاجرین میں سے سب سے پہلے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بیعت کی ہو اور انصار میں سے سیدنا بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ نے۔

سقیفہ بنی ساعدہ کے اس واقعہ سے فراغت کے بعد یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کاشانہ نبوت پر حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گئے۔

Marfat.com

بیعت عامہ:

سقیفہ بنی ساعدہ میں جن لوگوں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی وہ چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے اور ان میں بھی اکثریت انصار کی تھی۔ مہاجرین اور اہل بیت نبوت سے تعلق رکھنے والے لوگ کاشانہ نبوت پر موجود تھے، لہٰذا ضرورت تھی کہ ان سب کو جمع کر کے پھر بیعت کی جائے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دوسرے روز یعنی ۱۳ ربیع الاول ۱۱ھ مطابق ۲۸ مئی ۶۳۲ء کو مسجد نبوی میں بیعت عامہ کا اہتمام کیا گیا۔ اس میں سب انصار اور مہاجرین جمع ہوئے۔ سب سے پہلے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے منبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا جس میں اور باتوں کے علاوہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مناقب و فضائل بیان فرمائے۔ پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جو خاموش بیٹھے تھے، کہا کہ منبر پر تشریف لائیے، لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ آخر جب دو تین مرتبہ کہا تو آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور تمام مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ (بخاری: ۱۰۷۲/۲)

اس کے بعد آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں مسلمانوں کو کچھ نصائح فرمائیں۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے البدایہ والنہایہ: ۲۴۸/۵ پر وہ خطبہ نقل فرمایا ہے۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایسا خطبہ پھر کسی کی زبان سے سننے میں نہیں آیا۔

(طبقات ابن سعد: ۱۲۹/۳)

بہر حال سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے تدبر اور ان کی ہر موقع پر حکمت عملی نے مسئلہ خلافت کو حل کر دیا اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے متفقہ طور پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو قبول کرتے ہوئے ان کے اعوان و انصار بن گئے۔ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اڑھائی سالہ دور خلافت میں ان کے ہر فرمان کی ہر ایک نے اطاعت کی اور دین کے شیرازہ کو منتشر ہونے سے بچالیا۔ چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسلامی ریاست میں جو شورشیں اور بغاوتیں ہوئیں، سب صحابہ رضی اللہ عنہم نے باہمی اتحاد و اتفاق سے ان کا اس وقت تک مقابلہ کیا جب تک کہ وہ ختم نہ ہو گئیں۔

جیش اُسامہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں سات سو مجاہدین پر مشتمل ایک لشکر سیدنا

Marfat.com

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں شام کی طرف روانہ فرمایا تھا۔ یہ لشکر مدینہ طیبہ سے تھوڑے ہی فاصلہ پر واقع مقام ''جرف'' میں پہنچا تھا کہ جناب ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام علیل ہو گئے۔ آپ کی علالت کی خبر سنتے ہی سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ وہیں ٹھہر گئے یہاں تک کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ مقرر ہوتے ہی سب سے پہلے لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بارگاہ خلافت میں عرض کی کہ یہ وقت اس لشکر کی روانگی کا نہیں، کیونکہ خلافت کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سیاست یہ تھی کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا ہے اس کو ترک نہ کیا جائے اور جو کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک فرمایا ہے اس کو اختیار نہ کیا جائے۔ اسی وجہ سے سب سے پہلا حکم خلیفہ رسول سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہی صادر فرمایا کہ لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کو شام پر حملہ کی غرض سے بھیج دیا جائے۔ اس حکم سے کچھ لوگ جزبز ہوئے کہ اسامہ رضی اللہ عنہ نوعمر ہیں۔ ان کی عمر اس وقت بیس سال سے بھی کم تھی۔

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہہ کر اس لشکر کو مدینہ واپس بلوالیں تاکہ وہ مشرکین اور مرتدین کے خلاف ان کی مدد کر سکے۔ دوسری طرف انصار نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر وہ ہمیں بھیجنا ہی چاہتے ہیں تو ہماری طرف سے یہ مطالبہ خلیفہ رسول کی خدمت میں پیش کر دیں کہ ہمارا قائد کسی ایسے شخص کو بنائیں جو پختہ عمر کا ہو کیونکہ اسامہ رضی اللہ عنہ بالکل نوجوان ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دونوں پیغام سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا دیئے۔ بارگاہ خلافت سے سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کی قیادت کے بارے میں یہ جواب ملا: ''اگر مجھے کتے اور بھیڑیے بھی پھاڑ کھائیں تو بھی میں وہ حکم واپس نہیں لوں گا جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صادر فرمایا تھا۔'' اور انصار کے اعتراض کا آپ نے یہ جواب دیا:

''اے خطاب کے بیٹے! تیری ماں تجھے روئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اسامہ رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر مقرر فرمائیں اور میں اسے معزول کر دوں۔'' (طبری: ۲/۴۶۲)

چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مقام ''جرف'' پر خود تشریف لے گئے۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کو گھوڑے پر سوار کیا اور لشکر کو چلنے کا حکم فرمایا۔

Marfat.com

اس لشکر کے سپاہیوں میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نام بھی شامل تھا، لشکر کو رخصت کرتے وقت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اگر تم مناسب سمجھو تو عمر رضی اللہ عنہ کو میرے پاس چھوڑ جاؤ۔ مجھ کو ان کے مشورہ کی ضرورت ہو گی۔'' سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اجازت دے دی کہ وہ لشکر چھوڑ کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ واپس چلے جائیں۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس اصرار اور سختی کے ساتھ لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کو بھیجنے کے سیاسی نتائج بڑے اچھے نکلے۔ چنانچہ موجودہ صدی کا مشہور مستشرق ڈبلیو۔ واٹ منٹگمری لکھتا ہے:

''پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ جب تک شام کی طرف لشکر روانہ نہیں کیے جائیں گے، عرب قبائل امن و عافیت سے نہیں رہ سکتے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کی سیاسی اہمیت سے آشنا تھے، اس وجہ سے شدید مخالفت کے باوجود انہوں نے اسامہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک بڑا لشکر شام روانہ کیا تھا۔''

(انسائیکلو پیڈیا آف اسلام: ۱/۱۱۰)

ایک اور مستشرق ولیم میور نے لکھا ہے کہ

''ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ کام انتہائی سیاسی دانش مندی پر مبنی تھا کیونکہ اس عمل نے اسلام کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کے دلوں پر اسلام کی سیاسی طاقت کی دھاک بٹھادی۔''

(The Caliphate, P.42)

مانعین زکوٰۃ کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے:

عبس، ذبیان، بنو کنانہ، غطفان اور بنو فزارہ جو حوالی مدینہ میں آباد تھے، ان قبائل نے کہا کہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ نماز پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ ان میں بھی دو قسم کے لوگ تھے، بعض وہ تھے جو بخل کی وجہ سے زکوٰۃ کی ادائیگی کے منکر تھے اور بعض یہ کہتے تھے کہ ہم اپنے مالوں سے زکوٰۃ تو ضرور نکالیں گے، لیکن اس کو مدینہ نہیں بھیجیں گے بلکہ خود اپنے قبیلہ کے فقراء میں تقسیم کر دیں گے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ خیال تھا کہ ان لوگوں کا ایمان ابھی نیا نیا ہے۔ جب اسلام ان کے دلوں میں راسخ ہو جائے گا تو پھر یہ لوگ خود بخود زکوٰۃ دینی شروع کر دیں گے جیسا کہ علامہ ابن حزم نے اپنی کتاب ''الملل والنحل: ۴/۶۶'' میں لکھا ہے۔ ان حضرات نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ بھی دیا لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے اس مشورہ کو

Marfat.com

ماننے سے صاف انکار کر دیا اور فرمایا:

''بخدا! اگر یہ لوگ اونٹ کی ایک رسی (بعض روایات میں ''عناق'' کا لفظ ہے جس کے معنی ایک برس سے کم عمر کی بھیڑ ہے) سے بھی، جس کو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ادا کرتے تھے، انکار کریں گے تو بھی میں ان سے قتال کروں گا۔''

''زکوٰۃ مال کا حق (یعنی عبادت) ہے اور جو لوگ نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کریں گے، میں ان سے قتال کروں گا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جو اپنی رائے کے اظہار میں دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ جری تھے، انہوں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''آپ ان لوگوں سے کس بنیاد پر قتال کرتے ہیں؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں جب تک کہ وہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسولا للہ'' نہ کہہ لیں۔ لیکن جب وہ یہ کلمہ پڑھ لیں تو ان کی جانیں اور ان کے مال محفوظ ہو جائیں گے، مگر ہاں جب ان پر کسی کا حق ہو۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا استدلال یہ تھا کہ نماز اور زکوٰۃ میں فرضیت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں اکثر مقامات پر نماز اور زکوٰۃ دونوں کا اکٹھا ذکر آیا ہے۔ علاوہ ازیں قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

﴿فان تابوا و اقاموا الصلوة واتوالزكوة فخلوا سبيلهم﴾

''پس اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو تم ان سے کچھ نہ کہو۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ چونکہ بالکل درست تھا۔ اس وجہ سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے استدلال سے بات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں آ گئی۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فما هو الا ان رأيت الله قد شرح صدر ابى بكر المقتال فعرفت انه الحق

تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ میں نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سینہ قتال کے لیے کھول دیا تھا، اور میں نے جان لیا کہ وہ حق پر ہیں۔ (البدایہ والنہایہ: ۶/۳۱۱)

جمع قرآن اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ:

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہی میں مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ جب

Marfat.com

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو اس فتنہ نے خطرناک صورت اختیار کر لی۔ چنانچہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل کی سرکردگی میں ایک لشکر مسیلمہ کی طرف روانہ کیا، لیکن اس لشکر کو شکست ہوئی۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ مسیلمہ کے ساتھ چالیس ہزار عرب کے منتخب نمبرد آزما ہیں۔ چنانچہ موقع کی نزاکت کے پیش نظر اس معرکہ کو سر کرنے کے لیے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے معرکہ یمامہ کو سر کرنے کی پوری ذمہ داری سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے سر ڈال دی۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے پے در پے حملے کر کے بنو حنیفہ (مسیلمہ کذاب کا قبیلہ) کو شکست فاش دی اور خود مسیلمہ کذاب ''حدیقۃ الموت'' میں قتل کیا گیا۔

اگرچہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے مسیلمہ اور اس کے قبیلے کو شکست دے کر اس فتنہ کا استیصال کر دیا لیکن خود مسلمانوں کو بھی اس معرکہ میں کافی نقصان اٹھانا پڑا۔ اس میں بارہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے جب کہ اس سے پہلے کسی جنگ میں اتنے صحابہ شہید نہیں ہوئے تھے۔ ان میں انتالیس (۳۹) کبار صحابہ اور حفاظِ قرآن تھے۔ اتنی تعداد میں حفاظِ قرآن کی شہادت دیکھ کر رگِ فاروقی پھڑکی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ہمت و جرأت کر کے امیر المؤمنین سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ ''یمامہ کی جنگ میں قراء و حفاظ کا شدید نقصان ہوا ہے، اس لیے اگر آپ نے قرآن حکیم کو جمع کرنے کا بندوبست نہ کیا تو خطرہ ہے کہ قرآن کا بڑا حصہ ضائع نہ ہو جائے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، میں اسے کیسے کر سکتا ہوں؟'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یہ کام تو خیر ہے۔'' انہوں نے بار بار یہی بات کی یہاں تک کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو شرح صدر اور اطمینان ہو گیا۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ذریعہ قرآن حکیم کو جمع کروایا۔ گویا قرآن حکیم کے جمع و تدوین کی تحریک سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کی اور اس جمع کی تکمیل سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کی۔

عراق و شام کی فتح کی ترغیب:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے وزیر اور مشیر تھے۔ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ ہر کام میں ان سے مشورہ لیتے تھے۔ ملک کو جب اندرونی فتنوں سے نجات مل گئی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عراق کی فتوحات کا سلسلہ شروع کیا۔ عراق میں اس وقت ساسانی خاندان کی حکومت تھی جس کا بانی اردشیر بن بابک تھا اور اردشیر کے مرنے کے بعد یہ نسل در نسل منتقل

Marfat.com

ہوتی ہوئی نوشیروان عادل کے پاس آئی اور پھر خسرو پرویز کے پاس منتقل ہوئی جس نے سرکار دو عالم ﷺ کے نامہ مبارک کو پھاڑا تھا۔ عراق کی اس مہم پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد بن ولید کو متعین فرمایا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے جب عراق میں پیش قدمی کی اور فتح و نصرت کی خبریں جزیرہ نمائے عرب اور اس کے گرد و پیش کی فضاؤں میں گونجیں تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قلب میں شام کو فتح کرنے کا خیال کروٹیں لینے لگا۔ چنانچہ ایک روز آپ نے اہل الرائے کو بلا کر، جن میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پیش پیش تھے، فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ شام پر حملے کا مصمم ارادہ فرما چکے تھے، لیکن عمر نے ان سے وفا نہ کی اور وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔'' اس کے بعد فرمایا: ''عرب اپنے ماں باپ کے بیٹے ہیں اور میرا ارادہ ہے کہ انہیں رومیوں سے لڑنے کے لیے شام بھیجوں۔ ان میں سے جو مارا جائے گا وہ شہید ہوگا اور نیک لوگوں کے لیے اللہ کے گھر خیر و برکت ہے، اور جو زندہ رہے گا وہ دین کی حفاظت و مدافعت میں زندہ رہے گا اور حق تعالیٰ شانہ اسے مجاہدین کے اجر و ثواب سے نعمت اندوز کرے گا۔''

یہ کہہ کر آپ نے اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے طلب کی۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے جواب دیتے ہوئے کہا: ''بخدا! ہم نے جب کبھی کسی بھلائی اور کار خیر کی طرف بڑھنا چاہا، آپ ہم پر سبقت لے گئے۔ خدا گواہ ہے، یہی بات میں بھی آپ سے کہنے والا تھا، لیکن حق تعالیٰ شانہ کو منظور ہوا اور آپ نے خود ہی اس کا ارادہ فرما لیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر راستی اور فتح مندی کی راہیں کھول دی ہیں۔ گھوڑوں کے پیچھے گھوڑے اور پیادوں کے پیچھے پیادے اور فوجوں کے پیچھے فوجیں بھیجئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کا مددگار اسلام اور اہل اسلام کا محافظ اور اپنے رسول سے کیے ہوئے وعدے کا پورا کرنے والا ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ رسول کی پوری پوری تائید کی اور انہیں خیال تھا کہ دوسرے حاضرین بھی اسی جوش و خروش کے ساتھ اس کی تائید کریں گے لیکن حاضرین کے دل میں کوئی جوش پیدا نہ ہوا بلکہ وہ آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں پر اہل روم کی ہیبت چھائی ہوئی تھی۔ رومی سلطنت اس زمانہ میں سب سے بڑی طاقت (Super Power) تھی۔ جب ان کی سرگوشیاں ختم ہوئیں تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو تیاری کا حکم دیا، لیکن وہ خاموش بیٹھے رہے۔ اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا اور وہ بلند آواز سے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمانے لگے:

Marfat.com

''اے اسلام کے نام لیواؤ! آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم خلیفہ رسول کا جواب کیوں نہیں دیتے جب کہ وہ تمہیں زندگی بخش جہاد کی طرف بلا رہے ہیں؟''

حاضرین کے دل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس گرج دار آواز سے دہل گئے اور وہ جہاد پر رضا مند ہو گئے، لیکن بہتر یہ سمجھا گیا کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ یمن اور جزیرہ نمائے عرب کے دوسرے لوگوں سے بھی نصرت اور مدد کی اپیل کریں تا کہ زوردار طریقہ سے جہاد کا یہ عمل شروع ہو۔

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ ایک مردم شناس شخص تھے۔ انہوں نے اپنے عہد خلافت میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت کے ان پہلوؤں کو اپنی نظر میں رکھا، ان تمام خوبیوں سے آشنا ہوئے جو ان کی ذات میں جمع تھیں کیونکہ اس سے قبل عہد نبوت میں نبوت کی شخصیت کے سامنے ہر صحابی کی خوبیاں دبی ہوئی تھیں۔ خود سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خوبیاں بھی اجاگر نہیں تھیں۔ جس طرح باپ کی زندگی میں بیٹے کی خوبیاں اجاگر اور ظاہر نہیں ہوتیں۔ لیکن جب باپ کے انتقال کے بعد ذمہ داریوں کا بوجھ بیٹے کے کاندھوں پر پڑتا ہے پھر پتہ چلتا ہے کہ اس میں کیا کیا خوبیاں ہیں۔ یہی حال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا۔ نبوت کی شخصیت اتنی ہمہ گیر اور ہمہ قوت تھی کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ و حیدر رضی اللہ عنہ اور دوسرے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ذات میں جو فطری خوبیاں اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمائی تھیں، وہ سب دب گئی تھیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دارِ جاودانی کی طرف انتقال ہوا اور خلافت کی ذمہ داریاں ان حضرات کے کندھوں پر پڑیں اور قرآن و سنت کی روشنی کی آزاد فضا میں انہیں غور و فکر کا موقع ملا، پھر لوگوں کو معلوم ہوا کہ ان میں کیا کیا خوبیاں اور اوصاف اللہ تعالیٰ نے رکھے ہوئے ہیں۔

خلافت اسلامیہ کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی نامزدگی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پُر ملال پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کا شدید صدمہ اور غم تھا۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق آپ اس غم میں اندر ہی اندر گھلتے رہے۔ آخر ۷ جمادی الآخرۃ ۱۳ھ کو آپ نے غسل فرمایا۔ اس روز شدید سردی تھی۔ غسل کے بعد آپ کو بخار ہو گیا جو قریباً ۱۵ روز تک رہا۔ بہت علاج کرایا گیا لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ اس بخار کی حالت میں آپ مسجد نبوی میں مسلمانوں کو نماز بھی پڑھاتے رہے، لیکن آخر میں کمزوری اس قدر ہو گئی کہ مسجد میں نماز کے لیے جانا مشکل ہو گیا۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو نماز

Marfat.com

کے لیے حکم فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت تشویش تھی۔ سب عیادت کے لیے آتے لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ چونکہ پڑوس میں رہتے تھے، اس لیے وہ سب سے زیادہ تیمارداری کے لیے تشریف لاتے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب مرض میں کوئی افاقہ نہ دیکھا اور محسوس کیا کہ آپ کی بیماری موت کی سرحدوں کے قریب آ گئی ہے۔ تو انہوں نے اپنے جانشین کے بارے میں غور و فکر کرنا شروع کر دیا۔ وہ اس معاملہ کو مسلمانوں کی مرضی پر بھی چھوڑ سکتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہ فرماتے۔ یہ بہت سہل اور آسان طریقہ تھا، لیکن سقیفہ بنی ساعدہ اور اس میں انصار کے طرز عمل کا نقشہ آپ کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ انہوں نے سوچا کہ اگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کی بیعت پر متفق نہ کر دیتا تو نہ جانے کیا کچھ پیش آ جاتا۔ اور اگر اب بھی ان کی وفات کے بعد مسلمانوں میں کوئی اختلاف پیدا ہو گیا تو اندیشہ ہے کہ اس کے نتائج بڑے دور رس اور نہایت خطرناک ہوں گے۔ اور اب معاملہ صرف مہاجرین و انصار کے درمیان میں رہے گا بلکہ ان سے گزر کر عراق و شام کے مجاہدین اور باشندوں تک بھی پہنچے گا کیونکہ اب سلطنت کی پہنائیوں میں بہت اضافہ ہو گیا ہے۔ اور اب اگر مسلمان آپس میں الجھ گئے تو یہ اختلاف ایک خطرناک فتنہ بن کر پوری مملکت کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا اور فتح و توسیع کی اس سیاست کو موت کے گھاٹ اتار دے گا جو ابھی گھٹنوں کے بل چل رہی ہے۔ اور اگر وہ کسی کو اپنا جانشین نامزد کر دیں اور مسلمان اس پر مجتمع بھی ہو جائیں تو یہ خطرہ نہایت آسانی سے ٹل سکتا ہے۔ اور مسلمان اختلاف کا شکار ہونے سے بچ جائیں گے اور اسلامی سلطنت کی توسیع اور اللہ کے دین کی نشر و اشاعت کا کام بھی جاری رہے گا۔ چنانچہ آپ نے مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلا کر اپنی جانشینی کے بارے میں مشورہ لیا۔ آپ کا ذہنی رجحان سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی جانب تھا۔ آپ نے عمر رضی اللہ عنہ کا نام مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے پیش کیا۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اس میں کوئی شک نہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ بہترین آدمی ہیں اور خلافت کے لیے ہر لحاظ سے اہل ہیں، لیکن ان کے مزاج میں سختی ہے۔''

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب ان مشوروں کی خبر سنی تو انہیں اندیشہ ہوا کہ اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیا گیا تو ان کی سختی اور درشتی مسلمانوں میں انتشار و افتراق پیدا کر دے گی۔

Marfat.com

چنانچہ فیصلہ یہ ہوا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مل کر انہیں اس ارادہ سے باز رکھا جائے۔ اذن بازیابی کے بعد کچھ حضرات آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے بارگاہ خلافت میں عرض کی: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ! آپ کو بخوبی پتہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج میں کس قدر سختی اور درشتی ہے، اس کے باوجود میں نے سنا ہے کہ آپ انہیں خلیفہ نامزد کر رہے ہیں۔ کل اس بارے میں آپ اپنے اللہ کو کیا جواب دیں گے؟''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ لیٹے ہوئے تھے۔ آپ یہ الفاظ سن کر غصے سے کانپ اٹھے اور جذباتی ہو گئے اور حاضرین سے فرمایا: 'مجھے بٹھا دو' لوگوں نے آپ کو بٹھا دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم مجھے میرے رب سے ڈراتے ہو۔ جب میں اپنے پروردگار سے ملوں گا تو کہوں گا: اے اللہ! میں نے تیرے بندوں پر تیرے ایک بہترین بندے کو خلیفہ مقرر کیا'' اس کے بعد آپ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''جو بات میں نے تم سے کہی ہے وہ اپنے پیچھے بیٹھے ہوؤں کو بھی سنا دو۔'' (ابن اثیر: ۲/۲۹۲)

اب جب سب لوگ چلے گئے تو آپ نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا میری طرف سے خلافت کی جانشینی کا وصیت نامہ لکھو۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لکھوایا:

هذا ما عهد ابوبکر ابن ابی قحافه الی المسلمین اما بعد فانی قد استخلفت علیکم ....

ابھی اتنا ہی املا کروایا تھا کہ آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس وصیت نامہ میں اپنی طرف سے یہ الفاظ بڑھا دیئے: ''عمر بن الخطاب'' یعنی میں تم پر عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔

تھوڑی دیر کے بعد جب آپ کو ہوش آیا تو آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے کیا لکھا ہے؟ آپ نے جو کچھ لکھا تھا وہ پڑھ کر سنایا۔ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کا نام پڑھا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے منہ سے نکلا ''اللہ اکبر'' اور فرمایا: ''عثمان! حق تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے تم نے میرے دل کی بات لکھ دی۔''

(الامامۃ والسیاسۃ: ۱/۱۹، العواصم من القواصم: ص ۵۱، عثمان بن عفان للعقاد: ص ۱۵۰)

بعض روایات میں ہے کہ آپ نے یہ الفاظ لکھے:

استخلفت علیکم عمر ابن الخطاب ولم آل لکم خیراً

Marfat.com

''یعنی میں تم پر عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں اور میں نے اس معاملہ میں تمہاری خیر خواہی میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔''

غرض سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جانشین نامزد فرما کر مسلمانوں کے سامنے ایک تحریر پیش کی۔ روایات میں ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بالا خانے میں تشریف لائے اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: ''کیا تم اس شخص کو پسند کرو گے جس کو میں اپنا جانشین مقرر کروں؟ بخدا! میں نے غور وفکر کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور اپنے کسی قرابت دار کو یہ منصب نہیں دیا۔ میں عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں۔ میرا کہنا سنو اور مانو گے؟''

تمام لوگوں نے بیک زبان کہا کہ ''ہم نے سنا اور مانا۔''

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر کہا:

لا نرضیٰ الا ان یکون عمر ابن الخطاب

''عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سوا ہم کسی دوسرے شخص پر راضی نہ ہوں گے۔''

(اسد الغابہ: ۴/۷۰، تاریخ الخلفاء: ص ۶۱، الصواعق المحرقۃ: ص ۵۴)

جب وصیت کا یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ گیا تو آپ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور کچھ وصیتیں فرمائیں، اور فرمایا: ''بغیر کسی سہل انگاری اور تاخیر کے عراق اور شام کی مہمات کو جاری رکھا جائے۔ پھر انہیں وہ فرائض یاد دلائے جو ایک خلیفہ پر عائد ہوتے ہیں۔ پھر انہیں اللہ کی رحمت کے حصول کی ترغیب دلائی اور اللہ کے غضب سے ڈرایا تاکہ بندہ اپنے اللہ سے رغبت بھی رکھے اور اس سے خوف بھی کھائے۔ پھر کچھ اور کارآمد اور ضروری وصیتیں کیں جن میں مملکت کے دستور العمل کے بارے میں کچھ مفید باتیں بھی تھیں۔

جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ وصیت فرما چکے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے۔ گردن جھکی ہوئی اور ذہن غور وفکر میں مصروف۔ شاید وہ یہ سوچ رہے ہوں کہ میں اس گرانبار ذمہ داری کے باردوش سے کیسے سبکدوش ہوں گا۔ اور کاش سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ صحت یاب ہو جائیں اور یہ ذمہ داری مجھ سے ٹل جائے۔ لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ تو صحت یاب نہ ہوئے اور دنیا نے دیکھا کہ جو ذمہ داری وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر ڈال کر گئے تھے وہ بڑی اہم اور غیر معمولی ذمہ داری تھی جس کے اٹھانے سے بڑے بڑے دل گردے والے اعراض برتتے ہیں، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس بوجھ کو اس طرح اٹھایا اور ان ذمہ داریوں سے اس طرح عہدہ برآ ہوئے کہ دنیا آج تک

Marfat.com

انگشت بدنداں ہے۔ اور جب انہوں نے اس دنیا کو خیر باد کہا تو اسلامی فتوحات ایران، شام، مصر اور دوسرے کئی ایک ممالک تک پھیل چکی تھیں اور اسلامی ریاست فولادی بنیادوں اور آہنی ستونوں پر استوار ہو چکی تھی۔ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول درست نکلا جو انہوں نے ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا: "لقد اذللت الخلفاء بعدك" (اے عمر! تو نے اپنے بعد آنے والے خلفاء کو ذلت اور مشقت میں ڈال دیا)

(سیرۃ عمر ابن الخطاب: ص ۱۴۰، البدایہ والنہایہ: ۱۳۶/۷)

مطلب یہ تھا کہ نہ تیرے جیسی کوئی حکومت کرے گا اور نہ لوگ اس سے مطمئن ہوں گے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ: ۱۸/۷، طبری: ۲۳۸/۴، ابن اثیر: ۷۹/۲، التاریخ الاسلامی محمود شاکر: ص ۱۰۱، تاریخ الاسلام، ذہبی، عہد الخلفاء: ص ۶۶، ۱۱۷ ابو بکر رجل الدولۃ: ص ۱۰۰، طبقات ابن سعد: ۱۹۹/۳۔۲۰۰، صفۃ الصفوۃ: ۲۰۴/۳، ابو بکر الصدیق علی طنطاوی: ص ۲۳۷)

Marfat.com

خلافت فاروقی کا آغاز

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی جانشینی کی وصیت فرما کر ۲۳ جمادی الآخرۃ ۱۳ھ مطابق ۲۲ اگست ۶۳۴ء بروز اتوار غروب آفتاب کے بعد اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور پوری اسلامی مملکت کا بار گراں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر ڈال گئے۔ اور نماز جنازہ کے بعد انہیں حجرہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ تدفین میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ آپ کی وفات سے نہ صرف مدینہ طیبہ بلکہ پوری مملکت اسلامیہ کے بام و در لرز اٹھے۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت صدمہ ہوا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی وفات پر فرمایا:

الیوم انقطعت خلافة النبوة

''آج خلافت نبوت منقطع ہو گئی۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تدفین سے فارغ ہو کر اپنے گھر تشریف لے گئے۔ اب وہ صرف عمر رضی اللہ عنہ نہیں تھے بلکہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ جاتے ہی بستر پر لیٹ کر ان تمام امور پر غور و فکر کرنے لگے جو انہیں کل پیش آنے والے تھے۔

ساری رات اسی فکر و اضطراب میں گزری۔ رات کے آخری حصہ میں اٹھ کر نماز تہجد ادا کی۔ حق تعالیٰ سے نصرت چاہی اور صبح اٹھ کر مسجد نبوی میں تشریف لائے اور لوگوں کو بیعت کے لیے آگے بڑھتے دیکھ کر ان کی بے چینی اور اضطراب میں قدرے سکون ہوا۔ نماز ظہر کے بعد آپ منبر پر کھڑے ہوئے۔ اس سیڑھی سے ایک سیڑھی نیچے جس پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ حمد و ثناء کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجا۔ پھر خلیفہ اول سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مناقب و فضائل بیان فرماتے ہوئے لوگوں سے یوں مخاطب ہوئے:

Marfat.com

''لوگو! میں تمہی میں سے ایک ہوں۔ اگر مجھے خلیفہ رسول کی حکم عدولی گوارا ہوتی تو میں ہرگز یہ منصب قبول نہ کرتا۔''

یہ بات اتنے انکسار سے کہی کہ حاضرین و سامعین کے دلوں میں اتر گئی۔ اب لوگوں کو محسوس ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو رائے قائم کی تھی وہ بالکل درست تھی، اور اپنے بعد انہیں خلیفہ نامزد کر کے انہوں نے بڑی دور اندیشی اور دور بینی سے کام لیا ہے۔ ہر شخص اب ان کی تعریف کرنے لگا۔ لوگوں کی تعریف میں اور اضافہ ہو گیا جب انہوں نے دیکھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر کہہ رہے ہیں:

''اے اللہ! میں سخت ہوں مجھے نرم فرما، میں کمزور ہوں مجھے قوت عطا فرما، اے اللہ! میں بخیل ہوں مجھے سخی بنا دے۔''

یہ کہہ کر عمر رضی اللہ عنہ تھوڑی دیر خاموش ہو گئے۔ اب ہر نگاہ ان کی طرف اٹھ رہی تھی اور ہر شخص ان کی طرف ہمہ تن گوش تھا۔ جب تمام مجمع پر سکوت کی چادر چھا گئی تو فرمایا:

''لوگو! اللہ تعالیٰ نے میرے دو رفقاء کے بعد مجھے تم میں باقی رکھ کر میرے ساتھ تمہیں اور تمہارے ساتھ مجھے آزمایا ہے۔ بخدا! تمہارا جو معاملہ میرے سامنے آئے گا، اسے میرے سوا کوئی اور طے نہ کرے گا اور جو میری نگاہوں سے دور ہو گا اس میں بھی اپنی استطاعت کے مطابق کفایت و امانت کو ہاتھ سے نہیں جانے دوں گا۔ اگر لوگوں نے میرے ساتھ بھلائی کی تو میں بھی ان کے ساتھ بھلائی کروں گا اور اگر وہ برائی کے ساتھ پیش آئے تو میں انہیں سزا دوں گا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا خطبہ ختم کیا اور منبر سے اتر کر لوگوں کو نماز پڑھائی۔ نماز سے فراغت کے بعد لوگوں کو خطاب کیا اور انہیں مثنیٰ کے ساتھ عراق جانے کی دعوت دی۔ لوگوں نے جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی یہ دعوت سنی تو ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ اور کسی نے اس اپیل کا کوئی جواب نہ دیا۔ یہ دیکھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئے اور سر جھکا لیا۔ عشاء کی نماز پڑھ کر لوگ اپنے گھروں کو چلے گئے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ساری رات غور و فکر میں گزار دی۔ صبح مسجد میں آ کر اپنی جگہ بیٹھ گئے اور لوگوں کو حکم دیا کہ مرتدین کے غلام اور ان کے رشتہ داروں کو واپس کر دیا جائے کیونکہ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ عربوں میں غلامی کی رسم قائم ہو۔ لوگوں نے یہ حکم سنا تو ان کی نگاہیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے چہرے پر جم گئیں۔ کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ یہ

Marfat.com

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم کی مخالفت ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس حکم سے قبائل عرب کی تالیف قلب کر لی تھی۔ اور اپنی سختی سے نفرت کرنے والوں کے دلوں کو جیت لیا تھا۔

تیسرے روز جب وہ مسجد میں تشریف لائے اور لوگ ان کی بیعت سے فارغ ہو گئے (یاد رہے کہ تین چار روز تک لوگ آ آ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرتے رہے) تو آپ نے اٹھ کر حاضرین سے فرمایا:

''عرب کی مثال ایک نکیل پڑے اونٹ کی سی ہے۔ وہ اپنے ساربان کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ یہ دیکھنا ساربان کا فرض ہے کہ وہ اسے کس طرف لے جاتا ہے۔ رب کعبہ کی قسم! میں انہیں راہِ راست پر لا کر چھوڑوں گا۔''

نگاہیں اور بھی آپ کے چہرہ پر جم گئیں، لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی نہایت مردم شناس تھے۔ آپ نے ان کے چہروں کو پڑھ لیا۔ جب لوگ نماز ظہر کے لیے مسجد میں جمع ہوئے تو آپ نے منبر پر چڑھ کر فرمایا:

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ لوگ میری سختی سے ڈرتے ہیں اور میری درشتی سے کانپتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ اس وقت بھی ہم پر سختی کرتا تھا جب سرکار دو عالم ﷺ کا مبارک سایہ ہمارے سروں پر قائم تھا۔ پھر وہ اس وقت بھی ہم سے سختی کا برتاؤ کرتا تھا جب ہمارے اور ان کے درمیان ابوبکر رضی اللہ عنہ حائل تھے۔ اب کیا ہوگا جب کہ تمام معاملات کی زمام اس کے ہاتھ میں ہے۔ اور جو بھی یہ کہتا ہے، درست کہتا ہے۔ مجھے رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت کا شرف حاصل تھا۔ میں سرکار دو عالم ﷺ کا غلام اور ادنیٰ خادم تھا۔ اور کوئی نہ تھا جو نرمی اور رحم دلی میں آپ کے درجہ کو پہنچ سکتا۔ جیسا کہ اللہ نے بھی فرمایا ہے کہ وہ مومنین کے لیے راحت و رحمت کا سرچشمہ ہیں۔ بارگاہ نبوت میں میری حیثیت ایک برہنہ تلوار کی تھی۔ جب حضور ﷺ چاہتے مجھے نیام میں فرما لیتے اور جب چاہتے اذن کار عطا فرما دیتے۔ میں سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں اسی طرح رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنے پاس بلا لیا۔ حضور علیہ السلام آخر وقت تک مجھ سے راضی اور خوش رہے۔ اس سعادت پر مجھے فخر ہے اور میں اللہ تعالیٰ کا شکر فراواں ادا کرتا ہوں۔

سرکار دو عالم ﷺ کے انتقال کے بعد مسلمانوں کی زمام کار سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ

Marfat.com

میں آئی جن کے تحمل اور نرمی اور قوت برداشت سے کسی کو انکار نہیں۔ اور میں ان کا بھی خادم اور مددگار رہا۔ اپنی سختی کو ان کی نرمی میں سمو دیتا تھا۔ میں ایک برہنہ شمشیر تھا جسے وہ نیام میں کر لیتے تھے یا اپنا کام کرنے کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔ میں اسی طرح ان کے ساتھ بھی رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی اپنی طرف بلا لیا۔ وہ بھی آخر دم تک مجھ سے خوش اور راضی تھے۔''

اور اے لوگو! اب تمہارے معاملات کی ذمہ داری میرے کاندھوں پر ڈال دی گئی ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ سختی اب نرمی میں تبدیل ہو گئی ہے، لیکن ان لوگوں کے لیے بدستور قائم ہے جو مسلمانوں پر ظلم اور زیادتی کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو امن و سلامتی سے زندگی بسر کرتے ہیں اور جرأت ایمانی رکھتے ہیں، ان کے لیے میں سب سے زیادہ نرم ہوں۔ اگر کوئی کسی پر ظلم اور زیادتی کرے گا تو میں اس وقت تک اسے نہیں چھوڑوں گا جب تک اس کا ایک رخسار زمین پر نہ لگا دوں، اور دوسرے رخسار پر اپنا پاؤں نہ رکھ دوں۔ یہاں تک کہ وہ حق کے سامنے سپر انداز نہ ہو جائے۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ اپنی اس تمام تر شدت کے باوجود اہل عفاف اور اہل کفاف کے لیے میں خود اپنا رخسار زمین پر رکھ دوں گا۔

لوگو! مجھ پر تمہارے چند حقوق ہیں جو میں تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں۔ اپنے یہ حقوق مجھ سے حاصل کر لو۔ مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ تمہارے خراج اور اس غنیمت میں سے جو اللہ تعالیٰ تمہیں عطا کرے، کوئی شے ناحق نہ لوں۔ مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ جب تم میں سے کوئی میرے پاس آئے تو مجھ سے اپنا حق لے کر جائے۔ مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ میں تمہارے عطیات و وظائف میں اضافہ اور تمہاری سرحدوں کو مستحکم کر دوں۔ اور مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ تمہیں ہلاکت میں نہ ڈالوں۔ تمہیں گھر واپس آنے سے نہ روکے رکھوں اور جب تم کسی جنگ پر جاؤ تو ایک باپ کی طرح تمہارے اہل و عیال کی نگہداشت کروں۔

اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، مجھ سے درگزر کر کے میرا ہاتھ بٹاؤ۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں میری مدد کرو، اور تمہاری جو خدمات اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کی ہیں، ان سے متعلق مجھے بتاؤ۔ میں اپنے اور تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت

Marfat.com

طلب کرتا ہوں۔"

اس خطبہ کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ منبر سے اترے اور لوگوں کو نماز پڑھا کر مسجد سے گھر تشریف لے گئے۔ لوگ بھی اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے لیکن خالی الذہن نہیں بلکہ جو کچھ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا وہ سب کچھ ان کے ذہن ودماغ میں موجود تھا۔ اب وہ ان سب پر غور وفکر کرنے لگے۔

مثنیٰ بن حارثہ جو دار الخلافہ میں فوجی امداد حاصل کرنے کے لیے آئے ہوئے تھے، انہوں نے محسوس کیا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تقریر لوگوں کے دلوں میں اتر گئی ہے۔ وہ ان کی خلافت سے مطمئن ہیں اور عمر رضی اللہ عنہ کی سختی اور درشتی کا خوف ان کے دلوں سے دور ہو رہا ہے۔ لیکن اب ان کے دلوں میں صرف اندیشہ ہے کہ ایران اپنے غیر معمولی اقتدار اور شوکت وعظمت کے دبدبہ اور غلبہ استیلاء کی وجہ سے ان کے لیے ایک ہوّا سا بنا ہوا ہے۔ چنانچہ وہ خود تقریر کے لیے کھڑے ہوئے اور حاضرین سے یوں گویا ہوئے:

"لوگو! ایران کو ہوّا نہ سمجھو۔ ہم اس کے سبزہ زاروں کے قلب میں بیٹھے ہیں۔ ہم نے اس کے بہترین حصے پر قبضہ کر رکھا ہے۔ ہم اس کے ملک میں آدھے کے شریک ہیں اور یہ حصہ ہم نے انہی سے حاصل کیا ہے۔ ہم میں سے جو کوئی ان کے مقابلہ پر آیا، ان پر دلیر ہوا اور ان شاء اللہ آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا۔"

مثنیٰ کی باتوں نے حاضرین پر بہت اچھا اثر ڈالا۔ اب ہر ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہا تھا کہ ہمت وجرأت سے کام لیں یا احتیاط وگریز پر قائم رہیں۔ اتنے میں سب نے دیکھا کہ ابو عبید بن مسعود بن عمرو ثقفی رضی اللہ عنہ عراق جانے کے لیے آگے بڑھے۔ وہ سب سے پہلے شخص تھے جنہوں نے اس اہم کام کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ اس کے بعد سلیط بن قیس رضی اللہ عنہ نے آمادگی ظاہر کی۔ ان دونوں حضرات کا اٹھنا تھا کہ پھر لوگوں کا ایک تانتا لگ گیا اور فوری طور پر مدنی مجاہدین کی تعداد ایک ہزار سے تجاوز کر گئی۔ جہادِ عراق کے لیے لوگوں کا یہ ذوق وشوق دیکھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بے حد خوش ہوئے اور ان کا دل اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے دھڑکنے لگا۔

مثنیٰ نے جب دیکھا کہ ایک ہزار سے زائد کا لشکر ان کے ساتھ عراق جانے کے لیے تیار ہے تو وہ بھی مطمئن ہو گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اب مثنیٰ کو مدینہ طیبہ میں روکے رکھنا مناسب نہ سمجھا۔ چنانچہ انہیں حکم فرمایا کہ وہ عراق جا کر اپنے لشکر سے جا ملیں اور جب تک یہ کمک نہ پہنچے لڑائی سے گریز کریں۔ چنانچہ جب اس لشکر کی روانگی کا وقت آیا تو آپ نے ابو عبید بن

Marfat.com

مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی بات ماننا اور انہیں مشورہ میں شریک رکھنا۔ جلد بازی سے کام نہ لینا کیونکہ یہ جنگ ہے اور جنگ میں کامیابی و کامرانی اسی کے قدم چومتی ہے جس کی طبیعت میں ٹھہراؤ ہو اور جو موقع سے فائدہ اٹھانا جانتا ہو۔''

جب اس لشکر نے تیاری مکمل کر لی تو ایک دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کہ ابو عبید آئے اور اس لشکر کو جو اسلامی پرچم تلے جمع تھا، عراق لے جانے کی اجازت چاہی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت مرحمت فرما دی۔ چنانچہ یہ لشکر عراق روانہ ہو گیا۔

Marfat.com

ابوعبید رضی اللہ عنہ سرزمین عراق میں

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اہل مدینہ کو جو عراق پر حملہ کی دعوت دی اس پر سب سے پہلے لبیک کہنے والے ابوعبید بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ تھے۔ اس وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں امیر لشکر بنایا۔ اور انہیں حکم دیا کہ وہ اپنی فوج تیار کر کے مثنیٰ بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ کی امداد کے لیے عراق روانہ ہو جائیں۔ مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی عراق بھیج دیا تھا تاکہ وہ عراق کی موجودہ صورت حال کا جائزہ لیں اور ایرانیوں پر حملہ کرنے کی تدبیر کریں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی تاکید کی کہ جب تک کمک نہ پہنچے لڑائی شروع نہ کریں۔ مثنیٰ راستہ ہی میں اپنے ذہن میں جنگ کا پلان بناتے ہوئے اور منزل بہ منزل اپنا راستہ طے کرتے ہوئے عراق میں اپنے ہیڈ کوارٹر حیرہ پہنچے۔ حیرہ پہنچ کر ان کا سب سے پہلا سوال یہ تھا کہ امرائے ایران کا کیا حال ہے؟ انہیں ایران کے تمام حالات سے باخبر کیا گیا، لیکن وہ دیکھ رہے تھے کہ ان کی اپنی فوج میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ اکیلے کسریٰ کی فوجوں کا مقابلہ کر سکے، لہٰذا ابوعبید رضی اللہ عنہ کی کمک کا وہ انتظار کرنے لگے پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایت بھی انہیں یہی تھی کہ ابوعبید رضی اللہ عنہ کی کمک کا انتظار کرنا۔ اکیلے دشمن پر حملہ نہ کرنا۔ (الانصار فی عصر الرشدی: ص ۲۱۶، اتمام الوفاء: ص ۶۵)

ابوعبید رضی اللہ عنہ کی فوج میں سلیط بن قیس رضی اللہ عنہ ایک نہایت تجربہ کار اور جری سپاہی تھے۔ ان کے بارے میں بھی فرمایا کہ ان کی بات سننا اور اس پر عمل کرنا۔ غرضیکہ ابوعبید رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔ ان کی منزل حیرہ تھی۔ جب وہ حیرہ پہنچے تو پتہ چلا کہ مثنیٰ شیبانی حیرہ سے نکل کر خفان پہنچ گئے ہیں جو صحرا کی حدود پر واقع ہے۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/۲۶)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کی مہمات نے جن میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پیش پیش تھے ایرانیوں کو ہوشیار کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے فوجی تنظیم نو کی۔ پوران دخت نے جو اس

Marfat.com

زمانہ میں ایران کی حکمران تھی فرخ زاد گورنر خراسان کے بیٹے رستم کو جو نہایت بہادر اور مدبر، معاملہ فہم پہلوان تھا، ایرانی سپاہ کا وزیر جنگ مقرر کر دیا۔

رستم نے وزیر جنگ ہوتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ایرانیوں کے مذہبی جذبات کو بھڑکایا۔ جاگیرداروں اور بڑے بڑے امراء سلطنت کو ایک فرمان کے ذریعہ مسلمانوں کے خلاف حملہ کے لیے اکٹھا کیا۔ ملک کے گوشے گوشے میں اپنے نقیب روانہ کیے۔ اس طریقہ سے اس نے سارے ایران میں ایک آگ سی لگا دی اور پوری ایرانی قوم مسلمانوں کے خلاف متفق و متحد ہو گئی۔ اسی کے نتیجہ میں سیدنا ابو عبید ثقفی کے عراق پہنچنے سے پہلے مفتوحہ عراق کے کئی شہر بغاوت کر کے مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

ان سب چیزوں سے فارغ ہو کر اس نے مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے ایک لشکر تیار کیا اور مثنیٰ کے مقابلہ کے لیے روانہ کر دیا۔ سیدنا مثنیٰ شیبانی رضی اللہ عنہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے یہ دیکھ کر کہ ایرانی فوج بہت زیادہ ہے اور مسلمان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے، حیرہ کو چھوڑ کر خفان آ گئے جہاں مسلمانوں کی فوج پر پشت کی طرف سے حملہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سیدنا مثنیٰ رضی اللہ عنہ ابھی خفان ہی میں تھے کہ سیدنا ابو عبید رضی اللہ عنہ بھی آ کر مثنیٰ سے مل گئے۔ خفان میں ابو عبید رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو چند روز آرام کرنے کا حکم دیا، مقصد یہ تھا کہ ایک تو فوج کی تکان دور ہو جائے اور دوسرے دشمن سے مقابلہ کرنے کا کوئی مناسب لائحہ عمل تیار کر لیا جائے۔

وزیر جنگ رستم کے مشورہ سے پوران دخت نے ایرانیوں کے دو نامور بہادروں نرسی اور جابان کو رستم کی امداد کے لیے سپہ سالار مقرر کیا۔ جابان عراق کا ایک مشہور رئیس تھا اور عربوں سے اس کو ایک خاص عداوت تھی۔ نرسی کسریٰ ایران کا خالہ زاد بھائی تھا اور عراق کے بعد قدیم اضلاع اس کی جاگیر تھے۔ ان دونوں سپہ سالاروں کی زیر کمان رستم نے مدائن سے دوسرے لشکر مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے روانہ کیے۔ ایک لشکر کی قیادت جابان کر رہا تھا جسے حکم تھا کہ وہ دریائے فرات کے کنارے کنارے چل کر حیرہ پہنچے۔ جب کہ دوسرے لشکر کی کمان نرسی کے سپرد تھی اور اسے ہدایت تھی کہ وہ فرات اور دجلہ کے درمیان ''کسکر'' میں قیام کرے۔

سیدنا ابو عبید رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ سے چار ہزار کی جمعیت لے کر نکلے تھے لیکن راستہ میں اور بہت سے لوگ ان کے لشکر میں شامل ہو گئے جس سے لشکر کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی۔ خفان میں مثنیٰ شیبانی کا لشکر بھی ان کی فوج میں مل گیا۔ اب حیرہ اور قادسیہ کے مابین ''غارق''

Marfat.com

کے مقام پر ان دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ دونوں طرف کی فوجیں جان توڑ کر لڑیں اور ایک قیامت خیز جنگ کے بعد اللہ تعالیٰ نے ابوعبید رضی اللہ عنہ کو دشمن پر فتح نصیب فرمائی۔ جابان گرفتار ہو گیا لیکن جس شخص نے اسے گرفتار کیا تھا وہ اسے پہچانتا نہیں تھا۔ جابان نے اس سے کہا: ''اس بڑھاپے میں میں تمہارے کس کام کا ہوں۔ تم مجھے چھوڑ دو اور اس کے عوض میں نوجوان اور پھرتیلے غلام لے لو'' اس مسلمان نے اس پیش کش کو منظور کر لیا۔ اب اس نے کہا: ''مجھے اپنے امیر کے پاس لے چلو تاکہ بات پکی ہو جائے'' وہ شخص اسے ابوعبید رضی اللہ عنہ کے پاس لے آیا اور جو بات ان دونوں میں طے ہوئی تھی اس کو ابوعبید رضی اللہ عنہ نے پختہ کر دیا۔ اتنے میں چند مسلمان وہاں آ گئے انہوں نے جابان کو پہچان لیا۔ انہوں نے ابوعبید سے کہا: ''اسے قتل کر دیں، یہ ایرانی فوج کا سپہ سالار جابان ہے۔'' ابوعبید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ایک مسلمان اسے امان دے چکا ہے اس لیے اب یہ قتل نہیں کیا جا سکتا۔''

جابان کے اس لشکر کی اطلاع پوران دخت اور رستم دونوں کو ہو گئی۔ رستم نے ایک اور ایرانی جرنیل جالینوس کو حکم دیا کہ وہ فوری طور پر اپنے ساتھیوں کی مدد کے لیے جائے اور ''کسکر'' میں نرسی سے جا ملے۔ جالینوس یہ حکم پا کر فوری طور پر منزل مقصود کی جانب روانہ ہو گیا، لیکن سیدنا ابوعبید رضی اللہ عنہ نے اس سے بھی زیادہ عجلت سے کام لیا اور جابان کی شکست کے فوراً بعد اپنے لشکر کو حکم دیا کہ نرسی کے مقابلہ کے لیے روانہ ہو جائے۔ چنانچہ اس سے قبل کہ جالینوس ''کسکر'' پہنچے کسکر کے قریب ایک مقام ''سقاطیہ'' پر نرسی اور ان سپاہیوں کے مقابل صف آرا ہو گئے جو غارق کی جنگ سے فرار ہو کر نرسی کی فوج سے جا ملے تھے۔ دونوں فوجوں میں خوب مقابلہ ہوا۔ نرسی بھی جابان سے زیادہ مسلمان فوجوں کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکا اور بے شمار ساز و سامان چھوڑ کر اپنی فوج کے ساتھ فرار ہو گیا۔ اتنے میں جالینوس کی فوج بھی پہنچ گئی۔ ابوعبید رضی اللہ عنہ کے لشکر نے اس کو بھی شکست فاش دی۔ اور نرسی کی طرح جالینوس بھی میدان جنگ سے ایسا بھاگا کہ مدائن پہنچ کر ہی دم لیا۔

ایرانیوں کے لیے یہ شکست ذلت آمیز تھی کیونکہ اس میں ان کے دو بڑے جرنیل مارے گئے، چنانچہ ان کی اس ذلت کی تشہیر کے لیے اور لوگوں کے دلوں سے ایرانیوں کا ہوّا نکالنے کے لیے سیدنا ابوعبید رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کے افسروں بالخصوص مثنیٰ شیبانی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ عراق کی سرزمین میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل جائیں جس سے عراقیوں کے

Marfat.com

دلوں میں مسلمانوں کی جرأت و ہمت کی دھاک بیٹھ گئی اور ان کے ذہنوں میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے کارناموں کی یاد ایک بار پھر تازہ ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بڑے بڑے جاگیرداروں اور امراء نے ابوعبید رضی اللہ عنہ سے اپنی مخالفانہ کارروائیوں کی معافی چاہی۔

معرکہ جسر:

رستم ایک نہایت مغرور اور متکبر آدمی تھا۔ وہ ایرانی فوجوں کی شکست سے نہایت مضطرب تھا جس میں اس کے قابل ترین کمانڈر مارے گئے اور نرسی اور جابان گرفتار ہو گئے۔ لہٰذا اس نے اپنے مشیران خاص سے مشورہ کیا۔ چنانچہ اس نے مردان شاہ کو جس کو نوشیرواں نے اس کے تقدس کے لحاظ سے بہمن کا خطاب دیا ہوا تھا، ایک بہت بڑی فوج دے کر روانہ کیا۔ بھگوڑے جالینوس کو اس کے ساتھ جانے کا حکم دیا اور اسے ڈانٹ کر کہا کہ اگر تم نے اب کی بار بھی اپنی بزدلی کا مظاہرہ کیا تو میں تمہاری گردن اڑا دوں گا۔ اس سے رستم اس جنگ کی اہمت بتانا چاہتا تھا۔ اس لشکر کے آگے درفش کاویانی تھا جو چیتے کی کھال کا بنا ہوا تھا اور اس کا طول بارہ ہاتھ تھا اور جو کوئی ہزار سال سے کیانی خاندان کی یادگار چلا آ رہا تھا اور فتح وظفر کا دیباچہ تصور کیا جاتا تھا، اس کے سر پر سایہ کرتا جاتا تھا۔ ابوعبید رضی اللہ عنہ پہلے سے اپنے لشکر کے ساتھ قس الناطف نامی ایک گاؤں میں پہنچ گئے تھے۔ بہمن (مردان شاہ) اپنی فوج کے ساتھ دریائے فرات کے کنارے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا اور ابوعبید رضی اللہ عنہ دوسرے کنارے پر، ان دونوں کے درمیان دریا حائل تھا۔ بہمن نے کہلا بھیجا کہ یا تم دریا کے اس پار اتر کر آؤ یا ہم آئیں؟ ابوعبید رضی اللہ عنہ کے تمام سرداروں اور ساتھیوں نے کہا کہ ہم کو دریا پار نہیں کرنا چاہیے بلکہ اسی طرف ہی رہنا چاہیے اور ایرانیوں کو دریا عبور کرنے کا موقع دینا چاہیے، لیکن ابوعبید رضی اللہ عنہ نے اس میں بزدلی محسوس کی اور کہا: ''وہ ہم سے زیادہ موت پر دلیر نہیں ہیں، دریا ہم عبور کریں گے۔'' سلیط بن قیس رضی اللہ عنہ اور دوسرے اکابر نے اس بات کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ ''عربوں کو آج تک اتنے بڑے ایرانی لشکر سے واسطہ نہیں پڑا۔ وہ زبردست تیاری کر کے آئے ہیں۔ اور ان کے سینوں میں گزشتہ شکستوں کی آگ بھڑک رہی ہے۔ اور یہ جگہ جہاں ہم اس وقت ہیں ہر لحاظ سے موزوں ترین جگہ ہے، لیکن ابوعبید رضی اللہ عنہ نے کہا: ''بخدا! یہ میری بزدلی ہو گی۔''

ابوعبید رضی اللہ عنہ اس وقت کچھ اتنے جذباتی ہو گئے کہ انہوں نے نہ تو اپنے رفقاء کی کوئی

Marfat.com

بات مانی اور نہ ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی نصیحت کا کوئی خیال کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ضرور مشورہ کرنا اور انہیں اپنے کاموں میں شریک رکھنا اور سلیط رضی اللہ عنہ کو خاص اہمیت دینا۔

بہر حال ابو عبید رضی اللہ عنہ نے دریا عبور کرنے کا حکم دے دیا۔ حکم ملتے ہی افسران فوج نے کہا کہ اگرچہ ہم کو قطعی یقین ہے کہ تمہاری اس رائے اور حکم پر عمل کرنے سے تمام فوج ہلاک و برباد ہو جائے گی لیکن اس وقت چونکہ تم امیر ہو اور امیر کی مخالفت ہمارا شیوہ نہیں۔ مختصر یہ کہ کشتیوں کا پل باندھا گیا اور ''مروحہ'' کے مقام پر دریا کو عبور کیا گیا۔ سیدنا سلیط بن قیس رضی اللہ عنہ دریا عبور کرنے والوں میں سب سے آگے تھے۔

مسلمانوں نے ابھی دریا عبور کیا ہی تھا کہ دشمن نے حملہ کر دیا اور انہیں سنبھلنے کا موقع بھی نہ دیا۔ ایرانی فوج کے آگے ہاتھیوں کی قطار تھی جو نہایت مہیب اور دیو پیکر تھے۔ ان کے گلوں میں گھنٹے لٹک رہے تھے اور بڑے زور شور سے بجتے جاتے تھے۔ گھوڑوں پر آہنی پاکھریں تھیں۔ سوار سمور کی لمبی ٹوپیاں پہنے ہوئے بالکل صحرائی جانور معلوم ہوتے تھے عرب کے گھوڑوں نے ایسا ہیبت ناک نظارہ اس سے قبل کبھی نہیں دیکھا تھا اس وجہ سے وہ بدک کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ابو عبید رضی اللہ عنہ نے یہ حال دیکھا تو اپنے گھوڑے سے کود پڑے اور ان کا کودنا تھا کہ دوسرے سوار بھی اپنے گھوڑوں سے نیچے کود کر دشمن پر حملہ آور ہوئے۔ اور اتنی بے جگری سے لڑے کہ چھ ہزار ایرانیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ لیکن ہاتھیوں کی قطاریں جس طرف رخ کرتیں صفوں کی صفیں الٹ دیتیں۔ اب ابو عبید رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو للکار کر کہا کہ ہودوں کی رسیاں کاٹ کر سواروں سمیت الٹ دو۔ مسلمانوں نے اپنی جان پر کھیل کر ایسا ہی کیا اور تمام فیل نشینوں کو زمین پر گرا دیا۔ اب معاملہ گتھم گتھا کا ہو گیا کبھی مسلمان ایرانیوں کی صفوں میں گھس جاتے اور کبھی ایرانی مسلمانوں کی صفوں میں۔ گویا کہ ایک عجیب عالم رستا خیز تھا۔

تمام لشکر پریشان تھا لیکن سب سے زیادہ پریشان اور مضطرب ابو عبید رضی اللہ عنہ تھے۔ اب انہیں احساس ہو رہا تھا سلیط رضی اللہ عنہ اور دوسرے اہل الرائے حضرات کا مشورہ قبول نہ کر کے کتنی بڑی غلطی کی ہے۔ اب وہ کسی نہ کسی طرح اس کی تلافی کرنا چاہتے تھے۔ انہیں اندیشہ تھا کہ اگر اسلامی لشکر شکست سے دوچار ہو گیا تو اس شکست کی ساری ذمہ داری ان پر ہو گی۔ لہٰذا وہ خود بھی جان توڑ کر لڑ رہے تھے اور لشکر کو بھی لڑوا رہے تھے۔ وہ بہر صورت شکست کی ندامت سے بچنا چاہتے جو قیامت تک ان کا دامن نہ چھوڑے گی۔ اتنے میں انہوں نے دیکھا کہ ایک کوہ پیکر

Marfat.com

سفید ہاتھی دائیں بائیں اپنی سونڈ سے صفوں کو الٹ رہا ہے۔ ابو عبید رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اس ہاتھی کی سونڈ پر ایسا بھرپور وار کیا کہ ہاتھی کی سونڈ تو الگ ہو گئی اور وہ بڑے زور سے چنگھاڑا لیکن ساتھ ہی اس نے آگے بڑھ کر ابو عبید رضی اللہ عنہ کو اپنے پاؤں تلے ایسا کچلا کہ ہڈیاں تک چور ہو گئیں۔ ابو عبید رضی اللہ عنہ پہلے ہی وصیت کر چکے تھے کہ اگر میں لڑائی میں کام آ جاؤں تو میرے قبیلے کے فلاں فلاں سات آدمی علی الترتیب فوج کی قیادت کریں۔ چنانچہ ان کے بھائی حکم نے علم ہاتھ میں لیا۔ ہاتھی پر حملہ کیا لیکن ہاتھی نے ابو عبید رضی اللہ عنہ کی طرح اسے بھی اپنے پاؤں سے کچل کر شہید کر دیا۔ چنانچہ یہ ساتوں آدمی باری باری قیادت سنبھالتے اور شہید ہوتے گئے۔ اس بات نے مسلمانوں کے حوصلے کچھ پست کر دیئے۔

مسلمانوں کی فوج میں کچھ عجیب افراتفری کا عالم پیدا ہو گیا۔ حوصلے پست ہو گئے مقابلے کی قوت نہ رہی، صفوں میں انتشار پیدا ہو گیا۔ اور ان میں سے اکثر اپنی جان بچانے کے لیے پل کی طرف بھاگنے لگے۔ اس نازک صورت حال میں مثنیٰ نے آگے بڑھ کر علم اپنے ہاتھ میں لیا۔ اب وہ ایرانیوں پر فتح پانے کے بجائے اس کوشش میں لگ گئے کہ مسلمان نظم و ترتیب کے ساتھ دریا پار کر کے مروحہ پہنچ جائیں۔ وہ ابھی واپسی کی راہ سوچ ہی رہے تھے کہ عبداللہ بن مرثد ثقفی نے پل کی ابتدائی کشتیاں توڑ دیں اور چلا کر کہا: ''مسلمانو! اپنے قائدین کے نقش قدم پر چل کر جان دے دو یا پھر دشمن پر فتح حاصل کرو'' عبداللہ بن مرثد کی اس جذباتی حرکت سے مسلمانوں کے اوسان خطا ہو گئے۔ اب انہوں نے گھبرا گھبرا کر دریا میں چھلانگیں لگانی شروع کر دیں۔ جس نے بے صبری سے کام لیا وہ غرق ہو گیا۔ اس افراتفری نے مثنیٰ کو اور پریشان کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے بلند آواز سے کہا: ''لوگو! میں دشمن کو روکے کھڑا ہوں تم اطمینان سے پل تیار کر کے دریا عبور کر لو'' مسلمانوں کے اوسان کچھ درست ہوئے اور انہوں نے کشتیاں جوڑ کر پل دوبارہ درست کیا اور مسلمانوں نے دریا عبور کرنا شروع کر دیا مثنیٰ ایرانیوں کا آگا روکے کھڑے تھے اور بڑی بہادری سے دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے۔ اتنے میں ایک نیزہ آ کر انہیں لگا۔ مثنیٰ زخم کھا کر بھی اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ اس سے مسلمانوں کو دریا عبور کرنے کی مہلت مل گئی اور وہ اطمینان سے مروحہ پہنچ گئے۔ جب تمام فوج پل عبور کر چکی تو اب وہ بھی پیچھے ہٹے۔ اس دوران میں سلیط بن قیس رضی اللہ عنہ بھی شہید ہو گئے اور ان کا خون بھی اس میدان کی خاک میں جذب ہو گیا جس نے ہزاروں مسلمانوں کے خون کو اپنی آغوش میں جذب کیا تھا۔ (الطریق الی المدائن: ص ۴۱۴)

Marfat.com

دریا کے پار جا کر جو حساب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ نو ہزار فوج میں سے صرف تین ہزار رہ گئی ہے اور چھ ہزار نے اپنی جان اللہ کے رستہ میں دے دی ہے۔ اس سے قبل اتنی تعداد میں مسلمان کسی بھی جنگ میں شہید نہ ہوئے تھے۔ مسلمانوں کے لیے یہ ایک ناقابل تلافی نقصان تھا۔

مسلمان دریا عبور کر کے ''مروحہ'' تو پہنچ گئے، لیکن دشمن کے تعاقب کا خطرہ لاحق تھا۔ چنانچہ وہ اپنی باقی ماندہ فوج کو لے کر حیرہ آ گئے اور یہاں سے جنوب کی طرف الیس کے مقام پر جا پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے دشمن کے خطرہ کو اس طرح ٹال دیا کہ بہمن کو اطلاع ملی کی مدائن میں ایرانیوں کے دو گروہ ہو گئے ہیں۔ ایک گروہ رستم کے ساتھ ہے اور دوسرا اس کے حریف فیروزوان کے ساتھ۔ یہ سنتے ہی بہمن اپنی فوج لے کر مدائن روانہ ہو گیا اور جابان اور مردان شاہ کو تھوڑی سی فوج دے کر چھوڑ گیا۔ یہ دونوں ایرانی سردار مثنیٰ کے تعاقب میں چلے لیکن الیس کے باشندوں نے مثنیٰ کو ایرانی امراء کے تازہ ترین اختلاف سے آگاہ کر دیا اور مثنیٰ الیس کے باشندوں کی کثیر جمعیت لے کر ان پر حملہ آور ہو گئے۔ جابان، مردان شاہ اور ان کے کئی اور ساتھی گرفتار ہوئے اور ان سب کی گردنیں ماردی گئیں۔

معرکہ جسر سے بھاگنے والوں میں سب سے پہلے جو صاحب مدینہ پہنچے وہ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے تو ان پر نظر پڑی۔ آواز دے کر پوچھا: کہو، عبداللہ کیا خبر لائے ہو؟ عبداللہ رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ساری سرگزشت سنا دی۔ جو مسلمان معرکہ جسر میں بھاگ کر آئے تھے، وہ مارے شرم کے مدینہ میں داخل نہ ہوتے تھے۔ کیونکہ اسلام کی تاریخ میں میدان جنگ سے فرار کرنا نہایت شاذ و نادر وقوع میں آیا اور اگر کبھی ایسا ہوا تو اس کا عجیب افسوس ناک اثر ہوا۔ چنانچہ اس معرکہ میں جو لوگ بھاگے وہ گھروں سے باہر نہ نکلتے اور اگر نکلتے تو ان کی گردنیں شرم و ندامت کے بوجھ سے جھکی رہتی تھیں۔ یہ حالت دیکھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ان پر رحم آ گیا۔ وہ لوگوں کو ان پر طنز و ملامت سے منع کرنے لگے۔ فرماتے تھے: ''یا اللہ! میں تمام مسلمانوں کا ذمہ دار ہوں۔ جس کسی نے دشمن سے مقابلہ کیا اور کوئی تکلیف اٹھائی اس کی تلافی میرے پر ہے۔ مسلمانو! ڈرو نہیں۔ تم میرے پاس آئے ہو میں تمہارا ذمہ دار ہوں'' بنی نجار کے ایک قاری معاذ نامی تھے۔ وہ بھی معرکہ جسر میں بھاگ کر آئے تھے، وہ قرآن حکیم کی وہ آیت پڑھتے جس میں ﴿او متحیزاً الی فئیة﴾ کے الفاظ آئے ہیں تو خوب روتے یہاں تک کہ ان کی ہچکی بندھ جاتی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کو تسلی دیتے اور فرماتے معاذ!

Marfat.com

رو ؤ نہیں۔تم میرے پاس بھاگ کر آئے ہو،تمہارا ذمہ دار میں ہوں۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس رویہ نے لوگوں کو بہت متاثر کیا کیونکہ وہ اتنے سخت اور درشت آدمی سے اس قسم کی توقع نہیں رکھتے تھے۔کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ ان کے پشت پناہ بن گئے۔ان کو اپنی مہربانیوں سے نوازتے اور ہر ممکن کوشش کرتے کہ ان کے ننگ ہزیمت کی شدت احساس ختم ہو کیونکہ وہ کمزوروں کے لیے سراپا لطف واحسان تھے۔(التاریخ الاسلامی:۱۰/ ۳۴۷)

سیدنا ابوزید انصاری رضی اللہ عنہ عقبہ رضی اللہ عنہ وعبداللہ پسران قبطی بن قیس،سیدنا یزید بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ،سیدنا ابوامیہ انفرازی وغیرہ،لیکن حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ شعبان ۱۳ھ کا بیان کیا ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبری:۴/ ۲۷۹،التاریخ الاسلامی:۱۰/ ۳۴۷،البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۷۔۲۸وغیرہ)

معرکہ بویب:

معرکہ جسر کی شکست نے مسلمانوں کی ساکھ کو بہت نقصان پہنچایا۔اگرچہ اس کے بعد سیدنا مثنیٰ بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ نے جابان اور مردان شاہ کی فوج کو الیس میں شکست فاش دی لیکن اتنی چھوٹی سی شکست کسریٰ جیسی سپر پاور کے لیے کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی۔مثنیٰ نے اپنی فوج کو قلعہ بند ہو کر کچھ دن ستانے کے لیے چھوڑ دیا تاکہ یہ تازہ دم ہو جائے۔مثنیٰ ایک نہایت دور بین اور متحمل مزاج جرنیل تھے۔انہیں ہر وقت خطرہ تھا کہ ایرانی ان پر پہلے سے بڑا حملہ کریں گے جبکہ مسلمانوں کی طاقت ان کے مقابلہ میں پہلے سے کمزور ہے۔بلکہ اب عراق میں انہیں مسلمانوں کا مستقبل تاریک نظر آرہا تھا۔وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ مدینہ سے کمک آنے میں خاصی مدت درکار ہوتی ہے۔اس لیے مثنیٰ نے آس پاس کے عرب قبائل میں اپنے نقیب روانہ کیے اور انہیں ایرانیوں کے خلاف لڑائی کی دعوت دی۔نتیجہ یہ ہوا کہ تمام قبائل نے مثنیٰ کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے ایک بہت بڑی فوج ان کے پاس بھیج دی۔ان لوگوں میں بنونمیر کے عیسائی بھی تھے جو اپنی قوم کے دوش بدوش لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔اب مثنیٰ نے اپنا لشکر الیس سے ساخ میں منتقل کر دیا جو قادسیہ اور خفان کے درمیان عرب کی سرحد کے قریب واقع ہے۔دوسری طرف انہوں نے دارالخلافت میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کمک کے لیے درخواست روانہ کی۔

Marfat.com

ادھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اس بات کا شدید احساس تھا کہ نازک مرحلہ پر اگر مثنیٰ کی امداد نہ کی گئی تو عراق میں مسلمانوں کا مستقبل خطرے میں پڑ جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے تمام عرب میں اپنے خطباء اور نقیب بھیج دیئے جنہوں نے جوشیلی اور جذباتی تقریروں سے تمام عرب میں ایک آگ لگا دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرف سے عرب قبائل امنڈ آئے۔ بنوازد کا سردار مخنف بن سلیم سات سو سواروں کو ساتھ لے کر بنو تمیم کے حصین بن معبد ہزار آدمیوں کا جتھہ لے کر بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے۔ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بھی ایک بہت بڑی تعداد لے کر آئے۔ اسی طرح دوسرے قبائل کے لوگ بھی اپنے اپنے سرداروں کے ساتھ بارگاہ خلافت میں پہنچے۔ بنو تغلب کے سرداروں نے جو اگرچہ عیسائی تھے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ آج عرب و عجم کا مقابلہ ہے اس لیے اس قومی معرکہ میں ہم بھی اپنی قوم کے ساتھ ہیں۔ غرض کہ مختلف گوشوں سے لوگ کھنچ کھنچ کر مدینہ میں آنا شروع ہو گئے اور ایک جم غفیر یہاں جمع ہو گیا۔

یہ تو عراق اور مدینہ میں مسلمانوں کی کیفیت تھی۔ ادھر مدائن میں ایرانیوں کا بھی عجیب حال تھا۔ انہیں جب معلوم ہوا کہ عراق میں مسلمانوں کی فوجیں اکٹھی ہو رہی ہیں، تو ان کے اوسان خطاء ہو گئے۔ اگرچہ معرکہ جسر میں مسلمانوں کو ایک دفعہ بھاری جانی نقصان اٹھانا پڑا تھا لیکن ایرانی یہ سمجھتے تھے کہ مسلمان اس شکست کا انتقام ضرور لیں گے۔ لہٰذا رستم اور فیروزان دونوں نے مل کر ایک بہت بڑا لشکر مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے مرتب کیا اور اس کی کمان مہران ہمدانی کے سپرد کی۔ مہران بن مہرویہ ہمدانی کو فوج کی کمان سپرد کرنے کی یہ وجہ تھی کہ اس نے عرب میں تربیت پائی تھی، اس وجہ سے وہ عربوں کے زور وقوت کا اندازہ کر سکتا تھا۔ مہران ہمدانی اپنے لشکر کو لے کر اس ارادہ سے روانہ ہوا کہ معرکہ جسر سے زیادہ بڑی شکست مسلمانوں کو دینی ہے۔

سیدنا مثنیٰ شیبانی کو جب اس لشکر کی روانگی کا علم ہوا وہ اس وقت سیاخ میں تھے وہاں سے انہوں نے سیدنا جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ اور اپنی مدد کو آنے والے دوسرے قائدین کے نام پیغام بھجوایا۔ ''اس وقت ہم ایک ایسی صورت حال سے دوچار ہیں کہ جب تک آپ حضرات نہ پہنچیں ہم اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا آپ حضرات بویب میں آ کر ہم سے جلد از جلد ملئے۔ (بویب جہاں آج کل کوفہ آباد ہے، اس کے قریب ایک مقام تھا) یہ پیغام بھجوا کر آپ نے بھی بویب کا رخ کیا اور دریائے فرات کے کنارے اپنی فوج کو اکٹھا کیا۔ اتنے میں مہران

Marfat.com

بھی اپنی فوج کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے فرات کے کنارے پہنچ گیا۔ اب ان دونوں فوجوں کے درمیان صرف دریا حائل تھا۔

جب دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں تو سیدنا مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر پر نظر دوڑائی۔ انہیں پتہ چلا کہ اس میں بجیلہ اور عرب کے دوسرے مشہور قبائل کے علاوہ بنونمر اور بنو تغلب کے عیسائی قبائل بھی تھے۔ جو مسلمانوں کی اعانت کے لیے آئے تھے۔ مثنیٰ اپنے لشکر سے مطمئن ہو گئے۔ اب مہران نے اسلامی سپہ سالار مثنیٰ کو پیغام بھیجا کہ یا تم دریا عبور کرو یا ہمیں عبور کرنے کا موقع دو۔ مثنیٰ دریا عبور کرنے کا انجام دیکھ چکے تھے لہٰذا انہوں نے ایرانیوں کو کہلا بھیجا کہ دریا تم عبور کرو۔ چنانچہ ایرانیوں نے دریا کو عبور کیا اور اپنی فوج کو تین صفوں میں مرتب کیا۔ ہاتھی ان کی ہر صف میں تھے۔ ادھر سیدنا مثنیٰ نے بھی اپنے لشکر کو نہایت ترتیب سے صف آرا کیا۔ فوج کے مختلف حصے کر کے بڑے بڑے نامور جانبازوں کی ماتحتی میں دیئے۔ جب لشکر آراستہ ہو چکا تو مثنیٰ اپنے سیماب صفت گھوڑے پر سوار ہوئے اور پوری فوج کا چکر لگایا۔ سپاہیوں کو ہدایات دیں، ان کی ہمتیں بڑھائیں اور ایک ایک علم کے پاس کھڑے ہو کر کہا: ''مجھے امید ہے کہ تم عرب کے دامن شرافت وشجاعت پر دھبہ نہ آنے دو گے بخدا! آج کے دن مجھے اپنے لیے بھی وہی چیز پسند ہے جو تم سب کے لیے پسند ہے۔''

یہ جنگ رمضان میں ہوئی اس لیے بعض مجاہد روزے سے تھے۔ سیدنا مثنیٰ شیبانی رضی اللہ عنہ نے انہیں روزہ افطار کرنے کے لیے کہا۔ چنانچہ انہوں نے روزہ افطار کر لیا۔ یکا یک مثنیٰ نے دشمن کی فوج میں ایک شور سنا۔ مثنیٰ نے اپنی فوج سے کہا: یہ بزدلانہ شور ہے۔ تم خاموش رہو۔ اگر بات کرو بھی تو سرگوشی کے انداز میں۔ تمام لشکر نہایت توجہ اور خاموشی سے مثنیٰ کی باتیں سن رہا تھا۔

اسلامی فوج کا یہ قاعدہ تھا کہ رئیس لشکر تین دفعہ ''اللہ اکبر'' کہتا تھا۔ پہلی تکبیر پر فوج ہتھیاروں سے آراستہ ہو جاتی، دوسری تکبیر پر ہتھیار تول لیتے اور تیسری تکبیر پر حملہ کر دیا جاتا۔ مسلمان یہ دیکھ کر ضبط نہ کر سکے اور کچھ لوگ حملہ کرنے کے لیے صف سے آگے نکل آئے۔ مثنیٰ نے غصہ میں آ کر کہا: ''خدا کے لیے اسلام کو رُسوا نہ کرو۔'' یہ سن کر وہ لوگ فوراً پیچھے ہٹ گئے۔ اب مثنیٰ نے تکبیریں کہیں۔ چوتھی تکبیر پر اسلامی فوجوں نے دشمن پر حملہ کر دیا۔

چند گھنٹوں تک گھمسان کا رَن پڑا اور ہر طرف خون ہی خون بہنے لگا۔ مثنیٰ نے جب

Marfat.com

دیکھا کہ لڑائی طویل ہوتی جارہی ہے تو عربوں کی فتح کا طریقہ سوچنے لگے۔ جس کی ایک ہی صورت انہیں یہ نظر آئی کہ ایرانی سپہ سالار پر حملہ کر کے اسے پیچھے دھکیل دیا جائے یا قتل کر دیا جائے۔ اس کے لیے انہوں نے عیسائی سرداروں انس بن ہلال نمری اور ابن مروی الفہر تغلبی کو بلا کر کہا: ''اگرچہ تم عیسائی ہو مگر عرب ضرور ہو۔ مجھے مہران پر حملہ کرتے دیکھو تو میرے ساتھ تم بھی حملہ کر دینا۔'' یہ کہہ کر مثنیٰ نے ان دونوں سرداروں کو لے کر حملہ کر دیا اور میمنہ توڑ کر قلب میں گھس گئے۔ ایرانیوں نے جو یہ دیکھا تو اپنے سردار کو بچانے دوڑے۔ دونوں میں خوب لڑائی ہوئی۔ اتنے میں یہ دیکھا گیا کہ مثنیٰ نے ایرانیوں کے میمنے اور میسرے دونوں پر بیک وقت حملہ کر دیا اور انہیں دریا تک دباتے چلے گئے۔ اس دوران میں مثنیٰ اپنے لشکر اور مجاہدین اسلام کو برابر یہ پیغام ارسال کرتے رہے کہ ''جانبازو! تم اللہ کی مدد کرو، اللہ تمہاری مدد کرے گا۔'' یہ پیغام مسلمانوں کی ہمتیں بڑھاتا، ان کے حوصلوں کو بلند رکھتا اور ان میں بہادری اور جواں مردی پیدا کرتا، اور وہ جوش و جذبہ کے ساتھ آگے بڑھ بڑھ کر دشمن پر کاری ضربیں لگاتے۔ مسلمان فوجوں کا حملہ اتنا شدید تھا کہ ایرانی اس کی تاب نہ لا سکے۔ چنانچہ وہ پل عبور کرنے کے ارادہ سے بھاگے۔ مثنیٰ نے ایرانیوں کو بھاگتے دیکھا تو ان سے پہلے پل پر جا کر راستہ روک لیا۔ اب ایرانیوں کے اوسان بالکل خطا ہو گئے اسی افراتفری کے عالم میں کچھ لوگ پل کی طرف بھاگے اور کچھ دریا میں کود گئے۔ اب مسلمان گھڑ سواروں نے انہیں اپنی تلواروں پر رکھ لیا اور کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ ایرانی اس قدر بدحواس ہو گئے کہ ایک ایک مسلمان نے کئی کئی ایرانیوں کو قتل کیا اور ایرانیوں کو ان کے خلاف ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہ رہی۔ چنانچہ ''بویب'' کے اس معرکہ کا نام ''یوم الاعشار'' پڑ گیا یعنی ایک ایک اسلامی سپاہی نے دس دس ایرانیوں کو قتل کیا تھا۔

مسلمان رات گئے تک بھاگتے ہوئے ایرانیوں کو قتل کرتے رہے۔ دوسرے روز بھی قتل و غارت کا یہی سلسلہ صبح سے شام تک جاری رہا۔ ایک لاکھ کے قریب ایرانی اس معرکہ میں کام آئے اور ''بویب'' کی اس جنگ میں جس قدر خوں ریزی ہوئی اس سے قبل کی جنگوں میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ ایرانیوں کی لاشیں میدان میں پڑے پڑے گل سڑ گئیں اور ان کی ہڈیاں ایک مدت تک دنیا کو افسانہ عبرت سنا کر کوفہ کی بنیادوں میں ہمیشہ کے لیے دفن ہو گئیں۔

اگرچہ لڑائی میں ایرانیوں کا بہت جانی نقصان ہوا۔ ان کے بڑے بڑے سردار موت کے گھاٹ اتر گئے، تاہم ان کا سپہ سالار مہران ثابت قدم تھا اور نہایت بہادری سے لڑ رہا تھا۔

Marfat.com

اتنے میں قبیلہ تغلب کے ایک نوجوان نے اس کا کام تمام کر دیا۔ مہران گھوڑے سے گرا تو نوجوان اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھا اور فخریہ لہجے میں پکارا: ''میں ہوں تغلب کا بہادر نوجوان اور رئیس عجم کا قاتل۔'' مہران کے قتل سے لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔

بویب کی اس شاندار فتح کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ مثنیٰ کی محبت اسلامی لشکر کے ایک ایک سپاہی کے دل کی گہرائی میں اتر چکی تھی۔ مثنیٰ کو لڑائی کے دوران یقین کی حرارت اور دل کی حرارت کے ساتھ غنیم کی صفوں میں گھستے دیکھ کر ان کے سپاہیوں کے جذبہ شجاعت نے بھی انگڑائی لی اور وہ بھی انتہائی بے جگری کے ساتھ دشمن پر ٹوٹ پڑے جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح و کامرانی سے مالا مال کیا۔ غرض کہ مثنیٰ کی فوج کے ایک ایک افسر اور ایک ایک سپاہی نے اس جنگ میں وہ وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے جو شجاعت اور سرفروشی کے باب میں فخر و ناز کی سیاہی سے لکھے گئے۔

جنگ ختم ہوئی۔ مثنیٰ اپنے بھائی مسعود اور انس بن ہلال کی لاشوں سے چمٹ گئے انہیں ان دونوں کی موت کا یکساں غم تھا۔ مذہب کا اختلاف ان کے حزن و ملال میں کمی کا باعث نہ بن سکا۔ بعد ازاں مسلمان شہداء کی نماز جنازہ پڑھی۔

بویب کی اس فتح کے بعد مثنیٰ نے فوجی افسروں اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ سواد عراق کو طے کرتے ہوئے مدائن کے بالمقابل ساباط پہنچ جائیں۔ ایرانی فوجیں مویشیوں کی طرح بے تحاشا ان کے آگے آگے بھاگے جا رہی تھیں۔ نہ کوئی شے ان کے قدم روکتی اور نہ ہی ان میں سے کسی کو ٹھہرنے کی جرأت ہوتی تھی۔ اب سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی طرح تمام عراق میں مثنیٰ کا طوطی بولنے لگا۔ مسلمان عراق کے مختلف حصوں میں پھیل گئے اور وہاں کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہونے لگے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو العملیات التعرضیہ الدفاعیہ، نہاد عباس: ص ۱۱۵، طبری: ۴/ ۲۸۷، ۲۸۹، الطریق الی المدائن: ص ۴۳۳۔۴۳۴، التاریخ الاسلامی: ۱۰/ ۳۵۲)

Marfat.com

جنگ قادسیہ

جنگ بویب میں مسلمانوں کو جو کامیابی اور کامرانی نصیب ہوئی، اس نے ایرانی فوج کے ہیڈکوارٹر کو ہلا کر رکھ دیا۔ ان کے دلوں پر مسلمانوں کی ایک دہشت طاری ہوگئی اور انہیں گمان ہوگیا کہ عرب ایک نہ ایک دن ان کے پایہ تخت میں داخل ہو کر ان کے قصر ابیض پر قابض ہو جائیں گے اور ان کے قلعے مسمار کر دیں گے۔ اور کسریٰ کی اولاد کو باج گزار بنالیں گے۔ اس ذلت سے بچنے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ ایرانی اپنا اندرونی خلفشار اور انتشار ختم کر کے اور باہم متحد ہو کر غازیان اسلام کے مقابلہ میں سیسہ پلائی دیوار کی طرح جم جائیں اور انہیں اپنے ملک سے نکال باہر کریں۔

رستم اور فیروزان نے بھی محسوس کیا کہ واقعی ہمارے انتشار و خلفشار کی وجہ سے ہمیں پے در پے شکستوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اور بویب کی شکست نے تو ہماری کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ چنانچہ ان دونوں نے پوران دُخت کے بجائے سلطنت کے اصلی وارث یزدگرد کو اس کے آبائی تخت پر بٹھایا۔ اس وقت بقول مؤرخین اس کی عمر ۲۱ سال تھی۔ اور اپنے تمام اختلافات کو ختم کر کے ایرانی اس کے گرد جمع ہو گئے۔ اور اپنی کھوئی ہوئی عظمت اور زائل شدہ وقار کی بازیابی کے لیے کوشش کرنے لگے۔ یزدگرد کی تخت نشینی سے سلطنت ایران میں نئے سرے سے جان آ گئی۔ انتظامی اور فوجی افسر جہاں جہاں جس کام پر تھے، پوری طرح مستعد ہو گئے۔ تمام چھاؤنیاں اور قلعے مستحکم کر دیئے گئے۔

سیدنا مثنیٰ کو اہل ایران کی ان جنگی تیاریوں اور ملکی پالیسیوں میں ان تبدیلیوں کی اطلاعات ملیں تو وہ کچھ پریشان ہوئے۔ انہیں یقین تھا کہ ایرانی افواج اگر اس طرف بڑھیں تو اہل عراق بغاوت کر دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا جس میں کمک،

Marfat.com

فوجی ضروریات کے علاوہ اس متوقع بغاوت کا بھی ذکر کیا۔ لیکن قبل اس کے کہ ان کا خط بارگاہ خلافت میں پہنچے، ایرانیوں کا لشکر تیار ہو گیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب مثنیٰ شیبانی رضی اللہ عنہ کے خط سے معلوم ہوا کہ ایرانیوں نے اپنے باہمی اختلافات دور کر کے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی زبردست تیاریاں شروع کر دی ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بخدا! میں شاہان عجم کو ملوک عرب سے ضرور ٹکراؤں گا۔'' چنانچہ آپ نے مثنیٰ کو فوری طور پر مطلع کیا کہ وہ عراق کی سرحدوں پر پہنچ کر ایران کے قریبی ساحل پر پھیل جائیں اور وہاں کے قریبی لوگوں سے مدد چاہیں۔'' اس کے ساتھ آپ نے خود بڑے ساز و سامان سے فوجی تیاریاں شروع کیں۔ ہر طرف نقیب اور خطباء دوڑائے کہ عرب کے شہروں میں جہاں کہیں بھی کوئی بہادر، صاحب تدبیر، خطیب، اہل الرائے ہو فوراً بارگاہ خلافت میں آئے۔ چونکہ زمانہ حج آ چکا تھا اس لیے خود تو حج پر تشریف لے گئے، لیکن حج سے فراغت سے قبل ہی ہر طرف قبائل عرب کا طوفان امنڈ آیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حج سے واپس تشریف لائے تو انہیں آدمیوں کا ایک جنگل نظر آیا۔ تاحد نگاہ آدمی ہی آدمی تھے۔ آپ اتنی بڑی تعداد میں مجاہدین کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور حکم دیا کہ لشکر کو نہایت ترتیب سے آراستہ کیا جائے۔ میں اس لشکر کی کمان خود کروں گا۔ چنانچہ ہراول پر سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، میمنہ پر سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، میسرہ پر سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بلا کر کاروبار خلافت سپرد کیا۔ اور خود مدینہ سے نکل کر جرف روانہ ہوئے۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب بھی مدینہ طیبہ سے باہر گئے، اپنی غیر حاضری میں اکثر دفعہ آپ نے اپنا نائب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ چنانچہ اب بھی آپ نے مدینہ میں اپنا قائم مقام سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بنایا۔

(ملاحظہ ہو طبری: ۳/۰۷، البدایہ والنہایہ: ۷/۳۵)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مدینہ سے نکلے اور صرار نامی ایک چشمے پر جو مدینہ طیبہ سے تین میل کے فاصلے پر تھا، قیام فرمایا۔ اب تک اکثریت کو یہ پتہ نہیں تھا کہ اس فوج کی قیادت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خود فرمائیں گے یا یہ خدمت کسی اور کے سپرد فرمائیں گے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لشکر کی قیادت کے لیے عوام کی رائے معلوم کی تو انہوں نے کہا کہ آپ خود اس لشکر کی قیادت فرمائیں۔ اہل الرائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یک زبان ہو کر رائے دی کہ امیر المومنین! اس لشکر کی قیادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی کو مرحمت فرمائیں اور خود مدینہ میں رہ کر کمک روانہ کرتے رہیں۔ اگر اللہ

Marfat.com

نے ہمیں فتح فرمادی تو فھو المقصود ورنہ دشمن کی سرکوبی کے لیے دوسرا لشکر روانہ کر دیا جائے گا۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اس رائے کی پرزور تائید کی اور کہا: ''آپ خود مدینہ میں قیام فرمایئے اور لشکر کو بھیج دیجیے۔ آپ دیکھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا آپ کے لشکروں سے کیا فیصلہ رہا۔ اگر خدانخواستہ شکست بھی ہوئی تو یہ شکست اس ہزیمت سے بہرحال کم ہوگی جو آپ کی قیادت میں پیش آئے گی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر آپ شہید ہو گئے یا شکست کھا گئے تو مسلمان پھر کبھی نہ تو تکبیر کہہ سکیں گے اور نہ ہی لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دے سکیں گے۔

اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عوام سے خطاب کیا اور فرمایا: ''میں تمہاری رائے پر عمل کرنا چاہتا تھا لیکن اہل الرائے حضرات اس سے متفق نہیں۔ اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خواص سے معلوم کیا کہ کس کو اس لشکر کی قیادت سونپی جائے۔ دفعۃً سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کہا کہ میں نے پالیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کون؟ جواب دیا: سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔ اس انتخاب کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پسند فرمایا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ ان دنوں نجد میں تھے اور وہیں سے انہوں نے تین ہزار مجاہد اس لشکر کے لیے ارسال کیے تھے۔

غرض کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ چار ہزار فوج لے کر جو اپنے بال بچوں کو بھی ساتھ لائے تھی، مدینہ سے عراق روانہ ہو گئے۔ ان کے جانے کے بعد چاروں طرف سے لوگ آ کر مدینہ میں جمع ہوتے رہے اور آپ انہیں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجتے رہے۔ اس لشکر کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ اس میں عرب کے بڑے بڑے نامور بہادر، شہ سوار، شاعر اور خطیب شامل تھے۔ جن میں عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ، طلیحہ بن خویلد اسدی رضی اللہ عنہ اور اشعث بن قیس کندی رضی اللہ عنہ جیسے زعمائے عرب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ۱۷۔۱۸ منزلیں طے کرنے کے بعد سیدنا سعد رضی اللہ عنہ ثعلبہ پہنچے اور یہاں قیام کیا۔ ثعلبہ کوفہ سے تین منزل پر ہے۔ یہاں ان کے لشکر کی تعداد بیس ہزار کے قریب تھی۔ بویب کی جنگ اور یزدگرد کی تخت نشینی کے بعد مثنیٰ کی فوج ذی قار میں سمٹ آئی تھی۔ یہ فوج تین ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی جس میں اردگرد کے قبائل کے پانچ ہزار افراد آ کر شامل ہو گئے تھے۔ اور جو افواج ہاشم بن عتبہ کی سرکردگی میں شام سے چلی تھیں ان کی تعداد آٹھ ہزار تھی۔ اس طرح قادسیہ کی جنگ میں فوج کی کل تعداد چھتیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ اور یہ عہد صدیقی سے لے کر اب تک سب سے بڑا لشکر تھا۔

ثعلبہ میں قیام کے بعد سیدنا سعد رضی اللہ عنہ شراف پہنچے تو شام سے آنے والی فوج کے سوا

Marfat.com

باقی تمام فوجیں پہنچ گئی تھیں۔ ذی قار سے جو فوج آئی اس میں مثنیٰ نہیں تھے۔ معرکہ جسر میں جو زخم انہیں آیا تھا وہ جان لیوا ثابت ہوا اور وہ بشیر بن خصاصیہ کو فوج پر کمانڈر مقرر کر کے خود اللہ کو پیارے ہو گئے۔ یہاں مثنیٰ شیبانی کے بھائی معنیٰ بھی اپنی بھاوج کو ساتھ لے کر پہنچ گئے۔ مثنیٰ نے جو ضروری مشورے دیے تھے، معنیٰ نے وہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے بیان کیے۔ اب یہاں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ قادسیہ جانے کی تیاریاں کرنے لگے۔

مثنیٰ ایک ایسے مسلمان تھے جن کا ایمان سچا اور بے کھوٹ تھا۔ اسی طرح وہ ایک ایسے مجاہد تھے جو نظم واطاعت کے مفہوم کو بخوبی سمجھتے تھے۔ فتح عراق کی بساط سب سے پہلے انہوں نے بچھائی۔ وہ ایک ایسے آزمودہ کار قائد تھے جنہوں نے مذہبی اختلافات کے باوجود عراق کے تمام عربی النسل قبائل کو اپنے ساتھ ملا کر بویب کی جنگ میں ایرانیوں پر وہ ضرب کاری لگائی تھی جسے ایرانی ہمیشہ سینکتے رہے اور پھر اس کے بعد انہیں فتح کا دیکھنا کبھی نصیب نہ ہوا بلکہ پوری سلطنت کسریٰ پاش پاش ہو کر رہ گئی۔

سلمیٰ (مثنیٰ کی بیوہ) اور معنیٰ دونوں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سیدنا مثنیٰ کی وصیت انہیں سنائی۔ مثنیٰ کی وصیت سن کر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی آنکھیں نم ناک ہو گئیں اور ان کا مدت کا غم تازہ ہو گیا۔ انہیں مثنیٰ کی کمی محسوس ہوئی کیونکہ اس قسم کا مدبر جرنیل فوج کے لیے انتہائی مفید ہوتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے مثنیٰ کی خدمت معنی کے سپرد فرما دی اور مثنیٰ کی بیوہ سلمیٰ سے نکاح کر لیا تاکہ اس کو وہی عظمت و بزرگی حاصل رہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اگرچہ مدینہ طیبہ میں تشریف فرما تھے لیکن عراقی فوج کی ایک ایک نقل و حرکت سے پوری طرح باخبر تھے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو ان کا یہ حکم تھا کہ انہیں ایک ایک موقعے کی اطلاع دی جائے اور اس کے متعلق ان کے احکام کا انتظار کیا جائے۔ چنانچہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ ایک ایک واقعہ کی اطلاع بارگاہ خلافت میں دیتے۔ شراف سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جو خط لکھا اس کے جواب میں امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے وہی ہدایات دیں جو سیدنا مثنیٰ نے اپنی وصیت میں دی تھیں۔ انہوں نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ فوراً قادسیہ چلے جائیں جو ایام جاہلیت میں ایران کا دروازہ تھا۔ اور یہ بھی ہدایت فرمائی کہ حدود عرب سے قریب تر رہ کر ایرانیوں کے تمام راستے بند کر دیئے جائیں۔ پھر لکھا کہ دشمن کی تعداد اور سامان جنگ کی کثرت سے مرعوب نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ ہدایات ارسال کیں۔

Marfat.com

ایک روز یہ ہوا کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مکتوب ملا جس کے تحت وہ شراف سے قادسیہ روانہ ہو گئے۔ قادسیہ روانہ ہونے والی فوج کے افسر بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی نے نامزد کیے۔ انہوں نے لشکر کو دہائیوں میں تقسیم کر دیا اور ہر دہائی پر ایک ''عریف'' مقرر کیا۔ علموں کا امیر ''سابقون اولون'' کو بنایا۔ اور مقدمۃ الجیش اور میمنہ میسرہ کی قیادت ان مردان کار کو عطا فرمائی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ داد شجاعت دے چکے تھے۔ طبری وغیرہ نے لکھا ہے کہ مقدمۃ الجیش پر زہرہ بن عبداللہ بن قتادہ رضی اللہ عنہ جو جاہلیت میں بحرین کے بادشاہ تھے۔ پھر اپنی قوم کے ساتھ مسلمان ہو گئے، یمینہ پر عبداللہ بن معتصم رضی اللہ عنہ (صحابی) میسرہ پر شرجیل بن السمط رضی اللہ عنہ، ساقہ پر عاصم بن عمرو تمیمی رضی اللہ عنہ، طلائع (گشت کی فوج) پر سواد بن مالک رضی اللہ عنہ، مجرد (بے قاعدہ فوج) پر سلمان بن ربیعہ الباہلی رضی اللہ عنہ، پیادہ پر جمال بن مالک الاسدی رضی اللہ عنہ، شتر سواروں پر عبداللہ بن ذی السمی، قاضی و خازن عبداللہ بن ربیع الباہلی رضی اللہ عنہ، رائد یعنی رسد وغیرہ کا بندوبست کرنے والا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، مترجم ہلال ہجری اور منشی یزید بن ابی سفیان کو مقرر کیا گیا۔ یہ لشکر اتنا بابرکت تھا کہ اس میں چودہ سو وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں نبرد آزما ہونے کا شرف حاصل ہو چکا تھا۔ ستر سے کچھ اوپر اصحاب بدر تھے، تین سے اوپر بیعت رضوان میں حاضر ہونے والے صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔ تین سو فتح مکہ کے مجاہدین تھے، اور سات سو تابعین یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اولاد۔ اس مبارک لشکر کو لے کر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نہایت وقار و جلال اور عظمت و شان کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اور عذیب کے مقام پر قیام کیا۔ عذیب ایرانیوں کی ایک فوجی چوکی تھی جس کی بلند دیواروں پر مضبوط بُرجیاں بنی ہوئی تھیں۔ چوکی کی ایک بُرجی میں ایک آدمی بیٹھا ہوا دکھائی دیا۔ مسلمانوں نے اس پر حملہ کرنا چاہا تو وہ بھاگ گیا۔ چوکی کے اندر جا کر دیکھا کہ تمام برجیاں خالی تھیں۔ یہ شخص دراصل جاسوس تھا جو مسلمانوں کے لشکر کی تعداد اور ساز و سامان معلوم کرنے کے لیے آیا تھا۔ کچھ لوگوں نے اسے پکڑنے کے لیے اس کا تعاقب کیا لیکن وہ بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ عذیب کا پورا علاقہ خالی پڑا ہے۔ آپ نے اس مقام کی قلعہ بندی کی اور اس کے بعد قادسیہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے قلعہ قدلیس میں قیام فرمایا جب کہ زہرہ بن حویہ نے قطرۃ العتیق کے سامنے پڑاؤ ڈالا۔ فوج کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے مختلف مقامات پر مامور کر دیا گیا اور فوج کے لیے مال مویشی اور کھانے پینے کا سامان فراہم

Marfat.com

کرنے کے لیے ادھر ادھر دستے روانہ کر دیئے۔ طبری اور دوسرے مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیدنا عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ ایک دستہ لے کر ''مسیان'' گئے۔ مسیان کے لوگ اس دستہ کو دیکھ کر اطراف کی گڑھیوں اور قلعوں میں گھس گئے، لیکن ایک شخص سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آ گیا۔ آپ نے اس سے پوچھا: ''بتاؤ، بکریاں اور گائیں کہاں ہیں؟'' لیکن اس نے چرواہا ہونے کے باوجود لاعلمی کا اظہار کیا۔ گویا کہ اس نے جھوٹ بولا۔ اس پر ایک بیل چلا کر بولا۔ ''بخدا! یہ شخص جھوٹ بولتا ہے ہم یہاں ہیں'' یہ آواز سن کر سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ اندر گھس گئے اور تمام بیلوں کو ہانک لائے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ حجاج بن یوسف ثقفی نے اپنے زمانے میں اس روایت کی صحت سے انکار کیا اور جو لوگ اس واقعہ میں شریک تھے، ان سے اس بارے میں حلف لیا۔ ان لوگوں نے قسم کھا کر اس واقعہ کو درست قرار دیا۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے قادسیہ میں ایک ہفتے تک قیام فرمایا۔ اس دوران میں ان کی فوج نے بڑے اطمینان اور فراغت سے دن گزارے کیونکہ قادسیہ نہایت شاداب، سرسبز اور نہروں اور پلوں کی وجہ سے نہایت محفوظ مقام تھا۔

ساسانی حکومت کا پایہ تخت قدیم زمانے سے اصطخر تھا لیکن نوشیروان نے مدائن کو اپنا پایہ تخت بنایا تھا۔ اور اس وقت سے یہی پایہ تخت چلا آ رہا تھا۔ مدائن سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی فرودگاہ سے ۳۰۔۴۰ میل دور تھا۔ اس وجہ سے وہاں کی تمام خبریں آپ کو ملتی رہتی تھیں۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے یہاں سے بارگاہ خلافت میں جو خط بھیجا اس میں یہ تو لکھا کہ ایرانی ایک بہت بڑا لشکر تیار کر رہے ہیں لیکن اس لشکر کا کمانڈر کون ہو گا یہ ابھی تک طے نہیں ہوا تھا۔ یزدگرد نے جب دیکھا کہ مسلمان فوجیں قادسیہ میں جمع ہو گئی ہیں اور انہیں یہاں ڈیرے ڈالے ایک ماہ سے زائد عرصہ ہو گیا ہے تو اس نے سلطنت کے وزیر دفاع رستم بن فرخ زاد کو پیغام بھجوایا۔ ''آج تم ایران کے سب سے بڑے سورما ہو، میں چاہتا ہوں کہ عربوں کے مقابلہ کے لیے تمہیں اس لشکر کا کمانڈر مقرر کروں۔'' رستم یہ پیغام سن کر چونکا اور اس نے جواب دیا: ''بہتر یہ ہے کہ آپ مجھے مدائن ہی میں رہنے دیں'' کیونکہ رستم مسلمانوں کے مقابلہ سے جی چرا رہا تھا۔ یزدگرد نے رستم کو دوبارہ لکھا اور رستم نے اپنی پہلی بات دہراتے ہوئے جواب دیا: ''بخدا! میں آپ کی ذات اور آپ کے ملک کی بقا کا طلب گار ہوں، خدارا مجھے یہیں رہنے دیں اور میرے بجائے جالینوس کو روانہ کر دیجیے۔ وہ بھی ایک بہت بڑا بہادر کمانڈر ہے اور جنگ کے نشیب و فراز سے بخوبی واقف

Marfat.com

ہے۔ اس نے اگر کامیابی حاصل کر لی تو بہت اچھا ہوگا ورنہ ہم کسی اور کو بھیج دیں گے اور اسی طرح رفتہ رفتہ مسلمانوں کی قوت توڑ دیں گے۔ میں اسی وقت تک اہل ایران کی امیدوں کا مرکز ہوں جب تک میں شکست نہ کھاؤں گا۔ یزدگرد رستم کے اس جواب سے کچھ پریشان ہوا۔ اس نے فوری طور پر رستم کو لکھا کہ تم میرا یہ پیغام ملتے ہی ساباط روانہ ہو جاؤ، اور اب تمہارا کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔ مجبوراً رستم کو ساباط جانا پڑا اور فوج کی کمان سنبھالنی پڑی۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو جب رستم کی روانگی کا علم ہوا تو انہوں نے امیر المؤمنین کو لکھا کہ یزدگرد نے جنگ کی تمام ذمہ داریاں رستم کو سونپ دی ہیں۔ امیر المؤمنین نے اس کے جواب میں لکھا: ''دشمن کی تیاریوں سے بالکل پریشان اور خوف زدہ نہ ہونا۔ اللہ سے مدد طلب کرنا اور اسی پر توکل کرنا۔ تم ان کے پاس دعوت اسلام دینے کے لیے ایسے لوگوں کو بھیجو جو وجیہ، عقل مند اور بہادر ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس دعوت کو دشمن کی ذلت اور ہماری کامیابی کا ذریعہ بنائے گا۔ اور مجھے روزانہ خط لکھتے رہنا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خط میں یزدگرد کے پاس سفارت کے لیے لکھا تھا۔ اس حکم کی تعمیل کے لیے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے عرب کے عقل مند اور بہادر سیاست دانوں کا ایک وفد یزدگرد کے پاس بھیجا۔ یہ وفد سیدنا نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ، سیدنا فرات بن حیان رضی اللہ عنہ، سیدنا اشعث بن قیس کندی رضی اللہ عنہ، سیدنا عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ، سیدنا معنیٰ بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر مشتمل تھا۔ وفد جب مدائن پہنچا تو وہاں کے لوگوں نے ان کے چہروں، لباس، ان کے کندھوں پر پڑی ہوئی چادروں اور دبلے پتلے گھوڑوں کی ٹاپوں سے اڑتی ہوئی خاک کو دیکھ کر کہا: ''یہ لوگ کس برتے پر ہم سے لڑنے کے لیے آ گئے ہیں؟'' وفد جب یزدگرد کے دربار میں پہنچا تو اس نے نہایت نخوت اور تکبر کے لہجے میں اس سے سوال کیا: ''تم لوگ ہمارے ملک میں کیوں آئے ہو؟'' اس سوال کے جواب میں سیدنا نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ نے پہلے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد بعثت اور اسلام کی دعوت کو بیان کیا اور کہا کہ ''اگر تمہیں اس دعوت سے انکار ہے تو جزیہ قبول کرو ورنہ تلوار ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔'' یزدگرد کو یہ بات بہت ناگوار گزری۔ اس نے کہا:

''میں نے دنیا میں تم سے زیادہ بدبخت، تم سے زیادہ کم سواد اور تم سے زیادہ خستہ حال اور کوئی قوم نہیں دیکھی۔ اس سے قبل جب کبھی تم لوگ سرکشی کرتے تھے تو ہم

Marfat.com

سرحدی بستیوں کے لوگوں سے کہہ دیتے تھے کہ تمہاری گوش مالی کر دیں۔ ایرانیوں نے کبھی تمہیں اس قابل نہیں سمجھا کہ تم پر چڑھائی کریں۔ تم لوگ کبھی بھی ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے، لہٰذا تمہیں ہم سے اکڑنا نہیں چاہیے۔ اگر افلاس اور قحط سالی نے تمہیں یہاں آنے پر مجبور کیا ہے تو ہم تمہارے کھانے پینے کا اس وقت تک انتظام کر دیتے ہیں جب تک تمہارے ہاں کچھ پیدا ہو۔ ہم تمہارے سرداروں کی عزت کریں گے۔ تم کو لباس پہنچائیں گے اور تم پر ایسے شخص کو بادشاہ مقرر کر دیں گے جو تمہارے ساتھ لطف و کرم سے پیش آئے۔''

وفد نہایت سکون کے ساتھ یزدگرد کی یہ نخوت و پندار سے بھری باتیں سنتا رہا۔ اور کچھ نہ بولا۔ لیکن سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ برداشت نہ کر سکے۔ انہوں نے اٹھ کر یزدگرد کو مخاطب کر کے کہا:

''اے بادشاہ! یہ لوگ کوئی معمولی لوگ نہیں ہیں۔ یہ عرب کے سردار اور وہاں کے معزز لوگ ہیں۔ اشراف ہیں اور اشراف سے شرماتے ہیں۔ اشراف کی عزت اور اس کے حقوق کی پاسداری اشراف ہی کرتے ہیں۔ انہوں نے تم سے سب باتیں نہیں کہی ہیں۔ اور نہ ہی تمہاری سب باتوں کا جواب دیا ہے۔ تم نے ہماری خستہ حالی کا تذکرہ کیا ہے۔ بے شک ہم ایسے ہی ہیں بلکہ اس سے زیادہ خستہ حال تھے۔''...... ''اب تم چاہے جزیہ پسند کر لو یا پھر اسلام قبول کر کے اپنے آپ کو بچا لو۔''

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ بات سن کر یزدگرد آپے سے باہر ہو گیا۔ اور انتہائی غضب ناک لہجے میں کہا: ''اگر قاصدوں کا قتل بین الاقوامی قوانین کے خلاف نہ ہوتا تو میں تمہاری گردنیں اڑا دیتا۔ جاؤ، تمہارے لیے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔''

اس کے بعد اس نے مٹی کا بھرا ہوا ایک ٹوکرا لانے کا حکم دیا اور کہا: ''ان میں جو سب سے زیادہ معزز ہو یہ ٹوکرا اس کے سر پر لاد کر اسے ہانکتے ہانکتے مدائن سے باہر نکال دو۔'' پھر وفد سے مخاطب ہو کر بولا: ''جاؤ، اپنے سردار سے جا کر کہہ دو کہ میں تمہاری سرکوبی کے لیے رستم بن فرخ زاد کو بھیج رہا ہوں۔ وہ تمہیں قادسیہ کی خندق میں دفن کر دے گا۔''

وفد کے ارکان جن کے دلوں میں سوائے اللہ کے اور کسی کا خوف نہ تھا، یزدگرد کی بات سے بالکل مرعوب نہ ہوئے۔ بلکہ سیدنا عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر مٹی کا وہ ٹوکرا

Marfat.com

اپنے کندھے پر رکھتے ہوئے کہا: ''بادشاہ میں ان میں سب سے زیادہ معزز ہوں میں ان سب کا سردار ہوں'' اور مٹی کا ٹوکرا اٹھائے ایوان کسریٰ سے باہر نکل گئے اور پھر اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر قادسیہ پہنچ گئے۔ یہ وفد جب سیدنا سعد سے قلعہ ذریک میں ملا اور سیدنا عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے ان سے مٹی کے ٹوکرے کا یہ واقعہ بیان کر کے کہا: ''انہوں نے اپنی زمین خود ہمیں دے دی ہے'' پھر بولے: ''مبارک ہو، بخدا! ان کے ملک کی کنجیاں اللہ نے ہمیں عطا فرما دی ہیں۔''

بعض روایات میں ہے کہ اس وفد کے جانے کے بعد یزدگرد نے مشیران خاص کے ساتھ رستم کو ساباط سے طلب کیا اور مسلمانوں کے وفد کے ساتھ اس کی جو گفتگو ہوئی تھی، اس کو بتائی اور کہا کہ ''مسلمانوں کے معزز ترین آدمی نے مٹی کا ٹوکرا اٹھا کر بڑی حماقت کا ثبوت دیا حالانکہ وہ اسے دوسرے کے سر پر بھی لاد سکتا تھا'' یہ سن کر رستم نے جواب دیا: ''بادشاہ! نہ تو وہ احمق تھا اور نہ ہی ان کا معزز ترین آدمی تھا۔ اس نے جو کچھ کیا اپنی قوم کے ایثار کے طور پر کیا۔'' یزدگرد سے یہ باتیں سن کر رستم حواس باختہ ہو گیا اور وہ بادشاہ کے پاس سے انتہائی غم وغصہ کی حالت میں نکلا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ نجومی تھا اور ستاروں کی چال سے اس نے پتہ چلا لیا تھا کہ جو لوگ مدائن کی مٹی لے کر گئے ہیں وہ دراصل ایران کی سرزمین لے کر گئے ہیں۔ چنانچہ اس ہلاکت آفرین انجام سے بچنے کے لیے اس نے ایک آدمی کو ان لوگوں کے پیچھے دوڑایا اور کہا کہ اگر وہ مٹی مل جائے تو ان سے واپس لے آنا کہ اس سے آئی بلا ٹل جائے گی اور اگر وہ اس کو لے کر اپنے امیر کے پاس پہنچ گئے تو پھر وہ ہماری زمین پر غالب آ جائیں گے۔ اور جب وہ شخص اسلامی وفد کو نہ پا سکا تو رستم کی پریشانی میں اضافہ ہو گیا اور اس نے یزدگرد کی حماقت اور جہالت پر اسے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود جب بادشاہ نے اسے مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کا حکم دیا تو وہ سرتابی نہ کر سکا۔

غرض کہ رستم ساباط سے روانہ ہوا۔ پہلے اس نے جالینوس کو چالیس ہزار فوج کے ساتھ بھیجا۔ اس کے بعد ساٹھ ہزار فوج لے کر خود روانہ ہوا۔ میمنہ پر ہرمزان تھا اور میسرہ پر مہران بن بہرام رازی۔ پھر اس نے اپنے بھائی بندوان کو لکھا: ''ہر قسم کے اسلحہ سے لیس ہو جاؤ اور کسی طرح کی سہل انگاری سے کام نہ لو۔ یوں سمجھو کہ عرب تمہیں اور تمہاری اولاد کو ملک سے جلا وطن کر رہے ہیں۔ میرے خیال میں جب تک ان کی سعادت شقاوت اور بدبختی میں نہ بدل

Marfat.com

جائے ہمیں ان کا مقابلہ کرتے رہنا چاہیے۔'' پھر وہ اپنے علم نجوم کے حساب سے جو کچھ جانتا تھا، اس کی روشنی میں اس نے اپنے خط کو اس فقرے پر ختم کیا: ''مجھے یقین ہے کہ یہ قوم ہم پر غالب اور ہمارے ملک پر قابض ہو کر رہے گی۔'' اس کے باوجود اس نے اپنا سفر جاری رکھا۔ گویا تقدیر اسے ہلاکت کے گہرے غار میں دھکیل رہی تھی۔

رستم کی فوجیں جس روز ساباط سے چلیں، سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ہر طرف جاسوس پھیلا دیئے کہ لحہ بہ لحہ کی خبریں پہنچتی رہیں۔ فوج کا رنگ ڈھنگ، لشکر کی ترتیب، اس کے علاوہ تارے کا رخ اور دوسری کئی ایک باتیں معلوم کرنے کے لیے مختلف فوجی افسروں کو متعین فرمایا۔ ان افسروں کے ساتھ کبھی کبھی دشمن کی مڈبھیڑ بھی ہو جاتی۔

رستم اس شان سے ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر لے کر قادسیہ پہنچا کہ ۳۳ ہاتھی فوج کے آگے آگے چل رہے تھے جن کے وسط میں ایک سفید ہاتھی تھا جس کا نام شاپور تھا۔ وہ تمام ہاتھیوں کا سردار تھا۔ باقی کے تمام ہاتھی اس کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔ اس کو ایک خاص قسم کی ٹریننگ دی گئی تھی۔ لیکن اتنے بڑے لشکر اور اتنے ہاتھیوں کے باوجود رستم کے دل پر مسلمانوں کی ہیبت طاری تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ میری مڈبھیڑ ہو۔ اس کی خواہش یہی تھی کہ عرب بغیر لڑے اس ملک سے واپس چلے جائیں۔ اسی وجہ سے اس نے مدائن سے قادسیہ تک پہنچنے میں چار ماہ لگا دیئے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اسے شکست ہو گئی تو عربوں کے لیے مدائن ہی نہیں بلکہ پورے ایران کے دروازے کھل جائیں گے۔ اور ایران کی پوری سرزمین مسلمانوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال ہو کر رہ جائے گی اور ساسانی خاندان کے کسی فرد کو ایران کے کسی کونہ میں جائے پناہ نہیں مل سکے گی۔ وہ ایک ایسا بہادر تھا جس کی مثال ایران میں نہیں ملتی تھی، لیکن ستاروں کی پیشگوئی نے اس سورما کے حواس گم کر دیئے تھے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں اتمام الوفا فی سیرۃ الخلفاء: ص ۷۰-۸۰، طبری: ۴/۳۰۶، التاریخ الاسلامی: ۱۰/۳۶۲، ۳۶۶، القادسیہ، احمد عادل کمال: ص ۲۹، الفاروق عمر بن الخطاب، محمد رشید رضا: ۱۱۹، البدایہ والنہایہ: ۷/۳۸، ابن اثیر: ۲/۱۰۱، القادسیہ، احمد عادل کمال: ص ۷۰، الدعوۃ الاسلامیہ فی عہد عمر بن الخطاب: ص ۲۴۰)

Marfat.com

رُستم میدانِ جنگ میں

رُستم میدان جنگ میں سیدنا سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنی لاکھوں کی فوج کے ساتھ خیمہ زن تھا لیکن وہ لڑنے سے جی چراتا تھا، لہٰذا اس نے ایک دفعہ صلح کی کوشش کی۔ اس نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا کہ کوئی معتمد اور معتبر شخص سفیر بن کر میرے پاس آئے۔ شاید کوئی صلح کی صورت پیدا ہو جائے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپس میں یہ خون ریزی ہو۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے اتمام حجت کے لیے سیدنا ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کو اس کے پاس سفیر بنا کر بھیجا۔ وہ کچھ عجیب وغریب ہیئت سے گئے۔ عرق گیر کی زرہ بنائی اور اسی کا ٹکڑا سر سے لپیٹ لیا۔ کمر میں رسی کا پٹکا باندھا اور تلوار کی میان پر چیتھڑے لپیٹ لیے۔ اس ہیئت کذائی کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے۔ دوسری طرف ایرانیوں نے مسلمان سفیر کو متاثر کرنے کے لیے بڑے سازو سامان سے دربار سجایا۔ دیبا کا فرش، زریں گاؤ تکیے، پرنیاں وحریر کے پردے، درمیان میں مرصع تخت جس پر رستم بیٹھا ہوا تھا۔ سیدنا ربعی رضی اللہ عنہ فرش کے قریب آ کر گھوڑے سے اترے اور گاؤ تکیے کے ساتھ گھوڑے کے رسے کو باندھ دیا۔ رستم کے درباری اگرچہ کچھ نہ بولے لیکن دستور کے مطابق چاہا کہ ان کے ہتھیار رکھوا لیں۔ انہوں نے فرمایا: ''میں تمہارا بلایا ہوا آیا ہوں، تم کو اگر میرا اس طرح آنا منظور نہیں تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔ درباریوں نے رستم سے کہا کہ سفیر ہتھیار ساتھ لانا چاہتا ہے، اس نے اجازت دے دی۔ یہ نہایت بے پروائی کے انداز میں آہستہ آہستہ تخت کی طرف بڑھے لیکن نیزہ جس سے عصا کا کام لیا تھا اس کی انی کو اس طرح ان کے بچھائے ہوئے قالینوں پر مارتے جاتے کہ یہ پرتکلف دیبا کے فرش اور قالین جو بچھے ہوئے تھے جابجا سے کٹ کر بے کار ہو گئے۔ تخت کے قریب جا کر زمین پر نیزہ اس زور سے مارا جو فرش کے آر پار ہو گیا۔ اور خود رستم کے ساتھ اس تخت پر جا کر بیٹھ گئے جس پر رستم بیٹھا ہوا تھا۔

Marfat.com

رستم نے پوچھا: ''اس ملک میں کیوں آئے ہو؟'' انہوں نے جواب دیا: ''اس لیے تا کہ بندوں کو بندوں کی عبادت سے ہٹا کر خالق کی عبادت میں لگا دیں'' رستم نے کہا: ''میں ارکان سلطنت سے مشورہ کر کے جواب دوں گا۔ درباری بار بار ربعی رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر اس کے ہتھیار دیکھتے تھے اور کہتے تھے: ''اسی سامان حرب وضرب پر ایران کی عظیم سلطنت کو فتح کرنے کا ارادہ ہے؟'' لیکن جب ربعی رضی اللہ عنہ نے تلوار میان سے نکالی تو آنکھوں میں بجلی کوند گئی اور جب اس کی کاٹ کی آزمائش کے لیے ڈھالیں پیش کی گئیں تو سیدنا ربعی رضی اللہ عنہ نے ایک ہی وار کیا تو ڈھال کے پرخچے اڑ گئے۔ درباری حیران ہو کر سیدنا ربعی رضی اللہ عنہ کو دیکھنے لگے۔ آپ نے فرمایا: ''مجھے کیوں دیکھتے ہو، تلوار کی کاٹ کو دیکھو'' ع

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ

لیکن ہم سامان حرب وضرب کے بھروسے پر نہیں لڑتے بلکہ رب کائنات کے بھروسہ پر لڑتے ہیں۔ ربعی رضی اللہ عنہ اس وقت واپس چلے آئے کیونکہ رستم نے ارکان سلطنت سے مشورہ کر کے جواب دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رہا۔

ربعی رضی اللہ عنہ جاتے ہوئے سوچنے کے لیے تین روز کی مہلت دے گئے۔ ربعی کے بعد سیدنا حذیفہ بن محصن رضی اللہ عنہ گئے۔ یہ تو گھوڑے سے بھی نہ اترے اور گھوڑے کو رستم کے تخت تک لے گئے اور گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے ہی رستم سے بات کر کے واپس چلے آئے۔

آخر رستم کی طرف سے ایک بار پھر اس خواہش کا اظہار کیا گیا کہ بات چیت کے لیے کوئی سفیر بھیجا جائے۔ اب کی بار سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ گئے جو اس سے قبل یزدگرد کے دربار میں بھی گئے تھے۔ اب کی بار رستم نے خوب دربار سجایا تا کہ مسلمانوں کا سفیر اس کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جائے۔ چنانچہ حکم کی تعمیل میں دربار سجایا گیا۔ دیبا اور سنجاب کا فرش بچھایا گیا۔ خدام اور چوبدار سلیقے سے دو رویہ پرے جما کر کھڑے ہوئے۔ ایک طرف سوار ہی سوار بلکہ شہ سوار تھے جن کے رگ اور پٹھے نہایت سنگین تھے۔ جسم مرمریں اور چٹان کی طرح مضبوط۔ زرکار پردے، زربفتی تکیے، مور پنکھی جھالریں سب سامان خیرہ کن تھے۔ رستم سپہ سالار ہی نہیں سلطنت کا امیر الامراء بھی تھا۔

سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ یہ سب کچھ دیکھ کر ذرہ برابر بھی مرعوب نہ ہوئے۔ اور سیدھے رستم کے تخت پر جا کر اس کے ساتھ بیٹھ گئے۔ ایرانیوں نے اپنی زندگی میں پہلی دفعہ یہ دیکھا تھا کہ

Marfat.com

کوئی سفیر رستم کے برابر آ کر بیٹھے لہٰذا ان کا خون کھول گیا۔ ان کا دل چاہا کہ اٹھ کر مغیرہ رضی اللہ عنہ کا سر قلم کر دیں لیکن مجبور تھے۔ آخر ایک چوبدار آگے بڑھا اور سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں تخت سے اتار دیا۔ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے افسرانِ دربار کو مخاطب کر کے کہا: ''اصرار کر کے بلاتے ہو اور پھر مہمان سے یہ سلوک بھی کرتے ہو۔ تمہاری طرح ہم لوگوں میں طریقہ نہیں کہ ایک شخص خدا بن بیٹھے اور دوسرے اس کے سامنے گردن جھکائے بیٹھے رہیں۔ ہم مساوات کے قائل ہیں۔ ہم میں امیر و غریب کا کوئی امتیاز نہیں۔'' مترجم جس کا نام عبود تھا اور وہ حیرہ کا باشندہ تھا، جب اس نے ان جملوں کا ترجمہ کیا تو سارا دربار متاثر ہوا بلکہ بعض لوگوں نے کہا کہ یہ ہماری غلطی تھی جو ایسی قوم کو ذلیل اور کم تر سمجھتے تھے۔

رستم بھی شرمندہ اور نادم ہوا اور اس نے اپنی ندامت مٹانے کے لیے کہا کہ میں نے ایسا کرنے کے لیے نہیں کہا، یہ چوبداروں کی غلطی ہے۔ پھر سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ پاس بیٹھے تو رستم نے ان کا ترکش دیکھا۔ اس میں سے دو تین تیر نکالے۔ تھوڑی دیر تک انہیں الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ پھر بڑی طنز آمیز اور زہر بھری مسکراہٹ کے ساتھ کہا: ''ان تکلوں سے کیا بنے گا؟'' سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے فوری جواب دیا: ''آگ کم ہو یا زیادہ، جلانا خوب جانتی ہے!'' اب رستم نے سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کی تلوار کی طرف اشارہ کر کے کہا: ''یہ تمہاری نیام ایسی ہے؟ اور تم نے اس پر یہ چیتھڑے کیا لپیٹ رکھے ہیں؟'' سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے ٹکا سا جواب دیا: ''نیام کیا دکھتے ہو یہ ہاتھ دیکھو جس میں یہ تلوار ہوگی۔'' رستم یہ جواب سن کر کھسیانا ہو گیا۔

رستم نے بات کا موضوع بدلتے ہوئے کہا: ''دیکھو ہمارا یہ جاہ و جلال! اور یہ بھی دیکھو کہ ہماری سلطنت کس قدر مالا مال ہے۔ اب میں تمہارے بھلے کی بات کہتا ہوں کہ ہم سے ٹکرانے کا خیال ذہن سے نکال دو اور کچھ لے لوا کر ہماری زمین سے نکل جاؤ۔ ہم تمہاری ہر حرکت کو معاف کر دیں گے بلکہ اچھا خاصا انعام و اکرام دے کر تمہیں رخصت کریں گے۔''

رستم کی یہ بات سن کر سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''ہمیں کچھ نہیں چاہیے۔ تم اسلام لے آؤ تو ہم کتاب اللہ تمہارے حوالے کر کے چلے جاتے ہیں۔ جیسے ہم ویسے تم۔ ورنہ میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو اس سے قبل میں تمہارے بادشاہ سے کہہ چکا ہوں۔ اور وہ یہ ہے: جزیہ یا جنگ۔ یہ بات کہتے ہوئے سیدنا مغیرہ کا ہاتھ خود بخود تلوار کی طرف بڑھ گیا۔ یہ جملہ کہہ کر بھرے دربار میں رستم کی غیرت کو للکارا گیا تھا۔

Marfat.com

رستم غصے سے چلا رہا تھا اور سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نہایت بے پروائی سے اس کی باتوں پر مسکرا رہے تھے۔

مغیرہ تو اٹھ کر اپنے لشکر میں واپس چلے آئے اور ان کے واپس آنے سے صلح و آشتی کی تمام امیدوں کا خاتمہ ہو گیا۔

(ابن اثیر: ۲/۱۰۶، الفن العسکری الاسلامی: ص ۲۵۵، طبری: ۴/۳۵۶، التاریخ الاسلامی: ۱/۳۴۷)

جنگ کا آغاز:

رستم اب تک جنگ کو ٹالتا رہا۔ کیوں ٹالتا رہا؟ اس کی کئی وجوہات تھیں، لیکن اب بھرے دربار میں سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اس کی غیرت کو للکارا تھا۔ لہٰذا رستم مجبور ہو گیا کہ وہ نہر پار کر کے مسلمانوں سے نبرد آزما ہو۔ لیکن سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے نہر عتیق کا پل پار کرنے کی اجازت نہ دی۔ اب رستم نے حکم دیا کہ نہر کا ایک حصہ پاٹ دیا جائے چنانچہ راتوں رات نہر پاٹ دی گئی اور دوسری دوپہر ہوتے ہوئے ایرانی فوج نہر پار کر گئی۔

نہر پار کر کے رستم نے اپنی فوج آراستہ کی۔ قلب میں ہاتھی تھے۔ میمنہ اور میسرہ پر ہتھیاروں سے بھرے ہوئے صندوق اور مسلح سپاہی۔ باقی فوج کو پیچھے رکھا گیا۔ رستم خود ایک زرنگار تخت پر بیٹھا جس پر چتر سایہ کیے ہوئے تھا۔ اس نے دوہری زرہیں پہنی ہوئی تھیں۔ سر پر آہنی خود۔ پھر اسپ خاصہ طلب کیا اور سوار ہو کر جوش میں کہا: ''عرب کو چکنا چور کر دوں گا۔'' کسی سپاہی نے کہا: ''ہاں اگر خدا نے چاہا' کہنے لگا: ''خدا نے نہ چاہا تب بھی۔''

دونوں لشکر بالکل تیار بالمقابل کھڑے ہو کر جنگ شروع ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ دونوں فریق اچھی طرح جانتے تھے کہ اس فیصلہ کن معرکہ کا انجام دو ہی صورتوں میں ظاہر ہو گا۔ اگر شکست ایرانیوں کو ہوئی تو عربوں کے لیے مدائن کے دروازے کھل جائیں گے اور اگر ہزیمت عربوں کا مقدر ہوئی تو انہیں جزیرہ نما عرب کے ریگستان میں پسپا ہونا پڑے گا اور یہ بات خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ وہ پھر عراق آ بھی سکیں گے یا نہیں۔

اب ایک طرف ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر جرار جو مرنے مارنے کا عزم لے کر گھر سے نکلا تھا اور ہر قسم کے آلاتِ حرب و ضرب سے لیس، تمام وسائل سے مطمئن اور بے فکر، رستم

Marfat.com

جیسا جرنیل ان کی پشت پر اور یزدگرد کسریٰ ایران کے انعام واکرام ان کی راہ دیکھ رہے تھے۔ دوسری طرف مسلمان تھے، کل تیس ہزار مجاہد، وطن سے دور، کچھ ساز وسامان تھا۔ وہ اللہ کے دین کی دعوت کے لیے اتنی دور آئے تھے، لہٰذا نصرتِ خداوندی پر پورا پورا یقین اور اعتماد۔ لیکن ایک بات کی انہیں فکر تھی۔ وہ یہ کہ سپہ سالارِ لشکر سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سخت بیمار تھے۔ انہیں عرق النسا کا درد لاحق ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ دو قدم بھی نہ چل سکتے تھے۔ لیکن اللہ کے سپاہی ان ساری باتوں سے بے نیاز تھے۔ انہوں نے خالد بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا کیونکہ خود فوج کے ساتھ شریک جنگ نہ ہو سکتے تھے۔ قادسیہ میں ایک نہایت قدیم شاہی محل تھا جو عین میدان کے کنارے پر واقع تھا۔ وہ اس محل کے بالا خانے میں میدان کی طرف رخ کر کے تکیہ کے سہارے بیٹھ گئے اور پرچوں کے ذریعہ اپنے نائب سیدنا خالد بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو پیغام بھجواتے۔ خالد رضی اللہ عنہ انہی ہدایتوں کے مطابق موقع بموقع لڑائی کا اسلوب بدلتے رہتے۔

امیر لشکر کا یہ پیغام سن کر سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ، سیدنا طلیحہ بن خویلد رضی اللہ عنہ، سیدنا عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ، سیدنا ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ، سیدنا قیس بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ہذیل اسعدی رضی اللہ عنہ چند ایک ساتھیوں کے ساتھ اسلامی لشکر میں گشت کر کے واپس آئے۔ بڑھاوے دیتے، نعرے لگاتے اور رجز پڑھتے وہ پورے لشکر میں گھومے۔ ان کی زبانوں سے نکلا ہوا ایک ایک حرف ہمت کے منارے بلند کرتا گیا۔ اب قاریوں کو کہا گیا کہ وہ میدان میں نکل کر سورۃ جہاد کی تلاوت کریں۔ چنانچہ تلاوت ہوئی۔ میدان جنگ، دشمن کی افواج سامنے، خدا کا کلام، خوش الحان قاری، اس کی تاثیر سے اللہ والوں کے دل ایسے گداز ہوئے کہ اپنے مقصد کے سوا اور کوئی بات یاد ہی نہ رہی۔ اور وہ بات تھی اللہ کی راہ میں جان دینا۔

جب دونوں طرف پوری پوری تیاریاں ہو گئیں تو اب دونوں لشکر اشارے کے منتظر کھڑے تھے۔ مسلمان جنت کی آسائشوں اور دنیا کی نعمتوں کی امید میں دادِ شجاعت دینے کے لیے بے چین تھے اور ایرانی اپنے وطن اور کسریٰ کی سلطنت اور عظمت کو اجنبی اقتدار سے بچانے کے لیے بے قرار تھے۔ اب طبل جنگ پر چوٹ پڑی تو دونوں طرف آتش فشاں پھٹ پڑا۔

دونوں لشکر گتھم گتھا ہو گئے۔ سیدنا عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ لشکر کو بڑھاوا دیتے اور رجز پڑھتے پھر رہے تھے کہ ایک ایرانی تیرانداز کمان لیے آگے بڑھا۔ کہتے ہیں کہ اس کا کوئی تیر خالی نہیں جاتا تھا۔ اس نے ایک تیر مارا جو ان کی زرہ میں آ کر لگا۔ سیدنا عمرو بن

Marfat.com

معدی کرب غصے سے جھنجھلا گئے۔ پلٹ کر شیر کی طرح اس پر حملہ کیا اور زریں کمر بند میں ہاتھ ڈال کر زمین پر دے پٹکا۔ پھر تلوار اس کے حلقوم پر رکھی اور اسے ذبح کر دیا۔ پھر للکار کر کہا ع

یوں لڑا کرتے ہیں شیرانِ خدا

اور مقتول کے ہاتھوں کے کڑے اور ڈھال اور قیمتی قبا اتار لائے۔

دورانِ جنگ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بالا خانے سے جنگ کا تمام منظر دیکھ رہے تھے۔ بنو بجیلہ اور بنو اسد پر ہاتھیوں کی یلغار دیکھ کر وہ سخت مضطرب ہوئے۔ انہیں اس بات کا صدمہ تھا کہ وہ اس قیامت خیز جنگ میں شرکت سے محروم ہیں۔

دن بیت گیا۔ سورج افق مغرب میں ڈوب گیا۔ رات آ گئی لیکن لڑائی جاری تھی۔ دشمن یلغار پر یلغار کرتا رہا لیکن مسلمان پہاڑ کی طرح جمے تھے۔ عجمی سپاہ کا سیلاب آ آ کر ان سے ٹکراتا رہا لیکن ان میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔ ایک پہر رات گزری تو دونوں لشکر پیچھے ہٹے۔ میدان خالی ہوا تو زخمی اور شہید میدان سے اٹھائے گئے۔ اور سپاہی اپنے ہتھیار اگلے روز کے لیے تیز اور صیقل کرنے لگے۔

(طبری: ۴/ ۳۵۹، التاریخ الاسلامی: ۱۰/ ۴۴۵، القادسیہ عادل کمال: ص ۱۳۹)

جنگ کا دوسرا دن:

جنگ کے دوسرے روز رستم اپنی فوجوں کو آراستہ کرنے میں مصروف ہو گیا۔ سلطنت عجم کا اژدہا جیسا پھریرا فضا میں لہرایا۔ پیادے، سوار، بکتر بند، تیر انداز، نیزہ باز، زرہ پوش شہسوار اور بہادر سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح صف در صف میدان میں اپنی اپنی جگہ آ جمے، لیکن آج ہاتھیوں کا پرا نہ تھا۔ پتہ چلا کہ کل بنو اسد اور بنو تمیم نے سارے ہودج توڑ دیئے ہیں۔ ان کی مرمت ہو رہی ہے۔ مرمت کے بعد یہ بھی میدان میں کل کی طرح آ جائیں گے۔

ادھر مسلمان بھی کل کی طرح اپنی صفوں کو درست کر رہے تھے۔ صفیں درست ہو گئیں تو مسلمان فوجوں کے عقب میں نعرہ تکبیر بلند ہونے شروع ہو گئے۔ اور شام کی طرف سے گرد کے بادل امنڈ آئے۔ غبار چھٹا تو معلوم ہوا کہ سیدنا قعقاع بن عمرو تمیمی رضی اللہ عنہ اپنی چھ ہزار فوج کے ساتھ آ رہے ہیں۔۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو وہ خوشی کے مارے بستر سے اٹھ بیٹھے اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ قعقاع رضی اللہ عنہ سب سے پہلے امیر لشکر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے آ کر ملے

Marfat.com

اور بتایا: ''امیر المؤمنین نے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا تھا کہ اب جب کہ دمشق فتح ہو چکا ہے تو عراق کی افواج کو واپس عراق بھیج دو کیونکہ وہاں ان کی سخت ضرورت ہے۔ وہ اس حکم کی وجہ سے آئے ہیں۔ ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھتیجے) چھ ہزار کا لشکر لے کر آ رہے ہیں اور سیدنا قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ مقدمۃ الجیش کے امیر ہیں۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے اس امداد کے بروقت پہنچنے پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ اور اس بات کا بھی شکر ادا کیا کہ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ اور سیدنا ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ جیسے دو بہادر جرنیل انہیں مل گئے ہیں جن کو عراق کے محاذوں کی بخوبی واقفیت ہے اور ان کی لڑائی کے رنگ ڈھنگ سے وہ اچھی طرح آشنا ہیں۔ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ نے مجاہدین سے کہا کہ ''جو میں کروں وہی تم کرنا'' اور اس کے بعد صف سے نکل کر دشمن کو للکارا۔ رستم نے دائیں بائیں دیکھا۔ اس کے لشکر خیرہ سر میں ذوالحاجب چٹان کی طرح سینہ تانے کھڑا تھا، سر سے پاؤں تک فولاد میں غرق، مغفر کی کڑیاں شانوں پر لٹکتی ہوئیں۔ وہ انسان نہیں ایک فولادی دیو معلوم ہوتا تھا۔ اس نے اسے میدان میں جانے کا اشارہ کیا۔ ذوالحاجب بڑی کڑک دھمک سے آگے بڑھا اور بولا: ''میں بہمن جاذویہ ہوں، ہزار سوار اگر میرے مقابلہ میں آئیں تو منہ پھیر دوں۔'' قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ نے بہمن کا نام سنا تو بولے! آج میں تیری بوٹی بوٹی الگ کر کے رکھ دوں گا اور تجھ سے ابو عبید رضی اللہ عنہ، سلیط رضی اللہ عنہ اور معرکہ جسر کے دوسرے شہداء کا انتقام لوں گا۔ تو نے ابو عبید رضی اللہ عنہ کے لشکر کو دھوکے سے گھیر لیا تھا آج میں تجھ سے اس فریب کا بدلہ بھی لوں گا۔''

تلواریں نیام سے نکلیں اور ایسی ٹکرائیں کہ ہوائیں سہم گئیں۔ ایک شیر کی طرح جھپٹا اور دوسرا چیتے کی طرح سمٹا۔ کوئی آگے بڑھا اور کوئی پیچھے ہٹا۔ تلے ہوئے ہاتھ نپے ہوئے قدم۔ تلوار کی جھنکار تھی کہ ناگن کی پھنکار، دونوں طرف رزم گاہ میں کوئی نہ تھا جو دم سادھے کھڑا نہ ہو۔ دونوں سورما مجسم غضب۔ اتنے میں سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں کوندا لپکا اور یہ بجلی بہمن پر ایسی گری کہ چشم زدن میں وہ زمین پر ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ اللہ کے سپاہی نے پوری قوت سے نعرہ تکبیر بلند کیا اور خوشی و مسرت کے ساتھ اسلامی لشکر نے اس کے ساتھ وہ آواز ملائی کہ دشت و جبل گونج سے تھرا گئے۔

سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ تمام عجمی فوج میدان میں آ گئی ہے تو مسلمانوں کو مخاطب کر کے للکارا: ''مسلمانو! اپنی تلواریں نکال لو، تلواریں ہی فتح و نصرت کی زمین کو دشمنوں

Marfat.com

کے خون سے سینچتی ہیں۔'' سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ کی اس للکار کو سنتے ہی دیکھنے والوں نے دیکھا کہ تلواریں لہرائیں، تیر برسے، نیزے چمکے، پیک وسناں کی باڑھ ایسی تھی کہ ان کی آنچ سے نبرد آزماؤں کے بدن جل اٹھے۔ خون پانی کی طرح بہہ نکلا۔ قادسیہ کا میدان خوناب ہو گیا۔ مسلمان بڑھ بڑھ کر حملہ کرتے لیکن دشمن کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ میدان جنگ میں پلڑا کسی طرف جھکنے نہیں پاتا تھا۔

ایرانی سپاہی نہیں تھے۔ لوہے اور فولاد کی چٹانیں کھڑی تھیں۔ ادھر مسلمان عزم و ہمت کے دھنی، زبان پر قرآن، دل میں نور ایمان، ہاتھ میں تلوار اور نیزے بادلوں کی طرح برستے اور بجلی کی طرح کڑکتے۔ اور سب کی تمنا راہِ خدا میں شہادت ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

اس میدان کارزار میں ایک طرف جوش و جذبے سے بھری ہوئی آواز گونجی۔ یہ سیدہ خنساء کی آواز تھی۔ ہتھیار سجائے گھوڑوں کی باگ پکڑے چار بیٹے خیمے کے آگے ماں کے حضور کھڑے تھے۔ میدان جنگ میں جاتے ہوئے یہ جانباز اپنی اماں کو خدا حافظ کہنے کے لیے رکے ہوئے تھے۔ ماں نے میدان جنگ پر نظر ڈالتے ہوئے سوچا کہ کل تو ہاتھیوں نے مسلمان جانبازوں کو کچل کر رکھ دیا تھا۔ آج بھی ایرانی بڑی سج دھج سے آئے ہیں۔ ماں نے اپنے جگر کے ٹکڑے کو رخصت کرتے وقت جو کچھ کہا اس کا خلاصہ یہ تھا:

''میرے بیٹو! قسم ہے اس خدائے لازوال کی جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تمہاری رگوں میں شریف خون دوڑ رہا ہے۔ تمہارا حسب ونسب بے داغ ہے۔ میرا سر فخر سے بلند ہے اور تمہارے ماموں اپنی عزت پر جس قدر ناز کریں کم ہے۔ یاد رکھو: جہاد بہت بڑی عبادت ہے۔ اس دنیا کی کوئی حقیقت نہیں۔ جب تم دیکھو کہ میدان کارزار گرم ہو گیا ہے تو دشمن کی صفوں پر ٹوٹ پڑنا۔ اس پر ایسا حملہ کرو کہ اس کے ہوش اڑ جائیں اور اسے چھٹی کا دودھ یاد آ جائے۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور شہادت کی دولت نصیب فرمائے گا۔'' (اسد الغابہ: ۴۴۲/۵)

اس بڑھیا کے بڑھاپے کا سہارا اور عصائے پیری یہی بیٹے تھے۔ خاوند کا انتقال ہو چکا تھا لیکن کیسی شیر دل ماں تھی کہ اپنے جگر پاروں کو اسلام پر قربان کرنے کے لیے اپنے ہاتھوں

Marfat.com

سجا کر بھیج رہی تھی اور پھر ان کی شہادت کی دعائیں بھی مانگ رہی تھی۔

گھوڑوں کی باگیں اٹھائے یہ سرفروش میدان کارزار میں پہنچے۔ یہ سینہ تانے بے دھڑک بڑھ رہے تھے۔ کون ان جانبازوں کے سامنے ٹھہر سکتا تھا۔ ایک صحابیہ ماں کی دعائیں ان کے ساتھ تھیں۔ ماں نے دشمن کی صفوں پر ٹوٹ پڑنے کے لیے کہا تھا۔ ماں نے کہا تھا تمہارا حسب ونسب بے داغ ہے، اس کے جگر پاروں نے میدان جنگ میں بے داغ کردار ادا کیا۔

دن کا پچھلا پہر گزر رہا تھا۔ اس وقت سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بالا خانے کی پچھلی کوٹھڑی میں ایک قیدی کے دل میں ہل چل مچی ہوئی تھی۔ میدان جنگ میں مجاہدین کے نعرے اور ان کے کارنامے یہ کوٹھڑی سے دیکھ رہا تھا۔ اس قیدی کا نام ابو محجن تھا۔ عرب کے مشہور شاعر اور مانے ہوئے شہسوار۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے انہیں کسی بے قاعدگی کی سزا میں نظر بند کر رکھا تھا۔ نظر بند ہی نہیں بلکہ ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی تھیں۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی تیمارداری میں ان کی اہلیہ سلمٰی مصروف تھیں۔ انہوں نے کسی طریقے سے ان سے درخواست کی کہ ''ان کی بیڑیاں کھول کر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا بلقاء نامی گھوڑا انہیں عطا فرما دیں اور قسم کھائی کہ اگر زندہ رہا تو آ کر خود بیڑیاں پہن لوں گا۔'' سلمٰی بنت حفص رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''میں تمہاری بیڑیاں کھول سکتی ہوں اور نہ ہی تمہیں بلقاء نامی گوڑا دے سکتی ہوں۔'' ابو محجن یاس و ناامیدی کے عالم میں رینگتے ہوئے اپنی کوٹھڑی کی طرف چلے۔

سیدہ سلمٰی بڑی دلیر اور سمجھ دار خاتون تھیں۔ انہیں ابو محجن سے بڑی حسرت ٹپکتی نظر آئی۔ بولیں: ''میں تمہارے وعدے سے مطمئن ہوں۔ انہوں نے قیدی کی بیڑیاں کاٹ دیں اور کہا: جاؤ اپنے حوصلہ کو آزماؤ'' ابو محجن نے شکریہ ادا کیا اور بلقاء پر سوار ہوئے جو ہتھیاروں سے مسلح تھا۔ میدان جنگ میں جا کر نعرۂ تکبیر بلند کیا اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ کبھی میمنے میں گھس جاتے اور کبھی میسرے میں اور ایرانیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کاٹ کر پھینکنا شروع کر دیا۔ تھوڑے ہی وقت میں کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ لوگ حیران تھے یہ جانباز کون ہے؟ کچھ سمجھے کہ یہ ہاشم بن عتبہ کا کوئی ساتھی ہے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بھی اپنے بالا خانے سے اس جانباز کی کارکردگی دیکھ رہے تھے اور بار بار اس کی جوانمردی کی داد دینے کے لیے درد کے باوجود کھڑے ہو جاتے۔ تلوار ان کے ہاتھ میں اس طرح کھیلتی تھی جیسے بادلوں میں بجلی کا کوندا۔ کبھی یہ بولتے: واللہ! اگر ابو محجن قید میں نہ ہوتا تو میں کہتا یہ ابو محجن ہے۔ اور اس کی سواری میں میرا گھوڑا بلقاء۔

Marfat.com

کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ دادِ شجاعت دینے والا شخص جو میدان جنگ میں تیرتا پھر رہا ہے، کون ہے؟

سورج جب حجلہ مغرب میں چھپا، دن ختم ہوا اور رات آئی تو ابومحجن میدان جنگ سے واپس آ گئے۔ آتے ہی اپنی بیڑیاں پہن کر قید خانے میں چلے گئے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی طبیعت پہلے سے کچھ بہتر ہوئی تو بالا خانے سے نیچے آئے۔ دیکھا کہ بلقاء پسینوں میں نہا رہا ہے۔ پوچھا تو سیدہ سلمٰی نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نہایت خوش ہوئے۔ ابومحجن کا قصور معاف کر کے اسے رہا کر دیا۔

جب جنگ زوروں پر تھی تو سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ ایرانی جنگ کے طور طریقوں کو بخوبی سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنے قبیلہ والوں سے مل کر ایک جنگی چال چلی۔ وہ یہ کہ اونٹوں پر بڑی بڑی جھولیں اور برقعے ڈال دیئے۔ اس سے وہ اونٹ ایسے خوفناک دکھائی دیتے تھے کہ عجمی ہاتھی بھی کیا ہوں گے۔ اس پر طرفہ یہ کہ ان کی کاٹھیوں پر گھاس پھوس بھر کر آگ جلا دی۔ اونٹ گھبرا کے بے تحاشا دشمن کی طرف بھاگے۔ ایرانی گھوڑے یہ خطرناک منظر دیکھ کر اپنے سواروں کو گرا کر سرپٹ بھاگے۔ اور سوار دھڑام سے نیچے گرے اور مسلمانوں کی تلواروں کا لقمہ بنے۔ عجمی فوج کا کوئی گھوڑا ایسا نہ تھا جو اس خوفناک بلکہ ہیبت ناک منظر سے بدک کر بھاگا نہ ہو۔ اس بھاگ دوڑ میں بے شمار ایرانی مارے گئے۔ جو حال ہاتھیوں کی وجہ سے ایک روز قبل مسلمانوں کا ہوا تھا اس سے کہیں بدتر حال آج ایرانیوں کا ہوا۔

سورج ڈوبا رات آئی لیکن لڑائی جاری تھی۔ اس روز لڑائی آدھی رات تک جاری رہی۔ اس روز مسلمانوں کا پلا بھاری تھا۔ انہیں فتح کے آثار واضح طور پر نظر آ رہے تھے۔ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ نے اس روز تیس ایرانیوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ اس روز مسلمانوں کے ہاتھوں دس ہزار ایرانی قتل ہوئے جب کہ مسلمان شہداء کی تعداد دو ہزار تھی۔

آج سپہ سالارِ لشکر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کچھ زیادہ ہی خوش تھے اور قلب میں اطمینان بھی انگڑائیاں لے رہا تھا۔ انہوں نے اپنے ایک سپاہی کو بلایا اور کہا:

''ہر ایک خیمے میں جاؤ۔ دیکھو مجاہد کیا کر رہے ہیں؟ اگر وہ ایک دوسرے کی تعریف کر کے خوش ہو رہے ہیں تو ٹھیک ہے۔ اور اگر کچھ لوگ خاموش ہیں تو پھر بھی کوئی بات نہیں، لیکن اگر کسی خیمہ میں ضرورت سے زیادہ ایک دوسرے کی تعریفیں ہو رہی

Marfat.com

ہیں تو مجھے جگا دینا۔ یہ باتیں غرور وحماقت کی ہوں گی جوملت کے لیے خطرناک ہیں اور اللہ کو بالکل پسند نہیں۔''

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے آدمی نے حسب ہدایت سارے لشکر کو گھوم پھر کر دیکھا ہر طرف شجاعت و بہادری کے تذکرے تھے۔ ہر طرف خوشی ومسرت دلوں سے اچھل رہی تھی۔ ہر دل میں کامیابی اور فتح کی امید تھی، لیکن ایک خیمے کے آگے اندھیرا تھا۔ چار جانبازوں اور بہادروں کی لاشیں یہاں دفن کے لیے رکھی ہوئی تھیں۔ خیمے میں ایک بوڑھی خاتون بیٹھی تھی جس کے چہرے پر غم واندوہ کے بجائے اطمینان اور شکر کی جھلک ٹپک رہی تھی۔ یہ سیدہ خنساء رضی اللہ عنہا تھی اور وہ لاشے اس کے جگر پاروں کے تھے جن کو اس نے آج اپنے ہاتھ سے سجا کر میدان کارزار میں بھیجا تھا۔ اس نیک بخت اور شیر دل خاتون کی زبان پر یہ کلمہ تھا: ''یہ حق تعالیٰ کی کیسی عنایت اور مہربانی ہے کہ مجھے چار شہیدوں کی ماں ہونے کا شرف عطا فرمایا۔ اب میں اس کے سایہ رحمت میں اپنے بچوں سے ملوں گی۔''

یہ وہی خنساء رضی اللہ عنہا تھیں جن کا مرثیہ گوئی میں کوئی نظیر نہیں تھا۔ سوقِ عکاظ میں ان کے خیمے کے دروازہ پر ایک علم نصب کیا جاتا تھا جس پر لکھا ہوتا تھا ''ارثی العرب'' یعنی تمام عرب میں سب سے بڑھ کر مرثیہ گو۔ انہوں نے اپنے بھائی صخر کی موت پر وہ مرثیہ لکھا تھا کہ پتھر کے کلیجے پانی ہو گئے تھے۔ سوقِ عکاظ کی فضائیں سوگوار ہو گئیں تھیں۔ لیکن آج اس کے لبوں پر مرثیہ نہیں بلکہ سجدۂ شکرانہ تھا۔ علامہ اصفہانی نے کتاب الاغانی میں ان کے عجیب و غریب واقعاتِ زندگی لکھے ہیں۔ وہ اسلام لائیں اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دربار میں حاضر ہوئیں۔ لیکن اسلام لانے کے بعد زندگی کی اقدار ہی تبدیل ہو گئیں۔

(الخنساء، ام الشہداء، عبدالمنعم الہاشمی: ص ۹۸)

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ تو سو گئے، لیکن اسلامی لشکر میں ایک کمانڈر ایسا بھی تھا جس نے سیدنا خالد بن ولید سیف اللہ رضی اللہ عنہ سے میدان جنگ میں راتوں کو جاگنا اور اگلے دن کے لیے جنگ کے رنگ ڈھنگ سوچنا اور جنگی چالوں کی دھن میں لگے رہنا سیکھا تھا۔ یہ کمانڈر سیدنا قعقاع بن عمرو تمیمی رضی اللہ عنہ تھے۔ نہایت جانباز اور اپنی دھن کے پکے۔ صاحب فکر ونظر اور زرخیز ذہن کے مالک۔ بنو تمیم کے سردار۔

Marfat.com

جنگ کا تیسرا دن:

تیسرے روز صبح کو جب دونوں لشکر اٹھے تو میدان مقتولوں اور زخمیوں سے پٹا پڑا تھا۔ جن میں دس ہزار ایرانی اور دو ہزار مسلمان تھے۔ مقتولوں کو دفن کر دیا گیا اور زخمیوں کو مرہم پٹی کے لیے اپنے اپنے کیمپوں میں بھیج دیا گیا۔

سورج نکلا اور دونوں لشکر تیسرے روز مقابلہ کے لیے آمنے سامنے آراستہ ہوئے۔ رستم نے آج پھر فوج کو تیرہ صفوں میں تقسیم کیا۔ ہودج اور عماریوں کی مرمت ہو چکی تھی، اس لیے آج پھر ہاتھی میدان جنگ میں لائے گئے۔ آج رستم نے ہر ہاتھی کے دائیں بائیں سوار اور پیادے بھی کھڑے کر دیے تھے۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کو تین صفوں میں ترتیب دیا۔ ہر قبیلے کے جوانمردوں کو دس دس کی کمپنیوں میں تقسیم کیا اور ہر قبیلے کا ایک کمانڈنگ آفیسر مقرر کیا۔ ابھی نقارہ جنگ پر چوٹ نہ پڑی تھی کہ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ بن عمرو رضی اللہ عنہ لشکر کے پیچھے کھڑے ریگستان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جب دور سے انہیں سواروں کے دستے نظر آئے تو مسلمانوں کے لشکر سے ''کمک آگئی'' کے آوازے بلند ہوئے اور ساتھ ہی ''اللہ اکبر'' کے نعرہ نے فضا کو خوشی اور مسرت سے بھر دیا۔

آج مسلمانوں نے ہاتھیوں کی پیش بندی کی ہوئی تھی۔ علاوہ ازیں آج ان کی فوج میں دو جرنیل ایسے تھے جو ہاتھیوں کی پیش بندی کے سارے داؤ پیچ جانتے تھے، ان میں ایک تو سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ بن عمرو رضی اللہ عنہ تھے اور دوسرے ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ۔ ان دونوں کو ایرانی محاذوں پر جنگ کا بہت تجربہ تھا۔ سیدنا ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک اور جانباز بھی تھے جن کا نام قیس بن ہبیرہ تھا جن کا شمار مشہور شہسواروں میں ہوتا تھا۔ چنانچہ جونہی آیات الجہاد کی تلاوت ختم ہوئی اور ایرانیوں نے طبل جنگ پیٹا تو ہاشم رضی اللہ عنہ تیر برساتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو لے کر ایرانی لشکر کے قلب پر ٹوٹ پڑے۔ حملہ کچھ اس بے جگری سے کیا گیا کہ ایرانی پیچھے ہٹتے چلے گئے اور مسلمان نہر عتیق تک جا پہنچے۔ یہاں پہنچ کر مسلمان مجاہد پلٹے اور پھر دشمن پر جھپٹے۔ ایرانیوں نے چاہا کہ انہیں دونوں جانب سے داب لیں لیکن تیروں کی باڑھ کچھ ایسی تھی کہ ان کی پیش نہ گئی۔ قیس بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ نے بھی آج بے پناہ جرأت کا مظاہرہ کیا۔ آج ہاتھیوں پر حملہ کی ابتداء انہوں

Marfat.com

نے ہی کی۔ ان کا گھوڑا زخموں سے چور ہو گیا تھا۔ جب دیکھا کہ گھوڑا جانبر نہ ہو سکے گا تو ایک ایرانی سوار کا پاؤں پکڑ کر کھینچا اور اسے گھوڑے سے گرا کر اس پر قبضہ کر لیا۔

جنگ لحظہ بہ لحظہ شدت اختیار کر رہی تھی۔ جب جنگ کی شدت بڑھی تو ایرانی تیر انداز اور زرہ پوش ہلہ بولنے لگے۔ رستم اپنے زرنگار تخت پر بیٹھا میدان جنگ میں ہدایات بھیج رہا تھا۔ رستم نے فوراً حکم دیا کہ ہاتھیوں کو میدان کارزار میں جھونک دو۔ حکم کی تعمیل کی گئی اور ہاتھی چنگھاڑتے ہوئے میدانِ جنگ میں آ گئے اور مجاہدین اسلام کو پاؤں تلے روندنے کی کوشش کرنے لگے۔

ان ہاتھیوں میں دو ہاتھی نہایت خطرناک تھے۔ ایک ابیض (سفید) اور دوسرا اجرب (چتکبرا) یہ جب چنگھاڑتے ہوئے آگے بڑھتے تو دیکھنے والوں کی آنکھوں میں موت پھر جاتی۔ جو زد میں آ جاتا اس کا بچنا مشکل ہوتا۔ کوئی ان کی سونڈ کی مار میں آتا تو کوئی پیروں تلے کچلا جاتا۔ غرض کہ جس طرف یہ دونوں رخ کرتے تباہی مچا دیتے اور ایسا قیامت کا سماں برپا کر دیتے کہ الامان والحفیظ

امیر لشکر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے جب یہ دیکھا کہ ہاتھیوں نے تباہی مچانی شروع کر دی ہے تو انہوں نے ان نومسلم ایرانیوں کو بلایا جو اپنی جان کے خوف سے مسلمان ہو گئے تھے اور مسلمانوں کے کیمپ میں تھے اور اس بلائے ناگہانی کا علاج معلوم کیا۔ انہوں نے بتایا کہ اگر ان کی آنکھیں اور سونڈیں بے کار کر دی جائیں تو پھر یہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے اسی وقت سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ اور سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا: ''سفید ہاتھی تمہارے دستہ کے سامنے ہے۔ تم اس کا ذمہ لے لو۔'' اس کے بعد بنو اسد کے دو جانبازوں حمالا ور ربیل کو پیغام بھیجا کہ تمہارے سامنے اجرب ہاتھی ہے اس کا بندوبست تم کرو۔ دراصل یہ دونوں ہاتھی ہی سب سے زیادہ خطرناک تھے۔ دوسرے سارے ہاتھی انہی کے پیچھے چلتے تھے۔

سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ اور عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ گھوڑوں سے اتر پڑے اور دونوں نے اپنے اپنے نیزے ابیض ہاتھی کی آنکھوں میں گھونپ دیئے۔ ہاتھی مارے درد کے چنگھاڑا اور فیلبان کو ہودج سے نیچے گرا کر سونڈ پھرانے لگا۔ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور اس کی سونڈ پر تلوار کا ایسا بھرپور وار کیا کہ وہ مستک سے الگ ہو گئی۔ ادھر حمال اور ربیل دونوں نے اجرب ہاتھی پر حملہ کیا۔ اس کی آنکھیں پھوڑ کر جگہ جگہ سے اس کے مستک کو زخمی کر دیا۔ وہ چیختا چنگھاڑتا اور اپنی

Marfat.com

صفوں کو روندتا ہوا پیچھے کو بھاگا۔ اجرب بھاگا تو دوسرے کچھ ہاتھی اس کے پیچھے بھاگے اور میدان جنگ میں ایک قیامت خیز تہلکہ مچا کر سب نہر میں کود پڑے اور پھر واپس نہ آئے۔ اس مرحلہ پر جنگ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی کیونکہ ہاتھیوں نے جب مسلمانوں کی صفوں کو روندنا اور برہم کرنا شروع کیا تو ایرانیوں کا پلہ بھاری ہوگیا۔ اور اب جب ہاتھی چنگھاڑتے ہوئے پیچھے بھاگے اور ایرانیوں کی صفوں کو روندتے ہوئے نہر میں جا کودے تو مسلمانوں نے اطمینان کا سانس لیا اور ہاتھیوں کے اس فرار کو دشمن کے خلاف اللہ کی نصرت قرار دیا۔

عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ نہایت بہادر جرنیل تھے۔ انہوں نے آج قادسیہ کے میدان میں اپنی بہادری کے وہ جوہر صفحہ تاریخ پر نقش کیے جو ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ زخموں پر زخم آئے تھے اور جگہ جگہ سے جسم نیزوں سے چھد گیا تھا لیکن تلوار ہاتھ سے نہ چھوٹتی تھی۔ مردانہ وار عقاب کی طرح اپنے شکار پر جھپٹے۔ کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں بے درنگ نہ گھس جاتے۔ مسلمانوں کے جانباز جب ابیض و اجرب سے نپٹ رہے تھے تو ایک ایرانی سردار گھوڑا دوڑاتا ہوا ان کے پاس سے گزرا۔ اس نے دیکھا کہ دشمن کا ایک سپاہی سامنے ہے تو ایک ہاتھ جڑ دیا۔ یہ پلٹے۔ سوار نے ان کے تیور دیکھے تو گھوڑے کو چمکا کر نکل جانا چاہا، لیکن یہ بھی عمرو بن معدی کرب تھے۔ بھلا کہاں جانے دیتے۔ گھوڑے کی دم پکڑ کر کھڑے ہو گئے۔ ایرانی سردار نے گھوڑے کو مہمیز لگا کر نکلنے کی کوشش کی لیکن ''ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ'' یہ بھی شہزوری کا مقابلہ تھا۔ ایرانی سردار نے ہر چند زور لگایا لیکن گھوڑا اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ اب وہ دہشت سے گھوڑے سے کودا اور ہیبت سے بھاگا اور پلٹ کر نہ دیکھا۔ یہ اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھے اور کچھ دیر بعد اپنی صفوں میں جا ملے۔ لیکن اس مرد مجاہد کو قرار کہاں۔ کچھ ستایا بھی نہ تھا کہ پھر نکل آئے اور جوش مردانگی میں ادھر ادھر حملہ کرنے لگے اور جو سامنے آتا گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیتے۔ یہ میدان جنگ میں کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے جیسے دریا میں نہنگ کسی کو کچھ نہیں سمجھتا۔ اب جو گھوڑا اڑا کر نکلے تو دشمن کی ایک صف میں جا گھسے اور یوں دشمن پر حملہ کرتے جیسے شیر اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔ نہ صرف خود لڑتے بلکہ ساتھیوں کو بھی بڑھاوا دیتے۔

ایرانی کمانڈر نے دیکھا کہ فوج جی چھوڑ رہی ہے۔ اور وہ مسلمان سپاہیوں کو دیکھتے ہی پیٹھ پھیر دیتے ہیں تو اس نے مسلمانوں پر مست ہاتھی چھوڑ دیا۔ ساتھ پیدل فوج بھی تھی۔ عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی مسلمان جانبازوں کی ایک بٹالین لگی ہوئی تھی۔ یہ فوراً

Marfat.com

گھوڑے سے کود کر ہاتھی کی طرف بڑھے اور اپنے ساتھیوں سے کہا: ''ہاتھی کو میں دیکھ لوں گا۔ بس اتنا کرو کہ میرے پیچھے پیچھے رہو۔''

سیدنا عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ نعرہ زن آگے بڑھے تو ہاتھی چنگھاڑتا دھاڑتا ان پر چڑھ آیا۔ یہ اس کے مستک پر گھاؤ پر گھاؤ لگاتے گئے یہاں تک کہ ہاتھی منہ پھیر گیا۔

جنگ کے دو روز گزر جانے کے بعد اب بھی رستم کے پاس ایک لاکھ کے لگ بھگ فوج تھی، کہیں زرہ پوش دستہ کھڑا تھا تو کہیں لوہے اور فولاد میں غرق سوار تھے کہیں پیدل تھے تو کہیں تیر انداز۔ پھر ہاتھیوں کا پرا تھا لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ سب حربے آزما چکا تھا مگر کوئی بھی کامیاب نہ ہو سکا۔

دوسری طرف مسلمان، ایرانیوں کے مقابلہ میں چوتھائی لشکر بھی پاس نہیں تھا۔ سامان حرب وضرب بھی اتنا عمدہ اور اعلیٰ نہیں جتنا ایرانی فوجوں کے پاس تھا، لیکن رستم بن فرخ زاد جیسا تجربہ کار، آموزدہ کار، دور اندیش، میدان جنگ کا ماہر سپہ سالار ہیبت زدہ اور حوصلہ ہارا ہوا تھا۔ جس جس شئے پر اسے بڑا بھروسہ تھا وہ سب بے کار ثابت ہوئیں۔ ہاتھیوں پر اسے سب سے زیادہ بھروسہ تھا لیکن مسلمانوں کی تلواروں کے سامنے کاغذ کے ہاتھی نکلے۔ مسلمان جیالوں نے ان کوہ آسا ہاتھیوں کی آنکھیں پھوڑ دیں، سونڈیں کاٹ ڈالیں اور انہیں خرگوشوں کی طرح بھگا بھگا کر مارا۔

رستم نے اب ایک اور حربہ اختیار کیا کہ اپنا زرہ پوش دستہ آگے بڑھایا۔ مسلمانوں کی طرف سے قبیلہ حمیضہ کے بہادروں نے بڑھ کر اسے روکا، لیکن کوئی تدبیر ان کے کام نہ آئی۔ مجاہدوں کی تلواریں ان کی زرہوں پر اچٹ کر رہ گئیں۔ سالارِ قافلہ نے جب دیکھا کہ تلواریں کام نہیں کر رہیں تو نیزہ تان کر آگے بڑھا اور تاک کر ایک زرہ پوش پر کچھ اس زور سے مارا کہ نیزے کا پھل آر پار ہو گیا۔ سردار لشکر کو دیکھ کر دوسرے مسلمانوں نے بھی نیزے نکال لیے اور چشم آفتاب نے پہلی دفعہ یہ نظارہ دیکھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے یہ زرہ پوش رسالہ موت کی آغوش میں چلا گیا۔

سورج اسلام کے ان جانبازوں کی ہمت اور بہادری کی تاب نہ لا کر منہ چھپاتا پھر رہا تھا۔ آخر کو وہ بالکل حجلہ مغرب میں چھپ گیا۔ لڑائی میں کچھ ٹھنڈک پیدا ہوئی، لیکن دونوں طرف کی فوجیں اپنے کیمپوں میں واپس نہیں گئیں بلکہ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہی رہیں۔

Marfat.com

گویا اپنی اپنی جگہ دونوں نے ٹھان لی کہ آج جنگ کا فیصلہ کر کے ہی واپس جائیں گے۔

میدان میں ہر طرف تلواروں کی جھنکاریں تھیں اور خون کے فوارے ابل رہے تھے۔ ایک چیخ و پکار کا عالم تھا۔ جوں جوں رات گزرتی جا رہی تھی لڑائی شدید سے شدید تر ہوتی جا رہی تھی۔ رات بھر قیامت خیز جنگ جاری رہی۔ دونوں طرف کے سپہ سالاروں کو کچھ علم نہ تھا کہ کیا ہو رہا ہے؟ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ اب اپنے بالا خانے میں دست بدعا تھے اور لشکر کی کامیابی کے لیے اللہ کے حضور میں سجدہ ریز تھے۔ جب صبح نے اپنا نور بکھیرنا شروع کیا تو مسلمان اپنے اپنے قبیلہ کی تعریف کرنے لگے۔ یہ آوازیں جب سیدنا سعد کے کانوں میں پہنچیں تو انہیں اطمینان ہو گیا کہ مسلمان غالب ہیں۔ انہوں نے ایرانیوں کی گردنوں کو دبوچ رکھا ہے۔ اتنے میں انہوں نے سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو رجز پڑھتے دیکھا۔

مؤرخین نے اس رات کو "لیلۃ الہریر" کہا ہے کیونکہ یہ بڑی ہنگامہ آفرین اور خون آشام تھی۔ اگرچہ صبح نے بیداری کی کروٹ بدلی لیکن ابھی تک فتح و کامیابی نے کسی فریق کے پرچم سے اپنا دامن نہیں باندھا تھا۔ چوبیس گھنٹوں کی اس مسلسل لڑائی سے اسلامی فوج تھکی نہیں تھی حالانکہ میدان جنگ میں انہوں نے کشتوں کے پشتے لگا دیئے تھے۔ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ نے چل پھر کر لوگوں سے کہا صبر کرو اور جنگ جاری رکھو کیونکہ جنگ صبر و تحمل سے ہوتی ہے۔ آج سورج کے سر پر پہنچتے ہی ان شاء اللہ فتح کا پرچم ہمارے ساتھ ہو گا۔" سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ کی اس للکار نے مسلمانوں کو پھر تازہ دم کر دیا۔ اب قعقاع رضی اللہ عنہ جنگی جوڑ توڑ میں لگ گئے۔

بہادروں اور کمانڈروں کی ایک جماعت کو اکٹھا کر کے سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ نے کہا: "میرے ساتھ آؤ، جب تک رستم زندہ ہے جنگ کا کوئی فیصلہ نہیں ہو گا۔ چلو دشمن کے اس منارۂ ہمت کو مسمار کریں۔ یہ مارا جائے تو پھر ایرانی فوج کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ ان کی دور بینی اور دور اندیشی تھی اور جنگ ہمت کے ساتھ ساتھ دور اندیشی سے بھی جیتی جاتی ہے۔

چند لمحوں میں مختلف سردار اپنے اپنے جنگ آزما بہادر اور شجاعت آفرین نوجوان لے کر آگے بڑھے۔ ایرانی فوج پہلے ہی زمین چھوڑ رہی تھی۔ یہ لوگ کچھ اس تیزی اور بہادری سے حملہ آور ہوئے اور کچھ اس رنگ ڈھنگ سے دشمن پر ٹوٹ پڑے کہ ایرانی فوج کے دونوں بازو کمزور ہو گئے۔ مجاہدین اسلام انہیں دبا کر اب جو آگے بڑھے تو رستم کے قلب لشکر کا راستہ ان کے لیے کھل گیا۔ یہی وہ موقع تھا جس کے انتظار میں اللہ کے ان شیروں نے پوری رات

Marfat.com

آنکھوں میں کاٹی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بھی یہ مدد فرمائی کہ ساتھ ہی زور کی آندھی آئی اور رستم کا خیمہ نہر عتیق میں اڑا لے گئی۔ جب دشمن کے دائیں اور بائیں بازو کے کمانڈر فیرزدان اور ہرمزان پیچھے ہٹنے لگے اور فوج کے قلب میں شگاف پڑا تو سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ نے للکار کر کہا:

''بہادرو! دشمن پر میدان جنگ تنگ ہو گیا ہے۔ سمٹ کر آؤ، مل کر بڑھو اور رستم پر ٹوٹ پڑو۔''

اللہ جانے اس جوان مرد کی آواز میں کیا جادو تھا کہ جوانانِ جری بگولے کی طرح بڑھے اور ژالوں کی طرح رستم کی رکاب کی فوج پر گرے۔ رستم اپنے تخت رواں پر بیٹھا بڑی آن بان اور غرور ونخوت سے احکام صادر کر رہا تھا۔ مجاہدوں کی اب وہ یلغار تھی کہ قلم کو اس کیفیت کے لیے تاب نگارش نہیں۔ انہوں نے نیزے پھینک دیئے، گھوڑے چھوڑ دیئے، پیادوں کے ساتھ مل کر تلواریں سونت لیں۔ ایسا رَن پڑا کہ معلوم ہوتا تھا کہ تلواروں کا مینہ برس رہا ہے۔ تلواریں کام کی نہ رہیں۔ نیزوں کے پھلوں میں چھالے پڑ گئے۔ دونوں فریق گتھم گتھا ہو گئے۔

اب مجاہدوں کا ہدف ایرانی نہیں تھے بلکہ رستم تھا۔ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ دشمنوں کو چیرتے، ان کی صفوں کو پھاڑتے رستم کے تخت تک پہنچ گئے۔ ایرانی سورما اس یلغار سے بالکل ہی دل ہار بیٹھے۔ سب کے پاؤں اکھڑ گئے۔ رستم تخت سے اتر کر لڑنے لگا لیکن مجاہدوں کی تلواروں سے گھبرا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اب وہ ان خچروں کی طرف بھاگا جن پر فوج کے انعام واکرام کے لیے دولت لاد کر لائی گئی تھی۔ وہ ایک خچر پر لدے سامان کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ قعقاع رضی اللہ عنہ کی فوج کے سپاہی نہر کی طرف نکل گئے۔ انہیں یہ نہ پتہ چلا کہ خچروں پر دولت لدی ہوئی ہے اور نہ یہ معلوم ہوا کہ رستم سامان کے پیچھے چھپا کھڑا ہے۔ ہلال بن علقمہ نے ایک خچر پر تلوار کا ہاتھ مارا جس سے اس سامان کی رسی کٹ گئی جس کے نیچے رستم چھپا کھڑا تھا۔ سارا بوجھ رستم پر گرا اور اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی لیکن ہلال بن علقمہ کو اس کا پتہ نہ چلا۔ رستم دوڑ کر نہر میں کود گیا۔ ہلال نے اسے دیکھا تو پہچان گئے۔ چنانچہ اس کے پیچھے وہ بھی نہر میں کود گئے اور اسے نہر سے نکال کر قتل کر دیا۔ پھر اس کے تخت رواں پر کھڑے ہو کر چلائے: ''رب کعبہ کی قسم! میں نے رستم کو قتل کر دیا۔ لوگو، ادھر آؤ، دیکھو، میں نے رستم کو قتل کر دیا۔'' مسلمان نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے ہلال کے گرد جمع ہو گئے۔

ایرانیوں کو جب پتہ چلا کہ رستم مارا گیا ہے تو ان کے اوسان خطا ہو گئے، جی چھوٹ گئے، حوصلے جاتے رہے۔ جالینوس نے انہیں کہا کہ پل کے اوپر سے دریا عبور کر لو۔ چنانچہ پل

Marfat.com

پر پہنچنے کے لیے بھگدڑ مچ گئی۔ پل کمزور تھا۔ اتنے سپاہیوں کا بوجھ برداشت نہ کر سکا اور ٹوٹ گیا جس سے تیس ہزار ایرانی اپنی زرہوں سمیت دریا میں ڈوب کر ہلاک ہو گئے۔ ضرار بن خطاب نے ایران کا سب سے بڑا پرچم ''درفش کاویانی'' اٹھا لیا جس کی قیمت کروڑوں تک پہنچتی تھی۔ اور اس طرح سے اس کی فوجوں کو عبرت ناک شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

بہرحال اس جنگ میں مسلمانوں کے رشک آفریں کارناموں اور افسروں اور جوانوں کی سرفروشی اور جانبازی اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد سے شاندار فتح ہوئی۔ مسلسل تیس (۳۰) گھنٹوں کی جنگ میں مسلمانوں نے کس طرح اپنا خون بہایا، کس بے باکی سے اپنی جانیں نچھاور کیں کہ دشمن بھی دنگ رہ گیا، لیکن بالآخر اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح سے ہم کنار کیا۔ چھ ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ اس سے پہلے دو دن ''یوم ارماث'' اور ''یوم اغواث'' میں اڑھائی ہزار مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا تھا۔ لیکن ان کے مقابلہ میں ایرانی فوجوں کو جو جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا وہ اس سے کئی گنا زیادہ تھا۔ تیس ہزار ایرانی تو پل کے ٹوٹنے کی وجہ سے دریا کی لہروں کی نذر ہو گئے۔ تینوں روز میدان جنگ ان کی لاشوں سے اٹا پڑا تھا۔ پھر بھاگتے ہوئے کتنے لوگ مسلمانوں کی تلواروں کا لقمہ بنے اس کا کوئی اندازہ نہیں ہے۔

دشمن کی غنیمت کا مال جو اکٹھا کیا گیا تو ڈھیر لگ گیا۔ اتنا مال ان لوگوں نے اس سے قبل کبھی دیکھا ہی نہیں تھا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے قاتل رستم ہلال بن علقمہ سے کہلا بھیجا کہ رستم کے لباس میں سے جو چاہو لے لو۔ ہلال نے اس کا سارا لباس اتار لیا جس کی قیمت ستر ہزار تک پہنچتی تھی۔ اگر اس کی ٹوپی نہر میں نہ گرتی تو ہلال کو اور زیادہ مل جاتا کیونکہ کہتے ہیں کہ اس کی ٹوپی بہت قیمتی تھی۔ زہرہ بن جویہ جالینوس کی پوشاک اتار لائے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے خمس نکال کر باقی مال مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ خمس بھی مجاہدین میں تقسیم کر دو اور ان لوگوں کو بھی دو جو لڑائی میں شریک نہیں ہو سکے۔ اس سے امیر المومنین کی مراد وہ لوگ تھے جو دیر سے پہنچنے کی وجہ سے جنگ میں شریک نہ ہو سکے، لیکن آئے وہ جنگ کرنے ہی کے لیے تھے۔ ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو فوج آئی تھی وہ ساری قادسیہ کی جنگ میں شریک نہیں ہو سکی تھی۔ اس کا ایک حصہ مسلمانوں کی فتح کے بعد قادسیہ پہنچا تھا۔

سارے عرب کی نگاہیں قادسیہ کی جنگ کے انجام پر لگی ہوئی تھیں اور اسے اپنے ملک کے ثبات و زوال کی میزان سمجھا جا رہا تھا۔ لیکن سب سے زیادہ فکر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو تھی۔ وہ صبح

Marfat.com

ہوتے ہی قادسیہ کے قاصد کے انتظار میں مدینہ کے باہر تشریف لے جاتے اور جب سورج کی تمازت تیز ہو جاتی تو واپس آتے۔ ایک دن وہ واپس تشریف لے جارہے تھے تو ایک سانڈنی سوار انہیں ملا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ قادسیہ سے آرہا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''اللہ کے بندے! وہاں کی کوئی خیر خبر؟'' اس نے جواب دیا: ''اللہ نے مسلمانوں کو فتح اور ایرانیوں کو شکست دی۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کے ساتھ دوڑتے جاتے تھے اور محاذ جنگ کے حالات پوچھتے جاتے تھے۔ وہ آپ کو بالکل نہیں پہچانتا تھا اس وجہ سے اونٹ پر بیٹھے بیٹھے ان کے سوالوں کا جواب دے رہا تھا۔ یہ سوار سعد بن عمیلہ فزاری تھا۔ جو امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نام سپہ سالار لشکر سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا خط لے کر آرہا تھا۔ جس میں فتح کی خوش خبری بھی تھی اور ساتھ ہی شہداء کی تعداد اور جو ان میں پہچانے جا سکے ان کے نام درج تھے۔ جب یہ دونوں مدینہ میں داخل ہوئے اور لوگوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو امیر المؤمنین کہہ کر سلام کرنا شروع کیا تو سعد بن عمیلہ نے کہا: ''اللہ آپ پر رحم فرمائے، آپ نے مجھے کیوں نہ بتایا کہ آپ امیر المؤمنین ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بڑی سادگی سے جواب دیا: ''میرے بھائی، کوئی بات نہیں'' اور سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا خط انہیں دیا۔ جو بعد میں لوگوں کو سنایا گیا۔ اس کے بعد امیر المؤمنین نے ایک نہایت پر اثر تقریر کی جس کا آخری فقرہ یہ تھا:

''لوگو! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بنانا چاہتا ہوں۔ میں تو خود اللہ تعالیٰ کا غلام اور بندہ ہوں۔ البتہ خلافت کا بار میرے کندھوں پر رکھا گیا ہے۔ اگر میں اسی طرح کام کروں کہ تم چین اور اطمینان سے اپنے گھر میں سوؤ تو یہ میری سعادت ہے۔ اور اگر میری یہ خواہش ہو کہ تم میرے دروازے پر حاضری دو تو یہ میری شقاوت اور بدبختی ہے۔ میں تمہیں تعلیم دینا چاہتا ہوں لیکن صرف قول سے نہیں بلکہ اپنے عمل سے۔''

فتح قادسیہ کے بعد ہر شخص کو امن کا پروانہ مل گیا۔ کچھ لوگ گھر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے وہ بھی واپس اپنے گھروں میں آ گئے۔ تمام ملک امن و آشتی کا گہوارہ بن گیا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبری: ۴/۴۷۴، التاریخ الاسلامی: ۱۰/۴۶۶، الطریق الی المدائن: ص ۴۷۳، خلافۃ الصدیق والفاروق ثعالبی: ص ۲۵۳، القادسیہ: ص ۲۰۴)

Marfat.com

فتح مدائن

قادسیہ کی جنگ ختم ہو چکی تھی بلکہ اس کو ختم ہوئے دو ماہ سے زیادہ ہو چکے تھے۔ لیکن سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ابھی تک وہیں ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے کیونکہ انہیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا حکم تھا کہ جب تک میری طرف سے کوچ کی اجازت نہ ملے، آگے نہیں بڑھنا۔ لیکن آپ نے ایرانی جرنیلوں کے بارہ میں پوری معلومات حاصل کر لی تھیں کہ قادسیہ میں شکست کھانے کے بعد وہ کہاں کہاں ہیں۔ قادسیہ میں شکست کھانے کے بعد فارس کے نائب سپہ سالار نے تو مدائن میں پناہ لی اور دوسرے جرنیل بابل چلے گئے یا پھر ایران کے مختلف علاقوں میں ادھر ادھر منہ چھپاتے پھر رہے تھے۔ یزدگرد نے مدائن میں قادسیہ کی شکست کی الم ناک خبر سن لی تھی۔ بلکہ پریشانی نے اس کے دماغ کو مفلوج کر دیا تھا اور اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کیا جائے اور اب کیا بھی کیا جا سکتا تھا۔ مسلمانوں کی قوت کا اندازہ انہوں نے قادسیہ کے میدان میں لگا لیا تھا۔ اور اب وہ دیکھ رہا تھا کہ مسلمان وادی عراق میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل چکے ہیں۔ قادسیہ ایران کا دروازہ تھا۔ مسلمان اس دروازہ پر قابض ہو چکے تھے اب تو ان کا ہدف مدائن تھا۔ قادسیہ میں دو ماہ سے زائد قیام نے مسلمان فوجیوں کی تکان وغیرہ اب دور کر دی تھی۔ اب وہ بارگاہ خلافت سے آئندہ حکم کے انتظار میں تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قادسیہ کی جنگ سے قبل ایک خط میں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا:

''اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھوں دشمن کو شکست دی تو تم اس کو دباتے دباتے ایران کے پایہ تخت مدائن پر قابض ہو جانا۔''

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو پتہ تھا کہ اب مدائن پر حملہ کرنے کا حکم ہو گا لیکن کب ہو گا؟ اس کا انہیں پتہ نہیں تھا۔ ادھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مدائن پر حملہ سے پہلے اسلامی لشکر کو نئے سرے سے لیس کرنا

Marfat.com

چاہتے تھے۔ مدینہ میں فوجی بھرتی کے بعد جب یہ انتظامات مکمل ہو گئے تو سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو حکم ہوا کہ ''آگے بڑھو''۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ خود تو بابل میں قیام پذیر رہے اور زہرہ بن حویہ کو مدائن جانے والے لشکر کا امیر بنا کر روانہ کر دیا۔ دوسری طرف سے ہاشم بن عتبہ بھی مدائن کے ارادہ سے نکلے۔ بہر شیر کے قریب سباط میں ان کا سامنا پوران دخت بنت کسریٰ کے شاہی رسالہ سے ہوا جس کے سپاہی روزانہ یہ قسم کھاتے تھے کہ جیتے جی ایران کی حکومت کو زوال پذیر نہ ہونے دیں گے۔ اس رسالہ کے ساتھ ایک شیر ببر بھی تھا جو کسریٰ سے بہت مانوس تھا۔ اس شیر کو مسلمانوں پر چھوڑا گیا۔ بھوکا شیر گولی کی طرح پنجرے سے نکلا، ڈکارتا اور دندناتا ہوا مسلمانوں پر حملہ آور ہوا۔ قبل اس کے کہ اسلامی لشکر میں سے کوئی اور آگے بڑھتا، ہاشم بن عتبہ، امیر لشکر، خود آگے نکل آئے۔ ایرانی کھڑے دیکھ رہے تھے کہ مسلمان کتنا بے وقوف ہے، موت کی طرف سے کیا بے پروا۔ بات تو ٹھیک تھی کہ انسان اور درندے کی قوت کا کیا مقابلہ؟ درندہ بھی شیر خونخوار لیکن جنہوں نے چند ماہ قبل قادسیہ کے میدان میں ابیض اور اجرب جیسے ہاتھیوں کا منہ پھیر دیا تھا، ان کی نگاہ میں اس شیر کی کیا حیثیت تھی؟ ہاشم کو شیر سر پر جھپٹتے دیکھ کر انہیں اندازہ ہو گیا کہ مرد مومن واقعی کسی سے نہیں ڈرتا، ہاشم اور شیر، گویا ''نیا حریف تھا میدان کارزار نیا'' ہاشم اپنی موت سے کھیل رہے تھے اور ایرانی دم سادھے ان کے انجام کے منتظر تھے۔ تھوڑی دیر میں سب نے دیکھا کہ شریوں اچھلا جیسا کہ کوہ آتش فشاں کا ٹکڑا اڑتا ہے۔ اس کی اڑان موت کی کمند تھی اور اس کی دھاڑ قیامت کی دھمک۔ سب کی نظریں شیر خونخوار پر جمی ہوئی تھیں۔ آڑا چوڑا ہیبت ناک دھڑ، مہیب اور ڈراؤنا سر، انگاروں کی طرح چمکتی ہوئی آنکھیں، پھڑکتے نتھنے، تڑپتے جبڑے، نکیلے دانت، کٹیلے ناخن اور وہ ہاشم بن عتبہ کے سر پر گرنے ہی کو تھا۔ سب کی آنکھوں نے دیکھا کہ پلک جھپکنے میں اللہ کے سپاہی کے ہاتھوں میں کوندا سا لپکا اور ابھی موت کا سایہ مجاہد اسلام کے سر پر پڑنے بھی نہ پایا تھا کہ فضا ہی سے شیر غراں دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑا۔ دونوں فوجیں حیرت سے کھڑی اس منظر کو تک رہی تھیں۔ ایرانی یہ منظر دیکھ کر بھاگ گئے۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بہر شیر پہنچے تو اسلامی لشکر میں ایک ہنگامہ برپا تھا۔ ہاشم کی تلوار آنکھوں سے لگائی جا رہی تھی۔ چچا نے بھتیجے کی شیر افگنی کا حال سنا تو اس جواں مردی پر بھتیجے کو بے اختیار گلے لگا لیا اور اس کی پیشانی کو بوسہ دیا اور پھر آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر اللہ کا شکر ادا

Marfat.com

کیا اور مدائن کی طرف دیکھ کر یہ آیت پڑھی:

﴿اولم تکونوا قسمتم من قبل مالکم من زوال﴾

کیا تم نے پہلے قسم نہیں کھائی تھی کہ تمہارے لیے زوال نہیں ہے۔

بہر شیر کی فتح، مدائن کی فتح کا دیباچہ تھی کیونکہ مدائن کا وہ حصہ جو دجلہ کی دوسری طرف تھا بہر شیر کہلاتا تھا۔ بہر شیر کی فتح کا واقعہ ذی الحجہ ۱۵ھ مطابق ۶۳۷ء کا ہے۔

شیر کو فضا میں دو ٹکڑے ہوتے دیکھ کر ایرانی بہر شیر شہر کے اندر چلے گئے۔ شہر کے دروازے بند کر لیے کیونکہ پایہ تخت مدائن میں مسلمانوں کو داخل ہونے سے روکنے کے لیے یہ سب سے بڑا مورچہ تھا۔ گویا بہر شیر مدائن ہی کا ایک حصہ تھا۔ وہ دجلہ کے دائیں کنارے واقع تھا اور مدائن کے بالمقابل بائیں کنارے پر واقع تھا۔ اور اس طرح دریائے دجلہ اگرچہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتا تھا لیکن پھر بھی تھا وہ مدائن ہی کا ایک حصہ۔ مدائن بغداد کے جنوب میں بیس میل کی مسافت پر آباد تھا۔

بہر شیر کے لوگوں نے شہر میں داخل ہو کر فصیل کے دروازے بند کر لیے اور مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ کوئی دو تین ماہ جاری رہا (بعض روایات میں نو مہینے اور بعض میں اٹھارہ مہینے اور بعض میں اٹھائیس ماہ ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک دو تین ماہ کی روایت زیادہ صحیح ہے) محاصرہ کے دوران میں منجنیقوں سے شہر پر پتھراؤ بھی کیا گیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ایرانیوں کی رسد کسی طرح رک نہیں سکتی تھی کیونکہ دریائے دجلہ پر بہت سے پل بنے ہوئے تھے اور مدائن سے ہر قسم کا سامان بلا روک ٹوک پہنچ سکتا تھا۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے شہر کا محاصرہ تو کر لیا لیکن خطرہ تھا کہ ایرانی پشت سے حملہ نہ کر دیں۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے دریائے دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقے میں غارت کا حکم دے دیا۔ چنانچہ وہ ایک لاکھ کسان پکڑ کر لائے جن سے مسلمانوں نے اپنے چاروں طرف خندق کھدوائی اور بعد میں ان لوگوں کو ساباط کے جاگیردار شیرزاد کے مشورے سے ان کی زمینوں پر واپس بھیج دیا تاکہ وہ کھیتی باڑی کر کے غلہ اگا سکیں۔ اب پشت کی طرف سے مسلمانوں کے حملے کا کوئی اندیشہ نہ تھا اس وجہ سے مسلمانوں نے بہر شہر کا محاصرہ جاری رکھا۔

آخر ایرانیوں نے محاصرے کی طوالت سے تنگ آ کر ان فوجی افسروں کی سرکردگی میں جن کی شجاعت اور جنگی مہارت پر انہیں بھروسہ تھا ایک لشکر مرتب کیا اور مسلمانوں سے

Marfat.com

مقابلہ کرنے کے لیے نکلے لیکن مسلمانوں نے ان کے اس حملہ کو بھی ناکام بنا دیا۔ اس شکست نے ایرانیوں کی ہمت اور حوصلے کو توڑ کر رکھ دیا۔

مسلمانوں کے اس محاصرے اور اہل شہر کی شکست کی خبریں یزدگرد کو روزانہ بلکہ لمحہ بہ لمحہ پہنچ رہی تھیں۔ چنانچہ غم اور اندوہ کا سایہ اس پر چھا گیا اور مایوسی اور یاس اس کے دل میں رنگنے لگی۔ یہ اطلاع بھی اس کو ملی کہ مسلمان سامان رسد جتنا چاہیں سرزمین عراق (ایران) سے حاصل کر سکتے ہیں لیکن ایرانی دن بدن کمزور تر اور ان کے حوصلے اور ہمتیں پست تر ہو رہی تھیں۔ اس لیے اسے یقین ہو گیا کہ بہرشیراب کسی قیمت پر مسلمان فوجوں سے نہیں بچایا جاسکتا۔ مجبور ہو کر اب اس نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں صلح کی درخواست بھیجی اور دریائے دجلہ کو ایران وعرب کے درمیان حد فاصل قرار دیا یعنی ''دجلہ کے اس طرف جو کچھ ہے ہمارا اور اس طرف پہاڑ تک جو کچھ ہے وہ تمہارا۔''

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس شرط کو منظور نہیں کر سکتا کیونکہ امیر المومنین کا حکم ہے کہ مدائن کو فتح کیا جائے۔ ہم مدائن پر قبضہ کر کے ہی رہیں گے۔ مسلمانوں نے پہلے سے زیادہ سنگ باری کی لیکن اتنی شدید سنگ باری کے جواب میں شہر سے ایک تیر بھی نہ آیا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو یقین ہو گیا کہ شہر خالی ہو گیا ہے۔ مسلمان شہر میں بغیر کسی مزاحمت کے داخل ہو گئے۔ شہر میں موت کی سی خاموشی تھی۔ شہر میں کوئی شخص موجود نہیں تھا۔ صرف ایک شخص امان طلب کرتا ہوا ان کے پاس آیا اور اس نے یہ بتایا کہ بہرشیر کی ساری آبادی کو یزدگرد نے مدائن بلوالیا ہے اور ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا ہے کہ دجلہ کے تمام پلوں کو آگ لگا کر گرا دیا جائے۔ ساری کشتیاں مدائن کے ساحل پر منگوالی جائیں۔ یہ دونوں کام فوری ہوں۔ چنانچہ یزدگرد کے حکم کی تعمیل کی گئی اور اب دریائے دجلہ کی تند و تیز موجیں دفاعی حد کا کام دے رہی تھیں اور انہوں نے مجاہدین اسلام کو مدائن میں داخل ہونے سے روکا ہوا تھا۔

اسلامی فوج کے سامنے اب سب سے بڑا مسئلہ دجلہ کو عبور کرنے کا تھا۔ سپہ سالار لشکر ہر وقت اسی خیال میں غرق تھے۔ اتنے میں انہیں اطلاع ملی کہ یزدگرد نے اپنا خزانہ حلوان منتقل کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ اس وقت انہوں نے اپنے جرنیلوں کو اور سپاہیوں کو اکٹھا کر کے ایک تقریر کی۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ دریا عبور کیسے کیا جائے؟ اگر وہ کشتیوں پر بھی دریا عبور کریں تو ایرانی لشکر دریا کے دوسرے کنارے پر کھڑا خشم گین نظروں سے انہیں دیکھ رہا ہے۔

Marfat.com

وہ انہیں دریا سے باہر کیسے نکلنے دے گا؟ آخر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے ایک بات صلائے عام کے طور پر کہی کہ "کون ہے جو پہلے اس کنارے پر جا کر دشمن کو روکے تا کہ وہ لشکر کو دریا پار کرنے سے باز نہ رکھ سکیں۔" سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے منہ سے الفاظ سن کر قوت و شجاعت کے پتلے سیدنا عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو اس کام کے لیے پیش کیا۔ ان کے ساتھ چھ سو جانباز اور تیار ہو گئے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے عاصم رضی اللہ عنہ کو ان کا افسر بنا دیا۔ جب یہ لوگ دریائے دجلہ کے کنارے پر پہنچے تو عاصم رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: "دوسرے کنارے پر پہنچنے کے لیے دریا میں سب سے پہلے میرے ساتھ کون اترے گا؟" ساٹھ سوار آگے بڑھے۔ انہوں نے دوسروں سے کہا: "تم اس پانی سے ڈر گئے؟" پھر یہ آیت پڑھی۔

﴿وما كان لنفس ان تموت الاباذن الله كتاباً موجلا﴾ (۳:۱۴۵)

اور کوئی شخص مر نہیں سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو۔ اس نے لکھ رکھا ہے وقت مقررہ پر۔

یہ کہہ کر عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے دریا میں گھوڑا ڈال دیا اور ان کے پیچھے ان کے ساتھی بھی دریا میں اتر گئے۔ قعقاع رضی اللہ عنہ بن عمرو نے دیکھا کہ مجاہدین اسلام کی یہ پہلی ٹکڑی آگے بڑھ رہی ہے اور دریائے دجلہ کے دوسرے کنارے پر ایرانی ان سے مقابلہ کی تیاری کر رہے ہیں تو انہوں نے اپنے چھ سو ساتھیوں کو حکم دیا کہ تم بھی میرے ساتھ چلو۔ چنانچہ انہوں نے بھی اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے۔ ایرانی فوجیں یہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئیں۔ ان میں سے کچھ تو انہیں دیوانے لگنے لگے اور کچھ نے کہا کہ "یہ انسان نہیں جن ہیں۔"

تھوڑی دیر تو ایرانی انہیں حیرت سے تکتے رہے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ عاصم رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی دریا کے وسط میں پہنچ گئے ہیں تو مقابلہ کے لیے اپنے چند سوار دریا میں اتار دیئے۔ جب یہ لوگ عاصم رضی اللہ عنہ کے قریب پہنچے تو سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں سے کہا تیر چلاؤ۔ اور ان کی آنکھیں پھوڑ دو۔ اب جب مسلمان فوجیوں نے ایک ساتھ تیر چلائے اور وہ ایرانی گھوڑوں اور ان کے سواروں کی آنکھوں میں ترازو ہونے لگے تو وہ گھبرا کر پلٹے اور مسلم مجاہدین تھے کہ جیتے کھیلتے دریا کی مرگ آفریں موجوں کا سینہ چیرتے چلے جا رہے تھے اور دجلہ کا ساحل سہم کر ان جری سواروں کو تکنے لگا۔ کیسے صاحب عزم اور صاحب ایمان تھے۔ یہ لوگ دریا میں چلے تو اس شان سے ساتھ کہ صفوں کی ترتیب میں فرق نہ آیا۔ یمین و یسار برابر تھے اور دشمن

Marfat.com

کا خیال یا موت کا خوف ان میں سے کسی کو چھو کر بھی نہ گیا تھا۔

عاصم رضی اللہ عنہ اپنے تمام ساتھیوں سمیت جب دوسرے کنارے پر پہنچے تو ایرانی انہیں دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ عاصم رضی اللہ عنہ کے پیچھے قعقاع رضی اللہ عنہ بھی اپنے چھ سو کے دستے کو لے کر کنارے پر پہنچ گئے۔ اس وقت مشرقی کنارے پر ایک بھی ایرانی سپاہی نہ تھا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ مدائن والے کنارے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے تو انہوں نے باقی سواروں کو بھی دریا عبور کرنے کا حکم دے دیا۔ جب ان مجاہدوں نے اپنے گھوڑے دریا میں ڈالے تو سارا دریا گھوڑوں سے اس طرح پٹ گیا کہ پانی تک نظر نہ آتا تھا۔ ویسے سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ نے مشرقی کنارے پر جا کر ملاحوں کو حکم دیا تھا کہ اپنی کشتیاں بہر شیر کی طرف لے جائیں۔ چنانچہ پیادہ فوج ان کشتیوں میں بیٹھ کر آ گئی۔ جب سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے دریا عبور کیا تو مدائن سے تمام ایرانی فوج بھاگ گئی تھی۔ شہر کے لوگوں نے جزیہ پر آمادگی ظاہر کر کے شہر کے دروازے مسلمانوں کے لیے کھول دیئے۔

مورخین نے لکھا ہے کہ ساٹھ ہزار اسلامی شہ سوار دجلہ میں پھیلے ہوئے اس طرح بے تکلف باتیں کرتے جاتے تھے گویا باغ کی روشوں پر تفریح کے لیے چہل قدمی کر رہے ہیں۔ نہ کوئی دریا میں ڈوبا اور نہ ہی کسی کی کوئی شئے ضائع ہوئی۔ البتہ ایک شخص غرقدہ نامی گھوڑے سے پانی میں گرے، لیکن ان کے ساتھی قعقاع رضی اللہ عنہ نے فوراً انہیں نکال لیا۔ ایک سوار کا پیالہ دریا میں گر گیا۔ اس پر ان کے ایک ساتھی نے مذاق کے طور پر ان سے کہا کہ ”تقدیر نے اس کو اڑا دیا۔“ اس نے کہا: ”بخدا میں ایسے حال میں ہوں کہ لشکر بھر میں صرف میرا پیالہ کبھی سلب نہیں کیا جائے گا۔“ چنانچہ اس شخص کے اخلاص اور صدق کی وجہ سے یوں ہوا کہ جب لشکر دریا پار کر چکا تو موج دریا نے اس پیالہ کو کنارہ پر پہنچا دیا۔ ایک شخص نے اٹھا لیا اور مالک نے پہچان لیا۔

”ہم نے مدائن پر گھوڑوں کو جھکا دیا کیونکہ مدائن کا دریا ان کے واسطے میدان کی طرح خون نما تفریح کی جگہ تھی۔ پھر ہم نے کسریٰ کے خزانوں کو نکال لیا جبکہ ان لوگوں نے پشت پھیری اور کسریٰ مغموم ہو کر ہم سے بھاگا۔“

سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ اور سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ مدائن کے ساحل پر اپنے سپہ سالار کے استقبال کے لیے کھڑے تھے، اب وہاں دور دور تک کوئی ایرانی سپاہی نہ تھا۔ مسلمان ساحل سے چلے تو قصر ابیض جا پہنچے۔ انہیں روکنے والا کوئی تھا ہی نہیں۔ چنانچہ انہوں نے قصر ابیض (White

Marfat.com

(house) ہی میں پڑاؤ ڈال دیا۔

مسلمانوں کا لشکر دریا سے نکلا تو گھوڑوں نے ہنہنا کر اپنے جسم سے پانی جھاڑا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ مدائن میں داخل ہوئے تو ان لوگوں کے سوا جو قلعہ میں چھپے ہوئے تھے پورا شہر خالی تھا۔ یہ اس لیے کہ خود بادشاہ اپنے سامان اور خزانہ کو لے کر حلوان بھاگ گیا تھا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے قلعہ میں بند لوگوں کو نکل آنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ نکل آئے۔ اس کے بعد سیدنا سعد رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کو لے کر قلعہ میں داخل ہوئے اور کسریٰ ایران کے عجائب ونوادر کا جائزہ لیتے ہوئے ان آیات کی تلاوت فرمائی:

﴿کم ترکوا من جنات و عیون، و زروع ومقام کریم، ونعمة کانوا فیها فاکهین، کذالك واورثناها قوماً آخرین، فما بکت علیهم السماء والارض، وما کانوا منظرین﴾ (۴۴:۲۵-۲۹)

وہ بہت سے باغات، چشمے، کھیت، پاکیزہ مقام اور نعمتیں چھوڑ گئے جن میں وہ عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے تھے اور اس طرح ہم نے ایک دوسری قوم کو ان کا وارث بنایا۔ پس نہ ان پر آسمان رویا اور نہ زمین اور نہ ہی انہیں ڈھیل دی گئی۔

اس روز جمعہ تھا۔ کسریٰ کے ایوان عام میں مدائن کی سرزمین پر پہلی مرتبہ نماز جمعہ کے لیے اللہ کی تکبیر بلند ہوئی اور قلعہ سفید کے در و دیوار نے گواہی دی۔

اشهدان لا اله الا الله و اشهدان محمداً رسول الله

اس سے پہلے قصر ابیض کے در و دیوار نے توحید الٰہی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی گواہی نہیں سنی تھی۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ اسی ایوان کسریٰ میں اپنے جرنیلوں اور سپاہیوں کے ساتھ پھر رہے تھے اس کے حسین وجمیل باغوں سے گزر رہے تھے اور ان کی دل کشی کو دیکھ کر حیرت میں رہ گئے۔ سامان آرائش ایسا تھا کہ اس کی نظیر نہ ملتی تھی۔ ایرانی ریشم کے زرکار پردے اور عیش و عشرت کا نظر فریب سامان ہر طرف بکھرا ہوا تھا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے فتح کے شکرانے میں آٹھ نفل ادا کیے اور حکم دیا کہ مسلمان حیرہ اور عراق کے دوسرے تمام شہروں اور بستیوں سے اپنے اہل وعیال کو لا کر مدائن میں آباد کر دیں۔

ہر طرف سے غنیمت کا مال اکٹھا کر کے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے سامنے ڈھیر

Marfat.com

لگائے جا رہے تھے۔ اتنے میں ایک سپاہی مال غنیمت کے خزانچی کے پاس جواہرات کا ایک ڈبہ لے کر آیا جسے دیکھ کر خزانچی اور حاضرین مجلس کی زبان سے بے اختیار نکل گیا: "جتنا سامان اب تک ہمارے پاس جمع ہوا ہے اس میں ایک چیز بھی ایسی نہیں جسے اس کے مقابلہ میں رکھا جا سکے" پھر جب اس سے پوچھا گیا کہ اتنا قیمتی ڈبہ تو نے رکھ کیوں نہ لیا؟ تو اس اللہ کے نیک بندے نے بڑا خوب جواب دیا:

"وجہ بتاؤں تو تم سن کر میری تعریف کرو گے، لیکن میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں اور اس اجر پر مطمئن ہوں جو ایمان داری کے صلہ میں مجھے اللہ سے ملے گا۔"

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو جب اس سپاہی اور اس جیسے دوسرے سپاہیوں کا حال معلوم ہوا تو فرمایا:

"خدا کی قسم! لشکر کا لشکر ایمان دار ہے۔ اگر اصحاب بدر کو ایک خاص فضیلت حاصل نہ ہوتی تو میں کہتا کہ یہ لوگ جنگ بدر میں شریک ہونے والوں کے ہم مرتبہ ہیں۔"

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔

"خدا کی قسم: جس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہمیں قادسیہ کے مجاہدین میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ملا جس نے آخرت کے ساتھ دنیا بھی طلب کی ہو۔"

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے تمام مال غنیمت میں سے اس کا پانچواں حصہ (خمس) علیحدہ کیا۔ اور چھانٹ چھانٹ کر اس میں ایسی چیزیں رکھیں جنہیں دیکھ کر عرب کے بادیہ نشین تصویر حیرت بن جائیں۔ فرش بہار تو سارے کا سارا ہی مدینہ بھیج دیا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے ساٹھ ہزار سواروں میں یہ مال غنیمت تقسیم کیا اور ایک ایک سوار کے حصہ میں بارہ بارہ ہزار آئے۔ اس کے بعد جن مجاہدین نے سر ہتھیلی پر رکھ کر نمایاں کارنامے انجام دیئے انہیں ان کی شجاعت اور دلیری کے مطابق مزید حصہ دیا۔ مدائن کے سارے مکان مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے۔ اس بیش قیمت مال غنیمت نے مسلمانوں کو بہت مسرور کیا اور آئندہ فتوحات کے لیے ان کے اندر ولولہ اور جوش و جذبہ پیدا کر دیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے سب سے لحیم وجسیم اعرابی کو بلایا جس کا نام محلم تھا اور کسریٰ کے مختلف لباس اس کو باری باری پہنائے۔ جب وہ اعرابی کسریٰ کے تمام ملبوسات پہن چکا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر فرمایا:

Marfat.com

''اے اللہ! تو نے یہ سب کچھ اپنے نبی اور رسول کو نہ دیا حالانکہ وہ تجھے مجھ سے زیادہ عزیز اور محبوب تھا۔ پھر تو نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی اس سے محروم رکھا حالانکہ وہ بھی تجھے مجھ سے زیادہ محبوب تھے، لیکن اب یہ انعامات تو نے مجھے ارزانی فرمائے ہیں۔ اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں کہ کہیں یہ آزمائش نہ کی جارہی ہو۔''

معرکہ جلولا:

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ شکست کھا کر بھاگنے والے ایرانی جرنیل اور سپاہیوں نے جلولا میں پناہ لے رکھی ہے اور یہ پلان بنا رہے ہیں کہ یہاں لشکر جمع کر کے مسلمانوں سے ایک زبردست مقابلہ کریں۔ فتح حاصل ہوگئی تو ٹھیک ورنہ کوئی یہ تو نہیں کہے گا کہ ہم نے مادر وطن کی حمایت کا حق ادا نہیں کیا۔ اس وقت جلولا میں مہران، فیروزان، رستم کا بھائی خرزاد اور وہ تمام جنگی بہادر اور سورما جمع تھے جو سلطنت ایران کی آن پر مرمٹنے کے لیے آفتاب کی قسم کھا کر اکٹھے ہوئے تھے۔ یزدگرد جس کے سینے میں عربوں کے خلاف انتقام کے شعلے بھڑک رہے تھے اس نے بھی ان کو ہر قسم کی امداد کا یقین دلایا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو اس بات کی اطلاع بھی دی گئی کہ یزدگرد اگرچہ خود تو حلوان میں رہے گا لیکن وہاں سے ہر قسم کی کمک ان کو بھیجتا رہے گا۔ قادسیہ اور مدائن سے بھاگی ہوئی ساری فوج جلولا میں جمع ہے اور اہل فارس کے مزاج کی وہی کیفیت ہے جو چوٹ کھائی ناگن کی ہوتی ہے۔ اب ان سب نے شہر کے اردگرد خندق کھود کر اس کے چاروں طرف نکیلے تار بچھا دیئے ہیں۔ ان سب نے اب فرار نہ ہونے کی قسم کھا کر یہ عہد کیا ہے کہ جب تک عربوں کے ایک ایک فرد کو اپنے ملک سے نکال باہر نہ کریں گے، سکون سے نہیں بیٹھیں گے۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے بارگاہ خلافت میں ان تمام خبروں کی اطلاع دی۔ وہاں سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ ہاشم بن عتبہ کو ۱۲ ہزار فوج کے ساتھ جلولا بھیج دو۔ مقدمۃ الجیش کو قعقاع رضی اللہ عنہ بن عمرو کی قیادت میں دینا۔ اسی طرح آپ نے میمنہ اور میسرہ اور ساقہ وغیرہ کے افسروں کے نام بھی لکھے ہوئے تھے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین کے حکم کی تعمیل کی اور سیدنا ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ کی زیر کمان بارہ ہزار کا لشکر جلولا روانہ کر دیا۔ جب ہاشم رضی اللہ عنہ جلولا پہنچے تو اسلامی لشکر کو دیکھ کر اہل جلولا قلعہ بند ہوگئے۔ ہاشم نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔

Marfat.com

جنگ قادسیہ میں ایرانیوں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی، لیکن اس وقت جلولا میں دو لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ اور کوئی دن ایسا نہیں ہوتا تھا کہ یزدگرد کی طرف سے کمک نہ آتی ہو۔ دوسری طرف سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بھی وقتاً فوقتاً کمک بھیجتے رہتے۔

ان کے دل میں مسلمانوں کا رعب کچھ اس طرح بیٹھ گیا تھا کہ دو لاکھ سے زائد فوج ۱۲ ہزار مجاہدین سے کھلے میدان میں مقابلہ کرنے سے خوف کھاتی تھی۔ آخر فیروزان نے مہران کی رائے کی تائید کی تو ایرانی لشکر میدان جنگ میں صف آرا ہوا۔ اسی (۸۰) روز کے محاصرہ کے بعد یہ لوگ قلعہ سے باہر نکلے۔

سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ نے میدان پر نظر ڈالی تو صاف نظر آ رہا تھا کہ ایرانی اپنے دفاع کا پورا پورا انتظام کر کے باہر نکلے ہیں۔ اسلامی لشکر کے مقابلہ میں انہوں نے دور دور تک خار دار تار بچھائے ہوئے تھے۔ پیادے اور سواران پر سے گزر نہ سکتے تھے۔ اگر گزرنے کی کوشش کرتے تو خندق راستے میں حائل تھی۔ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ نے جنگ کی نئی اسٹراٹیجی تیار کی۔ وہ یہ کہ میدان جنگ میں پھیلنے کے بجائے چند خاص جگہوں پر حملہ کیا جائے۔ اگر دشمن ان حصوں میں ذرا بھی کمزور پڑے تو قلعہ کی طرف جانے والے راستوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے گا۔ چنانچہ سیدنا ہاشم نے لشکر کی تنظیم کی۔ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ آگے آگے تھے۔ میسرہ پر مشعر بن مالک تھے اور میمنہ پر عمرو بن مالک، پچھلے حصہ پر عمرو بن مرہ تھے۔ اس دفعہ لڑائی ایرانی ڈھنگ اور اسلوب سے ہو رہی تھی۔

اگرچہ ایرانیوں نے مسلمانوں کے راستہ میں کانٹے بچھا دیئے تھے لیکن اسلامی لشکر کے آگے آگے سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ بن عمرو تھے۔ وہ ان رکاوٹوں کی کیا پرواہ کرتے تھے۔ قعقاع رضی اللہ عنہ نے جو دشمن پر حملہ کیا تو ایرانی پہاڑ بن گئے کیونکہ انہوں نے مادر وطن کے دفاع اور اس کی حفاظت کے لیے قسمیں کھائی ہوئی تھیں۔ چنانچہ دونوں فوجوں میں بڑا سخت مقابلہ ہوا۔ میدان جنگ، میدان حشر بن گیا۔ کبھی کبھی اتنی مسلسل اور مربوط تیر اندازی ہوتی کہ آفتاب نگاہوں سے چھپ جاتا۔ مختصر یہ کہ جنگ اتنی سخت اور شدید تھی کہ اس سے قبل اس سے زیادہ شدید جنگ نہیں ہوئی تھی۔ نیزے ٹوٹ گئے، تلواریں کند ہو گئیں۔ پھر خنجروں سے دست بدست لڑائی ہوئی۔ مسلمانوں نے لڑتے لڑتے اشارے سے نماز ظہر ادا کی اور نماز کے بعد اللہ کا نام لے کر اس زور سے حملہ کیا کہ دشمن دبنے لگا۔ عین اسی وقت گرد و غبار کا ایک طوفان اٹھا۔ ہوا کے

Marfat.com

جھکڑ شدت سے چلنے لگے، اس لیے مسلمانوں کی پیش قدمی رک گئی۔ گردوغبار اس قدر شدید تھا کہ زمین و آسمان نظروں سے چھپ گئے اور دن میں رات کا سماں پیدا ہوگیا۔ ایرانی کچھ مسلمانوں سے دب کر اور کچھ اس طوفان بلاخیز سے پریشان ہوکر خندق میں گر پڑے۔ طوفان تھما تو مہران اور فیروزان نے دیکھا کہ جو خندقیں انہوں نے مسلمانوں کے لیے کھودی تھیں وہ ان کے اپنے ہی سپاہیوں کی لاشوں سے اٹی پڑی ہیں۔ اپنی لاشوں کو خندق میں دیکھ کر مہران نے حکم دیا کہ اس حصہ کو فوراً پاٹ دیا جائے۔ عجمی فوجوں کو میدان جنگ میں بڑھنے کا کوئی اور راستہ نہیں۔ اب ہمارے دستے ایک ساتھ آگے بڑھ سکیں گے۔ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ کو جب دشمن کی اس چال کا پتہ چلا تو وہ خوش ہوئے اور اسے اپنے لیے نیک فال سمجھا۔

مسلمان کمانڈروں نے کہا: "اب ایرانیوں کی تازہ دم فوج میدان میں آئے گی۔" سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ نے سن کر کہا: "کیا تم لوگ تھک تو نہیں گئے؟" مسلمانوں نے کہا: "ہاں ہم تھک گئے ہیں۔" سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ نے کہا: "مسلمانو! ہم بھی اور اسی وقت ان پر حملہ کریں گے اور اس وقت تک ان کی جان نہ چھوڑیں گے جب تک اللہ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی فیصلہ نہ کردے۔ یہ کہہ کر سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ اس انداز سے بڑھے کہ دشمن کے جمے قدم اکھاڑتے، مثال شیر دھاڑتے اور صفوں کے جگر پھاڑتے اور ایرانوں کو لتاڑتے۔ مسلمانوں نے اپنے سالار لشکر کا یہ حال دیکھا تو غضبناک شیروں کی طرح اپنی صفوں سے نکلے اور ایرانی فوج پر جا پڑے۔ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ نے جب اپنے سپاہیوں کی غضب ناکی اور بہادری دیکھی تو للکارا: "مسلمانو دشمنوں کی صفوں میں گھس جاؤ اور قلعہ کا راستہ یہ ہمارے سامنے ہے۔" خود سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ اپنے مٹھی بھر مجاہدوں کے ساتھ خندق کے اس مقام تک پہنچ گئے جہاں قلعہ کی طرف جانے کا راستہ تھا۔ اس وقت جھٹ پٹا ہوگیا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ اندھیرے کی وجہ سے لوگ پیچھے ہٹ رہے ہیں، لہٰذا ان کے اشارے پر نقیب نے اعلان کیا: "مسلمانو! دیکھو تمہارا سالار دشمنوں کی خندق پار کر کے قلعہ کے راستہ پر قابض ہوگیا ہے۔ اب کوئی رکاوٹ نہیں۔ اب بڑھے چلو۔"

یہی وہ وقت تھا جب جنگ کا پانسہ پلٹ سکتا تھا۔ نقیب کی اس آواز سے مسلمانوں کے تن بدن میں ایک بجلی سی کوند گئی۔ اور وہ بے درنگ آگے بڑھے اور دشمن پر اس زور کا حملہ کیا اور دشمنوں کو اس بری طرح قتل کیا کہ قادسیہ کی آخری رات 'لیلۃ الہریر' کی یاد تازہ ہوگئی۔ قلعہ کو جانے والے راستہ پر سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کو لے کر جم گئے کہ ان کا قلعے کی طرف لوٹنا

Marfat.com

ناممکن ہوگیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایرانی چاروں طرف سے گھر گئے اور مسلمانوں نے انہیں اپنی تلواروں کی نوک پر دھرلیا اور کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ جنگ ختم ہوئی تو دیکھا کہ ایک لاکھ ایرانی میدان میں دم توڑ چکے تھے۔ مہران نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ نے اسے خانقین کے مقام پر جالیا اور قتل کر دیا۔ فیروزان گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ گیا اور جلولا کی جنگ کا انجام یزدگرد سے بیان کیا۔ یزدگرد جنگ کا انجام سنتے ہی رے بھاگ گیا۔

حلوان پر قبضہ

یزدگرد مدائن سے بھاگ کر حلوان چلا گیا تھا لیکن جب اس نے جنگ جلولا میں مسلمانوں کی کامیابی کی خبر سنی تو اس کا دل بیٹھ گیا۔ ناامیدی اس پر سایہ فگن ہوگئی۔ تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایت تھی کہ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ دشمن کا پیچھا کریں۔ اس ہدایت کے مطابق قعقاع رضی اللہ عنہ جلولا کی فتح کے بعد حلوان جا پہنچے۔ یزدگرد نے اپنی سوار فوج اور اس کے سالار خسروشنوم کو مقابلہ کے لیے یہاں چھوڑا تھا۔ زینبی حاکم حلوان اور خسروشنوم نے سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ کا مقابلہ کیا۔ زینبی جنگ میں مارا گیا اور خسروشنوم دم دبا کر بھاگ گیا۔ فیروزان جو حلوان میں موجود تھا، پہاڑوں کی طرف نکل گیا تاکہ مسلمانوں کے لیے نیا محاذ کھول سکے۔ شہر پر قبضہ کے بعد سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ نے عام منادی کرا دی کہ جو لوگ اسلام یا جزیہ قبول کرلیں گے ان کے جان و مال محفوظ رہیں گے۔ اس اعلان پر بہت سے امراء حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ جلولا عراق کا آخری مقام تھا۔ اس کے بعد عراق کی سرحد ختم ہو جاتی ہے۔

(ہجری: ۴/۴/۷۴)

جزیرہ اور تکریت کی فتح

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جہاں جلولا کی فتح، وہاں سے حاصل ہونے والے مال و اسباب اور قعقاع رضی اللہ عنہ کے حلوان کو فتح کرنے کی اطلاع بارگاہِ خلافت میں دی وہاں ایرانیوں کو ان کے اندرون ملک میں مار بھگانے کی اجازت بھی طلب کی، لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:

''میں چاہتا ہوں کہ سواد اور پہاڑ کے درمیان ایک دیوار کھڑی ہو جائے کہ نہ وہ

Marfat.com

ہماری طرف آ سکیں اور نہ ہم ان کی طرف جا سکیں۔ ہمارے لیے سواد کا علاقہ ہی کافی ہے۔ میں مسلمانوں کی سلامتی کو مال غنیمت پر ترجیح دیتا ہوں۔"

اگرچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی پالیسی آگے نہ بڑھنے کی تھی لیکن عراق کے ہاتھوں سے نکل جانے کے بعد ایرانی زخمی سانپ کی طرح پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ پہلے صرف حکومتی مقابلہ تھا، مگر اب پوری ایرانی قوم اس کا انتقام لینے کے لیے سرگرم عمل ہو گئی۔ اور مسلمانوں سے مقابلہ اب ایک قومی مسئلہ بن گیا۔ چنانچہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین کو لکھا کہ موصل کے رومی تکریت میں جمع ہو رہے ہیں جو مدائن کے شمال میں دجلہ کے کنارے واقع ہے اور عرب کے عیسائی قبائل ایاد، تغلب اور غران کے ساتھ مل کر انہیں حملہ کرنے کے لیے اکسا رہے ہیں۔ اس خط کے جواب میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ عبداللہ بن معتم کو پانچ ہزار کے لشکر کے ساتھ تکریت روانہ کر دیں۔ چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی۔ عبداللہ بن معتم نے جا کر شہر کا محاصرہ کر لیا جو چالیس روز تک جاری رہا۔ آخر رومیوں نے محاصرہ سے تنگ آ کر ارادہ کیا کہ کشتیوں پر اپنا سامان لاد کر بھاگ جائیں۔ عبداللہ بن معتم کو جب پتہ چلا تو انہوں نے عرب عیسائیوں سے دعوت اسلام کے سلسلہ میں مراسلت کی اور انہیں مسلمانوں کی مدد کے لیے ابھارا۔ عرب عیسائیوں نے اثبات میں جواب دیا۔ فیصلہ یہ ہوا کہ شہر کے ان دروازوں پر قبضہ کر لیا جائے جن سے دریا کی طرف راستہ جاتا ہے۔ چنانچہ رومی کشتیوں پر سوار ہونے کے لیے باہر نکلے تو وہ تلواروں پر دھر لیے گئے۔ دوسری طرف مسلمانوں نے شہر پر حملہ کر دیا۔ رومی گھبرا کر دروازوں سے نکلنے لگے تو مسلمانوں نے انہیں اپنی تلواروں کا لقمہ بنا لیا اور پیچھے سے ان عربوں نے ان کا صفایا کر دیا یہاں تک کہ ان کا ایک متنفس بھی زندہ نہ بچا۔

عبداللہ بن معتم نے ربعی بن افکل عنزی کو موصل روانہ کیا۔ ان کے ساتھ ایاد، نمر اور تغلب کے نو مسلم تھے۔ یہ برق رفتاری کے ساتھ نینویٰ اور موصل کے قلعوں پر جا پہنچے۔ قلعہ والوں کو جب تکریت والوں کا حشر معلوم ہوا تو جزیے پر صلح کر لی۔ بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ چنانچہ سوار کو تین ہزار اور پیادے کو ایک ہزار حصہ میں آیا۔

تکریت اور موصل کی شکستوں کی خبریں شام میں جب ان کے بھائیوں میں پہنچیں تو ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ اب ان کے پاس اور کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ مسلمانوں کی اطاعت کا جوا اپنے کندھوں پر ڈال لیں۔ چاروناچار انہوں نے اہل جزیرہ سے امداد طلب کی۔ سیدنا

Marfat.com

سعد رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے بارگاہِ خلافت میں خط لکھا کہ ''ہیت'' کے مقام پر اہل جزیرہ کا ایک بہت بڑا لشکر جمع ہو گیا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ہدایات جاری فرمائیں۔ انہی ہدایات کے تحت سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے عمرو بن مالک کی قیادت میں ایک لشکر وہاں بھیجا۔ اس لشکر کو دیکھ کر دشمن قلعہ بند ہو گیا اور اس نے چاروں طرف خندق کھود رکھی تھی۔ عمرو بن مالک ان کے اس حفاظتی انتظام کو دیکھ کر اور حارث بن یزید کو اپنا قائم مقام بنا کر شمال کی طرف قرقیسیا چلے گئے جو عراق اور شام کی سرحد پر فرات اور خابور کے سنگم پر واقع ہے۔ عمرو بن مالک نے تلوار کے زور سے اس پر قبضہ کر لیا اور وہ جزیہ دینے پر راضی ہو گئے۔ اس کے بعد عمرو نے حارث بن یزید کو لکھا کہ ''ہیت'' کی قلعہ بند فوجیں اگر باہر آ جائیں تو انہیں کچھ نہ کہیں ورنہ ان کی خندق کے گرد ایک اور خندق کھود لو جس کے دروازے تمہاری طرف ہوں۔ حارث نے اہل ہیت کو اس بات سے مطلع کیا۔ انہوں نے ڈر کے مارے شہر خالی کر دیا اور مسلمان اس پر قابض ہو گئے۔

Marfat.com

فتوحات شام

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں دو محاذ کھولے تھے۔ ایک عراق میں جہاں ایرانی سلطنت تھی اور دوسرے شام میں جو قیصر روم کے تحت تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ منتخب ہوتے ہی عراق کے محاذ پر تو یہ فتوحات کیں جن کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے اور سلطنت کسریٰ کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا۔ بادشاہ ایران کے لیے اس کا اپنا ملک اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہو گیا۔ کسریٰ جو کسی زمانہ میں سپر پاور (Super Power) سمجھا جاتا تھا، اب خاقان چین کے ہاں پناہ لے رہا تھا۔ اس کے اپنے ملک میں اس کے لیے دو انچ جگہ بھی نہ تھی۔ دوسری طرف بازنطینی سلطنت کے محاذ پر بھی آپ نے اسلامی افواج کو روانہ فرمایا اور مسلمانوں نے دمشق کا محاصرہ کیا ہوا تھا کہ مدینہ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ہوتے ہی اس محاذ پر بھی پوری توجہ دی۔ بلکہ جس وقت سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ قادسیہ، مدائن اور جلولا میں ایرانی فوجوں کو شکست دے رہے تھے، اس وقت سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی شام میں شہر پر شہر فتح کر رہے تھے اور رومیوں کو ان کی اپنی سرزمین سے نکال باہر کر رہے تھے۔ یرموک کے میدان میں تذارق کو شکست فاش دے رہے تھے اور فحل سے ہرقل کے جانبازوں کے پرخچے اڑا رہے تھے۔

لیکن دونوں محاذوں پر جنگی پالیسی مختلف تھی۔ عراق میں پوری فوج کی باگ ڈور اور کنٹرول صرف ایک شخص کے ہاتھ میں تھا۔ عہد صدیقی میں یہ کنٹرول سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا اور عہد فاروقی میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں، لیکن شام میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بیک وقت چار لشکر روانہ کیے اور ہر لشکر کے لیے شام کا ایک حصہ مخصوص کر دیا تھا اور ہر لشکر کا الگ الگ امیر مقرر فرمایا تھا اور انہیں اپنی حدود میں مکمل اختیارات حاصل تھے۔

Marfat.com

لیکن ساتھ ہی یہ حکم تھا کہ اگر کسی جگہ یہ سارے لشکر جمع ہو جائیں تو ان سب کے سپہ سالار اور کمانڈر سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ہوں گے جو اس امت کے ''امین'' ہیں۔ اور جو فوجیں فلسطین بھیجی گئی تھیں۔ ان کی قیادت سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی تھی۔

اپنی زندگی کے آخری ایام میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو آپ نے سپہ سالار بنا کر عراق سے شام منتقل کیا، لیکن جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کی جگہ پر امین الامت سیدنا ابو عبیدہ کو سپہ سالار بنا دیا۔ چنانچہ دمشق کی فتح کے بعد سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ برابر شام میں اسلامی فوجوں کے سپہ سالار رہے۔

(تاریخ دمشق: ۲/ ۱۲۵، فتوح الشام: ۹۹، التاریخ الاسلام ۹/ ۳۷۴)

دمشق کی فتح:

جن دنوں مدینہ طیبہ میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا ان دنوں مسلمانوں نے دمشق کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ مسلمانوں نے اس محاصرہ کو جاری رکھا۔ محاصرہ کے دوران دمشق کے پادری کے ہاں بچہ کی ولادت ہوئی۔ اس کے جشن میں اہل شہر نے خوب شرابیں پیں اور بدمست ہو کر سو گئے۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ امیر لشکر ہونے کے ناطے راتوں کو سوتے نہ تھے بلکہ گھوم پھر کر دشمن کی مخبری کرتے تھے۔ انہیں اس جشن کی خبر ہوئی اور پتہ چلا کہ فوج اور اہل شہر بدمست ہو کر سوئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے چند مسلمانوں کو ساتھ لے کر شہر کی فصیل پر کمند ڈالی اور شہر کے اندر داخل ہو گئے۔

پھاٹک کے محافظ بھی مستی میں اونگھ رہے تھے۔ آپ نے ان سب کو قتل کر کے مسلمان فوجوں کے لیے شہر کے پھاٹک کھول دیئے۔ پھاٹک کھلتے ہی مسلمان فوج کے شہر میں اس طرح داخل ہونے سے اہل شہر بوکھلا گئے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ کیا کیا جائے۔ وہ سیدھے سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے جو شہر کی دوسری طرف متعین تھے، اور ان سے پناہ اور صلح کی درخواست کی۔ انہیں صحیح صورت حال کا علم نہیں تھا لہٰذا انہوں نے صلح قبول کر لی۔ چنانچہ شہر کی ایک سمت سے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ فاتحانہ داخل ہوئے اور دوسری طرف سے سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ مصالحانہ طور پر۔ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ چونکہ مصالحت کر چکے تھے اس لیے یہ فتح مصالحانہ قرار دی گئی۔ لہٰذا نہ مال غنیمت حاصل کیا گیا اور نہ کسی کو لونڈی اور غلام بنایا گیا۔

Marfat.com

۱۴ھ میں دمشق فتح ہوا۔ یہ شام کا ایک مرکزی مقام تھا۔ چنانچہ رومیوں نے ذی قعدہ ۱۴ھ میں اردن کے شہر بیسان میں فوجیں جمع کر کے اس فتح کا انتقام لینے کے لیے مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن شکست فاش کھائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دمشق واپس لینے کے بجائے اردن کا پورا صوبہ رومیوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ (فتوح الشام: ۱۰۲ تہذیب وترتیب البدایہ والنہایہ: ۵۲)

حمص کی فتح:

دمشق اور اردن کی فتح کے بعد بیت المقدس، حمص اور انطاکیہ تین بڑے شہر رہ گئے تھے جن کا فتح ہونا شام کا فتح ہونا تھا۔ انطاکیہ میں تو خود شاہِ روم ہرقل قیام پذیر تھا۔ حمص ان دونوں سے زیادہ قریب اور جمعیت و سامان میں دونوں سے کم تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا خط پہنچا کہ اور شہروں کا خیال چھوڑ کر پہلے حمص کو فتح کیا جائے اور پھر انطاکیہ کو۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس حکم کی تعمیل میں سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر حمص کی طرف روانہ ہو گئے۔ حمص اس زمانہ میں شام کے اضلاع میں ایک بہت بڑا ضلع اور قدیم شہر تھا۔ قدیم زمانہ میں اس کی شہرت اس وجہ سے تھی کہ یہاں آفتاب کے نام پر ایک بہت بڑا ہیکل تھا جس میں عبادت کے لیے دور دراز کے لوگ آیا کرتے تھے اور اس کا پجاری ہونا ایک بہت بڑے فخر کی بات سمجھی جاتی تھی۔ دمشق کے قریب شمال مشرق میں مرج الروم پہنچ کران کا سامنا ایک رومی لشکر سے ہوا جو بطریق توذر کی زیر قیادت تھا۔ اسلامی فوج اس کے سامنے ٹھہر گئی۔ اسی اثناء میں ایک اور لشکر جس کا کمانڈر شنس رومی تھا، توذر کی امداد کے لیے پہنچ گیا۔ لیکن شنس نے اس سے ذرا ہٹ کر اپنا پڑاؤ ڈالا۔ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے باہمی مشورہ سے یہ طے کیا کہ توذر کا مقابلہ خالد کریں گے اور شنس کا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ رات بھر دشمن کا مقابلہ کرنے کا پلان تیار کرتے رہے، لیکن صبح جب خالد رضی اللہ عنہ اٹھے تو دیکھا توذر کا لشکر وہاں موجود نہیں ہے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سخت حیران تھے کہ یہ لشکر کہاں چلا گیا؟ اور کیسے چلا گیا؟ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی دور بینی نے فوری طور پر اس بات کا اندازہ لگا لیا کہ دشمن رات کے پہلے حصے میں اپنی فوج کے ساتھ مقیم تھے۔ توذر کی فوج کے مقابلہ میں یہ بہت کم فوج تھی۔ اس لیے خطرہ تھا کہ دمشق کے محافظین اس کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکیں گے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے توذر کے لشکر کا تعاقب کرنے کی اجازت

Marfat.com

طلب لی اور سواروں کا ایک دستہ لے کر اس کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ خالد رضی اللہ عنہ اور اس کے ساتھیوں کے گھوڑے ہوا سے باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے۔ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اس روز صبح کو اٹھے تو انہیں دمشق سے آگے گرد وغبار کا طوفان سا اٹھتا ہوا نظر آیا۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ دشمن کا ایک لشکر حملہ کرنے آ رہا ہے۔ سیدنا یزید رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ شہر کے دروازے بند کر دو اور مدافعانہ جنگ لڑنے کی تیاری کرلو۔ توذر نے دیکھا کہ مسلمان قلعہ بند ہو گئے ہیں لیکن پھر بھی اس نے حملہ کر دیا، اور توذر دمشق واپس لینے کے خواب دیکھنے لگا۔ توذر کے حملہ کے دوران ہی خالد رضی اللہ عنہ اپنے دستہ کے ساتھ عقب میں پہنچ گئے۔ اور سارے دستے نے مل کر نعرہ تکبیر بلند کیا۔ مسلمانوں کی قلعہ بند فوج نے جو یہ نعرہ سنا تو ان کے دل بڑھ گئے۔ حوصلوں میں نئی زندگی پیدا ہوگئی۔ توذر کی فوج کو جب پتہ چلا کہ خالد رضی اللہ عنہ آ گئے ہیں تو ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور صفیں درہم برہم ہوگئیں۔ چنانچہ سامنے سے سیدنا یزید رضی اللہ عنہ نے اور عقب سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے انہیں تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا۔ اور ان میں سے صرف وہی بچ سکا جو کسی طرح بھاگ نکلا۔ میدان جنگ دشمنوں کی لاشوں سے پٹ گیا۔ توذر مارا گیا لیکن اس کی لاش اٹھانے والا کوئی نہ رہا۔ رومیوں کے گھوڑے، بار برداری کے جانور اور دوسرا بہت سا سامان مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ سیدنا یزید رضی اللہ عنہ تو فتح کے پھریرے اڑاتے دمشق واپس چلے گئے، لیکن خالد رضی اللہ عنہ واپس مرج الروم چلے آئے۔ معلوم ہوا کہ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بھی شنس کو شکست دے چکے ہیں۔ شنس مارا گیا اور انہیں بھی بہت سا مال غنیمت حاصل ہوا۔

اب خالد رضی اللہ عنہ اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ پھر حمص کی طرف بڑھے۔ ان دنوں ہرقل حمص ہی میں مقیم تھا۔ اس نے جب توذر اور شنس کی شکست کا سنا تو وہ اہل حمص کو مقابلہ کی ہمت دلا کر خود بھاگ گیا اور اہل شہر قلعہ بند ہو گئے۔ سردیوں کا موسم تھا۔ مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ تو کر لیا لیکن کڑاکے کی سردی سے عربوں کے جسم ٹھٹھر کر برف ہو گئے۔ ادھر سردی مسلمانوں کو تنگ کر رہی تھی ادھر اہل حمص اس سے تنگ آ رہے تھے۔ اور ہرقل کی فوج کا انتظار کر رہے تھے۔ ہرقل کی مدد تو نہ پہنچی لیکن مسلمانوں نے صبر وثبات سے کام لیا۔ چنانچہ سردی کا موسم تو گذر گیا۔ اہل حمص نے سمجھا کہ اب مسلمانوں کا مقابلہ کرنا مشکل ہے اور مسلمان ان کے گلے کا پھندا روز بروز کستے چلے جائیں گے۔ ابھی یہ صلح کے بارہ میں غور وفکر ہی کر رہے تھے کہ اچانک زلزلہ آیا اور شہر کی فصیل شق ہوگئی اور اندرون شہر بہت سے مکان مٹی کا ڈھیر ہو گئے۔ چنانچہ اہل شہر ڈر کر

Marfat.com

اپنے سرداروں کے پاس گئے اور صلح کے لیے ان پر زور دیا۔ چنانچہ ان کے سرداروں نے مسلمانوں سے صلح کی درخواست کردی۔ مسلمانوں نے ان کی اس درخواست کو قبول کرلیا اور دمشق کی طرح جزیہ اور خراج پر صلح کرلی۔ اور اس کی اطلاع سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو دے دی گئی۔ آپ نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو وہیں ٹھہرنے کا حکم فرمایا۔

قنسرین کی فتح:

سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ حمص ہی میں مقیم تھے یہاں تک کہ ۱۵ھ کا آدھا موسم بہار گزر گیا اور فوج پر سے جاڑے کی سرد ہواؤں کا اثر جاتا رہا تو فتح کی امنگ پھر دلوں میں چٹکیاں لینے لگی۔ اسی دوران شام کے طاقت ور قبائل بھی ان سے آملے۔ اب سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا کہ اب کہاں جایا جائے؟ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک طرف انطاکیہ اور دوسری طرف حلب پر حملہ کرنا ضروری ہے۔ انطاکیہ کا راستہ ارند کے کنارے ہو کر جاتا ہے اور حماۃ اور شیزر اس کے درمیان میں پڑتے ہیں لاذقیہ کی فوجی چوکیاں اس کی حفاظت کرتی ہیں۔ اور حلب کے راستہ میں قنسرین کا قلعہ تھا جس کو چاروں طرف سے پہاڑوں نے گھیر رکھا تھا۔

سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو حمص میں اپنا قائم مقام بنا کر خود حماۃ کی طرف روانہ ہوگئے۔ اہل حماۃ نے فوری طور پر ان کے آگے سرِ تسلیم خم کردیا۔ شیزر والوں کو معلوم ہوا کہ اسلامی فوجیں ان کی طرف بڑھ رہی ہیں تو انہوں نے بھی حماۃ والوں کی طرح صلح کرلی۔ حضرت ابوعبیدہ نے سلمیہ فتح کیا اور اس کے بعد لاذقیہ کے سرحدی قلعہ پر پہنچ گئے۔ یہاں کے لوگ قلعہ بند ہو کر لڑنے لگے۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس شہر کا محاصرہ کرنے سے پہلے اس کے تمام نشیب و فراز پر غور کیا۔ اس کے محاصرہ میں انہوں نے اپنے لیے کئی نقصانات محسوس کیے۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ محاصرہ کی طوالت انطاکیہ جانے میں رکاوٹ بن جائے گی۔ یہاں انہوں نے شہر سے دور پڑاؤ ڈالا اور حکم دیا کہ غار نما گڑھے اتنے گہرے کھودے جائیں کہ ایک گھڑ سوار اس میں چھپ جائے۔ جب تو ایسا ظاہر کیا کہ گویا مسلمان حمص واپس جا رہے ہیں۔ لاذقیہ والوں نے انہیں واپس جاتے دیکھا تو اطمینان کے ساتھ شہر کے دروازے کھول کر اپنے کام کاج میں مصروف ہوگئے۔ رات ہوئی تو مسلمان واپس آ کر اپنے گڑھوں میں چھپ گئے۔ دوسرے روز صبح اہل لاذقیہ شہر کے دروازے کھول کر واپس آ گئے۔ مسلمانوں نے اچانک

Marfat.com

گڑھوں سے نکل کر شہر پر حملہ کر دیا۔ بلاذری کا بیان ہے کہ شہر کا دروازہ اتنا بڑا تھا کہ اسے کھولنے اور بند کرنے کے لیے کئی آدمیوں کی ضرورت پڑتی تھی۔ اب جو مسلمان شہسواروں نے ان پر حملہ کیا تو اہل لاذقیہ کے اوسان خطا ہو گئے۔ انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے۔ چنانچہ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے جزیہ پر ان سے صلح کی۔

اب سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ انطاکیہ کی طرف بڑھے اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہ حلب کی طرف۔ راستہ میں قنسرین تھا جو صوبہ حلب کا سب سے بڑا اور سب سے بارونق شہر تھا۔ اس کے قلعہ کو راستہ پہاڑوں پر سے ہو کر جاتا تھا اور جہاں راستہ تھا وہاں دشمن کی زبردست چوکیاں بنی ہوئی تھیں۔ میناس حلب کا گورنر تھا۔ وہ اس وقت قنسرین ہی میں موجود تھا۔ اس کو ہرقل کے بعد سب سے بڑا مانا جاتا تھا۔ اس نے عرب فوجوں کے حملہ کی اطلاع پا کر اعلان کیا کہ "اب مسلمانوں کو کچل کر رکھنا ہے۔ انہیں یہ بتانا ہے کہ ہماری سرحدوں میں در آنے والوں کا کیا حشر ہوتا ہے۔ فوج کو کمر بندی کا حکم دیا جائے اور ہر چھوٹا بڑا مادر وطن کی حفاظت کے لیے سینہ سپر ہو جائے۔"

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ جنگ سے قبل میدان جنگ کو اچھی طرح دیکھنے بھالنے کے عادی تھے۔ میدان کو دیکھ بھال کر وہ لڑائی کا نقشہ بناتے تھے۔ اس مرتبہ انہوں نے جو نظر ڈالی تو قنسرین پر حملہ کا مرحلہ بہت مشکل نظر آیا۔ اب انہوں نے حملہ کا نیا پلان تیار کیا۔ اپنی فوج کا ایک بہت بڑا حصہ تو انہوں نے دشمن کی نظروں کے سامنے چھوڑ دیا اور خود مجاہدوں کو لے کر میناس کے لشکر کے قریب پہاڑوں کے پیچھے پیچھے سے ہو کر رات ہی رات ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے دشمن پر حملہ کرنا بہت آسان تھا۔

جب سورج نے افق مشرق سے جھانکا تو میناس نے پہاڑی کے نیچے اپنی ایک جمعیت کو ترتیب دینا شروع کیا۔ مسلمانوں کا لشکر اس کی آنکھوں کے سامنے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا اور اسے پورا اطمینان تھا کہ اتنے میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کسی نامعلوم سمت سے میناس کی فوج پر حملہ آور ہو گئے۔ جونہی اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرے لگے میناس کی بکھری ہوئی فوج تتر بتر ہو گئی۔ میناس نے بہت چاہا کہ اس ناگہانی حملہ کو روکے لیکن بے سود۔ جب انہیں پتہ چلا کہ یہ حملہ خالد کے فوجی دستے کا ہے اور خالد رضی اللہ عنہ خود بھی اس میں موجود ہیں تو خالد رضی اللہ عنہ کا نام سنتے ہی ان کے دل دہلنے لگے اور وہ حوصلہ ہار بیٹھے ان کے ارادے مسمار ہو گئے۔ وہ مسلمانوں کے

Marfat.com

سامنے کس طرح ٹھہر سکتے تھے جب کہ دمشق، حمص، حماۃ اور لاذقیہ میں اسلامی فتوحات کی خبریں وہ اور ہرقل سن چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بھاگنا چاہا لیکن سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے فرار کی ساری راہیں مسدود کی ہوئی تھیں۔ میدان جنگ میں لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ خون کی ندیاں بہ نکلیں۔ انسانی لاشوں کا لاوا اُبل پڑا۔ میناس کو بھی مسلمانوں نے اس کے خون سے نہلا دیا۔ کچھ رومی بھاگ کر قنسرین میں قلعہ بند ہوگئے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک تہدیدی پیغام بھیجا:

''یاد رکھو، اگر تم بادلوں میں بھی جا چھپو گے تو اللہ ہم کو تمہارے پاس پہنچا دے گا یا پھر تمہیں ہماری طرف پھینک دے گا۔''

قلعہ اگرچہ ان کا بہت مضبوط تھا لیکن سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی ایک ہی دھمکی سے ان کی تو تیں ٹوٹ چکی تھیں۔ چنانچہ اہل شہر نے اپنے حاکم کو مجبور کیا کہ کسی طرح مسلمانوں سے صلح کر لی جائے کیونکہ ان سے مقابلہ ممکن نہیں۔ چنانچہ انہوں نے درخواست کی کہ اہل حمص کی شرائط صلح پر انہیں امان دے دی جائے۔ لیکن سیدنا خالد رضی اللہ عنہ ان کو حکم عدولی کی سزا دینے کا فیصلہ کر چکے تھے اس لیے شہر کو تباہ کرنے کے سوا کسی بات پر راضی نہ ہوئے اور اہل قنسرین اپنے مال ومتاع اور اہل وعیال کو تقدیر کے حوالے کر کے انطاکیہ بھاگ گئے۔ شہر کے قلعے اور فصیلیں منہدم کر دی گئیں کیونکہ یہی وہ دیواریں تھی جن پر ان کو اتنا ناز تھا کہ خدا کو بھولے ہوئے تھے۔ بعد میں اہل شہر کو درخواست کے مطابق امان دے دی گئی اور شہر کے نصف حصے پر مسلمان قابض ہوگئے۔ ایک روایت میں ہے کہ شہر کی کچھ زمین لے کر اس پر مسجد تعمیر کرا دی گئی اور باقی سب کچھ بدستور اہل شہر کے پاس رہا۔ اور جو لوگ انطاکیہ بھاگ گئے تھے وہ بھی جزیہ قبول کر کے واپس آ گئے۔ لیکن اس کے باوجود اہل شہر کے دلوں میں بغض وکینہ کے جذبات سلگتے رہے۔ چنانچہ جب مسلمان فوج حلب کی طرف بڑھی تو انہوں نے بغاوت وسرکشی کر دی۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے باغیوں کی سرکوبی کے لیے فوج روانہ کی جس نے محاصرہ کر کے اس بغاوت کو فرو کیا۔ اس فوج کو پھر وہیں چھوڑ دیا گیا تاکہ دوبارہ سرکشی نہ کر سکیں۔

قنسرین کو فتح کرنے کے بعد سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ آگے حلب کی طرف بڑھے اور شہر کے باہر پڑاؤ ڈالا۔ یہاں جو عرب تھے انہوں نے تو جزیہ پر صلح کر لی اور پھر بعد میں ان میں سے اکثر مسلمان بھی ہوگئے۔ اب سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عیاض رضی اللہ عنہ بن غنم کو آگے بھیجا۔ ان کو دیکھ کر اہل حلب قلعہ بند ہوگئے۔ سیدنا عیاض رضی اللہ عنہ نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ ہر چند کہ حلب

Marfat.com

کے قلعے بہت مضبوط تھے، لیکن جب ہمتیں پست ہو جائیں اور ارادے مسمار ہو جائیں تو قلعوں کی مضبوطی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ چنانچہ انہوں نے امان کی درخواست کردی۔ سیدنا عیاض رضی اللہ عنہ نے ان کی درخواست کے مطابق انہیں امان دے دی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ جب حلب میں داخل ہوئے تو وہاں کوئی شخص نہ تھا۔ پورا شہر انطاکیہ منتقل ہو گیا تھا اور جب صلح ہوئی تو واپس آیا۔

سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے قنسرین اور دوسرے شہروں کی فتح کا خط سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا جس میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے کارناموں اور میناس پر اس کی فتح اور قنسرین میں ان کے داخلہ کی تفصیل بیان کی اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی وہ بات بھی نقل کی جو انہوں نے قنسرین والوں سے کہی تھی کہ ''اگر تم بادلوں میں بھی جا چھپو گے تو اللہ تعالیٰ ہم کو تمہارے پاس پہنچا دے گا یا تمہیں ہماری طرف پھینک دے گا۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی عبقریت پر بڑا تعجب ہوا اور فرمایا:

''خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو امیر بنالیا ہے۔ اللہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے وہ مجھ سے زیادہ مردم شناس تھے۔''

اور آپ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے اس جملہ کو بار بار دہراتے۔ (طبری: ۴/ ۴۲۷، ترتیب و تہذیب البدایہ والنہایہ: ۶۲)

مسلمانوں کا انطاکیہ پر قبضہ:

دمشق، حمص اور دوسرے بڑے شہروں کی فتح ہونے کے بعد ہرقل کی پوزیشن بھی وہی ہوگئی جو یزدگرد کی تھی کہ اسے اپنی وسیع وعریض سلطنت میں کہیں جائے پناہ نہ ملتی۔ وہ جس شہر میں بھی جاتا مسلمان اس شہر پر حملہ کر دیتے اور اسے وہاں سے بھاگنا پڑتا۔ وہ دمشق میں تھا کہ مسلمانوں نے دمشق کو فتح کرلیا۔ ہرقل بھاگ کر حمص چلا گیا۔ مسلمانوں نے حمص کو فتح کرلیا تو ہرقل بھاگ کر انطاکیہ چلا گیا۔ اب انطاکیہ مسلمانوں کا ہدف تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ شاید تقدیر ترش روئی کے بعد پھر اس کے لیے مسکرا دے، لیکن ایسا ہونا اب ممکن نہیں تھا۔ مایوسی کے گھنیرے سائے اب روز بروز اس پر چھا رہے تھے اور اسے اپنا ستارہ اقبال زوال کے افق میں غروب ہوتا نظر آرہا تھا۔ چنانچہ جب وہ ''رہے''

Marfat.com

سے بھاگ کر قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) کی طرف جا رہا تھا تو جب وہ شمشاط سے گزرا تو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ مرعش سے قتل اعزاز ہوتے ہوئے دلوک جا رہے تھے۔ ہرقل کو جب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا پتہ چلا تو وہ شمشاط سے نہایت تیزی کے ساتھ گذرا اور پہاڑوں کی راہ اختیار کی۔ وہاں اس نے شام کی حسین وجمیل سرزمین پر نگاہ ڈالی اور نہایت حسرت ویاس بھرے لہجے میں کہنے لگا: ''سلام اے سرزمین شام! الوداعی سلام! اب کوئی رومی بے کھٹکے تیری طرف نہ آسکے گا'' وہ عزم وہمت کا جنازہ اپنے کندھوں پر لادے بازنطیہ پہنچا۔ اس کا دل خون ہو رہا تھا۔ چنانچہ اسی عالم میں اس نے عصائے سفر وہیں ٹیک دیا۔

اس زمانہ میں انطاکیہ کی آبادی ایک لاکھ کے لگ بھگ تھی جو کہ اس زمانہ کے لحاظ سے بہت بڑی آبادی تھی۔ ان کی معیشت میں کوئی تنگی نہیں تھی کیونکہ انطاکیہ بحر روم کے ساحل پر ارنط کے دہانے کے قریب واقع تھا جہاں ان کے باشندوں کی ضروریات کی تمام اشیاء ملک کے مختلف شہروں سے بذریعہ جہاز آتی تھیں۔ علاوہ ازیں وہ حلب جانے والے قافلوں کی گزرگاہ بھی تھا اور ہر لحاظ سے تجارت کا ایک عظیم مرکز بھی جو مشرق اور مغربت کا نقطہ اتصال سمجھا جاتا تھا۔ انطاکیہ کی یہ اہمیت عہد فاروقی تک برقرار رہی۔ چنانچہ مسلمانوں کے نزدیک اس شہر کی فتح قادسیہ، مدائن، جلولا اور بیت المقدس کی فتح کے برابر تھی۔

سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ انطاکیہ کے استحکام اس کے محل وقوع اور اس کی فوجی قوت اور دفاعی اہمیت سے پوری طرح آشنا تھے۔ شام کی لڑائیوں میں جو رومی شکست کے بعد بچ گئے وہ سب کے سب انطاکیہ میں جمع ہو کر اس کی حفاظت ومدافعت کے لیے کمر بستہ ہو گئے۔ انطاکیہ ایک مستحکم شہر تھا جسے چاروں طرف سے بلند وبالا فصیلوں نے گھیر رکھا تھا۔ ان فصیلوں کی بلندی کو دیکھ کر عقل انسانی حیران رہ جاتی تھی۔ اکثر ان پہاڑوں سے زیادہ اونچی تھیں جو شہر کے بعض حصوں کو محیط تھے۔ ایسی مستحکم اور مضبوط جگہ جہاں روم کی تمام فوجیں بھی شام کی شمالی جنگوں سے پسپا ہو کر جمع ہو گئی تھیں، وہ واقعی اس قابل تھی کہ مسلمان اس پر اپنے حملہ کا خیال ترک کر دیں اور ہرقل کے لیے یہی مناسب تھا کہ وہ اس میں پناہ لے اور اپنی فوجیں جمع کر کے مسلمانوں کو شکست دے کر اپنی اس بدنامی کے داغ کو دھوئے جو اس کے دامن پر لگ گیا تھا، لیکن ہرقل نے ''رہے'' سے فرار کے بعد انطاکیہ آنے کے بارہ میں سوچا ہی نہیں اور نہ ہی اس شہر کی مدافعت میں کوئی اہم حصہ لیا۔ بلکہ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اس کی طرف جانے دیا۔ انطاکیہ

Marfat.com

کے لوگوں نے شہر سے باہر نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا اور ایک سخت معرکے کے بعد شکست کھائی۔ اہل انطاکیہ نے سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے جزیہ پر صلح کر لی۔ جن لوگوں نے جزیہ دینا قبول نہ کیا ان کو جلاوطن کر دیا گیا۔

فحل کی فتح:

دمشق میں مسلمانوں کی طرف سے مطمئن ہو جانے کے بعد سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو ان اسلامی فوجوں کی فکر لاحق ہوئی جو فحل کے قریب اقامت پذیر تھیں۔ بحیرہ طبریہ کے جنوب میں فحل کے قریب رومیوں کا وہ لشکر موجود تھا جس نے یرموک کے میدان سے بھاگ کر وہاں پناہ لی تھی۔ اس کے علاوہ ہرقل کی امدادی فوجیں بھی ان کے پاس پہنچ چکی تھیں۔

رومی فوجیں بیسان میں جمع ہوئیں اور مسلمانوں نے ان کے سامنے فحل میں پڑاؤ ڈالا۔ رومیوں پر چونکہ یرموک کی شکست کا خوف طاری تھا اس لیے انہوں نے دریا اور آس پاس جس قدر نہریں تھیں ان سب کے بند توڑ دیئے اور بیسان سے لے کر فحل تک کا تمام علاقہ زیر آب آ گیا۔ کیچڑ اور دلدل کی وجہ سے تمام راستے مسدود ہو گئے اور مسلمانوں کی پیش قدمی رک گئی۔ یہ زمین جاڑے کے اختتام اور دمشق کے محاصرے تک زیر آب رہی۔ موسم گرما کے آغاز میں جب دمشق فتح ہوا اور زمین خشک ہونی شروع ہو گئی تو سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی قیادت میں یمنی فوج کو دمشق میں چھوڑا اور خود سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے ہمراہ فوج لے کر روانہ ہو گئے۔ یہ فوج فحل اور وادی بیسان میں رومیوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے اس وقت پہنچی جب زمین تھوڑی خشک ہونی شروع ہو گئی تھی۔ فوج کے سرداروں نے باہمی مشورہ کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو صورت حال سے آگاہ کر دیا اور جواب کا انتظار کرنے لگے۔ خوراک کی یہاں کوئی کمی نہ تھی۔ کیونکہ علاقہ بہت زرخیز تھا۔ دوسری طرف ان کے سامنے رومیوں کا اسی ہزار کا لشکر تھا جو ان کے سامنے یرموک اور دمشق کا انتقام لینے کے لیے زخمی ناگن کی طرح پھنکاریں مار رہا تھا۔

جب فحل میں مسلمانوں کا قیام طویل ہو گیا تو ہرقل کے جرنیل سقلا بن مخراق نے اپنی کثرت افواج کے زعم میں اچانک حملہ کر کے انہیں شکست سے دوچار کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے ایک خاص جگہ منتخب کی جہاں سے وہ مسلمانوں کی طرف اپنی فوجوں کو بھیجنا چاہتا تھا اور جب

Marfat.com

رات نے سیاہ چادر اوڑھ لی تو اس کا لشکر اس جگہ سے گزرا۔ سقلا کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ مسلمان اس حملہ کے لیے تیار ہوں گے، لہٰذا اس کا خیال تھا کہ پہلے ہی حملے میں ان کی صفیں درہم برہم ہو جائیں گی لیکن اس کا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ مسلمان جرنیل کچی گولیاں کھیلے ہوئے نہیں تھے وہ ہر لمحہ رومیوں کی چالبازیوں سے باخبر رہتے تھے۔ چنانچہ رات کے وقت دونوں لشکروں کی شدید لڑائی ہوئی اور معرکہ رات سے گزر کر دوسرے دن تک جاری رہا۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور سیدنا ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ نے اس جنگ میں بہادری اور جواں مردی کے وہ جوہر دکھائے کہ دشمن ورطہ حیرت میں پڑ گئے۔ چنانچہ معرکہ رات تک جاری رہا۔ جب رات کی سیاہی گہری ہوئی تو رومیوں کی قوت جواب دے گئی۔ اور وہ سقلا اور اپنے دوسرے جرنیلوں کے قتل ہونے کی وجہ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان شکست خوردہ فوجیوں کے لیے کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ چنانچہ ان کی شکست نے انہیں دلدل میں پھنسا دیا اور اس دلدل میں ان کے لیے قدم اٹھانا مشکل ہو گیا۔ آخر کار مسلمانوں نے انہیں آ دبوچا اور اپنے نیزوں سے انہیں اس دلدل میں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ چنانچہ اسی ہزار میں سے صرف وہی لوگ بچے جو کسی نہ کسی طرح بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فحل کے میدان میں شاندار فتح سے ہمکنار کیا۔ انہیں بے شمار مال غنیمت حاصل ہوا۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فتح کی خوشخبری امیر المومنین کی خدمت میں مدینہ منورہ ارسال کی۔

(الاکتفاء، کلاعی: ۳/۱۹۴، الانصار کی فی العصر الراشدی: ۲۰۷)

Marfat.com

جنگ یرموک

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن تھے کہ انہیں اطلاع ملی کہ ہرقل قیصر روم اپنی فوجیں جمع کر رہا ہے اور چند دنوں میں مسلمانوں پر حملہ کرنے والا ہے۔ اس وجہ سے شام کی سرحدوں کے قریب مسلمانوں کی زندگی خطرہ میں ہے۔ قیصر روم کے بارہ میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی کئی دفعہ یہ خبریں آئی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد جن فتنوں نے سر اٹھایا تھا ان سب کی سرکوبی ہو چکی تھی۔ یمن اور اس کے آس پاس کے علاقے ان کے قبضے میں آ گئے تھے۔ دومۃ الجندل نے مجاہدین اسلام کے لیے اپنے دروازے کھول دیئے تھے اور اس کی وجہ سے وادی سرحان کے راستے شام میں داخل ہونا مسلمانوں کے لیے آسان ہو گیا تھا۔ لہٰذا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب قیصر روم کی جنگی تیاریوں کی اطلاع ملی تو آپ نے بھی شام پر حملہ کرنے کا عزم کر لیا۔

صفر ۱۳ھ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک مجلس مشاورت طلب کی اور اس میں آپ نے شام پر حملہ کرنے کے بارہ میں اپنا پلان بیان فرمایا۔ سب حاضرین نے بیک آواز کہا: ''اے خلیفہ رسول! آپ کی اطاعت ہم پر واجب ہے، لہٰذا آپ جو حکم کریں گے اس کو بجا لایا جائے گا۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتفاق کے بعد آپ نے حجاز اور یمن کے تمام قبائل کے امراء کے نام جہاد میں شرکت کے لیے دعوت نامے ارسال فرمائے۔ قبائل نے آپ کی دعوت کو بڑی خوش دلی اور جوش و خروش سے قبول کیا اور چند ہی روز میں انہوں نے جوق در جوق مدینہ طیبہ میں آنا شروع کر دیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان قبائلی مجاہدین کو مدینہ کے قریب مقام جرف میں خیمے لگا کر ٹھہرایا۔ ان لشکروں کے علاوہ سیدنا عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ جو ارتداد کندہ کی جنگوں سے اور حضرموت اور عمان کی مہمات سر کر کے مدینہ پہنچ چکے تھے اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جو

Marfat.com

مرتدین کے استیصال کے بعد قضاعہ میں مقیم تھے ان سب کو شام بھیجنے کا انتظام کیا گیا۔

آپ نے اس بڑے لشکر سے چار لشکر ترتیب دیئے۔ ان لشکروں میں سب سے بڑا لشکر سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا تھا۔ ایک لشکر سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ، ایک لشکر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور ایک اور لشکر سیدنا شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں تھا۔ ان سب لشکروں کی مجموعی تعداد ۳۰ ہزار بنتی تھی۔

یہ سب لشکر مختلف محاذوں پر بھیجے گئے لیکن ان سب میں مراسلت اور مشاورت کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ قیصر روم کو جب ان لشکروں کا علم ہوا تو اس نے بہت بڑے پیمانے پر اپنے لشکر ترتیب دیئے۔ اس کی جنگی پالیسی کی بنیاد یہ تھی کہ اسلامی لشکروں کو کسی ایک محاذ پر اکٹھا نہ ہونے دیا جائے تاکہ وہ اجتماعی قوت کے ساتھ مقابلہ نہ کر سکیں۔ قیصر روم خود حمص آیا جہاں شام کی ایک بہت بڑی فوجی چھاؤنی تھی اور یہاں سے اس نے اپنے چار لشکر یوں ترتیب دیئے۔

① ایک لشکر اس نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ اس میں نوے ہزار سپاہی تھے اور اس کی قیادت ہرقل کا بھائی تھیوڈرس کر رہا تھا۔ اس کے مقابلے میں سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے لشکر کی تعداد صرف آٹھ ہزار تھی۔

② دوسرا لشکر سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں بھیجا۔ اس میں ساٹھ ہزار سپاہی تھے اور اس کی قیادت پیٹر کر رہا تھا۔ اس کے مقابلہ میں سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس صرف سات آٹھ ہزار سپاہی تھے۔

③ تیسرا لشکر سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ اس کا قائد دراقص تھا۔

مجاہدین اسلام کو جب ان لشکروں کی تعداد اور ان کے سامان اسلحہ کا علم ہوا تو انہیں اپنی تعداد کی کمی کی وجہ سے کچھ اندیشہ ہوا۔ چنانچہ انہوں نے خلیفہ رسول کو دشمن کی کثرت تعداد کی اطلاع دی لیکن بارگاہ خلافت سے جو جواب آیا وہ یہ تھا۔

''تم سب ایک جگہ ہو جاؤ اور ایک لشکر بنالو۔ اپنی قلت تعداد کا غم نہ کرو۔ تم اللہ کے دین کے مددگار ہو۔ وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا اور تم سب یرموک میں جمع ہو جاؤ۔''

قیصر روم نے پہلے ہی یرموک کو اپنے فوجی ہیڈ کوارٹر کے لیے منتخب کیا ہوا تھا۔ مسلمان دریائے یرموک کے دائیں بازو کو عبور کر کے رومیوں کے بالمقابل خیمہ زن ہو گئے۔ اب رومی

Marfat.com

تین طرف سے پہاڑوں سے گھرے ہوئے تھے اور اس کے سامنے کی طرف اسلامی فوجیں قابض تھیں۔

دونوں فوجیں دو ماہ تک آمنے سامنے پڑی رہیں۔ اس مدت میں معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں، لیکن کھل کر جنگ نہ ہوئی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب اس کی اطلاع موصول ہوئی تو وہ بہت فکرمند ہوئے اور آپ نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو جو اس وقت عراق میں تھے، لکھا کہ عراق میں مثنیٰ بن حارثہ شیبانی کو اپنا قائم مقام بنا کر فوراً شام کے لیے روانہ ہو جاؤ۔ ابن اثیر نے کامل میں لکھا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ:

''تم روانہ ہو جاؤ یہاں تک کہ یرموک میں جو مسلمان اکٹھے ہو گئے ہیں ان سے جا ملو کیونکہ وہ غم زدہ ہیں۔''

خالد تعمیل حکم میں شام کی طرف چلے تو کوئی نو ہزار کا لشکر ان کے ساتھ تھا۔ افسوس کہ اسی زمانے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے اور یرموک کی جنگ سے کوئی دس روز قبل یعنی ۸ جمادی الآخرۃ ۱۳ھ کو انتقال فرمایا۔ خالد رضی اللہ عنہ منزلوں پر منزلیں طے کرتے اور مختلف شہروں کو راستہ میں فتح کرتے بصرہ پہنچے تو یہاں سیدنا شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے اس شہر کا محاصرہ کیا ہوا تھا لیکن وہ شہر فتح نہیں ہو رہا تھا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے آتے ہی اس زور کا حملہ کیا کہ شہر فتح ہو گیا۔

غرض کہ ربیع الآخر میں ادھر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ یرموک پہنچے اور ادھر باہان جو راستہ میں بیٹھا اپنی فوج کے عقبی راستے کی حفاظت کر رہا تھا، اپنے لشکر سے جا ملا۔ باہان کا آنا تھا کہ رومی اپنی گھاٹی سے نکل آئے۔ تذارق نے یرموک کے کنارے اپنی فوجوں کو ترتیب دیا۔ چالیس ہزار سپاہی زنجیروں میں باندھ کر کھڑے کیے گئے تاکہ جان دینے کے سوا قدم پیچھے ہٹانے کا خیال بھی کسی کے دل میں نہ آئے۔ سپاہیوں کو میدان میں کھڑا کرنے کے بعد تذارق یہ سمجھا تھا کہ یہ لوہے کی دیوار ہے جس سے دشمن ٹکرا ٹکرا کر پاش ہو جائے گا۔ یہی نہیں کہ بازنطینی جانبازوں میں سے اسی ہزار کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں تاکہ جہاں ان کو کھڑا کیا جائے وہیں یہ پہاڑ کی طرح جمے رہیں۔ چالیس ہزار نے خود کو اپنی پگڑیوں سے باندھ رکھا تھا۔ اسی ہزار سوار اور اسی ہزار ہی پیدل تھے۔ ان کے پاس وہ سامان حرب وضرب تھا کہ کیا کسی کے پاس ہوگا۔ یہ وہ جیالے تھے جو آسمان سے ستارے نوچ لائیں۔ ان کے آگے آگے راہب اور

Marfat.com

کاہن تھے جو ترانے سناتے، بڑھاوے دیتے چلے جا رہے تھے۔ سب کے حوصلے بلند اور ہمتیں جوان تھیں۔

مسلمانوں کے پاس سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھ عراق سے آئی ہوئی فوج کو ملا کر کل پچیس (۲۵) ہزار مجاہد تھے۔ (بلاذری نے ۲۵ ہزار، طبری نے ۳۶ ہزار اور ابن اثیر نے ۵۰ ہزار بتائی ہے) تعداد اور سامان حرب وضرب کا اتنا بڑا فرق کہ عقل محو تماشائے لب بام ہے۔ (یہ فرق تو مسلمانوں کے ساتھ ہر جنگ میں رہا ہے) چار سالار الگ الگ اپنی فوجیں لڑا رہے تھے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے یہ حال دیکھا تو سب سالاروں کو ایک جگہ جمع کیا اور صورت حال کے بارہ میں غور وفکر کرنے لگے۔ جنگی چالیں سوچی گئیں۔ آخر میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا۔

''آج کا دن ایک یادگار دن ہے۔ یہ ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ دشمن بڑی ترتیب و تنظیم سے لڑنے آیا ہے۔ ہمیں خاندانی فخر یا اپنے شرف اور مرتبے کا خیال چھوڑ کر صرف اللہ کے لیے لڑنا ہے۔ اس لیے آیئے ہم سب ایک ہو کر لڑیں۔ ہم میں سے ایک آدمی کو فوج کی کمان سپرد کر دی جائے اور سب اس کے حکم کی تعمیل کریں۔''

متفقہ طور پر طے پایا کہ امیر لشکر خالد رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے ایک نئے ڈھنگ سے مسلمان فوج کو میدان جنگ میں اتارا۔ سارا لشکر ۳۶ دستوں میں تقسیم کیا گیا۔ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ بن عمرو اور سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ قلب کے دو بازوؤں کے سالار بنائے گئے۔ اٹھارہ دستے درمیانی حصے میں رکھے گئے۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ان پر کمانڈر بنائے گئے۔ دس دستے میمنہ پر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی کمان میں دیئے گئے اور دس ہی دستے میسرہ پر سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی کمان میں دیئے گئے۔ ہر دستے پر ایک آزمودہ کار سالار مقرر کیا گیا جنہیں ہدایت تھی کہ انہوں نے اپنے سالار کے حکم کی تعمیل کرنی ہے۔

سیدنا ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ بھی فوج میں بھرتی ہو کر آئے تھے۔ ان کا صاحبزادہ یزید رضی اللہ عنہ بائیں بازو کا سالار اور باپ لشکر کے نقیب بنائے گئے۔ سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ قاری مقرر ہوئے۔ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا پورا گھرانہ اس جنگ میں شریک تھا۔ بیوی ہند، بیٹی جویریہ بھی شریک لشکر تھیں۔ اور بھی مسلمان گھرانوں کی بہو بیٹیاں اس فوج کے ساتھ موجود تھیں۔

اسلامی لشکر کی صف آرائی کے دوران کسی شخص کے منہ سے نکل گیا: ''بازنطینی کتنے زیادہ اور مسلمان کتنے کم ہیں۔'' سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو فرمایا:

Marfat.com

''مسلمان کتنے زیادہ اور بازنطینی کتنے کم ہیں۔ مسلمانو! یاد رکھو، فوجیں تعداد کی کثرت سے نہیں ہمت اور جرأت کی وجہ سے کم یا زیادہ ہوتی ہیں۔ خدا کی مدد ہمیشہ اس کے ساتھ ہوتی ہے جو بہادر اور جرات مند ہوتا ہے۔ الحمد للہ! ہم بہادر بھی ہیں، جرأت مند بھی ہیں اور صاحب ایمان بھی۔ ہم سے کون مقابلہ کرے گا۔''

سیدنا ابوسفیان کے بارہ میں تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ آپ چونکہ نقیب لشکر تھے، ہر دستے کے آگے جاتے اور فرماتے:

''اللہ اللہ! تم لوگ جوانان عرب اور صاحبان اسلام ہو اور تمہارے مخالف مشرک اور کافر ہیں۔ وہ کیا اور ان کی ہمت کیا۔ اللہ کی نصرت اور مدد تمہارے ساتھ ہے۔ یا اللہ! آج کا دن بڑا یادگار ہے۔ ہماری جلد مدد فرما۔''

جونہی لشکر آمنے سامنے ہوئے اور قاری لشکر سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے سورہ انفال کی تلاوت کی تو مجاہدین اسلام کے دلوں میں کلام الٰہی کا ایک ایک حرف اترتا چلا گیا۔ احساس حمیت دمک اٹھا۔ دل میں خدا کی یاد کا چشمہ ابلنے لگا۔ زبان پر اللہ کا نام ترنم ریز۔ دست و بازو۔ میں شہپر جبریل کی طاقتیں سمٹ آئیں۔ بس پھر کیا تھا جونہی جنگ کا طبل بجا۔ سرفروش شیروں کی طرح آگے بڑھے اور چیتے کی طرح جھپٹے۔ سیدنا ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ تو کرتا اتار کر دشمنوں پر باز کی طرح جھپٹے۔ ہاتھ میں تلوار بجلی کی طرح کوندتی، جس طرف نکل جاتے حریفوں کو جان کے لالے پڑ جاتے اور بازنطینیوں کی ٹی گم ہو جاتی۔

سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ، سیدنا سہیل رضی اللہ عنہ، سیدنا حارث بن عمرو بن عکرمہ، طفیل بن عکرمہ اور دوسرے جانباز مجاہد جدھر کا رخ کرتے دشمن زنجیریں توڑ کر بھاگ کھڑا ہوتا۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سپہ سالار لشکر کا تو عجیب حال تھا۔ آخر سیف اللہ تھے اور اللہ کی تلوار کو نہ تو کوئی توڑ سکتا ہے اور نہ ہی کوئی کند کر سکتا ہے۔ وہ قلب لشکر میں گھس گئے۔ رومی سوار اور پیدل انہیں گھیرنے کی بہتیری کوشش کرتے لیکن وہ کسی کے پاس نہ آتے۔

جرجہ ایک رومی عیسائی تھا۔ خالد کی بے مثال شجاعت اور بے پناہ عزم و حوصلہ سے وہ بہت متاثر ہوا اور امان امان پکار کر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے سامنے آیا اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو پاس بلا کر پوچھنے لگا: ''خالد! ایک بات بتاؤ کیا تمہارے نبی پر آسمان سے کوئی تلوار اتری تھی؟'' سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں۔'' جرجہ نے کہا: '' پھر آپ کو اللہ کی تلوار کیوں کہا جاتا ہے؟'' سیدنا

Marfat.com

خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''اس لیے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے نصرت خداوندی کی دعا فرمائی تھی۔ میں مشرکوں کے لیے اللہ کی تلوار ہوں۔'' جرجہ نے کہا: ''بے شک تم درست کہتے ہو۔ اور تمہاری بہادری اور جرأت اس کی زندہ مثال ہے۔''

خالد رضی اللہ عنہ کی باتوں اور ان کی جرأت و ہمت نے جرجہ کے دل پر خاص اثر کیا۔ اس نے اپنی ڈھال کو پلٹ دیا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ اس کے خیالات میں تبدیلی آ گئی ہے۔ چنانچہ وہ اپنا لشکر چھوڑ کر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو گیا۔ دونوں میدان کارزار سے باہر چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد جب واپس لوٹے تو جرجہ عیسائی سے مسلمان ہو چکا تھا۔ یہ رومیوں کے مقدمۃ الجیش کا امیر تھا۔

جنگ یرموک کا یہ دن بڑا سخت تھا۔ گھمسان کا رن پڑا۔ نماز ظہر و عصر اشاروں سے پڑھی گئی۔ جرجہ اب وہ نہیں تھا جو پہلے تھا۔ خیالات کی تبدیلی نے اس کے قلب و نظر تبدیل کر دیے۔ جسم کی توانائیاں بدل گئیں۔ جرأت و شجاعت میں نکھار آ گیا۔ اب اس کے اخلاص و عمل کا یہ عالم تھا کہ وہ مجاہدوں کے آگے آگے تھا۔ دل میں سوائے اللہ کے خوف کے باقی سب خوف نکل گئے تھے۔ اب وہ بجلی بن کر صف اعداء پر گرتا اور بادل کی طرح برستے ہوئے آگے نکل جاتا۔ یہ صرف اس لیے تھا کہ اب اس نے اللہ سے اپنا رشتہ جوڑ لیا تھا اور غیر اللہ سے توڑ لیا تھا۔

چار سو مسلمانوں نے باہم مل کر عہد کیا تھا کہ میدان جنگ میں شہید ہو کر رہیں گے۔ رات ختم ہوئی تو صبح کے تارے نے دیکھا کہ وہ جانباز دھن کے پکے اور قول کے سچے زخموں سے چور چور ہو کر پڑے ہیں۔ ان میں اکثر نے جام شہادت نوش کیا۔ سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ ابو جہل کے بیٹے ایک دستے کے سردار تھے۔ دیکھا کہ دن گزرا اور رات آ گئی اور جنگ کسی نتیجہ پر نہ پہنچی تو چلا کر بولے:

''میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لڑتا رہا ہوں، کیا آج ان رومیوں سے بھاگوں گا؟ بولو! کون ہے جو آج میرے ساتھ موت پر بیعت کرتا ہے؟''

سیدنا حارث رضی اللہ عنہ بولے ''میں۔'' سیدنا سہیل رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے جواب دیا ''میں۔'' سیدنا ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ چلائے ''میں''۔ حارث رضی اللہ عنہ، سہیل رضی اللہ عنہ اور عکرمہ پاس ہی زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ جان لبوں پر کھیل رہی تھی۔ زبان پر کانٹے پڑ گئے۔ سب پر نزع کا عالم طاری تھا۔ زخمیوں کو دیکھنے کے لیے جب کچھ مجاہد میدان میں گئے تو سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ نے

Marfat.com

پانی مانگا۔ پانی کا برتن سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھایا گیا۔ انہوں نے پینا چاہا تو سہیل رضی اللہ عنہ حسرت بھری نگاہ سے پانی کے برتن کو دیکھ رہے تھے اور پانی کا اشارہ کیا۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ نے خود پانی نہ پیا اور کہا کہ میرے بھائی سہیل رضی اللہ عنہ کو پانی دو۔ وہ جب پینے لگے تو دیکھا کہ حارث پانی مانگ رہے ہیں۔ فرمایا پہلے ان کو دو۔ وہ جب پینے لگے تو پانی پینے سے پہلے ہی جان جان آفریں کے سپرد ہوگئی۔ پانی پلانے والا سیدنا سہیل رضی اللہ عنہ کے پاس پانی لے کر آیا۔ دیکھا کہ ان کی روح بھی قفس عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔ پانی پلانے والا ادھر ادھر دوڑتا رہا لیکن شہادت کا طالب کوئی بھی پانی نہ پی سکا اور پانی کا پیالہ اسی طرح اس کے ہاتھ میں رہا۔

عکرمہ رضی اللہ عنہ خالد رضی اللہ عنہ کے جاہلیت کے دوست تھے۔ جنگ احد میں بھی انہی دونوں نے جنگ کا پانسہ پلٹا تھا اور مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہوگئی تھی۔ آج بھی یہ دونوں اکٹھے اسلام کے جھنڈے تلے دین اسلام کی حمایت میں جنگ کر رہے تھے۔ عکرمہ نے آج میدان جنگ میں اپنی جرات و بہادری کے جوہر دکھا کر جنگ کا پانسہ پلٹ دیا تھا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اپنے اس پرانے دوست کو میدان جنگ میں ڈھونڈ رہے تھے۔ ان کی لاش میدان جنگ سے لائی گئی۔ مسلمانوں کے سپہ سالار نے ان کا سر اپنے زانو پر رکھا اور اسلام کے اس جانباز و جان فروش کے چہرے سے خاک جھاڑتے جاتے تھے اور حلق میں پانی ٹپکاتے تھے۔ خالد رضی اللہ عنہ کی آنکھیں اپنے اس دوست کی جدائی میں نمناک تھیں۔ لیکن اب پانی کا کیا فائدہ؟ شہید کی روح تو جام کوثر پینے کے لیے پرواز کر گئی تھی۔

ایک دن اور ایک رات کی مسلسل جنگ کے بعد رومی حوصلہ ہار چکے تھے۔ ان کے پاؤں اکھڑ چکے تھے۔ جان بچانے کی کوشش میں ان کے بے شمار سپاہی خندق کی طرف بھاگے جو زنجیروں میں بندھے ہوئے یا جن کے پاؤں میں بیڑیاں تھیں ان پر تو خدائی قہر ٹوٹا ہوا تھا۔ ایک جان بچانے کے لیے خندق میں چھلانگ لگاتا تو دس کی جان پر بن جاتی۔ سب ایک دوسرے پر گر گر کر ڈھیر ہو رہے تھے۔ سوار بھاگنا چاہتے تھے انہیں تو مسلمانوں نے بھاگنے کا راستہ دے دیا لیکن پیدل فوج کو تو بری طرح موت کے گھاٹ اتارا گیا۔

بعض روایات میں ہے کہ جب جنگ کا آغاز ہوا تو پہلے ہی قدم پر رومی دستوں نے مسلمانوں پر اس زور کا حملہ کیا کہ وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوگئے۔ سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ اس وقت سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے خیمے کے سامنے اپنا دستہ لیے کھڑے تھے۔ وہ رومی حملہ کی شدت کو دیکھ کر بے قابو

Marfat.com

ہو گئے اور رومیوں کو مخاطب کر کے کہا: ''میں نے بڑے بڑے معرکے دیکھے ہیں اور بہت سی جنگوں میں شرکت کی ہے، میں تم سے ڈرنے والا نہیں۔'' پھر اپنے سپاہیوں سے کہا: ''جو شخص میرے ہاتھ پر موت کی بیعت کرنا چاہتا ہے وہ ادھر آ جائے۔'' یہ الفاظ سنتے ہی حارث بن ہشام، ضرار بن ازور اور ان کے اپنے بیٹے عمرو بن عکرمہ رضی اللہ عنہ چار سو جانبازوں کے ساتھ آئے اور عکرمہ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی اور اسی وقت رومیوں پر حملہ آور ہو گئے۔ اور اس شدت سے حملہ کیا کہ رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ ادھر جرجہ جس نے اپنے اسلام کا اعلان کیا تھا اپنے دستے کے ساتھ ان سے آملا جس نے رومیوں میں مزید بدحواسی اور بے چینی پھیلا دی اور وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے رومیوں کی یہ افراتفری دیکھی تو اپنے لشکر کو ایڈوانس کرنے کا حکم دے دیا۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ پہلے ہی انہیں پیچھے دھکیلتے جا رہے تھے۔ اب رومی مشکلات میں پھنس گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہر طرف سے مسلمانوں کی تلواروں کا لقمہ بننے لگے۔ چند مسلمان عورتیں بھی جنگ میں موجود تھیں وہ بھی دشمن پر برابر تلوار چلا رہی تھیں۔ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی جویریہ بھی ایک مجاہدہ کی حیثیت سے مصروف جہاد تھیں اور نہایت بہادری سے میدان میں ڈٹی ہوئی تھیں۔

سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کرنے والا دستہ انتہائی شجاعت کا ثبوت دے رہا تھا۔ سورج حجلہ مغرب میں چھپ گیا لیکن لڑائی اپنے پورے زور پر تھی۔ آخر کار رومی فوج میں کمزوری کے آثار دکھائی دینے لگے اور ان کے سواروں اور پیادوں کے چہرے مرجھا گئے۔ اب وہ بھاگنے کی راہ ڈھونڈ رہے تھے، لیکن انہیں کوئی راہ نہیں مل رہی تھی۔ خالد رضی اللہ عنہ نے رومی فوج کی یہ پریشانی دیکھی تو اپنی فوج کو رومیوں کے سامنے سے ہٹ جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ گھڑ سواروں نے بھاگنے کا راستہ کھلا دیکھا تو بھاگنے کے لیے گھوڑوں کو ایڑ لگا دی اور چند لمحوں میں وہ میدان جنگ سے بھاگ کر ادھر اُدھر شام کی سرزمین میں منتشر ہو گئے۔ اب صرف پیدل دستے میدان جنگ میں رہ گئے۔ جن کو مسلمان سپاہیوں نے قتل کرنا شروع کر دیا۔ طبری کی روایت کے مطابق ایک لاکھ بیس ہزار افراد کھائی میں گر کر نذر اجل ہو گئے۔ ان میں اسی (۸۰) ہزار وہ تھے جنہوں نے اپنے آپ کو بیڑیوں میں جکڑا ہوا تھا۔

دوسرے روز دیکھا گیا تو میدان میں کوئی زندہ رومی تو نہ تھا البتہ رومیوں کی لاشوں سے سارا میدان اٹا پڑا تھا۔ جگہ جگہ ان کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ ایک لاکھ چالیس ہزار دشمن کے سپاہی میدان جنگ میں کھیت ہو گئے تھے۔ طبری نے لکھا کہ تیس ہزار مارے گئے اور باقی

Marfat.com

فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ تذارق جو اس لشکر کا سپہ سالار اعظم تھا بھاگتے ہوئے پکڑا گیا اور مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ فیقار اور دوسرے سرداروں سے کچھ نہ بن پڑا تو ندامت سے اپنے منہ ٹوپیوں سے چھپا کر ایک طرف کو نکل گئے، لیکن سردار تھے۔ لباس سے ان کی سرداری ٹپک رہی تھی اس وجہ سے اپنے آپ کو چھپا نہ سکے اور مارے گئے۔ اس معرکہ میں مسلمانوں کے صرف تین ہزار آدمی زخمی اور شہید ہو گئے۔ واقدی نے شہداء کی تعداد چار ہزار لکھی ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے کئی ایک مورخین نے لکھا ہے کہ جب سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ دمشق سے روانہ ہو کر یرموک پہنچے تو سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی انہیں یہیں آ کر ملے۔ یرموک کے میدان کو اس لیے لڑائی کے لیے پسند کیا گیا کہ عرب سرحد بہ نسبت اور مقامات کے یہاں سے قریب تھی اور پشت پر عرب کی سرحد تک کھلا میدان تھا جس کی وجہ سے ضرورت پڑنے پر جہاں تک چاہیں پیچھے ہٹتے جائیں۔ یہیں سے سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ:

''رومی بحر و بر سے ابل پڑے ہیں اور ان کے جوش کا یہ حال ہے کہ ان کی فوج جس راستہ سے گزرتی ہے، راہب اور ان کے گوشہ نشین پادری جنہوں نے کبھی خلوت سے قدم باہر نہیں رکھا تھا، اپنی خانقاہوں سے نکل نکل کر فوج کے ساتھ ہوتے جاتے ہیں۔''

اس خط نے امیر المومنین کو پریشان کر دیا۔ آپ نے مہاجرین و انصار کو جمع کر کے وہ خط سنایا۔ تمام صحابہ کی آنکھیں نم ہو گئیں اور نہایت جذباتی انداز میں کہا: ''امیر المومنین! خدا کے لیے ہمیں اجازت دیں کہ ہم اپنے ان بھائیوں پر جا کر قربان ہو جائیں۔ اگر خدا نہ کرے ان کا بال بیکا ہو گیا تو پھر جینے کا کیا فائدہ؟'' سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: ''امیر المومنین: آپ خود سپہ سالار بنیں اور ہمیں ساتھ لے کر محاذ جنگ پر چلیں'' لیکن دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی اس رائے سے اختلاف کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قاصد سے پوچھا کہ دشمن کہاں تک آ گیا ہے؟ اس نے کہا: یرموک سے تین چار منزل کا فاصلہ رہ گیا ہے۔''

اس خط سے قبل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر مدینہ سے بھیجا تھا۔ جس روز قاصد سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آیا اسی دن سعید بن عامر بھی ہزار آدمی کے ساتھ پہنچ گئے۔ دشمن کی کثرت تعداد کے مقابلہ میں ان ایک

Marfat.com

ہزار مجاہدین کی کوئی خاص حیثیت نہیں تھی، لیکن پھر بھی مسلمانوں کو نہایت تقویت محسوس ہوئی اور ان کے حوصلے بڑھ گئے اور ہمتیں جوان ہو گئیں۔

جب دونوں لشکر آمنے سامنے صف آرا ہوئے تو ایک بطریق صف کو چیرتے ہوئے میدان میں آیا اور مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی۔ سیدنا میسرہ بن مسروق رضی اللہ عنہ اس کے مقابلہ کے لیے آگے بڑھے لیکن حریف چونکہ نہایت تنومند جوان تھا، اس لیے خالد رضی اللہ عنہ نے میسرہ کو روکا اور قیس بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ کو اشارہ کیا۔ وہ شعر پڑھتے ہوئے میدان میں بڑھے۔

سائل نساء الحی فی احجالها

الست یوم الحرب من ابطالها

پردہ نشین عورتوں سے پوچھ لو، کیا میں لڑائی کے دن بہادروں کے کام نہیں آتا۔

قیس بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور میدان میں جاتے ہی دشمن پر جھپٹے یہاں تک کہ بطریق ہتھیار بھی نہ سنبھال سکا تھا کہ ان کا وار چل گیا۔ تلوار جو سر پر پڑی تو وہ خود کو کاٹتی ہوئی گردن تک اتر گئی۔ بطریق ڈگمگا کر گھوڑے سے گر پڑا۔ اس کا گرنا تھا کہ مسلمانوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے کہا: ''الحمد للہ! شگون اچھا ہوا ہے۔ اب انشاء اللہ فتح ہماری ہو گی۔'' اس روز لڑائی بند ہو گئی۔

رات کو باہان نے اپنے سرداروں کو بلایا اور انہیں کہا کہ عربوں کو شام کی دولت کا مزہ پڑ چکا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ان لوگوں کو مال و دولت دے دلا کر یہاں سے واپس بھیج دیا جائے۔ سب نے اس کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ دوسرے روز اس نے سپہ سالار لشکر کے پاس ایک قاصد بھیجا کہ کسی معزز کمانڈر کو ہمارے پاس بھیج دو، ہم اس سے صلح کے بارہ میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اس کے پاس تشریف لے گئے۔ قاصد جو پیغام لے کر آیا اس کا نام جارج تھا وہ شام کے وقت مسلمانوں کے کیمپ میں آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد نماز مغرب شروع ہوئی۔ مسلمان نماز میں جس محویت، سکون و وقار اور ذوق و شوق کے ساتھ کھڑے ہوئے تو وہ نہایت حیرت کے ساتھ دیکھتا رہا اور بہت متاثر ہوا۔ بعد میں اس نے مسلمانوں سے اس بارہ میں کچھ سوال بھی کیے اور حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ وہ واپس رومی لشکر میں جانا نہیں چاہتا تھا لیکن سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کو اصرار کے ساتھ واپس بھیج دیا اور فرمایا کہ کل ہمارے سفیر کے ساتھ آ جانا۔

دوسرے روز سیدنا خالد رضی اللہ عنہ رومیوں کے کیمپ میں تشریف لے گئے۔ رومیوں نے

Marfat.com

اپنی شان وشوکت دکھانے کے لیے بڑا اہتمام کیا ہوا تھا لیکن سیدنا خالد رضی اللہ عنہ ان سب چیزوں کو پائے حقارت سے ٹھکراتے ہوئے سیدھے باہان کے خیمے میں پہنچ گئے اس نے نہایت احترام کے ساتھ آپ کا استقبال کیا۔ پھر مترجم کے ذریعہ گفتگو ہوئی۔ باہان نے کہا: ''ہمارا بادشاہ تمام بادشاہوں کا شہنشاہ ہے۔ اس پر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اس کی بات ٹوکتے ہوئے فرمایا: ''تمہارا بادشاہ ایسا ہی ہوگا لیکن ہم نے جس کو سردار بنایا ہوا ہے اگر ایک لحہ کے لیے بھی اس کے حاشیہ خیال میں یہ بات آجائے کہ وہ بادشاہ ہے تو ہم فوراً اس کو معزول کر دیں۔'' باہان نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا: ''تمہاری قوم کے لوگ ہمارے ملک میں آ کر آباد ہوئے۔ ہم نے ان کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کیا۔ ان کو ہر قسم کی مراعات سے نوازا، لیکن خلاف توقع تم ہمارے ملک پر چڑھ آئے، اور چاہتے ہو کہ ہمیں ہمارے ملک سے نکال دو۔ ہم جانتے ہیں کہ تم بھوک اور تنگ دستی کی وجہ سے یہاں آئے ہو۔ ہم تمہارے اس ملک میں در آنے سے چشم پوشی اور درگذر کرتے ہیں بلکہ اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو انعام کے طور پر تمہارے سپہ سالار کو دس ہزار دینار، افسروں کو ہزار ہزار اور عام سپاہیوں کو سوسو دینار دلا دیئے جائیں گے۔''

جب باہان اپنی یہ پیش کش کہہ چکا تو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''باہان سن! ہم اس وجہ سے اپنے ملک سے نکل کر یہاں نہیں آئے جو وجہ تو نے بیان کی ہے بلکہ ہم لوگ خون پینے والے ہیں اور ہمیں پتہ چلا ہے کہ رومیوں سے زیادہ اور کسی قوم کا خون لذیذ اور اچھا نہیں ہے۔ ہم صرف اس لیے آئے ہیں'' (انا قوم نشرب الدماء وانه بلغنا انه لادم اطیب من دم الروم فجئنا لذالك) پھر فرمایا: ہم واقعی محتاج اور تنگ دست تھے۔ ہمارے ظلم و جہالت کا یہ حال تھا کہ قوی کمزور کو پیس ڈالتا تھا۔ قبائل آپس میں لڑ کر برباد ہوتے جاتے تھے۔ ہم نے بہت سے خدا بنا رکھے تھے جن کی ہم پوجا کرتے تھے۔ اللہ نے ہم پر رحم کیا اور ایک رسول بھیجا جو خود ہماری قوم سے تھا۔ وہ ہم میں سب سے زیادہ نیک طینت اور فیاض تھا۔ اس نے ہمیں توحید کی تعلیم دی۔ اس نے ہم کو یہ حکم دیا کہ ہم ان عقائد کی دنیا کو دعوت دیں۔ جس نے ان کو قبول کیا وہ ہمارا مسلمان بھائی ہے۔ جس نے نہ مانا، لیکن جزیہ دینا قبول کیا اس کے ہم محافظ ہیں جس کو دونوں سے انکار ہو اس کے لیے ہماری تلوار ہے۔''

باہان نے جزیہ کا نام سن کر ایک ٹھنڈی آہ بھری اور اپنے لشکر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ''یہ لوگ مر کر بھی جزیہ نہ دیں گے کیونکہ ہم جزیہ لیتے ہیں دیتے نہیں۔'' غرض کہ کوئی

Marfat.com

معاملہ طے نہ ہوا اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اٹھ کر واپس آ گئے۔ اب باہان نے اپنے سرداروں کو نہایت جذباتی کہا: ''دیکھ لیا عربوں کا انداز سخن۔ تم جب تک ان کی رعایا ہو کر نہ بن جاؤ ان کے حملے سے محفوظ نہیں رہ سکتے، تم کو ان کی غلامی منظور ہے؟'' تمام فوجی کمانڈروں نے کہا: ''ہم مر جائیں گے لیکن یہ ذلت گوارہ نہیں کریں گے۔''

جب صلح کی تمام امیدیں ختم ہو گئیں تو اگلے ہی روز جنگ شروع ہو گئی۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے جو شخص اس روز سب سے پہلے شہید ہوا وہ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس لڑائی شروع ہونے سے پہلے آیا اور عرض کی: ''میں نے آج شہادت کا مرتبہ حاصل کرنے کا پورا پورا ارادہ کیا ہوا ہے، لہٰذا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کوئی پیغام ہے تو مجھے دے دیں۔ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تو شہادت کے بعد سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو تو میری طرف سے آپ کی خدمت میں سلام عرض کرنا اور یہ بھی عرض کرنا کہ:

''یارسول اللہ: انا قد وجدنا وعدنا ربنا حقا''

اے اللہ کے رسول! جو ہمارے رب نے ہم سے وعدے کیے تھے ہم نے ان سب کو سچا پایا۔

وہ شخص یہ پیغام سن کر میدان جنگ میں گیا اور جاتے ہی شہید ہو گیا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

دورانِ جنگ ایک لمحہ وہ بھی آیا کہ مسلمانوں کا میمنہ ٹوٹ کر فوج سے الگ ہو گیا اور نہایت بے ترتیبی سے پیچھے ہٹا اور ہٹتے ہٹتے عورتوں کے خیمہ گاہ تک چلا گیا۔ عورتوں کو مردوں کی یہ حالت دیکھ کر سخت غصہ آیا اور خیمہ کی چوبیں اکھاڑ کر مردوں کو کہنے لگیں: ''نامرادو! ادھر آئے تو چوبوں سے تمہارا سر توڑ دیں گی'' یہ حالت دیکھ کر سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جو میمنہ کے ایک حصہ کے کمانڈر تھے، اپنے گھوڑے سے کود پڑے اور بولے: ''کوئی بہادر اس گھوڑے کا حق ادا کر سکے تو گھوڑا حاضر ہے؟'' ان کے بیٹے نے کہا: ''ابا! میں اس کا حق ادا کروں گا۔'' بیٹے نے گھوڑا لیا اور دونوں باپ بیٹا اس دلیری اور جوانمردی سے لڑے کہ فوج کے اکھڑے ہوئے پاؤں سنبھل گئے۔

اس جنگ کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قریباً ایک ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شریک تھے۔ بیرون ملک کسی جنگ میں بھی اتنے صحابی شریک نہیں ہوئے جن میں سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، سیدنا ابو سفیان رضی اللہ عنہ وغیرہ خاص طور پر

Marfat.com

قابل ذکر ہیں۔ اوران صحابہ میں ایک سو اصحاب بدر تھے۔ (البدایۃ والنہایہ: ۷/۹) اور کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے پورے گھرانے کے ساتھ شریک جنگ تھے جیسے سیدنا ابو سفیان رضی اللہ عنہ، سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ اور ہر صحابی اس بہادری، شجاعت اور جوانمردی سے لڑا کہ چشم آفتاب نے ایسے بہادر کم ہی دیکھے ہوں گے۔ سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں مورخین نے لکھا ہے کہ وہ عیسائیوں کو یہ پکارتے پھرتے تھے: ''عیسائیو! میں حالت کفر میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑ چکا ہوں، کیا آج تمہارے مقابلہ میں میرا قدم پیچھے پڑ سکتا ہے؟'' طبری نے لکھا کہ سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ کی لاش مقتولوں کے ڈھیر میں ملی۔ کچھ کچھ دم باقی تھا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے ان کا سر اپنی ران پر رکھا اور گلے میں تھوڑا سا پانی ٹپکایا۔ اور کہا: ''خدا کی قسم! عمر رضی اللہ عنہ کا گمان غلط تھا کہ ہم شہید ہو کر نہ مریں گے۔'' عکرمہ رضی اللہ عنہ شہید تو ہو گئے لیکن رومیوں کی طاقت کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ باپ اور بیٹا دونوں شہید ہو گئے لیکن جریدہ عالم پر اپنا نام ثبت کر گئے۔ اور بتا گئے کہ شہادت ہی مومن کا مقصود اور مطلوب ہے۔

اس جنگ کے ویسے تو کئی واقعات یاد رکھنے کے قابل ہیں کیونکہ ایک طرف رومیوں کا دو لاکھ کا لشکر جرار اور دوسری طرف مسلمانوں کی تعداد صرف ۳۶ ہزار، لیکن یہ واقعہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس وقت یرموک میں زور کا رن پڑا ہوا تھا اور ہاتھ پاؤں کٹ کٹ کر الگ ہو رہے تھے۔ حباش بن قیس بڑی جانبازی اور بہادری سے لڑ رہے تھے۔ لڑائی کے دوران کسی نے ان کے پاؤں پر تلوار ماری اور ان کا ایک پاؤں کٹ کر گر پڑا لیکن حباش کو بالکل خبر نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو میدان جنگ میں اپنے اس کٹے ہوئے پاؤں کو ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ ان کے قبیلے کے لوگ ان کی اس بات پر ہمیشہ فخر کرتے۔ (فتوح البلدان: ۱۲۱)

جنگ ختم ہوئی۔ رومی ایک لاکھ سے زائد مرے ہوئے میدان اور اس کے اردگرد کی خندقوں میں پڑے تھے اور مسلمان تین ہزار جنت الفردوس میں پہنچ گئے۔ میدان اہل اسلام کے ہاتھ رہا۔ قیصر روم اس وقت انطاکیہ میں تھا۔ اس کو جب اس شکست کی خبر پہنچی تو ایک تیر سا اس کے سینے میں لگا اور حسرت و یاس سے شام کے مرغزاروں کو دیکھنے لگا کیونکہ اب اس کی سلامتی اسی میں تھی کہ وہ قسطنطنیہ چلا جائے۔ چنانچہ وہ شام کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر قسطنطنیہ چلا گیا۔ جانے سے پہلے اس نے اپنے خاص آدمیوں کی ایک میٹنگ بلائی جس میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ بھی تمہاری طرح انسان ہیں، پھر یہ اپنی تعداد کی قلت کے باوجود تم

Marfat.com

لوگوں پر ہمیشہ کیوں غالب آتے ہیں؟ باقی ساری مجلس تو خاموش رہی لیکن ایک بڑے بوڑھے شخص نے ہرقل سے کہا کہ اگر جان کی امان پاؤں تو عرض کروں۔ وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ رات کو اللہ کے حضور میں کھڑے ہوتے ہیں اور دن میں روزے سے ہوتے ہیں۔ اپنے وعدوں کو پورا کرتے ہیں، لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر ظلم وزیادتی نہیں کرتے بلکہ عدل وانصاف سے کام لیتے ہیں لیکن ہمارا یہ حال ہے کہ ہم شراب پیتے ہیں، زنا کرتے ہیں، حرام کاریوں کے مرتکب ہوتے ہیں، اپنے عہدوپیمان کی پابندی نہیں کرتے۔ لوگوں کے مال ودولت غصب کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر ظلم وستم کرتے ہیں۔ زمین میں فتنہ وفساد برپا کرتے ہیں اور لوگوں کو وہ کام کرنے سے روکتے ہیں جن سے اللہ راضی ہوتا ہے۔ ان باتوں کا یہ اثر ہے کہ ان کے کاموں میں جوش واستقلال پایا جاتا ہے اور ہمارے کام ہمت واستقلال سے خالی ہوتے ہیں۔'' قیصر نے اس شخص کے منہ سے یہ بات سن کر کہا: ''آپ نے بالکل صحیح کہا۔'' گویا قیصر کو بھی پتہ تھا کہ ہماری ساری قوم بداخلاق اور بدقماش ہے کیونکہ وہ خود بھی ایسا ہی تھا۔

''الناس علیٰ دین ملو کھم۔''

جس روز سے یرموک کی جنگ شروع ہوئی تھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کی خبر کے انتظار میں کئی دنوں سوئے نہیں تھے۔ آپ کو ہر روز قاصد کا انتظار رہتا۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے یرموک کی فتح کا خط ایک مختصری سفارت کے ساتھ جن میں سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے بارگاہِ خلافت میں روانہ کیا۔ فتح یرموک کا خط پڑھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سجدہ میں گر گئے اور حق تعالیٰ شانہ، کا شکرادا کیا کہ اللہ تعالیٰ نے رومیوں پر مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی ہے۔

یرموک میں رومیوں کی شکست نے ان کی قوت کو پاش پاش کر کے رکھ دیا تھا، لہٰذا معرکہ یرموک کے بعد مسلمانوں نے چھوٹے چھوٹے شہروں کو بغیر کسی مزاحمت کے فتح کرلیا۔

بیت المقدس کی فتح:

شام پر حملہ کے سلسلہ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چار لشکر ترتیب دیے تھے۔ سیدنا عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کو آپ نے فلسطین کے صوبے کی فتح کے لیے بھیجا۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بعض مقامات عہد صدیقی میں فتح کرلیے۔ وہ جدھر بھی منہ کرتے فتح ان کے رکاب میں چلتی تھی۔

Marfat.com

جس وقت سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ شمالی روم میں فاتحانہ پیش قدمی فرما رہے تھے، سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ اس وقت فلسطین میں روم کی فوجوں سے جنگ آزما تھے۔ یہ فوجیں کثرت تعداد میں بہت زیادہ تھیں۔ جدید قسم کا سامان حرب وضرب ان کے پاس موجود تھا اور پھر ان کی قیادت روم کا سب سے بڑا جرنیل اطربون کر رہا تھا (بعض حضرات کے نزدیک یہ سپہ سالار کا نام نہیں بلکہ اس کا لقب ہے۔ یہ شخص رومی فوجوں کا چیف کمانڈر تھا جو عزت واقتدار کے لحاظ سے ہرقل کا ہم مرتبہ سمجھا جاتا تھا) جس کی دور اندیشی، اور جنگ کے بارہ میں حکمت عملی ساری مملکت میں اپنا کوئی حریف نہ رکھتی تھی۔ لہٰذا وہاں فتح حاصل کرنا کوئی آسان اور معمولی کام نہ تھا۔ چنانچہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یزید ابن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اپنے بھائی معاویہ رضی اللہ عنہ کو قیساریہ فتح کرنے کے لیے روانہ کرو تاکہ اطربون کو بحری راستہ سے کوئی مدد نہ مل سکے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین کی ہدایات کے مطابق قیساریہ پر حملہ کر دیا لیکن اہل شہر قلعہ بند ہو گئے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ جب محاصرہ طویل ہو گیا تو اہل شہر ایک روز جرأت کر کے باہر نکلے لیکن عبرت ناک اور ذلت آمیز شکست کھائی۔ ان کے میدان جنگ میں اسی (۸۰) ہزار سپاہی کھیت ہو گئے۔ اور فرار ہونے والوں کی تعداد اگر شمار کی جائے تو کل تعداد ایک لاکھ بنتی ہے۔ قیساریہ کی فتح سے اس راستہ سے رومیوں کی کمک کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ قیساریہ کے ساتھ غزہ بھی جلد ہی فتح ہو گیا۔ ان دونوں شہروں کی فتح سے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو سمندر کی طرف سے اطربون کو مدد پہنچنے سے اطمینان ہو گیا۔

اب ایک اور سمت ایسی تھی جہاں سے اطربون کمک کم پہنچنے کی توقع تھی وہ تھا ایلیا۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے علقمہ بن حکیم اور مسروق ملکی کو ایلیا کی طرف بھیج کر وہاں کی فوجوں کو الجھا دیا تاکہ اطربون کی کوئی مدد نہ کر سکے۔ اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ایک خط ایسے پیرائے میں لکھا کہ امیر المومنین نے ان کی مدد کے لیے ایک عظیم لشکر بھیجنے کا حکم فرمایا۔ لیکن خط میں جونہی آپ نے اطربون کی ہوشیاری اور چالاکی کے بارہ میں پڑھا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسکرائے اور فرمایا:

''ہم نے روم کے اطربون کو عرب کے اطربون سے بھڑا دیا ہے، دیکھئے اب کیا نتیجہ نکلتا ہے۔''

Marfat.com

چند روز کے بعد مدینہ سے روانہ کی گئی مدد فلسطین پہنچ گئی۔ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے کچھ فوج کو ایلیا اور رمہ میں بھیج دیا اور خود ایک بڑا لشکر لے کر اجنادین پہنچ گئے۔ جہاں اطربون ٹھہرا ہوا تھا۔ جونہی آپ اجنادین پہنچے دشمن قلعہ بند ہو گئے۔ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے شہر کا محاصرہ تو کر لیا لیکن انہوں نے دیکھا کہ محاصرہ طول پکڑے گا، لہٰذا انہوں نے ایک حیلہ اختیار کیا، وہ یہ کہ انہوں نے صلح کی بات چیت کے بہانے اپنے ایلچی بھیجے تا کہ وہ دشمن کے راز معلوم کریں۔ لیکن ایلچیوں کو اس میں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ آخر انہوں نے یہی بہتر سمجھا کہ یہ کام خود انجام دیں لیکن اس طرح کہ دشمن میری شناخت نہ کر سکے۔ جب یہ کچھ آدمیوں کی معیت میں اطربون کے پاس گئے اور اگرچہ انہوں نے بھی بھیس بدلا ہوا تھا لیکن اطربون بھی بہت ہوشیار شخص تھا۔ دوران گفتگو اسے شک گذرا اور اس نے دل میں کہا: ''بخدا! یہ شخص عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہے یا پھر وہ شخص ہے جس کے مشورہ پر عمرو چلتا ہے۔'' اس نے ایک سپاہی کو بلوایا اور اس کے کان میں کہا کہ راستے میں کھڑے ہو جاؤ اور جیسے ہی یہ عرب تمہارے پاس سے گزرے اس کی گردن اڑا دینا۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی قیامت کی نظر رکھتے تھے۔ فوراً تاڑ گئے۔ آپ نے تھوڑی دیر اسے باتوں میں لگایا اور اطربون سے کہا:

''تم نے میری بات سن لی اور میں نے آپ کی۔ دونوں طرف کی باتیں نہایت مناسب ہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ ان شرائط پر صلح نہ ہو۔ ہمارے خلیفہ نے تم سے گفتگو کرنے کے لیے دس آدمی بھیجے ہیں۔ ان میں سے ایک میں ہوں۔ کل میں ان سب کو لے کر تمہارے پاس آتا ہوں۔ ہم باہم بیٹھ کر ساری شرطیں طے کر لیں گے اور اہل لشکر اور امیر المومنین دونوں اسے قبول کر لیں گے۔''

اطربون نے سوچا کہ ایک کے بجائے کل دشمن کے دس آدمی ہاتھ آ رہے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ قتل کا منصوبہ کل پر ملتوی کر دیا جائے۔ چنانچہ اس سپاہی کو جس کو اس نے اس کے قتل پر مامور کیا تھا، اسے نہ صرف وہاں سے ہٹا دیا بلکہ مسلمانوں کے سفیر کو بڑے تپاک سے رخصت کیا۔ چنانچہ کل کوئی بھی اطربون کے پاس نہ آیا۔ اطربون کو جب حقیقت حال کا پتہ چلا تو کہنے لگا: ''یہ شخص مجھ سے بھی زیادہ چالاک نکلا۔''

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے معاملہ کے تمام پہلوؤں پر غور وفکر کیا اور بالآخر ایک ہلاکت آفریں معرکے کے سوا اور کوئی مرحلہ باقی نہ رہا تھا۔ چنانچہ اجنادین میں یرموک کی طرح

Marfat.com

قیامت آفریں رن پڑا۔ فریقین کے بے شمار آدمی قتل ہوئے اور فتح کے پلڑے دیر تک اونچے نیچے ہوتے رہے۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے شمالی شام میں جو فتوحات حاصل کیں ان کی خبر جب رومیوں کو ملی تو ان کے حوصلے نہایت پست ہو گئے۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر کو شمالی شام کی فتوحات کی خبروں سے بڑی تقویت پہنچی۔ چنانچہ جب آفتاب غروب ہونے لگا تو اطربون نے دیکھا کہ اس کے لشکر کی صفوں میں انتشار واقع ہو رہا ہے اور سپاہیوں پر تھکاوٹ کے آثار طاری ہیں، چنانچہ وہ بیت المقدس کی طرف پسپا ہو گیا، گویا اطربون کا سازو سامان اور بے پناہ لشکر مسلمانوں کے جذبہ جہاد کے آگے ٹک نہ سکا۔ علقمہ بن حکیم اور مسروق نے جو اسے پسپا ہوتے دیکھا تو اپنی فوجوں کو حکم دیا کہ اس کا راستہ چھوڑ دو۔ چنانچہ اطربون اپنی معمولی فوج کے ساتھ بیت المقدس کے مورچوں کی مضبوطی اور مدافعانہ قوت پر بھروسہ کرتے ہوئے شہر میں داخل ہو گیا اور مناسب وقت کا انتظار کرنے لگا جس میں وقت کی بے رخی کم سے کم اس کے حصہ میں آئے۔

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے رملہ اور بیت المقدس میں متعین مسلمانوں کی فوجوں کو اجنادین بلا لیا تاکہ باہمی مشورے سے کوئی بات طے کی جا سکے۔ چنانچہ باہمی مشورے سے یہ طے پایا کہ حملہ کرنے سے پہلے دشمن کو گھیر لینا اور سمندر کی طرف سے بھاگ نکلنے کا راستہ بند کر دینا چاہیے۔

رملہ اور بیت المقدس دو ہی ایسے شہر تھے جہاں رومی قلعہ بند ہو کر لڑ سکتے تھے۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جنگ کا نقشہ بنانے میں لگے ہوئے تھے کہ اطربون کا انہیں ایک خط موصول ہوا جس میں لکھا تھا کہ

''تم میرے دوست اور برابر کے امیر ہو، بخدا! اجنادین کے بعد اب تم فلسطین کا کوئی حصہ فتح نہ کر سکو گے، اس لیے بہتر ہے کہ تم واپس چلے جاؤ اور اپنے آپ کو تباہی کے گڑھے میں نہ ڈالو، ورنہ دوسروں کی طرح تمہیں بھی منہ کی کھانا پڑے گی۔''

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو یہ خط پڑھ کر سخت حیرت ہوئی، لیکن وہ جانتے تھے کہ اطربون بڑا چالاک اور کائیاں ہے۔ جواب میں آپ نے اس کو لکھا:

''برابری کی بھی خوب رہی۔ میں تو اس ملک کا فاتح ہوں، لہٰذا میرا مشورہ یہ ہے کہ تم اپنے دوستوں سے مشورہ کر لو۔ شاید تمہاری عبرتناک تباہی سے پہلے تمہیں کوئی نیک

Marfat.com

مشورہ دے دے۔''

طبری کی ایک روایت میں ہے کہ اطربون نے جب سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا خط پڑھا تو اس جملے پر کہ ''میں اس ملک کا فاتح ہوں۔'' ہنسا۔ اس کے ساتھیوں نے اس سے پوچھا کہ اسے یہ کیسے معلوم ہوا کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اس ملک کا فاتح نہیں ہے۔ اطربون نے جواب دیا کہ بیت المقدس کے فاتح کا نام ''عمر'' ہے جس میں تین حرف ہیں اور یہ تورات میں لکھا ہے۔ تورات میں جہاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی صفت بیان کی گئی ہے وہاں غیر مبہم الفاظ میں یہ بھی ہے کہ بیت المقدس مسلمانوں کے قبضہ میں جائے گا۔ (طبری: ۱۰۳/۲)

بیت المقدس پر حملہ سے قبل سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اردگرد کے تمام علاقوں پر قبضہ کر کے اطربون کی سپلائی لائن کاٹ دی۔ پھر ایک خط امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ''میں بڑے ہی خطرناک دشمن سے لڑ رہا ہوں اور ایسے شہروں میں ہوں جو آپ کے لیے سپر کر دیئے گئے۔ اب جو آپ کی رائے۔''

اس دوران اطربون اور بیت المقدس کا پادری صفرینوس قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمانوں نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا، لیکن یہ محاصرہ شیطان کی آنت کی طرح لمبا ہوتا گیا۔ اجنادین کے معرکہ نے بیت المقدس کے باشندوں پر ایک خوف طاری کر دیا تھا اور یہ بات ان کے دلوں میں بیٹھ گئی کہ بیت المقدس کا شہر ایک روز مسلمانوں کے قبضہ میں جا کر رہے گا۔ چنانچہ صلیب اعظم اور تمام کلیساؤں کے تمام قیمتی ظروف جہاز میں لدوا کر قسطنطنیہ بھجوا دیے گئے جہاں بعد کو صلیب اعظم ایا صوفیہ کے کلیسا میں رکھ دی گئی اور خود اطربون بھی اپنی فوجوں کو لے کر مصر بھاگ گیا۔

امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ فلسطین سے انہیں بار بار امداد کے لیے لکھا جا رہا ہے تو خود فلسطین کے سفر پر روانہ ہوئے۔ سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا خالد کو اطلاع بھجوائی گئی کہ مجھے جابیہ کے مقام پر آ کر ملیں۔ (جابیہ اس زمانے میں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی چھاؤنی تھی۔ شام کے علاقہ میں اس سے بڑی چھاؤنی اور کوئی نہ تھی۔ مسلمانوں کے قبضہ میں آنے سے قبل یہ عیسائی بادشاہوں کی قیام گاہ تھا) اس وقت سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہ شام کا سارا شمالی علاقہ فتح کر چکے تھے۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ جابیہ میں اپنے کمانڈروں اور جرنیلوں کے باہمی مشورہ سے بیت المقدس کی صورت حال کے بارہ میں بیت المقدس کی فتح کا نقشہ بنانا چاہتے تھے۔

Marfat.com

مسلمانوں کے طویل محاصرے اور پھر اطربون کے مصر بھاگ جانے اور اہل شہر کے حوصلہ ہار جانے کی وجہ سے بوڑھے پادری نے مسلمانوں سے صلح کی گفتگو شروع کی۔ اور چونکہ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ امیر المومنین جابیہ تشریف لائے ہوئے ہیں، اس لیے اس نے یہ شرط لگا دی کہ معاہدہ صلح لکھنے کے لیے وہ خود تشریف لائیں۔ جابیہ اور بیت المقدس میں اتنا فاصلہ نہ تھا کہ پادری صفرینوس کی اس شرط کو نہ ماننے کا کوئی عذر پیش کر دیا جاتا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی روانگی سے قبل سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/ ۵۵، طبری: ۳/ ۱۵۹)

طبری اور ابن اثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی اونٹنی پر روانہ ہوئے۔ اونٹنی پر دو تھیلے تھے۔ ایک میں ستو تھے اور دوسرے میں کھجوریں۔ اور سامنے پانی سے بھرا ہوا ایک مشکیزہ تھا اور پیچھے زادِ راہ کا کشکول۔ مدینہ سے چل کر آپ جابیہ کی طرف روانہ ہوئے۔ فوج کے جرنیلوں کو آپ نے پہلے ہی لکھ بھیجا تھا کہ فلاں تاریخ کو مجھے جابیہ میں ملو۔

جابیہ پہنچنے سے قبل صلح نامہ تیار ہو گیا تھا۔ انتظار تھا کہ امیر المومنین کی تشریف آوری پر اس پر مہر لگا دی جائے گی۔ جابیہ میں سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ، سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ امیر المومنین کے انتظار میں تھے اور بیت المقدس والوں کے نمائندے کی حیثیت سے رومی حکومت کا امیر صفرینوس بھی موجود تھا۔ اتنے میں سپاہی دوڑتے ہوئے آئے کہ امیر المومنین بستی کے قریب پہنچ رہے ہیں، آپ لوگ ان کا استقبال کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔

سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سب حضرات کو لے کر استقبال کے لیے شہر سے باہر گئے۔ پادری صفرینوس کا خیال تھا کہ اب امیر المومنین کا لاؤ لشکر نظر آئے گا۔ ان کا محافظ دستہ ان کے اردگرد اور آگے پیچھے ہوگا جیسا کہ اس زمانے میں بادشاہوں کے ساتھ ہوتا تھا، لیکن وہاں تو دور دور تک کوئی ایسا اہتمام نظر نہ آتا تھا۔ انہوں نے جو کچھ دیکھا وہ یہ تھا کہ ایک آدمی اونٹ پر بیٹھا ان کی طرف آ رہا ہے اور دوسرا اس کی نکیل پکڑے آگے آگے چل رہا ہے۔ سب مسلمان جرنیلوں نے دوڑ کر اس شخص کا بڑے احترام اور اہتمام سے استقبال کیا جو نکیل پکڑے ہوئے پیدل آ رہے تھا۔ پھر نہایت ادب و احترام سے ان سے باتیں کرنے لگے۔ صفرینوس نے پوچھا: امیر المومنین کہاں ہیں اور وہ کب آئیں گے اس کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ آتی تھی کہ یہ شخص امیر المومنین ہو سکتا ہے جس نے اونٹ کی نکیل پکڑی ہوئی تھی۔ اسے بتایا گیا کہ یہی تو امیر المومنین ہیں۔

Marfat.com

امیر المومنین کا حلیہ دیکھنے کا تھا۔ پھٹے جوتے، پاؤں پر گردوغبار، پھٹے کپڑے، پیوند لگا کرتا۔ پیوند بھی ایک دو نہیں بلکہ پورے چودہ جن میں کچھ چمڑے کے بھی تھے۔ سفر کی تکان سے بے حال اور اس کے اثرات چہرے سے عیاں تھے۔ صفر ینوس کا دل اس بات کو ہرگز قبول نہ کرتا تھا کہ وہ عظیم المرتبت فاتح جس نے سلطنت روم اور سلطنت عجم کو تاخت و تاراج کر کے رکھ دیا وہ شخص یہ ہو سکتا ہے۔ اب اس کا دوسرا سوال یہ تھا کہ اگر یہ امیر المومنین ہیں تو پھر وہ شخص کون ہے جو اونٹنی پر سوار ہے؟ اسے بتایا گیا کہ وہ امیر المومنین کا غلام ہے۔ اب یہ بات اس کے لیے اور پریشان کن تھی کہ امیر المومنین پیدل چل رہے ہیں اور غلام اونٹ پر سوار، اس کا دماغ چکرا رہا تھا۔ لیکن وہ اس معما کو حل نہ کر سکا۔ ایسا اس نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ بات یہ تھی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب شام کی روانگی کے لیے مدینہ سے نکلے تو ایک ہی اونٹنی سواری کے لیے تھی۔ راستہ لمبا تھا۔ احتیاط کے خیال سے ایک غلام کو انہوں نے ساتھ رکھ لیا تھا۔ سفر شروع ہوا تو اس غلام سے فرمایا: ''یہ مت سمجھنا کہ تمام راستہ میں سواری پر بیٹھا آرام سے سفر کرتا رہوں گا اور تم پیدل چلتے رہو گے۔ ایسا نہیں ہوگا کیونکہ یہ بات انصاف اور عدل کے خلاف ہے۔ تھوڑی دیر میں اس اونٹنی پر سواری کروں گا تھوڑی دیر تم سواری کرنا۔ غلام انکار کرتا رہا لیکن امیر المومنین نے جو کچھ کہا تھا اس پر پورا پورا عمل کر کے دکھایا۔ اللہ اکبر! کیسا احترام انسانیت ہے جو نہ اس زمانے میں کہیں اور ملتا تھا اور نہ ہی اس زمانے میں ملتا ہے۔

باری باری غلام اور آقا کی سواری ہو رہی تھی کہ جابیہ کے پاس غلام کی باری آئی اس نے نہایت عاجزی اور لجاجت سے عرض کیا: ''امیر المومنین، باری میری ہی سہی لیکن سوار آپ ہی رہیں کیونکہ یہاں عوام، امراء اور لشکر کے کمانڈر آپ کے استقبال کے لیے آئیں گے۔'' لیکن امیر المومنین نے جو جواب دیا، تاریخ نے اس کو اپنے سینہ میں محفوظ رکھا ہے۔ فرمایا: ''باری تمہاری ہے۔ اونٹ پر تم ہی بیٹھو گے اور میں نکیل پکڑ کر چلوں گا اور اسی حالت میں تمام امراء اور جرنیلوں سے ملوں گا۔'' سفر ینوس پادری نے جب یہ تفصیل سنی تو اس کا دماغ اور بھی چکر کھا گیا کہ ''یا الٰہی! یہ ماجرا کیا ہے؟'' ایک انسان کی یہ عزت دیکھنا تو بہت بڑی بات ہے، اس نے اس سے پہلے کبھی سنی بھی نہ تھی۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہاں تو ہر بات ہی نرالی ہے۔ یہ کیسے عجیب اور نفیس لوگ ہیں۔

امیر المومنین جابیہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ یہیں بیت المقدس کا معاہدہ دستخط ہوا اور

Marfat.com

یہیں رملہ والوں سے صلح کا معاملہ طے پایا۔ فلسطین کے اور بھی کئی شہروں کے امراء یہاں آ کر صلح کے معاہدے کر کے گئے۔ اور اس لحاظ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا شام کا یہ سفر نہایت کامیاب رہا۔

غرض کہ بیت المقدس تشریف لانے سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا جو مقصد تھا وہ پورا ہو گیا۔ چنانچہ چند روز کے قیام کے بعد آپ واپس مدینہ طیبہ تشریف لے گئے اور جو کچھ امور یہاں آپ نے سرانجام دیئے تھے ان کی اطلاع اپنی مجلس شوریٰ کو جا کر دی۔ اہل مجلس بہت خوش ہوئے کیونکہ عراق کی طرح اب شام بھی قریباً پورا ان کے قبضہ میں آ گیا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ وہ پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے اس دن سے لے کر، جس دن اللہ نے دنیا کے گوشے گوشے میں اپنے دین کی تبلیغ واشاعت کے لیے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تھا، آج تک اس نوعیت کا سفر کیا تھا۔

حمص پر قبضہ کی دوبارہ کوشش:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اپنے اپنے علاقوں میں واپس بھیج دیا اور سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو دمشق روانہ کر دیا۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ حمص اور سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ قنسرین کی امارتوں پر چلے گئے۔ یہ حضرات اپنے اپنے علاقوں میں حکومت کا انتظام نہایت خوش اسلوبی سے چلا رہے تھے اور اب انہیں کسی طرف سے اچانک حملے کا کوئی خطرہ نہ رہا تھا۔ لیکن اہل جزیرہ جو عراق اور شام کے درمیان آباد تھے وہ قدرے آتش بجاں تھے کیونکہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے تکریت، موصل اور قرقیسیا میں ان کے بھائیوں کی بستیاں مسمار کر دی تھیں۔ (جزیرہ اس آبادی کا نام ہے جو دجلہ اور فرات کے درمیان واقع ہے۔ اس کا حدود اربعہ یہ ہے: ''مغرب آرمینیہ کا کچھ حصہ اور ایشائے کوچک، جنوب شام، مشرق، عراق، شمال آرمینیہ کے کچھ حصے) چنانچہ انہوں نے ہرقل کو لکھا کہ اگر وہ مسلمانوں سے لڑنے اور انہیں ان کے مقبوضات سے نکال باہر کرنے کے لیے بحری راستے سے اپنے لشکر بھیجے تو وہ اس کی مدد کریں گے۔ ہرقل اگرچہ شام سے بھاگ کر قسطنطنیہ میں جا بیٹھا تھا، لیکن اس نے اہل جزیرہ کی اس تجویز پر غور و فکر کیا اور اس کی سمجھ میں آیا کہ اس میں نقصان کا کوئی پہلو نہیں بلکہ فائدہ کے امکانات موجود ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اہل جزیرہ کی مدد سے شمالی شام میں مسلمانوں کو شکست دے کر اپنا کھویا ہوا علاقہ ان سے واپس لے لے۔

Marfat.com

ہرقل اس تجویز کے ہر پہلو پر غور کر رہا تھا، اس لیے خط کے جواب میں کچھ دیر ہوگئی۔ چنانچہ اہل جزیرہ نے ہرقل کو دوبارہ خط لکھا جس سے اسے یقین ہوگیا کہ ان کے ارادے میں کوئی جھول نہیں ہے۔ ہرقل کو اگرچہ شام کے میدان کارزار سے بھاگے ہوئے ایک سال سے زیادہ ہوگیا تھا، لہٰذا اب اس کے دل میں وہ پہلا سا خوف بھی نہیں رہا تھا۔ اس نے یہ دیکھا کہ بہت سے سرحدی قلعے ابھی تک مضبوط اور مستحکم ہیں اور اس کا جنگی بیڑا ابھی محفوظ ہے اور مسلمان جنگی بیڑے سے ابھی تک محروم ہیں۔ اسے اس بات کی بھی پوری پوری توقع تھی کہ شام کے لوگ مسلمانوں کے خلاف بغاوت کر دیں گے۔

ہرقل نے اپنے خط میں شامی قبائل کو اپنی امداد کا پورا پورا یقین دلایا اور کہا کہ میں نے جہازوں کو حکم دے دیا ہے کہ وہ فوج اور سامان جنگ اسکندریہ سے انطاکیہ پہنچا دیں۔ جونہی ہرقل کا خط پہنچا قبائل اپنی فوجیں لے کر جزیرے سے حمص کی طرف روانہ ہوگئے۔ اس فوج کی تعداد تیس (۳۰) ہزار بتائی جاتی ہے۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو جب ان جنگی کارروائیوں کی اطلاع ملی تو انہوں نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو قنسرین سے مشورہ کے لیے بلایا۔ اور دونوں جرنیلوں نے باہم مل کر یہ طے کیا کہ دشمن سے مقابلہ کرنے کے لیے تمام اسلامی فوجوں کو شمالی شام سے اکٹھا کیا جائے۔ چنانچہ انطاکیہ، حماۃ، حلب اور قریب کی تمام چھاؤنیوں سے لشکروں کو حمص میں اکٹھا کیا گیا۔ جب ہرقل کے جہاز انطاکیہ پہنچے تو شہر کے دروازے فوج کے لیے کھل گئے اور رعایا مسلمانوں کے خلاف ہوگئی اور تمام شمالی شام میں یکدم بغاوت کے شعلے بھڑکنے لگے۔ یہ ایک نہایت نازک موقع تھا۔ اگرچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آٹھ بڑے شہروں میں فوجی چھاؤنیاں قائم کر رکھی تھیں اور ہر جگہ چار چار ہزار گھوڑے صرف اس غرض سے ہر وقت تیار رہتے تھے کہ اگر کوئی اتفاقیہ موقع پیش آ جائے تو فوری طور پر ہر جگہ سے فوجیں موقع پر پہنچ جائیں، لیکن یہاں باہر سے رومی فوجوں کے ساتھ اندرون شہر بھی بغاوت کی آگ بھڑک رہی تھی، جس کا مقابلہ کوئی آسان نہ تھا۔ باغیوں نے حمص کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا اور مسلمانوں نے صحرا اور سمندر دونوں طرف سے انہیں بڑھتے دیکھا تو اپنے کو حمص میں محصور پایا۔ چنانچہ اس حالت کے پیدا ہونے سے قبل انہوں نے امیر المومنین کو خط لکھا تھا اور اس نازک مرحلے کے لیے امداد طلب کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خط ملتے ہی ہر طرف قاصد دوڑا دیئے۔ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ بن عمرو کو کوفہ لکھا کہ فوراً چالیس ہزار سوار لے کر حمص پہنچ جائیں۔ سہیل بن عدی کو لکھا کہ فوراً جزیرہ پہنچ کر جزیرہ

Marfat.com

والوں کو حمص کی طرف بڑھنے سے روکیں۔ عبداللہ بن عتبان کو نصیبین کی طرف روانہ کیا۔ ولید بن عقبہ کو لکھا کہ جزیرہ پہنچ کر عرب کے ان قبائل کو روکیں جو جزیرہ میں آباد تھے۔ لیکن ان سب فوجوں کا آنا بھی کافی نہ تھا کیونکہ جزیرہ سے حمص آنے والی فوج کی تعداد تیس ہزار تھی اور وہ فوج اس کے علاوہ تھی جو ہرقل نے انطاکیہ بھیجی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ بھی سمجھ رہے تھے کہ بغاوت کا مادہ کئی شہروں میں پھوٹا ہوا ہے اور ان کے آدمی شام کے ہر شہر میں وہاں کے باشندوں سے نمٹ رہے ہیں، اگر وہ ان شہروں کو چھوڑ کر حمص کی حفاظت کے لیے حمص چلے گئے تو سارے شام کا نظام درہم برہم ہو جائے گا، لیکن سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا خط پہنچنے کے بعد انہوں نے جتنے بھی احکام صادر فرمائے وہ ان کی دور اندیشی، بعید بینی اور تدبر کے آئینہ دار تھے۔ آپ کے احکام کے تحت جب یہ سب جرنیل اپنے اپنے علاقوں سے چلے تو اہل جزیرہ کو ہیت، قرقیسیا اور موصل والوں کا حشر یاد آ گیا اور وہ مقابلہ نہ کر سکے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صرف اسی پر اکتفا نہ کیا۔ انہوں نے اندازہ کر لیا تھا کہ ہرقل کو ابھی تک اپنی قوت پر اعتماد ہے اگرچہ وہ ہر محاذ پر کئی بار شکست کھا چکا ہے۔ اس کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ جو فوج اس نے اسکندریہ سے جہازوں کے ذریعے انطاکیہ بھیجی ہے اس کا جرنیل اس نے اپنے بیٹے قسطنطین کو بنایا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس ہلاکت آفریں صورت حال کے پیش نظر مدینہ اور اس کے اطراف سے جتنی فوجیں اکٹھی ہو سکتی تھیں، وہ کیں اور انہیں اپنی زیر کمان دمشق کے راستے میدان جنگ کی طرف روانہ ہونے کے لیے کہا۔

سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سیدنا سہیل بن عدی رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عتبان رضی اللہ عنہ، سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ اس نوزائیدہ اسلامی سلطنت کے وجود کے تحفظ کے لیے نہایت برق رفتاری کے ساتھ اہل جزیرہ کی گوش مالی کے لیے روانہ ہوئے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حمص کے تحفظ کے لیے مدینہ منورہ کو خیر باد کہا۔ یہ خبریں جنگل کی آگ کی طرح عراق اور شام میں پھیل گئیں۔ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ تو ان خبروں سے اطمینان کا سانس لینے لگے اور ان کی پریشانی کافور ہو گئی لیکن قبائل کو یہ پورا پورا یقین ہو گیا کہ بغاوت اور حملہ کی جو حرکت انہوں نے کی ہے اس کے بعد مسلمان ان کی بستیوں کو نیست و نابود کر دیں گے۔ اور ان کا وہی حشر ہو گا جو ہیت، قرقیسیا اور موصل کا ہو چکا ہے۔ چنانچہ ان کے حوصلے ختم ہو گئے، ہمتیں جواب دے گئیں اور انہوں نے اپنی عافیت اسی میں سمجھی کہ جہاں سے آئے تھے وہیں واپس

Marfat.com

چلے جائیں اور حمص پر حملہ کا خیال چھوڑ دیں۔

بعض روایتوں میں ہے کہ عرب کے جو قبائل عیسائیوں کی مدد کے لیے آئے تھے وہ بھی اپنے کیے پر پشیمان ہوئے اور انہوں نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو خفیہ پیغام بھیجا کہ تم چاہو تو ہم اسی وقت یا عین موقع پر عیسائیوں سے الگ ہو جائیں گے؟ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے ان کو جواب دیا کہ افسوس میں دوسرے شخص (ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ میں ہوں اور وہ حملہ کرنا پسند نہیں کرتے، ورنہ مجھ کو تمہارے ٹھہرنے یا چلے جانے کی کوئی پروا نہ ہوتی۔ تاہم اگر تم اپنے قول کے سچے ہو تو محاصرہ چھوڑ کر چلے جاؤ'' ادھر فوج نے سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے یہ تقاضا کرنا شروع کر دیا کہ ہمیں حملہ کرنے کی اجازت دی جائے۔ ہم محصور نہیں رہنا چاہتے۔ انہوں نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میری جو رائے ہے وہ میں آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ عیسائی ہمیشہ اپنی کثرت تعداد کے بل پر لڑتے ہیں۔ اب کثرت بھی نہیں رہی، پھر کس بات کا اندیشہ ہے۔ ایک روز سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ جو سو کر اٹھے تو معلوم ہوا کہ جزیرے کے قبائل اپنے شہر واپس چلے گئے ہیں اور اب صرف ان کے مقابلہ میں ہرقل کا لشکر رہ گیا ہے۔ اب سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے جرنیلوں کو بلا کر کہا کہ وہ ہرقل کے لشکر کے مقابلہ کے لیے میدان میں نکلنا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے اور کہا کہ اس سے قبل کہ رومی اس نئی صورتحال کا کوئی تدارک کریں ہمیں ان پر فوراً حملہ کر دینا چاہیے۔ رومیوں کو جب اس صورتحال کا پتہ چلا کہ قبائل عین موقع پر انہیں چھوڑ کر چلے گئے ہیں اور مسلمان ان پر فوری حملہ کرنا چاہتے ہیں تو وہ بہت پریشان ہوئے اور سمجھے کہ ہمارے ساتھ قبائل نے ایک سازش کی ہے۔

فوج تو پہلے ہی خود حملہ کرنے کے لیے اصرار کر رہی تھی۔ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی پرجوش تقریر نے ان میں مزید ولولہ اور جوش پیدا کر دیا۔ چنانچہ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان رومیوں پر زوردار حملہ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رومی حملے کو سہار نہ سکے اور شکست فاش کھائی۔ رومی میدان سے اس بدحواسی سے بھاگے کہ ''مرج الدیباج'' تک ان کے قدم نہ جمے۔ اس کے بعد پھر کبھی رومیوں کو پیش قدمی کی جرأت نہ ہوئی۔

۱۷ھ میں شام میں جنوب کے ایک سرے سے لے کر شمال کے دوسرے سرے تک مسلمانوں کے اقتدار نے استحکام حاصل کر لیا۔ اور پھر کبھی کوئی بغاوت نہ ہوئی۔ البتہ قیساریہ کا معاملہ کچھ مختلف رہا۔ قیساریہ کو بیت المقدس کی فتح سے کچھ پہلے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فتح کیا اور

Marfat.com

رومیوں کے ایک لاکھ آدمی مارے گئے اور فرار ہوئے۔ لیکن بلاذری کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیساریہ کا محاصرہ سات برس تک رہا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ قیساریہ ایک نہایت مضبوط اور مستحکم سرحدی قلعہ تھا۔ اس میں تین سو بازار تھے جہاں تجارت ہوتی تھی۔ یہاں کی برجیاں اور فصیلیں نہایت مضبوط تھیں اور یہاں شہریوں اور فوجیوں کی ایک بہت بڑی تعداد تھی۔ بقول علامہ بلاذری روزانہ رات کو ایک لاکھ فوجی اس کی فصیل پر پہرہ دیتے تھے۔ یہ اس طرح فتح ہوا کہ ایک یہودی ایک رات مسلمانوں کے پاس آیا اور انہیں ایک نالی دکھائی جس میں کمر تک پانی تھا۔ جب رات بھیگ گئی تو مسلمان اسی نالی کے راستے داخل ہوئے اور وہیں سے انہوں نے اللہ اکبر کے نعرے لگانا شروع کر دیے رومیوں نے مسلمانوں کی تکبیر سن کر اسی نالی کے راستے بھاگنا چاہا لیکن جب وہ نالی میں پہنچے تو دیکھا کہ مسلمان وہاں موجود ہیں۔ کچھ مسلمانوں نے شہر کے اندر جا کر فصیل کے دروازے کھول دیے۔ اور مسلمان فوج شہر میں داخل ہوگئی اور کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اسے ۱۷ھ میں فتح کیا تھا لیکن بعد میں اس کے باشندوں نے بغاوت کر دی اور رومیوں نے انہیں سہارا دیا۔ چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے دوبارہ فتح کیا اور اب اس کی حفاظت کے لیے ایک چھاؤنی قائم کر دی۔ روایت میں ہے کہ اس شہر میں سات لاکھ فوج تھی جس میں سامرہ کے تیس ہزار اور یہودیوں کے دو لاکھ آدمی تھے۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی معزولی:

۱۷ھ کے واقعات میں ایک اہم واقعہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معزولی ہے۔ یہ معزولی اس زمانہ میں ہوئی جب تمام شمالی شام مسلمانوں کے زیر نگیں ہوگیا تھا بلکہ عیسائیوں نے جب حمص پر دوبارہ قبضہ کرنا چاہا اور وہ اس میں بری طرح ناکام رہے۔ اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو معزول فرما دیا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ جب ان تمام بغاوتوں سے فارغ ہوگئے تو ایک روز سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مکتوب ملا جس میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کیا گیا تھا اور ان سے بعض معاملات میں باز پرس بھی کی گئی۔

آج کل کے بعض حضرات اختلاف رائے کو دشمنی اور عداوت پر محمول کرتے ہیں۔ حالانکہ ان دونوں کے معنوں میں بہت اختلاف ہے۔ صحابہ میں ایک دوسرے کی دشمنی نہیں البتہ

Marfat.com

بعض حالات میں ان میں اختلاف رائے پایا جاتا تھا۔ انہوں نے دین کے کاموں میں جو رائے بھی اختیار کی وہ ایمان اور تفقہ کی روشنی میں کی نہ کہ اپنی ذاتی اغراض کے تحت ایک دوسرے سے اختلاف کیا۔ یہ بات ان کے رتبہ سے فروتر تھی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے بعض معاملات میں اپنا اسلوب تبدیل کرنے کے لیے کہا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کوئی معمولی آدمی نہیں تھے۔ ماں کے پیٹ ہی سے سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ ان کا تعلق بنو مخزوم سے تھا جو کہ تمام عرب میں امیر اور متمول قبیلہ سمجھا جاتا تھا۔ ان کے والد ولید بن مغیرہ مخزومی زمانہ جاہلیت ہی سے ایک امیر کبیر شخص تھے اور فوج کی سپہ سالاری اور فوجی کیمپ کے انتظام کا عہدہ ان کے خاندان میں تھا (عقد الفرید: ۲/ ۱۲۶) اور ظہور اسلام کے وقت سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اس معزز عہدہ پر فائز تھے۔ (الاستیعاب: ۱/ ۱۵۷) چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کا جو دستہ مسلمانوں کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے آیا تھا اس کے سردار سیدنا خالد رضی اللہ عنہ تھے (بخاری، کتاب المغازی باب الشروط فی الجہاد) اور جنگ احد کے موقع پر مشرکین مکہ کے اکھڑے ہوئے قدم انہی کی ہمت سے دوبارہ جمے اور مسلمانوں کے شدید نقصان کا باعث بنے۔ اس وجہ سے بچپن ہی سے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اپنی رائے کو مبنی برصواب سمجھتے تھے اور اکثر معاملات خصوصی طور پر لڑائی میں ان کی رائے صحیح اور درست ہوتی تھی لیکن چونکہ وہ فوجی اور مارشل قسم کے آدمی تھے لہٰذا بعض معاملات میں کچھ غیر شعوری طور پر ایسی باتیں کر گزرتے تھے جو ایک منظم شخص کے نزدیک درست نہیں ہوتی تھیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مختلف مواقع پر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے، جو نسبی رشتہ میں ان کے ماموں لگتے تھے کیونکہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی والدہ حنتمہ کے سگے چچازاد بھائی تھے، یہ کہا کہ وہ اپنا اسلوب تبدیل کریں، لیکن سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں مجبور تھے۔ ان کی نہادِ ذہنی ہی کچھ ایسی تھی کہ وہ وقت پر بجائے کسی سے مشورہ لینے کے خود فوری طور پر فیصلہ کر لیتے تھے۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر وہ میمنہ کے افسر تھے۔ (مسلم: ۲/ ۸۶، مصر) سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حکم دیا کہ وہ اپنے دستہ کو مکہ کے بالائی حصہ ''کداء'' کی جانب سے لے کر آئیں۔ یہ آ رہے تھے کہ راستہ میں مشرکوں کا ایک جتھا مزاحم ہوا اور پیہم تیر اندازی شروع کر دی۔ خالد رضی اللہ عنہ نے بھی جوابی حملہ کیا اور اس میں چند مشرک مارے گئے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا تو آپ ؐ نے خالد رضی اللہ عنہ سے باز پرس کی۔ انہوں نے عرض کی کہ ابتداء انہی کی جانب سے ہوئی تھی۔ آپ ؐ

Marfat.com

نے فرمایا: ''خیر اللہ کی مرضی بہتر ہے'' (بخاری باب فتح مکہ طبقات ابن سعد حصہ مغازی) اسی طرح سریہ بنو جذیمہ میں انہوں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کی ہدایت کے مطابق ان کو اسلام کی دعوت دی، لیکن وہ صحیح لفظوں میں اپنے اسلام کا اظہار نہ کر سکے اور بجائے ''اسلمنا'' کے یعنی ہم ایمان لائے ''صبانا'' کہا یعنی ہم بے دین ہو گئے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اس کو نہ سمجھ سکے اور سب کی گردنیں اڑانے کا حکم دے دیا۔ بہت سے مہاجرین وانصار نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا، پھر بھی بہت سے لوگ مارے گئے۔ واپسی پر سرکارِ دو عالم ﷺ نے جب یہ واقعہ سنا تو بہت افسوس کیا اور ہاتھ اٹھا کر فرمایا: ''اے اللہ! میں خالد کے اس فعل سے بری ہوں۔''

(بخاری، باب سریہ بنی جذیمہ)

اسی طرح سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں انہوں نے مالک بن نویرہ کو قتل کر دیا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ انہوں نے ایک مرتد کو قتل کیا ہے لیکن بعض حضرات جن میں سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بھی تھے اس قتل سے نہایت برہم تھے۔ چنانچہ مدینہ پہنچ کر انہوں نے اور مالک بن نویرہ کے بھائی متمم بن نویرہ نے پہلے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی شکایت کی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس بات سے صدمہ تو ہوا لیکن مصلحت وقت کے پیش نظر خاموش ہو گئے لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سخت غصہ تھا۔ چنانچہ ان کی رائے تھی کہ خالد رضی اللہ عنہ کو فوری طور پر معزول کر دیا جائے۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اس پر اصرار بڑھا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو مدینہ طلب کیا اور ان سے گفتگو کے بعد آپ کو جب یقین ہو گیا کہ اگر مالک بن نویرہ کا قتل بحالت اسلام بھی ہوا ہے تو بھی یہ قتل عمد نہیں بلکہ قتل خطاء ہے، اس لیے آپ نے خالد رضی اللہ عنہ کی طرف سے مالک کا خون بہا ادا کر دیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اپنی ایک شان تھی اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اپنی شان۔ چنانچہ مالک بن نویرہ کے قتل پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی شان ''اشدھم فی امر اللہ عمر'' کے تحت سیدنا خالد رضی اللہ عنہ پر سخت غصہ تھے کیونکہ اس سے قبل بنو جذیمہ کا ایک واقعہ خود سرورِ کائنات ﷺ کی حیات طیبہ میں پیش آچکا تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا معاملہ یہ تھا کہ ہر بات میں اسوہ رسول کی اتباع ان کی فطرت اور طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ وہ انسانی فطرت کی کمزوریوں سے بھی بخوبی آشنا تھے اور دوسری طرف سیاست اور فوجی تدابیر کا جو مقتضا تھا اس سے بھی پوری طرح واقف تھے۔ اس لیے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے میں اگر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے کسی غلطی کا ارتکاب ہوا بھی

Marfat.com

تھا تو بہر حال وہ اتنی بڑی غلطی ہرگز نہ تھی جس کی پاداش میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ جیسے مدبر جرنیل اور بہادر اور دور اندیش سپہ سالار کی قیادت سے لشکر اسلامی کو محروم کر کے اسلامی محاذ جنگ کو خطرہ میں ڈال دیا جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اگرچہ عہد صدیقی میں بھی اپنی ایک رائے رکھتے تھے، لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کے سامنے ان کی گردن جھک جاتی تھی۔ چنانچہ سیدنا عمر کے عہد خلافت میں ایک مرتبہ متمم ابن نویرہ نے حاضر ہو کر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے قصاص کا مطالبہ کیا جس کے جواب میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لا ارادشیئاً صنعه ابوبکر (خزانۃ الادب: ۱/ ۲۳۸)

ابوبکر رضی اللہ عنہ جو کر گئے ہیں میں اس کو رد نہیں کروں گا۔

روایات میں ہے کہ حمص کی بغاوت کو فرو کرنے کے بعد سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اور سیدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ اسلامی مملکت کی سرحدوں کو مستحکم کرنے اور دشمنوں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب بٹھانے کے لیے تا کہ وہ آئندہ بغاوت کا سوچ بھی نہ سکیں، آرمینیہ کی طرف بڑھے یہاں تک کہ آمد اور رہا پہنچ گئے۔ وہ جدھر سے گزرے شہر فتح کرتے، مال غنیمت سمیٹتے اور کافروں کے دلوں پر مسلمانوں کا رعب بٹھاتے جاتے۔ اس کے بعد جب وہ واپس قنسرین آئے تو ان کے پاس بہت سا مال غنیمت جمع ہو گیا تھا۔ اس لیے ادھر ادھر سے لوگ انعام کے لالچ میں ان کے پاس آئے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے انہیں مایوس نہ ہونے دیا۔ ان لوگوں میں اشعث بن قیس بھی تھا، سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اسے بھی دس ہزار درہم انعام میں دیئے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے اس دس ہزار درہم کے انعام کا بہت چرچا ہوا۔ اس انعام کی خبر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں پہنچی انہیں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ پر بہت غصہ آیا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ خالد رضی اللہ عنہ اپنی بے اعتدالیوں سے باز نہیں آ رہے۔ اس کے علاوہ بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں حکم دیا تھا کہ جتنا مال تمہیں ملا ہے وہ کمزور مہاجرین وانصار کے لیے وقف کر دو، لیکن اس حکم کے برعکس انہوں نے دیکھا کہ خالد عزت والوں، طاقت والوں اور زبان آوروں کو مال تقسیم کرتے پھر رہے ہیں۔ ایک مرتبہ بارگاہِ خلافت سے انہیں یہ حکم بھی آیا تھا کہ ''امیر المومنین کی اجازت کے بغیر وہ کسی کو اونٹ اور بکری بھی انعام وبخشش کے طور پر نہ دیں۔ لیکن امیر المومنین کا یہ حکم ملنے کے بعد سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ ''مجھے اپنا کام کرنے دیجئے ورنہ پھر آپ جانیں اور آپ کا کام۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ جواب ان کے حکم کی خلاف ورزی تھا۔

Marfat.com

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے اس رویہ سے خوش نہ تھے کہ لوگ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی فتوحات کی وجہ سے کچھ زیادہ گرویدہ ہوگئے ہیں اور ان کے کارناموں کے گن گانے لگے، جس کی وجہ سے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو اپنے بارہ میں غلط اندیش ہونے کا خطرہ تھا اور اس بات کا اندیشہ بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ کہیں وہ آمر مطلق نہ بن جائیں اور اگر ایسا ہوگیا تو پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بارگاہِ الوہیت میں خود بھی جواب طلبی ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس وجہ سے آپ کو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ پر سخت غصہ آیا۔ چنانچہ آپ نے ایک روز فرمایا: ''بخدا! میں اللہ تعالیٰ کے سامنے سچا نہیں ہوں گا اگر جس حکم کا مشورہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیتا تھا، اسے خود نافذ نہ کروں۔ واللہ! میری طرف سے خالد رضی اللہ عنہ ہرگز کسی صوبے کے والی نہیں ہوں گے۔'' چنانچہ آپ نے ابوکبیدہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ خالد رضی اللہ عنہ کو بلا کر اس کے عمامے سے اس کی مشکیں کسو اور اس کی ٹوپی اتار کر پوچھو کہ ''اشعت بن قیس کو انعام تم نے اپنے پاس سے دیا ہے یا مالِ غنیمت میں سے؟ اگر مالِ غنیمت میں سے دیا ہے تو یہ خیانت کی ہے اور اگر اپنے پاس سے دیا ہے تو اسراف کیا ہے'' اور حکم فرمایا کہ دونوں صورتوں میں انہیں ان کے عہدے سے معزول کر کے ان کے علاقہ کو اپنی ولایت میں شامل کرلیں۔'' سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اس خط کو پڑھ کر ورطہ حیرت میں گم ہوگئے۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کیا جائے؟ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی ان کے دل میں بڑی عزت و توقیر تھی۔ وہ ان کے تمام کارناموں سے واقف تھے، لیکن امیر المومنین کے حکم کی تعمیل بھی ضروری تھی۔ لہٰذا انہوں نے اس حکم کی تعمیل امیر المومنین کے قاصد اور موذن رسول سیدنا بلال رضی اللہ عنہ پر چھوڑ دی۔ انہوں نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو بلایا تو ان سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے خط کا کوئی ذکر نہ کیا بلکہ لوگوں کو جمع کر کے خود منبر پر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''تم نے دس ہزار درہم اشعت بن قیس کو اپنے پاس سے دیے تھے یا مالِ غنیمت میں سے؟'' خالد رضی اللہ عنہ نے جب یہ الفاظ سنے تو مبہوت ہوگئے اور کوئی جواب نہ دیا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اپنا سوال دہرایا لیکن خالد رضی اللہ عنہ کے ہونٹوں کو کوئی جنبش نہ ہوئی۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ منبر پر خاموش بیٹھے تھے اور انہوں نے اپنی زبان سے کچھ نہ کہا۔ جب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے قاصد کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ امیر المومنین کی ہدایت کے مطابق سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کی ٹوپی اتار لی اور ان کے ہاتھ پیٹھ کی طرف لے جا کر عمامے سے باندھ دیئے۔ اس کے بعد پھر کہا: ''کیا کہتے ہو، یہ دس ہزار درہم اپنے پاس سے دیئے یا مالِ غنیمت سے؟''

Marfat.com

یہ ایک عجیب منظر تھا۔ عراق و شام کی فتوحات کا سہرا جس سپہ سالار کے سر بندھا ہوا تھا، آج اس کی مشکیں کسی ہوئی ہیں، ٹوپی سر سے اتری ہوئی ہے اور موذن رسولؐ اس سے باز پرس کر رہا ہے۔ خود اندازہ فرمائیں کہ خالد رضی اللہ عنہ کا اس وقت کیا حال ہوگا؟ جو مسلمان اس وقت موجود تھے ان کی حیرت بھی سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی حیرت سے کسی طرح کم نہ تھی۔ کیونکہ وہ عدیم المثال سپہ سالار جس کے نام سے قیصر و کسریٰ لرزتے اور کانپتے تھے اور جس نے ایران و روم کی قوتوں کو خاک میں ملا کر رکھ دیا تھا اور جس کی بدولت کروڑوں کا مال غنیمت حاصل ہوا آج کندہ کے امیر اشعث بن قیس کو دس ہزار درہم انعام دینے پر اس سے یہ سلوک کیا جا رہا ہے۔ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھے لوگوں کے چہروں پر یہ سب تاثرات پڑھ رہے تھے۔ اور لوگوں کے چہروں پر انہیں ناگواری کے تاثرات صاف نظر آ رہے تھے۔ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو بھی اس واقعہ پر اتنی ہی حیرت اور اتنا ہی افسوس تھا جتنا کہ حاضرین کو تھا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی ریاست پسندی، جنگ میں جلد بازی اور خود رائی پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اکثر باز پرس فرماتے رہتے تھے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو ان سب باتوں کا علم تھا۔ اور انہوں نے بہت کوشش کی تھی کہ امیر المومنین کی اس ناراضی کو کسی نہ کسی طریقے سے زائل کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے معرکہ قنسرین کے بعد بارگاہِ خلافت میں جو خط لکھا تھا اس میں ان کے شاندار کارناموں کی بہت تعریف و تحسین کی تھی۔ اس خط کو پڑھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

''خالد نے اپنے آپ کو خود امیر بنا لیا! اللہ ابو بکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے وہ مجھ سے زیادہ مردم شناس تھے۔''

اسی تعریف و تحسین کے صلہ میں خالد رضی اللہ عنہ کو قنسرین کی امارت حاصل ہوئی تھی۔

جو قیامت اس وقت سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے دل پر ٹوٹ پڑی ہوگی اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جو شخص جاہلیت اور اسلام میں عزت، خودداری اور بزرگی کا ایک نمونہ تھا۔ جس نے آج تک کبھی کسی کے سامنے اپنا سر نہیں جھکایا تھا، آج وہ خود اپنے ہی عمامے میں جکڑا ہوا ہے حالانکہ اس نے اپنی زندگی میں سینکڑوں بار قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑا تھا۔ آج سیدنا بلال رضی اللہ عنہ ان سے بار بار پوچھ رہے ہیں اور خالد رضی اللہ عنہ ان کے سوال کا جواب نہیں دے پا رہے۔ اور جب تک خالد رضی اللہ عنہ اس سوال کا جواب نہیں دیں گے بلال مشکیں کھولنے والے نہیں۔ لیکن خالد رضی اللہ عنہ آخر خالد رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ اپنے کو اسلامی فوج کا ایک سپاہی سمجھ رہے تھے اور عمر رضی اللہ عنہ کو امیر

Marfat.com

المومنین۔ چنانچہ جب پھر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے وہ سوال دہرایا تو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:
''اپنے پاس سے۔''

تمام حاضرین سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ جواب سن کر نہایت خوش ہوئے۔ اور اب ہر ایک یہ سمجھ رہا تھا کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ قنسرین کی امارت پر واپس چلے جائیں گے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کا جواب سنا تو مشکیں کھول دیں اور ٹوپی ان کے سر پر رکھ دی۔ اس کے بعد اپنے ہاتھ سے ان کا عمامہ باندھا اور کہا: ''ہم اپنے حاکموں کا حکم سنتے ہیں اور ان کی اطاعت کرتے ہیں۔'' مجلس ختم ہوگئی۔ ہر شخص حیرت میں گم اپنی اپنی قیام گاہ کی طرف مطمئن ہو کر چلا گیا۔ کچھ لوگ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے حامی ہو گئے اور کچھ کہہ رہے تھے کہ امیر المومنین نے خالد رضی اللہ عنہ سے اس طرح باز پرس کی ہے جس طرح وہ دوسرے عمال سے کرتے ہیں۔ لیکن سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی حیرت ختم نہ ہوئی۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ یہ کیا ہوا اور کیوں ہوا؟ اگر صرف یہی پوچھنا تھا کہ یہ دس ہزار درہم میں نے مال غنیمت میں سے دیئے ہیں یا اپنے پاس سے تو اس کے پوچھنے کا اور طریقہ بھی ہوسکتا تھا۔ یہ ایک بہت بڑے اجتماع میں جو میری مشکیں کسی گئیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پس پردہ کوئی اور بات ہے اور بلاشبہ وہ بہت بڑی بات ہے جس پر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی وہ حیرت بھی دلالت کرتی ہے جس نے ان کے لبوں پر مہر سکوت لگا رکھی تھی۔ وہ کبھی خیال کرتے کہ میں اس بارہ میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے پوچھ لوں۔ لیکن وہ خاموش رہے اور اس بارہ میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے کوئی سوال نہ کیا۔

ادھر حمص میں یہ ہو رہا تھا اور ادھر مدینہ طیبہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا انتظار فرما رہے تھے انہیں یہ خیال نہ آیا کہ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو معزولی کا حکم پہنچانے میں تکلف سے کام لیں گے یا معزولی کے بعد بھی انہیں بدستور قنسرین میں حکومت کرنے دیں گے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو طلبی کا خط لکھا اور جس حکم کو پہنچانے میں سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے تکلف سے کام لیا تھا وہ براہ راست انہیں بھیج دیا۔ خط پڑھ کر خالد رضی اللہ عنہ فوری طور پر سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور غصے اور محبت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ کہا: ''اللہ آپ پر رحم کرے، آپ نے مجھ سے وہ بات کیوں چھپائی جو میں آج آپ سے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔'' سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے نہایت لطف و محبت کے لہجے میں جواب دیا: ''بخدا! میں چاہتا تھا کہ جہاں تک میرے امکان میں ہو میں آپ کو پریشان نہ کروں۔ اور میں یہ بخوبی

Marfat.com

سمجھتا تھا کہ اس خبر سے آپ کو پریشانی ہوگی۔'' چنانچہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ قنسرین گئے اور تمام فوج کو اکٹھا کر کے ایک تقریر کی جس میں ان کی شاندار خدمات کو سراہا اور پھر اپنے اہل و عیال اور مال و اسباب کو لے کر حمص پہنچے۔ حمص میں بھی ایک تقریر کی اور اہل حمص کو الوداع کہا لیکن ان دونوں تقریروں میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں کوئی برائی کا کلمہ زبان پر نہ لائے۔ پھر مدینہ طیبہ روانہ ہو گئے۔

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے حمص پہنچ کر اپنی معزولی کی تقریر میں یہ بھی کہا کہ ''امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ کو شام کا افسر مقرر کیا اور جب میں نے تمام شام فتح کر لیا تو مجھ کو معزول کر دیا۔'' اس فقرہ پر فوج کا ایک سپاہی کھڑا ہو گیا اور کہا ''اے جرنیل! چپ رہ، ان باتوں سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے'' سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہاں، لیکن عمر رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے فتنہ کا کوئی احتمال نہیں۔'' (کتاب الخراج لابی یوسف: ۸۷)

مدینہ میں پہلے ہی اس بات کی اطلاع مل چکی تھی کہ خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگوں نے آپ سے اظہار ہمدردی بھی کیا ہو۔ لیکن سیدنا خالد رضی اللہ عنہ بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''میرے معاملہ میں آپ زیادتی کرتے ہیں'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''یہ دولت کہاں سے آئی؟ تم ایسے کہاں کے مال دار تھے کہ دس ہزار درہم انعام میں دے دیئے'' سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''مال غنیمت کے حصول میں سے ساٹھ ہزار سے جو زائد ہو وہ آپ کا۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حساب کیا تو اسی ہزار درہم نکلے۔ ان میں ساٹھ ہزار چھوڑ کر باقی بیس ہزار بیت المال میں جمع کرا دیئے۔ اب خالد رضی اللہ عنہ مدینہ میں رہنے لگے۔ ایک روز خالد رضی اللہ عنہ تنہائی میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر ناراض ہوئے اور پھر وہی کہا کہ آپ نے میرے معاملہ میں ناانصافی کی ہے۔ اس کے جواب میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''خالد! اللہ کی قسم! میں تمہاری انتہائی عزت کرتا ہوں اور تمہیں محبوب رکھتا ہوں۔ آج کے بعد تم مجھ سے کسی بات پر ناراض نہ ہو گے'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس جواب سے خالد رضی اللہ عنہ کو اطمینان ہوا۔ ان کا سارا غصہ جاتا رہا۔ اس کے بعد جب کوئی انہیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت پر ابھارنے کی کوشش کرتا تو وہ یہ کہہ کر اس کی بات ٹھکرا دیتے کہ جب تک عمر رضی اللہ عنہ زندہ ہیں خالد رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ دشمنی نہیں کر سکتا'' اور خالد رضی اللہ عنہ ناراض ہو کر بغاوت کر بھی کیسے سکتے تھے کیونکہ وہ ایک سپاہی تھے جو نظم و ضبط پر ایمان رکھتا ہے۔ پھر وہ ایک صادق الایمان اور مخلص مسلمان تھے اور دین اسلام کی

Marfat.com

کامیابی ان کی زندگی کا مقصد وحید تھا۔ چاہے وہ ان کے ہاتھوں عمل میں آئے یا ان کے سوا کسی اور کے ہاتھوں۔

اس واقعہ سے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے اخلاص اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دبدبے دونوں کا اندازہ ہوتا ہے۔

روایات میں یہ لکھا ہے کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کے بعد آپ نے اپنے گورنروں اور جرنیلوں کو لکھا کہ میں نے خالد رضی اللہ عنہ کو ناراضی یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا بلکہ اس کے کارناموں کی وجہ سے لوگ فتنہ میں مبتلا ہو رہے تھے لہٰذا میں نے انہیں معزول کر دیا تا کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ عراق و شام کی یہ ساری فتوحات خالد رضی اللہ عنہ کی وجہ سے نہیں بلکہ خالد رضی اللہ عنہ کے رب کی وجہ سے ہیں۔

یہ بات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے کہی کہ خالد رضی اللہ عنہ کی فتوحات اور اس کی پے در پے کامیابیاں جہاں اہل اسلام کے لیے تقویت اور نصرت کا باعث تھیں وہاں یہ خطرہ بھی پیدا ہو گیا تھا کہ لوگ کسی فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ فتنے کا سدباب اگر شروع میں نہ کر دیا جائے تو پھر اس پر قابو پانا ممکن نہیں رہتا۔ بعض لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ خالد رضی اللہ عنہ جہاں ہو وہاں فتح ضروری ہوتی ہے حالانکہ فتح و نصرت خالصتاً اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ خالد رضی اللہ عنہ اگرچہ بہت بڑے جرنیل تھے، نہایت بہادر، حوصلہ مند، نڈر، بے باک اور جنگی علوم و فنون میں نہ صرف ماہر بلکہ یکتائے روزگار تھے لیکن پھر بھی ایک فانی انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ حی و قیوم ہیں۔ وہ جو کچھ چاہتے ہیں وہی کچھ ہوتا ہے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے ذہنوں سے اس وسوسے کو دور کر دیا کہ خالد رضی اللہ عنہ کی کمان فتوحات کا سبب ہے۔ چنانچہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی معزولی کے بعد بھی اسلامی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ نہ تو فوجوں کے کہیں قدم رکے اور نہ ہی انہیں کہیں شکست کا سامنا ہوا۔ اس سے مسلمانوں کو بخوبی معلوم ہو گیا کہ نصرت اور فتح اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے نہ کہ سپہ سالاروں اور لشکروں کی وجہ سے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی معزولی کا جو فیصلہ کیا، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر اطمینان کا اظہار کیا اور کسی ایک نے بھی صدائے احتجاج بلند نہ کی۔

کوئی شخص صدائے احتجاج بلند کیوں کرتا جب کہ روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ

Marfat.com

نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا:

''میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور مثنیٰ بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ کو معزول کر دوں گا اس لیے نہیں کہ ان میں کوئی خامی یا نقص ہے بلکہ اس لیے کہ وہ دونوں خود بھی جان لیں اور ساری امت بھی جان لے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے بندوں کی نصرت فرماتا ہے، اور اس کی نصرت کی حد صرف ان دو حضرات تک محدود نہیں ہے۔''

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دونوں حضرات اپنی اپنی رائے اور موقف کے حق میں دلائل رکھتے تھے۔ دونوں کے پیش نظر اللہ کی رضا اور مسلمانوں کی بھلائی اور خیر خواہی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس فیصلہ میں یہ بھی بتا دیا بلکہ یہ اصول طے کر دیا کہ اسلامی حکومت میں امیر المومنین سربراہ مملکت ہونے کے ناطے نہ صرف انتظامیہ کا سربراہ ہوتا ہے بلکہ فوجوں کا سپریم کمانڈر بھی ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ بیت المال کا بھی ناظم اعلیٰ ہوتا ہے۔ اور یہ اصول بھی آپ نے طے کیا کہ سربراہ مملکت اور فوج کے سپہ سالار کے درمیان اختلاف رائے کی صورت میں بالادستی سربراہِ مملکت کے فیصلہ کو ہوتی ہے اور قوت نافذہ امیر المومنین ہے نہ کہ کوئی اور۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اگرچہ ملکی مصالحت کی خاطر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کروایا لیکن اس کے بعد ان کے رتبہ کے مطابق ان سے کئی کام لیے اور ان کی فطری صلاحیتوں سے سپہ سالاری کے بجائے دوسرے شعبوں سے فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ معزولی کے بعد رہاء، حران، آمد اور لرتہ کا گورنر مقرر فرمایا لیکن ایک سال کے بعد وہ خود مستعفی ہو گئے۔ (مستدرک حاکم: ۳/ ۲۹۷) شاید یہ کام ان کے مزاج کے موافق نہ تھا۔

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ معزول ہونے کے بعد مجد و شرف کے میدانوں سے دو چار برس تک زندہ رہے۔ یہ غم ان کے دل کو کھائے جاتا تھا کہ ان کے بھائی فلسطین سے مصر اور عراق سے فارس تک بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور وہ اپنے گھر میں بیٹھے ہیں۔ ان کی تلوار جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خلیفہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بے نیام کیا تھا، اب نیام میں ہے۔ گھر میں بیٹھنے والی زندگی ان کے لیے اکتا دینے والی زندگی تھی۔ چنانچہ یہ غم والم ان کو گھن کی طرح روز بروز کھائے جا رہا تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا تھا: ''میرے نزدیک دنیا کی کوئی چیز اتنی محبوب و مرغوب نہیں جتنا جہاد۔ مجھے وہ رات اپنی زندگی کی سب سے زیادہ خوشگوار رات محسوس ہوتی ہے جو سخت ٹھنڈی اور بظاہر سخت تکلیف دہ تھی اور مہاجرین کا ایک لشکر دشمنوں سے مقابلہ کرنے

Marfat.com

کے لیے منتظر تھا۔ اگلی صبح دشمنوں سے مڈبھیڑ ہوئی۔ پس جہاد کو اپنے اوپر لازم کر لو۔"

اکثر ذوق جہاد میں فرمایا کرتے تھے: "مجھے میدان جنگ کی سخت رات جس میں اپنے دشمنوں سے لڑوں اس شب عروسی سے زیادہ مرغوب ہے جس میں میری محبوبہ مجھ سے ہم کنار ہو۔" (استیعاب: ۱/ ۱۵۸)

غرض کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ چار برس کی تلخیاں سہنے کے بعد اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انہوں نے کہاں وفات پائی؟ اس بارہ میں مختلف روایات ہیں۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ انتقال تو کر گئے لیکن ان کی وفات سب مسلمانوں کو سوگوار کر گئی۔ خاص طور پر امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا تو برا حال تھا۔ روایت میں ہے کہ انہوں نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی والدہ کو اپنے بیٹے کے غم میں یہ شعر پڑھتے سنا۔

انت خير من الف الف من القوم اذا كبت وجوه الرجال

(تو قوم کے لاکھوں آدمیوں سے بہتر تھا جب لوگ زمین پر اوندھے منہ گر پڑتے تھے) تو فرمایا: اللہ کی قسم! آپ نے سچ کہا، ابوسلیمان (سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی کنیت) ایسے ہی تھے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حج پر تشریف لے گئے تھے اور پختہ ارادہ فرما چکے تھے کہ حج سے واپسی پر خالد رضی اللہ عنہ کو ان کے عہدے پر بحال کر دوں گا۔" لیکن جب واپس ہوئے تو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔"

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے بعد جو وصیت فرمائی اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ باوجود معزولی کے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے تعلقات باہم خوشگوار تھے۔ چنانچہ انہوں نے وصیت فرمائی کہ "ان کے بال بچوں اور جائیداد اور وراثت کی تقسیم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کریں گے۔" اگر ان دونوں میں تعلقات خوشگوار نہ ہوتے تو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ انہیں اپنی اولاد کا سرپرست کبھی نہ بناتے۔

بہر حال اس بات میں کوئی شک نہیں کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دو ایسی عظیم الشان ہستیاں تھیں جن کی نظیر انسانوں میں بہت کم ملتی ہے۔ اگر یہ دونوں سلطنت کی تعمیر و ترقی اور سیاست و حکومت میں آخر تک ایک دوسرے کے ساتھ رہتے تو فتوحات کی رفتار اور بھی تیز اور سلطنت کا دائرہ اور بھی وسیع و عریض ہو جاتا۔

Marfat.com

عرب میں قحط:

۱۷ھ کا آخر تھا کہ مدینہ اور جزیرہ نمائے عرب میں قحط پڑ گیا۔ اس قحط میں کھیتیاں تباہ اور مویشی ہلاک ہو گئے اور لوگوں کو سخت تکلیف اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ قحط کی وجہ یہ ہوئی کہ عرب میں نو ماہ تک پانی کی ایک بوند نہ ٹپکی۔ اس لیے دور دور تک ریت ہی ریت نظر آتی۔ جب ہوا چلتی تو پوری فضا گرد آلود ہو جاتی اور ریت اڑ اڑ کر لوگوں کے منہ پر پڑتی۔ اس لیے لوگوں نے اس سال کا نام ''عام الرمادہ'' یعنی ریت والا سال رکھ دیا۔

کھیت کھلیان جل جانے کی وجہ سے جانوروں کے لیے کوئی چارہ نہ رہا جس کی وجہ سے جانور ہلاک ہونا شروع ہو گئے۔ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کے ریوڑ مر گئے اور جو بچ رہے انہیں سوکھا لگ گیا۔ بازار سونے پڑ گئے۔ لوگوں کے ہاتھ میں غلہ خریدنے کے لیے رقم ہوتی لیکن غلہ ناپید تھا۔ قحط کی ابتداء میں مدینہ والوں کی حالت قدرے بہتر تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ مدینہ والوں میں شہریت کا شعور پیدا ہو گیا تھا اور انہوں نے ضروریات زندگی کا کچھ ذخیرہ فراہم کر لیا تھا۔ لیکن دیہاتی لوگوں کے پاس کوئی اندوختہ نہ تھا اس وجہ سے انہوں نے بھوک پیاس سے تنگ آ کر مدینہ کا رخ کرنا شروع کر دیا۔ اور مدینہ میں پناہ لینے والوں کی اس قدر کثرت ہو گئی کہ تل دھرنے کو جگہ نہ ملتی تھی۔ اب مدینہ والے بھی قحط کی ابتلاء سے دوچار ہو گئے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس نازک موقع پر جس طرح اپنی ذمہ داری کو نبھایا وہ پوری دنیا میں ایک مثال اور نمونہ ہے۔ آپ نے عرب کے باشندوں کی مدد کے لیے عراق اور شام کے گورنروں کو خط لکھے اور ان خطوط کے الفاظ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے نکلے ہوئے تھے۔ آپ اپنے فرض کی بطریق احسن ادائیگی کے لیے حد درجہ پریشان اور بے چین تھے اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ رعایا کے ایک ایک فرد کے لیے وہ خدا تعالیٰ کے حضور جواب دہ ہیں۔ چنانچہ آپ نے فلسطین کے گورنر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھا: ''سلام علیک: اما بعد: کیا تم مجھے اور میرے پاس والوں کو ہلاک ہوتے دیکھو گے اور تم اور تمہارے پاس والے زندہ رہیں گے۔ لہٰذا مدد! مدد!!!'' سیدنا عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ نے اس خط کے جواب میں لکھا: ''اطمینان رکھئے، میں ایک ایسا قافلہ بھیج رہا ہوں جس کا ایک سرا آپ کے پاس ہوگا اور دوسرا میرے پاس۔''

اسی قسم کے خط آپ نے سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو عبیدہ بن

Marfat.com

الجراح رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور عراق و شام کے دوسرے گورنروں کو بھی لکھے۔ ان سب کے جوابات ویسے ہی پہنچے جیسے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے تھے۔

گورنروں کے خطوط کے جوابات کے بعد سب سے پہلے غلہ کی کھیپ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ لے کر آئے۔ چار ہزار اونٹ غذا کے سامان سے لدے وہ خود لے کر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ آپ اس غذائی سامان کو دیکھ کر نہایت خوش ہوئے۔ اور مدینہ کے اردگرد پڑے ہوئے قحط زدہ لوگوں میں تقسیم کرنے کا کام بھی انہی کے سپرد فرمایا۔ جب وہ اس کام سے فارغ ہو گئے تو فرمایا کہ چار ہزار درہم انہیں دے دیئے جائیں۔ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے یہ درہم لینے سے انکار کیا لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ لے لو۔ جب تم نے اسے طلب نہیں کیا تو لینے میں کوئی حرج نہیں۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فلسطین سے اونٹوں اور ایلہ (موجودہ عقبہ) کی بندرگاہ سے جہازوں پر سامان غذا بھیجا۔ آٹے اور گھی سے بھرے ہوئے بیس جہاز بذریعہ سمندر آئے اور آٹے سے لدے ہوئے ایک ہزار اونٹ خشکی کے راستے سے مدینہ پہنچے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام سے تین ہزار اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے عراق سے ایک ہزار اونٹ غلے کے بھیجے۔ علاوہ ازیں سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے پانچ ہزار کمبل اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے تین ہزار چغے بھیجے۔

باہر سے جس قدر غذائی سامان آیا اس کی تقسیم کے لیے مختلف شہروں اور صحرائی علاقوں میں تو آپ نے مختلف آدمی مقرر فرمائے اور مدینہ والوں کی، جن میں ادھر ادھر سے آئے ہوئے ہزاروں اور لوگ بھی تھے، خبر گیری خود اپنے ذمہ لی۔ چنانچہ آپ راتوں کو اٹھ کر لوگوں کو دیکھتے کہ کوئی بھوکا تو نہیں سویا۔ روٹی کو روغن زیتون میں بھگو کر ثرید بناتے تھے اور ایک روز چھوڑ کر جانور ذبح کر کے ان کو ترید میں رکھ دیتے تھے۔ جو غذا لوگ کھاتے امیر المومنین ان کے ساتھ مل کر وہی غذا کھاتے۔ جب عراق و شام سے اونٹ آ گئے تو روزانہ اپنے دستر خوان کے لیے بیس جانور ذبح کراتے اور لوگوں کو کھلاتے تھے۔ بعض دفعہ آپ کے دستر خوان پر دس دس ہزار آدمی ہوتے۔ اور جو آپ کے دستر خوان تک نہ پہنچ پاتے ان کی تعداد اس سے زیادہ تھی۔ چالیس ہزار کی تعداد بھی کتابوں میں آئی ہے جو لوگ خود کھانا پکا سکتے تھے ان کے گھروں میں آٹا، روغن زیتون اور کھجوریں اور گوشت بھیج دیتے تھے۔ جب کبھی دیکھتے کہ غذا لوگوں کی ضرورت کے لیے ناکافی ہے تو جس گھر میں جتنے لوگ ہوتے اتنے ہی اور شامل کر دیتے تاکہ وہ آدھا آدھا راشن بانٹ لیں۔

Marfat.com

قحط کے زمانہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی ذات سے زیادہ لوگوں کی ضروریات کا خیال رکھا۔ ایک روز آپ کے پاس گھی میں گوندھی ہوئی روٹی آئی۔ آپ نے ایک بدو سے شریک طعام ہونے کے لیے فرمایا۔ جس طرف گھی تھا وہ بدو اس طرف سے بڑے بڑے لقمے لینے لگا۔ یہ دیکھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''معلوم ہوتا ہے کہ تم نے کبھی گھی نہیں کھایا۔'' اس نے کہا: ''ہاں۔ میں نے فلاں فلاں دن سے آج تک گھی یا تیل نہیں کھایا اور نہ ہی کسی کو کھاتے دیکھا۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسی وقت قسم کھائی کہ جب تک لوگ قحط میں مبتلا ہیں وہ گوشت اور گھی کو ہاتھ نہ لگائیں گے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ قحط کے ان دنوں میں اپنی طاقت سے بڑھ کر قحط کی ہلاکت آفرینیوں کا زور توڑتے رہے لیکن جب اعانت کی راہیں تنگ ہوگئیں اور جزیرہ نمائے عرب میں بیماری اور موت نے شدت اختیار کرلی تو اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ کے دامن رحمت کے اور کوئی پناہ نظر نہ آئی۔ جتنا عرصہ ملک میں قحط رہا آپ کا یہ معمول تھا کہ عشاء کی نماز پڑھانے کے بعد گھر میں چلے جاتے اور پوری رات نماز پڑھتے اور اللہ تعالیٰ سے رو رو کر دعا مانگتے کہ وہ ان کے ہاتھوں امت مسلمہ کو ہلاک نہ کرائے۔ اب آپ نے نماز استسقاء کا فیصلہ فرمایا اور تمام گورنروں کو لکھ بھیجا کہ فلاں روز لوگوں کو لے کر باہر نکلو اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں گڑگڑا کر دعا مانگو کہ وہ ان پر سے قحط کی اس بلا کو دور فرمائے۔ اس روز وہ خود لوگوں کو لے کر نکلے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رداء مبارک آپ کے جسم پر تھی۔ نماز کے اختتام پر انہوں نے اور تمام مسلمانوں نے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں نہایت تضرع اور زاری سے دعائیں مانگیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تو دیر تک روتے رہے یہاں تک کہ ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ آپ کے پہلو میں کھڑے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف اٹھا کر کہا: ''اے اللہ! ہم تیرے رسولؐ کے چچا کو تیرے حضور وسیلہ بناتے ہیں'' سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے پروردگار سے دعا مانگی۔ دونوں حضرات کی آنکھوں سے آنسو موسلا دھار بارش کی طرح رواں تھے۔ آخر اللہ نے اپنے مومن بندوں کی سن لی اور دھواں دھار بارش کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے۔ پیاسی زمین سیراب ہوگئی اور اس نے اپنا خاکستری لبادہ اتار کر ہرا لباس پہن لیا۔ جب حالات ٹھیک ہوگئے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اب ان لوگوں کو جو باہر سے مدینہ میں آئے ہوئے تھے، فرمایا: ''جاؤ اپنے اپنے وطن کو واپس جاؤ۔'' آپ کو اندیشہ تھا کہ لوگ مدینہ کی زندگی کو عیش و آرام کی زندگی

Marfat.com

سمجھ کر کہیں وہیں نہ رہ پڑیں۔ چنانچہ لوگ اپنے اپنے شہروں میں جا کر معمول کی زندگی بسر کرنے لگے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبری: ۵/ ۷۸، الطبقات الکبریٰ: ۳/ ۳۱۵ محض الصواب: ۱/ ۳۶۳، تاریخ الذہبی: ۴/ ۲۷، الکفاءۃ الاداریۃ، عبداللہ القادری: ۱۰۷، المدینۃ النبویہ فجر الاسلام: ۲/ ۳۷، اخبار عمر: ۱۱۱، الحلیۃ الاولیاء: ۱/ ۴۸، الفاروق عمر: ۲۶۲، السیاسۃ الشرعیہ اسماعیل بدوی: ۲۰۳، تاریخ المدینۃ المنورۃ، ابن شبہ: ۲/ ۷۴۲)

طاعون عمواس:

قحط ابھی پوری طرح ختم نہ ہونے پایا تھا کہ شام میں طاعون کے پھوٹنے اور پھر اس کے عراق تک پہنچ جانے کی خبر نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بے چین کر دیا۔ ہوا یہ کہ فلسطین کے ایک شہر عمواس میں طاعون پھیلا اور پھر اس کے جراثیم نے پورے شام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وبا کا آغاز ۱۷ھ کے اخیر میں ہوا اور کئی مہینوں تک اس کی نہایت شدت رہی۔ اور پچیس ہزار مسلمان اس سے لقمہ اجل ہو گئے جن میں بڑے بڑے جرنیل بھی تھے جن میں زیادہ مشہور سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ، یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، حارث رضی اللہ عنہ بن ہشام، سہیل رضی اللہ عنہ بن عمرو، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، عتبہ رضی اللہ عنہ بن سہیل اور اسی مرتبہ کے سینکڑوں اور مجاہدین تھے جنہیں موت میدان جنگ میں تو پچھاڑ نہ سکی لیکن طاعون نے انہیں اپنی بھینٹ چڑھا لیا۔ حارث بن ہشام اپنے خاندان کے ستر افراد کے ساتھ مدینہ سے شام گئے تھے لیکن ان میں سے صرف چار بچے اور باقی اس بلائے بے درمان کی بھینٹ چڑھ گئے۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے چالیس آدمی اس کا لقمہ بنے۔ اس تباہی نے لوگوں میں وحشت اور دہشت پیدا کر دی۔ جب عمواس میں طاعون کا بھرپور حملہ تھا اس وقت اگر عیسائی مسلمانوں پر حملہ کر دیتے تو مسلمان ان کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے لیکن رومیوں کو یہ خوف تھا کہ اگر اس وباء کے جراثیم ہم میں آ گئے تو ہم بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکیں گے، لہٰذا اس نازک موقع پر انہیں مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جانے کا ارادہ فرما چکے تھے تاکہ فتح کے بعد اس کا نظم ونسق صحیح اصولوں پر استوار کیا جائے۔ جب آپ ''سرغ'' کے مقام پر پہنچے تو اسلامی فوج کے سپہ سالاران سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ، سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور سیدنا شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ وغیرہ آپ کی خدمت

Marfat.com

میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ طاعون کی شدت بہت زیادہ ہوگئی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ خبر سن کر بہت پریشان ہوئے اور مہاجرین وانصار کو بلا کر مشورہ کیا کہ شام کا سفر جاری رکھا جائے یا واپس مدینہ جانے کا فیصلہ کیا جائے۔ مختلف لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اب ان مہاجرین کو جمع کیا جو فتح مکہ کے وقت موجود تھے اور ان سے مشورہ طلب کیا۔ ان سب نے متفقہ طور پر مشورہ دیا کہ آپ کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے واپسی کا حکم دے دیا اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں اعلان کر دیا کہ صبح ہوتے ہی سامان سفر تیار کرلیں۔

نماز فجر کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا: ''میں واپس جا رہا ہوں، تم بھی واپس چلو'' سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''امیر المومنین! قضائے الٰہی سے بھاگتے ہو۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ابوعبیدہ! کاش یہ بات کوئی اور کہتا، ہاں میں قضائے الٰہی سے قضائے الٰہی کی طرف بھاگ رہا ہوں۔'' (افر من قضاء الله الی قضاء الله)۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کو لے کر واپس مدینہ آ گئے اور سرداران لشکر اپنے اپنے علاقوں میں چلے گئے۔ مدینہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے وبا کے بارہ میں کچھ غور وفکر کرنا شروع کیا کہ مسلمانوں کو طاعون کی تباہ کاریوں سے کیسے بچایا جائے۔ امیر المومنین کو سیدنا ابوعبید رضی اللہ عنہ کی بہت فکر تھی۔ آخر ''امین الامت'' تھے۔

بعض حضرات کی رائے ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی زندگی اس لیے بھی عزیز تھی کہ وہ انہیں اپنے بعد خلیفہ نامزد کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا آپ نے سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو وبا کے گرداب سے نکالنے کیلئے خط لکھا، جس کے الفاظ یہ تھے:

''سلام کے بعد، مجھے ایک ضرورت پیش آ گئی ہے جس کے بارہ میں آپ سے زبانی بات کرنا چاہتا ہوں، لہٰذا سخت تاکید کے ساتھ آپ سے کہتا ہوں کہ جونہی آپ کو میرا یہ خط موصول ہو فوراً میری طرف روانہ ہو جائیں۔''

سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ مارشل آدمی تھے۔ آپ ساری زندگی اطاعت امیر کے پابند رہے۔ لیکن اس خط کو دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ صرف اس لیے مدینہ بلا رہے ہیں کہ مجھے اس طاعون زدہ علاقہ سے نکالا جا سکے۔ چنانچہ خط پڑھ کر انہوں نے ساتھیوں سے فرمایا کہ ''میں امیر المومنین کی ضرورت جان گیا ہوں وہ ایک ایسے شخص کو باقی رکھنا چاہتے ہیں جو باقی رہنے والا نہیں۔ (انه یرید ان یستبقیٰ من لیس بباق)۔ یہ کہہ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ جواب لکھا:

''امیر المومنین! آپ نے مجھے جس ضرورت کے لیے بلایا ہے وہ مجھے پتہ چل گئی

Marfat.com

ہے۔ لیکن میں مسلمانوں کے ایسے لشکر کے درمیان بیٹھا ہوں جس کے لیے میں اپنے قلب میں اعراض کا کوئی جذبہ نہیں پاتا۔ لہٰذا میں ان لوگوں کو تنہا چھوڑ کر اس وقت تک نہیں آنا چاہتا جب تک اللہ تعالیٰ میرے اور ان کے بارہ میں اپنی تقدیر کا حتمی فیصلہ نہیں فرما دیتا۔ لہٰذا مجھے، اے امیر المومنین! اپنے اس تاکیدی حکم سے معاف فرمائیں اور اپنے لشکر ہی میں رہنے دیں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب اپنے خط کا یہ جواب پڑھا تو آنکھیں نمناک ہوگئیں۔ پاس بیٹھے لوگوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو آبدیدہ دیکھا تو پوچھا: ''کیا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی؟'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہوئی تو نہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ہونے والی ہے۔'' اس کے بعد آپ نے سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو دوسرا خط لکھا کہ ''آپ نے لوگوں کو ایسی زمین میں رکھا ہوا ہے جو نشیب میں واقع ہے اب انہیں کسی بلند جگہ پر لے جایئے جس کی ہوا صاف ستھری ہو۔ یہ خط سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو پہنچا تو انہوں نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ آپ کوئی اچھی سی جگہ تلاش کریں جہاں لے جا کر لشکر کو ٹھہرایا جا سکے۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جگہ کی تلاش میں جانے کے لیے گھر پہنچا تو دیکھا کہ میری اہلیہ طاعون میں مبتلا ہو چکی ہیں۔ میں نے واپس آ کر سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو بتایا۔ انہوں نے خود جگہ کی تلاش میں جانے کے لیے اونٹ پر کجاوا کسوایا۔ ابھی آپ نے اس کی رکاب میں پاؤں رکھا ہی تھا کہ آپ پر بھی طاعون کا حملہ ہوگیا اور آپ اس عالم فانی کو چھوڑ کر عالم جاودانی کو انتقال فرما گئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

طاعون میں شہید ہونے والے لوگوں میں سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ انصاری صحابی ہیں اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حلال و حرام کا سب سے بڑا عالم قرار دیا۔ (ترمذی حدیث: ۳۷۹۳) اور اسی کتاب کی حدیث نمبر ۳۷۹۷ میں فرمایا کہ ''معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اچھے آدمی ہیں۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے بہت تعلق تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ:

عجزت النساء ان یلدن مثل معاذ (سیر اعلام النبلاء، ذہبی: ۴۵۲/۱)

عورتیں معاذ رضی اللہ عنہ جیسا شخص پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔

نہایت زاہد صحابی تھے۔ تاریخ اسلام میں ان کے زہد کے بے شمار واقعات مرقوم ہیں۔ (ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد: ۱۰/۳، حلیۃ الاولیاء: ۲۳۷/۱، سیر اعلام النبلاء: ۴۵۶/۱)

Marfat.com

سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ جب طاعون میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد شام کی حکومت کے لیے نامزد کیا۔ اس زمانہ میں طاعون نہایت تیز رفتاری سے پھیل رہا تھا۔ اس موقع پر سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو سنایا کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''تم لوگ شام کی طرف ہجرت کرو گے۔ وہ تمہارے ہاتھ پر فتح بھی ہوگا اور وہاں ایک ایسی بیماری ظاہر ہوگی جو پھوڑے یا گٹھلی کی طرح ہوگی۔ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو شہادت عطا فرمائیں گے اور تمہارے اعمال کا تذکیہ فرمائیں گے۔'' اس کے بعد سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! اگر معاذ رضی اللہ عنہ نے واقعتہً یہ ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے تو اسے اور اس کے گھر والوں کو بھی اس فضیلت سے حظِ وافر عطا فرما۔ دعا قبول ہوگئی۔ طاعون ان کے گھر میں داخل ہوگیا اور سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کے گھر کا کوئی فرد اس سے نہیں بچا۔ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو طاعون کی گٹھلی شہادت کی انگلی میں نکلی۔ آپ اسے دیکھ کر فرماتے: ''اگر کوئی اس کے بدلے مجھے سرخ اونٹ بھی دے تو وہ مجھے پسند نہیں۔'' (مجمع الزوائد: ۲/ ۳۱۱)

سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو طاعون میں مبتلا دیکھ کر ایک صاحب رونے لگے۔ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''کیوں روتے ہو؟'' انہوں نے جواب دیا: ''میں اس علم پر رو رہا ہوں جو میں آپ سے حاصل کرتا تھا۔'' فرمایا: ''میرے مرنے کے بعد چار افراد کے پاس علم تلاش کرنا: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہم۔'' (سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۵۹، مصنف عبدالرزاق حدیث نمبر: ۲۰۱۶۴)

سیدنا معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ نے اپنا قائم مقام سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ وباء اپنے پورے زوروں پر تھی اور فوج میں ایک انتظار کی کیفیت تھی۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اکٹھا کر کے ایک تقریر فرمائی کہ ''وباء جب پھوٹتی ہے تو آگ کی طرف پھیلتی ہے۔ لہٰذا پہاڑوں میں چھپ کر اپنی جانیں بچاؤ۔'' چنانچہ لوگ پہاڑوں پر چلے گئے یہاں تک کہ وباء کا نہ صرف زور ختم ہوا بلکہ بالکل ہی ختم ہوگئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی اس تدبیر کا علم ہوا تو آپ نے اس کو اپنے حکم کی تعمیل قرار دیا جو سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا تھا، لیکن یہ تدبیر اس وقت کی گئی جب ۲۵ ہزار آدمی اس طاعون کی بھینٹ چڑھ گئے تھے جو آدمی دنیا کے فتح کرنے کے لیے کافی ہو سکتے تھے۔ ہزاروں بچے یتیم ہو گئے۔ ہزاروں عورتیں بیوہ ہو گئیں اور ان کا مال و اسباب مارا مارا پھرتا تھا۔

Marfat.com

وباء ختم ہونے کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شام کے سفر کا عزم فرمایا کیونکہ اسلامی لشکر کی کثیر تعداد جن میں بڑے بڑے جرنیل بھی شامل تھے، لقمہ اجل ہو جانے کے بعد شام کی فتح ناخوشگوار نتائج سے دوچار ہو سکتی تھی کیونکہ رومی اس پر دوبارہ قبضہ کرنے کی سوچ رہے تھے۔ علاوہ ازیں میراث کے جھگڑوں نے وہاں اقتصادی نظام میں گڑ بڑ پیدا کر دی تھی۔ چنانچہ آپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرما کر صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ مدینہ سے ابلہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ابلہ پہنچ کر اپنی سواری غلام کو دے دی اور خود کسی مصلحت سے اس کے اونٹ پر سوار ہو گئے۔ راستہ میں جو لوگ دیکھتے وہ پوچھتے کہ ''امیر المومنین کہاں ہیں؟'' فرماتے: ''تمہارے آگے'' اس طرح ابلہ پہنچے۔ یہاں شہر کے پادری کو بلایا اور اسے اپنا کرتا دے کر کہا: ''یہ طوالت سفر سے پھٹ گیا ہے اسے دھو کر پیوند لگا دو۔'' پادری نے کرتا دھو کر خود اپنے ہاتھ سے پیوند لگائے اور اسی طرح کا ایک نیا کرتا بھی سلوا دیا۔ یہ دونوں کرتے لے کر وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا کرتا پہن لیا اور دوسرا کرتا واپس کرتے ہوئے فرمایا: ''یہ پسینہ زیادہ جذب کرتا ہے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ابلہ سے چل کر جابیہ پہنچے۔ وہاں شام کے مختلف عمال نے حاضر خدمت ہو کر اپنی روداد یں بیان کیں۔ پھر آپ نے قریباً تمام مسلمانوں کا دورہ فرمایا اور ہر ضلع میں دو دو چار چار دن قیام فرما کر مناسب انتظامات کیے۔ مسلمانوں کے معاملات کی چھان بین کی شام کی سرحدوں اور لشکر گاہوں کو مستحکم کیا۔ غذا کی تقسیم کا از سر نو انتظام کیا اور فوج کی تنخواہیں تقسیم کیں۔ ان سب معاملات سے فارغ ہو کر ترکے تقسیم کیے اور مرنے والوں کا متروکہ ان کے مستحقین کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر پہنچایا۔ چنانچہ سابقہ نظام بحال ہو گیا اور رومیوں نے دوبارہ شام پر قبضہ کرنے کا خیال دل سے نکال دیا۔ سیدنا ابو عبیدہ اور سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے انتقال سے جو جگہیں خالی ہو گئی تھیں ان دونوں کی جگہ پر سیدنا شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو گورنر مقرر کیا تھا لیکن شام کے سفر سے واپسی پر جب آپ جابیہ ٹھہرے تو آپ نے شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو ان کی خدمات سے معزول کر دیا، اور ایک تقریر میں اعلان فرمایا: ''بخدا! میں نے شرجیل رضی اللہ عنہ کو کسی ناراضگی کی وجہ سے معزول نہیں کیا بلکہ میں ایک ایسے شخص کو حکومت سپرد کرنا چاہتا ہوں جو ان سے زیادہ قوت اور طاقت کے ساتھ حکومت کرے۔

یہ درست ہے کہ شرجیل رضی اللہ عنہ ایک نہایت تجربہ کار اور آزمودہ جرنیل ہیں لیکن ان میں وہ سیاسی سمجھ

Marfat.com

بوجھ نہیں ہے جو عوامی نفسیات کا احاطہ کر سکتی ہے۔ اس کے برعکس معاویہ رضی اللہ عنہ نوجوان ہیں لیکن تدبر، سیاست میں ان کا پایہ بہت بلند ہے اور ان کی نگاہ نہایت دور رس اور معاملات کی تہہ تک پہنچنے والی ہے۔ چنانچہ آپ نے اردن کا علاقہ بھی سیدنا معاویہ کی امارت میں دے دیا اور وہ پورے شام کے امیر ہو گئے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا کیا مقام تھا۔

شام سے واپس آ کر مدینہ طیبہ میں آپ نے کچھ روز قیام فرمایا۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد فریضہ حج ادا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ حج سے فراغت کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ واپس مدینہ تشریف لے آئے اور ان لڑائیوں کی خبروں کا انتظار کرنے لگے جو ایران میں ایرانیوں اور مصر میں رومیوں سے لڑی جا رہی تھیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو خلاصہ تاریخ، ابن کثیر، محمد کنعان: ۲۳۶، ابو عبیدہ عامر بن الجراح، محمد شراب: ۲۳۰، الخلفاء الراشدون، نجار: ۲۲۲، ۲۲۵، طبری ۵/ ۳۶، الاکتفاء: ۳/ ۳۰۶، ۳۰۸، حلیۃ الاولیاء: ۲۲۸، ۲۴۴، البدایہ والنہایہ: ۷/ ۹۵، ابن اثیر: ۲/ ۱۷۱، الفاروق عمر بن الخطاب محمد رضا: ۲۳، اشہر المشاہیر ۲/ ۱۶۱)

خوزستان کی فتح:

خوزستان کا علاقہ وہ ہے جو عراق اور فارس کے مابین واقع ہے۔ اس میں چودہ بڑے شہر ہیں جن میں سے سب سے بڑا شہر ''اہواز'' ہے۔ خوزستان کی سرحد چونکہ بصرہ کے ساتھ ملی ہوئی ہے اس لیے ۱۵ھ میں سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جب بصرہ کے گورنر مقرر ہوئے تو انہیں محسوس ہوا کہ اس کی فتح کے بغیر بصرہ میں نہ تو استحکام پیدا ہو سکتا ہے اور نہ ہی امن وامان قائم ہو سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ۱۶ھ میں اعواز پر جس کو ایرانی ''ہرمز شہر'' کہتے تھے حملہ کر دیا۔ یہاں کے رئیس نے ایک مختصر سی رقم دے کر صلح کر لی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ وہیں رک گئے اور انہوں نے دوسرے شہروں کی طرف بڑھنے کی کوشش نہ کی۔ لیکن زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ وہ اپنے معاہدے سے پھر گئے اور اپنی زمین کو مسلمانوں کے لیے حلال کر دیا۔

اس کی وجہ یہ ہوئی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بعض وجوہات کی بنا پر سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو بصرہ کی گورنری سے معزول کر کے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو وہاں کا گورنر بنا دیا۔ اہل

Marfat.com

اہواز نے بصرہ کی انتظامیہ میں یہ تبدیلی دیکھی تو اپنا سالانہ جزیہ دینا بند کر دیا۔ دوسری وجہ یہ ہوئی کہ سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ نے فارس پر حملہ کرنے کے لیے جہازوں کے ذریعہ خلیج فارس کو عبور کیا اور اصطخر کی طرف بڑھتے چلے گئے لیکن ان سے یہ چوک ہوگئی کہ وہ عقب کی حفاظت کرنا بھول گئے۔ ایرانیوں نے ساحل کی واپسی کا راستہ کاٹ دیا۔ انہوں نے مدد کے لیے درخواست کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بصرہ اور کوفہ کی فوجوں کو حکم دیا کہ علاء رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی مدد کی جائے اور ان کے ساتھیوں کو اس مصیبت سے نکالا جائے۔ چنانچہ بصرہ اور کوفہ سے فوجیں علاء رضی اللہ عنہ کی امداد کے لیے گئیں۔ ان وجوہات کے سبب ایرانیوں نے مسلمانوں کے خلاف بغاوت کی جرأت کی۔ اب لڑائی کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ چنانچہ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اہواز کو گھیر لیا۔ شاہی فوج نے مقابلہ تو نہایت پامردی سے کیا لیکن شکست کھائی اور شہر فتح ہوگیا۔ اس جنگ میں بہت سے ایرانی غلام مسلمانوں کے ہاتھ لگے، لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو آپ نے لکھا کہ ''تمام غلاموں کو آزاد کر کے ان پر جزیہ عائد کر دو۔'' مسلمانوں نے امیر المومنین کے حکم کی تعمیل میں تمام غلام چھوڑ دیئے۔ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اہواز کے بعد مناذر کا محاصرہ کر لیا۔ گھمسان کا رن پڑا۔ یہ ایک نہایت محفوظ مقام تھا۔ شہر والوں نے نہایت جوانمردی اور ہمت سے مسلمانوں کے حملے کا مقابلہ کیا جس میں مہاجر بن زیاد رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے۔ ایرانیوں نے ان کا سر کاٹ کر قلعے کے دو کنگروں کے درمیان لٹکا دیا۔ مہاجر رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے بعد لڑائی کی باگ ڈور ان کے بھائی ربیع رضی اللہ عنہ کے سپرد کر کے سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سوس کی طرف روانہ ہوگئے۔ ربیع نے بہت سے ایرانیوں کو قتل اور اسیر کر کے مناذر کو فتح کر لیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مناذر سواد کی بستیوں کی سی ایک بستی ہے، لہٰذا جو کچھ تم نے یہاں سے مال و اسباب حاصل کیا ہے وہ اہل شہر کو واپس کر دو۔ ادھر سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے سوس کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے رسد کی آمد بند کر دی۔ قلعہ میں کھانے پینے کا سامان ختم ہو چکا تھا، مجبوراً رئیس شہر نے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ اس کے خاندان کے سو افراد زندہ چھوڑ دیئے جائیں۔ ابوموسیٰ نے اس کی یہ شرط منظور کر لی۔ رئیس شہر ایک ایک شخص کا نام لیتے جاتا اور سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ ان کو امان دیتے جاتے۔ بدقسمتی سے رئیس نے ان سو افراد میں اپنا نام نہ لیا۔ چنانچہ جب سو افراد کی تعداد پوری ہوگئی تو سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے رئیس کو قتل کروا دیا کیونکہ اس کا نام ان سو میں نہیں تھا۔

یزدگرد کو جب پتہ چلا کہ ایرانی مسلمان فوجوں کا مقابلہ کر رہے ہیں تو اس کے دل

Marfat.com

میں اپنے کھوئے ہوئے ملک کو دوبارہ حاصل کرنے کی خواہش انگڑائیاں لینے لگی۔ چنانچہ اس نے ایک بیان جاری کیا جس میں اہل ایران کو غیرت دلائی۔ یزدگرد اس وقت ایک روایت کے مطابق مرو میں تھا یہ پھر اصطخر یا قم میں تھا۔ اس نے اپنے اس بیان میں کہا:

''اے اہل فارس! تم نے سواد اور اہواز میں عربوں کا اقتدار تسلیم تو کر لیا لیکن وہ اس پر مطمئن نہ ہوئے۔ اب وہ تمہارے گھروں میں گھسے چلے آ رہے ہیں۔ لہٰذا اے اہل فارس! اٹھو اور دشمن پر فتح پاؤ اور اس کو اپنی سرزمین سے نکال باہر کرو۔''

یزدگرد کے اس بیان نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور ایرانی عربوں پر فتح پانے کے لیے کمر بستہ ہو گئے۔ جب یہ خبریں حرقوص بن زہیر اور دوسرے سپہ سالاران اسلام کو ملیں انہوں نے بارگاہ خلافت میں ان کی اطلاع دی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک بڑا لشکر فوراً اہواز کی طرف بھجوا دو۔ آپ نے چند مسلمان جانبازوں اور بہادروں کے نام لکھے کہ وہ ہرمزان کے مقابلے کے لیے اس لشکر کے ساتھ روانہ کیے جائیں۔

یزدگرد اس وقت قم یا مرو میں مقیم تھا اور شاہی خاندان کے تمام ارکان اس کے ساتھ تھے۔ ہرمزان جو شیرویہ کا ماموں تھا اور بڑی قوت واقتدار کا سردار تھا۔ مختلف جنگوں میں اس نے مسلمانوں سے بھاگ کر اپنی جان بچائی تھی۔ اس نے یزدگرد کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اگر اہواز اور فارس میری ماتحتی میں دے دیے جائیں تو میں یہ طاقت رکھتا ہوں کہ عربوں کے سیلاب کو آگے بڑھنے سے روک دوں۔ یزدگرد نے اس کی اس درخواست کو فوری طور پر منظور کر لیا اور اسی وقت فرمان حکومت عطا کر کے ایک لشکر جرار ساتھ کر دیا۔ خوزستان کا صدر مقام شوستر تھا اور شاہی عمارات اور فوجی ہیڈ کوارٹر یہیں تھا۔ سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ ہرمزان کا مقابلہ کرنے کے لیے اہواز سے گزرتے چلے گئے۔ ہرمزان کو جب ان کی آمد کا پتہ چلا تو ایک بہت بڑا ایرانی لشکر لے کر اربک کے مقام پر پہنچا اور آتے ہی مسلمانوں پر شدید حملہ کر دیا۔ اسے پوری امید تھی کہ مسلمان اس کے اس حملہ کی تاب نہ لا سکیں گے۔ لیکن مسلمان فوجیں ان سب حملوں کا مقابلہ کرنے کی پوری استعداد رکھتی تھیں۔ لہٰذا ہرمزان نے جو دیکھا کہ مسلمان غالب آنے والے ہیں تو وہ اربک سے رامہرمز اور پھر وہاں سے تستر بھاگ گیا۔ اسے پورا پورا یقین تھا کہ تستر کی فصیلوں میں وہ قلعہ بند ہو کر مسلمانوں کا بخوبی مقابلہ کر سکے گا۔ ادھر سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ

Marfat.com

نے رامہرمز پہنچ کر اس پر قبضہ کرلیا۔ سہیل بن عدی بصرہ سے ہرمزان کی گوشمالی کے لیے روانہ ہوئے، لیکن جب انہیں یہ پتہ چلا کہ سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ نے رامہرمز پر قبضہ کرلیا ہے اور ہرمزان تستر بھاگ گیا ہے تو انہوں نے سوق اہواز سے اپنا رخ تستر کی طرف کرلیا۔ جب وہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ پہلے ہی سے دشمن کے مقابلہ کے لیے وہاں موجود ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے اس مستحکم شہر کا محاصرہ کرلیا۔ ہرمزان اور اس کی فوجیں پہلے سے خندقیں کھود کر مورچہ بندی کر چکی تھیں انہیں اپنے قلعوں کی مضبوطی پر پورا یقین تھا اور انہیں یہ بھی یقین تھا کہ ان کے مورچوں میں کوئی گھس نہیں سکتا۔ جو آگے بڑھے گا منہ کی کھائے گا۔ ہرمزان اور اس کے جرنیلوں کا یہ اندازہ غلط نہ تھا۔ کیونکہ مسلمانوں نے شہر کی فصیلوں پر جب بھی چڑھائی کرنا چاہی انہیں پسپا ہونا پڑا۔ ایرانی بھی مسلمانوں پر کبھی حملہ کرتے لیکن کامیابی انہیں بھی نہ ہوتی۔ لڑائی نے طوالت اختیار کرلی۔ آخر کار ہرمزان کے پاس اندرون شہر غیر معمولی لشکر جمع ہوگیا جو کسریٰ کے اعلان اور ہرمزان کے نقیبوں اور ہرکاروں کے جواب میں ملک کے مختلف گوشوں سے آیا تھا۔ مسلمانوں کو دشمن کی قوت کا بخوبی اندازہ ہوگیا۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کمک کے لیے عریضہ لکھا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ بصرہ کی تمام فوج لے کر تستر کے محاذ پر جاؤ اور وہاں اسلامی فوجوں کی مدد کرو۔ تستر کے محاذ پر ابوسبدہ کوفہ اور بصرہ کی فوجوں کے سالار تھے۔ سیدنا ابوموسیٰ فوری طور پر ابوسبدہ کی مدد کے لیے تستر پہنچے اور شہر کے محاصرہ میں وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہوگئے۔

محاصرہ جاری رہا اور جنگ شدت اختیار کرتی گئی۔ ایرانی اپنے مورچوں سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ کرتے اور فریقین کی بڑی تعداد اس میں کام آتی اور پھر اپنے اپنے مورچوں میں واپس چلے جاتے لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلتا۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے یہ ساری تفصیل بارگاہ خلافت میں لکھ بھیجی۔ امیر المومنین نے گورنر کوفہ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں اپنا قائم مقام بنا کر فوری طور پر ابوسبدہ کی مدد کے لیے روانہ ہو جاؤ۔

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی فوجوں کے پہنچنے کے بعد مسلمانوں نے محسوس کیا کہ اب شہر کی فصیل کا محاصرہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ محاصرہ تو کئی مہینوں سے جاری ہے۔ اب تو کسی نہ کسی طرح شہر پر حملہ کرنا چاہیے۔ ہرمزان نے قلعہ کی بلندیوں سے مسلمانوں کو حملہ کی تیاریاں کرتے دیکھا تو اپنی فوج کو حکم دیا کہ شہر سے نکل کر یک دم دشمن پر ٹوٹ پڑو۔ جنگ کی اس

Marfat.com

یا نگ سے اسے نہ صرف امید بلکہ یقین تھا کہ فتح اس کی ہوگی۔ چنانچہ ہرمزان خود بھی اپنی فوج کے ساتھ مقابلہ کے لیے نکلا۔ مسلمان بھی کچی گولیاں کھیلے ہوئے نہیں تھے۔ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے بڑی ترتیب سے صف آرائی کی۔ میمنہ پر براء بن مالک رضی اللہ عنہ کو متعین فرمایا (یہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ مشہور صحابی کے بھائی تھے) میسرہ سیدنا براء بن عازب انصاری رضی اللہ عنہ کو دیا۔ سوار کا دستہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی رکاب میں تھا۔ دونوں خوب جان توڑ کر لڑے۔ سیدنا براء بن مالک رضی اللہ عنہ دشمن کی فوجوں میں گھستے ہوئے فصیل کے پھاٹک تک پہنچ گئے۔ پھاٹک کے پاس ان کا ہرمزان سے مقابلہ ہوگیا۔ سیدنا براء بن مالک رضی اللہ عنہ کوئی معمولی سپاہی نہ تھے۔ ایک آزمودہ کار بہادر، سپہ سالار، طاقت اور بہادری میں اپنی مثال آپ تھے لیکن سیدنا براء رضی اللہ عنہ اس کی ایک ہی ضرب سے ابدی نیند سو گئے۔ سیدنا براء رضی اللہ عنہ کا انتقام لینے کے لیے مخزاۃ بن ثور نے آگے بڑھ کر ہرمزان پر وار کیا، لیکن ہرمزان نے ان کا کام بھی تمام کردیا۔ مسلمان سمجھتے تھے کہ تستر خوزستان کا دارالسلطنت اور اس کے تمام شہروں سے زیادہ مضبوط ہے اگر اس پر قبضہ ہوگیا تو ایرانیوں کی تمام شان وشوکت زمین بوس ہو جائے گی۔ چنانچہ باوجود اس بات کہ کہ دشمن کی فوج تعداد میں بہت زیادہ تھی اور مسلمانوں کے دو قابل فخر جرنیل بھی جام شہادت نوش کر چکے تھے لیکن موت پر جھپٹنے کی تمنا نے ان کے حوصلے بلند تر کر دیے۔ جب سورج افق مغرب میں ڈوبنے لگا تو ایرانیوں پر تکان کے آثار طاری ہوگئے۔ چنانچہ میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ ایک ہزار ایرانی مارے گئے اور چھ سو زندہ گرفتار ہوئے اور ہرمزان کو قلعہ بند ہونے کے سوا اور کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ دوسرے روز صبح کو کوئی ایرانی جنگ کے لیے باہر نہ نکلا کیونکہ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ مسلمان زندگی سے زیادہ موت پر جان دیتے ہیں۔ اب انہوں نے باہر نکل کر مقابلہ نہ کرنے ہی میں اپنی خیریت سمجھی۔

سارا شہر فوجوں سے بھرا پڑا تھا اور محاصرہ طویل ہوگیا۔ ایک روز ایک ایرانی شہر والوں سے چھپ کر سیدنا ابوموسیٰ کے پاس آیا اور کہا کہ اگر آپ لوگ میرے جان و مال کی امان دیں تو میں آپ کا شہر پر قبضہ کرا دوں گا۔ اس نے ایک عرب کو جس کا نام اشرس تھا ساتھ لیا اور یہ نہر وجیل میں اتر گیا اور ایک سرنگ کے راستے شہر میں نکلا جو آب در کے پہلو سے گزرتی تھی اور اشرس بن عوف شیبانی کے منہ پر چادر ڈال کر کہا کہ نوکر کی طرح میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ چنانچہ وہ شہر کے گلی کوچوں سے گزرتا ہوا خاص ہرمزان کے محل میں آیا۔ ہرمزان اپنے درباریوں

Marfat.com

اور اعیان سلطنت کے ساتھ مجلس سجائے بیٹھا تھا۔ اس ایرانی شہری نے اشرس کو تمام عمارات کی سیر کرائی اور تمام نشیب و فراز سمجھائے پھر وہ اس عرب کو لے کر سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں تو اپنا فرض ادا کر چکا ہوں۔ آگے تم لوگوں کی ہمت۔ سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے چالیس آدمی اشرس کے ساتھ کیے اور دو سو آدمی ان کی کمک پر بھیجے۔ یہ لوگ رات کے آخری حصہ میں روانہ ہوئے۔ ان لوگوں نے شہر میں داخل ہو کر پہلے تو پہرداروں کو قتل کیا، پھر فصیل پر چڑھ کر نعرہ تکبیر بلند کیا۔ پہرہ داروں کو قتل کر کے شہر کے دروازے کھول دیئے گئے۔ سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ پہلے ہی فوج لے کر دروازوں کے سامنے کھڑے تھے۔ دروازے کھلنے کے ساتھ ہی مسلمان لشکر شہر میں داخل ہو کر ایرانی فوجوں پر ٹوٹ پڑا۔ ہرمزان پر مسلمانوں کے نعرہ تکبیر سن کر دہشت طاری ہوگئی۔ وہ اپنے قلعہ میں بھاگ گیا اور ساتھیوں سے کہنے لگا کہ ''عربوں کو ہمارے بھید بتانے والا کوئی ہمارا ساتھی ہی ہے جس کی رائے میں مسلمانوں کی قسمت کا ستارہ عروج پر ہے اور ہمارا ستارہ زوال کی گہرائیوں میں ڈوب چکا ہے۔'' شہر کے دروازے کھول کر مسلمانوں کو اندر گھستے اور اپنے سردار (ہرمزان) کو بھاگتے دیکھ کر ایرانیوں میں کھلبلی مچل گئی۔ وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے اور حملہ آوروں کے خوف سے اپنے ہاتھوں اپنے بچوں کو قتل کر کے نہر دجیل میں پھینکنے لگے۔ ہرمزان بھاگ کر اپنے قلعہ میں جا کر چھپ گیا۔ مسلمانوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اس نے اوپر سے جھانک کر دیکھا تو کہنے لگا: ''میرے ترکش میں سو تیر ہیں۔ جب تک اتنی ہی لاشیں یہاں نہ بچھ جائیں میں گرفتار نہیں ہو سکتا۔'' یہ بات اس نے کہہ تو دی لیکن وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر وہ مقابلہ کرتے ہوئے پکڑا گیا تو مار دیا جائے گا۔ اس نے کہا: ''میں اس شرط پر گرفتاری پیش کرتا ہوں کہ تم مجھے اپنے خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے جاؤ، وہ میرے ساتھ جیسا سلوک چاہیں کریں۔ مسلمانوں نے اس کی یہ شرط منظور کر لی۔ چنانچہ ہرمزان نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس کو سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور سیدنا احنف بن قیس کے ساتھ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مدینہ روانہ کر دیا۔ ہرمزان بڑی شان و شوکت سے روانہ ہوا۔ بڑے بڑے رئیس اور خاندان کے تمام افراد اس کے ہم رکاب تھے۔

ہرمزان کی گرفتاری تستر کی شکست کا اعلان تھی۔ چنانچہ دوسری تمام فوج اور اہل شہر سپر انداز ہو گئے۔ مسلمانوں نے شہر کا انتظام سنبھال کر مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔ خمس نکال کر

Marfat.com

مال غنیمت میں سے سوار کے حصہ میں تین ہزار اور پیادہ کے حصہ میں ایک ہزار درہم آئے۔

ہرمزان ایک ایرانی سردار تھا اور شیرویہ کسریٰ ایران کا ماموں۔ اس نے اپنی جان بچانے کے لیے گرفتاری دے دی۔ حالانکہ اس کو چاہیے تھا کہ وہ اپنی قوم کے لیے لڑ کر جان دیتا جس طرح قوم وطن کی حفاظت کے لیے جان توڑ کوشش کر رہی تھی لیکن ہرمزان نے قوم کے برعکس اپنی زندگی کو موت پر ترجیح دی۔ یہی وجہ ہے کہ ایرانی قوم پر جب ذات اور حب حیات کا جذبہ غالب تھا خصوصی طور پر ان کے امراء اور سپہ سالاروں پر۔ رستم بھی اپنے آپ کو بہرصورت بچانا چاہتا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ جب کسی قوم میں اجتماعی رشتوں میں بوسیدگی پیدا ہو جائے اس وقت اس کی معنوی روح اضمحلال کا شکار ہو جاتی ہے اور قوم کی قوت مقابلہ جواب دے دیتی ہے کیونکہ اجتماعی رشتے معنوی زندگی کی اساس ہوتے ہیں۔ ایک قوم میں معنوی قوت کو وہی مقام حاصل ہے جو مقام فرد میں بقائے ذات کے فطری جذبے کو حاصل ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب کسی جسم کی قوت حیات کمزور ہو جاتی ہے تو اس کے اعضاء اپنا اپنا کام صرف اپنے اپنے مفاد کے لیے کرتے ہیں۔ پورے جسم سے انہیں کوئی غرض نہیں ہوتی۔ اور اس طرح بقائے حیات کا جذبہ موت کے لیے جگہ خالی کر دیتا ہے۔ بالکل یہی حال ایک قوم کی اجتماعی زندگی کا ہے کہ جب اس کے افراد میں اجتماعی رشتوں کو گھن لگ جاتا ہے تو پھر وہ صرف اپنے ہی مفاد کے لیے سوچنے لگتے ہیں۔ یہی حال اس وقت ایرانی قوم کا ہو گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ایک ایرانی شخص نے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر مسلمانوں کو شہر کے اندر جانے کا خفیہ راستہ بنایا اور پوری قوم کو ذلت وخواری میں مبتلا کر دیا۔ اگر اس قوم میں معنوی روح زندہ ہوتی اور اس کے اجتماعی رشتوں میں بوسیدگی نہ پیدا ہوئی ہوتی تو ہرمزان زندگی پر لڑتے لڑتے جان دے دینے کو ترجیح دیتا۔ یہی وجہ تھی کہ پہلے رومی ان پر غالب آئے اور پھر مسلمانوں نے ان پر غلبہ حاصل کیا۔ یہ تو ہرمزان تھا خود یزدگرد مدائن اور حلوان اور دوسرے کئی شہروں سے صرف اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ رہا تھا، قوم کی اسے کوئی پروانہ تھی۔

تستر اور سوس کے فتح ہونے سے پہلے یزدگرد کے حکم سے ایک ایرانی سردار سیاہ اسواری مسلمانوں سے لڑنے کے لیے اصفہان سے نکلا لیکن جب اسے پتہ چلا کہ مسلمانوں نے اہواز کے بعد تستر جیسے ناقابل تسخیر شہر کو بھی فتح کر لیا ہے تو اس نے اپنے ساتھ آنے والے سرداروں کو اکٹھا کر کے مسلمانوں کے کارنامے بیان کیے اور انہیں بتایا کہ ''مسلمان ایک ناقابل

Marfat.com

شکست قوم ہیں۔ جو لشکر ان کے مقابلے میں آتا ہے شکست سے دوچار ہو جاتا ہے۔ جس قلعے پر وہ حملہ کرتے ہیں اس پر قبضہ کر لیتے ہیں'' یہ سب کارنامے بیان کر کے اس نے اپنے سرداروں سے کہا: اب اپنے بارے میں تم خود سوچ لو۔ سب نے متفقہ طور پر اس سے کہا کہ آپ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو پیغام بھجوائیں کہ ہم آپ کا دین قبول کرنے کے لیے تیار ہیں اور ہم آپ کے ساتھ مل کر ایرانیوں سے جنگ بھی کریں گے اگر آپ ہماری شرائط مان لیں۔ سیدنا ابوموسیٰ نے ان کی شرائط لکھ کر دربار خلافت میں بھیج دیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا: ''وہ جو کچھ مانگتے ہیں انہیں دے دو۔'' چنانچہ وہ سب مسلمان ہو گئے۔

ہرمزان مدینہ طیبہ میں:

چند روز کے بعد سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور سیدنا احنف بن قیس رضی اللہ عنہ اپنے آدمیوں کے ہمراہ مال غنیمت کا خمس اور ہرمزان کو ساتھ لے کر مدینہ طیبہ میں امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر ہرمزان نے دیبا کی زرکار پوشاک زیب تن کی۔ شاہانہ عجم کے طریقے کے مطابق زیور پہنے۔ کمر سے مرصع تلوار لگائی، موتیوں اور جواہرات سے مرصع تاج جو ''آذین'' کے لقب سے مشہور تھا سر پر رکھا اور خالص سونے کا عصائے شاہی جس میں موتی اور یاقوت جڑے ہوئے تھے، ہاتھ میں لیا۔ جونہی یہ مدینہ میں داخل ہوا تو مدینہ کے لوگوں نے اس کی شان و شوکت دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا۔ مدینہ پہنچ کر ان لوگوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مکان کا رخ کیا۔ پتہ چلا کہ امیر المومنین کوفہ کے وفد سے بات چیت کرنے مسجد تشریف لے گئے ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ مسجد پہنچے لیکن انہیں وہاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نظر نہ آئے۔ مدینہ کے چند لڑکوں نے انہیں بتایا کہ امیر المومنین مسجد کے دائیں طرف اپنے چغے پر سر رکھے سو رہے ہیں۔ یہ لوگ پھر واپس مسجد آئے اور جہاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سوئے ہوئے تھے ان کے قریب خاموشی سے بیٹھ گئے۔ ہرمزان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سویا ہوا شخص ہی عمر رضی اللہ عنہ ہے کیونکہ وہ سوچ رہا تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس وقت پہرے داروں کی حفاظت میں اپنے ایوان شاہی میں استراحت فرما رہے ہوں گے کیونکہ ایسے باجبروت شہنشاہ کے لیے جس نے ایران و روم کی سلطنتوں کے پرخچے اڑا دیئے ہیں اور ان کے بادشاہ دربدر کی ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں، اس کے لیے ایسا ایوان شاہی ہونا ضروری ہے جس کے دروازے پر دربار بیٹھا ہو۔ چنانچہ

Marfat.com

ہرمزان نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص سے آہستہ سے پوچھا: ''عمر کہاں ہیں؟'' اس نے سوئے ہوئے شخص کی طرف اشارہ کر کے کہا: ''وہ ہیں'' پھر پوچھا: ''اس کے پہرے دار کہاں ہیں؟'' اس نے جواب دیا: ''ان کا کوئی پہرے دار نہیں۔'' ہرمزان یہ سن کر سخت حیران ہوا کیونکہ اس نے اپنی زندگی میں کبھی اس قسم کے سربراہ مملکت کو دیکھا ہی نہیں تھا۔ اس قسم کی سرگوشیوں سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیدار ہو گئے اور اٹھ کر بیٹھ گئے۔ آپ نے اپنے آدمیوں سیدنا انس رضی اللہ عنہ اور سیدنا حنف رضی اللہ عنہ سے پوچھا یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: ''یہ ہرمزان ہے، تستر کا بادشاہ''۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''جب تک اس کے جسم پر اس قسم کے لباس کا ایک تار بھی ہے میں اس سے بات نہیں کروں گا۔'' لوگوں نے اس کی شاہی پوشاک اتار کر سادہ لباس پہنایا۔ اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: ''ہرمزان! تو نے سرکشی کا وبال اور حکم الٰہی کا نتیجہ دیکھا؟ ہرمزان بڑا کایاں آدمی تھا۔ اس نے جواب دیا: ''عمر! جاہلیت کے زمانہ میں جب خدا نے ہمیں اور تمہیں ٹکرایا تھا تو ہم تم پر غالب آئے تھے اس لیے کہ خدا نہ تمہاری طرف تھا اور نہ ہماری طرف لیکن جب خدا تمہارے ساتھ ہوا تو تم ہم پر غالب آ گئے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جاہلیت میں تم ہم پر اس لیے غالب آتے تھے کہ تم متحد تھے اور ہم پراگندگی کا شکار، لیکن اب اپنی پے در پے شکستوں کے لیے تمہارے پاس کوئی عذر ہے۔'' ہرمزان نے دیکھا کہ یہ سوال کرتے وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے غیظ و غضب کے شعلے نکل رہے تھے اور خود اس کو بھی اپنی کرتوتیں یاد آ رہی تھیں۔

قادسیہ سے فرار کے بعد ہرمزان نے کئی مرتبہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے صلح کی لیکن ہمیشہ اپنے اقرار سے پھر گیا۔ اس نے اپنے نقیبوں اور ہرکاروں کی مدد سے ایران کی فضا کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا دیا۔ شوستر کے معرکہ میں اس نے دو سپہ سالاروں کو خود اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں یہ سب واقعات تھے اور انہیں ان کا بہت رنج تھا لہٰذا انہوں نے ہرمزان کے قتل کا پورا ارادہ کر لیا تھا۔ اتنے میں اس نے پینے کے لیے پانی مانگا۔ جب پیالے میں پانی لایا گیا اور جونہی اس نے پیالہ پکڑا تو اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ پوچھا: ''تمہارے ہاتھ کیوں کانپ رہے ہیں؟'' اس نے جواب دیا: ''مجھے خطرہ ہے کہ میں پانی پیتے ہی قتل کر دیا جاؤں گا۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جب تک تم پانی نہ پی لو تمہیں کوئی خطرہ نہیں۔'' یہ سن کر ہرمزان نے سارا پانی انڈیل دیا اور کہا: ''میں پانی نہیں پیتا، اس لیے کہ شرط کے مطابق آپ مجھے قتل نہیں کر سکتے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کی اس مغالطہ آمیز گفتگو سے حیران رہ گئے۔

Marfat.com

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو رہا کر دیا۔ وہ اسلام لے آیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ہرمزان نے کہا کہ میں اسلام تو پہلے ہی لا چکا تھا لیکن یہ تدبیر اس لیے کی تا کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ ہرمزان نے تلوار کے ڈر سے اسلام قبول کیا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کے اسلام لانے سے بہت خوش ہوئے اور اس کو مدینہ میں رہنے کی اجازت دے دی اور اس کا روزینہ بھی مقرر کر دیا اور اس سے فوجی مہمات میں اکثر مشورہ بھی لیتے۔

ایک روایت میں ہے کہ ہرمزان کی بات میں اس کی مسلمانوں سے عہد شکنی کا کوئی جواب نہ پا کر آپ نے تستر سے آئے ہوئے اسلامی وفد سے کہا: ''شاید مسلمان ذمیوں سے سختی سے پیش آتے ہیں جس کی وجہ سے وہ عہد شکنی کرتے ہیں؟'' وفد نے کہا: ''ایسی کوئی بات نہیں۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''پھر وہ عہد شکنی کیوں کرتے ہیں۔'' اس وقت سیدنا احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''امیر المومنین! اس کی وجہ میں عرض کرتا ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ آپ نے ہمیں اس ملک میں آگے بڑھنے سے روک دیا ہے۔ لیکن ایران کا بادشاہ زندہ ہے اور ان کی پشت پر موجود ہے۔ جب تک وہ زندہ رہے گا ایرانی عہد شکنی کرتے رہیں گے اور ہم سے لڑتے رہیں گے۔ ان کی یہ حرکتیں جاری رہیں گی۔ جب تک آپ ہمیں آگے بڑھنے کا حکم نہیں دیں گے۔ جس وقت ہم ان کے ملک میں گھس کر ایران کے بادشاہ کو اس کی مملکت سے نکال دیں گے، ایرانیوں کی تمام امیدیں ٹوٹ جائیں گی اور ان کے جذبات ٹھنڈے پڑ جائیں گے، پھر ان میں سے کوئی بھی عہد شکنی نہیں کرے گا۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نہایت توجہ سے سیدنا احنف رضی اللہ عنہ کی بات سن کر فرمایا: ''تم نے سچ کہا۔ چنانچہ اب میں نے سمجھ لیا کہ فتوحات کو عراق کی حدود سے آگے نہ بڑھنے دینا ناممکن ہے۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کو ارض عراق میں بڑھنے اور ایرانیوں سے لڑنے کے لیے حکم دے دیا۔

ہرمزان نے اپنی مغالطہ آمیز گفتگو سے اپنی جان تو بچا لی اور وہ مسلمان ہو کر مدینہ میں رہنے بھی لگا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ایران کی مہمات میں مشورے بھی دینے لگا، لیکن جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے تو ان کے قتل کی سازش میں شریک ہونے کا الزام اس پر لگا۔ ممکن ہے اس نے اپنی گزشتہ عہد شکنیوں کی طرح یہ بھی ایک اور عہد شکنی کی ہو۔ چونکہ یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبید اللہ کے ہاتھوں مارا گیا جس کی وجہ سے یہ سازش بے نقاب نہ ہو سکی۔

شوستر کے بعد مسلمانوں نے جندی سابور پر حملہ کیا جو شوستر سے چوبیس میل کے

Marfat.com

فاصلہ پر ہے اس کا محاصرہ بھی کئی دن تک رہا۔ ایک روز شہر والوں نے شہر کی فصیل کے دروازے کھول دیئے اور نہایت اطمینان کے ساتھ تمام لوگ اپنے کاروبار میں مصروف ہو گئے۔ مسلمانوں کو ان کے اس طرح دروازے کھولنے اور اطمینان سے کام کرنے پر تعجب ہوا۔ چنانچہ انہوں نے اس کا سبب معلوم کیا۔ شہر والوں نے کہا کہ تم ہمیں جزیہ کی شرط پر امن دے چکے ہو۔ سب کو اس پر حیرت ہوئی کہ امن کس نے دیا۔ پتہ چلا کہ ایک غلام نے تمام لشکر سے چھپا کر امن کا پروانہ لکھ دیا ہے۔ سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ایک غلام کا یہ فعل حجت نہیں ہوسکتا۔'' شہر والے کہنے لگے ''ہم غلام اور آزاد نہیں جانتے، تمہارے ایک آدمی نے ہمیں امان دے دی۔ بس۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا گیا۔ آپ نے جواب میں فرمایا: ''مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے اور جس کو اس نے امان دی گویا سب نے امان دی۔'' اس شہر کی فتح سے تمام خوزستان میں اسلام کا ڈنکا بجنے لگا اور فتوحات کی فہرست میں ایک اور نئے صوبے کا اضافہ ہو گیا۔ (طبری: ۵/۶۶)

معرکہ نہاوند:

سیدنا احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ایرانیوں کی عہد شکنی اور بغاوت کے بارہ میں جو وجہ بتائی تھی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی تصدیق کی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں ایرانیوں کے بارہ میں شک وارتیاب کے تمام کانٹے نکل گئے۔ چنانچہ آپ نے ارادہ فرمایا کہ اب عراق کی طرف بھی اسلامی فوجوں کو بڑھایا جائے۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں بتایا گیا ہے کہ سرزمین عراق دو حصوں میں منقسم ہے۔ مغربی حصہ کو عراق عرب کہتے ہیں اور مشرقی حصہ کو عراق عجم۔ عراق عجم کا حدود اربعہ یہ ہے مشرق میں خوزستان۔ مغرب میں مراغہ واقع ہے اور شمال میں طبرستان اور جنوب میں شیراز ہے۔ اس وقت اس کے بڑے شہر اصفہان، ہمدان اور رے سمجھے جاتے تھے۔ موجودہ زمانہ میں رے بالکل ویران ہو گیا ہے اور اس کے قریب طہران آباد ہو گیا ہے جو شاہان قاچار کا پایہ تخت ہے۔

یزدگرد جب سے مدائن سے بھاگا تھا اس کو اپنے ہی ملک میں کہیں پناہ نہ مل رہی تھی۔ جس شہر میں بھی وہ جاتا مسلمان فوجیں اس کا پیچھا کرتیں اور اسے وہاں سے بھاگنا پڑتا۔ ایرانی سرداروں نے اب یہ سمجھا کہ یزدگرد کا کسی شہر میں پناہ لینا اس شہر کے لوگوں کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ چنانچہ یزدگرد جب رے گیا تو یہاں کے رئیس آبان جادویہ نے اس سے بے وفائی

Marfat.com

کی، وہ رے سے نکل کر اصفہان اور کرمان ہوتا ہوا خراسان پہنچا۔ یہاں پہنچ کر اس نے مرو میں قیام کیا۔ آتش پارسی ساتھ تھی۔ اس کے لیے آتش کدہ تیار کروایا اور مطمئن ہو کر حکومت کے ٹھاٹھ لگا دیئے۔ یہیں اسے پتہ چلا کہ عربوں نے خوزستان کے پورے صوبے کو فتح کر لیا ہے اور ہرمزان جو سلطنت ایران کا دایاں بازو سمجھا جاتا تھا، زندہ گرفتار ہو گیا ہے۔ یہ سن کر یزدگرد پریشان بھی ہوا اور اسے طیش بھی آیا۔ ایرانی ابھی تک یہی سمجھ رہے تھے کہ عربوں کی آندھی سرحدی مقامات تک ہی رہے گی لیکن خوزستان کی فتح نے ان کی آنکھیں کھول دیں۔ ہرمزان کی گرفتاری اور خوزستان کی فتح ان کے لیے ایک بہت بڑا حادثہ تھا۔ چنانچہ اب ایرانی امراء نے ایک دوسرے کو خط لکھے کہ اگر ہماری باہمی بے اعتمادی اور پراگندگی کا سلسلہ ختم نہ ہوا تو ہمارا بھی وہی حشر ہوگا جو ہرمزن کا ہوا ہے لہٰذا ہمیں متفق ہو کر ایک متحدہ محاذ عربوں کے خلاف بنانا چاہئے اور اس تحریک کی قیادت یزدگرد کے سپرد کرنی چاہئے کیونکہ وہ پورے ملک کی ایک مرکزی شخصیت ہے اور عوام اس کے جھنڈے تلے جمع بھی ہو جائیں گے اور ایران کا کوئی چھوٹا بڑا اس کے حکم سے سرتابی نہیں کرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور کسریٰ نے پورے ملک کے امراء کو اس متحدہ محاذ کا مرکزی کردار ہونے کی حیثیت سے جو فرمان بھیجا تھا، ملک کے ہر چھوٹے بڑے نے اس پر لبیک کہا اور مسلمانوں کے مقابلہ میں آہنی دیوار بن جانے کا یقین دلایا۔ تمام امراء نے اپنے اپنے لشکر نہاوند کی طرف روانہ کر دیئے یہاں تک کہ ڈیڑھ لاکھ کا جم غفیر فیروزان کے جھنڈے تلے جمع ہو گیا۔ فوج کے ہر سپاہی اور جرنیل نے یہ قسم کھائی کہ جب تک کسریٰ اور اس کی فوجوں کو فتح نصیب نہ ہوگی وہ اپنے وطن نہیں جائے گا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو عراق کی یہ حالت اور ان کے باشندوں کے یہ ہیجان خیز جذبات سن کر بہت فکر ہوئی۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ گورنر کوفہ یزدگرد، فیروزان اور نہاوند میں جمع ہونے والے ایرانی لشکر کی خبریں امیر المومنین کی خدمت میں بھیج رہے تھے۔ یہ لشکر اتنا بڑا تھا کہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ''مالم یجتمع لھم قبل ذالک'' یعنی اتنی فوجیں اس سے قبل کبھی جمع نہیں ہوئی تھیں۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/۲۵) دوسری طرف اہل کوفہ کا ایک وفد جراح بن سنان اسدی کی قیادت میں خلیفہ اسلام سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا اور ایک یادداشت پیش کی جس میں قائد افواج سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے خلاف شکایتوں کا ایک دفتر تھا۔ ان میں ایک شکایت یہ بھی تھی کہ وہ نماز ٹھیک طریقے سے نہیں پڑھتے۔ ہمارے

Marfat.com

اس جمہوری دور میں بھی ایسے نازک وقت میں اس طرح کے احتجاج کو برداشت نہیں کیا جاتا اور فوجی قوانین کے لحاظ سے تو شاید ایسا احتجاج کرنے والے گردن زدنی قرار دیے جائیں لیکن یہ خلافت راشدہ کا دور تھا جس میں ہر ایک کو کسی بھی وقت گورنر اور افسر کے خلاف شکایت کرنے کا پورا پورا اختیار تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس اچانک شکایت پر چونکے اور فرمایا: ''اس وقت جب کہ سعد رضی اللہ عنہ جنگ کی تیاری میں مصروف ہیں اور دشمن کی فوجیں تمہارے خلاف جمع ہو رہی ہیں، اتنا لمبا سفر کر کے تمہارا یہاں آنا تمہاری شرارت کی کھلی دلیل ہے'' پھر فرمایا: ''تمہاری شکایت پہنچ جانے کے بعد جو مجھے کرنا چاہیے تمہاری شرارت مجھے اس سے نہیں روک سکتی۔'' چنانچہ آپ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو مدینہ طلب فرمایا اور کہا کہ اس وفد نے سب کاموں میں تمہاری شکایت کی ہے یہاں تک کہ یہ شکایت بھی کی ہے کہ تم نماز ٹھیک نہیں پڑھاتے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فوری طور پر ایک تحقیقاتی کمیشن کوفہ بھیجا۔ ارکان وفد نے لوگوں کے بیانات لیے۔ کسی شخص نے ان شکایات کو صحیح قرار نہ دیا۔ صرف قبیلہ بنی عبس کی ایک مسجد میں اسامہ بن قتادہ نے یہ کہا کہ جب آپ قسم ہی دیتے ہیں تو سن لیں:

فأن سعداً كان لايسير بالسرية ولايعدل في القضية

(بخاری: ۱/۱۰۴)

سعد رضی اللہ عنہ مجاہدین کے دستہ کے ساتھ خود نہیں جاتے (کسی اور کو کمانڈر بنا کر بھیج دیتے ہیں) اور (مال غنیمت) مساوی طور پر تقسیم نہیں کرتے اور کوئی مقدمہ آتا ہے تو انصاف وعدل سے کام نہیں لیتے۔

اسامہ بن قتادہ کے بیان سے جو کہ صریحاً غلط تھا سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو سخت دکھ ہوا۔ آپ نے کہا:

''اے اللہ! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹ بول رہا ہے اور اس نے صرف نمائش اور شہرت کے لیے یہ بیان دیا ہے تو اس کی عمر دراز کر، اس کے فقر کو طویل کر اور اس کو فتنوں کا نشانہ بنا۔

آپ کی یہ بددعا اثر کیے بغیر نہ رہی اور لوگوں نے دیکھا کہ اس کی عمر بہت ہوئی، بڈھا کھوسٹ ہو گیا۔ بھنویں آنکھوں پر لٹک آئی تھیں اور راستہ میں لڑکیوں کو چھیڑا کرتا۔ اگر اس حماقت پر تنبیہ کی جاتی تو کہتا:

Marfat.com

"شیخ مفتون اصابتنی دعوۃ سعدؓ (بخاری:۱/۱۰۴)

یعنی بوڑھا ہوں اور فتنہ میں مبتلا ہوں، مجھے سعد رضی اللہ عنہ کی بددعا لگ گئی ہے۔

اگرچہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بارہ میں وہ شکایات غلط تھیں تاہم آپ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو ان کے عہدہ پر واپس کوفہ نہ بھیجا اور ان کی جگہ سیدنا عبداللہ بن عتبان رضی اللہ عنہ کو گورنر بنا کر کوفہ بھیج دیا۔ سیدنا عبداللہ بن عتبان رضی اللہ عنہ نے بھی کوفہ سے بارگاہِ خلافت میں ایرانیوں کی جنگی تیاریوں کے بارہ میں خبریں بھیجیں۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک روز مسجد نبوی میں تمام لوگوں کو اکٹھا کر کے وہ سارے خطوط سنا دیئے جن میں ایرانیوں کی جنگی تیاریوں کے بارہ میں اطلاعات دی گئی تھیں اور فرمایا کہ میں خود اپنے ساتھیوں کو ساتھ لے کر محاذ جنگ پر جاؤں اور شام، یمن اور بصرہ کے امراء کو بھی لکھوں کہ وہ اپنی اپنی فوجیں لے کر عراق کو روانہ ہوں اور ساری فوجوں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کر کے لڑاؤں۔ حاضرین میں سے کچھ لوگوں نے امیر المومنین کی اس تجویز کو پسند کیا۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کہا: ''اگر آپ نے اہل شام کو شام سے ہٹایا تو رومی ان کے بال بچوں کو آلیں گے اور اگر اہل یمن کو یمن سے بلوایا تو حبشہ ان کے ملک میں گھس آئے گا اور اگر آپ نے مدینہ چھوڑا تو سارے عرب میں ہل چل مچ جائے گی اور ہمیں خود اپنے ملک کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ آپ کی حیثیت عرب میں وہی ہے جو دانوں میں رشتے کی ہے کہ وہی دانوں کو اکٹھا رکھتا ہے اور وہی انہیں بکھرنے سے بچاتا ہے۔ ایرانی جب آپ کو وہاں دیکھیں گے تو آپ کو عرب کا امیر اور مرکزی قوت سمجھتے ہوئے باؤلے کتوں کی طرح آپ پر جھپٹ پڑیں گے۔ اور جہاں تک ایرانیوں کی کثرت تعداد کا تعلق ہے اس کے بارہ میں یہ گوش گزار کرنا چاہتا ہوں کہ آج تک ہم کثرت تعداد کے بل پر نہیں لڑے بلکہ فتح ونصرت کے بل پر لڑے ہیں۔ اس لیے آپ ہرگز مدینہ نہ چھوڑیں اور اہل کوفہ کو حکم دیجئے کہ ان کی دو تہائی فوج محاذ جنگ پر چلی جائے اور ایک تہائی اپنی جگہ رہے اور اہل بصرہ کو لکھئے کہ وہ ان کی مدد کریں۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی یہ رائے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بہت پسند آئی اور انہوں نے اعلان فرمایا کہ ''وہ مدینہ میں رہ کر برابر لشکر روانہ کرتے رہیں گے'' پھر آپ نے سیدنا نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کو ان فوجوں کا سپہ سالار مقرر فرمایا اور ان کے بارہ میں فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جو سب سے پہلے نیزوں کے لیے سپر بنے گا۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے اس انتخاب کو پسند کیا۔

Marfat.com

سیدنا نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کے انتخاب کے ساتھ ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں خط لکھا کہ جو فوج تمہارے پاس ہے اس کو لے کر نہاوند چلے جاؤ کیونکہ مجھے پتہ چلا ہے کہ وہاں ایرانیوں کی ایک بہت بڑی فوج جمع ہوئی ہے۔ فوج کو پتھریلے اور دشوار گزار راستوں اور نشیبی جنگلوں سے لے کر نہ جانا کہ مجھے ایک مسلمان کی جان ایک لاکھ دینار سے زیادہ عزیز ہے۔ میں نے کوفہ اور بصرہ کے گورنروں کو بھی لکھ دیا ہے کہ وہ تمہاری مدد کے لیے جلد از جلد فوج بھیجیں۔ ساری فوج کے سپہ سالار تم ہو گے۔ اور کوفہ سے جو فوج آئے گی اس کی قیادت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کریں گے۔ اگر تمہیں کوئی حادثہ پیش آ جائے تو پھر کل فوج کے سردار حذیفہ رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ اور اگر حذیفہ رضی اللہ عنہ کو کوئی گزند پہنچے تو امیر لشکر نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ بصرہ کے گورنر سیدنا ابوموسیٰ کو لکھا کہ بصرہ والوں کو لے کر ماہ پہنچو۔ اور سلمیٰ بن قیس اور حملہ بن ریطہ کو جو فارس اور اہواز کے درمیان مقیم افواج کے سپہ سالار تھے لکھا کہ ایرانیوں کی توجہ اپنے بھائیوں سے ہٹائے رکھو۔ یہ ساری پیش بندیاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس خطرہ کے مقابلے کے لیے کی تھیں جن کی خبریں متواتر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچ رہی تھیں۔ غرض کہ سیدنا نعمان بن مقرن تیس ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ اس فوج میں بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل تھے جن میں سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، سیدنا جریر بن عبداللہ بجیلی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ بن معدی عرب وغیرہ تھے۔

سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ نے جاسوسوں کا جال بچھا دیا تاکہ دشمن کی کارروائیوں کا پتہ چلتا رہے۔ اس خدمت کی سپرداری انہوں نے طلیحہ بن خویلد اسدی، عمرو بن معدی کرب اور عمرو بن ابی سلمی مزنی کو دی۔ انہوں نے اطلاع دی کہ نہاوند تک کوئی خطرہ نہیں۔ چنانچہ سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ نے لشکر کو روانگی کا حکم دیا یہاں تک کہ نہاوند سے (۹) نو میل ادھر اصفہان میں پڑاؤ ڈالا۔ فیروزان کو معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا تیس ہزار کا لشکر ایرانیوں سے لڑنے کے لیے آیا ہے تو اس نے مسلمانوں کی اس تعداد کو ناقابل توجہ سمجھا، لیکن قادسیہ کے میدان میں وہ مسلمانوں کی جرأت اور بہادری کو دیکھ چکا تھا لہٰذا اندر سے ڈرتا بھی تھا۔ چنانچہ اس نے سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ کو سفارت کیلئے پیغام بھیجا۔ انہوں نے سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر بھیجا۔ ایرانیوں نے بڑی شان وشوکت سے دربار سجایا۔ سیدن مغیرہ رضی اللہ عنہ نہاوند کے اردگرد کا میدان طے کر کے اور فصیلوں کو عبور کر کے فیروزان کے پاس پہنچے جو ایک طلائی تخت پر تاج پہنے بیٹھا تھا۔ چاروں

Marfat.com

طرف پہرے دار تھے۔ تخت کے دائیں بائیں مختلف شہروں کے شہزادے دیبا کی زرکار قبائیں، سر پر تاج زریں اور ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہنے ہوئے بیٹھے تھے۔ ان کے پیچھے دور دور تک سپاہیوں کی قطاریں تھیں جن کے ہاتھوں میں چمکتی ہوئی برہنہ تلواریں تھیں جو آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھیں۔ مترجم کے ذریعہ گفتگو ہوئی، گفتگو قریباً وہی تھی جو مدائن میں اسلامی وفد اور یزدگرد میں ہوئی تھی۔ چنانچہ سفارت ناکام ہوئی اور سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ واپس اپنے لشکر میں آ گئے۔ اب دونوں طرف سے جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ سیدنا نعمان نے میمنہ اور میسرہ پر سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ اور سوید بن مقرن رضی اللہ عنہ کو اور ساقہ پر مجاشع کو مقرر فرمایا اور مجردہ پر قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کو متعین فرمایا۔ ایرانیوں نے میدان کارزار سے پہلے گوکھرو بچھا دیئے تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو آگے بڑھنا مشکل ہوتا تھا اور ایرانی جب چاہتے تھے شہر سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو جاتے تھے۔ یہ بات مسلمانوں کے لیے نہایت تکلیف دہ تھی۔ چند اہل الرائے حضرات نے سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ سے مل کر اپنے اندیشے کا اظہار کیا کہ ان حالات میں جنگ کے طویل ہونے کا خطرہ ہے جو کہ ہمارے لیے نقصان دہ بات ہے۔ سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ نے سب حضرات سے اس بارہ میں پوچھا کہ کیا کیا جائے۔ طلیحہ بن خویلد اسدی نے ایک رائے دی اس رائے کو سب نے پسند کیا۔ اس رائے کے مطابق سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ نے قعقاع رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کل صبح اپنی فوج لے کر شہر پر حملہ کریں اور جب ایرانی نمودار ہوں تو اس طرح پیچھے ہٹیں گویا بھاگ رہے ہیں۔ قعقاع رضی اللہ عنہ اپنی فوج لے کر آگے بڑھے اور شہر پر تیر برسانے شروع کر دیئے۔ ایرانی بڑے جوش سے باہر نکلے اور فصیلوں اور گوکھرو کو پار کر کے وہ مسلمانوں کی طرف بڑھے۔ قعقاع رضی اللہ عنہ تھوڑی دیر تک تو جم کر لڑتے رہے اس کے بعد اپنی فوج کو لے کر پیچھے ہٹنے لگے۔ ایرانیوں نے دیکھا کہ مسلمان شکست کھا کر بھاگ رہے ہیں تو وہ ان کا تعاقب کرنے لگے۔ جوں جوں ایرانی تعاقب کرتے جاتے مسلمان پیچھے ہٹتے جاتے۔ سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ اپنی فوج لے کر شہر سے چھ میل دور بیٹھے تھے۔ جونہی ایرانی ان کی زد میں آئے سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ نے ایرانی لشکر پر حملہ کر دیا۔ اب ایرانی اپنے شہر سے کافی دور آ چکے تھے اور ان کا پورا لشکر شہر کی فصیل سے باہر آ چکا تھا۔ قعقاع رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹتے ہٹتے اپنی فوج میں آ کر مل گئے۔

اب دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں۔ اور ایرانی مسلمانوں کی فوج کی زد میں تھے، لیکن دیکھا یہ گیا کہ ایرانی تو تیروں سے مسلمانوں پر حملہ کر رہے ہیں لیکن مسلمان حملہ

Marfat.com

نہیں کر رہے۔ نعمان رضی اللہ عنہ نے انہیں حملہ سے روکا ہوا تھا۔ ایرانیوں کے تیروں سے سینکڑوں مسلمان کام آ گئے لیکن افسر کی اطاعت تھی کہ زخم کھا رہے ہیں اور ہاتھ روکے کھڑے ہیں۔ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ بار بار کہتے تھے کہ فوج بیکار ہوتی جا رہی ہے اور موقع ہاتھ سے نکلا جاتا ہے۔ سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ نے نہایت صبر و سکون سے جواب دیا ''ذرا صبر کریں، ابھی حکم ملتا ہے'' سیدنا نعمان صرف دوپہر ڈھلنے کا انتظار فرما رہے تھے کیونکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب دشمن پر حملہ کرتے تو اسی وقت کرتے تھے۔ جب سورج ڈھلا تو سیدنا نعمان ترکی گھوڑے پر سوار ہوئے اور ایک ایک علم کے پاس جا کر مجاہدین کی ہمت بڑھانے اور ان میں جوش پیدا کرنے لگے۔ فرماتے: ''تم میں سے ہر شخص اپنے گردو پیش چھایا ہوا ہے جب میرا حکم ملے تیار ہو جاؤ۔ میں تین تکبیریں کہوں گا۔ پہلی تکبیر پر تم اپنی صفیں درست کر لینا۔ دوسری تکبیر پر ہتھیار کس کر تیار ہو جانا اور تیسری تکبیر پر میں انشاء اللہ حملہ کر دوں گا۔ تم بھی میرے ساتھ دشمن پر ٹوٹ پڑنا۔ یا اللہ! اپنے دین کو عزت دے۔ اپنے بندوں کی مدد کر اور نعمان کو اپنے دین کی سربلندی اور اپنے دین کی نصرت کے لیے آج سب سے پہلے شہادت کے مقدس خون سے سرخرو فرما۔'' اب نعمان نے پہلی، پھر دوسری اور پھر تیسری تکبیر کہی۔ مسلمان نہایت بے تاب تھے ان میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جو شہادت یا فتح حاصل کیے بغیر اپنے گھر لوٹ جانا چاہتا ہو۔ نعمان کی تیسری تکبیر پر مسلمان ایرانیوں پر اس طرح جھپٹے جیسے بھوکا عقاب اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔ ان کی تلواریں ایرانیوں کے سروں کا صفایا کرنے لگیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ میدان جنگ میں تلواروں کے ٹکرانے کی آوازیں اور نعروں کی آوازوں کے سوا کوئی اور آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ ایرانی اس قدر قتل ہوئے کہ زمین ان کے خون سے لالہ زار ہو گئی۔ خون زمین پر اتنی فراوانی سے بہہ رہا تھا کہ انسانوں اور گھوڑوں کے پاؤں پھسل جاتے تھے۔ آفتاب مغرب کی طرف ڈھلنے لگا۔ نعمان گھوڑے پر سوار دائیں طرف رخ کرتے تو مسلمانوں کی تلواریں ایرانیوں کے میسرے کا صفایا کرنا شروع کر دیتیں اور بائیں طرف پلٹتے تو ایرانیوں کا میمنہ خاک و خون میں لوٹتا نظر آتا۔ وہ دشمن کے قلب کو چیرتے چلے جا رہے تھے کہ ان کے گھوڑے کا پاؤں پھسلا اور وہ زمین پر آ رہے۔ وہ زخموں سے چور ہو گئے تھے۔ اس روز ان کا امتیازی لباس جس سے وہ معرکے میں پہچانے جاتے تھے کلاہ اور سفید قبا تھی جونہی وہ گھوڑے سے گرے ان کے بھائی نعیم بن مقرن نے علم کو جھپٹ کر تھام لیا اور ان کی کلاہ اور قبا پہن کر ان کے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ اس

Marfat.com

تدبیر سے ان کی شہادت کا حال کسی کو معلوم نہ ہوا اور لڑائی بدستور جاری رہی۔ نعمان کے بھائی نعیم نے جھنڈا سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ اور وہ جھنڈا لے کر چلے اور جہاں نعمان تھے وہیں جا کر اسے بلند کیا۔ اس زمانہ میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے جو ضبط و استقلال اور موت سے محبت کا جذبہ عطا فرمایا تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ جس وقت زخمی ہو کر گرے تھے، اعلان کر دیا تھا کہ میں مر بھی جاؤں تو کوئی شخص لڑائی کو چھوڑ کر میری طرف متوجہ نہ ہو۔ اتفاق سے ایک سپاہی ان کے پاس سے نکلا۔ دیکھا کہ کچھ سانس باقی ہیں اور دم توڑ رہے ہیں اس نے گھوڑے سے اتر کر ان کے پاس بیٹھنا چاہا کہ ان کا حکم یاد آ گیا۔ وہ انہیں اسی طرح چھوڑ کر چلا گیا۔ فتح کے بعد ایک بار پھر ان کے سرہانے گیا۔ انہوں نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا: ''جنگ کا کیا انجام ہوا؟'' اس نے کہا: ''مسلمانوں کو فتح ہوئی۔'' اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے فرمایا: ''فوراً عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دو۔''

اب کہاں دنیا میں ایسی ہستیاں:

جب رات نے اپنی سیاہ چادر اوڑھ لی تو ایرانیوں کے حوصلے جواب دے گئے، ان کی ہمتیں پست ہوگئیں۔ ان کی جمعیت منتشر ہوگئی اور وہ شکست کھا کر پیچھے ہٹنے لگے لیکن لوہے کے وہ گوکھرو جو انہوں نے مسلمانوں کے لیے بچھائے تھے، انہوں نے ان کے قدم روک لیے۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں نے انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ بھاگنے والوں نے گوکھروؤں سے بچ کر نکلنا چاہا لیکن پیچھے خندق تھی جسے مسلمانوں کے خوف اور رات کی تاریکی نے ان کی نظروں سے چھپا دیا اور وہ گھوڑوں سمیت اس میں گر کر ہلاک ہوگئے۔ تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ خندق میں گر کر ہلاک ہونے والوں کی تعداد اسی ہزار تھی اور یہ ان تیس ہزار ایرانیوں کے علاوہ تھی جو لڑائی میں کام آئے۔ چنانچہ ایرانیوں کا وہ ٹڈی دل لشکر اس طرح مسلمانوں کے ہاتھوں تباہ اور برباد ہوگیا جو ایران کے طول و عرض سے مسلمانوں کو ایران کی سرزمین سے نکالنے کے لیے جمع ہوا تھا۔

سپہ سالار لشکر فیرزان بھی بھاگنے والوں میں سے تھا۔ وہ اکیلا اپنے گھوڑے پر سوار ہمدان کی طرف بھاگے چلا جا رہا تھا کہ نعیم بن مقرن نے اسے دیکھ لیا اور قعقاع رضی اللہ عنہ کو اس کے تعاقب میں روانہ کیا۔ فیروزن ابھی ہمدان کی سرحد پر پہنچا تھا کہ قعقاع رضی اللہ عنہ نے اسے جا لیا۔ ہوا

Marfat.com

یہ کہ شہد سے لدے ہوئے گدھوں اور خچروں کا ایک قافلہ پہاڑی کی گھاٹی سے گزر رہا تھا جس نے اس بھگوڑے سپہ سالار کا راستہ روک لیا اور وہ گھوڑے سے اتر کر پیدل پہاڑ میں پناہ لینے کے لیے چل پڑا۔ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ نے اس کا پیچھا کیا اور اسے پکڑ کر قتل کر دیا۔ مسلمانوں کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو بولے۔

ان اللہ جنوداً من عسل (البدایہ والنہایہ: ۷/۱۱۱)

اللہ کے لشکر شہد سے بھی ہوتے ہیں۔

اس دن سے اس گھاٹی کا نام ہی ''ثنیۃ العسل'' یعنی شہد کی گھاٹی پڑ گیا۔

ایرانی بھگوڑے بھاگتے بھاگتے ہمدان پہنچ گئے لیکن مسلمانوں نے ہمدان تک ان کا تعاقب کیا۔ ہمدان پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا اور قسم کھالی کہ جب تک شہر کے دروازے نہیں کھلیں گے واپس نہیں جائیں گے۔ حاکم شہر کو فیروزان اور اس کے ٹڈی دل لشکر کا حشر معلوم ہو گیا لہٰذا اس نے صلح کی درخواست کی جو سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ نے اس شرط پر منظور کر لی کہ ہمدان مسلمانوں کے حوالے کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ شرط مان لی گئی۔

سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سمیت جب ہمدان سے واپس لوٹے تو سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ جنگ کے بعد نہاوند شہر میں داخل ہو چکے تھے اور انہوں نے ایرانیوں کے مال و اسباب اور مال و مویشیوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ مال غنیمت مسلمانوں کی توقعات سے کہیں زیادہ تھا۔ نہاوند میں ایک مشہور آتش کدہ تھا۔ اس کا موبد سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا: ''اگر مسلمان مجھے امان دیں تو میں انہیں ایک گراں بہا اور بیش قیمت خزانے کا پتہ دے سکتا ہوں۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اسے امان دے دی۔ اس موبد نے بیش قیمت جواہرات سے بھرے ہوئے دو صندوق ان کے سامنے لا کر رکھ دیئے یہ وہ جواہرات تھے جن کو کسریٰ ایران نے مشکل وقتوں کے لیے یہاں چھپا کر رکھا ہوا تھا اور ان کا پتہ صرف اس موبد کو تھا۔

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے مال غنیمت فاتحین میں تقسیم کیا۔ سر پر کفن باندھ کر لڑنے والوں کو دوسروں سے زیادہ حصہ دیا۔ پھر وہ سپاہی بھی اس تقسیم میں شامل کیے گئے جو عقب میں فوج کی حفاظت پر مامور تھے اور ان لوگوں کو بھی حصہ دیا گیا جو لڑائی میں شامل ہونا چاہتے تھے لیکن کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔ اتنی فراخ دلی سے تقسیم کرنے کے باوجود بھی اس دن سوار کے حصوں میں چھ ہزار درہم اور پیدل کے حصہ میں دو ہزار درہم آئے۔ مال غنیمت کی تقسیم کے بعد اس

Marfat.com

کا خمس اور وہ دونوں بیش قیمت صندق سیدنا سائب بن اقراع کے ہاتھ مدینہ منورہ روانہ کر دیئے گئے۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ مسلمان مجاہدین کو مال غنیمت میں سے اتنا کچھ مل گیا تھا کہ جب وہ دو صندوق جن میں نہایت بیش قیمت جواہرات تھے، موبد نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیے تو فوج نے کہا کہ ہمیں مزید مال کی ضرورت نہیں لہٰذا غنیمت کا خمس اور جواہرات کے یہ دونوں صندوق بارگاہ خلافت میں بھیج دیئے جائیں۔

ادھر نہاوند میں ایک جان توڑ لڑائی کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی ادھر مدینہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مجاہدین اسلام کے لیے بے چین تھے۔ آپ بہت متفکر تھے کیونکہ جنگ سے پہلے ایرانی فوجوں کی جو خبریں ان کے پاس آ رہی تھیں ان کی وجہ سے انہیں بہت تشویش تھی۔ آپ کو ہفتوں سے اس جنگ کی خبر نہیں ملی تھی اس وجہ سے وہ رات رات بھر جاگتے رہتے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لشکر کی فتح و کامیابی کی دعائیں مانگتے رہتے۔ روایات میں ہے کہ ایک رات وہ اللہ کے حضور میں اسلامی فوجوں کی کامیابی کے لیے رو رو کر دعا مانگ رہے تھے تو ان کا خوف یک دم اطمینان میں بدل گیا اور ان کے دل نے گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ نے اسلامی لشکر کو کامیاب اور فتح یاب کیا ہے۔ چنانچہ جلد ہی انہیں قاصد نے آ کر فتح کی خوش خبری سنا دی۔ طریف بن سہم نے امیر المومنین کو فتح کی خوش خبری تو سنا دی لیکن ناگوار اور صدمے والی خبریں اپنے دل ہی میں رہنے دیں۔ فتح کی خوشخبری سے امیر المومنین اور اہل مدینہ بہت خوش ہوئے اور دوڑ کر مسجد نبوی میں شکرانے کے نفل ادا کیے۔ ایک دو روز کے بعد سائب بن اقرع بھی مال غنیمت لے کر مدینہ پہنچ گئے۔ انہوں نے بھی نوید فتح سنائی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کیسے ہیں؟'' اس نے کہا وہ تو شہید ہو گئے۔ یہ سنتے ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کانپ اٹھے اور لرزتی ہوئی آواز میں انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا اور بے اختیار رو پڑے یہاں تک کہ ہچکی بندھ گئی جب غم کا بوجھ ذرا ہلکا ہوا تو سائب سے دوسرے شہداء کے نام پوچھے۔ سائب نے دوسرے سربرآوردہ شہداء کے نام بتائے اور کہا: ''ان کے علاوہ کچھ اور مسلمان بھی شہید ہوئے جنہیں آپ نہیں جانتے'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پھر روتے ہوئے فرمایا: ''عمر اگر ان لوگوں کو نہیں جانتا تو کیا ہوا اللہ تعالیٰ تو انہیں جانتا ہے۔ جس نے انہیں شہادت کے انعام سے سرفراز فرمایا'' سائب بن اقرع نے خمس مسجد نبوی میں رکھ دیا آپ نے وہ مسلمانوں میں تقسیم فرما دیا۔ تقسیم کے بعد جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسجد سے اٹھ کر گھر تشریف لے گئے تو سائب نے انہیں

Marfat.com

راستہ میں بتایا کہ میرے پاس جواہرات کے دو صندوق بھی ہیں اور وہ جواہرات نہایت قیمتی ہیں جو آپ کے لیے مخصوص ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر غصہ میں آ گئے اور فرمایا: ان کو فوراً واپس لے جاؤ اور حذیفہ سے کہو کہ ان کو فروخت کر کے ان کی رقم فوج میں تقسیم کر دیں۔ یہ جواہرات چار کروڑ درہم میں فروخت ہوئے۔ چنانچہ ان کی فروخت سے ہر سوار کو مزید چار ہزار درہم ملے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبری: ۱۰۹/۵، الفن العسکری الاسلامی: ۲۸۴۔۲۸۸، البدایہ والنہایہ: ۱۱۳/۷، اتمام الوفاء فی سیرۃ الخلفا: ۹۹/۱۰۱)

عراق پر عام لشکر کشی:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا عراق پر عام لشکر کشی کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ اب تک آپ کی فوجوں نے جو جنگیں لڑیں وہ صرف اپنے ملک کی حفاظت اور اپنی حکومت کے منوانے کے لیے تھیں اور عراق کے جن علاقوں پر ابھی تک قبضہ کیا گیا تھا وہ دراصل عرب ہی کا ایک حصہ تھے۔ اس حصہ پر عربوں کی آبادی تھی۔ عراق کے اس حصہ سے آگے بڑھ کر جو جنگیں ہوئیں وہ عراق کے سلسلہ میں خود بخود پیدا ہوتی چلی گئیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کو بالکل فتح کرنا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن ایرانیوں کو تو کسی طرح چین نہیں آتا تھا۔ وہ ہمیشہ نئی فوجیں تیار کر کے مسلمانوں کو جنگ میں الجھا دیتے اور وہ ممالک جن پر مسلمانوں کا قبضہ تھا ان میں آئے دن بغاوت پھیلاتے رہتے۔ نہاوند کی لڑائی بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی اور اس سے پہلے سوس، تستر اور اہواز کی جنگیں بھی اسی لیے تھیں کہ مسلمانوں کو ایران کی سرزمین سے نکال باہر کیا جائے۔ سیدنا احنف بن قیس رضی اللہ عنہ جب ہرمزان کو لے کر مدینہ آئے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے آئے دن کی ایرانی بغاوتوں کے اسباب کے بارہ میں سوال کیا اور جو جواب انہوں نے دیا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کے جواب سے بہت متاثر ہوئے۔ انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو عرض کیا تھا:

''امیر المومنین! اس (یعنی ایرانیوں کی بغاوتوں اور عہد شکنیوں) کی وجہ میں بتاتا ہوں۔ آپ نے ہمیں ملک میں آگے بڑھنے سے روک دیا ہے اور حکم دے رکھا ہے کہ جو علاقے ہمارے قبضہ میں ہیں ہم انہی میں محدود رہیں، لیکن ایران کا بادشاہ زندہ ہے اور ان کی پشت پر موجود ہے۔ جب تک وہ رہے گا ایرانی ہم سے لڑتے رہیں گے کیونکہ ایک جگہ دو بادشاہ کبھی اتفاق سے نہیں رہ سکتے تاوقتیکہ ان میں سے

Marfat.com

یہ ہمیں سے ہو نکال باہر نہ کرے۔ اور یہ آپ پر منحصر ہے۔ جب تک آپ ان کا تعاقب کر کے یکے بعد دیگرے ان علاقوں پر قبضہ نہ کر لیں گے وہ آپ کی راہ میں رکاوٹ بنتے رہیں گے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ایرانیوں کا بادشاہ وہی ہے جو انہیں ابھار ابھار کر ہمارے مقابلے میں کھینچ لاتا ہے۔ جب تک ان کا یہ بادشاہ باقی رہے گا تب تک آپ ان پر آگے بڑھنے کا حکم نہ دیں گے اس وقت تک ان کے حملے ختم نہ ہوں گے۔ ایران کے بادشاہ کو اس کی مملکت سے نکال باہر کرنے سے ایرانیوں کی تمام امیدیں ختم ہو جائیں گی اور ان کے جذبات ٹھنڈے ہو جائیں گے۔"

یہ باتیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بہت اطمینان اور توجہ سے سنیں۔ کچھ دیر تک سر جھکائے اس پر سوچتے رہے اور اس کے بعد فرمایا: "احنف! بخدا! تو نے بالکل درست کہا اور صحیح بیان کرنے کا حق ادا کر دیا۔" ہرمزان نے ایرانی ہونے کے باوجود احنف کی بات کی پرزور تائید کی جس کی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اور بھی اطمینان ہو گیا۔ اس کے بعد آپ کو اطلاعات ملنے لگیں کہ اہل نہاوند مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے جمع ہو رہے ہیں۔ اس سے آپ کو سیدنا احنف بن قیس کی تقریر کی صداقت میں شبے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی۔ اب انہوں نے ارادہ کر لیا کہ ایرانی فتوحات میں توسیع ضروری ہے یہاں تک کہ یزدگرد کو سرزمین ایران سے باہر نکال دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے مسلمان فوجوں کو ارض ایران میں آگے بڑھنے اور ایرانیوں سے ہر محاذ پر لڑائی کرنے کا حکم دے دیا۔

نہاوند کی فتح کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانا شروع کیا۔ اور یہ ایک بڑا اچھا موقع تھا لیکن نہاوند کی فتح نے ایرانیوں کو اس قدر خوف زدہ کر دیا تھا کہ ان کی معنوی قوتیں تیزی کے ساتھ روبہ زوال ہونے لگیں۔ ان کا پورا ملک بے جان ہو کر اسلامی اقتدار کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کے لیے تیار تھا۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایران میں فوجیں بھیجنے کا کام خود سنبھال لیا۔ اپنے ہاتھ سے متعدد علم تیار کیے اور مختلف افسروں کو خود نامزد کر کے یہ علم ان کو دیئے۔ خراسان کا علم سیدنا احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کو دیا اور اردشیر شاپور کا علم مجاشع بن مسعود سلمی کو، اصطخر کے لیے عثمان بن ابی العاص ثقفی کو منتخب کیا، دارابجرد کے لیے ساریہ بن زنیم کنانی کو، کرمان کے لیے سہیل بن عدی کو سالار مقرر فرمایا اور سجستان کے محاذ پر عاصم بن عمرو کو اور مکران کی مہم حکم بن عمرو تغلبی کے سپرد کی۔ اور فوج کے ان تمام جرنیلوں کو حکم دیا کہ اپنے اپنے علاقوں

Marfat.com

میں جانے کے لیے تیار رہیں۔

ادھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے جرنیلوں کو مختلف علاقوں میں آگے بڑھنے کے لیے تیاری کا حکم دے دیا۔ دوسری طرف کسریٰ ایران یزدگرد کو جب نہاوند میں ایرانیوں کی شکست کا پتہ چلا تو زخمی ناگن کی طرح پیچ و تاب کھانے لگا اور اس نے آذر بائیجان، خراسان، فارس اور مکران کے گورنروں کو لکھا کہ مسلمانوں کے اس بپھرے ہوئے طوفان کے سامنے بند باندھنے کے لیے مرو اور اصطخر کے گورنروں کی مدد کی جائے۔

اصفہان کی فتح:

نہاوند اور ہمدان کو جب مسلمان فوجوں نے فتح کیا تو یزدگرد اس وقت رے میں مقیم تھا۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ نہاوند اور ہمدان میں ایرانیوں کو شکست دینے کے بعد مسلمان فوجیں اس کے مستقر کی طرف بڑھ رہی ہیں تو وہ رے سے اصفہان بھاگ کر وہاں کے باشندوں کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر ابھارنے لگا۔ جب امیر المومنین کو اس کی خبر ملی تو آپ نے مسلمانوں کو اصفہان کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا۔ امیر المومنین کو پوری توقع تھی کہ یزدگرد خود مقابلہ کے لیے آئے گا اور گرفتار کر لیا جائے گا اور اس کی گرفتاری سے پورے ایران کی قوت مقاومت ختم ہو جائے گی کیونکہ ایرانیوں کو یہ جنگ پر ابھارتا ہے اور پھر بعد میں خود بھاگ جاتا ہے، اس کا گرفتار ہونا یا مارا جانا ضروری ہے۔ لہٰذا آپ نے عبداللہ بن عتبان رضی اللہ عنہ کو حملہ کا حکم دیا۔

سیدنا عبداللہ بن عتبان ۲۱ھ میں فوج لے کر اصفہان کی طرف روانہ ہوئے۔ اصفہان کے باہر ان کے لشکر کی مڈبھیڑ ایک بہت بڑے ایرانی لشکر سے ہوئی جس کا سپہ سالار استندار تھا۔ اس لشکر کا مقدمۃ الجیش ایک نہایت تجربہ کار جرنیل شہر یار بن جادویہ کی زیر قیادت تھا۔ دونوں فوجوں میں گھمسان کا رن پڑا۔ لیکن ایرانیوں کو میدان چھوڑ کر بھاگتے ہی بن پڑی۔ اسے اندیشہ ہوا کہ ایرانی کہیں ہمت نہ ہار بیٹھیں، لہٰذا اس نے پہلی صف میں آ کر مقابلہ کے لیے للکارا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ عبداللہ بن ورقاء ریاحی اس کے مقابلہ کو نکلے اور آتے ہی اسے قتل کر دیا۔ اپنے اس تجربہ کار جرنیل کے قتل کو دیکھ کر ایرانی اپنے اوسان کھو بیٹھے ان کی ہمتیں جواب دے گئیں اور لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ استندار نے معمولی شرائط پر صلح کر لی اور وہ گاؤں چھوڑ کر چلے گئے۔ مسلمانوں نے وہاں ''رستاق الشیخ'' کے نام سے چھاؤنی قائم کر لی۔ ایرانی پسپا ہو

Marfat.com

کر اصفہان کی فصیلوں میں پناہ تلاش کرنے لگے۔

یزدگرد کو جب ''رستاق الشیخ'' میں ایرانیوں کے حشر کا پتہ چلا اور یہ دیکھا کہ اب مسلمان فوجیں اصفہان کی طرف بڑھ رہی ہیں تو وہ اصفہان سے کرمان بھاگ گیا۔ سیدنا عبداللہ بن عتبان نے آگے بڑھ کر اصفہان کا محاصرہ کرلیا۔ ایرانی قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمانوں کے طویل محاصرے سے ایرانیوں نے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کو ترجیح دی۔ چنانچہ ایرانیوں نے باہر نکل کر مقابلہ کے لیے صفیں آراستہ کیں۔ ادھر سے مسلمانوں نے بھی صف بندی کرلی۔ اصفہان کے حاکم فاذوستان نے عبداللہ کو پیغام بھیجا کہ ہم دوسروں کی جانیں کیوں ضائع کریں، آؤ ہم آپس میں مبارزت کریں۔ اگر میں تمہیں قتل کردوں تو تمہارے ساتھی واپس ہو جائیں گے اور اگر تم مجھے مار ڈالو تو میرے ساتھی تمہاری حفاظت کریں گے، بشرطیکہ ان کی طرف ایک بھی تیر نہ جائے۔ چنانچہ دونوں حریف میدان میں آئے اور کچھ دیر تک دونوں میں مقابلہ ہوتا رہا لیکن سیدنا عبداللہ اس کے ہر وار کو نہایت پامردی سے روکتے۔ آخر فاذوستان نے عبداللہ سے کہا کہ میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ میں نے تمہیں واقعی بہادر اور جانباز پایا ہے میں تم سے اس شرط کے ساتھ صلح کرتا ہوں بلکہ شہر تمہارے حوالے کیے دیتا ہوں کہ جو یہاں رہنا چاہے گا وہ جزیہ ادا کر کے رہے گا اور جو کوئی نہیں رہنا چاہے گا یا جزیہ نہ دے گا وہ جہاں چاہے چلا جائے۔ سیدنا عبداللہ بن عتبان رضی اللہ عنہ نے یہ شرط منظور کر لی اور معاہدہ صلح لکھ دیا گیا۔ تمام شہر نے ذمی ہونا قبول کرلیا صرف تیس آدمیوں نے شہر چھوڑ دیا اور اپنے عزیزوں کے پاس کرمان چلے گئے۔

(ترتیب وتہذیب البدالہ والنہایہ: ۱۶۰)

ہمدان کی بغاوت:

اسی اثنا میں یہ خبر ملی کہ جنگ قادسیہ کے شکست خوردہ رستم کے بھائی اسفندیار رازی کے گرد ایرانی فوجیں جمع ہو رہی ہیں۔ اہل ہمدان کو جب یہ معلوم ہوا تو ان کے حوصلے بھی بڑھ گئے اور انہوں نے عہد شکنی کر کے ہمدان میں بغاوت کردی۔ نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس بغاوت کے فرو کرنے کے لیے لکھا اور یہ بھی لکھا بزور شمشیر شہر میں داخل ہو کر ان عہد شکنوں کو وہ سزا دیں کہ انہیں آئندہ بغاوت کی ہمت اور جرأت نہ ہو۔ سیدنا نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ نے حکم ملتے ہی بارہ ہزار کی جمعیت لے کر ہمدان کا رخ کیا۔ اہل شہر کو جب معلوم ہوا کہ معرکہ

Marfat.com

نہاوند کا فاتح آ رہا ہے تو ان کی ہمتیں پست ہوگئیں اور حوصلے جواب دے گئے۔ نعیم رضی اللہ عنہ کو محاصرہ میں کچھ دیر لگ گئی تو انہوں نے اضلاع میں ہر طرف فوجیں پھیلا دیں۔ چنانچہ ہمدان کے علاوہ اردگرد کے باقی تمام اضلاع فتح ہوگئے۔ ہمدان کے محصورین کو یہ اطلاع بھی مل گئی اور انہوں نے اور زیادہ ہمت ہار دی اور صلح کی درخواست کی۔ ہمدان تو فتح ہوگیا لیکن نعیم رضی اللہ عنہ نے ایک شرط صلح کے لیے یہ رکھی کہ مسلمانوں کی فوج کا ایک دستہ ہمدان میں مستقل طور پر رہے گا جو انہیں اس صلح کی یاد دلاتا رہے کیونکہ انہوں نے پہلے صلح کر کے توڑ دی تھی۔

جو فوجیں رستم کے بھائی اسفندیار کے پاس جمع ہو رہی تھیں ان کی تعداد دن بدن بڑھ رہی تھی۔ دیلمی نے رے اور آذربائیجان وغیرہ سے ایک بہت بڑی فوج فراہم کی۔ ایک طرف سے فرحان کا باپ زینبی جو رے کا رئیس تھا، انبوہ کثیر لے کر آیا۔ دوسری طرف اسفندیار پہنچا۔ وادی رود میں دونوں فوجیں مقابل ہوئیں اور اس زور کا رن پڑا کہ لوگوں کو نہاوند کا معرکہ یاد آ گیا۔ مسلمان چونکہ فتوحات کے عادی ہو چکے تھے اور ایرانیوں کو پتہ چل گیا تھا کہ ہر بار فتح مسلمانوں کے قدم ہی چومتی ہے اس لیے ان پر غالب آنا آسان نہیں ہے۔ لہٰذا جب شام ہوئی تو ایرانی بے شمار لاشیں چھوڑ کر میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

نعیم چونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بتا چکے تھے کہ دیلم، رے اور آذربائیجان سے فوجیں جمع ہونے کی خبریں مل رہی ہیں، اس وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نہایت پریشان تھے اور بارگاہِ رب العزت میں مسلمانوں کے لشکر کی فتح کی دعائیں مانگنے لگے۔ عروہ بن زید جو اس سے پہلے واقعہ جسر کی شکست کی خبر لا چکے تھے وہ اس فتح کا پیام لے کر گئے تاکہ اس روز کی تلافی ہو جائے۔ عروہ جب بارگاہ خلافت میں پہنچے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خیال ہوا کہ شگون اچھا نہیں۔ لہٰذا بے ساختہ زبان سے اناللہ نکلا۔ عروہ نے کہا آپ بالکل نہ گھبرائیں، خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی ہے اس روز سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا نام ''بشیر'' رکھ دیا۔ آپ نے فتح کی نوید سن کر اللہ کا شکر ادا کیا۔

(طبری:۱۳۴/۵)

رے کی فتح:

عروہ کے ہاتھ ہی سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ کے نام خط لکھ کر بھیجا کہ ہمدان میں اپنا نائب مقرر کر کے خود رے کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ اور رے کو فتح کر کے پھر وہیں

Marfat.com

قیام کرلو، اس لیے کہ یہ شہر دوسرے شہروں کے وسط میں ہے اور تمہارے مقصد کے لیے نہایت کارآمد ہے۔ خط ملتے ہی نعیم نے یزید بن قیس کو ہمدان میں اپنا نائب مقرر کیا اور خود فوج لے کر رے کی طرف کوچ کیا۔ اس زمانہ میں رے کا حاکم سیاوش بن مہران تھا جو بہرام چوبین کا پوتا تھا۔ اس نے طبرستان، دیناوند، قوس اور جرجان وغیرہ کے حاکموں سے فوجی امداد طلب کی ۔ ہر شہر سے امدادی فوجیں آئیں جو سامان اور تعداد کے لحاظ سے نعیم کی فوجوں سے بہت زیادہ تھیں۔ یہ ساری فوجیں رے میں قلعہ بند ہوگئیں جسے سیاوش نے ہر لحاظ سے مضبوط اور مستحکم کر رکھا تھا۔

رے اس علاقے کا بہت بڑا شہر تھا۔ اس میں آتش کدوں کے اردگرد بڑی بڑی عبادت گاہیں تھیں۔ اس لحاظ سے اس شہر پر حملہ گویا ایرانی تقدس پر حملہ تھا۔ جس کی مدافعت ایک مذہبی فریضے کا درجہ رکھتی تھی۔ علاوہ ازیں یہ شہر ایک وسیع تجارتی مرکز تھا جہاں مشرق و مغرب کے مال آ کر فروخت ہوتے تھے، لہٰذا حملہ آور مسلمانوں کو روکنے کے لیے مدافعین میں بہت جوش و خروش پایا جاتا تھا۔ دوسری بات یہ کہ ایرانی فوجوں کی تعداد اور ان کا سامان حرب وضرب مسلمانوں سے کہیں زیادہ تھا، اس وجہ سے ایرانیوں کو پوری امید تھی کہ فتح ہماری ہوگی۔ مسلمانوں کا خیال تھا کہ اگر فتح ہماری بھی ہوئی تو یہ شہر ہم سے بہت قربانیاں لے گا لیکن نعیم رضی اللہ عنہ اور اس کے ساتھیوں کے اندازے سے بھی کہیں کم قیمت پر فتح حاصل ہوگئی۔ وجہ یہ ہوئی کہ زینبی سیاوش سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینا چاہتا تھا کیونکہ اس نے مسلمانوں کے مقابلہ میں راہ فرار اختیار کرنے پر اسے برا بھلا کہا تھا اور اس سے نہایت بدسلوکی سے پیش آیا تھا۔ اور اس کا عہدہ بھی اس سے چھین لیا تھا۔ چنانچہ رات کے وقت زینبی نعیم رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ ایرانیوں کی تعداد زیادہ اور آپ کی کم ہے۔ آپ اپنی فوج کا ایک دستہ میرے ساتھ روانہ کریں۔ میں شہر میں ایک ایسے خاص راستے سے داخل ہوں گا کہ انہیں پتہ نہیں چلے گا۔ ادھر سے آپ ان پر حملہ کریں۔ آپ دیکھیں گے کہ جلد ہی سیاوش کی فوج کے قدم اکھڑ جائیں گے۔ نعیم رضی اللہ عنہ کو زینبی کی یہ تجویز پسند آئی اور انہوں نے اپنے چچازاد بھائی منذر بن عمرو کی قیادت میں ایک سوار دستہ اس کے ساتھ روانہ کردیا۔ زینبی اس دستے کو شہر میں اس طرح لے گیا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ ادھر نعیم رضی اللہ عنہ نے شہر کے محافظوں کو رات بھر تیروں میں الجھائے رکھا اور انہیں یہ پتہ نہ چل سکا کہ شہر میں کیا ہو رہا ہے۔ صبح ہوئی تو مسلمانوں کے دستہ نے شہر میں نعرہ تکبیر بلند کیا جسے سن کر ایرانیوں کے اوسان خطا ہوئے اور وہ گھبرا کر بھاگے۔ مسلمانوں نے

Marfat.com

انہیں اپنی تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا۔ نعیم فاتحانہ شہر میں داخل ہوئے۔ سیاوش شکست کھا کر بھاگ گیا اور کسی کو پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں گیا ہے۔

رے میں جو مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا وہ مدائن کے مال غنیمت سے کم نہ تھا۔ نعیم نے زینبی کو اہل رے کا نمائندہ قرار دے کر اس سے صلح کر لی اور شہر کی برجیاں اور مورچے بلکہ سارے پرانے شہر کو مسمار کر دیا اور زینبی کو رے کا حاکم بنا دیا۔ پھر پرانے شہر کے پاس ایک نیا شہر آباد کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق نعیم نے خود رے میں قیام کیا اور اپنے بھائی سوید کو قومس کی طرف روانہ کیا جو بغیر جنگ کے فتح ہو گیا۔ اور شہر والوں سے سوید بن مقرن نے صلح کر لی۔ رے کے قریب ایک شہر دیناوند تھا جو ایک پہاڑ پر آباد تھا۔ اس کے باشندے رے کی مدافعت کے لیے اس کے قلعوں میں چلے گئے تھے۔ رے فتح ہونے کے بعد یہاں کے باشندوں نے بھی دو لاکھ درہم سالانہ پر مسلمانوں سے صلح کر لی۔ اس فتح کے ساتھ عراق عجم پر مسلمانوں کا پورا پورا قبضہ ہو گیا۔ (طبری: ۵/۱۳۶)

آذربائیجان کی فتح:

آذربائیجان طبرستان کے پڑوس میں تھا۔ اس کی سرحدیں شمال میں دیلم اور جنوب میں عراق عرب اور جزیرے سے ملتی ہیں۔ جہاں آج کل تبریز واقع ہے۔ اس کے قریب ایک بہت بڑا شہر اردبیل کے نام سے واقع تھا۔ آذربائیجان ڈیڑھ ہزار میٹر کی بلندی پر ایک پہاڑی صوبہ ہے۔ اس کی بعض چوٹیاں چار چار ہزار میٹر اونچی ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ میں دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ موبد آذرآباد نے ایک آتش کدہ بنایا تھا جس کا نام آذرآبادگان تھا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ پہلوی لغت میں آذر کے معنی آتش یعنی آگ کے ہیں اور بائیگان کے معنی ہیں محافظ یعنی آگ کی حفاظت کرنے والا۔ اس شہر میں آتش کدوں کی کثرت تھی اس وجہ سے اس کا یہ نام رکھا گیا جس کو عربوں نے اپنی زبان میں ''آذربائیجان'' بنالیا۔ جب ایران میں آتش پرستی اسلام آنے کے بعد ختم ہوگئی اور یہاں کے باشندوں نے اسلام قبول کرلیا تو پھر اس کا نام تبدیل کر کے ماژندران رکھ دیا گیا۔

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آذربائیجان کا علم عتبہ بن فرقد اور بکیر بن عبداللہ کو بھیجا تھا اور ان کے سرزمین ایران میں آگے بڑھنے کی ہمتیں بھی

Marfat.com

متعین فرما دی تھیں۔ بکیر بن عبداللہ اپنی فوجوں کو لے کر جا رہے تھے کہ راستہ میں اسفند یار بن فراخ زاد سے مڈھ بھیڑ ہوگئی جو داخ روز سے شکست کھا کر اپنے بھگوڑے لشکر کے ساتھ واپس آ رہا تھا۔ شدید لڑائی کے بعد اسفند یار کو شکست ہوگئی اور وہ پکڑا گیا۔ بکیر نے اسے قتل نہ کیا بلکہ قید کر لیا۔ دوسری طرف اسفند یار کا بھائی بہرام سیدنا عتبہ بن فرقد سے ٹکرایا لیکن شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اسفند یار نے جب بھائی کی شکست کے بارے میں سنا تو بکیر بن عبداللہ سے کہا کہ اب لڑائی کی آگ بجھ گئی ہے اور میں جزیہ پر تم سے صلح کر لیتا ہوں۔ آذر بائیجان انہی دونوں بھائیوں کے قبضہ میں تھا۔ عتبہ نے اسفند یار کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ آذر بائیجان کا رئیس رہ کر انہیں جزیہ ادا کرتا رہے۔ چنانچہ ایک عہد نامہ لکھ دیا کہ ''اس ملک کے باشندے مسلمانوں کو حسب استطاعت جزیہ ادا کرتے رہیں گے اور مسلمان ان کے جان و مال اور مذہبی رسوم کی حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے۔''

بلاذری کا بیان ہے کہ آذر بائیجان کا علم سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ملا تھا۔ وہ نہاوند سے اس کے پایہ تخت اردبیل پہنچے اور وہاں کے حاکم کو سخت مقابلہ کے بعد شکست دی اور آٹھ لاکھ درہم سالانہ پر اس سے صلح ہوگئی۔ اسی اثنا میں بارگاہ خلافت سے حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کی معزولی کا حکم آ گیا اور عتبہ بن فرقد ان کی جگہ امیر مقرر ہوئے۔ عتبہ کے آتے ہی آذر بائیجان کے تمام اطراف میں بغاوت ہوگئی لہٰذا انہوں نے دوبارہ اس کو اور اس کے اطراف کو فتح کیا۔

(طبری: ۱۴۱/۵)

طبرستان کی فتح:

طبرستان بھی ایران کا ایک مشہور صوبہ تھا۔ اس کے مشرق میں خراسان و جرجان، مغرب میں آذر بائیجان، شمال میں جرز جان اور جنوب میں بلاد خیل، بسطام اور استر آباد کے مشہور شہر ہیں۔ نعیم بن مقرن کے بھائی سوید بن مقرن نے قومس کی صلح کے بعد بطام میں پڑاؤ ڈالا۔ اور جرجان کے فرماں روا کو لکھا کہ یا تو جزیہ دے کر صلح کر لے ورنہ اسلامی فوجیں اس کی طرف آ رہی ہیں۔ اس نے یہ پیغام ملتے ہی دھستان اور جرجان کی طرف سے صلح کر لی اور مسلمانوں کا باج گزار ہوگیا۔ اس صلح نامہ میں ایک خاص شق یہ رکھی گئی جو اس سے پہلے کسی صلح نامہ میں نہ رکھی گئی تھی کہ ''تم میں سے جس کسی سے ہم کوئی مدد لیں گے، یہی اس کا جزیہ ہوگا۔

Marfat.com

اس سے اور کچھ وصول نہ کیا جائے گا۔'' اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں جزیہ دراصل کسی مغلوب قوم کی حفاظت کا معاوضہ ہے۔ لیکن اگر وہ قوم اپنی حفاظت خود کرے یا مسلمانوں کا ساتھ دے تو اس سے کوئی جزیہ نہیں لیا جائیگا۔

جرجان کے اس صلح نامہ کی خبر سن کر طبرستان کے رئیس نے بھی جو سپہ سالار کہلاتا تھا اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ پانچ لاکھ درہم سالانہ دیا کرے گا اور مسلمانوں کو ان پر یا ان کو مسلمانوں پر کچھ حق نہ ہوگا۔

آرمینیہ کی فتح:

صوبہ آرمینیہ کو بلادِ ارمن بھی کہتے ہیں جو ایشیائے کوچک کا ایک حصہ ہے۔ اس کے شمال میں بحر اسود، جنوب میں کوہی اور صحرائی سلسلہ جو دور تک چلا گیا ہے، مشرق میں گرجستان اور مغرب میں بلادِ روم واقع ہے۔ یہ صوبہ خلافت فاروقی میں پورا فتح نہ ہو سکا جو حصہ اس کا رہ گیا وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فتح ہوا۔

بکیر بن عبداللہ آذربائیجان کی مہم پر مامور ہوئے تھے۔ اس کی فتح کے بعد انہوں نے شمالی ایران کی طرف اپنی پیش قدمی جاری رکھی۔ آذربائیجان کی طرف بحر قزوین میں ایک بندرگاہ تھی جسے باب یا باب الابواب کہتے تھے۔ یہ بڑی مضبوط بندرگاہ تھی۔ باب کے حاکم کا نام ''شہر براز'' تھا۔ یہ مجوسی تھا اور سلطنت ایران کے ماتحت تھا۔ اسے جب مسلمانوں کی پیش قدمی کا پتہ چلا تو وہ امان طلبی کے لیے خود مسلمانوں کے امیر عبدالرحمٰن بن ربیعہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہا کہ مجھے آرمینیہ کے باشندوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ میں ایرانی النسل ہوں اور جب تم لوگوں نے ایران کو فتح کر لیا تو میں بھی تمہارا مطیع ہوں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں اور میرا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ مین تمہار ہر طرح کی مدد کروں گا، لیکن جزیہ لے کر ہمیں ذلیل نہ کرو۔ بلکہ جب ضرورت پیش آئے تو ہم سے فوجی مدد لی جائے۔ عبدالرحمٰن نے اسے سراقہ بن عمرو کے پاس بھیج دیا جو اسلامی فوج کے سالار اعلیٰ تھے۔ شہر براز نے ان کے سامنے اپنی وہی بات دہرائی۔ سراقہ نے ان کی یہ شرط منظور کر لی۔ سراقہ نے اپنے اس فیصلے کی اطلاع امیر المومنین کو بھیج۔ آپ نے اسے پسند فرمایا۔

باب کی فتح سے فارغ ہو کر سراقہ نے کچھ فوجی دستے آس پاس کی پہاڑی آبادیوں

Marfat.com

میں بھیجے یہاں کے باشندوں نے جنگ کیے بغیر جزیے پر صلح کر لی۔ اسی اثنا میں سراقہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا اور عبدالرحمٰن بن ربیعہ ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ عبدالرحمٰن ترکوں سے لڑنے چلے تو شہر بزار نے کہا: ''ہم تو اسی کو غنیمت سمجھتے تھے کہ ترک ہمیں باب ہی میں رہنے دیں۔'' عبدالرحمٰن نے جواب دیا: ''لیکن ہم تو ان کے گھروں میں گھسے بغیر دم نہیں لیں گے۔ بخدا! ہمارے ساتھ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہمارا امیر ہمیں اجازت دے تو میں ان کو لے کر روم میں پہنچ جاؤں۔'' شہر بزار نے بڑے تعجب سے پوچھا: ''وہ کون لوگ ہیں؟'' عبدالرحمٰن نے جواب دیا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم۔ یہ لوگ بڑے خلوص سے جہاد کے لیے نکلے ہیں۔ فتح و نصرت ہمیشہ ان کی رکاب میں چلے گی۔'' لیکن عبدالرحمٰن بن ربیعہ نے ابھی ترکوں سے جنگ شروع نہیں کی تھی کہ انہیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی۔ یہ خبر سن کر عبدالرحمٰن واپس ہو گئے اس کے بعد انہوں نے عہد عثمانی میں ان پر دوبارہ حملہ کیا۔

ادھر بکیر بن عبداللہ نے قان کو جہاں سے اردن کی سرحد شروع ہوتی ہے فتح کر کے سلطنت اسلامی میں شامل کر لیا۔ حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے تفلیس اور جبال املان کا رخ کیا لیکن قبل اس کے کہ وہ ان علاقوں کو فتح کرتے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر انہیں مل گئی اور وہ نئی حکومت کی نئی پالیسی کا انتظار کرنے کے لیے واپس آ گئے۔ چنانچہ یہ مہمات سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں انجام کو پہنچیں۔

فارس کی فتح:

فارس پر مسلمانوں نے اگرچہ پہلے ۱۷ھ میں حملہ کیا تھا لیکن وہ حملہ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اجازت سے نہ تھا۔ اب جب مسلمان خوزستان اور عراق عجم میں ہونے کی وجہ سے شمالاً صوبہ فارس کے پڑوس میں پہنچ گئے تھے اور غرباً خراسان کے پڑوس میں، اس لیے اب اگر وہ فارس اور خراسان کی طرف بڑھ جائیں تو جنوب میں کرمان اور مکران کی راہیں ان کے لیے کھل جائیں گی۔ اور خراسان کے اس طرف ایران کی سرزمین اپنی انتہائی حدود تک ان کے پاؤں تلے بچھ جائے گی۔ ایرانی بھی یہ دیکھ رہے تھے کہ مجاہدین اسلام ایک پر ایک شہر فتح کرتے ہوئے پورے ایران پر چھا رہے ہیں۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ مسلمان بحرین سے خلیج فارس عبور کر کے ان کے ملک میں در آئیں گے اور اس کے بعد ان کی سرزمین کو اسی طرح پامال کریں

Marfat.com

گے جس طرح اس سے قبل وہ ایران کے بڑے شہروں اور صوبوں عراق، خوزستان، اصفہان اور رے کو پامال کر چکے ہیں۔ چنانچہ نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ نے جب رے فتح کیا ہی تھا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تمام سپہ سالاروں کو سرزمین ایران میں پیش قدمی کی اجازت دے دی۔ جو فوجیں اصفہان میں تھیں وہ خراسان کی طرف روانہ ہوگئیں۔ بصرہ اور بحرین کے لشکروں نے فارس اور کرمان کا رخ کیا۔ اور ہر طرف سے امدادی فوجیں ان کی امداد کے لیے آگے بڑھیں۔ اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی پالیسی تبدیل ہو چکی تھی۔ وہ ایرانیوں کے لیے اب اطمینان و قرار کی کوئی ایسی جگہ نہیں چھوڑنا چاہتے تھے جہاں وہ اکٹھے ہو کر مسلمانوں کے خلاف کچھ سوچ سکیں۔ اس لیے اب شمال سے جنوب تک کسریٰ کی سلطنت ایک زبردست جنگ کا اکھاڑا بن گئی۔ بھگوڑا کسریٰ جہاں کہیں بھی پناہ کے لیے جاتا اسے سر چھپانے کے لیے کوئی جگہ نہ ملتی۔ ہر جگہ لڑائی کی خبریں اس کا پیچھا کرتیں۔ چنانچہ وہ ایک شہر سے دوسرے شہر بھاگتا پھرا۔ یہ سب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی پالیسی کی تبدیلی کا منطقی نتیجہ تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دنوں یعنی ۲۳ھ میں صوبہ فارس پر حملہ کرنے کے لیے بحرین اور بصرہ سے چلے۔ عثمان بن ابی العاص ثقفی خلیج فارس کو عبور کر کے فارس کی طرف بڑھے اور جزیرہ ابرکادان کو فتح کر کے توج کا محاصرہ کر لیا۔ وہاں انہیں مجاشع بن مسعود ملے جو بصرہ سے روانہ ہوئے تھے لیکن ایرانیوں نے ان کو توج کے قریب روک لیا تھا۔ بہرحال عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے اس شہر کو فتح کر کے وہاں چھاؤنی قائم کر دی۔ مساجد تعمیر کیں اور عرب کے بہت سے قبائل کو یہاں آباد کیا۔ یہاں سے وہ کبھی کبھی سرحدی شہروں پر حملہ کرتے اور پھر واپس چلے جاتے۔ اس طرح اردشیر، سابور، اصطخر کے بہت سے حصے دبا لیے۔ شہرک فارس کا مرزبان تھا۔ وہ سب کچھ دیکھ کر نہایت طیش میں آیا اور ایک لشکر جرار جمع کر کے توج کی طرف بڑھا۔ شہرک نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی۔ ایک دستہ سب سے پیچھے رکھا کہ کوئی سپاہی پیچھے پاؤں ہٹائے تو وہیں قتل کر دیا جائے۔ غرض کہ جنگ شروع ہوئی اور دیر تک معرکہ رہا۔ پارسیوں کو شکست ہوئی اور شہرک مارا گیا۔ اس کے بعد عثمان نے ہر جانب فوجیں بھیج دیں۔ چنانچہ فارس کے تمام صدر مقامات گازرون، نوبند جان، ارجان، شیراز اور سابور وغیرہ خود عثمان کے ہاتھوں فتح ہوئے۔ فساء اور دارالبحر وغیرہ پر جو فوجیں روانہ ہوئی تھیں وہ کامیاب اور فتح یاب واپس آئیں۔ اس معرکہ کا اثر یہ ہوا کہ ایرانیوں کی رہی سہی معنوی قوت بھی فنا کے گھاٹ اتر گئی۔ (طبری: ۵/ ۱۷۲)

Marfat.com

کرمان کی فتح:

کرمان کی فتح پر سہیل بن عدی مامور ہوئے تھے، جس وقت عثمان بن ابی العاص کا لشکر صوبہ فارس میں پیش قدمی کر رہا تھا، سہیل بن عدی کرمان میں نبرد آزما تھے۔ ۲۳ھ میں وہ ایک فوج لے کر جس کا مقدمہ الجیش بشیر بن عمرالعجلیکی کمان میں تھا، کرمان پر حملہ آور ہوئے۔ یہاں کے مرزبان نے قفس وغیرہ سے مدد حاصل کر کے مقابلہ کیا لیکن وہ خود میدان جنگ میں نسیر کے ہاتھوں مارا گیا اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ اس کے بعد اس کے دوسرے شہر جبرفت اور سیرجان بھی فتح ہو گئے جو کرمان کے بہت بڑے تجارتی شہر تھے۔ بہت سے اونٹ اور بھیڑ بکریاں غنیمت میں ان کے ہاتھ آئیں لیکن مکران والوں نے مکران پر مورچہ بندی کر لی۔ لہٰذا ان کے اور مجاہدین کے درمیان شدید جنگ ہوئی جس میں فتح و کامرانی نے مسلمانوں کے قدم چومے۔ دشمن کے بے شمار سپاہی کام آئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو فتح کی نوید کا خط اور مال غنیمت کا خمس صحار عبدی کے ہاتھ روانہ کیا گیا۔ خمس کے ساتھ ایک ہاتھی بھی بھیجا گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ ہاتھی کو فروخت کر کے اس کی قیمت فاتحین میں تقسیم کر دی جائے۔

مسلمان جب کرمان کو فتح کرنے کے لیے بڑھ رہے تھے تو یزدگرد یہیں مقیم تھا۔ اس نے دیکھا کہ یہ شہر بھی مسلمانوں کے حملہ کی تاب نہ لا سکے گا تو وہ خراسان بھاگ گیا۔ اسے امید تھی کہ خراسان اور بجستان کے باشندے مسلمانوں کا مقابلہ کر سکیں گے لیکن اس کی یہ حسرت بھی پوری ہوتی نظر نہ آتی تھی۔ (تہذیب البدایہ والنہایہ: ۱۷۱)

بجستان کی فتح:

بجستان کا علاقہ کرمان کے شمال میں تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ کے سپرد اس کی مہم کی۔ چنانچہ امیر المومنین کے حکم کے مطابق سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ اپنی اس مہم کی طرف روانہ ہوئے۔ عبداللہ بن عمیر بھی وہاں ان سے مل گئے۔ اہل بجستان اپنے ملک کی سرحدوں پر حملہ آوروں کے خلاف صف آرا ہوئے لیکن زیادہ دیر مقابلہ نہ کر سکے اور دارالحکومت زرنج میں قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ جب محاصرہ طویل ہو گیا تو انہوں نے اس شرط پر

Marfat.com

صلح کی درخواست کی کہ مسلمان بحستان کے کھیتوں کو پامال نہیں کریں گے۔ ان کی یہ شرط مان لی گئی اور اہل شہر نے جزیہ پر صلح کر لی۔

مورخین نے یہاں ایک سوال اٹھایا کہ بحستان کے لوگوں نے اتنی جلدی ہتھیار کیوں ڈال دیئے؟ حالانکہ بحستان خراسان سے بڑا اور مستحکم اور مضبوط تھا۔ اس کے باشندے ترکوں اور اردگرد کی دوسری اقوام سے امداد حاصل کر سکتے تھے۔ اس کا آسان اور سیدھا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اتنی جلدی ہتھیار اس لیے ڈال دیئے کہ جب انہوں نے یزدگرد کسریٰ ایران کو دیکھا کہ وہ جہاں کہیں بھی جاتا ہے وہ مسلمانوں کو اپنی طرف آتے دیکھ کر وہاں سے فرار ہو جاتا ہے حالانکہ اس کو وہاں رہ کر مقابلہ کرنا چاہیے، لیکن وہ لوگوں کی جانوں سے اپنی جان کو زیادہ عزیز سمجھتا ہے۔ اب لوگ اس کے لیے اپنی جان کو کیوں ضائع کریں۔ انہوں نے دیکھا کہ جب کسریٰ ایران ہی مسلمان فوجوں کا مقابلہ نہیں کرنا چاہتا بلکہ بھاگ جاتا ہے تو وہ کیوں محاصرہ کو طویل کر کے اپنی جانوں کی قربانی دیں، لہٰذا انہوں نے اپنی عافیت صلح میں سمجھی اور بغیر دیر کیے مسلمان فوجوں سے صلح کر لی۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ علاقہ سیستان کا علاقہ بھی کہلاتا تھا اور عرب لوگ سیستان کو بحستان کہتے ہیں۔ اس کے مشرق میں سندھ، مغرب میں کوہستان، شمال میں ہرات اور جنوب میں مکران واقع ہے۔ اس کا مشہور شہر زرنج تھا جہاں میوہ جات کی فراوانی تھی۔ اس کا کل رقبہ ۲۵ ہزار مربع میل ہے۔ اس ملک کے مسلمانوں کے قبضہ میں آنے سے سندھ سے لے کر نہر بلخ کے ساتھ جس قدر ممالک تھے ان کی فتح کی کلید مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گئی۔

مکران کی فتح:

مکران کا علاقہ بھی ایک بہت بڑا علاقہ ہے۔ آج کل مکران کا نصف حصہ بلوچستان کہلاتا ہے اگرچہ بلاذری فاروقی فتوحات کی حد سندھ کے شہر دیبل (موجودہ کراچی) تک لکھتا ہے، لیکن طبری نے آخری حد مکران لکھی ہے۔ مکران کی اس مہم پر سیدنا حکم بن عمرو تغلبی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے مامور ہوئے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری ایام ۲۳ھ میں وہ اس مہم کو سر کرنے کے لیے روانہ ہوئے اور نہر مکران کے اس طرف فوجیں اتار دیں۔ مکران کا

Marfat.com

بادشاہ جس کا نام راسل تھا خود نہر کے پار آیا اور صف آرائی کی، لیکن ایک شدید جنگ کے بعد شکست کھائی اور مسلمانوں کا مکران پر قبضہ ہوگیا۔ صحار عبدی فتح کی نوید کا خط لے کر دربار خلافت میں گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے مکران کا حال پوچھا۔ انہوں نے کہا:

ارض سھلھا جبل، ماؤھا وشل، وثمرھا دقل، وعدوھا بطل،

وخیرھا قلیل و شرھا طویل والکثیر بھا قلیل

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ واقعات کے بیان کرنے میں یہ قافیہ بندی کیوں؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے حقیقت حال کو بیان کیا ہے۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حکم بن عمرو تغلبی کو لکھ بھیجا کہ فوجیں جہاں تک پہنچ گئی ہیں وہیں رک جائیں۔ چنانچہ طبری کے بیان کے مطابق فتوحات فاروقی کی حد یہی مکران ہے۔

خراسان کی فتح:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب ایران کے مختلف صوبوں میں اپنے جرنیلوں کو پیش قدمی کرنے کے لیے علم عطا فرمائے تو احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کو خراسان کا علم مرحمت فرمایا۔ خراسان ایک بہت بڑا صوبہ تھا جس کی سرحد مغرب میں عراق عجم سے ملتی تھی اور مشرق میں افغانستان اور ہندوستان سے۔ اس کے جنوب میں کرمان اور بجستان تھے اور شمال میں وہ ایران کی انتہائی سرحدوں تک پھیلا ہوا تھا۔ نیشاپور، ہرات، بلخ اور مرو وغیرہ اس کے بڑے شہر تھے۔ اس زمانہ میں خراسان انتہائی زرخیز صوبہ تھا اور وہاں سوت اور ریشم کے نفیس اور بہترین کپڑوں کی صنعت عروج پر تھی۔ سیدنا احنف بن قیس جب خراسان کی سرحدوں پر پہنچے تو اس وقت یزدگرد مرو میں تھا۔ یہ ۲۲ھ کا واقعہ ہے یزدگرد اہل خراسان کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا رہا تھا اور اس کا مقصد یہ تھا کہ شاید وہ اس طریقہ سے اپنے آباؤ اجداد کی باقی ماندہ زمین مسلمان فوجوں سے بچا سکے۔

احنف بن قیس نے جب خراسان کا رخ کیا تو ہرات تک انہیں کوئی مزاحمت نہ ہوئی۔ ہرات خراسان کے وسط میں واقع تھا اور ایک بہت بڑا شہر تھا۔ اسے چاروں طرف سے بلند پہاڑوں نے گھیر رکھا تھا۔ دولت و آسودگی میں وہ دوسرے شہروں سے ممتاز تھا۔ اس کا غذائی اندوختہ کئی مہینوں تک چل سکتا تھا، لیکن سیدنا احنف کو اس شہر کے فتح کرنے میں کوئی خاص دقت

Marfat.com

نہ ہوئی اور جلد ہی شہر والوں نے سپر انداز ہو کر صلح کا دامن پھیلا دیا۔ ہرات فتح ہو گیا لیکن اس کا سقوط گویا پورے خراسان کا سقوط تھا۔ احنف نے یہاں اپنے لشکر کے کئی حصے کیے۔ ایک دستہ شہر کی نگرانی کے لیے چھوڑا اور تھوڑی سی فوج نیشاپور اور سرخس بھیج دی اور باقی ماندہ لشکر کو لے کر خود مرو کا رخ کیا جہاں یزدگرد مقیم تھا۔ مرو خراسان کا ایک نہایت اہم اور بڑا شہر تھا۔ بلکہ اس کا دارالسلطنت تھا لیکن اس کا محل وقوع ہرات کی طرح زیادہ محفوظ نہ تھا۔ یزدگرد کو جب معلوم ہوا کہ احنف مرو کی طرف آ رہے ہیں تو وہ مرو سے رود چلا گیا۔ یہ شہر مرو کے قریب ایک بہت بڑے دریا کے کنارے آباد تھا۔ یزدگرد کا خیال تھا کہ یہ شہر مورچہ بندی کے لیے مرو سے بہت بہتر ہے لیکن احنف بن قیس نے اس کو مورچہ بندی کی مہلت ہی نہ دی۔ احنف کے پاس کوفہ کی امدادی فوجیں پہنچ چکی تھیں لہٰذا وہ اپنی پیش قدمی جاری رکھ سکتے تھے۔ چنانچہ احنف نے مرو سے رود کی طرف بڑھنا شروع کر دیا، لیکن جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ یزدگرد اور تمام ایرانی قوم کی معنوی قوت ختم ہو چکی تھی۔ اس لیے یزدگرد مرورود سے بلخ بھاگ گیا۔ احنف نے کوفہ سے آئی ہوئی فوج کو یزدگرد کے تعاقب میں بلخ روانہ کر دیا اور خود مرورود میں ڈیرہ ڈال دیا۔ مسلمانوں کی یہ فوج جب بلخ پہنچی تو یزدگرد یہاں سے بھی بھاگ گیا۔ اتنے میں سیدنا احنف بھی مرورود سے بلخ پہنچ گئے اور وہ اپنی فوج کو لے کر شہر بلغ میں داخل ہوئے۔ بعد میں ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ اس کے اطراف کا علاقہ سپرد کر کے خود مرورود واپس آ گئے اور ہر طرف فوجیں بھیج کر نیشاپور اور طخارستان تک کا علاقہ فتح کر لیا۔

اب یزدگرد کے لیے اپنے وسیع و عریض ملک میں کوئی جگہ نہ رہی اور نہ ہی ایران کا کوئی حاکم اس کو اپنے ہاں پناہ دینے کے لیے تیار تھا۔ چنانچہ وہ اب جو بلخ سے بھاگا تو ایران اور ترکستان کے درمیان دریا کو عبور کر کے خاقان ترک کے دامن میں پناہ لی۔ اور اس سے امداد کی بھیک مانگی۔ خاقان ترک نے اپنی ایک فوج تیار کی اور یزدگرد کو اپنے ساتھ لے کر مسلمانوں سے پنجہ آزمائی کے لیے خراسان روانہ ہو گیا۔ اس دوران میں سیدنا احنف بن قیس امیر المومنین کو خراسان کی فتح اور مرو اور بلخ کی فتح کی نوید سنا چکے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے احنف کا خط پڑھا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا: ''وہ احنف ہے، اہل مشرق کا سردار''۔ پھر فوراً بعد ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے عواقب پر غور و خوض کرنا شروع کر دیا۔ اور فرمایا: ''میں چاہتا تھا کہ خراسان کی طرف

Marfat.com

فوجیں نہ بھیجتا۔'' انہیں اب یہ اندیشہ ہوا کہ احنف کہیں خراسان سے آگے مشرق کی طرف نہ بڑھ جائیں۔ چنانچہ انہوں نے فوری طور پر احنف کو لکھا کہ ''جہاں تک پہنچ چکے ہو اس سے آگے نہ بڑھنا، دریا ہرگز پار نہ کرنا ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔''

خاقان یزدگرد کے ساتھ دریا عبور کر کے بلخ پہنچ گیا، چنانچہ کوفہ کی فوج جو بلخ میں مقیم تھی پسپا ہو کر مرورود آ گئی اور یہاں احنف اور ان کے لشکر کے ساتھ مل گئی۔ خاقان ترک بھی اپنے لشکر جرار کے ساتھ مرورود پہنچ گیا۔ اب تو احنف نے دشمن کا یہ ٹڈی دل دیکھا تو سخت پریشان ہوئے۔ انہوں نے بڑے غور و فکر اور سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ لشکر کو لے کر کسی ایسی جگہ چلے جائیں جہاں دریائے مرورود سامنے ہو اور پہاڑ پشت پر تاکہ دریا ان کے اور ان کے دشمن کے درمیان خندق کا کام دے اور پیچھے سے پہاڑ ان کی حفاظت کرے۔ چنانچہ یہ بات انہوں نے اپنے لشکر کو سمجھا دی۔ اسلامی فوج مناسب جگہ پہنچ گئی اور خاقان ترک اور اس کا ٹڈی دل آگے بڑھ کر ان کے مقابل آ کر خیمہ زن ہو گئے۔

اس احتیاطی تدابیر کے ساتھ ساتھ سیدنا احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی یہ ہدایت خاقان تک کو پہنچا دی کہ مسلمان دریا عبور کر کے ترکوں کے ملک میں نہ جائیں۔ چنانچہ جب خاقان نے دیکھا کہ مسلمان نہ تو دریا کو عبور کر رہے ہیں اور نہ ہی ہمیں جنگ کی دعوت دے رہے ہیں تو اسے اس کی تصدیق ہو گئی۔

کئی روز دونوں لشکر آمنے سامنے کھڑے رہے لیکن مسلمانوں کی طرف سے کوئی حرکت نہ ہوئی۔ ایک روز احنف نے اپنے جاسوس بھیج کر دشمن کی شب گاہ کا پتہ لگایا۔ اور اسی رات چند ساتھیوں کو ساتھ لے کر خاقان کے لشکر کے قریب پہنچ گئے۔ جب صبح ہوئی تو ترکوں کے ہراول کا ایک سوار اس طرح نکلا گویا مسلمانوں پر حملہ کرنے جا رہا ہے۔ احنف نے اسے جا لیا اور کچھ دیر مقابلے کے بعد اسے قتل کر دیا۔ پھر دوسرا سوار نکلا۔ احنف نے اسے بھی قتل کر دیا۔ پھر تیسرا نکلا، اس کا بھی یہی انجام ہوا۔ احنف اپنے لشکر میں واپس آ گئے۔ دشمن نے وہ تین لاشیں میدان میں رکھ دیں۔ خاقان اپنی قیام گاہ سے باہر نکلا تو اس نے میدان میں تین لاشیں پڑی دیکھیں۔ اس نے اس کو نہایت برا شگون سمجھا اور اسی وقت اپنے آدمیوں کو بلا کر کہا: ''ہمارا قیام بہت طویل ہو گیا ہے، اور ہمیں مسلمانوں سے لڑنے میں کوئی فائدہ بھی نہیں اور

Marfat.com

ہم بے فائدہ پرایا جھگڑا کیوں مول لیں۔'' چنانچہ خاقان ترک اسی روز اپنی فوج کو لے کر میدان جنگ سے بلخ کی طرف روانہ ہوگیا۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب بھی نہ کیا۔ اس سے وہ یہ سمجھا کہ مسلمانوں کی مجھ سے کوئی لڑائی نہیں۔ ان کی لڑائی صرف ایرانیوں سے ہے۔ اور یزدگرد اپنا حساب خود چکاتا پھرے۔ چنانچہ خاقان بلخ کے پاس سے دریا عبور کر کے واپس اپنے ملک چلا گیا۔

کوفہ کی فوج جب بلخ سے پسپا ہو کر سیدنا احنف کے پاس مرورود پہنچی تھی تو یزدگرد ایرانی فوج کو لے کر مرو شاہجہان روانہ ہو گیا تھا۔ وہاں اس نے حارثہ بن نعمان اور ان کے ساتھیوں کا محاصرہ کرلیا تھا۔ اور اپنا ایک گڑھا ہوا خزانہ نکال کر کچھ لوگوں کی حفاظت میں دے دیا تھا۔ لیکن جب خاقان بلخ سے دریا عبور کر کے اپنے ملک چلا گیا تو یزدگرد نے چاہا کہ اپنے خزانے کو لے کر ترکستان اس سے جا ملے۔ یہ خزانے بڑے قیمتی تھے۔ ایرانیوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ یزدگرد ملکی خزانے لے کر ترکستان بھاگ جانا چاہتا ہے اور یہ خزانے اتنے قیمتی ہیں کہ ان کی قیمت لگانے سے اعداد قاصر ہیں تو وہ مزاحم ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ آپ اتنے قیمتی خزانے لے کر اس قوم کے پاس اس کے ملک میں جا رہے ہیں جو آپ کا، آپ کے ملک کا اور آپ کی قوم کا ساتھ چھوڑ کر چلی گئی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہم اپنے ملک کا مال و دولت دوسرے ملک میں نہیں جانے دیں گے۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ آپ ہمارے ساتھ مل کر مسلمانوں سے صلح کرلیں جو ہمارے ملک میں نہایت امن وسکون کے ساتھ حکومت کر رہے ہیں۔ یزدگرد نے ان کی یہ بات ماننے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ ہماری بات نہیں مانتے تو یہ خزانے یہیں چھوڑ جائیے۔ ہم ان کو دوسرے ملک میں نہیں جانے دیں گے۔ لیکن کسریٰ نے ان کی اس بات کو بھی نہ مانا۔ آخر انہوں نے کسریٰ کا مقابلہ کر کے ان تمام خزانوں کو چھین لیا۔ یزدگرد اپنے حاشیہ برداروں کے ساتھ بلخ سے فرغانہ چلا گیا جو ترکوں کا دارالسلطنت تھا۔ ایرانی سیدنا احنف کے پاس گئے اور تمام خزانے ان کے سپرد کر کے صلح کرلی۔ احنف کوفہ کی فوج کو مرورود سے بلخ لے گئے اور انہیں وہاں چھوڑ کر اپنے صدر مقام پر واپس آ گئے۔

سیدنا احنف نے امیر المومنین کو فتح کا خط لکھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تمام لوگوں کو جمع کر کے اس میں وہ خط پڑھ کر سنایا۔ اور آخر میں فرمایا۔

Marfat.com

''اللہ تعالیٰ نے مجوسی سلطنت کو تباہ و برباد کر دیا اور اس کے شیرازے کو منتشر کر دیا۔ اب انشاء اللہ اس ملک میں کوئی طاقت نہیں جو مسلمانوں کو نقصان پہنچا سکے۔ اللہ نے اب ان کی زمین، ان کے ملک اور ان کے مال اور ان کی اولاد کا وارث تمہیں بنایا ہے یہ دیکھنے کے لیے کہ اب تم کیا کرتے ہو۔ اگر تم نے بھی وہی کام کرنے شروع کر دیئے تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ تمہیں بدل کر تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئے گا۔ مجھے اس امت کی بدبختی کا کوئی اندیشہ نہیں مگر یہ کہ تمہی اس کے لیے مصیبت بن جاؤ۔''

یزدگرد ترکستان بھاگ گیا اور سرزمین ایران سے اس کی سلطنت کا پوری طرح خاتمہ ہو گیا۔ وہ برسوں اپنے باپ دادا کے ملک پر قابض ہونے کے خیالی پلاؤ پکاتا رہا لیکن سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں نہایت کسمپرسی کی حالت میں ایک چکی والے کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ (طبری: ۵/۱۵۹_۱۶۱)

Marfat.com

مصر کی فتح

عراق اور شام پر مسلمان فوجیں مسلسل حملے کر رہی تھیں۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اگرچہ مدینہ طیبہ سے اپنی فوج لے کر مصر کے لیے تو نہیں گئے تھے لیکن جنگ یرموک کی فتح کے بعد ان کے دل میں مصر کی فتح کا خیال انگڑائیاں لینے لگا۔ روایتوں میں ہے کہ ۱۶ھ میں جب سیدنا عمر بیت المقدس کی صلح کے لیے وہاں تشریف لے گئے تو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ان سے وہاں مصر کی فتح کا ذکر کیا۔ اپنی گفتگو میں انہوں نے مصر کی بے شمار نعمتوں کی تصویر بھی کھینچی، اس کے دوسرے حالات بھی بیان کیے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی باتیں نہایت غور سے سنیں پھر ان پر غور وخوض بھی کیا، لیکن حملہ کرنے کی اجازت نہ دی۔ دیکھا یہ گیا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مصر پر حملے کے لیے جب بھی بات کی گئی تو وہ سوچ میں پڑ جاتے تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ واپس آ کر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی تجاویز پر سوچ و بچار شروع کر دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی اس تجویز کو اس لیے بھی رد نہ کیا کہ وہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی جنگی مہارت اور سیاسی بصیرت سے بخوبی آشنا تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ اگر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مصر کی مہم پر روانہ ہوئے تو وہ اپنی خوبیوں کے سبب انشاء اللہ ضرور کامیاب ہوں گے اور واقعات نے ثابت بھی کر دیا کہ آپ کا یہ اندازہ غلط نہ تھا۔ سیدنا عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ بڑے ذہین اور ٹھنڈے دماغ کے آدمی تھے۔ وہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی طرح آتش زار جنگ میں بے دھڑک کود پڑنے کا نام بہادری نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ عجلت و بے صبری کے مقابلے میں استقلال اور صبر وتحمل کو کامیابی کا ذریعہ قرار دیتے تھے۔ ان کی دلیری سمجھ بوجھ کی دلیری ہوتی تھی۔ جس وقت سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ذہن میں مصر فتح کرنے کا خیال آیا تھا ان کی عمر پچپن کے پیٹے میں تھی یا اس سے کچھ زیادہ تھی۔ وہ ایک ایسے بہادر تھے جن کی شہسواری اور تیغ

Marfat.com

زنی کی شہرت عام تھی۔

مدینہ پہنچ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اصحاب الرائے کو جمع کیا اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی خواہش اوران کے دلائل ان کے سامنے رکھے۔ حاضرین نے اختلاف کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی چونکہ اپنی رائے اب فتح مصر کی تھی، اس لیے انہوں نے سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کو مصر جانے کا حکم دے دیا اور شریک بن عبدہ کے ہاتھ انہیں ایک خط لکھا کہ:

''لوگوں کو مصر چلنے کی دعوت دو۔ اور جو تیار ہوں انہیں ساتھ لے کر مصر روانہ ہو جاؤ۔''

روایات میں ہے کہ جس وقت آپ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ خط ملا، اس وقت سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے قیساریہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ خط پڑھ کر آپ کو بڑی خوشی ہوئی اور آپ نے اسی وقت محاصرہ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا اور خود ساڑھے تین چار ہزار کی فوج لے کر عریش کی طرف چل دیئے۔ اس کے بعد شریک بن عبدہ کو کمک طلبی کا پیغام دے کر مدینہ روانہ کر دیا تا کہ شام کی چھاؤنیاں کمزور نہ پڑ جائیں۔

ادھر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ عریش روانہ ہو گئے اور ان کا قاصد جب مدینہ پہنچا اور کمک کے لیے اس نے خط سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو دیا تو اصحاب الرائے نے جن میں سیدنا عثمان پیش پیش تھے اس پیش قدمی کی سخت مخالفت کی اور انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر بہت زور دیا کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو مصر جانے سے روکیں کیونکہ وہ ایک نڈر اور بے دھڑک آدمی ہیں اور اندیشہ ہے کہ وہ لشکر کو مشکل میں ڈال دیں گے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس مخالفت سے سخت پریشان ہوئے کیونکہ اس سے قبل وہ انہیں پیش قدمی کا خط لکھ چکے تھے اب کیسے انہیں مصر جانے سے روکیں۔ چنانچہ انہوں نے تمام مصلحتوں اور نزاکتوں کے پیش نظر سیدنا عمرو بن عاص کو یہ لکھا: ''اگر میرا یہ خط سرحد مصر پار کرنے سے پہلے وصول ہو تو جہاں سے چلے ہو وہیں واپس لوٹ آؤ اور اگر سرحد پار کر چکے ہو تو پیش قدمی جاری رکھو۔ میں تمہارے لیے کمک بھیجوں گا۔'' قاصد جب یہ خط لے کر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو وہ اس وقت مقام ''رفح'' پر تھے۔ اس نے ان کو امیر المومنین کا خط دینا چاہا۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی بصیرت نے بھانپ لیا کہ خط میں واپسی کا حکم ہوگا۔ انہوں نے قاصد سے وہ خط تو لے لیا لیکن اپنا سفر جاری رکھا اور قاصد سے مدینہ کی خبریں معلوم کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ رفح اور عریش کے درمیان ایک گاؤں پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''یہ گاؤں کس ملک میں ہے؟'' لوگوں نے کہا: ''مصر میں''

Marfat.com

اس وقت وہ اپنی سواری سے اترے اور قاصد نے انہیں وہ خط دیا۔ خط پڑھا اور ساتھیوں کو بھی اس کے مضمون سے آگاہ کیا اور فرمایا: ''اب چونکہ ہم مصر کی سرحد عبور کر آئے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کی برکت اور اس کی مدد پر بھروسہ کر کے بڑھے چلو۔ یہ بھی فرمایا کہ ان کے یہ کلمات پہلی فتح ہیں۔'' انہوں نے فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا کیونکہ وہ اس قیمتی موقع کو کھونا نہیں چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ رومی شام کی طرح مصر میں مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور مصر دنیا کا سب سے دولت مند ملک ہے۔ اگر اس پر ہمارا قبضہ ہو گیا تو پھر کوئی قوت ان کی طاقت وقوت کے برابر نہ ہوگی۔

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنے چار ہزار جانبازوں کے ساتھ عریش پہنچے۔ دیکھا کہ وہاں رومیوں کی کوئی فوج نہیں۔ وہ پہلے ہی فولاد شکن ارادے کے ساتھ مصر میں داخل ہوئے تھے، اس لیے اب ان کے ارادہ میں اور پختگی اور مضبوطی پیدا ہو گئی اور پیش قدمی کی ہمت بڑھ گئی۔ امیر المومنین کا قاصد منزلیں طے کرتا ہوا واپس مدینہ پہنچا تو اس نے امیر المومنین کو بتایا کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کمک کی انتہائی احتیاج کے ساتھ مصر میں داخل ہو گئے ہیں۔ اب وہ اس وقت تک ہرگز واپس نہیں ہوں گے جب تک شکست ہی انہیں پسپا ہونے پر مجبور نہ کر دے۔ اب ان حضرات کے لیے بھی جو مصر کی فتح کے حق میں نہیں تھے، اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ رہا کہ وہ اپنی مخالفت ترک کر کے نتیجہ کا انتظار کریں۔ عریش میں چونکہ رومیوں کی کوئی فوج نہ تھی اس لیے بغیر کسی مزاحمت کے شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

فتح فرما:

عریش سے آپ نے ''فرما'' کا رخ کیا۔ راستہ میں انہیں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی لہٰذا آپ ''فرما'' پہنچ گئے۔ فرما عریش سے قریباً ستر میل دور ہے۔ یہ شہر بحر روم کے کنارے پر واقع ہے۔ گو اب ویران پڑا ہے لیکن اس زمانے میں آباد تھا۔ اور جالینوس کی زیارت گاہ ہونے کی وجہ سے ایک ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ اس کا راستہ ایک صحرا میں سے گزرتا تھا جس میں کہیں کہیں چشمے اور گاؤں تھے۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ جب فرما پہنچے تو شہر کے قلعے نہایت مستحکم تھے اور سرکاری فوج بھی کثیر تعداد میں موجود تھی۔ چنانچہ رومیوں نے مورچہ بندی کر لی۔ انہیں یہ معلوم تھا کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھوڑی سی فوج ہے، لیکن اس کے باوجود وہ مقابلہ

Marfat.com

پر تو نہ آئے بلکہ قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کرلیا جو ایک ماہ تک جاری رہا۔ اور ایک دوسری روایت کے مطابق دو ماہ تک جاری رہا۔ اس دوران میں رومی فوجیں وقتاً فوقتاً شہر سے نکل کر مقابلہ کرتیں لیکن پھر واپس قلعہ بند ہو جاتیں۔ مسلمانوں کو محاصرہ کے دوران غذا کی ضرورت لاحق ہوتی تو وہ آس پاس کے علاقوں میں چھاپے مار کر اپنی غذائی ضروریات پوری کرتے رہے۔ محاصرہ طویل ہونے کے بعد محصورین یہ توقع کر رہے تھے کہ مرکزی حکومت ان کی مدد کرے گی لیکن کوئی مدد نہ پہنچی۔ لہٰذا رومی جرنیل نے باہر نکل کر مقابلہ کیا۔ مسلمان بھوکے عقابوں کی طرح ان پر جھپٹے اور کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ رومی فوج نے سمٹ کر واپس قلعے کی طرف جانا شروع کیا لیکن مسلمانوں نے بڑھ کر قلعہ کے دروازے پر قبضہ کرلیا۔

(عمرو بن العاص القائد والسیاسی، عبدالرحیم محمد: ۷۹، فتح مصر، صحیح ندا: ۱۹/ ۲۰، جولۃ فی مصر الخلفاء الراشدین: ۲۱۴، النجوم الزاہرۃ ۱/ ۷۔۸)

فرما فتح ہو جانے کے بعد عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ان سرحدوں کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف روانہ ہوئے اور قدیم شہر مجدل سے گزر کر اس مقام پر پہنچے جہاں آج ''قنطرہ'' آباد ہے۔ یہاں سے انہوں نے مغرب کی طرف ''قصاصین'' کا رخ کیا اور جنوب مغرب کی سمت اپنی پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے بلبیس جا پہنچے۔ مسلمان بلبیس میں ایک ماہ تک رہے۔ اس دوران میں گاہے گاہے لڑائی ہوتی رہی لیکن بالآخر فتح مسلمانوں کی ہوئی۔ بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جب بلبیس میں تھے تو مقوقس شاہ مصر نے مسلمانوں کی مصر سے واپسی کے بارہ میں گفتگو کرنے کے لیے اپنے نمائندے ان کے پاس بھیجے۔ یہ پادریوں کا ایک وفد تھا۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان سے بعثت نبوی کا حال بیان کیا اور ان لوگوں کے سامنے اسلام پیش کیا۔ ان سے کہا: ''ہم تمہیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔ جو کوئی ہماری اس دعوت کو قبول کرلے گا اس میں اور ہم میں پھر کوئی فرق نہیں رہے گا۔'' لیکن جو انکار کرے گا ہم اس سے جزیہ لیں گے اور اس کے بدلے میں اس کی مکمل حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے۔ ہمیں بتایا جا چکا ہے کہ ہم تم پر فتح پائیں گے اور ہمیں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ اگر تم ہماری دعوت قبول کرلو تو قرابت داری کے احترام میں ہم تمہاری بطور خاص حفاظت کریں۔''

Marfat.com

بلبیس کی فتح:

مقوقش کا وفد سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی ان باتوں سے بہت متاثر ہوا۔ انہوں نے کہا: ''ہم واپس آ کر ایمان لائیں گے۔'' سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھ جیسے شخص کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن میں تمہیں تین دن کی مہلت دیتا ہوں۔ تم خود بھی سوچ لو اور اپنی قوم سے بھی مشورہ کرلو۔ اس کے بعد میں تم سے جنگ کروں گا۔'' پادریوں نے ساری گفتگو مقوقش کو سنائی لیکن اطربون نے جنگ کرنے پر اصرار کیا۔ پادریوں نے اسے بہت سمجھایا لیکن وہ اپنی ضد پر قائم رہا اور بارہ ہزار کیل کانٹے سے لیس فوج لے کر روانہ ہوا اور بلبیس پہنچ کر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بھی کوئی کچی گولیاں کھیلے ہوئے نہ تھے۔ وہ نہایت محتاط آدمی تھے۔ اس لیے دونوں فوجوں میں قیامت کا رن پڑا۔ لیکن اطربون میدان چھوڑ کر بھاگ گیا اور اس کے لشکر کی دھجیاں بکھیر دی گئیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ اطربون اس معرکے میں مارا گیا اور مسلمان فتح کے بعد ایک روایت کے مطابق ایک ماہ ٹھہرے۔ یہاں یہ ذہن میں رہے کہ اطربون کی بارہ ہزار فوج کے مقابلہ میں مسلمانوں کی صرف چار ہزار فوج تھی۔

(البدایہ والنہایہ: ۷/۱۰۰، فتح مصر ۲۴)

فتح ام دنین:

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بلبیس سے صحرا کی سرحد پر پیش قدمی کرتے ہوئے ام دنین کی بستی کے قریب پہنچ گئے۔ جہاں آج کل قاہرہ کا محلّہ ازبکیہ ہے وہیں اس زمانے میں ام دنین کی بستی تھی۔ یہ بستی بابلیون کے شمال میں تھی جو مصر کا سب سے بڑا قلعہ تھا۔ ام دنین کے قریب پہنچ کر انہوں نے پڑاؤ ڈالا اور نیل کے وسیع پاٹ نے اور اس کے گرد پھیلے ہوئے سبزہ زاروں اور بہار کے مسکراتے ہوئے درختوں اور پودوں نے جنت نگاہ بن کر ان کے دامن دل کو کھینچ لیا۔ رومیوں نے بابلیون کے قلعہ میں اپنی بہترین فوج پہنچا دی تھی، اور ام دنین کے قلعے کو خوب مضبوط کر کے جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ یہ جنگ ان کے لیے زندگی اور موت کی جنگ تھی۔ یا تو وہ عربوں کو مصر سے نکال باہر کریں گے یا پھر خود الٹے پاؤں بھاگتے ہوئے وہی الفاظ دہرائیں گے جو ہرقل نے شام کو چھوڑتے ہوئے کہے تھے، اور کہیں گے:

Marfat.com

تجھ پر سلامتی ہو، اے مصر! اب ہم آپس میں کبھی نہیں ملیں گے۔"

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جاسوسوں کی خبروں سے اندازہ لگایا کہ ان کی فوج قلعہ بابلیون کی فتح یا اس کے محاصرے کے لیے ناکافی ہے۔ وہ اپنی اس فوج کے ساتھ مصر کے شہر کو فتح نہیں کرسکیں گے جو قلعہ بابلیون کے پڑوس میں ہے۔ انہوں نے جنگ کے تمام پہلوؤں پر غور کیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی فوج میں یہ اعلان کروایا کہ مدینہ سے امدادی فوجیں عنقریب پہنچنے والی ہیں۔ اس کے بعد وہ ام دنین کی طرف بڑھے اور اس کا محاصرہ کر کے غذائی ضروریات اور سامان رسد روک دی۔ قلعہ بابلیون کے فوجیوں نے ام دنین کی طرف آنے کی کوشش نہ کی کیونکہ وہ اطربون کے حشر کو جانتے تھے۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین کو ایک خط قاصد کے ہاتھ بھیجا اور اس میں مصر کے سفر کے حالات، اس کے قلعوں کی تفصیلات اور کمک کی ضرورت کا اظہار کیا۔

محاصرہ کو کئی ہفتے گزر گئے۔ مسلمان فوجوں کو غذائی سامان کی کوئی تکلیف نہ تھی۔ اسی دوران ان کو اطلاع ملی کہ پہلی امدادی فوج مدینہ سے روانہ کردی گئی ہے اور ایک دو روز میں پہنچا ہی چاہتی ہے۔ اس خبر نے مسلمانوں کے حوصلے دوبالا کردیے۔ چنانچہ اطلاع کے مطابق اک دو روز میں امدادی فوج پہنچ گئی۔ ہرقل کی فوج کو جب اس کمک کا پتہ چلا تو اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے ہوگئے۔ ایک روز سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ قلعہ پر دھاوا بول دیا جائے۔ چنانچہ خود سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہراول دستے میں قلعہ کے دروازے کی طرف بڑھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی خاص نصرت فرمائی۔ قلعہ فتح ہوگیا اور دشمن کی بڑی تعداد کام آئی اور جو زندہ بچے وہ گرفتار کرلیے گئے۔ بابلیون کے قلعہ میں بیٹھے ہوئے رومیوں کو جب ام دنین میں اپنے ساتھیوں کے حشر کا پتہ چلا تو ورطہ حیرت میں ڈوب گئے۔ اور اس سے زیادہ تعجب انہیں یہ معلوم کر کے ہوا کہ اسلامی فوج دریائے نیل عبور کر کے صحرا میں گرم سفر ہے۔

فتح قلعہ بابلیون:

دریائے نیل کو عبور کر کے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا فیوم جانے کا ارادہ تھا لیکن فیوم کی سرحد پر پہنچتے ہی انہیں پتہ چلا کہ رومی اس صوبے کی مدافعت کے لیے کمربستہ ہوچکے ہیں اور انہوں نے اس کے مختلف راستوں پر فوج متعین کردی ہے۔ یہ خبر سن کر ابن عاص رضی اللہ عنہ صحرا ہی

Marfat.com

میں رک گئے۔ اسی دوران میں اس علاقہ کے بدوؤں سے انہیں پتہ چلا کہ رومیوں کا ایک دستہ حنا نامی سپہ سالار کی قیادت میں نخلستان اور کھجور کے باغوں کی آڑ لیتا ہوا ان کے مقابلے پر آ رہا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو پیچھے ہٹا لیا۔ یہاں تک کہ حنا اور اس کے رستے سے دور ہو گئے۔ اس کے بعد پلٹے اور اس دستے کو گھیر کر اس کا ایک ایک آدمی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ رومی سپہ سالار حنا بھی اس میں مارا گیا۔ اس واقعہ نے مقامی باشندوں پر مسلمانوں کا رعب طاری کر دیا۔ حنا کی لاش کو ڈھونڈ کر حنوط کر کے ہرقل کے پاس قسطنطنیہ بھیج دیا گیا۔ ہرقل نے اب قسم کھائی کہ وہ اپنی پوری قوت کے ساتھ مصر کی مدافعت کرے گا۔ رومی فوج فیوم سے مسلمانوں سے لڑنے کے لیے روانہ ہوئی۔ مسلمانوں کو جب ان کی روانگی کا پتہ چلا تو وہ صحرا میں مورچہ بند ہو گئے۔ رومیوں نے جو انہیں صحرا میں سمٹتے دیکھا تو بہت خوش ہوئے۔ اور یہ سمجھ کر کہ مسلمان ان سے ڈر کر بھاگ رہے ہیں واپس اپنے قلعہ میں آ گئے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ دراصل بھاگے نہیں تھے بلکہ مدینہ سے جو تازہ کمک آئی تھی اس کو لینے کے لیے واپس گئے تھے کیونکہ خطرہ تھا کہ رومی انہیں دریا پار کرنے نہ دیں گے اور یہ بھی ممکن تھا کہ رومی امدادی فوج اور ان کے درمیان حائل نہ ہو جائیں۔

یہ امدادی فوج جو مدینہ طیبہ سے آئی تھی آٹھ ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی جس کی کمان سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی۔ اور عبادہ بن صامت مقداد بن اسود اور مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ جیسے جانباز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس میں موجود تھے۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ان کی آمد سے بہت خوش ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سرزمین مصر میں قدم رکھنے کے بعد سے لے کر اس کمک کے پہنچنے تک جس طریقہ سے میدان جنگ میں داد شجاعت دیتے رہے وہ ان کے ماہر اور جانباز سپہ سالار ہونے کا بین ثبوت ہے۔ انہوں نے فرمایا بلبیس، ام دنین اور فیوم میں رومی فوجوں کا جس بہادری، جوانمردی اور حربی مہارت سے مقابلہ کیا وہ ان کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے آنے سے بھی سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو بہت تقویت پہنچی۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے داماد تھے۔ ان کا شمار عرب کے گنے چنے بہادروں میں ہوتا تھا۔ حربی فنون میں ان کا جواب نہیں تھا۔ مختلف غزوات میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا ''حواری'' فرمایا

Marfat.com

تھا۔ اخلاق نہایت بلند تھا۔ ان سے جو ملتا بس انہی کا ہو جاتا اور جو فوج ان کی قیادت میں جاتی ان کے حسن سلوک سے بس انہی کا دم بھرتی تھی۔

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے دریائے نیل کو عبور کر کے عین شمس کا رخ کیا اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج سے جا ملے۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے عین شمس کے کھنڈرات میں سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت آئی ہوئی فوج کے ساتھ پڑاؤ ڈالا۔ یہ جگہ دفاعی لحاظ سے نہایت اعلیٰ تھی۔ اب جو سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کی طرف نگاہ دوڑائی تو دیکھا کہ ساڑھے پندرہ ہزار مجاہدین ان کے گردوپیش ہیں۔ ان کو بہت اطمینان ہوا اور سمجھ لیا کہ ان کے اور رومیوں کے درمیان فیصلہ کن گھڑی قریب آ پہنچی ہے۔ چنانچہ انہوں نے جنگی معاملات میں بصیرت رکھنے والے حضرات کو اکٹھا کیا اور ان کے مشورے سے لڑائی کا پروگرام بنایا۔

اس طرف مسلمانوں کے جرنیل یہ مشورے کر رہے تھے ادھر رومی سپہ سالار تھوڈور نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا اور انہوں نے کہا کہ اس طرح قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہنے سے مصری ہمیں کمزور اور بزدل سمجھ رہے ہیں اور ان کے دلوں میں مسلمانوں سے ملنے کی خواہش چٹکیاں لینے لگی ہے۔ لہٰذا باہر نکل کر میدان جنگ میں عربوں کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ رومی تھوڈور کی قیادت میں عین شمس کی طرف بڑھے تاکہ مسلمانوں کو وہاں سے نکال باہر کریں۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو جب ان کے اس ارادے کا علم ہوا تو انہوں نے ایک تدبیر سوچی کہ رات کی تاریکی میں پانچ سو جانبازوں کا ایک دستہ پہاڑ کے عقبی حصے کی طرف روانہ کیا کہ پہاڑی قلعے کے قریب بنووائل کے غاروں میں جا کر چھپے۔ اور پانچ سو مجاہدین کا ایک اور دستہ خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں صبح سے کچھ پہلے انین کی طرف بھیجا۔ اور ان دونوں دستوں کو خاص ہدایات دیں۔ اور خود اپنی پوری فوج لے کر عین شمس سے چلے اور اس جگہ پہنچے جسے آج کل عباسیہ کہا جاتا ہے۔ یہاں ٹھہر کر وہ قلعہ بابلیون سے آنے والے لشکر کا انتظار کرنے لگے۔

ادھر رومی پو پھٹتے ہی قلعہ سے باہر نکلے اور شمال مشرقی جانب سے عین شمس کی طرف بڑھنے لگے۔ رومیوں کو اپنی فتح کا پورا یقین تھا کیونکہ ان کی فوج اور سامان حرب وضرب مسلمانوں کی فوج سے بہت زیادہ تھا۔ دوسرے سب نے مل کر مرتے دم تک لڑنے کی قسم کھائی کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ آج اگر انہیں فتح حاصل نہ ہوئی تو پھر اس زرخیز اور دولت مند ملک سے ان کی حکومت ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی۔ اور یہ بات ان کی کسی حد تک صحیح بھی

Marfat.com

تھی۔ چنانہ رومیوں نے آتے ہی مسلمان فوجوں پر حملہ کر دیا۔ قیامت کا رن پڑا۔ اتنا غبار اٹھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ کوئی فریق بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھا۔ لڑائی پورے زوروں پر تھی کہ بنو وائل کے غاروں میں چھپا ہوا دستہ نمودار ہوا اور بھوکے عقاب کی طرح رومیوں کے عقب پر ٹوٹ پڑا۔ رومیوں میں کھلبلی مچ گئی اور ان کی صفوں میں انتشار پیدا ہو گیا۔ وہ ام دنین کی طرف پسپا ہونے لگے۔ اسی اثنا میں ام دنین والا دستہ اپنی کمین گاہ سے نکلا اور رومیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنے لگا۔ رومیوں میں اب مقاومت کی کوئی صورت نہ رہی۔ چنانچہ ان میں اکثر و بیشتر عربوں کی تلوار سے بچنے کے لیے بھاگ کھڑے ہوئے۔ بے شمار لوگ میدان جنگ میں کام آئے اور باقی دریا کے ذریعہ اپنے گھوڑوں پر بھاگ گئے۔ اس شاندار اور فیصلہ کن فتح نے دریائے نیل کے ساحل کو مسلمانوں کا فرش پا انداز بنا دیا اور مصریوں اور رومیوں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب بیٹھ گیا۔ قلعہ بابلیون میں پناہ لینے والی رومی فوجوں کو جونہی اس معرکہ میں کام آنے والے رومی سپاہیوں کی تعداد کا پتہ چلا وہ قلعہ خالی کر کے شمالی جانب قلعہ نقیوس میں بھاگ گئیں۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ شہر مصر کی طرف روانہ ہوئے اور جنگ کے بغیر اس پر قابض ہو گئے۔ کچھ دنوں بعد پتہ چلا کہ فیوم کی حفاظتی فوج مسلمانوں کی فتح کی خبر پا کر نقیوس کی طرف بھاگ گئی ہے۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جانبازوں کا ایک دستہ لے کر روانہ ہوئے اور فیوم کے پورے صوبے پر قابض ہو گئے۔

ان تمام واقعات نے لوگوں کے دلوں میں یہ بات بٹھا دی کہ فتح و نصرت غازیان اسلام کی رکاب میں ہے۔ چنانچہ ان کے دل دہشت و خوف سے لبریز ہو گئے۔ مصریوں نے یہ بھی دیکھا کہ رومی حکام اور جرنیل سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے حکم سے ان کے سامنے اس طرح لائے جاتے کہ ان کے ہاتھ گردنوں سے بندھے ہوتے اور پاؤں میں بیڑیاں ہوتیں۔ اکثر و بیشتر رومی مسلمانوں کے خوف سے اسکندریہ بھاگ گئے۔

قلعہ بابلیون میں سے اگرچہ کچھ لوگ بھاگ کر چلے گئے تھے، لیکن پھر بھی وہاں کافی فوج موجود تھی اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو یہ پتہ چلا کہ وہ مقابلہ کرنے کے لیے پر تول رہی ہے۔ یہ قلعہ رومیوں کا سب سے مضبوط قلعہ تھا اور وہ اسے ناقابل تسخیر کہتے تھے۔ اس کی فصیلیں ساٹھ قدم اونچی اور اٹھارہ قدم چوڑی تھیں اور اس کے محلات فصیلوں سے بھی زیادہ بلند و بالا تھے۔ دریائے نیل قلعہ کے بڑے دروازے تک پہنچتا تھا۔ یہ بڑا دروازہ لوہے کا بنا ہوا تھا۔ قلعہ کے

Marfat.com

اندر کنویں کھدے ہوئے تھے اور قلعہ کو ایک خندق نے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ ان تمام استحکامات کے پیش نظر قلعہ بند فوجیں اپنے کو دشمن سے بالکل محفوظ سمجھتی تھیں۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے قلعہ کے محاصرہ کی ٹھان لی اور قلعہ کے اندر پناہ لینے والی فوجوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے کمر ہمت کس لی۔ ان کے حوصلوں میں جان پڑ گئی۔ چنانچہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ انہیں قلعہ کی مضبوطی کا پتہ تھا لیکن انہیں یہ بھی علم تھا کہ اگر کچھ دن یا کچھ ہفتے قلعہ کے محافظین کو امداد نہ پہنچی تو ان کی معنوی قوت کمزور ہو جائے گی اور ان کی ہوا اکھڑ جائے گی، ہمتیں جواب دے جائیں گی اور ارادے مضمحل ہو جائیں گے۔

روایات میں ہے کہ محاصرے کے آغاز میں مقوقش شاہِ مصر قلعے میں موجود تھا لیکن یہ قیصر روم کا باج گزار تھا۔ قلعہ کی فوجوں کا سپہ سالار ایک رومی تھا جس کا نام ''احیرج'' یا ''جارج'' تھا۔ قلعے میں قبطی تو گنتی کے تھے۔ باقی سب رومی تھے۔ محاصرے کو ایک مہینہ گزر گیا۔ اسلامی فوجوں کے حوصلے نہایت بلند تھے۔ لیکن مقوقش پریشان ہو گیا۔ چنانچہ اس نے قلعہ میں موجود جرنیلوں کو کہا کہ کیوں نہ عربوں کو کچھ دے دلا کر واپس کر دیا جائے تاکہ سرزمین مصر دوبارہ رومیوں کے قبضہ میں آ جائے۔ سب نے اس تجویز سے اتفاق کیا لیکن طے یہ پایا کہ ایک تو مقوقش اس بات چیت میں خود حصہ لے اور دوسرے اس بات چیت کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو ورنہ یہ رومیوں کی بزدلی تصور ہوگی۔ چنانچہ مقوقش اور اس کے ساتھی رات کے سیاہ پردے میں چھپ کر قلعہ سے نکلے اور بابلیون کے پادری کے ساتھ کچھ آدمی کیے اور انہیں ایک مراسلہ دے کر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا جس میں ترغیب و ترہیب سے کام لیا گیا اور ساتھ ہی یہ درخواست کی کہ اپنے کچھ نمائندے ہمارے ساتھ بات چیت کے لیے بھیجیں ہوسکتا ہے کہ ہماری اور تمہاری پسند کی کوئی بات طے ہو جائے۔

مقوقش کو یقین تھا کہ اس کے ایلچی اسی روز خط کا جواب لے کر واپس آ جائیں گے لیکن قاصد دو دن تک واپس نہ آئے۔ جس سے وہ سمجھنے لگا کہ مسلمانوں نے یا تو قاصدوں کو گرفتار کرلیا ہے یا پھر قتل کر دیا ہے لیکن سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی ہمت اور حوصلہ مندی دکھانے کے لیے انہیں روکا تھا۔ دو روز کے بعد وہ ابن العاص رضی اللہ عنہ کا خط مقوقش کے نام لے کر آئے جس میں لکھا تھا:

''ہمارے اور تمہارے درمیان صرف تین صورتیں ہیں۔ یا تو تم حلقہ اسلام میں داخل

Marfat.com

ہو جاؤ اور اس صورت میں تم ہمارے بھائی ہو گے۔ ہمارے اور تمہارے حقوق ایک جیسے ہوں گے۔ یا زیردست بن کر جزیہ ادا کرو، ورنہ ہم تم سے جنگ کریں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔''

اس خط نے مقوقس کو حیرت زدہ کر دیا۔ اس نے وفد سے پوچھا کہ وہ لوگ کیسے ہیں؟ وفد نے جواب دیا: ''وہ عجیب و غریب قسم کے لوگ ہیں۔ ان کا ہر فرد زندگی سے زیادہ موت، غرور سے زیادہ عاجزی اور خاکساری کو پسند کرتا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو دنیا سے دلچسپی رکھتا ہو۔ وہ زمین پر بیٹھتے ہیں۔ گھٹنوں پر کھانا رکھ کر کھاتے ہیں۔ ان کا امیر ان میں سے ایک ہے، ان میں شریف اور کمینے، اور آقا اور غلام کی کوئی تمیز نہیں۔ سب ایک جیسے ہیں۔ جب ان کی نماز کا وقت آتا ہے تو سب وضو کر کے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دربار میں کھڑے ہو جاتے ہیں، کوئی پیچھے نہیں رہتا۔'' (النجوم الزاہرہ: 1/11)

ان لوگوں کی یہ صفات سن کر مقوقس حیران بھی ہوا اور سوچ میں بھی پڑ گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ''بخدا! یہ لوگ چاہیں تو پہاڑوں کو بھی اپنی جگہ سے ہلا سکتے ہیں۔ یہ انسان نہیں فرشتے ہیں۔ ان سے کوئی نہیں لڑ سکتا۔ ان سے صلح کر لینی ہی بہتر ہے۔''

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے وفد کے ہاتھ ان کے خط کا جواب بھی بھیجا اور ان کی درخواست کے مطابق دس افراد پر مشتمل ایک وفد بھی بھیج دیا جس کی قیادت سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے۔ سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ رنگ کے لحاظ سے کالے تھے اور جسم کے لحاظ سے قوی ہیکل اور بڑے ڈیل ڈول کے انسان تھے۔ وفد کی طرف سے یہ بات کرنے کے لیے مقرر کیے گئے۔ جب یہ بات کرنے کے لیے اٹھے تو پہلے تو مقوقس نے ان سے بات سننے کو پسند نہ کیا لیکن جب وفد کے دوسرے ارکان نے کہا کہ ہماری طرف سے یہی بات کریں گے تو مقوقس ان کی بات سننے کیلئے مجبور ہو گیا۔ سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ نے جو اپنا موقف بیان کیا وہ یہ تھا: ''اللہ کے دشمنوں سے ہماری جنگ اس بنا پر نہیں کہ ہمیں کوئی دنیا کی رغبت ہے یا ہم دنیا سمیٹنا چاہتے ہیں...... ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کو اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ اس کے پاس سونے کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں یا اس کے پاس صرف ایک درہم ہے۔ اس لیے ہم میں سے ہر شخص کو دنیا کی زیادہ سے زیادہ جو مقدار درکار ہے وہ بس اتنا کھانا ہے جس سے وہ صبح و شام اپنی بھوک مٹا سکے

Marfat.com

اور ایک چادر ہے جسے وہ اپنے بدن پر لپیٹ سکے۔ اگر ہم میں سے کسی کو اس سے زیادہ دنیا نہ ملے تو بھی اس کے لیے کافی ہے اور اگر اسے سونے کا کوئی ڈھیر مل بھی جائے تو وہ اسے اللہ کی اطاعت وفرماں برداری ہی میں صرف کرے گا...... کیونکہ دنیا کی نعمتیں حقیقی نعمتیں نہیں اور نہ ہی دنیا کی خوش حالی حقیقی خوش حالی ہے، نعمتیں اور خوشحالی تو آخرت کی ہے۔ یہی بات ہمیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بتائی ہے اور ہمیں یہ تاکید کی ہے کہ ہم دنیا کی اس سے زیادہ فکر میں نہ پڑیں کہ ہماری بھوک کٹ جائے اور جسم کی ستر پوشی ہو جائے۔ باقی ہماری اصل فکر اور دھن اپنے رب کو راضی کرنے اور اس کے دشمنوں سے جہاد کرنے کی ہونی چاہیے...... اور یہ جو آپ نے ہمیں ڈرانے کی کوشش کی ہے اور ہمیں کہا ہے کہ ہمارے مقابلے کے لیے فوجیں اکٹھی ہو رہی ہیں اور وہ کثیر تعداد میں ہیں اور ہم میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے، تو میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس بات سے نہ ہم ڈرتے ہیں اور نہ ہی ہمارے حوصلے ٹوٹ سکتے ہیں۔ اگر آپ کی یہ بات درست ہے کہ روم کا بہت بڑا لشکر ہمارے مقابلہ میں آرہا ہے تو خدا کی قسم اس خبر سے ہمارے شوق جہاد میں اور اضافہ ہوگا اور ہمارے حوصلے بلند ہوں گے، اس لیے کہ اگر ہمارا مقابلہ اتنے بڑے لشکر سے ہوا تو اللہ تعالیٰ کے سامنے ہماری جواب دہی اور آسان ہو جائے گی، اور اگر ہم میں سے ایک ایک فرد ان کا مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا تو ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی اور اس کی جنت کا امکان اور مضبوط ہو جائے گا۔ اور اس سے زیادہ محبوب اور آنکھوں کو ٹھنڈی کرنے والی اور کوئی شے نہیں ہو سکتی۔ ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک صبح وشام اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا کرتا ہے کہ اسے شہادت نصیب ہو اور اسے اپنے شہر، اپنی زمین اور اپنے اہل وعیال میں واپس نہ جانا پڑے۔ ہم لوگ اپنے وطن میں جو کچھ چھوڑ کر آئے ہیں۔ ہمیں اس کی قطعاً کوئی فکر نہیں، کیونکہ ہم میں سے ہر شخص اپنے اہل وعیال کو اپنے رب کی امان اور حفاظت میں دے کر آیا ہے۔ ہماری فکر تو اپنے آگے پیش آنے والے حالات کے بارہ میں ہے۔ رہا آپ کا یہ کہنا کہ ہم اپنے معاشی حالات کے لحاظ سے تنگی کی زندگی گزار رہے ہیں، تو آپ یقین رکھیں کہ ہم اتنی وسعت اور فراخی میں ہیں جس کے برابر کوئی راحت نہیں ہو سکتی۔ اگر ساری دنیا ہماری ملکیت میں آجائے تب بھی ہم اپنے لیے اس سے زیادہ کچھ نہیں رکھنا چاہتے جتنا اس وقت ہمارے پاس ہے۔ لہٰذا آپ اب اپنے معاملہ پر غور وفکر کر کے ہمیں بتا دیں کہ ہماری پیش کی ہوئی تین باتوں میں سے کون سی بات آپ پسند کرتے ہیں۔ جہاں تک

Marfat.com

ہمارا تعلق ہے ہم تین باتوں کے علاوہ کسی اور بات پر نہ کبھی راضی ہوں گے نہ اس کے سوا آپ کی کوئی بات قبول کریں گے۔ بس آپ ان تین چیزوں میں سے کسی شئے کو اختیار کر لیجئے اور ناحق باتوں کی طمع چھوڑ دیجئے یہی میرے امیر کا حکم ہے۔ اسی بات کا حکم انہیں ہمارے امیر المومنین (سیدنا عمر رضی اللہ عنہ) نے دیا ہے، اور یہی وہ عہد ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عطا فرمایا تھا۔'' (النجوم الزاہرہ:۱/۱۳/۔۱۵)

اب مقوقش نے اپنے ساتھیوں کو کہا کہ ان کی دوسری شرط مان کر ان لوگوں سے صلح کرلو، لیکن ساتھیوں نے مسلمانوں کی یہ شرط، ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ مقوقش نہایت پریشان تھا کہ کیا کیا جائے۔ اس نے پھر زور دیا کہ جزیہ ادا کر کے مسلمانوں سے صلح کرلو۔ ان لوگوں کا مقابلہ کرنا تمہارے بس کی بات نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو موت کو شہد سے بھی زیادہ پسند کرتے ہیں۔ آخر اس کے ساتھیوں نے بادل نخواستہ اس کی بات مان لی۔ اس نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا اور ملاقات کی درخواست کی۔ چنانچہ مقوقش اور اس کے چند ساتھیوں کی سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ ملاقات ہوئی بات چیت میں طے یہ ہوا کہ پورے مصر میں ہر بالغ قبطی بلاامتیاز دو دینار جزیہ ادا کرے گا نابالغ بچے، عورتیں اور بوڑھے اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ مصریوں کی زمین مال و دولت، کلیسا سب انہی کے رہیں گے اور ان کی درآمدی اور برآمدگی تجارت میں کوئی رخنہ پیدا نہیں کیا جائے گا۔ یہ صلح نامہ طے تو ہو گیا لیکن اس کا نفاذ ہرقل کی منظوری تک ملتوی رکھا گیا۔ مقوقش ہرقل سے اس معاہدے کی منظوری لینے کے لیے خود قسطنطنیہ گیا لیکن ہرقل نے باوجود اس کے کہ وہ عربوں کی طاقت اور قوت سے بخوبی آشنا تھا، اس معاہدہ کی منظوری نہ دی بلکہ اس پر ملک وملت کی غداری کا الزام لگا کر اس کو نہایت ذلت و اہانت سے ملک سے نکال دیا۔ اب سوائے جنگ کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ چنانچہ مسلمان قلعہ کا محاصرہ کیے رہے۔ اور قلعہ والے باہر کی ہر قسم کی کمک سے محروم رہے۔ ہرقل نے ان کی کسی قسم کی کوئی مدد نہ کی۔ اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ قلعہ میں بیماری پھوٹ پڑی۔ رومی ہر روز قلعہ کی برجیوں پر چڑھ چڑھ کر دیکھتے لیکن کمک کے آثار انہیں دور دور تک دکھائی نہ دیتے۔ ہاں انہیں یہ پتہ چلتا کہ عرب آس پاس کے علاقوں پر قبضہ کرتے جا رہے ہیں۔ ان حالات نے انہیں سخت پریشان کر دیا۔ آخر ایک روز انہیں یہ خبر ملی کہ ہرقل مر گیا ہے۔ اس خبر سے رومیوں کی پریشانی میں اور اضافہ ہو گیا۔ لیکن اس کے باوجود وہ قلعہ بند ہی رہے۔ ہرقل کی موت کا سبب یہ

Marfat.com

ہوا کہ مقوقس کی ملاقات کے بعد ذہنی پریشانی کی وجہ سے اسے بخار آنا شروع ہو گیا۔ اور ذہنی پریشانی نے اس کے دماغ کو کچھ اس طرح گھیر لیا کہ وہ بابلیون کی امداد کے لیے کچھ سوچ ہی نہ سکا۔ حتیٰ کہ اس کی موت واقع ہو گئی اور قلعے والے اس کی امداد اور کمک سے محروم رہے۔

محاصرہ کو سات مہینے ہو گئے۔ مسلمان اس محاصرہ سے نہایت تنگ آ گئے یہاں تک کہ انہیں اپنی زندگی اور اپنا وجود دونوں بے حقیقت نظر آنے لگے۔ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے جو سب سے زیادہ جری اور جذبہ سرفروشی سے سرشار تھے، حاضرین سے فرمایا: ''میں اپنی جان اللہ تعالیٰ کے راستے میں قربان کرنا چاہتا ہوں اور میری یہ تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری اس قربانی کو مسلمانوں کی فتح کا باعث بنائے۔'' وہ ایک دستہ کے ساتھ رات کی تاریکی میں فصیل کے ساتھ سیڑھی پر چڑھ گئے اور ساتھیوں سے فرمایا کہ جب میں تکبیر کہوں تو تم اسے دہراتے ہوئے اوپر چڑھ آنا۔ چنانچہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی رات کی تاریکی میں فصیل پر چڑھ گئے اور سب نے مل کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا جو مسلمان قلعے کے باہر تھے۔ انہوں نے بھی یہ نعرہ دہرایا۔ رومیوں کے کانوں میں یہ آواز اتنی زور سے پہنچی کہ انہیں یقین ہو گیا کہ عرب قلعہ میں داخل ہو گئے ہیں۔ ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور باہر کی فوج نے اندر داخل ہو کر قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ رومیوں نے ۱۶ اپریل ۶۴۱ء کو قلعہ خالی کیا اور اپنی اس شکست کی پاداش میں مصریوں پر بہت مظالم ڈھائے۔ رومیوں کے جانے کے بعد مسلمانوں کا قلعہ پر مکمل قبضہ ہو گیا اور اس طرح مصر کی فتح کا پہلا مرحلہ اپنے اختتام کو پہنچا۔

(فتوحات الاسلامیہ، عبدالعزیز شناوی: ۹۱)

اسکندریہ کی فتح:

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بابلیون کی فتح کے بعد وہاں سے روانہ ہوئے۔ اس وقت ہرقل کی موت کی وجہ سے سلطنت روم کا پایہ تخت اضطراب و انتشار کی جولان گاہ بنا ہوا تھا۔ اس سفر میں سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے قبطیوں کے چند رؤساء کو بھی اپنے ساتھ لے لیا تھا تاکہ راستہ میں آنے والے شہروں کے لوگوں کو یہ لوگ عربوں سے روشناس کروا کر ان کے قریب کریں۔

بعض حضرات نے لکھا ہے اس شہر کا نام جس کو سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فتح کیا

Marfat.com

تھا، بابلیون کے بجائے فسطاط ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ کہ بابلیون کی فتح کے بعد سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے وہاں ایک خیمے میں چند روز قیام کیا۔ اتفاق سے سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کے خیمہ میں ایک کبوتر نے گھونسلہ بنالیا تھا۔ جب کوچ کے لیے خیمہ اکھاڑا جانے لگا تو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی نگاہ اس کبوتر پر پڑی، حکم دیا کہ اس خیمے کو یہیں رہنے دو کہ ہمارے مہمان کو تکلیف نہ ہونے پائے۔ چونکہ خیمہ کو عربی میں ''فسطاط'' کہتے ہیں اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اسکندریہ سے واپسی پر اسی خیمہ کے قریب شہر بسایا تھا اس لیے خود شہر بھی فسطاط کے نام سے مشہور ہوگیا۔ اور آج تک اس کا یہی نام لیا جاتا ہے۔

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس کھلی جگہ پر فسطاط کا شہر آباد کیا تاکہ مسلمان اہل مصر کو ان کے گھروں سے نکال کر ان پر خود قبضہ نہ کرلیں اور اس طرح ہر اس زیادتی سے دامن بچایا جو مصری عوام کے لیے بے چینی اور ناراضی کا سبب بن سکتی تھی۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا مقصد اس شہر کے آباد کرنے سے یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کے خاندان ایک شہر میں آباد ہوکر ایک ایسا ماحول بنالیں جس میں وہ اپنے ڈھب اور اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرسکیں۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مصر کے والی تھے۔ انہوں نے خود اس شہر کو اپنا مستقر بنایا تو آبادی اور رونق نے دوڑ کر اس کے قدم لیے۔ بعد میں یہی شہر سارے ملک کا دارالخلافہ بن گیا۔

بہر حال ۲۱ھ میں سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اسکندریہ کا رخ کیا۔ راستہ میں رومیوں کی جو آبادیاں تھیں، انہوں نے مزاحمت کرنا چاہی لیکن شکست ان کے مقدر میں تھی، لہٰذا شکست سے دوچار ہوئے۔ راستہ میں نقیوس والوں نے سدراہ ہونا چاہا کیونکہ ان کا قلعہ نہایت مضبوط تھا۔ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نقیوس کے اس مضبوط قلعے کے سامنے پہنچ گئے۔ نقیوس والوں کا خیال تھا کہ اگر عربی فوجوں کو بغیر کسی مزاحمت کے اسکندریہ کی طرف بڑھنے دیا گیا تو عوام کے دل ٹوٹ جائیں گے اور وہ ان بدیشی لوگوں کی فوراً اطاعت قبول کرلیں گے۔ چنانچہ قلعہ کا کمانڈر اپنی پوری فوج لے کر باہر نکلا اور عربوں کا رستہ روکنے کے لیے ان کشتیوں پر سوار ہوگیا جو شہر کے دفاع کے لیے وہاں کھڑی تھیں۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مجاہدین اسلام کو ان کشتیوں پر تیر برسانے کا حکم دیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ جو فوجی کنارے پر اتر آئے تھے وہ واپس کشتیوں میں پناہ لینے کے لیے بھاگے۔ لیکن سواروں نے انہیں آسانی سے بھاگنے نہ دیا اور انہیں مارتے مارتے پانی تک لے گئے۔ لہٰذا کچھ لوگ مارے گئے اور کچھ کشتیوں میں جاکر پناہ لینے لگے۔ اس فوج

Marfat.com

کے سپہ سالار نے اپنی کشتی کے ملاح کو حکم دیا کہ وہ اسکندریہ کی طرف رخ کرے۔ سپاہیوں نے جب اپنے کمانڈر کو اسکندریہ کی طرف بھاگتے دیکھا تو انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور اپنی جان بچانے کی فکر میں لگ گئے لیکن مسلمانوں کی تلواروں کا لقمہ بن گئے اور مسلمان فاتحین کی شکل میں شہر میں داخل ہو گئے۔

تھیوڈور جو رومی افواج کا سپریم کمانڈر تھا وہ مسلمانوں کے لشکر سے شکست کھانے کے بعد کریون میں آ گیا۔ اس نے یہاں بہت فوج جمع کر رکھی تھی اور مختلف شہروں سے جو رومی فوجیں بھاگ کر آئی تھیں وہ بھی یہیں اس کے پاس گئی تھیں۔ اس نے دیکھا کہ عربی فوجیں اسکندریہ جارہی ہیں تو اس نے مزاحمت کرنا چاہی۔ اسے اندازہ تھا اگر اسے اب کریون میں شکست ہوگئی تو عربوں کے لیے پایہ تخت کے دروازے کھل جائیں گے۔ لہٰذا اس نے چاہا کہ حملہ آوروں اور پایہ تخت کی فصیلوں کے درمیان کوئی دیوار حائل کر دی جائے۔ چنانچہ اس نے چاہا کہ کریون میں ٹھہر کر عربوں کا مقابلہ کیا جائے۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کریون پہنچے اور رومی اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کریون میں صف آرا ہوئے اور دونوں فوجیں اس بے جگری سے لڑیں کہ اس سے پہلے کی جنگوں میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ رات کو دونوں فوجیں اپنے اپنے کیمپوں میں چلی گئیں لیکن لڑائی کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ دوسرے روز صبح ہی قیامت خیز رن پڑا اور رات ہونے پر پھر دونوں فوجیں اپنے اپنے کیمپوں میں چلی گئیں۔ غرض کہ دس دن یا اس سے بھی کچھ زیادہ لڑائی ہوتی رہی۔ ان لڑائیوں میں رومیوں نے جس بہادری اور شجاعت کا مظاہرہ کیا اس سے مسلمانوں کے دل دہل گئے۔ لیکن مسلمانوں کے عزائم پست نہ ہوئے۔ بلکہ بہادری اور شجاعت میں اور اضافہ ہوا۔ وردان جو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، علم ہاتھ میں لیے اسلامی فوج کے آگے آگے ہوتے تھے، اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ ان کے پہلو میں دشمن سے نبرد آزما رہتے تھے۔ ایک روز سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو گہرے زخم آئے اور نڈھال ہو کر وردان سے کہنے لگے۔ ''وردان اگر تم ذرا رک جاؤ تو میں کچھ سانس لے لوں۔'' وردان نے کہا: ''آرام تمہارے سامنے ہے پیچھے نہیں۔'' یہ جواب سن کر عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنے زخم بھول گئے اور آگے بڑھے۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو جب اپنے بیٹے کا یہ حال معلوم ہوا تو فرمایا: ''واقعی وہ میرا بیٹا ہے۔'' اپنی اس شجاعت، بہادری، جوانمردی اور بے خوفی کی بنا پر مسلمانوں نے کریون کو فتح کر لیا۔

Marfat.com

کریون کو فتح کرنے کے بعد سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ وہاں صرف اتنے ہی دن ٹھہرے کہ ان کی فوج تازہ دم ہو جائے۔ اس کے بعد وہ اس شجاعت پناہ بہادروں اور غازیوں پر مشتمل لشکر کو لے کر اسکندریہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اب اسکندریہ تک انہیں کسی مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا اور شہر کی بلند و بالا فصیلوں کے قریب پہنچ کر مجاہدین اسلام کی یہ فوج رک گئی۔

فوج میں اسکندریہ کو فتح کرنے کا ایک عجیب جوش اور ولولہ تھا۔ مسلمانوں کو خیال تھا کہ کریون میں تھیوڈور اس کی فوج کو جو ذلت آمیز شکست ہوئی ہے، اس سے مدافعین کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب بیٹھ گیا ہو گا اور وہ ہمارے جاتے ہی شہر کے دروازے کھول دیں گے لیکن ایسا نہ ہوا۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فوج کا جوش و ولولہ دیکھ کر شہر کی فصیلوں اور برجوں پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ مسلمانوں نے اپنے امیر کے حکم کی تعمیل میں حملہ کر بھی دیا لیکن اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا کیونکہ شہر کی فصیل نہایت مضبوط اور مستحکم تھی اور رومی فصیلوں سے اپنی منجنیقوں سے بڑے بھاری پتھر برسا رہے تھے۔ تھیوڈور کریون سے بھاگ کر یہاں آ گیا تھا اور اس نے مسلمانوں کی فوج کے پہنچنے سے پہلے تمام نواحی علاقے فوج سے خالی کروا کر اسے قلعہ میں مورچہ بند ہو جانے کا حکم دے دیا تھا اور فصیلوں پر منجنیقیں نصب کرا دی تھیں۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جب منجنیقوں سے پتھر برستے دیکھے تو سمجھ گئے کہ دشمن جنگ کے لیے پوری طرح تیار ہے۔ چنانچہ عربوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور لڑائی کے منصوبے سوچنے لگے۔ لیکن یہ بات تو انہوں نے پہلی ہی نظر میں بھانپ لی کہ شہر پر حملہ کرنا آسان نہیں ہے۔ شہر کے شمال میں سمندر اس کی حفاظت کر رہا ہے اور مغربی سمت کو ثعبان نالے نے گھیر رکھا ہے۔ صرف ایک ہی راستہ ہے شہر میں داخل ہونے کا اور وہ مشرقی راستہ ہے جو کریون اور اسکندریہ کے درمیان چلتا ہے لیکن یہ سمت بھی قلعوں اور فصیلوں سے مستحکم ہے۔ اسکندریہ کے پچاس ہزار محافظ اس بات کو بخوبی جانتے تھے کہ اگر انہیں یہاں شکست ہو گئی تو مصر میں رومی حکومت کا بالکل ہی خاتمہ ہو جائیگا۔ علاوہ ازیں قیصر کا پیغام بھی انہیں مل گیا تھا کہ اگر عرب اسکندریہ میں فتح یاب ہو گئے تو یہ ملک ان کے ہاتھ سے نکل جائے گا اور رومی ہلاک ہو جائیں گے، لہٰذا وہ اسکندریہ کے دفاع میں اپنی جانیں لڑانے کو تیار ہو گئے تھے، لیکن ان تمام دشواریوں کے باوجود سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اسکندریہ کو فتح اور دشمن پر غلبہ حاصل کرنے سے مایوس نہیں ہوئے۔

کچھ روز کے بعد انہوں نے سوچا کہ اگر وہ اسی طرح رومیوں کے باہر نکل کر لڑنے

Marfat.com

کے انتظار میں پڑے رہے تو یہ بات ان کے لیے نقصان دہ ہے۔ اس سے مجاہدین کے ارادے مضمحل ہو جائیں گے۔ چنانچہ ان کی قوت فکر نے ان کو ایک ایسی راہ دکھائی جس سے دو مقصد حاصل ہو سکتے تھے۔ ان کی فوج بھی نہ اکتائے اور دشمن کے حوصلے بھی پست ہو جائیں۔ وہ یہ کہ انہوں نے ڈیلٹا کے شہروں کی طرف فوجی دستے روانہ کیے جنہوں نے وہاں سے رومیوں کو بھگانا شروع کر دیا اور خود فوج کی اکثریت کے ساتھ اسکندریہ کا محاصرہ جاری رکھا۔ لیکن محاصرہ طویل سے طویل تر ہوتا گیا اور مہینوں پر مہینے گزرتے گئے۔

غرض کہ کئی ماہ محاصرہ کیے گزر گئے، محصورین مطمئن اور پرامن تھے اور مسلمان محاصرہ کی طوالت سے پریشان ہو گئے اور ان کو قلعہ پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہو رہی تھی۔ اور لڑائی صرف جھڑپوں تک محدود تھی۔ اس طرف یہ حالت تھی ادھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مدینہ میں مصر کی خبروں کے منتظر تھے۔ خصوصاً اسکندریہ کی فتح کا انہیں شدید انتظار تھا، لیکن کئی ماہ سے اسکندریہ کی کوئی خبر انہیں نہ ملی تھی وہ پریشان تھے کہ مصر کی اسلامی فوج وہ ہے جو بڑے بڑے مستحکم قلعوں کو فتح کر چکی ہے۔ چنانچہ ایک روز سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ:

> ''میں حیران ہوں کہ تم دو سال سے لڑ رہے ہو اور مصر ابھی تک فتح نہیں ہوا۔ میں اس کی وجہ سمجھنے سے قاصر ہوں۔ میری سمجھ میں اس کی جو وجہ آتی ہے وہ یہ ہے کہ تم میں وہ پہلی سی لگن اور دلچسپی نہیں رہی اور تم بھی اپنے دشمن کی طرح حب دنیا میں گرفتار ہو گئے ہو۔ اللہ تعالیٰ صرف اسی قوم کی مدد کرتا ہے جس میں سچی لگن ہو۔ میں نے تمہارے پاس چار بہادر آدمی بھیجے تھے اور تمہیں یہ بتایا تھا کہ ان میں سے ہر ایک ہزار آدمیوں کے برابر ہے۔ میں تو ان کے بارہ میں یہی جانتا تھا، کیا معلوم کہ وہ بھی دنیا کی اس محبت میں پھنس گئے ہوں جس میں دوسرے پھنسے ہوئے ہیں۔ میرا یہ خط موصول ہوتے ہی لوگوں کو ترغیب دو کہ بہادری اور جواں مردی سے جنگ کریں۔ مذکورہ چاروں جانبازوں کو فوج کے سامنے رکھ کر اور فوج کو حکم دو کہ تن واحد کی طرح دشمن پر یلغار کرے۔ یہ حملہ جمعہ کے روز زوال آفتاب کے وقت ہو کیونکہ اس وقت رحمت خداوندی کا نزول ہوتا ہے۔ اور دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اس وقت لوگ اللہ رب العزت کے سامنے گڑگڑا کر دعا کریں۔''

اسکندریہ کا یہ محاصرہ کتنے مہینے رہا۔ اس بارہ میں مورخین میں اختلاف ہے لیکن اس

Marfat.com

بات پر سب متفق ہیں کہ کئی ماہ رہا اور اس کی طوالت نے امیر المومنین کو غضب ناک کر دیا اور انہوں نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ قائد مصر کو دنیا طلبی سے متہم کیا۔ جونہی یہ خط سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو ملا تو وہ اسکندریہ کی فتح کا منصوبہ بنانے لگے۔ بعض روایات میں ہے کہ محاصرہ کی طوالت سے نہ صرف وہ خود بلکہ پوری فوج ہی تنگ آ چکی تھی کیونکہ اس سے قبل کسی جنگ میں انہوں نے اتنا طویل محاصرہ کبھی نہیں کیا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ اسکندریہ کے اس طویل محاصرہ کے دوران ایک روز سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پیٹھ کے بل لیٹ گئے اور اسکندریہ کی فتح کے بارہ میں غور و فکر کرنے لگے۔ اس کے بعد اٹھ کر بیٹھ گئے۔ ایسا معلوم ہوا جیسے قلب میں کچھ القاء کیا گیا ہے۔ اٹھ کر فرمانے لگے: ''میں نے اس مسئلہ پر بہت غور کیا ہے۔ اس کا انجام بھی وہی سنوارے گا جس نے اس کے آغاز کو سنوارا ہے۔'' آپ کی مراد انصاری رضی اللہ عنہ سے تھی۔

چنانچہ اسی وقت انہوں نے سیدنا عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں علم دے کر اسکندریہ پر حملہ کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے اسی روز اسکندریہ کو ان کے ہاتھوں فتح کرا دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا۔ انہوں نے سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو علم دینے کے لیے کہا۔ چنانچہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور تیر و سنان ان سے لے کر علم ان کے سپرد کر دیا۔ اور اسی روز لڑائی میں اللہ تعالیٰ نے اسکندریہ فتح کروا دیا۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی روایات اس بارہ میں کتابوں میں موجود ہیں۔

مختصر یہ کہ مسلمان اسکندریہ میں بزور شمشیر داخل ہوئے۔ انہوں نے اس شہر کی فصیلوں پر زبردست حملہ کر کے اس کے دروازے کھول دیئے اور رومیوں نے اعتراف شکست کے طور پر صحرا اور سمندر کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ اسکندریہ کے باشندوں نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی اور شہر کی کنجیاں ان کے حوالے کر دیں۔ مسلمان فوج جب شہر میں داخل ہوئی تو اس کے کوچہ و بازار دیکھ کر عرب حیران رہ گئے۔ شہر کی فصیلیں اور عالی شان عمارتیں ان کیلئے حیرت کا باعث بن گئیں۔ عمارتوں، قلعوں، فصیلوں اور برجیوں کی مضبوطی اور ندرت تعمیر نے انہیں ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ ان کی عقلیں مسحور ہو گئیں۔ انہوں نے اسکندریہ میں وہ کچھ دیکھا جس کی نظیر شام اور عراق میں نہیں ملتی تھی۔ کلیسائے قیصریون کی عمارت اپنے حسن اور رعنائی سے ہر دیکھنے والی آنکھ کو مبہوت کر دی تھی۔ یہ عمارت کلیسا کی حیثیت سے تعمیر نہیں ہوئی

Marfat.com

تھی بلکہ یہ بت پرستوں کا مندر تھا جو کلو پٹرا (Cleopetra) نے سمندر کو جھانکنے والے ایک بلند ٹیلے پر بنوایا تھا تا کہ یہاں آنے والا جب اسکندریہ کی طرف دیکھے تو شہر کی ساری رونق و عظمت، حسن وجلال اور رعنائی اس کی آنکھوں کے سامنے آ جائے۔ یہ معبد ملکہ کلو پٹرا نے جولیس سیزر کے احترام میں بنوایا تھا اس لیے اس کا نام ''قیصریون'' رکھا گیا۔ یہ ابھی نامکمل ہی تھا کہ کلو پٹرا نے خودکشی کر لی اور مصر کی حکومت رومیوں کے ہاتھ میں آئی تو قیصر آگسٹس (Auguestes) نے اس کی تعمیر مکمل کرائی۔

مسلمان تہذیب وتمدن کے ان مظاہر کو دیکھ کر مبہوت ہو گئے۔ تحیر سے ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ان عالی شان اور بلند و بالا عمارتوں کے نیچے زمیندوز عمارتیں بھی ہیں تو ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ یہ زمین دوز عمارتیں چار چار پانچ پانچ منزلہ تھیں اور ہر منزل میں لاتعداد ستون اور بے شمار پتھر تھے جنہیں پانی جمع کرنے کے لیے حوضوں کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ دریائے نیل میں جب طغیانی آتی تو ان نالیوں کے راستے جو ان عمارتوں کو شیریں نہر سے ملاتی تھیں، پانی جمع ہوتا رہتا تھا، اس کے بعد لوگ سال بھر اس پانی کو پیتے رہتے۔

اسکندریہ کے فتح کرنے کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے خط کے ذریعہ اس کی فتح کی جو اطلاع دی اس میں بھی اس شہر کے حسن تعمیر اور جلال و جمال کو بیان کیا لیکن اس کی جزئیات نگاری کی تصویر کشی سے اپنے آپ کو عاجز پاتے ہوئے نہایت اختصار سے یوں لکھا:

''میں نے ایک شہر فتح کیا ہے جس کی تعریف سے زبان وقلم دونوں درماندہ ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے یہاں چار ہزار عمارتیں اور اتنے ہی حمام پائے۔ اس شہر میں چالیس ہزار یہودی آباد ہیں جن پر جزیہ عائد کر دیا گیا ہے اور چار سو شاہی رقص گاہیں ہیں۔''

آپ جب سیدنا معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کو فتح کی خوش خبری کے ساتھ مدینہ روانہ کرنے لگے، تو معاویہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ کوئی امیر المومنین کے نام خط نہیں دیں گے۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں خط لکھ کر کیا کروں گا۔ کیا تم عرب نہیں ہو کہ فتح کا پیغام پہنچا سکو اور جو کچھ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اسے امیر المومنین کے سامنے بیان کر سکو۔''

Marfat.com

سیدنا معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ دن رات سفر کی منزلیں طے کرتے ہوئے دوپہر کے وقت مدینہ طیبہ پہنچے۔ مسجد کے باہر اونٹنی کھڑی کی اور مسجد کے دروازے کے قریب جا کر بیٹھ گئے۔ مسجد میں اس لیے آ کر بیٹھ گئے کہ انہیں خیال گذرا کہ یہ آرام کا وقت ہے ہوسکتا ہے کہ امیر المومنین آرام فرما رہے ہوں۔ اتفاق سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے گھر سے ایک لونڈی ادھر آ نکلی اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے جسم پر سفر کا لباس اور چہرے پر تکان کے آثار دیکھ کر سمجھ گئی کہ یہ مصر سے آئے ہیں۔ وہ تیزی سے کاشانہ خلافت میں داخل ہوئی اور فوراً واپس آ کر بولی کہ امیر المومنین آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس کے پیچھے پیچھے کاشانہ خلافت میں داخل ہوئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھتے ہی سوال کیا: ''کیا خبر لائے ہو؟'' سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: امیر المومنین مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اسکندریہ فتح کرا دیا۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو لے کر مسجد تشریف لائے اور لوگوں کو جمع ہونے کا اعلان کرایا۔ جب لوگ جمع ہوگئے تو امیر المومنین نے فرمایا: ''اٹھو اور اپنے ساتھیوں کو فتح کی تفصیل سناؤ۔'' جب معاویہ رضی اللہ عنہ حال سنا چکے تو نماز شکر ادا کی۔ اس کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر گھر تشریف لائے اور بارگاہ اللہ رب العزت میں دعائیں مانگنے لگے پھر لونڈی کو کھانا لانے کا حکم دیا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے جھجک جھجک کر کھانا کھایا، بعد میں کچھ کھجوریں بھی آئیں، معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ بھی جھجکتے ہے کھائیں۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوگئے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''معاویہ! تم سیدھے میرے پاس کیوں نہیں آئے؟ مسجد میں کیوں چلے گئے؟'' معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''میں سمجھ رہا تھا کہ قیلولہ فرما رہے ہوں گے'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''معاویہ تم نے غلط سمجھا، اگر میں دن کو سوؤں تو رعیت کا نقصان ہے اور اگر رات کو سوؤں تو میرا اپنا نقصان ہے۔ ان دونوں صورتوں میں معاویہ! نیند کیسے آسکتی ہے؟''

اسکندریہ کی فتح کے بعد رومیوں نے خشکی اور تری کے راستے سے اسکندریہ خالی کرنا شروع کر دیا۔ رومی تو اسکندریہ سے چلے گئے لیکن مقوقس ان کے ساتھ نہ گیا بلکہ وہ اسکندریہ میں اپنے محل ہی میں مقیم رہا۔ مرا وہیں ایک قبرستان میں دفن ہوا۔ مسلمانوں نے اسکندریہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا اور کاروبار حکومت چلانے لگے۔ اور اس طرح سے رومی سلطنت کا ہمیشہ کے لیے مصر سے خاتمہ ہوگیا۔

اسکندریہ مصر کا پایہ تخت تھا۔ اس کی فتح اس بات کا اعلان تھی کہ پورا مصر مسلمانوں

Marfat.com

کے ہاتھ آ گیا ہے۔ اسکندریہ کی فتح کے بعد جو بعض چھوٹے چھوٹے شہر رومی فوج کے قبضہ میں تھے وہ بغیر آتش جنگ بھڑکانے کے ہی مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے۔ صرف معمولی سی تعداد تھی جس نے شاید مسلمانوں سے مزاحمت کی ہو۔ کیونکہ رومی اب سمجھ گئے تھے کہ وہ مسلمانوں سے جنگ کریں یا اطاعت قبول کریں، ہلاکت بہرحال ان کا مقدر ہو چکی ہے۔

(الدولۃ ا سلامیۃ فی عصر الخلفاء الراشدین: ۲۲۴۔۲۲۹)

مصر تو مکمل طور پر فتح ہو گیا لیکن سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی نگاہ بڑی دور بین تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ برقہ اور طرابلس میں رومی فوجیں موجود ہیں۔ خطرہ ہے کہ وہ قلعہ بند ہو جائیں اور موقع پا کر مصر پر حملہ کر دیں۔ لہٰذا ان کا بھاگنا نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسکندریہ کے انتظام سے فارغ ہو کر برقہ پر فوج کشی کی۔ وہ نہایت لطف و آرام کے ساتھ برقہ پہنچے اور معمولی سی مزاحمت کے بعد اہل برقہ نے مسلمانوں سے صلح کر لی اور تیرہ ہزار دینار سالانہ جزیہ دینے پر رضامند ہو گئے۔ برقہ طرابلس کا ایک صوبہ تھا اور یہ شہر اس مقام پر آباد تھا جہاں آج بن غازی کا شہرہ ہے۔ یہ صوبہ نہایت زرخیز تھا اسی وجہ سے یہاں کی آبادی بہت زیادہ تھی۔ زعفران کی کاشت بھی ہوتی تھی۔

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ برقہ کی فتح کے بعد طرابلس روانہ ہوئے۔ یہ ایک بندرگاہ تھی جس کی حفاظت رومیوں کا ایک لشکر کرتا تھا۔ طرابلس کے لوگوں نے جب مسلمانوں کو شہر کی طرف آتے دیکھا تو شہر بند ہو گئے اور شہر کے دروازوں کو قفل چڑھا دیے۔ مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن انہوں نے عربوں کے محاصرے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور بیرونی مدد کا انتظار کرنے لگے۔ لیکن جب کئی ہفتوں کے بعد باہر سے کوئی مدد نہ آئی تو پریشان ہو گئے۔ اسی اثنا میں مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ سمندر کی طرف سے شہر بالکل غیر مسلح ہے۔ چنانچہ کچھ مسلمان فوجی چوری چھپے اس طرف سے شہر میں داخل ہو گئے اور داخل ہوتے ہی نعرہ تکبیر بلند کیا۔ تکبیر کی آواز سن کر رومی حوصلہ ہار بیٹھے اور فرار ہونے لگے۔ چنانچہ وہ شہر چھوڑ کر کشتیوں کے ذریعہ بھاگ گئے۔ ادھر دربانوں نے شہر کے دروازے کھول دیے۔ عرب فوج شہر میں داخل ہو گئی اور شہر پر قبضہ کر لیا۔

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے قاصد کے ذریعہ برقہ اور طرابلس کی فتح کی نوید سنائی اور ساتھ ہی درخواست کی کہ انہیں تیونس اور اس سے آگے شمالی افریقہ کی طرف بڑھنے کی اجازت

Marfat.com

دی جائے۔ لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی اس درخواست کو نامنظور کر دیا۔ چنانچہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ واپس برقہ تشریف لے آئے۔ بعد ازیں انہوں نے عقبہ بن نافع فہری کو مصر کی جنوبی سرحدوں کی طرف بھیجا اور ان سرحدوں کو بھی مستحکم کیا۔ اب انہوں نے مصر کے نظم ونسق کی طرف توجہ دی۔ آپ نے محاصل کا جو نظام مصر میں جاری کیا اس میں اس رقم کے مقابلہ میں بہت کم رقم اہل مصر سے وصول کی جاتی جو رومی اپنے زمانہ حکومت میں ان سے لیتے تھے۔ چنانچہ علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اہل مصر سے دس لاکھ دینار خراج وصول کرتے تھے اور مقریزی کا بیان ہے کہ رقم ایک کروڑ بیس لاکھ تھی۔ ہوسکتا ہے کہ مقریزی نے خراج اور جزیہ دونوں رقوم کا ذکر کیا ہو۔ لیکن اس بات پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ اہل مصر سے جزیہ کی درمیانی رقم ۲ دینار فی کس تھی جس میں طبقاتی فرق سے کمی بیشی ہوتی تھی اور جن مصریوں پر جزیہ عائد کیا گیا تھا ان کی تعداد ایک روایات کے مطابق ساٹھ لاکھ اور دوسری روایت کے مطابق اسی لاکھ تھی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الدولۃ الاسلامیۃ فی عصر الخلفاء الراشدین: ۲۳۱)

یہ تھی مختصری داستان فتح مصر کی۔ یہ شخص (سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ) چار ہزار سے بھی کم لشکر لے کر مصر روانہ ہوا۔ پھر امیر المومنین کی معمولی سی کمک کے ساتھ یہ پورا ملک فتح کیا اور فتح کرنے کے بعد اس ملک کی سیاست اور اس کا نظام حکومت مرتب کیا اور اس کے باشندوں کا دل ہاتھ میں لیا۔ رومیوں سے نفرت اور مسلمانوں سے محبت ان کے دلوں میں ڈالی۔ اس لیے جس نے بھی کہا بالکل صحیح کہا۔

''اسلامی مصر اپنے وجود میں جتنا سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا احسان مند ہے، اتنا عراق شام اور ایران میں سے کوئی ملک اپنے مسلمان فاتح کا ممنون نہیں۔''

Marfat.com

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۰ سال چھ ماہ اور چار دن حکومت کی۔ انہوں نے اس طرح حکومت کی کہ ان سے قبل کسی نے ایسی حکومت کی اور نہ ان کے بعد کوئی ایسی حکومت کر سکے گا۔ چنانچہ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ سواری کو دوڑائے جا رہے ہیں۔ پوچھا: ''امیر المؤمنین! کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟'' فرمایا: ''بیت المال کا ایک اونٹ فرار ہو گیا ہے اسے تلاش کرنے جا رہا ہوں۔'' یہ سن کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''آپ نے اپنے بعد والے خلفاء کو نہایت مشقت میں ڈال دیا۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ابوالحسن! یہ کوئی قابل ملامت شئے نہیں ہے، اس ذات کی قسم جس نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت و نبوت کے ساتھ مبعوث فرمایا! اگر بکری کا بچہ بھی فرات کے کنارے جا کر گم ہو جائے تو قیامت کے روز اس کی بھی عمر رضی اللہ عنہ سے پرسش ہو گی۔''

(سیرۃ عمر بن الخطاب: ص ۱۴۰، البدایہ والنہایہ: ۷/۱۳۶)

امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک مثالی خلیفہ تھے جو عابد و زاہد، متقی، قوی، امین، امت کے لیے ایک ناقابل تسخیر قلعہ، پوری مدت خلافت دین کی خدمت اور امت کی بہتری میں گزار دی۔ لشکروں کے قائد اعلیٰ، فقیہ، مجتہد کہ جس کی رائے سب پر غالب ہو، قاضی عادل، رعیت کے لیے ایک شفیق باپ جو چھوٹے بڑے، کمزور اور طاقت ور، غنی اور فقیر سب پر نظر شفقت رکھتا ہو، اپنے عہد خلافت اسلامی ریاست کا مضبوط ستون، حکیم و حازم، ایران کے مختلف معرکوں کا قاعد اعظم، جیسے قادسیہ، مدائن، جلولاء اور نہاوند وغیرہ کے معرکے تھے، شام اور مصر کا فاتح اعظم اور بازنطینی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے والی شخصیت۔

(الخلیفہ الفاروق عمر بن الخطاب، للمعانی: ص ۱۵۱)

Marfat.com

جزیرہ نما عرب میں اسلامی اقتدار کو عظمت بخشنے والا، جس کی خلافت فتنوں کے سامنے ایک بنیان مرصوص تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان فتنوں کے سامنے ایک مغلق دروازہ تھے کہ ان کی زندگی میں کوئی فتنہ مسلمانوں کی زندگی میں دراندازی نہ کر سکا اور نہ ہی کسی فتنہ کو ان کے عہد خلافت میں سر نکالنے کی جرأت ہوئی۔ (الخلفاء الراشدون، خالدی: ص ۷۷)

جتنا عرصہ انہوں نے بار خلافت اٹھائے رکھا ان کے صبح و شام اللہ کے دین کے لیے وقف تھے۔ انہوں نے جہاں مدینہ طیبہ میں بیٹھ کر مصر، شام، عراق اور ایران پر اپنی فوجوں کو اس طرح لڑایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر محاذ پر انہیں کامیابی سے ہم کنار کیا، اور جہاں وہ سپریم کمانڈر تھے وہاں فقیہ اکبر اور مجتہد اعظم بھی تھے۔ طاقتوروں سے کمزوروں کو ان کا حق دلواتے۔ وہ ایک بندۂ مومن تھے اور ایک کامیاب سیاست دان بھی۔ غرض کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی خوبیوں سے نوازا ہوا تھا۔ ان کی عمر ۶۳ برس کے لگ بھگ ہوئی تو حقیقت یہ ہے کہ حکومت کی ذمہ داریوں سے ان کے کندھے شل ہو گئے، اعصاب جواب دے گئے تھے اور اب انہیں سن و سال کا بوجھ کچھ زیادہ محسوس ہونے لگا۔ سلطنت کے حدود و ثغور میں وسعت پیدا ہونے کے باعث ان کی راتوں کی نیند اور دن کا آرام قریباً ختم ہو گیا تھا۔ بعض حضرات ان پر غصب خلافت کا الزام لگاتے ہیں حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ خلافت سے انہوں نے کوئی ذاتی منفعت حاصل نہیں کی بلکہ پوری زندگی تنگ دستی میں اور سختیاں جھیلتے جھیلتے گزار دی۔ خلافت غصب کرنے سے انہیں کیا فائدہ ہوا؟

امیر المومنین ہونے کی حیثیت سے آپ ہر سال حج کو تشریف لے جاتے تھے اور حج کے ایام میں اپنے گورنروں اور عمال کو مکہ بلاتے تھے تاکہ ان کی کارکردگیوں کا جائزہ لیا جا سکے اور صوبوں کے نظم و نسق میں ان کی راہ نمائی کی جا سکے۔ چنانچہ وہ اپنی زندگی کے آخری سال یعنی ۲۳ھ میں بھی حج کو تشریف لے گئے۔ جب ارکان حج سے فارغ ہوئے تو منیٰ سے ابطح میں اپنا اونٹ بٹھایا۔ کچھ سنگریزے اکٹھے کر کے ایک چبوترہ سا بنایا اور اس پر اپنی چادر ڈال کر چت لیٹ گئے اور اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا:

"اے اللہ! میری عمر زیادہ ہو گئی ہے، ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں، تو تیں ایک ایک کر کے جواب دے گئی ہیں، اور مملکت کی سرحدوں میں وسعت ہونے کی وجہ سے رعایا پھیل گئی ہے۔ اب مجھے اپنے پاس بلا لے اس حال میں کہ میرا دامن عجز اور ملامت سے

Marfat.com

پاک ہو۔" (تاریخ المدینۃ المنورۃ: ۸۷۲/۳)

سیدنا زید بن اسلم کی روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دعا فرمائی:

"اللھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلك، واجعل موتی فی بلد نبیك"

"اے اللہ! مجھے اپنے رستہ میں شہادت مرحمت فرما اور اپنے نبی کے شہر میں مجھے موت عطا فرما۔"[1]

(تاریخ المدینۃ: ۸۷۲/۳، الطبقات الکبریٰ لابن سعد: ۳۳۱/۳، اسنادہ حسن)

ابن سعد نے الطبقات میں روایت نقل کی ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مکہ سے واپس آتے ہی جمعہ کے روز مدینہ طیبہ میں ایک عام خطبہ دیا جس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

"لوگو! میں نے ایک خواب دیکھا ہے جسے میں اپنی موت کا پیام سمجھتا ہوں۔ میں نے دیکھا ایک سرخ رنگ کے مرغے نے مجھے دو ٹھونگیں ماری ہیں۔ اے لوگو! تم پر احکام فرض کر دیئے گئے، تمہارے لیے قانون حیات مرتب کر دیا گیا اور تمہیں ایک کھلی شاہراہ پر ڈال دیا گیا۔ اب یہ اور بات ہے کہ تم لوگوں کو ادھر ادھر بھٹکا دو۔"

(طبقات ابن سعد: ۳۳۴/۳، مسند احمد، رقم: ۸۹)

اس طرح کی اور بھی کئی خوابیں سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ وغیرہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے انتقال اور شہادت کے بارے میں آئیں۔

(ملاحظہ ہو محض الصواب: ۸۶۹/۳، تاریخ المدینہ: ۸۶۸/۳، الطبقات الکبریٰ: ۳۳۱/۳)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس بات کے سخت خلاف تھے اور اس بات کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ مفتوحہ علاقوں کے غلام اسلامی ریاست کے دارالخلافہ مدینہ منورہ میں سکونت پذیر ہوں۔ چنانچہ وہ عراق و ایران کے مجوسی اور شام اور مصر کے عیسائیوں کو مدینہ طیبہ میں اقامت اختیار

---

[1] سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شہادیت کی تمنا فرمائی اور شہادت کی تمنا مستحب ہے اور یہ چیز موت کی تمنا کے مخالف ہے۔ ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ موت کی تمنا سے مراد وقت سے پہلے موت طلب کرنا، اور شہادت کی تمنا کا مطلب یہ ہے کہ موت تو وقت پر ہو لیکن شہادت کی موت ہو۔ شہات کی تمنا سے وقت سے پہلے موت کی طلب نہیں ہے بلکہ اس میں شہادت کی فضیلت کی طلب ہے۔ (محض الصواب فی فضائل امیر المؤمنین عمر بن الخطاب: ۷۹۱/۳)

Marfat.com

کرنے سے منع فرماتے تھے مگر یہ کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ ان کا یہ موقف حکمت پر مبنی تھا کیونکہ ان شکست زدہ علاقوں کے لوگ اسلام سے بغض رکھنے والے اور مسلمانوں کے لیے دل میں کینہ رکھنے والے تھے اور وہ ہر وقت اس بات کی کوشش میں رہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں سے مکر وفریب کر کے انہیں نقصان پہنچایا جائے۔ اس وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ انہیں مدینہ میں سکونت اختیار کرنے سے روکتے تھے تاکہ مسلمان ان کے شر سے محفوظ رہیں۔ لیکن مدینہ طیبہ میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے تھے جن کے ہاں عیسائی اور مجوسی غلام تھے۔ انہوں نے امیر المومنین سے منت سماجت کر کے ان غلاموں کے لیے خاص اجازت لی تھی تاکہ وہ (غلام) مختلف کاموں میں ان کا ہاتھ بٹا سکیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بادل نخواستہ انہیں اجازت تو دے دی تھی لیکن آخر میں ہوا وہی جس کا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اندیشہ اور خطرہ تھا۔

(الخلفاء الراشدون، خالدی: ص۸۳)

طبری اور دوسرے مؤرخین نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب حج بیت اللہ سے واپس آئے تو ایک روز وہ بازار میں گشت فرما رہے تھے۔ آپ سے فیروز ابولؤلؤ ایرانی ملا اور کہنے لگا: ''امیر المومنین! مجھے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے بچایئے، یہ مجھ سے بہت خراج لیتا ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''تم اسے کتنا خراج ادا کرتے ہو؟'' اس نے جواب دیا: ''دو درہم روزانہ'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا 'اور تم کام کیا کرتے ہو؟'' اس نے جواب دیا: 'کام تو میں کئی کرتا ہوں۔ نجاری، آہن گری اور نقاشی کا۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تمہارے پیشوں کو دیکھتے ہوئے یہ دو درہم روزانہ کا اخراج کوئی زیادہ معلوم نہیں ہوتا۔ میں نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ اگر میں چاہوں تو ہوا سے چلنے والی چکی بھی بنا سکتا ہوں۔'' وہ کہنے لگا: ''ہاں'' فرمایا: ''تو پھر مجھے ایک ایسی چکی بنا دو۔'' اس نے جواب دیا: ''اگر میں زندہ رہا تو آپ کے لیے ایک ایسی چکی بناؤں گا، جس کو مشرق سے مغرب تک دنیا یاد کرے گی۔'' یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بڑے ذہین آدمی تھے۔ اتنی بڑی سلطنت کے فرماں روا تھے۔ جب وہ اٹھ کر چلا گیا تو آپ نے حاضرین سے فرمایا: ''اس غلام نے مجھے ابھی ابھی دھمکی دی ہے۔''

یہ بات کہہ کر سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ گھر تشریف لے گئے۔ دوسرے روز کعب احبار ان کے پاس آئے اور کہا: ''امیر المومنین! سن لیں آپ تین روز میں انتقال کر جائیں گے'' یہ بات کہنے والے کعب احبار تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ یہودیوں کے ایک

Marfat.com

بہت بڑے عالم تھے اور سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں روایات کے مطابق اکثر حاضر ہوتے رہتے تھے۔ وہ آپ کی خدمت میں اپنا میلان اسلام کی طرف ظاہر کرتے تھے، لیکن اعلان اس وقت کرنا چاہتے تھے جب ان پر وہ تمام علامات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائیں جو سرکار دو علام ﷺ کے بارے میں تورات میں پائی جاتی تھیں۔ کہتے ہیں عہد نبوت میں اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافتوں میں وہ برابر دین یہود پر قائم رہے اور جب شہادت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کا اعلان سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں ہوا تو انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ اتنی دیر تک اپنے اسلام کا اظہار اور اعلان نہ کرنا معلوم نہیں کس مصلحت کے تحت تھا۔ بہرحال نیتوں کو تو حق تعالیٰ شانہ بہتر جانتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اپنے اسلام کا اعلان کرنے میں ان کی نیت کیا تھی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب کعب احبار کے منہ سے یہ بات سنی تو حیرت سے ان سے پوچھا: ''تمہارا کیا مطلب ہے؟'' کعب نے جواب دیا: ''میں نے تورات میں پڑھا ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کعب کے منہ سے یہ بات سن کر انگشت بدندان رہ گئے اور اسی حیرت کے عالم میں پوچھا: ''کیا واقعی تم نے عمر رضی اللہ عنہ کا نام تورات میں پڑھا ہے؟'' کعب نے کہا: ''نام نہیں پڑھا بلکہ آپ کا حلیہ اور صفات اور یہ کہ آپ کا وقت ختم ہو گیا ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیمار تو نہیں تھے اور نہ انہیں کوئی تکلیف لاحق تھی اس لیے کعب کی گفتگو سے انہیں اور بھی حیرت ہوئی۔ لیکن آپ نے اس کی اس بات پر کوئی توجہ نہ دی۔ دوسرے روز کعب پھر امیر المؤمنین کی خدمت میں آئے اور کہا: ''امیر المؤمنین! ایک دن گزر چکا ہے اور دو دن باقی رہ گئے ہیں، ایک روز بعد بس کل صبح تک ہے'' اور یہی ہوا کہ دوسرے روز صبح کی نماز میں ابولؤلؤ فیروز ایرانی نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو کاری زخم لگائے۔ اس کے بعد جب لوگ اور ان کے ساتھ کعب احبار سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کعب کو دیکھا تو فرمایا:

توعدنی کعب ثلاثاً اعدھا
ولاشك ان القول ماقال لی کعب

''کعب نے مجھے ڈرایا کہ میری زندگی کے صرف تین دن باقی رہ گئے ہیں۔ اور جو کچھ کعب نے مجھ سے کہا اس میں کچھ شبہ نہیں۔''

ابن سعد نے طبقات میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام سعد الجاری سے روایت

Marfat.com

نقل کی ہے کہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ محترمہ سیدہ ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ آپ نے اس سے رونے کا سبب پوچھا۔ اس نے کہا: ''امیر المؤمنین! یہ یہودی یعنی کعب احبار آپ کے بارے میں کہتا ہے کہ آپ جہنم کے ایک دروازہ پر کھڑے ہیں۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ماشاء اللہ، بخدا! مجھے پوری امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سعید پیدا کیا ہے۔ آپ نے کعب احبار کو بلایا اور اس سے اس کی اس بات کے بارہ میں پوچھا، کعب نے کہا: ''امیر المؤمنین! آپ عجلت سے کام نہ لیں، بخدا! یہ ذی الحجہ کا مہینہ نہیں گزرے گا کہ آپ جنت میں ہوں گے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''یہ کیا بات؟ کبھی تو جنت میں کہتا ہے اور کبھی جہنم میں۔'' اس نے کہا: ''امیر المؤمنین! بخدا! ہم اپنی کتاب تورات میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ آپ جہنم کے دروازے پر کھڑے ہو کر لوگوں کو جہنم میں گرنے سے روکیں گے اور جب آپ خود وفات پا جائیں گے تو خود جنت میں جئیں گے۔

(طبقات: ۳/۳۳۲)

اس روایت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ کعب احبار کو معلوم تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت ذی الحجہ میں ہوگی۔ یہ ان کو کیسے پتہ تھا؟ اس سوال کا جواب مشکل ہے اور جو جواب کعب نے دیا وہ ہمارے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ تورات میں ایسا نہیں ہوسکتا۔

کعب کے بتائے ہوئے وہ تین روز گزر گئے۔ چوتھے روز یعنی ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ بدھ کے روز سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نماز فجر پڑھانے کے لیے کاشانہ خلافت سے نکلے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ صفوں کے سیدھے کرنے کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صفوں کی درستگی کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ (ملاحظہ ہو بخاری: ۱/۱۰۰، مسلم: ۱/۱۸۱-۱۸۲، ابوداؤد: ۱۱۳۱، مشکوٰۃ: ۱/۹۹ وغیرہ)

اسی وجہ سے آپ نے مسجد میں کچھ لوگ مقرر کر رکھے تھے جو ہر نماز سے قبل صفیں درست کرایا کرتے تھے۔ جب صفیں درست ہوگئیں تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جماعت کے لیے تشریف لائے۔ دیکھا کہ پہلی صف کچھ آگے پیچھے ہے۔ آپ نے اسے درست کیا۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ امامت کے لیے آگے بڑھے۔ اس وقت صبح کی سفیدی پوری طرح نمایاں نہ ہوئی تھی۔ جونہی آپ نے تکبیر کہی ایک شخص اچانک آگے بڑھا اور اپنے دودھاری خنجر سے ان پر تین یا چھ وار کیے جن میں سے ایک زیر ناف پڑا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دھار والے آلے کی گرمی محسوس کی۔ زمین پر گر پڑے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نمازیوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

Marfat.com

''پکڑو! اس کتے کو، اس نے مجھے قتل کیا ہے۔''

یہ کتا کون تھا؟ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا ایرانی غلام ابولؤلو تھا۔ یہ ایران کا رہنے والا تھا اور نہاوند کی جنگ میں گرفتار ہو کر مدینہ آیا تھا۔ نہاوند کی جنگ وہ ہے جس میں ہرمزان جو کہ وہاں کا بادشاہ تھا گرفتار ہو کر آیا تھا۔ ابولؤلو ایرانی سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی غلامی میں آ گیا تھا اور ان کی اجازت سے مختلف کام کرتا تھا جن کے عوض سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ اس سے دو درہم رزانہ لیتے تھے۔ یہ اس روز سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کی نیت سے منہ اندھیرے مسجد میں آ گیا تھا۔ اس نے اپنی چادر میں ایک دو دھارا خنجر چھپا رکھا تھا جس کا دستہ درمیان میں تھا اور دونوں طرف بڑی تیز دھاروں والے پھل تھے۔ وہ مسجد میں داخل ہو کر ایک گوشہ میں چھپ گیا۔ اور جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کی تو اس نے آگے بڑھ کر آپ پر وار کیے۔

اس کے بعد اپنی جان بچانے کے لیے مسجد سے باہر بھاگا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا زخمی ہو کر گرنا تھا کہ نمازیوں میں ایک بے چینی سے پھیل گئی کہ صبح صبح اتنا ذلیل اور رسوا کن کام اور وہ بھی مسجد نبوی میں، کس نے کیا ہے؟ بہت سے لوگ اس کتے کو پکڑنے کے لیے دوڑے تاکہ اس کو اس کے گھناؤنے جرم کی قرار واقعی سزا دیں لیکن ابولؤلو فیروز نے ان کا ہاتھ اپنی کمر میں نہ پہنچنے دیا اور دائیں بائیں نہایت بے دردی سے خنجر کے وار کرنے لگا یہاں تک کہ اس نے بارہ افراد کو زخمی کر دیا جن میں ایک قول کے مطابق چھ اور دوسرے قول کے مطابق نو آدمی جانبر نہ ہو سکے۔ آخر کار ایک شخص اس کے پیچھے سے آیا اس نے اپنی چادر اس پر پھینک کر اسے نیچے گرا دیا۔ فیروز کو یقین ہو گیا کہ اب وہ پکڑا جائے گا۔ اور پکڑے جانے کی صورت میں وہ سازش عیاں ہو جائے گی اور ان پردہ نشینوں کے نام بھی ظاہر ہوں گے جو اس سازش کے پس پردہ کام کر رہے ہیں، تو اس نے اسی خنجر سے خودکشی کر کے ہمیشہ کے لیے اپنے آپ کو ختم کر لیا۔

ویسے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر سب ہی کاری زخم لگے تھے لیکن جو زخم زیر ناف لگا تھا اس سے صفاق اور آنتیں کٹ گئی تھیں، اس لیے وہ نہایت مہلک ثابت ہوا۔ ایک روایت میں ہے کہ جونہی اس ایرانی نے آپ پر وار کیے آپ مصلیٰ پر کھڑے نہ رہ سکے اور فرش زمین پر گر پڑے اور اپنی جگہ نماز پڑھانے کے لیے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو جو آپ کے پیچھے کھڑے تھے، آگے بڑھا دیا۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے قرآن حکیم کی دو انتہائی مختصر سورتیں سورۃ العصر اور سورۃ الکوثر، پڑھ کر لوگوں کو نماز پڑھائی۔

Marfat.com

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بے ہوشی یا نیم بے ہوشی کی حالت میں کاشانہ خلافت میں لایا گیا۔ زخمیوں کو علاج کے لیے دوسری جگہ لے جایا گیا۔ ابولؤلو فیروز کی لاش بطیحاء میں لے جا کر ڈال دی گئی۔ لوگ اس اچانک واقعہ پر پریشانی اور اضطراب کی حالت میں اس پر گفتگو کرنے لگے۔ ہر شخص کی زبان پر اسی المناک حادثہ کا ذکر تھا۔ جن لوگوں نے اپنی آنکھوں سے اس حادثے کو دیکھا ان کی عقلیں حیران تھیں کہ یہ واقعہ کیوں کر ہوا اور کیسے ہوا؟ اس کے اسباب کیا تھے؟

فوری طور پر اصحاب الرائے اور جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کاشانہ خلافت میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے پہنچے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت کاشانہ خلافت میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ آپ پر مسلسل غشی طاری تھی۔ جب صبح نمودار ہوئی تو آپ کو کچھ ہوش آیا۔ انہوں نے اپنے گرد آدمیوں کا ہجوم دیکھا تو فرمایا: ''لوگوں نے نماز پڑھ لی؟'' میں نے کہا: ''ہاں۔'' فرمایا: ''جس نے نماز چھوڑی اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔'' پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے مطابق سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ باہر آئے اور اونچی آواز سے لوگوں سے کہا: ''امیر المؤمنین دریافت فرماتے ہیں کیا یہ واقعہ تم لوگوں کے مشورہ سے ہوا؟'' جونہی یہ الفاظ انہوں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے منہ سے سنے، سہم گئے کیونکہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ بات لوگوں کی طرف رخ کر کے کہی تھی۔ لہٰذا وہاں موجود سب لوگوں نے یک زبان ہو کر کہا: ''معاذ اللہ! ہمیں اس بات کا کوئی علم نہیں کہ یہ حادثہ کیوں ہوا اور اس کے کیا عوامل ہیں؟'' ہو بھی کیسے سکتا تھا۔ مدینہ طیبہ کے سارے لوگ آپ کے جان نثار تھے۔ اگر انہیں یہ بات معلوم ہوتی کہ امیر المؤمنین پر حملہ ہونے والا ہے تو وہ اپنی جانیں قربان کرنے سے دریغ نہ کرتے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ قاتل کا خنجر سینہ عمر رضی اللہ عنہ میں نہیں قلب کائنات میں پیوست ہوا ہے۔ وہ یہ حرکت کیسے کر سکتے تھے کیونکہ وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لیل و نہار سے واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام مسلمانوں کی فتح کی پیش گوئی تھا، ان کی ہجرت نصرت خداوندی تھی اور ان کی حکومت لوگوں کے لیے باعث رحمت و برکت تھی۔

(ابن سعد: ۳/ ۲۷۰)

لہٰذا وہ اس رحمت و برکت کو اپنے ہاتھوں کیسے برباد کر سکتے تھے؟ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا کہ ''امیر المؤمنین پر حملہ کس نے کیا ہے؟'' لوگوں نے کہا: ''اللہ کے دشمن ابولؤلو فیروز ایرانی نے جو سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا غلام ہے۔''

Marfat.com

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے بستر پر لیٹے ہوئے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے منتظر تھے کہ وہ اس سوال کا کیا جواب لاتے ہیں۔ انہیں اس طبیب کا بھی شدت سے انتظار تھا جو ان کے علاج کے لیے بلایا گیا تھا۔ جب سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ واپس آئے اور لوگوں کا جواب انہیں سنایا اور بتایا کہ حملہ ایرانی غلام ابولؤلو فیروز نے کیا ہے اور اس نے دوسرے چند اور لوگوں کو بھی زخمی کر کے خودکشی کر لی ہے تو امیر المؤمنین نے فرمایا: ''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میرا قاتل کسی ایسے شخص کو نہیں بنایا جو اس کے حضور اپنے کبھی کے کیے ہوئے ایک سجدے کو میرے لیے حجت بناتا۔ الحمدللہ! مجھے کسی عرب مسلمان نے قتل نہیں کیا۔''

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک عرب طبیب آیا اور اس نے آپ کو نبیذ پلائی۔ وہ نبیذ جب ناف کے نیچے والے زخم سے باہر نکل گئی تو بالکل خون معلوم ہوتی تھی۔ طبیب نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''امیر المؤمنین! اللہ کو یاد کیجیے۔'' اس جملہ سے اس کا مطلب یہ تھا کہ آپ کی صحت کی امید بہت کم ہے۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے بالکل درست کہا۔ اگر اس کے سوا تم کوئی اور بات کہتے تو غلط اور جھوٹ کہتے۔ طبیب کی بات سن کر حاضرین پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اور وہ رونے لگے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب انہیں روتے دیکھا تو فرمایا: ''ہم پر آنسو نہ بہاؤ، جسے رونا ہو وہ یہاں سے چلا جائے۔ کیا تم لوگوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا کہ رشتہ داروں کے رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے۔''

ادھر کاشانہ خلافت میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے اہل الرائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم طبیب سے مشورہ کر رہے تھے اور وہ آپ کے بارے میں مایوسی کا اظہار کر رہا تھا تو دوسری طرف کاشانہ خلافت کے باہر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مختلف ٹولیوں میں ایک دوسرے سے یہ پوچھ رہے تھے کہ ''ابولؤلو فیروز نے یہ ذلیل حرکت کیوں کی؟ کیا یہ کوئی سازش تو نہیں؟ ابولؤلو کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے آخر کیا دشمنی تھی جس کی وجہ سے اس نے اتنا بڑا کام کیا''؟ یہ سب سوالات ان کے ذہنوں میں گھوم رہے تھے اور وہ ان سوالات کا جواب تلاش کر رہے تھے لیکن ان کا تسلی بخش جواب انہیں نہیں مل رہا تھا۔ مؤرخین نے اس بارے میں بہت سی روایات نقل کی ہیں لیکن یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت ایک بہت بڑی سازش کا نتیجہ تھی۔ جس کا پروگرام اندرون مدینہ کئی دنوں سے بن رہا تھا لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کے بارے میں کوئی علم نہ تھا۔ کیونکہ ان کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ مدینہ طیبہ میں بھی کوئی شخص آپ کی

Marfat.com

شہادت کا منصوبہ بنا سکتا ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کاشانہ خلافت میں بستر پر لیٹے تھے۔ طبیب انہیں سفر آخرت کی تیاری کا مشورہ دے رہا تھا اور ارباب حل وعقد اس ناگہانی مصیبت کے متعلق ان سے گفتگو کر رہے تھے جو مسلمانوں کے اس عظمت مآب خلیفہ (جس سے قیصر و کسریٰ کانپتے تھے) کی وفات کے بعد خطرناک نتائج کا سبب بن سکتی تھی۔ قریباً ۳۱ لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی اس سلطنت کا عمر رضی اللہ عنہ کے بعد کون خلیفہ اور جانشین ہوگا یہ مسئلہ اس وقت ہر شخص کی توجہ کا مرکز تھا۔ خود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی اب اس بارے میں سخت پریشان تھے۔ سب حضرات بیٹھے ہوئے تھے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ سے کہا: ''بہتر ہوتا اگر آپ کسی کو خلیفہ نامزد کر دیتے۔''

یہ ساری باتیں سن کر امیر المؤمنین نے فرمایا: ''اگر میں کسی کو خلیفہ نامزد کروں تو کر سکتا ہوں کیونکہ جو مجھ سے بہتر تھے یعنی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ انہوں نے اپنا خلیفہ نامزد کیا تھا۔ اور اگر خلیفہ نامزد نہ کروں تو یہ بھی کر سکتا ہوں کیونکہ جو مجھ سے بہتر تھے یعنی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم انہوں نے کسی کو اپنا خلیفہ نامزد نہیں فرمایا تھا۔ (صحیح البخاری: ۲/۱۰۷۲، مسلم: ۲/۱۲۰)

سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین سے عرض کی: ''اگر آپ مسلمانوں کے کسی فرد کے متعلق اشارہ فرما دیتے تو لوگ آپ کو امین سمجھتے۔'' امیر المؤمنین نے جواب میں فرمایا: ''میں اپنے بعض ساتھیوں میں حرص کی سرسراہٹ پاتا ہوں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سلطنت کی پہنائیوں میں جو اضافہ ہوا خطرہ تھا کہ کہیں کسی کے دل میں حرص اور باہمی رشک و منافست کے جذبات انگڑائیاں نہ لینے لگیں۔ چنانچہ طبری اور ابن اثیر کی روایت کے مطابق آپ نے سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا نام لیا کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو میں انہیں ضرور خلیفہ نامزد کر جاتا اور اگر میرا رب مجھ سے پوچھتا تو میں کہہ دیتا کہ میں نے تیرے نبی کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اس امت کے امین ہیں۔ اور اگر سالم رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو میں امور خلافت ان کے سپرد کر دیتا اور اگر میرا رب مجھ سے پوچھتا تو میں کہہ دیتا کہ میں نے تیرے نبی کو فرماتے سنا ہے کہ سالم رضی اللہ عنہ مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ ابن قتیبہ نے الامارۃ والسیاسۃ میں لکھا ہے کہ آپ نے کچھ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام بھی لیے۔ فرمایا: ''اگر میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو پاتا تو انہیں خلیفہ نامزد کر دیتا اور اگر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو میں خلافت کی یہ ذمہ داری ان کے سپرد کر دیتا۔'' کسی شخص نے کہا کہ

Marfat.com

اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ فرمایا: وہ میرے نزدیک اتنا عقل مند نہیں کہ تمہاری زمام کار سنبھال سکے۔ یہ میرے لیے کوئی پسندیدہ بات نہ ہوگی کہ میں اپنے کسی گھر والے کے لیے خلافت کی تمنا کروں۔ اگر خلافت کوئی بھلائی ہے تو ہمیں حاصل ہو چکی۔ اور اگر برائی ہے تو اس کا ہم سے دور ہی رہنا اچھا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کے خاندان کا ایک ہی فرد اس ذمہ داری کے احتساب اور امت محمدی کی مسئولیت کے لیے کافی ہے۔ بہرحال میں نے اپنے نفس سے جنگ کی اور اپنی اولاد کو محروم کر دیا۔ اس کے بعد بھی اگر مجھے نجات مل جائے اور میں برابر سرابر چھوٹ جاؤں تو یہ میری نہایت خوش قسمتی ہوگی۔

(طبری: ۲۹۲/۳، عثمان بن عفان، عباس محمود عقاد: ص ۱۵۱)

جانشینی کا یہ مسئلہ نہایت اہم تھا۔ اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کو حل نہ فرماتے تو خطرہ تھا کہ یہ کہیں الجھ نہ جائے۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں جو واقعات پیش آئے وہ سب آپ کے سامنے تھے اور اب تو سلطنت کی وسعت کے باعث صورت حال اس سے بھی کہیں زیادہ نازک تھی۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں تو خلافت کا دعویٰ مہاجرین و انصار تک محدود تھا، لیکن اب تو عرب و عجم اور عراق و شام کی جنگوں میں تمام عرب قبائل نے شرکت کی تھی، لہٰذا ہر قبیلہ یہ سمجھتا تھا کہ انتخاب خلیفہ میں اس کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا اہل مدینہ کا۔ یہ ساری باتیں اس نوزائیدہ سلطنت کے لیے نہایت خطرناک تھیں۔ چنانچہ آپ نے اس مسئلہ کو ادھورا نہ چھوڑا بلکہ فرمایا:

''تمہارے لیے یہ لوگ ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں۔ اور وہ علی رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان میں سے ایک آدمی کو منتخب کر لو۔ جب وہ آپس میں سے ایک کو خلیفہ بنا لیں تو اس کے ساتھ پورا پورا تعاون کرو۔'' (طبری: ۲۹۳/۳)

ان حضرات کی خلافت کے سلسلہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ ''میں نے ان لوگوں سے زیادہ کسی کو خلافت کا اہل اور حق دار نہیں پایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پوری زندگی ان سے خوش رہے۔ ان میں سے جس کو بھی خلیفہ بنایا جائے وہی میرے بعد خلیفہ ہوگا۔'' پھر فرمایا کہ ''اگر خلافت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ملے تو انہیں دے دی جائے کیونکہ میں نے انہیں کسی کمزوری اور خیانت کی وجہ سے گورنری سے معزول نہیں کیا تھا۔

Marfat.com

پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کو بلایا اور ان کو کچھ وصیتیں فرمائیں۔ جب لوگوں کو پتہ چلا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انتخاب خلیفہ کے لیے چھ افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنالی ہے تو انہیں اطمینان ہو گیا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو مشورہ میں شریک کر لینا لیکن خلافت سے اسے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اب خواہش یہ تھی کہ یہ معاملہ ان کے انتقال سے پہلے پہلے باہمی مشاورت سے طے پا جائے تاکہ وہ اسلام اور سلطنت کے انجام کی طرف سے پورے طور پر مطمئن ہو کر اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کریں۔ جس روز سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر یہ قاتلانہ حملہ ہوا سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں موجود نہ تھے بلکہ اپنے کسی ذاتی کام کے سلسلہ میں مدینہ سے باہر گئے ہوئے تھے۔ وہ کب واپس آئیں گے؟ اس کا علم کسی کو نہیں تھا۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اپنے بھائی طلحہ رضی اللہ عنہ کا تین روز انتظار کرنا۔ اگر وہ آجائیں تو ٹھیک ورنہ اپنے اس معاملہ کا فیصلہ کر لینا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اگر وہ نہ آئیں تو ان کی جگہ میرے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو مشورہ میں شامل کر لینا۔ اور یہ تاکید فرمائی کہ اس کو صرف خلافت کے لیے مشیر بنایا جائے، امیدوار نہ بنایا جائے۔

(طبری: ۲۹۳/۳، التمہید والبیان فی مقتل الشہید عثمان: ص ۱۳)

پھر فرمایا کہ طلحہ رضی اللہ عنہ کی کون حامی بھرتا ہے کہ ان کو تمہارا فیصلہ منظور ہوگا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بولے: ''میں حامی بھرتا ہوں کہ ان شاء اللہ وہ ہماری مخالفت نہیں کریں گے۔''

(طبری: ۲۹۳/۳، عثمان بن عفان، عقاد: ص ۱۵۳)

پھر آپ نے ان پانچوں حضرات کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

''میں نے بہت غور وخوض کیا کہ تم لوگ مسلمانوں کے سردار اور ان کے قائد ہو۔ امر خلافت تم ہی سے وابستہ ہے کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے وقت تم سب سے راضی اور خوش تھے۔ اگر تم لوگ درست اور متحد رہے اور تم میں تشتت و افتراق کی وجہ سے دراڑیں نہ پڑیں تو پھر مجھے مسلمانوں کے بارے میں کوئی خوف اور ڈر نہیں، لیکن اگر تم میں اختلاف واقع ہو گیا تو مسلمانوں میں بھی اختلاف و افتراق کی خلیج پیدا ہو جائے گی۔'' **(عثمان بن عفان: ص ۱۵۲، طبری: ۲۹۳/۳)**

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ ''اگر میں انتقال کر جاؤں تو صہیب رضی اللہ عنہ تمہیں تین دن نماز پڑھائیں گے۔ پھر تم اپنے معاملہ میں اتفاق کر لو۔ اور اگر اس کے بعد تم میں سے کوئی

Marfat.com

مسلمانوں کے مشورے کے بغیر خلیفہ بن بیٹھے تو اس کی گردن مار دو۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صرف یہی نہیں کیا کہ مسئلہ خلافت کو ان چھ ارکان میں منحصر کر دیا جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تاحین حیات خوش اور راضی رہے بلکہ آپ نے مستقبل کے خلیفہ کے لیے کچھ ایسے سیاسی اصول بھی مرتب فرما دیئے جن سے سلطنت کے معاملات درست رہیں۔ اس سلسلہ میں آپ نے فرمایا:

''میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اللہ سے ڈرتا رہے۔ مہاجرین اولین کے حقوق کی نگہداشت کرے اور ان کا احترام ملحوظ رکھے۔ مفتوحہ ممالک میں رہنے والے لوگوں سے اچھا سلوک کرے کیونکہ انہوں نے اسلام کی مدد کی ہے۔ دشمنوں پر غالب آئے ہیں اور مال جمع کیا ہے۔ صرف وہی کچھ ان سے لیا جائے جو ان کی ضرورت سے زائد ہو اور وہ نہایت خوش دلی سے دے دیں۔ انصار مدینہ رضی اللہ عنہ کا خاص خیال رکھا جائے کہ انہوں نے بے گھروں کو گھر دیئے اور ایمان کی حفاظت کی۔ ان کا احسان تسلیم کیا جائے اور ان کی کوتاہیوں سے چشم پوشی کی جائے۔ عربوں سے اچھے سلوک کے ساتھ پیش آیا جائے کہ یہی لوگ اصل عرب اور مادۂ اسلام ہیں۔ ان کے مال داروں سے زکوٰۃ وصول کر کے ان کے محتاجوں میں تقسیم کر دے۔ ذمیوں کے حقوق کا ہر طرح سے پاس کرے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری میں ہیں۔ ان سے جو وعدہ کیا گیا ہے اسے پورا کرے۔ ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالے اور ان کے دشمنوں سے جنگ کرے۔''

ایک روایت میں یہ بھی منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

''اے اللہ! میں نے اپنی بات پہنچا دی۔ میں اپنے بعد کے خلیفہ کے لیے بہترین اور پاکیزہ ترین ریاست چھوڑے جا رہا ہوں۔''

ہونے والے خلیفہ کو وصیت کرنے کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی ذات کے بارے میں سوچنا شروع کیا کیونکہ انہیں عنقریب اپنے خالق حقیقی سے ملنا تھا۔ چنانچہ انہیں خیال آیا کہ ان پر بیت المال کا قرض ہے جسے ادا کرنے سے قبل وہ اس دنیا کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے صاحبزادہ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اس سے اپنے اس قرض کا ذکر فرمایا۔ اور فرمایا کہ ''میرا متروکہ فروخت کر کے چھیاسی ہزار درہم کا قرض ادا کر دینا۔ اگر اس متروکہ کی

Marfat.com

فروخت سے قرض ادا ہو جائے تو بہتر ورنہ بنو عدی سے درخواست کرنا کہ وہ باقی ماندہ قرض ادا کر دیں۔ اور اگر وہ بھی پورا نہ کر سکیں تو کل قریش سے اس کی ادائیگی کی درخواست کرنا، لیکن قریش کے علاوہ کسی اور کو تکلیف نہ دینا۔

پھر سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ''میرے قرض کی ذمہ داری قبول کرو'' چنانچہ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے قرض کی ذمہ داری قبول کر لی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ابھی دفن نہیں کیے گئے تھے کہ ان کے صاحبزادے نے چند انصار اور ارکان شوریٰ کو اپنی اس ضمانت پر گواہ بنایا اور جمعہ کا روز ابھی گزرنے نہ پایا تھا کہ قرض کی رقم لے کر سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور چند گواہوں کے سامنے اس قرض کے بارِ دوش سے سبکدوش ہو گئے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ چھیاسی ہزار درہم کا یہ قرض اس طرح ادا کیا گیا کہ ان کا مسکونہ مکان فروخت کیا گیا۔ یہ مکان باب السلام اور باب الرحمۃ کے درمیان تھا۔ اس کو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خریدا۔ یہ مکان ایک مدت تک ''دار القضاء'' کے نام سے مشہور رہا۔ چنانچہ اس کی تفصیل خلاصۃ الوفاء فی اخبارِ دار المصطفیٰ صفحہ ۱۲۹ و ۱۷۹، میں مذکور ہے۔ نیز ملاحظہ ہو فتح الباری: ۷/ ۵۲۔

آپ کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ اپنے دو محترم رفیقوں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں دفن ہوں۔ زندگی میں آپ اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ

"اللهم ارزقني شهادة في سبيلك واجعل موتي ببلد رسولك"

''اے اللہ! مجھے اپنے راستہ میں شہادت کی موت دینا اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں موت کی سعادت عطا کرنا۔'' (البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۳۷)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی یہ دعا بارگاہ احدیت میں قبول ہوئی اور آپ کو شہادت فی سبیل اللہ بھی نصیب ہوئی اور مدینہ منورہ میں آپ کی وفات ہوئی اور جوار رسول میں بلکہ ''ریاض الجنۃ'' میں آخری استراحت سے نوازے گئے۔ اسی خواہش کے پیش نظر آپ نے دم واپسیں اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ

''عمر رضی اللہ عنہ آپ کو سلام عرض کرتے ہیں۔ اور مجھے امیر المؤمنین نہ کہنا کیونکہ آج میں مسلمانوں کا امیر نہیں ہوں۔ اور ان کی خدمت میں عرض کرنا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔''

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کرنے

Marfat.com

کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا پیغام دیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رو پڑیں اور فرمایا: ''یہ جگہ میں اپنے لیے چاہتی تھی لیکن آج عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے پر ترجیح دیتی ہوں۔'' سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے واپس آ کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا سلام اور ان کا جواب سنایا۔ جواب سنتے ہی آپ کا چہرہ خوشی اور مسرت سے تمتما اٹھا اور فرمایا:

''الحمدللہ ما کان من شئی اھم الی من ذالك''

''اللہ کا شکر ہے (کہ میری یہ آرزو پوری ہوئی) کیونکہ اس سے اہم اور کوئی شئے میرے نزدیک نہیں تھی۔'' (التمہید والبیان: ص ۹)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ''جب میرا انتقال ہو جائے تو ایک بار پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دفن کی اجازت طلب کرنا۔ اگر اجازت مل جائے تو بہتر وگرنہ اصرار نہ کرنا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے میرے اقتدار کی وجہ سے اجازت نہ دے دی ہو۔''

ان امور سے فراغت کے بعد اب امیر المؤمنین کی ساری توجہ اپنے نفس کے محاسبہ کی طرف مبذول ہوئی کہ عنقریب اپنے پروردگار کے حضور پیش ہونا ہے۔ جہاں ایک ایک عمل کا حساب دینا ہے۔ اس فکر سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سخت بے چین تھے۔

جس وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے محسوس فرمایا کہ اب آخری وقت آ پہنچا ہے تو اپنے بیٹے سے فرمایا: ''میرا رخسار اپنے زانو سے ہٹا کر زمین پر رکھ دو۔'' سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''میرے زانو اور زمین میں کوئی فرق ہے؟'' فرمایا: ''تیری ماں نہ رہے، میرا رخسار زمین پر رکھ دے'' جب سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آپ کا رخسار زمین سے لگایا تو اپنے دونوں پاؤں ملا کر فرمایا: ''افسوس ہے مجھ پر اور میری ماں پر، اگر مجھے اللہ تعالیٰ نے معاف نہ کیا۔ اگر مجھے اللہ نے معاف نہ کیا، بس یہی فقرہ دہراتے روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ادھر کاشانہ خلافت میں آپ کی روح آپ کے جسم کا ساتھ چھوڑ رہی تھی ادھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد نبوی میں بیٹھے آپ کی شہادت اور اس سازش کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے جس کی وجہ سے یہ شہادت ہوئی۔ کچھ حضرات اندیشہ ہائے فردا کے بارے میں باتیں کر رہے تھے کہ آپ کے بعد مسلمانوں کی اس نوزائیدہ سلطنت کا کیا حشر ہوگا؟ آپ کا جانشین ان ذمہ داریوں کے بار دوش سے بطریق احسن سبک دوش ہو سکے گا؟ پھر وہ حضرات آپ کی ان خوبیوں کے بارے میں گفتگو فرما رہے تھے کہ کس طرح انہوں نے اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال کو

Marfat.com

فراموش کر کے اپنے آپ کو صرف اللہ کے لیے، مسلمانوں کی خدمت کے لیے اور دین اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دیا اور آپ کی للہیت اور اخلاص ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ جب وہ خلیفہ ہوئے تو اسلامی حکومت صرف جزیرہ نمائے عرب تک محدود تھی لیکن آج جب وہ اس دار فانی سے رخصت ہوئے تو ایران، شام، عراق اور مصر وغیرہ کے علاقے اسلامی ریاست میں شامل ہو چکے تھے، لیکن بڑی ریاست کا فرمانروا ہونے کے باوجود آپ کی سادہ زندگی اور آپ کے زہد و تقشف میں کوئی فرق نہ آیا۔

میت کو غسل دینے کے بعد تین کپڑوں میں آپ کو کفنایا گیا اور پھر آپ کے جنازہ کو مسجد نبوی میں لایا گیا اور نماز جنازہ کے لیے اس مقام پر رکھ دیا گیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرقد مبارک اور منبر کے درمیان تھا۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ امیر المومنین کی نماز جنازہ وہ پڑھائے۔ سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو فرمایا: ''یہ صرف امارت کی حرص ہے۔ تم دونوں جانتے ہو کہ یہ معاملہ تمہارے سپرد نہیں ہے۔ نماز جنازہ کا حکم ایک اور شخص کو دیا گیا ہے۔'' پھر فرمایا: ''صہیب رضی اللہ عنہ! آؤ اور امیر المومنین کی نماز جنازہ پڑھاؤ۔'' (طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۲۷)

سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور چار تکبیروں کے ساتھ امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اس کے بعد لوگوں نے آپ کی میت اٹھائی اور سیدہ عائشہ کے حجرے پر آ کر کھڑے ہو گئے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے محترم رفیقوں کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت چاہتے ہیں؟'' سیدنا عائشہ سلام اللہ علیہا نے جواب دیا: ''بے کھٹکے چلے آؤ۔'' لوگ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے میں داخل ہوئے اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی میت کو اس آخری آرام گاہ میں اتار دیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سرشانہ نبوت کے متوازی تھا اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا سرشانہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متوازی رکھا گیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ قبر کی آغوش میں استراحت کے لیے چلے گئے کیونکہ وہ اپنے پورے دور خلافت میں مضطرب اور بے قرار ہی رہے۔ ایک لمحہ بھی انہیں زمین کی اس پیٹھ پر آرام و استراحت میسر نہ ہوا۔ اب وہ اپنے دونوں محترم دوستوں کے ساتھ آرام فرمانے کے لیے قبر کی آغوش میں چلے گئے۔ باقی لوگ بھی قریب ہی مسجد نبوی میں جمع تھے۔ غم ان کے دلوں کی تہہ میں اتر چکا تھا کیونکہ جو سورج آج ڈوبا تھا اور جو کائنات آج اجڑی تھی اور جو ستارہ آج ٹوٹا تھا

Marfat.com

اور جو چاند آج چھپا تھا، وہ سورج پھر کبھی طلوع نہ ہوا، وہ کائنات پھر کبھی آباد نہ ہوئی۔ اس ستارہ کا دوبارہ ابھرنا ممکن نہ ہوا اور اس چاند نے پھر کبھی بھی آسمان کے دریچوں سے نہ جھانکا۔ مایوسی نے ان کے حواس گم کر رکھے تھے کیونکہ انہیں ایک ایسے شخص کی موت کا صدمہ کھائے جا رہا تھا جو ہماری خزاں کو پکارتا رہا کہ اپنا دامن اس کی بہار سے بھر لے۔ وہ فطرت کا ایک عطیہ تھا اور زندگی کی صدیوں کی ایک آرزو تھی۔ جس نے شرق وغرب کی پہنائیوں میں اسلام کی دعوت کو پہنچایا۔ اسلامی نظام کو اس کی تفصیلات کے ساتھ دنیا میں رائج کیا۔ خود بھوکا رہا لیکن دوسروں کو سیر کیا۔ جو لوگوں میں اپنی روشن مثال چھوڑ گیا۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے زمام خلافت سنبھالی تھی تو لوگ ان کی شدت اور سخت گیری سے سہمے ہوئے تھے حتیٰ کہ اکثر لوگوں نے ان کی نامزدگی کی مخالفت بھی کی۔ اس کے بعد انہوں نے دس سال چھ ماہ اور چار دن ان کے درمیان گزارے اور اس عرصہ میں وہ سب سے زیادہ مشفق، سب سے زیادہ مہربان، سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والے، سب سے زیادہ عدل وانصاف کرنے والا امیر ثابت ہوئے، لہٰذا لوگوں کے دل اس کی محبت کے اسیر ہو گئے اور آج اس کی موت سے لوگوں کے دل غم ناک اور آنکھیں نم ناک تھیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا، اس نے ان کو دنیا میں سرفراز کیا۔ پہلے وہ محتاج اور تنگ دست تھے اس نے انہیں اللہ کے فضل سے غنی کر دیا تھا۔ پہلے ان کے دلوں میں ایران اور روم کی سپر طاقتوں کا خوف چھایا ہوتا تھا، اب وہ ایران وروم کے مالک ہو گئے تھے۔ اس نے اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال کو فراموش کر کے پوری دنیا میں اللہ کی یاد کی تخم ریزی کی۔ اس نے مسلمانوں کو دنیا میں عزت ووقار کی دولت سے مالا مال کیا۔ وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر ان کی خبر گیری کرتا۔ اس نے تمام لوگوں کے سامنے اس بات کا اعلان کیا کہ میرے لیے سوائے دو حلوں کے اور کچھ جائز نہیں۔ ایک حلہ سردیوں کے لیے اور دوسرا گرمیوں کے لیے۔ اور پھر اپنے اہل وعیال کے گزارے کے لیے کھانا جتنا کہ قریش کے ایک متوسط آدمی کو درکار ہو کیونکہ وہ خود کو مسلمانوں کا ایک عام آدمی سمجھتا تھا۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/۱۴۴)

لوگوں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ قحط کے زمانہ میں وہ سوائے روٹی اور تیل کے اور کچھ نہیں کھایا کرتا تھا حتیٰ کہ اس کی جلد سیاہ ہو گئی اور وہ یہ کہتا تھا کہ میں بہت برا حکمران ہوں گا اگر میں لوگوں کو بھوکا رکھوں اور خود پیٹ بھر کر کھاؤں۔ اللہ تعالیٰ کا خوف اس کے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں اس قدر جاگزین تھا کہ حق تعالیٰ کے خوف سے رو رو کر اس کے گالوں پر دو کالی

Marfat.com

لکیریں پڑ گئی تھیں۔'' (البدایہ والنہایہ: ۷/۱۳۵)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تدفین سے فارغ ہو کر لوگ منتشر ہو گئے۔ وہ اپنے گھروں کو واپس جا رہے تھے لیکن غم ان پر چھایا ہوا تھا۔ حزن و ملال کے گہرے بادل ان کے دلوں پر چھائے ہوئے تھے۔ ان میں اکثر اس دن کو یاد کرنے لگے جس دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر حملہ ہوا تھا۔ حملہ کیوں ہوا؟ اس کا سبب کیا تھا؟ کس بات نے ابولؤلو فیروز کو اس قاتلانہ حملہ پر ابھارا تھا؟ کیا اس کے پیچھے کوئی گہری سازش تو نہیں تھی؟ اس نے خودکشی کیوں کی؟ کیا اس وجہ سے تو نہیں کہ وہ سازش بے نقاب نہ ہو جائے؟ اگر اس کا خراج زیادہ تھا تو وہ امیر المؤمنین سے اس کی کمی کی درخواست کر سکتا تھا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ بعض بیرونی طاقتوں نے امیر المؤمنین کو قتل کروایا ہو اور خراج کا معاملہ محض ایک فریب ہو؟ یہ اور اس قسم کے کئی سوالات تھے جو ان کے ذہنوں کو دستک دے رہے تھے لیکن انہیں ان کا کوئی اطمینان بخش جواب نہیں مل رہا تھا۔

Marfat.com

قتل ایک سازش؟

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد تمام مسلمانوں نے انہیں ان گنت آنسوؤں اور لا تعداد دھڑکنوں کے ساتھ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جوار میں دفن کر دیا لیکن ہر شخص کا ذہن اسی بات پر آ کر رکتا تھا کہ آپ کا یہ قتل ایک گھناؤنی سازش کا نتیجہ ہے۔ خراج کا مسئلہ تو صرف ایک فریب ہے۔ اتنے معمولی سے مسئلہ پر اتنی بڑی شخصیت کا قتل کسی شخص کی عقل میں نہیں آتا تھا۔ اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے خراج میں کمی نہیں کی تھی تو وہ پھر اس کی شکایت آپ کے پاس لے کر آ جاتا اکثر لوگ اس نقطہ پر سوچنے لگے۔

جب سے مسلمان ایرانیوں اور عیسائیوں (رومیوں) پر غالب آئے تھے، جب سے ان کے ملکوں کی زمامِ حکومت مسلمانوں کے ہاتھ میں آئی تھی اور شہنشاہ ایران اپنے ملک کی وسعت کے باوجود دوسرے ملکوں میں راہِ فرار ڈھونڈتا پھر رہا تھا، اس وقت سے ایرانی، یہودی اور عیسائی، یہ تینوں اپنے دلوں میں عربوں کے خلاف عموماً اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف خصوصاً بغض و کینہ کے جذبات چھپائے بیٹھے تھے۔ مسلمانوں کی فتوحات کی یہ وسعت انہیں ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے مختلف مواقع پر اپنی گفتگوؤں میں اس بغض و کینہ کا اظہار بھی کیا تھا۔ پھر لوگوں کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات بھی یاد آتی تھی جو انہوں نے یہ معلوم کرنے کے بعد کہ ان پر حملہ کرنے والا ابولؤلؤ فیروز ایک ایرانی ہے، کہی تھی۔ فاروق اعظم نے فرمایا تھا:

''میں تم کو منع کرتا تھا کہ ہمارے پاس کسی بے دین کو گھسیٹ کر نہ لانا، لیکن تم لوگوں نے میری بات نہ مانی۔''

مدینہ میں ان عجمی بے دینوں کی گو مختصر جماعت تھی، لیکن اس کے دل غضب و انتقام سے لبریز اور اس کے سینے بغض و کینہ کی آگ سے دہک رہے تھے۔ پھر ان کے پیچھے یہودیوں،

Marfat.com

ایرانیوں اور رومی سلطنت کا پورا پورا ہاتھ تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ مسلمانوں کو میدان جنگ میں شکست نہیں دے سکے، لیکن اب ان کو اندر گھس کر شکست دینی چاہیے، لہٰذا ممکن ہے اور بہت ممکن ہے کہ ان عجمی بے دینوں نے یہ سازش کی ہو اور ابولؤلو کا یہ فعل اس سازش کا نتیجہ ہو۔

مدینہ میں رہنے والا ہر شخص اس مسئلہ پر پریشان بھی تھا اور غور و فکر بھی کر رہا تھا، لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادوں کو اصل حقیقت سے باخبر ہونے کی سب سے زیادہ بے چینی تھی، کیونکہ ان کا شفیق باپ دن دیہاڑے نماز کی حالت میں مسجد نبوی کے اندر قتل ہوا تھا۔ ابولؤلو فیروز نے خودکشی کر لی لہٰذا اس سے تو تفتیش حال نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ وہ قتل کے اس راز کو قبر کی آغوش میں اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اب ہر شخص یہی سمجھ رہا تھا کہ اگر یہ قتل سازش تھا تو اس سازش کے بے نقاب ہونے کی کوئی سبیل نہیں رہی اور یہ قصہ اب ختم ہو گیا ہے، لیکن اس سازش کے بارے میں ایک معمولی سا علم (Clue) معلوم ہو گیا جس نے اس بات کی طرف راہنمائی کی کہ یہ قتل ایک سازش کا نتیجہ تھا۔ ہوا یہ کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جب وہ خنجر دیکھا جس سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تو فرمایا: ''میں نے یہ خنجر کل ہرمزان اور جفینہ کے پاس دیکھا تھا۔ میں نے ان سے پوچھا: ''تم اس خنجر سے کیا کرو گے؟'' تو وہ بولے: ''گوشت کاٹیں گے کیونکہ ہم گوشت کو ہاتھ نہیں لگاتے'' اور سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے اس چھری کو دیکھ کر فرمایا: ''میں عمر رضی اللہ عنہ کے قاتل ابولؤلو فیروز کے پاس سے گزرا۔ ہرمزان اور جفینہ اس کے ساتھ تھے اور وہ تینوں آپس میں چپکے چپکے باتیں کر رہے تھے۔ میں اچانک ان کے پاس پہنچا تو مجھے دیکھ کر وہ بھاگے اور ایک خنجر ان کے درمیان گر پڑا جس کے دو پھل تھے اور دستہ درمیان میں تھا۔ دیکھو، وہ خنجر کیسا ہے جس سے امیر المؤمنین کو شہید کیا گیا ہے؟ لوگوں نے اس خنجر کو دیکھا تو واقعی وہی خنجر تھا جو سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے بتایا تھا۔ اب اس معاملہ میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا تھا کہ اس سازش میں کم از کم یہ تینوں آدمی تو ضرور شریک ہیں۔ یہ دونوں گواہ سچے اور صادق گواہ تھے اور وہ گواہی دے رہے تھے کہ جس خنجر سے امیر المؤمنین کو شہید کیا گیا ہے وہ ہرمزان اور جفینہ کے پاس تھا۔ ان میں سے ایک گواہ کا کہنا تھا کہ اس نے قاتل ابولؤلو فیروز کو قتل سے پہلے ان دونوں سے سازش کرتے دیکھا ہے۔ اور ان دونوں گواہوں کے بیانات کے مطابق یہ سب کچھ اس رات کا قصہ ہے جس کی صبح امیر المؤمنین پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ لہٰذا اس کے بعد کوئی شخص اس بات میں شک و شبہ نہیں کر سکتا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس سازش کا شکار ہوئے

Marfat.com

جس کے اہم کردار یہ تین آدمی تھے۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ دوسرے ایرانی یا ان قوموں کے افراد بھی اس سازش میں شریک ہوں جن پر مسلمانوں نے غلبہ پایا تھا اور آج وہ مسلمانوں کے محکوم تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادوں میں سے ایک صاحبزادہ عبیداللہ تھا۔ اس نے جب سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی یہ بات اور سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی یہ گواہی سنی تو ساری کائنات اس کی نگاہوں میں خون ہی خون ہوگئی۔ اس کے باپ کے قتل کا انتقام اس کے ذہن وقلب پر مستولی ہوگیا۔ اس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ مدینہ کے تمام پردیسی اس کے باپ کے قتل کی اس سازش میں شریک ہیں اور ان سب کے ہاتھوں سے اس جرم کا خون ٹپک رہا ہے۔ انہوں نے فوراً تلوار سنبھالی اور ہرمزان اور جفینہ کو جا کر قتل کر دیا۔ انہوں نے ہرمزان کے گھر پر جا کر اس کو آواز دی۔ جب وہ باہر نکلا تو اس سے کہا: 'ذرا میرے ساتھ آؤ اور میرے گھوڑے کو دیکھو' اور خود دروازہ سے پیچھے ہٹ گئے۔ جب وہ دروازہ سے باہر نکل کر ان کے سامنے سے گزرا تو اس پر تلوار کا ایک زوردار ہاتھ مارا کہ وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ پھر جفینہ کو بلا کر اسے قتل کیا۔ ہرمزان ایرانی بادشاہ کا ماموں تھا، نہایت چالاک اور ذہین۔ اس کا ذکر جنگ تستر میں گزر چکا ہے کہ وہ کس طرح اپنی ذہانت سے قتل ہونے سے بچ گیا۔ یزدگرد کا شہروں اور ملکوں پھرنا اسے اچھا تو نہیں لگتا تھا۔ مدینہ میں جو کچھ بھی اسے آرام ہو لیکن ایرانی حکومت تو اس زمانہ میں بہت بڑی شئے تھی۔ دوسرا شخص جفینہ حیرہ کا عیسائی اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا دودھ شریک بھائی تھا۔ اس رشتے سے سعد اسے مدینہ طیبہ لے آئے تھے جہاں وہ لوگوں کو لکھایا پڑھایا کرتا تھا۔ ان دونوں کو قتل کرنے کے بعد سیدنا عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ابولؤلؤ کی ایک چھوٹی لڑکی کو بھی قتل کر دیا۔ وہ اپنے دل میں یہ تہیہ کر چکے تھے کہ مدینہ کے تمام غلاموں کو قتل کر دیں گے، لیکن جب مدینہ کے لوگوں نے یہ سنا تو مہاجرین اولین نے ان کے گرد جمع ہو کر اس کو منع کیا لیکن وہ ہیجان وجنون کے عالم میں تھے۔ کسی کے سنبھالے نہ سنبھل رہے تھے۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص نے جفینہ کے قتل کے بارے میں سنا تو دوڑ کر آئے اور سیدنا عبیداللہ کی پیشانی کے بال پکڑ لیے۔ اسی طرح سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے بھی وہ دست وگریبان ہو گئے، کیونکہ ان کو اپنے سامنے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بہتے ہوئے خون کے سوا اور کچھ نظر نہ آ رہا تھا۔ بہر حال انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ حافظ ابن کثیر نے سیدنا عبیداللہ کے اس واقعہ کو ان ایام کا نقل کیا ہے جب

Marfat.com

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہو کر صاحب فراش تھے۔ چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو قید کر لیا جائے اور آئندہ جو بھی خلیفہ ہو وہ اس کا فیصلہ کرے۔'' لیکن اکثر روایات سے پتہ چلتا ہے کہ عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے یہ سب کچھ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے سے قبل کیا۔

سیدنا عبید اللہ نے یہ جو کچھ کیا یہ کسی لحاظ سے درست نہیں تھا۔ ان کا یہ اقدام جاہلی حمیت سے تعلق رکھتا تھا۔ اسلام کسی شخص کو یہ اختیار نہیں دیتا کہ وہ خود انتقام لینے کھڑا ہو جائے۔ انہیں چاہیے تھا کہ جب انہیں اس سازش کا علم ہوا تھا تو وہ اس کا فیصلہ ہونے والے امیر سے طلب کرتے۔ اگر ان کے نزدیک سازش ثابت ہو جاتی تو وہ قصاص کا حکم دے دیتے۔ قصاص اور انتقام لینے کا یہ طریقہ جو انہوں نے اختیار کیا ہر لحاظ سے غلط تھا۔ ان دونوں کے قتل سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ایک ایسا پردہ ڈال دیا گیا جو آج تک پڑا ہوا ہے۔ اور ان کے قتل کی سازش بے نقاب نہ ہو سکی کیونکہ اس سازش کے ظاہری طور پر تین اہم کردار تھے جیسا کہ سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے بتایا۔ ایک ابولؤلؤ فیروز جس نے خودکشی کر لی۔ اور دوسرے ہرمزان اور تیسرے جفینہ ان دونوں کو سیدنا عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا۔ اس طرح یہ سازش ڈھکی کی ڈھکی رہ گئی۔ اور آج تک کسی نے اس سے پردہ اٹھانے کی جرأت نہیں کی۔ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی اچھی کتاب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی زندگی پر لکھی لیکن اس سازش کے بارے میں وہ بھی خاموشی سے گزر گئے۔ موجودہ زمانہ کے ایک مؤرخ عباس محمود العقاد نے اپنی کتاب ''عبقریۃ عمر'' میں لکھا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، اللہ ان کو اپنی رحمت سے نوازے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی حکومت کے دشمنوں کی سازش کا شکار ہوئے۔ خراج کا قصہ تو محض ایک پردہ تھا جو مدینہ اور دوسرے ملکوں کی سازشوں نے اس قصاص سے بچنے کے لیے ڈالا تھا جس کی سزا انہیں اس سازش یا اس سازش کے اسباب و محرکات کے انکشاف پر بھگتنی پڑتی۔'' عقاد کی رائے میں صرف ہرمزان، جفینہ اور ابولؤلؤ فیروز ہی اس سازش میں شریک نہ تھے بلکہ کعب احبار بھی اس سازش میں شریک تھے۔ وہ شریک ہوں یا نہ ہوں لیکن اتنا ضرور ہے کہ انہیں اس سازش کا پورا پورا علم تھا جیسا کہ روایت کی کڑیاں بتاتی ہیں۔

Marfat.com

فاروقی فتوحات پر ایک نظر

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دس سال چھ ماہ چار دن حکومت کی۔ اس دوران انہوں نے نہایت وسیع سلطنت قائم کی۔ ایران، شام اور مصر وغیرہ کے علاقوں کو ان کے بہادر اور جانباز جرنیلوں نے فتح کیا۔ ایران کا شہنشاہ اور روم کا قیصر دونوں کے لیے اپنا ملک اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہو گیا۔ قیصر تو قسطنطنیہ میں جا بیٹھا اور کسریٰ شاہِ ایران اپنا ملک چھوڑ کر چین چلا گیا لیکن وہاں بھی اسے پناہ نہ ملی۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقبوضہ ممالک کا کل رقبہ ۲۲۵۱۰۳۰ مربع میل یعنی مکہ مکرمہ سے شمال کی جانب ۱۰۳۶، مشرق کی جانب ۱۰۸۷، جنوب کی جانب ۴۸۳ میل تھا۔ مغرب کی جانب چونکہ صرف جدہ تک حکومت کی حد تھی اس وجہ سے وہ قابل ذکر نہیں ہے۔ (الفاروق، شبلی نعمانی: ص ۱۸۱)

ان تمام علاقوں میں شام، مصر، جزیرہ، خوزستان، عراق عجم، آرمینیہ، آذربائیجان، فارس، کرمان، خراسان اور مکران جس میں بلوچستان کا کچھ حصہ بھی شامل تھا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دس سالہ عہد خلافت میں عرب کے بادیہ نشینوں نے فتح کر لیے۔ یورپی مؤرخین اتنی کم مدت میں اتنا وسیع رقبہ فتح کرنے پر حیران ہیں۔ چنانچہ انہوں نے مختلف قسم کی تاویلیں کرنی شروع کر دیں۔ کبھی یہ کہا کہ ایران کی حکومت اس زمانہ میں چونکہ غیر مستحکم تھی اس وجہ سے مسلمانوں نے اسے فتح کر لیا۔ اور بازنطینی حکومت میں بھی عیسائیت کے مختلف فرقوں کے درمیان چپقلش کی وجہ سے نظام حکومت کمزور ہو چکا تھا اس وجہ سے مسلمانوں کو اس کو فتح کرنے کا موقع مل گیا۔ ان تاویلوں سے ان کا مقصد یہ ہے کہ عربوں میں یہ اہلیت اور طاقت نہیں تھی کہ وہ ان سپر پاورز کا مقابلہ کر سکتے، حالانکہ ان لوگوں کی یہ بات ہر لحاظ سے غلط ہے۔ اگر ان دونوں حکومتوں میں

Marfat.com

ملی خانشار نہ ہوتا اور وہ اپنے پورے عروج پر بھی ہوتیں پھر بھی وہ مسلمانوں کی طاقت کا مقابلہ نہ کر سکتیں۔ ذرا یہ سوچیں کہ عرب مدینہ سے نکل کر ان کے شہروں پر حملہ آور ہوئے تھے۔ وہ کتنے ہی مزور سہی لیکن پھر بھی اپنے ملک میں تھے۔ ہر قسم کی سہولت انہیں میسر تھی، انہوں نے اپنے قلعوں میں اپنے مورچوں میں بیٹھ کر اپنے ملک کی حفاظت کرنا تھا، ان کے مقابلہ میں مسلمان باہر سے آئے تھے۔ ان کی تعداد کم تھی، آلات حرب میں وہ بہتات نہ تھی اور نہ ہی آلات جنگ میں وہ تنوع تھا۔ فنون جنگ میں بھی وہ اتنے ماہر نہ تھے جتنے یہ لوگ تھے لیکن دنیا نے دیکھا کہ ایران و روم کی فوجیں ان کے سامنے سے اس طرح بھاگتی تھیں جیسے باز کے سامنے سے چڑیاں بھاگتی ہیں۔ روم و ایران کی فوجوں کی تعداد ہزاروں میں نہیں تھی بلکہ لاکھوں میں تھی، لیکن مسلمانوں کی تمام فوجیں جو مصر و ایران اور روم کے محاذوں پر مصروف جنگ تھیں ان کی مجموعی تعداد بھی ایک لاکھ تک بھی نہ پہنچی تھی۔ مسلمان سپاہیوں کے پاس صرف ایک زرہ ہوتی تھی جس کو وہ میدان جنگ میں دشمن کے مقابلہ میں اپنی حفاظت کے لیے پہنتے تھے اور وہ بھی اکثر لوہے کے بجائے چمڑے کی ہوتی تھیں۔ ہاتھ میں چھوٹی چھوٹی تلواریں اور تیر اتنے کم حیثیت اور چھوٹے ہوتے تھے کہ ایرانی انہیں دیکھ کر حقارت سے ''تکلے'' کہتے تھے۔ اس بے سروسامانی کے عالم میں ان لوگوں نے دنیا کی دو سپر پاورز کو ایسی شکست دی کہ چشم آفتاب ابھی تک حیران ہے۔ اور خود ان حکومتوں کے سربراہ بھی پریشان تھے کہ مٹھی بھر بے سروسامان عربوں نے ان کی لاکھوں کی تعداد میں ہر قسم کے آلات حرب سے لیس فوج کو اس طرح شکست دی کہ آج تک کسی شہنشاہ کی فوج نے ایسی شکست نہیں دی تھی۔

اصل بات یہ ہے کہ جنگ اسلحہ سے نہیں جیتی جاتی بلکہ صبر و استقلال اور عزم و یقین کے ساتھ جیتی جاتی ہے۔ مسلمانوں میں یہ ساری صفات موجود تھیں جب کہ ان کی مخالف فوجیں ان سب خوبیوں سے عاری تھیں۔ پھر عربوں کی جنگ کا مقصد کوئی دنیوی منفعت نہ تھی بلکہ وہ اپنے گھروں سے اس لیے نکلے تھے کہ ''لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا'' جب کہ مخالف فوجیں صرف دنیوی غرض اور منفعت کے لیے برسرپیکار تھیں۔ جب مسلمان فوجی اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے لڑتے تھے تو میدان جنگ میں ہر مشکل میں اللہ کی مدد کی آواز لگاتے تھے۔ چنانچہ جنگ یرموک میں جب مسلمانوں پر اپنی قلت تعداد کی وجہ سے مشکل وقت آیا تو سیدنا ابو

Marfat.com

سفیان رضی اللہ عنہ کی آواز تمام میدان جنگ میں گونجتی تھی "یانصر الله! اقترب" (اے اللہ کی مدد، ہمیں جلدی پہنچ) اور اللہ تعالیٰ پھر ان کی مدد بھی فرماتا تھا۔ اور جن لوگوں کی اللہ مدد کرے وہ دنیا میں کبھی ناکام نہیں ہوتے۔

دوسری شئے جس نے فتوحات میں مسلمانوں کی سب سے زیادہ مدد کی وہ ان کی راست بازی اور دیانتداری تھی۔ ان دونوں خوبیوں نے ان کے مخالفوں کو بھی ان کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ چنانچہ یرموک کی جنگ میں جب مسلمان شام کے اضلاع سے نکلے تو تمام عیسائی رعایا ان کے لیے دست بدعا تھی کہ "خدا تم کو پھر اس ملک میں لائے" اور یہودیوں نے تورات ہاتھ میں لے کر کہا کہ ہمارے جیتے جی اب قیصر یہاں نہیں آسکتا۔ پھر ایک موقع پر جب جنگی مصلحت کی وجہ سے مسلمانوں کو ایک شہر خالی کرنا پڑا تو انہوں نے جزیہ کی وہ تمام رقم اہل شہر کو واپس لوٹا دی۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ یہ رقم تم ہمیں کیوں واپس لوٹا رہے ہو تو انہوں نے کہا کہ جزیہ کی یہ رقم تمہاری حفاظت کے لیے ہم نے تم سے لی تھی اب جب کہ ہم اس شہر کو خالی کر رہے ہیں ہم تمہاری حفاظت سے معذور ہیں، لہٰذا یہ رقم ہم تمہیں واپس کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کے منہ سے یہ جواب سن کر اہل شہر کی آنکھیں نمناک ہوگئیں اور ان کے دلوں سے ان کے لیے دعا کی سوغاتیں نکلنے لگیں۔

اس واقعہ کو ایک عیسائی مستشرق پروفیسر آرنلڈ نے بھی اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ وہ حمص کی فتح کے سلسلہ میں لکھتا ہے:

"رومیوں کی ان تیاریوں کی خبر جب سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے اپنے جرنیلوں سے مشورہ کے بعد یہ قرار پایا کہ منتشر فوج کو ایک جگہ اکٹھا کیا جائے۔ چنانچہ سب افواج کا اجتماع دمشق میں ہوا۔ دمشق میں اکٹھا ہونے کے لیے انہیں کئی مفتوحہ علاقوں کو خالی کرنا پڑا، لہٰذا انہوں نے جزیہ کی وہ تمام رقم جو اپنی عیسائی رعایا کی حفاظت کے لیے ان سے لی تھی، واپس کر دی۔ اس بات کا عیسائی رعایا پر اثر ہوا کہ انہوں نے رو رو کر ان فاتحین کو رخصت کیا اور ان کی واپسی کی دعائیں مانگیں۔"

جنگ یرموک میں مسلمانوں کی تعداد صرف ۲۵ ہزار تھی اور دشمن کی تعداد دو لاکھ کے قریب تھی۔ چنانچہ جب امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو دشمن کی کثرت کی اطلاع دی گئی تو انہوں

Marfat.com

نے جواب جو دیا وہ یہ تھا:

''تم ایک جگہ ہو کر ایک لشکر بنالو اور اپنی قلت تعداد کا غم نہ کرو۔ تم اللہ کے دین کے مددگار ہو۔ وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا اور تم سب یرموک میں جمع ہو جاؤ۔''

پھر جب اسی جنگ میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کی صف آرائی فرما رہے تھے تو ایک شخص نے کہا: ''بازنطینی کتنے زیادہ اور مسلمان کتنے کم ہیں۔'' سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو فرمایا:

''مسلمان کتنے زیادہ اور بازنطینی کتنے کم ہیں۔ مسلمانو! یاد رکھو، فوجیں تعداد کی کثرت سے نہیں ہمت اور جرأت کی وجہ سے کم یا زیادہ ہوتی ہیں۔ خدا کی مدد ہمیشہ اس کے ساتھ ہوتی ہے جو بہادر اور جرأت مند ہوتا ہے۔ الحمدللہ! ہم بہادر بھی ہیں جرأت مند بھی ہیں اور صاحب ایمان بھی۔ ہم سے کون مقابلہ کرے گا۔''

یہ ہمت اور جرأت کن لوگوں میں ہوتی ہے؟ یہ ان لوگوں میں ہوتی ہے جو صاحب ایمان ہوں اور جن کے کیریکٹر کا دامن بددیانتی اور خیانت سے داغدار نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمان جہاں بھی گئے، لوگوں نے نہ صرف ان کی حکومت کو قبول کیا بلکہ ان کے اس دین کو بھی لبیک کہا جس نے ان میں یہ خوبیاں رکھی تھیں۔

گذشتہ صفحات میں آپ نے پڑھا کہ رستم اپنی بے پناہ فوج اور بہترین اسلحہ کے باوجود لڑنے سے جی چراتا تھا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ اگر مسلمانوں سے جنگ ہوئی تو غالب مسلمان ہی ہوں گے۔ قادسیہ کے میدان میں بھی جب کہ دونوں فوجیں آمنے سامنے کھڑی تھیں اس نے پوری پوری کوشش کی کہ مسلمانوں سے ہمارا معاملہ بات چیت کے ذریعہ ہی طے پا جائے اور جنگ کی نوبت نہ آئے۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں کے سپہ سالار سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ اپنا کوئی معتمد آدمی ہمارے پاس بھیجیں تاکہ اس سے صلح کی بات چیت کی جائے۔ انہوں نے سیدنا ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کو اس خدمت پر مامور کیا۔ وہ نہایت خستہ حالت میں رستم کے دربار میں گئے۔ کمر میں رسی کا پٹکا بندھا ہوا تھا اور تلوار کے نیام پر چیتھڑے لپٹے ہوئے تھے۔ عرق گیر کی زرہ تھی۔ وہ جب اس ہیئت کذائی کے ساتھ رستم کے ساز و سامان سے سجے ہوئے دربار میں گئے تو ایرانیوں کو ان کی اس ہیئت کذائی پر ہنسی آتی تھی۔ لیکن ربعی بن

Marfat.com

عامر رضی اللہ عنہ کی حالت یہ تھی کہ وہ فرش کے قریب آ کر گھوڑے سے اترے اور گھوڑے کی باگ ڈور کو گاؤ تکیئے سے اٹکا دیا۔ اور نہایت بیباکی کے ساتھ جسم پر ہتھیار سجائے رستم کے دربار میں بڑھتے چلے گئے۔ اگرچہ رستم کے درباریوں نے آپ کو اس طرح جانے سے روکا لیکن انہوں نے ان کی بات کا کوئی نوٹس نہ لیا اور اپنی برچھی جس سے انہوں نے عصا کا کام لیا تھا، اس کی انی کو اس طرح فرش پر چبھوتے جاتے تھے کہ دیبا کا وہ پر تکلف فرش اور قیمتی قالین جابجا سے کٹ پھٹ کر بے کار ہو گئے۔ اور رستم کے تخت کے قریب جا کر زمین پر زور سے نیزہ مارا جو فرش کے آر پار ہو کر زمین پر گڑ گیا۔ درباری بار بار سیدنا ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کے ہتھیار دیکھتے تھے اور پھر پوچھتے: ''اسی سامان پر ایران کی فتح کا ارادہ ہے؟'' لیکن جب ربعیؓ رضی اللہ عنہ نے تلوار نیام سے نکالی تو آنکھوں میں بجلی کوند گئی۔ اور جب اس کی کاٹ کی آزمائش کے لیے ڈھالیں پیش کی گئیں تو ربعی رضی اللہ عنہ نے ان کے ٹکڑے اڑا دیئے۔

جب مستشرقین سے اس قلیل عرصہ میں اس قدر زیادہ فتوحات کا کوئی جواب نہ بن سکا تو انہوں نے قرن اول کے ان مسلمانوں کی فتوحات کا اسکندر اور چنگیز خان کی فتوحات سے موازنہ کرنا شروع کر دیا۔ حالانکہ ان دونوں کی فتوحات سے مسلمانوں کی فتوحات کا کوئی مقابلہ اور موازنہ ہی نہیں کیونکہ ان دونوں نے اپنی فتوحات میں مفتوح ممالک کے باشندوں پر جو ظلم و ستم کیے وہ سفاکیت آپ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ کی فتوحات میں بالکل نظر نہ آئے گی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت میں قانون کی حکمرانی تھی۔ یہاں چنگیز خان، بخت نصر، اسکندر مقدونی اور تیمور لنگ کی سفاکیت نہ تھی۔ آدمیوں کا قتل عام تو بہت بڑی شئے ہے وہاں تو فوج کو درختوں تک کے کاٹنے کی اجازت نہ تھی۔ وہاں تو یہ حکم تھا کہ صرف میدان کارزار میں مقابل کو قتل کرنے کی اجازت ہے اور جو لوگ لڑائی میں تمہارے مدمقابل ہیں ان سے فریب نہیں کرنا، کسی کی ناک اور کان کو نہیں کاٹنا اور نہ ہی کسی بچے کو قتل کرنا ہے۔ (کتاب الخراج: ص ۱۳۰)

جو لوگ مطیع ہو کر پھر باغی ہو جاتے تھے، ان کے دوبارہ اقرار پر ان سے درگزر کی جاتی تھی۔ ان چیزوں کے علاوہ اپنے مفتوحہ علاقوں کے لوگوں کو جو رعایتیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دی تھیں وہ دوسرے فاتحین نے کبھی بھی نہیں دیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی خوبی جوان فاتحین میں آپ کو ڈھونڈے سے بھی

Marfat.com

نہیں ملے گی، وہ یہ تھی کہ اتنے وسیع علاقے کی فتح کے دوران وہ ایک دن بھی خود محاذ جنگ پر نہیں رہے، لیکن اتنے وسیع محاذ پر آپ کی جتنی افواج بھی لڑ رہی تھیں، مدینہ میں بیٹھ کر اس کی کمان اور باگ ڈور آپ کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ جنگ کے نقشے مدینے سے محاذ جنگ پر بھیجے جاتے اور جنگ جیتنے سے پہلے اور جنگ جیتنے کے بعد ساری ہدایات ان کو آپ کی طرف سے بھجوائی جاتی تھیں، لیکن اس کے برعکس دوسرے فاتحین خواہ وہ تاتاری چنگیز ہو یا مقدونی اسکندر وہ ہر موقع اور ہر جنگ میں خود شریک رہتے تھے اور خود فوج کا سپہ سالار بن کر فوج کو لڑاتے تھے۔ سپہ سالار کی فوج میں موجودگی فوج کے دلوں کو قوی اور ہمت کو بلند اور حوصلے کو پختہ کر دیتی ہے۔ اور نفسیاتی اور طبعی طور پر ان میں اپنے بادشاہ اور سپہ سالار پر قربان ہونے کا جذبہ بیدار ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ان لوگوں کی فتوحات میں مقابلہ اور موازنہ کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

پھر سکندر اور چنگیز خان نے صرف فتوحات کیں۔ وہ آندھی کی طرح آئے اور بگولے کی طرح چلے گئے۔ انہوں نے اپنے مفتوحہ ملکوں کو کوئی نظام حکومت نہیں دیا۔ یہی وجہ تھی کہ ان فاتحین کے چلے جانے کے بعد ان کی وہ حکومتیں ختم ہوگئیں۔ لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو ممالک فتح ہوئے ان میں سے اکثر و بیشتر چودہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں۔ اور کئی سو سال تک ان میں وہی نظام حکومت جاری و ساری رہا جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے وہاں جاری کیا تھا۔ اس وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی فتوحات پوری دنیا میں انوکھی ہیں۔ اور تاریخ کے اوراق میں کسی ایسے فاتح کا نام نہیں بتایا جا سکتا جس نے اس طریقہ سے اتنے ممالک ساڑھے دس سال کے قلیل عرصہ میں فتح کیے ہوں اور جن حکومتوں کو انہوں نے فتح کیا وہ اپنے زمانہ کی سپر پاورز تھیں۔ اس وجہ سے ہر شخص کو اس بات کا اقرار کیے بغیر چارہ کار نہیں کہ دنیا میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسا فاتح آج تک اور کوئی نہیں گذرا۔

بعض حضرات جن میں کچھ اپنے بھی ہیں یہ کہتے ہوئے سنے گئے ہیں کہ ان فتوحات میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی کوئی خصوصیت نہیں۔ اس وقت کے جوش، عزم اور قوت ایمان، صبر و ثبات کی جو حالت تھی، یہ فتوحات اس کا ایک منطقی نتیجہ تھیں۔ لیکن ہمیں اس بات سے اتفاق نہیں کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی تو

Marfat.com

آخر وہی مسلمان تھے، لیکن وہ نتیجہ برآمد نہ ہو سکا جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوا۔ یہ درست ہے کہ جوش وعزم، صبر و ثبات، دیانت و امانت برقی قوتیں ہیں اور یہ انسان میں ایک ولولہ تازہ پیدا کر دیتی ہیں، لیکن یہ قوتیں صحیح معنوں میں اسی وقت کام دے سکتی ہیں جب ان سے کام لینے والا بھی اسی زور و قوت کا ہو۔ یہ درست ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت مسلمانوں میں جوش وعزم، استقلال و بلند حوصلگی اور عزم و یقین کی قوتیں پیدا ہو گئی تھیں، لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ان قوتوں کو اور زیادہ تیز اور قوی کر دیا تھا۔ جنہوں نے نہ صرف فتوحات میں مدد کی بلکہ قیام حکومت اور نظام حکومت کے قیام میں بھی پوری پوری مدد کی۔ آپ نے اپنے عہد خلافت میں چھوٹے بڑے کئی ہزار شہر فتح کر کے ان کو اسلامی مملکت میں شامل کیا۔ ملک میں امن و امان کو قائم کیا رعایا کی خوشحالی کے انتظامات کیے۔ تمام ملک میں عدول و انصاف کو قائم کیا۔ مفتوحہ علاقوں سے ظلم و جور کی بیخ کنی کی۔ غرض کہ ہر وہ کام کیا جو ایک نیک دل اور خدا ترس فرمان روا کو کرنا چاہیے۔

Marfat.com

نظامِ حکومت

اسلام میں اگرچہ سب سے پہلے خلیفہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور انہوں نے ہی اسلام میں خلافتی حکومت کی بنیاد رکھی، لیکن اسلامی نظام حکومت کا دور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں شروع ہوتا ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اگرچہ بڑی بڑی مہمات کا فیصلہ ہوا اور اندرونی فتنوں کی سرکوبی کے ساتھ بیرونی فتوحات بھی شروع ہوئیں، تاہم اسلامی نظام حکومت کے ساتھ ملک کا اس طرح مربوط نظم ونسق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں قائم ہوا اور آپ کی وفات تک نظام حکومت کے مختلف شعبے وجود میں آ گئے۔ بلکہ بقول ایک انگریز دانشور کارلائل کے ''دنیا اتنی ترقی کی منزلیں طے کرنے کے بعد بھی ابھی ان اصلاحات میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکی، جو اصلاحات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قائم کی تھیں۔''

بعض حضرات نے لکھا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے بالکل درست اور صحیح لکھا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے دینی بنیادوں پر ایک ایسی فلاحی مملکت قائم کی جس میں اسلامی حکومت کا آئین رائج تھا اور شورائی بنیادوں پر ایک ایسا عادلانہ نظام قائم کیا جو مسلمانوں کی ہر قسم کی ترقیوں اور سعادتوں کا ضامن تھا۔ اگرچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی اسلامی نظام حکومت قائم تھا، لیکن ان کے قلیل عرصہ حکومت میں ایک منظم اسلامی نظام حکومت کا قیام نہ ہو سکا، کیونکہ یہ ایسا ہی تھا جیسا انسانی تمدن کے ابتدائی مدارج میں مکانات کی یہ قطع ہوتی ہے کہ ایک ہی حجرہ تمام ضرورتوں کے لیے کافی ہوتا ہے۔ پھر جس قدر تمدن میں وسعت پیدا ہوتی جاتی ہے، کھانے، سونے، ملاقات کرنے، آرام کرنے، مطالعہ کرنے اور دیگر ضروریات کے لیے الگ الگ کمرے بنتے جاتے ہیں۔ یہی حالت سلطنت کی ہوتی ہے۔ ابتدائے تمدن میں انتظامات کے تمام صیغے باہم ملے جلے ہوتے ہیں۔

Marfat.com

صوبے کا گورنر ہی، پولیس کا سربراہ، فوج کا سپہ سالار اور عدالت کا منصف ہوتا ہے، لیکن تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ پھر اس کے الگ الگ صیغے قائم ہوتے جاتے ہیں اور پھر ہر شعبہ کا الگ الگ افسر مقرر کر دیا جاتا ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حکومت بلکہ عرب کا تمدن نہایت ابتدائی حالت میں تھا کیونکہ حکومت اسلامی نہایت چھوٹی سی تھی، اس لیے بہت سے حکومتی شعبے آپس میں مخلوط تھے۔ لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب اسلامی حکومت ۱۳۱ لاکھ مربع میل میں پھیل گئی تو اب انہوں نے مخلوط شعبوں کو الگ کر کے جداگانہ محکمے قائم کیے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اسلامی خلیفہ ہیں جنہوں نے اسلامی اصولوں کی روشنی میں حکومت وسلطنت کا باقاعدہ نظام قائم کیا اور پھر اس کو اس قدر وسعت دی کہ قریباً ہر شعبہ زندگی کے بارے میں اسلامی اصول مرتب فرمائے کہ آج تک کوئی حکمران ایسے اصول مرتب نہیں کر سکا۔

ملک کی تقسیم:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ملک کے نظم ونسق کو صحیح طریقہ پر چلانے کے لیے اس کو مختلف ڈویژنوں میں اور صوبوں میں تقسیم کیا اور پھر ان کی حدود مقرر کیں۔ چنانچہ یعقوبی اور دیگر مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپ نے تمام ملک کو آٹھ ڈویژنوں (Divisions) میں تقسیم کیا۔ مدینہ، شام، بصرہ، کوفہ، مصر اور فلسطین۔ جو ممالک فتح ہوئے ان کی جو تقسیم پہلے سے تھی اور جو صوبے اور ضلع پہلے حکمرانوں نے مقرر کر رکھے تھے، ان کو اسی طرح رہنے دیا۔ اس لیے مؤرخین نے ان ڈویژنوں کا نام نہیں لیا۔ پھر ہر ڈویژن اور صوبے میں کئی کئی اضلاع تھے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے پچھلی ملکی تقسیم میں کچھ ردوبدل کیا۔ مثال کے طور پر فلسطین پہلے ایک صوبہ شمار ہوتا تھا اور اس میں دس (۱۰) اضلاع شامل تھے۔ ۱۵ھ میں جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خود فلسطین جا کر معاہدہ امن لکھا تو اس صوبے کے دو حصے کر دیے۔ ایک کا صدر مقام ایلیا اور دوسرے کا رملہ قرار پایا، اور آپ نے عقلمہ بن حکیم بن مجزز کو الگ الگ صوبوں میں حاکم مقرر فرمایا۔ اسی طرح مصر کو بھی دو صوبوں میں تقسیم کیا۔ بالائی حصہ میں ۲۸ اضلاع شامل تھے اور سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو اس کا حاکم مقرر فرمایا اور نشیبی حصہ میں پندرہ اضلاع تھے، اس پر کوئی دوسرا افسر مقرر فرمایا اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پورے

Marfat.com

مصر پر بطور گورنر جنرل تھے۔

مشرق میں جو علاقے ایران کی اسلامی فوجوں نے فتح کیے، ان میں تین ڈویژن اور بنائے گئے تھے۔ خراسان، آذربائیجان اور فارس۔ ان میں سے ہر ڈویژن میں پھر کئی اضلاع تھے۔ چنانچہ یعقوبی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ

① خراسان میں مندرجہ ذیل اضلاع شامل تھے:

نیشا پور O ہرات O مرو۔ مرورود O فاریاب O طالقان O بلخ O بخارا O باد غیس O باورد O غرشتان O سرخس O جرجان۔

② اور آذربائیجان میں مندرجہ ذیل اضلاع شامل تھے:

طبرستان O رے O قزوین O زنجان O قم O اصفہان O ہمدان O نہاوند O دینور O حلوان O ماسندان O مہرجان O قذق O شہرزور O سامغان O آذربائیجان۔

③ اور فوارس ڈویژن میں مندرجہ ذیل اضلاع شامل تھے:

اصطخر O شیراز O توبندجان O جور O گاذرون فسیا O دارابجرد O اردشیر خرہ O سابوراہواز O جندیساوبور O سوس O نہیرتری O منادر O تسترد O ایذج O رام ہرمز۔

ہر ڈویژن میں حاکم اعلیٰ (گورنر) میر منشی (کاتب) صاحب الخراج (کلکٹر) صاحب احداث (انسپکٹر جنرل پولیس) صاحب بیت المال (افسر خزانہ) کاتب دیوان (ملٹری اکاؤنٹنٹ جنرل) قاضی (جج) مقرر کیے گئے۔ بعض حالات میں سپہ سالار بھی الگ ہوتا تھا لیکن اکثر حالتوں میں صوبے کا گورنر ہی اس خدمت پر مامور ہوتا تھا۔ چنانچہ کوفہ میں سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ گورنر تھے، سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کلکٹر، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ افسر خزانہ، سیدنا شریح رضی اللہ عنہ قاضی اور سیدنا عبداللہ خلت الخزاعی اکاؤنٹنٹ جنرل تھے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو یعقوبی: ۲۰۱/۱، ابن خلکان: ص ۲۵۳)

اسی طرح پولیس کا محکمہ بھی اکثر کلکٹر یا گورنر کے ماتحت ہوتا تھا۔ جیسے کہ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کوفہ کے گورنر تھے لیکن پولیس کے افسر اعلیٰ بھی وہی تھے۔ بحرین میں سیدنا قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ کلکٹر تھے اور پولیس کا محکمہ بھی انہی کے ماتحت تھا۔ گورنر کا اسٹاف بارگاہِ خلافت

Marfat.com

سے ماموراور مقرر ہوتا تھا۔ چنانچہ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو جب کوفہ کا گورنر مقرر کیا گیا تو دس معزز آدمی ان کو اسٹاف کے لیے بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی نے فراہم کیے تھے۔ جن میں ایک قرظ خزرجی بھی تھے۔ گورنر کا میر منشی نہایت قابل اور تقریر وتحریر میں نہایت اعلیٰ قسم کا لگایا جاتا کیونکہ گورنر کی خط وکتابت اور حکومتی بیانات کا انحصار زیادہ تر اسی پر ہوتا تھا، چنانچہ بصرہ کے گورنر سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے میر منشی اور کاتب زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ تھے جو باوجود جوانی کے اپنے زمانہ کے فصیح ترین لوگوں میں سے تھے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسا شخص بھی ان کی فصاحت و بلاغت پر حیران تھا۔ اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر یہ نوجوان قریش کی نسل سے ہوتا تو تمام جزیرہ نمائے عرب ان کے علم کے نیچے ہوتا۔ اضلاع کے تمام افسر گورنر کے ماتحت ہوتے۔

سلطنت کے صوبے:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سلطنت اسلامی کئی صوبوں پر مشتمل تھی۔ جن کا مختصر ذکر حسب ذیل ہے:

(۱) مکۃ المکرمہ:

مکہ مکرمہ کا گورنر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں محرز بن حارثہ بن ربیعہ بن عبد شمس تھے۔ پھر قنفذ بن عمیر التیمی گورنر ہوئے۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تک یہی مکہ کے گورنر رہے۔ بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے صفوان بن امیہ سے ان کا گھر خریدا تاکہ اس کو جیل خانہ بنایا جائے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ نافع بن حارث سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو حج پر جاتے ہوئے عسفان کے مقام پر ملے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اپنے بعد مکہ کا گورنر کس کو بنا کر آئے ہو؟ انہوں نے عرض کی ابن ابزی کو۔ پوچھا: ''ابن ابزی کون ہے؟'' عرض کی ہمارے آزاد کردہ غلاموں میں سے ایک غلام ہے۔ فرمایا: ''آزاد کردہ غلام کو ان پر گورنر بنایا؟ عرض کی کہ وہ کتاب اللہ کا قاری اور فرائض کا عالم ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اسی کتاب (قرآن) سے بعض قوموں کو بلند اور بعض کو پست کرے گا۔''

(الولایۃ علی البلدان، عبدالعزیز العمری: ۱/۶۷)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں حرم مکہ کو اردگرد کے مکانات خرید کر وسعت دی اور اس کے اردگرد چھوٹی دیوار بنا دی، کیونکہ مکہ مکرمہ میں حج کے زمانہ میں مختلف صوبوں کے

Marfat.com

گورنر اور رؤساء سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ملتے۔ مکہ مکرمہ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بہت اہمیت حاصل تھی کیونکہ حج کے زمانہ میں وہ سلطنت اسلامیہ میں ایک بنیادی حیثیت رکھتا تھا۔

(۲) مدینہ منورہ:

مدینہ منورہ پوری سلطنت اسلامیہ کا دارالخلافہ تھا اور سلطنت اسلامیہ کا رئیس اور خلیفہ وہاں قیام کرتا تھا پوری سلطنت کے اداروں اور صوبوں کو کنٹرول کرتا تھا۔ اپنی غیر حاضری کے ایام میں اپنا قائم مقام مقرر کرتا تھا جو تمام اداروں اور شعبوں کی نگرانی کرتا تھا۔ جنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض بیرونی سفروں کو سیدنا زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنایا۔ (الولایۃ علی البلدان: ۱/ ۶۸) اور اکثر و بیشتر مدینہ طیبہ سے اپنی غیر حاضری کے زمانہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ یہ قائم مقامی کا طریقہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اتباع میں جاری فرمایا۔ مدینہ طیبہ میں کسی کا خلیفۂ وقت کی غیر موجودگی میں قائم مقام ہونا سیاسی طور پر بہت اہمیت کا حامل تھا کیونکہ خلیفہ وقت کی قیام گاہ اور مستقر ہونے کی وجہ سے تمام صوبوں میں اس کی سب سے زیادہ سیاسی اہمیت تھی، یہیں سے تمام صوبوں میں احکام صادر ہوتے تھے اور مختلف محاذوں میں اسلامی لشکر کے دستے اور کمک یہیں جاتی تھی۔ ان سب کے علاوہ یہ شہر کثیر التعداد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اقامت گاہ تھا کیونکہ ان جلیل القدر کو جن کی اقامت گاہ مدینہ منورہ تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دوسرے شہروں میں جانے سے روکتے تھے۔ (تاریخ یعقوبی: ۲/ ۱۴۷، ۱۵۷) اسی وجہ سے طالب علموں کی ایک کثیر تعداد قرآن وسنت کا علم حاصل کرنے کے لیے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دہن مبارک سے فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے مدینہ آتی تھی۔ (الولایۃ علی البلدان: ۱/ ۶۸)

(۳) طائف:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں طائف ایک نہایت اہم شہر تھا اور اسلامی جہاد میں اس شہر کا ایک اہم حصہ تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کا گورنر عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں اس کو اپنے عہدہ پر برقرار رکھا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے ابتدائی دو سال تک یہ اپنے عہدہ پر برقرار رہے۔ ان کے دل میں جہاد کا جذبہ انگڑائیاں لے رہا تھا، لہٰذا انہوں نے جہاد میں شمولیت حاصل کرنے کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

Marfat.com

کو لکھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ میں تو تم کو کسی صورت اس عہدہ سے فارغ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں البتہ تم جس کو چاہو اپنی جگہ مقرر کر دو۔ چنانچہ انہوں نے طائف کے ایک شخص کو اپنی جگہ گورنر مقرر کر دیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں عمان اور بحرین بھیج دیا۔

(تاریخ خلیفہ بن خیاط: ص ۱۳۴)

روایات میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت طائف کے گورنر سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ تھے۔ (طبری: ۵/ ۲۳۹)

ان کے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مابین پھلوں، سبزیوں اور شہد پر زکوٰۃ لینے کی خط و کتابت کتابوں میں ملتی ہے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ طائف میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان چیزوں کی پیداوار بکثرت ہوتی تھی۔

(الطائف فی العصر الجاہلی وصدر الاسلام، نادیہ حسین صفر: ص ۱۹)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں دور دور سے لوگ موسم گرما میں یہاں آیا کرتے تھے۔

(الطائف فی العصر الجاہلی وصدر الاسلام: ص ۱۹)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عہد فاروقی میں طائف کا شہر اپنی امارت کے لحاظ سے ایک خاص اہمیت کا حامل تھا۔ (الولایۃ علی البلدان: ۱/ ۶۹)

(۴) یمن:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں یمن میں ہر طرف فارغ البالی اور خوش حالی کے شگوفے پھوٹے ہوئے تھے اور لوگ نہایت سکون و اطمینان کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یمن میں انہی عمال کو برقرار رکھا جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں تھے، اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یعلی بن امیہ بھی عمال میں سے ایک تھے۔ سیدنا معمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ کا نام خوب چمکا اور یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وفات تک یمن کے والی مشہور رہے۔

(طبری: ۲/ ۱۵۷)

اس عرصہ میں کچھ لوگوں نے ان کی شکایات کیں اور یہ کئی مرتبہ جواب طلبی کے لیے بارگاہ خلافت میں پیش ہوئے۔ (غایۃ الامانی فی اخبار القطر الیمانی، یحییٰ بن الحسین: ۱/ ۸۳)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ کے مابین زکوٰۃ کے کئی معاملات پر خط و کتابت

Marfat.com

ملتی ہے۔ (الاموال، قاسم بن سلام: ص ۴۳۶، الیعقوبی: ۲/ ۱۵۷)

کتابوں میں یمن کے والیوں میں سے عبداللہ بن ابی ربیعہ مخزومی کا نام بھی ملتا ہے، لیکن یہ یمن کے ایک محدود علاقے ''جند'' کے والی تھے۔ (طبری: ۵/ ۲۳۹)

اہل یمن نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کی فتوحات کے باعث آپ کے دور خلافت میں بڑی متمولانہ اور رئیسانہ زندگی گزاری ہے، خصوصی طور پر عراق اور شام کی فتوحات میں اہل یمن نے بہت حصہ لیا اور بہت سا مال غنیمت حاصل کیا۔ (الولایۃ علی البلدان: ۱/ ۷۱)

عراق میں بصرہ اور کوفہ کی جب بنیاد رکھی گئی تو بہت سے یمنی قبائل وہاں آباد ہو گئے۔ (الیمن فی ظل الاسلام، عصام الدین: ص ۴۹)

اسی طرح شام اور مصر کی فتوحات کے بعد وہاں بھی بہت سے یمنی قبائل سکونت پذیر ہو گئے۔ (فتوح مصر واخبارہا لابن عبدالحکیم: ص ۱۱۹۔ ۱۲۳، الولایۃ علی البلدان: ۱/ ۷۱)

چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں یمن کو اسلامی ریاست میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ (الولایۃ علی البلدان: ۱/ ۷۱)

⑤ بحرین:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب مسند خلافت پر بیٹھے تو اس وقت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ، بحرین کے گورنر اور والی تھے، اور فاروقی خلافت میں سنہ ۱۴ھ تک وہاں کے والی رہے۔

(الولایۃ علی البلدان: ۱/ ۷۱)

سیدنا علاء فارس کے مختلف پڑوسی شہروں میں جہاد میں بھی مصروف رہے اور یہ ان کا ایک بڑا اچھا دور تھا۔ ان کی بحرین سے غیر حاضری کے باعث انہیں معزول کر کے بصرہ بھیج دیا۔ سیدنا علاء رضی اللہ عنہ کو بصرہ میں تقرری ناپسند آئی اور وہ بصرہ پہنچنے سے قبل ہی انتقال فرما گئے اور بحرین میں دفن ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی معزولی کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اجازت کے بغیر بحرین کے راستہ سے ایران پر حملہ کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس بات کو ناپسند فرماتے تھے کہ مسلمان سمندری سفر کریں۔ سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو بحرین کا گورنر مقرر فرمایا۔ انہوں نے فارس کے ان شہروں پر حملہ کیا جو بحرین کے اطراف میں تھے یہاں تک کہ وہ سندھ کے نواح میں پہنچ گئے۔ اس اثناء میں سیدنا

Marfat.com

عمر رضی اللہ عنہ نے عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ بصرہ کے راستے والی بصرہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے لشکروں کے ساتھ مل کر ایران کے جہاد میں حصہ لیں۔

(الولایۃ علی البلدان: ۱/۷۳)

عثمان رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں دو دفعہ بحرین کے گورنر مقرر ہوئے۔ پہلی دفعہ سنہ ۱۵ھ میں کیوں کہ اس وقت بصرہ کے نواح میں افواج کی قیادت کے لیے ان کی ضرورت تھی۔ ان کی غیر حاضری میں عیاش بن ابی ثور رضی اللہ عنہ بحرین کے گورنر مقرر ہوئے۔ لیکن یہ اس عہدہ پر زیادہ دیر تک نہ رہے۔ (الولایۃ علی البلدان ۱/۷۳) ان کے بعد امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے قدامہ بن مظعون کو والی بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بحرین کا قاضی بنا کر بھیجا، لیکن ان کی گورنری کے آخری دور میں ان پر شراب نوشی کی تہمت لگ گئی۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں معزول کر کے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بہت سی ذمہ داریاں سونپ دیں۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ قدامہ بن مظعون سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور سیدہ حفصہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے ماموں تھے۔ سیدنا قدامہ بن مظعون کو سنہ ۲۰ھ میں گورنری سے معزول کیا گیا۔

(البدایہ والنہایہ: ۷/۱۰۱)

قدامہ رضی اللہ عنہ کی معزولی کے بعد پھر دوسری مرتبہ سیدنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو بحرین کا گورنر مقرر کیا گیا یہاں تک کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی۔

(الولایۃ علی البلدان: ۱/۷۵)

روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ بحرین کے ساتھ عمان اور یمامہ کا الحاق بھی کر دیا گیا۔

(الولایۃ علی البلدان: ۱/۷۶)

⑥ مصر:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فتوحات شام میں تو برابر شامل رہے، لیکن جنگ یرموک کی فتح کے بعد ان کے دل میں مصر کی فتح کا خیال انگڑائیاں لینے لگا۔ روایات میں ہے کہ ۱۶ھ میں جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس کی فتح کے لیے وہاں تشریف لے گئے تو سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان سے وہاں مصر کی فتح کا ذکر کیا۔ اپنی گفتگو میں انہوں نے مصر کی نعمتوں کی خوب نقشہ کشی کی اور وہاں کے دوسرے حالات بھی بیان کیے۔ سیدنا

Marfat.com

عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی باتیں تو نہایت غور سے سنیں لیکن حملہ کرنے کی اجازت نہ دی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شام ابھی پورے طور پر مسلمانوں کے زیر اقتدار نہیں آیا تھا اور مسلمانوں کے قدم ابھی وہاں صحیح طور پر نہیں جمے تھے۔ یہ صورت حال ۱۷ھ کے آخر تک رہی۔ جب پورا شام فتح ہو گیا تو قحط اور طاعون عمواس نے مسلمانوں کو گھیرا۔ یہ طاعون پھیلتے پھیلتے شام اور بصرہ تک پہنچ گیا۔ اس بلائے ناگہانی نے شام میں رکی ہوئی تمام فوج کو پریشان کر دیا۔ بڑے بڑے جرنیل اس بلائے بے درمان کی بھینٹ چڑھ گئے۔ جب ان دونوں مصیبتوں سے نجات مل گئی تو امیر المؤمنین بعض اہم حالات کی درستی کے لیے شام تشریف لے گئے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے پھر فتح مصر کا ذکر چھیڑا اور اپنے موقف کی تائید میں بہت سے دلائل دیئے۔ آپ نے مدینہ واپس آ کر فتح مصر کا پلان مرتب کرنا شروع کر دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی جنگی مہارت اور سیاسی بصیرت سے بخوبی آشنا تھے۔ وہ بڑے ذہین، زیرک اور ٹھنڈے دماغ کے آدمی تھے۔ سیدنا خالد بن ولید کی طرح آتش زار جنگ میں بے دھڑک کود پڑنے کا نام بہادری نہیں سمجھتے تھے۔ ان کی عمر پچاس کے پیٹے میں تھی۔

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی فتح مصر کی تجویز کو سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اصحاب الرائے کو اکٹھا کیا اور ان کے سامنے یہ سارا معاملہ رکھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اپنی رائے فتح مصر کی تھی کیونکہ وہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے دلائل اور ان کی گفتگو سے متاثر ہو چکے تھے۔ حاضرین میں سے اختلاف بھی کیا لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر جانے کا حکم دے دیا۔ آپ نے خط میں لکھا کہ ''لوگوں کو مصر چلنے کی دعوت دو اور جو تیار ہوں انہیں ساتھ لے کر مصر روانہ ہو جاؤ۔'' یہ خط آپ کو اس وقت ملا جب سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے قیساریہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ آپ نے اسی وقت محاصرہ کا انتظام سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا اور خود ساڑھے تین چار ہزار کی فوج لے کر عریش کی طرف چل دیئے اور رفح اور عریش کے درمیان ایک گاؤں پہنچ گئے۔ وہ اپنے فولاد شکن ارادہ کے ساتھ مصر میں داخل ہوئے تھے۔ اب ان کے ارادہ میں اور مضبوطی اور پختگی پیدا ہو گئی۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ انتہائی احتیاط کے ساتھ مصر میں داخل ہو گئے ہیں۔ اب وہ اس وقت تک ہرگز واپس نہیں ہوں گے جب تک شکست ہی ان کو پسپا ہونے پر مجبور نہ کر دے۔ عریش میں چونکہ رومیوں کی کوئی فوج نہ تھی اس لیے بغیر کسی مزاحمت کے شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس طرح تھوڑے ہی

Marfat.com

عرصہ میں مصر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا جس کی تفصیل اس کتاب میں آئی ہے۔ مصر فتح کرنے کے بعد سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ یہاں کے گورنر مقرر ہوئے۔ (فتوح مصر: ص ۱۷۳)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پورے عہد خلافت میں سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وہاں کے گورنر رہے، لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں انہیں معزول کر دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے تعلقات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ ہی سے مرکز سے کچھ کشیدہ تھے، جب کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں لکھا کہ تم نے خود ہی مجھے لکھا تھا کہ ''مصر ایک زرخیز اور سرسبز و شاداب علاقہ ہے۔ اس کا طول و عرض ایک ایک ماہ کی مسافت ہے۔ اس کے وسط میں دریائے نیل بہتا ہے۔ جس کا خرام سحری مبارک اور روانی شب مسعود، اس کا بہاؤ کبھی تیز ہو جاتا ہے اور کبھی سست جیسے آفتاب و ماہتاب کی رفتار۔ مخصوص اوقات میں اس کی لہریں سفید اور شیریں ہو جاتی ہیں اور دودھ کی دھاریں معلوم ہونے لگتی ہیں۔ یہاں کا خراج وقت معینہ سے پہلے وصول نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ یہاں کی آمدنی کا تہائی حصہ نہروں اور پلوں کے کام میں صرف ہوتا ہے۔ جب یہاں کے حالات استحکام پذیر ہو جائیں گے تو آمدنی مزید بڑھ جائے گی۔ ابتداء اور انتہا میں حق تعالیٰ شانہ ہی توفیق عطا کرنے والے ہیں۔ اگر مصر کا واقعی یہ حال ہے اور یقیناً ایسا ہی ہے تو تم مرکز کو جو اس کا خراج اور جزیہ بھیجتے ہو، وہ بہت کم ہے یہاں تک کہ رومیوں اور فراعنہ کے زمانہ سے بھی بہت کم ہے۔ یہ ذہن میں رہے کہ رومی عہد میں دو کروڑ، فراعنہ میں نو کروڑ اور سیدنا یوسف علیہ السلام کے عہد میں سات کروڑ ۳۰ لاکھ دینار بتاتے ہیں۔'' سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس خط کے جواب میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مطمئن نہ کر سکے۔

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس گورنر کو اپنے عہد خلافت میں معزول کر دیا۔ آپ نے اپنے عہد خلافت کے آغاز میں سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو تو گورنری کے عہدے پر قائم رکھا لیکن سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو فوج کا کمانڈر انچیف مقرر فرما دیا کیونکہ مصر کی فتح اور وہاں کی جنگوں میں انہوں نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔

(الاستیعاب: ۲/ ۳۷۶، الاصابہ: ۲/ ۳۱۷، طبری: ۳/ ۳۱۲)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو افریقہ کی فتح کے لیے روانہ فرمایا جہاں انہوں نے غیر معمولی کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ افریقہ کی فتح کے بعد انہوں نے سیدنا عبداللہ بن نافع کو وہاں کا حاکم مقرر کیا اور خود مصر واپس آ گئے۔

Marfat.com

افریقہ کی فتح بازنطینی حکومت کے لیے ایک تازیانہ تھی اور ہر وقت اس بات کا خطرہ تھا کہ کہیں بازنطینی بحری بیڑا حرکت میں آ کر مسلمانوں کی سلطنت پر حملہ نہ کر دے اور بحری جنگ کا سلسلہ شروع نہ ہو جائے، لہٰذا یہ ضروری تھا کہ مسلمانوں کا ایک بحری بیڑا وہاں موجود ہو جو ہر وقت دشمن کے مقابلہ کے لیے تیار ہو۔ اب سوال یہ تھا کہ اس بیڑے کے مصارف مرکز برداشت کرے یا حکومت مصر۔ سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ حکومت مصر کو یہ مصارف برداشت کرنا چاہئیں، لیکن گورنر مصر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا خیال یہ تھا کہ مرکز ان مصارف کو برداشت کرے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے دونوں کے دلائل سننے کے بعد سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق کیا اور یہ بھی فرمایا کہ مصر کی آمدنی میں بسہولت اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے استعفیٰ طلب فرما لیا اور ان کی جگہ سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو مصر کا گورنر مقرر فرمایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مصر کی آمدن چوبیس لاکھ سالانہ تھی وہ اگلے ہی سال چالیس لاکھ ہو گئی۔ ان کی معزولی کی کچھ اور بھی وجوہات تھیں جن کو علماء نے بیان فرمایا ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الولایۃ علی البلدان: ۱/۷۹۔۸۳، فتوح مصر اخبارھا: ص۱۵۲، تہذیب تاریخ دمشق: ۱/۱۵۲)

⑦ ولایات شام:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو انہوں نے شام کی فتوحات کے لیے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ جس جس شہر کو فتح کرتے وہ ان کے زیر انتظام آتا جاتا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو انہوں نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو شام کی ولایت سے معزول کر کے ان کی جگہ سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو شام کا امیر الامراء مقرر فرمایا۔

(تہذیب تاریخ دمشق: ۱/۱۵۲)

سیدنا ابوعبیدہ جب شام کے ناظم الامور مقرر ہوئے تو انہوں نے مختلف علاقوں میں جو پہلے سے امیر مقرر تھے، ان کو منظم فرمایا اور ان کے لیے کچھ قاعدے اور اصول مقرر فرمائے۔ جو لوگ وہاں پہلے سے امیر مقرر تھے ان میں سے بعض کو تو آپ نے ان کے عہدوں پر برقرار

Marfat.com

رکھا اور بعض کو معزول کر دیا۔ خلیفہ بن خیاط نے لکھا ہے کہ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے شام کے علاقوں کے فتح ہونے کے بعد یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو فلسطین اور اس کے اطراف پر، شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو اردن پر، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دمشق پر اور حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو حمص پر امیر مقرر کیا۔ بعد میں اسے معزول کر دیا اور اس کی جگہ عبداللہ بن قرط کو امیر مقرر فرمایا۔ پھر اس کو بھی معزول کر کے سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو والی مقرر فرمایا۔ پھر ان کو بھی معزول کر کے دوبارہ عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا۔ (تاریخ خلیفہ: ص ۱۵۹)

سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بعض امراء کو ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں کچھ وقت کے لیے بھیجتے۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اردن بھیجا۔ (فتوح الشام: ص ۲۴۸)

سیدنا ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کا انتقال طاعون عمواس میں ہوا اور ان کی جگہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ امیر مقرر ہوئے۔ چند روز کے بعد سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ بھی انتقال فرما گئے تو سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ امیر مقرر ہوئے۔ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ایک بہترین امیر لشکر تھے، سیدنا ابوبکر اور سیدنا ابو عبیدہ نے انہیں کئی مرتبہ لشکروں کی کمان سپرد کی جس کو انہوں نے نہایت مہارت سے انجام دیا۔ (الفتوح ابن اعثم الکوفی: ص ۲۸۹، الولایۃ علی البلدان: ۱/۹۰)

یزید رضی اللہ عنہ کو آخر میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فلسطین اور اردن کا والی مقرر فرمایا۔

(فتوح البلدان: ص ۱۴۵)

یزید تھوڑا عرصہ ہی شام کے والی رہے پھر ۱۸ھ میں ان کا انتقال ہو گیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ ان کے بھائی معاویہ رضی اللہ عنہ کو والی مقرر فرما دیا۔ سیدنا یزید رضی اللہ عنہ کی مدت ولایت صرف ایک سال ہے۔ (الوثائق السیاسیۃ للعصر النبوی والخلافۃ الراشدۃ: ص ۴۹۳)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وفات تک شام کے والی رہے۔ شام کے مختلف علاقوں کے اور بھی کئی والی تھے اور سب کا رابطہ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے تھا، لیکن ان میں سب سے مشہور سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ یہ شام کے علاقوں بلقاء، اردن، فلسطین، انطاکیہ، قلقیلیہ اور معرہ وغیرہ شہروں کے والی تھے۔ (الولایۃ علی البلدان: ۱/۹۳)

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے بعض حصوں کے والی تھے اور بعض کا خیال یہ ہے کہ پورے شام کے والی تھے۔

(تاریخ خلیفہ بن خیاط: ص ۱۵۵، سیر اعلام النبلاء: ۳/۸۸)

Marfat.com

لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ شام کے مختلف شہروں کے والیوں اور علاقوں میں تغیر وتبدل ہوتا رہا، کبھی فوجی لحاظ سے اور کبھی سیاسی اور عوامی لحاظ سے۔ چنانچہ اردن کبھی مستقل علاقہ ہوتا اور کبھی اس کو دوسرے علاقوں کے ساتھ ملا دیا جاتا اور اس علاقے کا والی اس کا والی ہوتا۔
(الولایۃ علی البلدان: ۱/۱۰۲)

⑧ ولایات عراق:

فتوحات عراق کی ابتداء سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہوئی اور شروع میں سیدنا مثنیٰ بن حارثہ الشیبانی کو اس کا امیر بنایا گیا۔ سارے معاملات انہی کی زیرنگرانی ہوتے تھے۔ بعد میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس محاذ پر بھیج دیا گیا۔ اب مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی جگہ یہ امیر ہو گئے۔ جب سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو شام بھیج دیا گیا تو پھر عراق کا والی سیدنا مثنیٰ بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ ہی کو بنا دیا گیا۔ لیکن جب سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو انہوں نے عراق کی امارت سے سیدنا مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کی جگہ ابوعبید بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کو وہاں کا والی بنایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اور سیدنا مثنیٰ رضی اللہ عنہ کو ایک ہی وقت میں معزول کیا۔ اس سے لوگوں کو بڑا تعجب ہوا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ان دونوں کو کسی شک یا بددیانتی یا نقص کی وجہ سے معزول نہیں کیا بلکہ مجھے یہ اندیشہ اور خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ لوگ فتوحات کے اس تواتر کو ان دونوں پر محصور نہ کر لیں اور اس بارے میں ان پر توکل اور بھروسہ نہ کر لیں۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۸، الولایۃ علی البلدان: ۱/۱۰۲)

سیدنا مثنیٰ بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ معزول ہونے کے باوجود ایک سپاہی کی حیثیت سے نہایت اخلاص کے ساتھ ابوعبید بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ بڑے بڑے معرکوں میں پورا پورا تعاون کرتے رہے اور اس سلسلہ میں بہت سے مصائب کو بھی برداشت کیا۔
(البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۸)

سینا ابوعبید بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد قیادت پھر سیدنا مثنیٰ بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں منتقل ہوگئی لیکن سیدنا مثنیٰ بن حارثہ جنگ جسر میں ایک زخم کی وجہ سے چند روز صاحب فراش رہ کر شہید ہو گئے۔ (الولایۃ علی البلدان: ۱/۱۱۱)

اور جنگ قادسیہ اور جنگ مدائن جو کہ ایرانیوں کے خلاف دو بہت بڑی جنگیں تھیں،

Marfat.com

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لڑی گئیں اور اللہ تعالیٰ نے ان میں مسلمانوں کو فتح اور ایرانیوں کو ذلت آمیز شکست دی۔ بعد میں آپ نے دو مستقل چھاؤنیاں بصرہ اور عراق میں قائم کر دیں تاکہ ایرانیوں کا خطرہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ (الولایۃ علی البلدان: ۱/۱۱۳)

⑨ المدائن:

مدائن کسریٰ ایران کا دارالسلطنت تھا۔ اس کو سیدنا سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فتح کیا۔ یہ کچھ عرصہ وہاں کے امیر اور عامل رہے، پھر آپ کوفہ چلے آئے۔ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل تھے اور ان کے ساتھ کئی معرکوں میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ جہاد میں حصہ لینے سے قبل انہوں نے اسلام کی دعوت میں بھی کافی وقت گزارا۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں مدائن کا والی مقرر فرما دیا۔ اس ذمہ داری کو انہوں نے نہایت اعلیٰ طریق سے نبھایا۔ روایات میں ہے کہ یہ اس مسند امارت کو چھوڑ رہے تھے اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ انہیں مجبور نہ کرتے۔ یہ نہایت زاہد اور صاحب تقویٰ بزرگ تھے۔ صوف کا لباس پہنتے، گدھے پر سواری کرتے اور جو کی روٹی کھاتے اور خلوت گزین تھے۔

(مروج الذہب: ۲/۳۰۶، الولایۃ علی البلدان: ۱/۱۳)

ایک روایت کے مطابق یہ اپنی وفات تک مدائن کے والی رہے اور ۳۲ھ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، کی خلافت کے اواخر تک وہاں کے والی رہے اور پھر سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ مدائن کے والی ہوئے لیکن مؤرخین نے ان کی معزولی کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ شاید انہوں نے استعفیٰ دے دیا ہو، کیونکہ وہ حکومت کے مناصب کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو مدائن کا والی مقرر فرمایا اور اہل مدائن کو ان کی اطاعت کرنے کا ایک خط لکھا۔ چنانچہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے انتقال تک اور پھر اس کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں عرصہ تک مدائن کے گورنر رہے۔

(سیر اعلام النبلاء: ۲/۳۶۴)

⑩ آذربائیجان:

آذربائیجان کے سب سے بڑے والی اور گورنر سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کی مدائن میں تبدیلی کی گئی۔ ان کے بعد عتبہ بن فرقد السلمی کو وہاں کا گورنر بنایا گیا۔ ان کی

Marfat.com

گورنری کے زمانہ میں ان کے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مابین بہت سی خط و کتابت بھی کتابوں میں ملتی ہے۔ چنانچہ جب عتبہ بن فرقد آذربائیجان گئے تو انہوں نے وہاں ایک خاص قسم کا حلویٰ دیکھا جو بہت لذیذ تھا۔ اس کو خبیص کہتے تھے، ایک روز انہوں نے سوچا کہ یہ حلوہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجا جائے۔ چنانچہ انہوں نے وہ حلوہ تیار کروایا اور محفوظ کر کے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ آپ نے اس حلوہ کو چکھا تو وہ بہت لذیذ تھا۔ انہوں نے حلوہ لانے والے سے پوچھا کہ کیا سب مہاجرین اس میں سے کھا سکتے ہیں؟ ایلچی نے کہا کہ یہ انہوں نے صرف آپ کے لیے خاص بھیجا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو واپس بھیج دیا اور عتبہ بن فرقد کو لکھا کہ جو مسلمان اپنے گھروں میں کھائیں تو بھی وہی کھا۔ اور اے عتبہ! عیش و عشرت کی زندگی سے بچو، اور اہل شرک کی سی شکل و صورت اور ریشمی لباس سے پرہیز کرو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں سے منع فرمایا ہے۔

(الولایۃ علی البلدان: ۱/۱۳۳)

عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں چند سالوں تک آذربائیجان کے والی رہے۔

ان گورنروں کے علاوہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ اور بصرہ میں بھی اپنے والی مقرر فرمائے، بصرہ کے پہلے گورنر شریح بن عامر رضی اللہ عنہ تھے جب کہ کوفہ کے پہلے گورنر سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے جو مدائن سے تبدیل ہو کر یہاں آئے تھے۔

عمال کا تقرر:

صوبوں، ڈویژنوں اور اضلاع کی تقسیم کے بعد سب سے مقدم چیز ملکی عہدیداران کا انتخاب تھا۔ کوئی سربراہ مملکت اور ملک کا وزیراعظم خواہ کیسا ہی بیدار مغز اور کوئی قانون کتنا ہی مکمل کیوں نہ ہو جب تک حکومت کے افسران قابل، لائق، راست باز، دیانت دار اور خدا سے ڈرنے والے نہ ہوں اور ان سے نہایت بیدار مغزی اور ہوشیاری سے کام نہ لیا جائے، صحیح نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ملک ترقی کر سکتا ہے۔ اس معاملہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نہایت بیدار مغزی سے کام لیا۔ اور حکومت کے ارکان اور اس کے افسران کے انتخاب میں بڑی احتیاط سے کام لیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت پر اگر نظر ڈالی جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ انہوں

Marfat.com

نے جس شخص کو بھی جو عہدہ دیا اس کے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی شخص نہیں مل سکتا تھا۔ فن حرب میں سیدنا عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ اور طلحہ بن خویلد رضی اللہ عنہ نہایت ممتاز تھے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو سیدنا نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں عراق کی فتوحات پر مقرر فرمایا، لیکن سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ کو یہ لکھ بھیجا کہ ان کو کسی صیغے کی افسری نہ دینا کیونکہ یہ تدبیر و سیاست میں دخل نہ ہونے کی وجہ سے اس کو نبھا نہ سکیں گے۔

اسی طرح اس زمانہ میں چار اشخاص ''دہاۃ العرب'' کہلاتے تھے، سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے زیاد کے سوا تینوں کو بڑے بڑے ملکی عہدے دیئے اور انہوں نے ان عہدوں کو نہایت خوش اسلوبی سے چلایا۔ پھر ان تینوں کو اپنی حکمت عملی سے خودسر بھی نہ ہونے دیا اور اپنے قابو میں رکھا۔ زیادہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اس زمانہ میں سولہ سالہ نوجوان تھے، اس لیے انہیں کوئی بڑا عہدہ تو نہ دیا گیا، لیکن ان کی قابلیت اور استعداد علمی کی وجہ سے سیدنا ابو موسیٰ کو لکھا کہ ان کو ملکی معاملات اور کاروبار حکومت میں اپنا مشیر کار بنائیں۔

جن حضرات نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کوئی خاص یا اہم کام سرانجام دیا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں بھی ان کے مناسب حال عہدہ دیا۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ ایک دفعہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کا جواب خود اپنی طبیعت سے لکھا اور حضور علیہ السلام نے سن کر اس کو بہت پسند فرمایا۔ اس موقع پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ آپ نے ان کی اس قابلیت اور جواب کو ذہن میں رکھا۔ چنانچہ آپ جب خلیفہ ہوئے تو ان کو اس وجہ سے میر منشی مقرر فرمایا۔ (ابن اثیر: ۲/۲۲۰)

آپ سے قبل سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی اس معاملہ میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ جن لوگوں نے کسی وجہ سے اپنا اعتماد کھو دیا تھا، سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ تائب ہو جانے کے بعد بھی ان کو ذمہ داری کا کوئی کام سونپنا پسند نہیں کرتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی پالیسی اپنائی۔ علاوہ ازیں آج کل کے قاعدہ کی طرح جب تک کسی شخص کے متعلق اس کی حسن کارکردگی کی وجہ سے یقین نہیں ہو جاتا تھا کہ وہ اس عہدہ کا اہل ہے تو اس کا تقرر عارضی طور پر کرتے تھے۔ مستقل ہونے اور ترقی پانے کی شرط ان کے ہاں حسن کارکردگی تھی۔

ویسے بھی حق تعالیٰ شانہ نے فطری طور پر آپ میں جوہر شناسی کا مادہ رکھا ہوا تھا۔

Marfat.com

اس کے باوجود آپ چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی انتخاب عہدہ کے وقت خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حاضرین مجلس سے آپ نے فرمایا کہ مجھے ایک علاقے کے لیے حاکم درکار ہے، لہٰذا اس کے بارے میں مجھے ایک اچھے اور نیک شخص کی نشاندہی کریں۔ ایک شخص نے کہا: ''امیر المؤمنین! فلاں شخص اس عہدہ کے لیے نہایت موزوں ہے۔'' آپ نے اس شخص سے تین سوال کیے۔ ''کیا کبھی تمہارا اس کے ساتھ لین دین کا واسطہ پڑا؟'' اس نے نفی میں جواب دیا۔ تیسرا سوال آپ نے یہ کیا: ''کیا کبھی تم اس کے پڑوسی رہے ہو؟'' اس نے جواب دیا: ''نہیں۔'' آپ نے فرمایا:

لعلك رايتهٗ خارجاً من المسجد بعد الصلوٰة

''شاید تم نے اسے کبھی مسجد سے نماز پڑھنے کے بعد نکلتے ہوئے دیکھا اور تم نے یہ اندازہ کرلیا کہ وہ بہت نیک اور اس عہدے کے لیے موزوں ترین آدمی ہے۔''

ان تینوں سوالوں میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک اچھے انسان کی شخصیت کو جانچنے کا اصول بتا دیا اور بتایا کہ نماز روزہ سے کسی کی شخصیت کا پتہ نہیں چلتا بلکہ لوگوں کے ساتھ مختلف معاملات میں کسی کی شخصیت اجاگر ہوتی ہے۔

بعض دفعہ عہدہ کے انتخاب کے لیے آپ کسی شخص کا نام مجلس شوریٰ کے سامنے پیش کرتے۔ اربابِ مجلس آپ کے حسن انتخاب پر اتفاق رائے کر لیتے۔ چنانچہ نہاوند کی مہم پر سیدنا نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کا اسی طریقہ سے انتخاب ہوا۔ (الاستیعاب ترجمہ نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ)

مختلف عہدیداروں کے تقرر کے لیے کبھی مجلس شوریٰ کا اہم اجلاس بلایا جاتا اور اس میں ان عہدیداران حکومت کا انتخاب ہوتا تھا۔ چنانچہ جو شخص اس مجلس شوریٰ کے ارکان کی طرف سے منتخب کیا جاتا تھا۔ اس کا تقرر کردیا جاتا۔

بعض دفعہ آپ کسی شخص کا آزمائشی تقرر فرماتے اور اگر وہ اس عہدہ پر کامیاب نہ ہوتا تو اسے اس عہدہ سے معزول فرما دیتے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بھی یہی طریقہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے عہد خلافت میں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو شام کی مہم پر فوج کے ایک دستہ پر امیر بنا کر روانہ کیا تو ان کو بہت سی ہدایات دیں۔ ان ہدایات کا آغاز اس طرح کیا:

''میں نے تم کو اس لیے والی بنایا ہے کہ میں تم کو آزماؤں۔ تمہارا تجربہ کروں اور تم کو ٹریننگ دوں۔ اگر تم نے اچھا کام کیا تو میں اس عہدہ پر تم کو برقرار رکھوں گا اور ترقی

Marfat.com

دوں گا، اور اگر تم میرے معیار پر پورے نہ اترے تو میں تمہیں اس عہدہ سے الگ کر دوں گا۔" (ابن اثیر: ۱۲/۲۷۶)

اسی طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو، جو کہ السابقون الاولون میں سے تھے اور زہد وتقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے، بعض مصلحتوں اور قبولیت عامہ کی وجہ سے، کوفہ کا حاکم مقرر فرمایا، لیکن چند روز کے بعد جب انہوں نے دیکھا کہ وہ اس کام کے لیے موزوں نہیں ہیں، تو انہیں معزول کر دیا۔ اس قسم کی بے شمار مثالیں کتابوں میں ملتی ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حکومت کے عہدہ کے لیے ہمیشہ موزوں آدمی تلاش کر کے لگاتے تھے۔ یہ ایک بہت بڑا اور اہم کام تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اکیلے یہ کام نہیں کرنا چاہتے تھے، لہٰذا آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: "اگر تم لوگ میری مدد نہ کرو گے تو اور کون کرے گا؟" (اذا لم تعینونی فمن یعیننی) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بولے: "امیر المؤمنین! ہم آپ کی ضرور مدد کریں گے" وہ زمانہ آج کل کے زمانہ کی طرح نہ تھا، اس زمانہ میں لوگ ملکی انتظام میں حصہ لینا زہد وتقدس کے خلاف سمجھتے، جیسا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے کتاب الخراج میں سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صدقہ کی تحصیل پر مقرر فرمایا تو ان سے یہ ارشاد فرمایا:

"ابو ولید! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اور قیامت کے دن اس حال میں نہ آنا کہ اپنے کاندھوں پر ایک اونٹ اٹھائے ہوئے ہو جو بلبلا رہا ہو یا ایک گائے جو بھاں بھاں کر رہی ہو، یا ایک بکری جو ممیا رہی ہو۔"

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! کیا یہ ذمہ داری ایسی کٹھن ہے؟" آپ نے فرمایا: "ہاں، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، یہ ذمہ داری ایسی ہی ہے سوائے اس شخص کے جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔" انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں آئندہ کبھی دو افراد پر بھی امیر بننا نہیں قبول کروں گا۔" (کتاب الخراج: ص ۸۷)

اندازہ فرمائیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حکومتی ذمہ داریوں سے کس قدر کنی کتراتے تھے۔ چنانچہ سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے کہا: "عمر رضی اللہ عنہ! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو دنیا میں ملوث کرنا چاہتے ہو۔" سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "میں ان بزرگوں کی مدد نہ لوں تو کس سے لوں"۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر ایسا ہی ہے تو تنخواہیں زیادہ مقرر کرو تاکہ لوگ خیانت کی طرف

Marfat.com

مائل نہ ہونے پائیں۔'' (کتاب الخراج:۶۴)

عہدیداروں کی تنخواہیں:

اس زمانہ میں اکثر حضرات کا یہ خیال تھا کہ حکومت کے عہدہ پر کسی خدمت کے معاوضہ پر تنخواہ لینا زہد وتقویٰ کے خلاف ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اکثر حضرات کا یہی خیال تھا، لیکن یہ بات اصول انتظام کے سراسر خلاف تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی اس تمدنی غلطی کو اس طرح رفع کیا کہ عہدیداران حکومت کی تنخواہیں مقرر فرمائیں۔ طبری نے لکھا ہے کہ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے جو امین الامت تھے، ایک موقع پر حق الخدمت لینے سے انکار کیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بہت مشکل سے انہیں اس بات پر راضی کیا۔ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے بھی جو سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا کے بھتیجے تھے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بار بار اصرار پر بھی روزینہ یا مشاہرہ لینے سے انکار کیا۔ (کنزالعمال:۳/۳۲۲)

گورنروں کے فرائض:

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد ہائے خلافت میں جو کسی صوبے کا گورنر یا عامل ہوتا تھا وہی فوج کا افسر اعلیٰ بھی ہوتا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جس شخص کو گورنر مقرر فرماتے، اس کو ایک فرمان دیا جاتا جس پر اس کی تقرری اور اختیارات و فرائض کا ذکر ہوتا جیسا کہ سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں ابن اثیر نے ذکر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو اسد الغابہ) پھر اس پر بہت سے مہاجرین و انصار کی گواہی ثبت ہوتی تھی۔ (کتاب الخراج:۶۶) اس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ جو شخص مقرر کیا جا رہا ہے اس کی لیاقت اور فرائض سے لوگ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آگاہ ہو جائیں اور اگر اس میں کوئی نقص یا عیب یا کمی ہو تو وہ واضح ہو جائے۔ اس فرمان کو لے کر گورنر مدینہ سے روانہ ہو جاتا اور جس مقام پر جاتا تھا وہاں تمام لوگوں کو اکٹھا کر کے یہ فرمان پڑھتا تھا۔ چنانچہ لوگ اس کے عہدہ اور اختیارات اور فرائض سے آشنا ہو جاتے تھے اور جب وہ اپنے ان تفویض کردہ اختیارات سے تجاوز کرتا تو لوگ اس پر گرفت کرتے۔ عاملوں کے فرائض حسب ذیل ہوتے تھے۔

① مسجد میں جماعت کی امامت اور خصوصاً جمعہ کے روز خطبہ دینا۔

② فوج کی نگرانی اور نگہداشت اور ان کی تنخواہ وغیرہ کا بندوبست کر کے اسے تقسیم کرنا۔

③ محاصل حکومت کا اکٹھا کرنا اور اشیاء کی درآمد و برآمد کی نگرانی کرنا۔

Marfat.com

④ حدود اللہ جاری کر کے مجرموں کو سزا دینا۔

⑤ اپنے علاقہ میں امن عامہ کی نگرانی کرنا اور لوگوں کی اخلاقی حالت درست کرنے کی پوری پوری کوشش کرنا۔

⑥ فتنہ پروروں، دہشت گردوں اور امن عامہ میں خلل ڈالنے والوں سے جنگ کرنا۔

⑦ مال غنیمت مسلمان فوجیوں میں تقسیم کرنا اور اس کا خمس مرکز کو بھیجنا۔

⑧ ہر سال حج کے لیے جانے والے مسافروں کے قافلوں کا بندوبست کرنا اور ان کی حفاظت کے ساتھ ہر سہولت بہم پہنچانا۔

⑨ ضعیف اور کمزور سپاہیوں کی پنشن کی ادائیگی اور ان کے متعلقین کی معاشی امداد کا انتظام و انصرام کرنا۔

⑩ کسانوں کا خاص طور پر خیال رکھنا اور علاقہ کی زراعت کو ترقی دینا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس بات کا خاص خیال تھا کہ گورنر کے فرائض سے ہر شہری واقف اور آشنا ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے اپنے کئی خطبات میں اپنے گورنروں کو ہدایت کی: ''یاد رکھو! میں نے تم لوگوں کو امیر اور جبار اور سخت گیر مقرر کر کے نہیں بھیجا ہے بلکہ امام ہدایت بنا کر بھیجا ہے کہ لوگ تمہارے پیچھے چلیں۔ تم لوگوں کے حقوق ادا کرو اور انہیں زدوکوب نہ کرو کہ وہ ذلیل و خوار ہوں۔ ان کی بے جا تعریف نہ کرو کہ وہ اپنے بارہ میں غلطی میں پڑ جائیں۔ ان کے لیے اپنے دروازے بند نہ رکھو کہ زبردست کمزوروں کو کھا جائیں۔ ان سے کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہ دو کہ یہ ان کے لیے ظلم ہے۔''

ہر اس شخص سے جس کو گورنر مقرر کیا جاتا اس سے یہ عہد لیا جاتا تھا کہ:

① وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا۔

② باریک کپڑے نہ پہنے گا۔

③ چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔

④ دروازے پر دربان نہ رکھے گا۔

⑤ اہل حاجت کے لیے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔ (کتاب الخراج:۶۶)

یہ باتیں اکثر پروانہ تقرری پر درج ہوتیں اور گورنر ان کو مجمع عام میں پڑھ کر سناتا۔

Marfat.com

گورنروں کے اثاثوں کی فہرست:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ صرف گورنروں کو مقرر ہی نہیں فرماتے تھے بلکہ ان کی خصوصی نگرانی بھی فرماتے تھے، کیونکہ کل کو ان کا احتساب بھی کرنا ہوتا تھا۔ اس لیے جس وقت کوئی عامل مقرر فرماتے تھے تو اس کی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کی ایک مکمل فہرست تیار کر کے اپنے پاس محفوظ رکھ لیتے تھے اور جب دیکھتے کہ کسی عامل کی مالی حالت غیر معمولی زیادہ ہوگئی تو اس کا احتساب کر کے مواخذہ کیا جاتا تھا۔ (فتوح البلدان:۲۱۹)

گورنر کے مال میں اضافہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کی امانت و دیانت مشکوک سمجھی جاتی تھی۔ آپ ان سے پورا پورا حساب لیتے اور زائد سامان بحق سرکار ضبط کر لیتے۔ پھر ان سے فرماتے:

''ہم تمہیں گورنر بنا کر بھیجتے ہیں تاجر بنا کر نہیں بھیجتے۔''

گورنر کی اس مالی زیادتی کی ٹوہ کے لیے الگ کارخاص کے لوگ ہوتے تھے اور گورنر خواہ مصر میں ہو اس کی ہر بات کی اطلاع امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں ہوتی تھی۔

حج میں گورنروں کی حاضری:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے گورنروں کو حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں طلب کرتے اور ان کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا کہ وہ مکہ میں اکٹھے ہوں۔ پھر آپ گورنروں سے ان کے کاموں کے بارہ میں پوچھتے اور عوام سے گورنروں کے رویہ کے متعلق دریافت فرماتے۔ اس سے وہ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ اپنے فرائض کے احساس میں گورنر کتنی احتیاط اور ہوش مندی سے کام لیتے ہیں اور ادائے فرض کے وقت اپنے یا اپنے کسی رشتہ دار کے مفاد کا لحاظ تو نہیں رکھتے۔ اس لیے کہ اخلاص اور بے غرضی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہر شئے پر مقدم تھی۔

گورنروں سے یہ پوچھ گچھ بھی کسی خاص میٹنگ میں نہ ہوتی جیسا کہ آج کل رواج ہے بلکہ حج میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خود کھڑے ہو کر اعلان فرماتے تھے کہ ''اگر کسی کو کسی عامل کے خلاف کوئی شکایت ہو تو پیش کرے۔'' چنانچہ اگر کسی کو کوئی شکایت ہوتی تو وہ مجمع عام میں بیان کرتا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تحقیقات کر کے مناسب کارروائی کرتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا:

''لوگو! گورنر جو مقرر کر کے مختلف صوبوں میں بھیجے جاتے ہیں، وہ اس لیے نہیں بھیجے

Marfat.com

جاتے کہ وہ تمہیں طمانچے ماریں اور تمہارا مال چھین لیں، بلکہ میں ان کو اس لیے بھیجتا ہوں کہ وہ تمہیں سنت نبوی کا راستہ سکھائیں۔ پس اگر کسی گورنر نے اس کے خلاف کیا ہو تو بلا جھجک مجھ سے بیان کرو۔"

گورنر مصر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کہا: "امیر المومنین! اگر کوئی گورنر ادب سکھانے کے لیے کسی کو مارے گا تب بھی آپ اسے سزا دیں گے؟" سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، میں اسے ضرور سزا دوں گا کیونکہ میں نے خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔ خبردار! مسلمانوں کو ہرگز نہ مارا کرو ورنہ وہ ذلیل ہو جائیں گے۔ ان کے حقوق تلف نہ کرو ورنہ وہ کفران نعمت پر مجبور ہو جائیں گے۔" (ابن اثیر: ۳/۳۰، مسند ابی داؤد حدیث نمبر ۵۵، طبری: ۳/۲۷۳)

عاملوں کی تحقیقات کا محکمہ:

گورنروں کے بارہ میں جو شکایت بارگاہ خلافت میں پہنچتی اس کی تحقیقات کے لیے ایک محکمہ مقرر تھا جس کے انچارج سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ جلیل القدر صحابہ میں سے تھے۔ ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی مہم پر تشریف لے گئے تو مدینہ میں انہیں اپنا نائب مقرر کر گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں تحقیقاتی سیل کا انچارج بنایا ہوا تھا۔ جس صوبے سے بھی کسی گورنر کی شکایت موصول ہوتی تو وہ موقع پر جا کر تحقیق احوال کرتے۔

(اسد الغابہ تذکرۃ محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ)

احتساب:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سب سے نمایاں شئے عہدیداران حکومت کا احتساب ہے۔ حکومت کے نظم و نسق کو درست رکھنے کے لیے عہدیداران کا احتساب ایک نہایت ضروری چیز ہوتی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں کبھی نہیں چوکے۔ وہ خود بھی اپنے آپ کو عوام کے سامنے احتساب کے لیے پیش کرتے تھے اور رعایا کا ہر شخص ان کا محاسبہ کر سکتا تھا۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ عامل حکومت کے تقرر کے وقت ایک پروانہ اسے دیا جاتا تھا۔ جس میں اس کے اختیارات و فرائض کی تفصیل و تصریح ہوتی تھی۔ آپ سمجھتے تھے کہ حکومت کے عہدے دار اگر پر تکلیف زندگی گزارنے لگے اور عوام سے دور ہو گئے اور عوام اور ان کے درمیان کوئی رکاوٹ

Marfat.com

ہوئی تو وہ ان کی خدمت نہیں کر سکیں گے، چنانچہ گورنر ہاؤس کو دروازہ لگانے کی اجازت نہیں تھی۔ گورنروں کو نہایت سادہ زندگی گزارنے کا حکم تھا۔ وہ باریک کپڑے نہیں پہن سکتے تھے، دروازہ پر دربان نہیں رکھ سکتے تھے، ضرورت مندوں کے لیے ان کا دروازہ ہر وقت کھلا ہونا لازمی تھا۔

احتساب کا ایک طریقہ یہ تھا کہ تمام گورنروں کو یہ حکم تھا کہ وہ حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں حاضر ہوں (جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے) اور اعلان کیا جاتا کہ اگر کسی شخص کو کسی گورنر کے خلاف کوئی شکایت ہو تو وہ بغیر کسی ڈر خوف کے بیان کرے۔ چنانچہ لوگ اپنی شکایات پیش کرتے اور آپ اس کا تدارک فرماتے۔ اگر آپ کو پتہ چل جاتا کہ کسی گورنر نے کسی پر کوئی زیادتی کی ہے تو اسے مجمع عام میں سزا دی جاتی۔ سیدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی اور مصر کے ایک علاقہ کے عامل تھے۔ بارگاہِ خلافت میں شکایت پہنچی کہ وہ باریک کپڑا پہنتے ہیں اور گھر کے باہر دربان مقرر ہے۔ اطلاع کا پہنچنا تھا کہ بارگاہِ خلافت سے احتساب شروع ہوا۔ فوراً محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ، افسر تحقیقات، کو تحقیقات کے لیے بھیجا اور حکم دیا کہ اگر یہ اطلاع درست ہو تو عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کو فوراً بارگاہِ خلافت میں پیش کیا جائے۔ چنانچہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ مصر پہنچے اور سیدھے عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کے گھر گئے۔ دیکھا کہ واقعی دروازہ پر دربان ہے اور عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ باریک کپڑے پہنے گھر میں بیٹھے ہیں۔ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ عامل مصر کو اسی ہیئت اور لباس میں لیکر مدینہ آئے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کا باریک کرتہ اتروایا اور بالوں کا موٹا کرتہ پہنا کر جنگل میں بکریاں چرانے کا حکم دیا۔ عیاض رضی اللہ عنہ کو انکار کی مجال نہ تھی۔ بار بار یہی کہتے تھے کہ اس سے مر جانا بہتر ہے۔ سیدنا فاروق اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ تو تمہارا آبائی پیشہ ہے، اس میں عار کیوں ہے؟'' عیاض رضی اللہ عنہ نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے۔ اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی اور احسن طریقے سے انجام دیتے رہے۔'' (کتاب الخراج: ٦٦، طبری: ٣/٢٠٧)

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ''سیف من سیوف اللہ'' شجاعت و جانبازی کے لحاظ سے تاج اسلام کا درشاہوار اور بارگاہِ رسالت کے گوہر تابدار اور اپنے زمانے کے نہایت بااثر اور ذی وقار بزرگ صحابی تھے۔ بارگاہِ فاروقی سے سپہ سالاری کے منصب جلیلہ سے صرف اسی لیے معزول کر دیئے گئے کہ انہوں نے ایک قصیدہ گو کو دس ہزار کی رقم بطور انعام دیدی۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو آپ نے سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ خالد رضی اللہ عنہ نے اگر یہ رقم اپنی گرہ سے دی ہے تو

Marfat.com

اسراف کیا ہے اور اگر بیت المال سے دی ہے تو خیانت کی ہے، لہٰذا دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔ (ابن اثیر: ۲/ ۴۱۸)

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بننے کے بعد سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ لوگوں کو خلیفہ کی اجازت کے بغیر کوئی عطیہ نہ دیا کریں حتیٰ کہ کسی کو مسلمانوں کے خزانے سے ایک بکری یا ایک بھیڑ بھی دینی ہو تو دربارِ خلافت سے اس کی منظوری لی جائے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جس چیز پر کاربند تھے اس سے دست بردار ہونے پر رضامند نہ ہوئے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں معزول کر دیا۔ یہ بات واضح رہے کہ نہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ پر بددیانتی کا الزام لگایا اور نہ ہی ان کے بارہ میں بددیانتی کا ادنیٰ شائبہ ہو سکتا ہے۔ عطیات دینا بھی اسلامی حکومت کے مفاد کے لیے تھا جب کہ ان عطیات پر خلیفہ کی منظوری کی شرط بھی ریاست اسلامی کے مفاد میں تھی۔ لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ اس بات کے اثرات عوام پر اچھے نہیں پڑتے تو اتنے بڑے جرنیل کو آپ نے معزول کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کی۔

اسی طرح سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ رشتہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں (اسد الغابہ: ۲/ ۲۹۱) اسلام میں چھٹے یا ساتویں مسلمان، غزوہ بدر، غزوہ احد، فتح مکہ، غزوہ طائف، غزوہ حنین، غزوہ تبوک اور دیگر غزوات کے جانباز مجاہد، عشرہ مبشرہ کے فرد، فاتح ایران، اتنی صفات کے حامل، لیکن بتانے والے نے جب بتایا کہ انہوں نے کوفہ میں ایک محل تعمیر کرایا ہے جس میں ایک ڈیوڑھی بھی ہے جس کی وجہ سے لوگوں کو گورنر تک پہنچنے میں رکاوٹ ہونے کا اندیشہ ہے تو آپ نے اسی وقت سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ اس بات کی تحقیق کریں۔ اگر واقعی ڈیوڑھی بنی ہوئی ہے تو وہ ''قصر سعد'' نہیں ''قصر فساد'' ہے۔ اسی وقت اس ڈیوڑھی کو آگ لگا دیں۔ چنانچہ سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین کے حکم کی تعمیل میں کوفہ پہنچ کر ڈیوڑھی کو آگ لگا دی اور سیدنا سعد رضی اللہ عنہ اس منظر کو خاموشی سے دیکھا کیے۔

ایک مرتبہ محمد بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ایک مصری کے تازیانے لگائے۔ وہ مارتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے: ''میں بڑوں کی اولاد ہوں۔'' سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس مصری کو قید کر دیا کہ مبادا وہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے ان کے بیٹے کی شکایت کر دے۔ جب وہ مصری قید سے چھوٹا تو سیدھا مدینہ منورہ پہنچا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اس بات کی شکایت کی۔ سیدنا

Marfat.com

عمر رضی اللہ عنہ نے اسے تو اپنے پاس ٹھہرا لیا اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے کو مصر سے بلا کر مجلس قصاص میں طلب کیا۔ جب دونوں باپ بیٹے مجلس قصاص میں پیش ہوئے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے فرمایا: ''مصری کہاں ہے؟'' جب مصری آیا تو فرمایا: ''لے یہ درہ اور بڑوں کی اولاد کو مار۔'' مصری نے محمد کو درے مارنا شروع کر دیئے یہاں تک کہ وہ بے دم ہو گئے۔ مصری انہیں مارتا جاتا تھا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے جاتے تھے ''بڑوں کی اولاد کو مار'' جب مصری جی بھر کر انہیں مار چکا اور درہ امیر المومنین کو واپس کرنے لگا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: ''عمرو رضی اللہ عنہ کی چندیا پر بھی مار، خدا کی قسم، بیٹا تجھے ہرگز نہ مارتا اگر اسے باپ کے اقتدار کا گھمنڈ نہ ہوتا۔'' سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا: ''امیر المومنین! آپ بھرپور سزا دے چکے ہیں۔'' اور مصری سے کہا: ''قسم ہے خدا کی! اگر تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو مارتا تو ہم اس وقت بیچ میں نہ آتے جب تک تو خود ہی اپنا ہاتھ نہ روک لیتا۔ اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی طرف مخاطب ہو کر غضب ناک لہجے میں فرمایا: ''عمرو رضی اللہ عنہ! تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنا رکھا ہے جب کہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا۔''

اس قسم کے احتساب کے واقعات آپ کی کتاب زندگی میں اس قدر ہیں کہ ایک پوری کتاب ان سے مرتب ہو سکتی ہے۔ آپ اپنے خطبات میں اکثر یہ فرمایا کرتے تھے:

''اے اللہ! میں ان گورنروں کے بارہ میں جن کو میں نے مختلف شہروں میں مقرر کیا ہوا ہے، تجھے گواہ بناتا ہوں۔ اے اللہ! میں نے ان کو اس لیے گورنر بنا کر بھیجا ہے تاکہ یہ لوگوں کو ان کا دین سکھائیں اور ان کو نبی کی سنت کی تعلیم دیں۔ اور ان کا مال ان پر تقسیم کریں اور انصاف کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ اور اگر کسی معاملہ میں انہیں کوئی مشکل پیش آئے تو میری طرف رجوع کریں۔''

(محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ: ۲/۹)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ صرف سختی ہی نہیں کرتے تھے۔ آپ کا معاملہ اپنی رعایا سے محض حاکم و محکوم کا نہ تھا اور آپ نے محض اپنے جسم ہی کو دن رات لوگوں کی خدمت کا خوگر نہ بنا رکھا تھا بلکہ آپ کے قلبی جذبات اور ہمدردی و محبت کے احساسات ہر لمحے آپ کو رعایا کی خدمت اور بھلائی کے لیے سرگرم رکھتے تھے۔ عوام کی خوشی اور غم میں آپ برابر شرکت فرمایا کرتے تھے۔ گورنروں سے احتساب بھی اسی ہمدردی کے نتیجہ میں تھا۔ کوئی حادثہ کسی فرد امت کو پیش آجاتا تو

Marfat.com

سب سے پہلے اس سے اظہار ہمدردی کے لیے آنے والی خود آپ کی ذات ہوا کرتی تھی۔ سیدنا سعید بن یربوع رضی اللہ عنہ کی بینائی ختم ہوگئی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کے ہاں تشریف لے گئے۔ اظہار ہمدردی بھی کیا اور ساتھ ہی محبت کے ساتھ نصیحت فرمائی: ''نماز جمعہ اور پانچ وقت کی نماز باجماعت مسجد نبوی میں ادا کرنے کی کوشش کرنا'' انہوں نے کہا: ''امیر المومنین! میری بھی یہی خواہش ہے مگر مجھے مسجد تک لے جانے والا کوئی نہیں۔'' اسی وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی خدمت کے لیے ایک غلام مقرر فرما دیا۔

عمال کا یہ محاسبہ اس وجہ سے تھا کہ وہ مملکت اسلامیہ کے ایک ایک گوشے میں عدل و انصاف قائم کرنا چاہتے تھے اور اس سلسلے میں اپنے آپ کو، اپنے ضمیر کو اللہ کے سامنے جواب دہ سمجھتے تھے یعنی اگر ان کے کسی عامل اور گورنر نے کوسوں دور بھی کسی شخص پر ظلم کیا تو گویا خود انہوں نے اس شخص پر ظلم کیا۔ ایک روز حاضرین سے فرمایا: ''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اگر میں نے اپنے علم کے مطابق بہترین آدمی کو عامل مقرر کر کے اسے عدل کا حکم دے دیا تو میں اپنے فرض سے عہدہ برآ ہو گیا؟'' لوگوں نے کہا: ''جی ہاں'' فرمایا ''نہیں، یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک میں نہ دیکھ لوں کہ جو کچھ میں نے حکم دیا تھا اس پر عمل بھی کیا جا رہا ہے یا نہیں؟'' اسی لیے وہ ان گورنروں کا محاسبہ اتنی شدت سے کرتے تھے۔ بلکہ بعض روایات میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس شدید محاسبے سے متعلق بعض ایسے واقعات بھی ملتے ہیں جن پر یقین کرتے ہوئے لوگ ہچکچاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے شام میں اپنے اہل و عیال کے لیے راحت و فراغت کے سامان فراہم کر لیے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے ان کے مشاہرے میں کمی کر دی یہاں تک کہ ''امین الامت'' کی رنگت بگڑ گئی۔ کپڑوں کی حیثیت بدل گئی اور حالت تباہ ہوگئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب ان کا یہ حال معلوم ہوا تو فرمایا: ''اللہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے، انہوں نے بڑے صبر و تقویٰ سے کام لیا'' اور ان کی تنخواہ بحال کر دی۔ عمال کے محاسبے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شدت کا یہ عالم تھا کہ وہ عامل کو کبھی ایسے شبہے پر معزول کر دیتے تھے جو دلیل سے ثابت نہ ہوتا تھا بلکہ بعض اوقات ایسے گمان پر بھی اس کی معزولی کر دیتے تھے جسے صحیح معنوں میں شبہ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ اس کے متعلق ایک دفعہ ان سے سوال کیا گیا تو فرمایا: ''اگر قوم کے معمولی سے فائدے کے لیے کسی امیر کو بدلنا پڑے تو میں اسے بدل دوں گا۔''

گورنروں کے اس شدید محاسبے سے آپ کی یہ غرض نہ تھی کہ ان کی حاکمانہ شان کو

Marfat.com

نقصان پہنچایا جائے یا ان کا وقار کم کیا جائے۔ نہیں، وہ اپنے اختیارات میں آزاد تھے۔ ان کے احکام نافذ ہوتے تھے اور جب تک وہ عدل و انصاف کی راہ سے نہ ہٹتے تھے، ان کا اقتدار سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اقتدار کے مساوی سمجھا جاتا تھا۔ اس کے باوجود اگر کوئی خیرہ سران کے ساتھ زیادتی یا کوئی دریدہ دہن ان کی بے عزتی کرتا تو اسے عبرتناک سزا دی جاتی۔ اہل عراق نے از راہ تحقیر اپنے امام پر کنکریاں پھینکیں۔ اس سے پہلے بھی وہ ایک امام کے ساتھ یہی بدتمیزی کر چکے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا اور انہوں نے اہل شام سے کہا: ''اہل عراق کے خلاف تیاری کرو کہ شیطان نے ان میں انڈے بچے دے دیئے ہیں۔''

آج کل کے اس مغرب زدہ دور میں جب کہ تمام انسانی اقدار تبدیل ہو چکی ہیں، کوئی شخص زبان اعتراض دراز کرے کہ گورنروں پر اس قدر سختی اچھی نہیں، لیکن ملک میں کرپشن کو روکنے کا یہی ایک ذریعہ ہے کہ ارکان حکومت اور عہدہ داران سلطنت سادگی اختیار کریں۔ عربی کا مشہور مقولہ ہے اور یہ بالکل درست ہے کہ ''الناس علی دین ملوکھم'' لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں۔ حکومت کے وزراء اور سیکرٹریوں کو لوگ جو کرتا دیکھتے ہیں خود بھی اسی طرح کی زندگی گزارنی شروع کر دیتے ہیں۔ حکومت کے اعضاء و جوارح اگر سادہ زندگی گزاریں گے تو لوگ بھی اسی طرح کی سادہ زندگی گزارنے کی عادت بنا لیں گے، لیکن اگر وہ ان کو عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے دیکھیں گے تو عوام کے دلوں میں بھی عیش و عشرت کی زندگی گزارنے کی عادت پیدا ہو گی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ارکان سلطنت پر سختی کی لیکن عوام الناس کو اس بارہ میں کچھ نہیں کہا۔ چنانچہ حکومت کے عمال کی سادگی نے عوام کے طرز معاشرت میں بھی سادگی پیدا کر دی۔ لیکن جہاں آپ نے دیکھا کہ عمال حکومت کو بڑے سرو سامان سے رہنا سیاسی مصلحت کا تقاضا ہے وہاں آپ نے بالکل کوئی تعرض نہیں کیا جیسا کہ بیت المقدس کے دورہ کے وقت آپ نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اچھا لباس پہنے ہوئے دیکھا تو پہلے تو آپ کو ان کی اس ہیئت کذائی کو دیکھ کر غصہ آیا لیکن جب انہوں نے کہا کہ ہمارا یہاں رومیوں سے ہر وقت سابقہ پڑتا رہتا ہے اور ان کی نظر میں اس کے بغیر سلطنت کا رعب و داب قائم نہیں رہ سکتا تو پھر آپ خاموش ہو گئے اور ان سے کوئی تعرض نہ کیا۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی آپ کا یہی معاملہ ہوا۔ عمر رضی اللہ عنہ شام جا رہے تھے، دیکھا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایک شاندار جلوس کے ساتھ چلے آ رہے ہیں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے

Marfat.com

گھوڑے سے اتر کر امیر المومنین کو سلام کیا۔ لیکن فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جواب دیئے بغیر آگے بڑھ گئے۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کم از کم آپ ان سے بات تو کر لیتے۔'' اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''یہ شاندار جلوس تمہارا ہے؟'' انہوں نے کہا ''جی ہاں۔'' فرمایا: ''افسوس ہے تم پر ایسا کیوں ہے؟'' سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہمارے ملک میں دشمن کے جاسوس بہت ہیں۔ اگر ہم اس شان وشوکت سے نہ رہیں تو دشمن ہمیں کمزور سمجھ کر ہم پر ٹوٹ پڑے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ میں آپ کا گورنر ہوں۔ آپ گھٹائیں گے تو گھٹ جاؤں گا، بڑھائیں گے تو بڑھ جاؤں گا اور روک دیں تو رک جاؤں گا۔'' آپ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد بولے: ''معاویہ! میں جب تم سے باز پرس کرتا ہوں تو تم صاف بچ کر نکل جاتے ہو۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب یہ دیکھتے کہ ان کے گورنر محض رعایا کی بھلائی اور بہتری کے کام کر رہے ہیں تو ان سے بہت خوش ہوتے تھے اور ان کی بے انتہا تعریف فرماتے تھے۔ عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کو انہوں نے حمص کا والی مقرر فرمایا، اور کچھ عرصہ کے بعد انہیں لکھا: ''جتنا خراج تم نے وصول کیا ہے وہ سارے کا سارا لے کر میرے پاس پہنچو۔'' جب سیدنا عمیر رضی اللہ عنہ بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے تو پوچھا: ''کیا لے کر آئے۔'' انہوں نے جواب دیا: ''آپ نے مجھے بھیجا اور میں وہاں پہنچا۔ میں نے قوم کے نیک لوگوں کو اکٹھا کیا اور خراج وصول کرنے کی خدمت ان کے سپرد کر دی۔ جب انہوں نے خراج جمع کر لیا تو میں نے اسے موقع موقع سے خرچ کر دیا۔ اگر اس میں آپ کے لیے کچھ بچتا تو میں ضرور آپ کی خدمت میں پیش کرتا۔'' سیدنا عمیر رضی اللہ عنہ نے یقین دلایا کہ انہوں نے سارا خراج اہل حمص پر خرچ کر دیا ہے تو فرمایا: ''عمیر رضی اللہ عنہ کو پھر وہیں بھیج دو'' یہ وہی عمیر رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے ایک مرتبہ حمص کے منبر پر کھڑے ہو کر کہا تھا: ''جب تک اسلام میں حکومت کا زور ہے وہ ناقابل شکست رہے گا'' لیکن حکومت کے زور کا مطلب تلوار سے قتل کرنا اور تازیانے سے مارنا نہیں بلکہ حق کے ساتھ فیصلہ اور انصاف کے ساتھ مواخذہ کرنا ہے۔ انہی عمیر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ ''کاش عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ جیسا کوئی شخص میرے پاس ہوتا جس سے میں مسلمانوں کے کام میں مدد لیتا۔''

عمال اور ارکان سلطنت کو بددیانتی اور کرپشن سے محفوظ رکھنے کے لیے آپ نے ان کی تنخواہیں بیش قرار مقرر کیں جس کی وجہ سے رشوت اور غبن کے واقعات معدوم ہو گئے۔ علاوہ ازیں آپ نے ارکان سلطنت میں دینی اقدار کو اجاگر کیا اور اللہ تعالیٰ کا خوف اور آخرت کے

Marfat.com

مواخذے کا تصور ان کے دلوں میں پیدا کیا۔ جس کی وجہ سے تاریخ کی کتابوں میں ڈھونڈے سے بھی کرپشن کا کوئی واقعہ آپ کو نہیں ملے گا۔ چنانچہ حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرۃ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عمال فاروقی کی تنخواہیں بیش قرار تھیں۔ صوبے داروں کی تنخواہ پانچ پانچ ہزار تک ہوتی تھی۔ اور مال غنیمت کی تقسیم میں جو رقم انہیں ملتی وہ اس کے علاوہ تھی۔ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ گورنر شام کی تنخواہ ایک ہزار دینا ماہوار تھی جو اس ارزاں معیشت میں بہت زیادہ تھی۔ آج کل جو ایشیائی ملکوں اور ترقی پذیر ملکوں میں کرپشن اور بددیانتی کا دور دورہ ہے اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو تنخواہوں کا کم ہونا، معیشت کا گراں ہونا۔ اور دوسری وجہ دولت کی ہوس۔ آج جب سرمایہ دارانہ نظام میں لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ معاشرہ میں اس شخص کی زیادہ عزت ہوتی ہے جس کے پاس دولت زیادہ ہے تو ہر امیر و غریب کے دل میں دولت کی ہوس اور حرص اسے بددیانتی، رشوت اور غبن پر مجبور کرتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سینکڑوں ارکان اسمبلی کی کرپشن یا ہزاروں ارکان سلطنت کی بددیانتی اور رشوت ستانی پورے معاشرے کو گدلا کر دیتی ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو آخرت رخی زندگی کا تصور دیا اور جس شخص کے ذہن میں آخرت رخی زندگی کا تصور بیٹھ جائے وہ اس بات سے باخبر ہو جاتا ہے کہ دنیا میری منزل نہیں بلکہ آخرت منزل ہے اور دنیا صرف اس منزل تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ جس طرح ایک دنیا پرست آدمی کی زندگی کی تمام سرگرمیاں دنیوی مصالح کے گرد گھومتی ہیں۔ اسی طرح ایک بندہ خدا کی پوری زندگی کا رخ آخرت کی طرف ہو جاتا ہے۔ ہر معاملہ میں اس کا رویہ اس فکر کے تحت بنتا ہے کہ آخرت میں اس کا انجام کیا ہوگا۔ اس آخرت رخی زندگی کے تصور کے جاگزین ہونے کے بعد آدمی کے جینے کی سطح بدل جاتی ہے اور جب تک جینے کی سطح نہ بدلے عمل کی سطح نہیں بدل سکتی۔

یہ اسی آخرت رخی زندگی کا اثر تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنی تقریر میں فرمایا: ''اگر تم لوگ میرے اندر کوئی غلطی دیکھو تو کیا کرو گے؟'' ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: ''خدا کی قسم! اگر ہم تمہارے اندر کوئی ٹیڑھ دیکھیں گے تو ہم اس کو تلوار سے سیدھا کر دیں گے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کی اس گستاخی پر تنبیہ کے بجائے فرمایا: ''خدا کا شکر ہے کہ اس نے مسلمانوں میں ایسے لوگ بنائے جو عمر رضی اللہ عنہ کی ٹیڑھ کو تلوار سے سیدھا کر دیں گے۔''

مختصر یہ کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عمال و ارکان حکومت کی تنخواہیں بیش قرار مقرر کیں

Marfat.com

حالانکہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ارکان حکومت کی، تنخواہیں معمولی ہوتی تھیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ "ہم میں سے جو کوئی شخص بھی والی ہو، اگر اس کی بیوی نہ ہو تو بیوی کرے، نوکر نہ ہو تو نوکر رکھے، گھر نہ ہو تو گھر بنائے کرایہ پر لے، سواری کا جانور نہ ہو تو وہ لے، اس سے زیادہ جو لے گا وہ خائن ہے یا چور۔" (کنز العمال بر حاشیہ مسند احمد بن حنبل: ۲/۱۴۲)

سیدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مکہ کے گورنر مقرر ہوئے تھے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی اس منصب پر فائز رہے، ان کی تنخواہ تیس درہم ماہانہ تھی۔

(التراتیب الاداریہ للکتانی: ۱/۲۶۴)

اتنی قلیل تنخواہ ناگزیر ضروریات زندگی ہی کی کفیل ہو سکتی تھی، اس میں پس انداز کرنے کی کوئی گنجائش نہ تھی، لہٰذا ان کی وفات کے بعد صرف دو کپڑے ان کے پاس موجود تھے۔

(الاصابہ: ۲/۴۴۴ ترجمہ عتاب ابن اسید رضی اللہ عنہ)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتوحات کی کثرت کی وجہ سے ریاست کی آمدنی میں کافی اضافہ ہوا اس وجہ سے بھی آپ نے ارکان سلطنت کی تنخواہیں زیادہ مقرر کیں اور ہر شخص کی ذمہ داری کے لحاظ سے اس کی تنخواہ میں اضافہ کیا۔

عہد فاروقی کے بعض عہدیداران کے نام:

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت ۱۰ سال چھ ماہ چار دن تھی۔ اس مدت میں فتوحات کی کثرت کی وجہ سے سلطنت کی پہنائیوں میں بہت اضافہ ہوا۔ لیکن آپ نے حکومت کے نظم ونسق کے دائرہ میں بھی وسعت پیدا کی اور جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ پوری مملکت کو مختلف صوبوں، ڈویژنوں اور ضلعوں میں تقسیم کیا اور اس میں دیانتدار، نیک خصلت، مخلص اور قابل ترین حاکم مقرر فرمائے جن کی فہرست درج ذیل ہے۔ ان کے ناموں سے قاری کو یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ یہ لوگ دینی، اخلاقی اور علمی لحاظ سے کیسے لوگ تھے۔

نام مقام ماموریت عہدہ کیفیت:

نام	مقام ماموریت	عہدہ	کیفیت
سیدنا ابوعبیدہ	شام	والی	مشہور صحابی اور عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں۔
سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما	شام	والی	تمام بنوامیہ میں ان سے بڑھ کر کوئی شخص لائق نہ تھا

Marfat.com

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ	شام	والی	سیاست وتدبیر میں مشہور ہیں۔
سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	مصر	والی	مصر انہی نے فتح کیا۔
سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	کوفہ	والی	آنحضرت ﷺ کے رشتہ میں ماموں اور عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں۔
سیدنا عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ	بصرہ	والی	مہاجرین میں سے ہیں۔ بصرہ انہی نے آباد کرایا۔
سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ	بصرہ	والی	مشہور جلیل القدر صحابی ہیں۔
سیدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ	مکہ مکرمہ	والی	رسول اللہ ﷺ نے انہیں مکہ کا عامل مقرر کیا تھا
سیدنا ناف بن عبدالحارث	مکہ مکرمہ	والی	فضلائے صحابہ میں سے تھے۔
سیدنا خالد بن عاص رضی اللہ عنہ	مکہ مکرمہ	والی	ابوجہل کے بھتیجے اور معزز شخص تھے۔
سیدنا یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ	یمن	والی	صحابہ میں سے تھے اور فیاضی میں شہرت عام رکھتے تھے
سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ	یمن	والی	بڑے با اثر تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں یمن کا والی مقرر کیا تھا۔
سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ	مدائن	صاحب الخراج	
سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ	اضلاع فرات	کمشنر بندوبست	حساب کتاب اور پیمائش میں نہایت ماہر تھے۔
سیدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ	جزیرہ	والی	جزیرہ انہی نے فتح کیا تھا
سیدنا عمرو بن سعد رضی اللہ عنہ	حمص	والی	سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کی نہایت عزت کرتے تھے
سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ	مدائن	والی	مشہور صحابی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے راز دار تھے
سیدنا نافع بن الحارث رضی اللہ عنہ			بڑے خاندانی آدمی تھے۔

Marfat.com

سیدنا خالد بن حرث وہمانی رضی اللہ عنہ	اصفہان	افسر خزانہ	
سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ	سوق الاہواز		اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔
سیدنا نعمان بن عدی رضی اللہ عنہ	میسان		صحابہ میں سے اول انہی کو وراثت کا مال ملا
سیدنا عرفجہ بن ہرثمہ رضی اللہ عنہ	موصل	کمشنر مالگزاری	موصل میں انہی نے فوجی چھاؤنی بنائی۔(الفاروق، علامہ شبلی: ۲۰۵)

Marfat.com

مالی نظام

(ریاست کے ذرائع آمدنی ومصارف)

اسلامی ریاست کے ذرائع محاصل مندرجہ ذیل ہیں۔

① خراج
② جزیہ
③ فے اور غنیمت وخمس
④ مشترکہ قومی املاک سے استفادہ
⑤ زمین کے اندر پائے جانے والے معدنی ذخائر (معادنِ باطنہ)
⑥ ریاستی کاروبار کے منافع
⑦ اوقاف
⑧ لاوارث افراد یا اداروں کے ترکے

اس کے علاوہ بھی کچھ اور مدات ہیں جن سے اسلامی ریاست کو آمدنی ہوتی ہے۔

① خراج:

خراج اس کرایہ کا نام ہے جو اسلامی ریاست اپنی مملوکہ زمین پر وصول کرتی ہے (الخراج فی الدولۃ الاسلامیہ، ضیاء الدین الریس :۱۵۶۔۱۵۷) کرایہ دار کی حیثیت عام کرایہ داروں جیسی بھی ہوسکتی ہے اور موروثی کاشتکاروں جیسی بھی۔ جو غیر مسلم کاشتکار اپنی زمینوں کے مالک نہ ہوں بلکہ اسلامی ریاست کی مملوکہ زمین پر کرایہ دار یا موروثی کاشتکار کی حیثیت سے کاشت کررہے ہوں ان سے حکومت اس زمین پر جو کرایہ وصول کرے گی اسے خراج کہا جاتا ہے۔ اس

Marfat.com

کرایہ کی کوئی شرح شریعت نے متعین نہیں کی بلکہ مختلف زمانوں میں زمین کی کیفیت کے لحاظ سے مختلف شرحیں رہی ہیں جو کہ کاشتکار کی ضروریات اور زمین کی کیفیت کے لحاظ سے ہوتی ہیں۔

جو غیر مسلم جنگ کے بعد اسلامی اقتدار کے تحت آئے ہوں ان کی زمینیں ان کی ملکیت نہیں رہ جاتیں بلکہ اسلامی ریاست کی ملکیت میں چلی جاتی ہیں۔ خراج کا تعلق اصلاً ایسی ہی زمینوں سے ہے۔ (کتاب الاموال لابی عبید: ۶۸/ ۲۷۹، الخراج فی الدولۃ الاسلامیہ: ۱۱۱)

صیغہ محاصل میں خراج کی یہ مد ایک نیا اضافہ ہے۔ اسلام سے پہلے عربوں میں محاصل کی اس مد کا پتہ نہیں چلتا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے جب خیبر فتح کیا تو وہاں کے یہودیوں نے کہا کہ ہم ان زمینوں کے مالک ہیں اور ان کا جوتنا اور بونا ہم تم سے زیادہ جانتے ہیں، اس لیے ہمارے ساتھ بٹائی پر معاملہ کرلو۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ان کی یہ درخواست منظور فرمالی اور نصفا نصفی پر معاملہ کرلیا۔ فدک کے لوگوں کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے بھی ایسا ہی معاملہ کرنا چاہا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ان کی درخواست بھی منظور فرمالی۔

(کتاب الخراج لابی یوسف: ۵۰۔۵۱)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دور خلافت میں ان لوگوں کے ساتھ یہی معاملہ ''مقاسمت'' یعنی بٹائی پر رکھا۔ (کتاب الخراج: ۵۰) لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں عراق اور شام کے جو علاقے فتح ہوئے تھے آپ نے ان پر سرسری طور پر کچھ رقم متعین کردی تھی۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ امام کو کلی اختیار ہے کہ اگر وہ چاہے تو مفتوحہ زمین پر بٹائی پر معاملہ کرسکتا ہے اور اگر چاہے تو ایک خاص رقم مقرر کردے، لیکن یہ حکم اسی صورت میں ہے جب کہ زمین بزور شمشیر فتح کی گئی ہو اور امام نے اس کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم نہ کیا ہو۔

۱۶ھ میں جب مسلمان فوجوں نے عراق عجم پر قبضہ کرلیا اور دوسری طرف یرموک کی فتح نے رومی حکومت کی قوت کا استیصال کردیا تو اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فوج کے نظم و نسق کی طرف توجہ فرمائی۔ لیکن اس معاملہ میں آپ کو نہایت مشکل کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ فوج کے سپہ سالاروں کا اصرار تھا کہ تمام مفتوحہ علاقوں کی زمینیں جو فوج نے بزور شمشیر حاصل کی ہیں، مال غنیمت کی طرح فوج میں تقسیم کردی جائیں اور وہاں کے باشندوں کو ان کی غلامی میں دے دیا جائے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایسا نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن دوسری طرف امرائے فوج کا اصرار تھا۔ چنانچہ آپ نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو عراق کی مردم شماری کا حکم دیا۔ انہوں نے نہایت محنت اور

Marfat.com

کوشش سے مردم شماری کی اور وہاں کے کل باشندوں اور فوج کی تعداد کا موازنہ کیا۔ پتہ چلا کہ ایک مسلمان کے حصہ میں تین آدمی آتے ہیں۔ اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ رائے قائم کی کہ زمین وہاں کے باشندوں کے قبضہ میں رہنے دی جائے اور لوگوں کو ہر طرح سے آزاد چھوڑ دیا جائے۔ (فتوح البلدان: ۲۶۶، کتاب الخراج: ۲۱، طبری: ۳)

چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ:

''اما بعد! مجھے تمہارا خط موصول ہوا۔ تم نے لکھا ہے کہ لوگوں نے تم سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ ان کے اموال غنیمت اور جو کچھ اللہ نے انہیں بطور غنیمت عطا فرمایا ہے وہ سب ان کے درمیان تقسیم کر دیا جائے۔ میرا یہ خط پہنچنے کے بعد جائزہ لو کہ لوگ تمہارے پاس لشکر میں از قسم مال و مویشی وغیرہ کیا کیا لے کر آئے ہیں۔ ان تمام چیزوں کو تم ان مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دو جو موجود ہوں اور جنگ میں شریک رہے ہوں۔ زمینیں اور نہریں ان پر محنت کرنے والوں کے پاس چھوڑ دو تا کہ یہ مسلمانوں کو وظائف جاری کرنے میں کام آئیں۔ اگر تم انہیں بھی موجودہ لوگوں کے درمیان تقسیم کر دو گے تو ان کے بعد آنے والوں کے لیے کچھ بھی باقی نہ بچے گا۔'' (کتاب الخراج: ۲۱)

جب فوج اور کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اصرار زیادہ بڑھا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''پھر ان مسلمانوں کا کیا ہوگا جو آئندہ آئیں گے اور دیکھیں گے کہ زمین اس پر محنت کرنے والے دہقانوں سمیت تقسیم کی جا چکی ہے اور وراثت میں بیٹوں کو منتقل ہو چکی ہے۔ اور انفرادی ملکیت بن کر مخصوص ہو چکی ہے۔ یہ تو کوئی درست رائے نہ ہوئی۔''

اس سلسلہ میں سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ فوج کے ہم نوا تھے۔ اس بارہ میں امیر المومنین پر سخت دباؤ ڈال رہے تھے۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: ''پھر کیا رائے ہے؟ زمین اور اس پر کام کرنے والے دہقان سوائے اس کے اور کیا ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مسلمانوں کو عطا کر دیا ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اس کی نوعیت تو وہی ہے جو تم بتا رہے ہو لیکن میں اس تقسیم کے حق میں

Marfat.com

نہیں ہوں۔ بخدا! میرے بعد کوئی ایسا ملک فتح نہیں ہوگا جس سے کچھ زیادہ فائدہ حاصل ہو، بلکہ شاید وہ مسلمانوں پر بار ثابت ہوں۔ جب عراق کی زمین اپنے کاشتکاروں سمیت فوج میں تقسیم کردی جائے گی اور اسی طرح شام کی زمین بھی کاشتکاروں سمیت تقسیم کردی جائے گی تو سرحدوں کی حفاظت کس ذریعہ سے کی جائے گی۔ اور اس ملک میں عراق وشام کے دوسرے علاقوں میں جو کم سن بچے اور بیوائیں ہیں، ان کا کیا ہوگا۔'' (کتاب الخراج:۲۱۔۲۲)

اس سلسلہ میں سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت کی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب جابیہ تشریف لائے تو انہوں نے مسلمانوں میں زمینیں تقسیم کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اس پر سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ''واللہ! اگر ایسا کیا گیا تو ناخوشگوار نتائج پیدا ہوں گے۔ اگر آپ نے یہ زمینیں تقسیم کردیں تو لوگوں کو بے تحاشا دولت ہاتھ لگ جائے گی۔ پھر ان کے مرنے پر ممکن ہے کہ یہ ایک مرد یا عورت کو مل جائے اور جو لوگ ان کے بعد اسلام کی مدافعت میں حصہ لیں گے انہیں کچھ بھی نہ مل سکے گا، لہٰذا کوئی ایسی تدبیر اختیار کیجئے جو شروع میں موجودہ لوگوں اور بعد میں آنے والے دونوں کے لیے یکساں مفید ہو۔''

(کتاب الاموال لابی عبید:۱/۱۸۶)

جب اس معاملہ نے زیادہ طول کھینچا تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس مشاورت طلب کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو دفعتاً قرآن حکیم کی ایک آیت یاد آئی جو آپ کے موقف کی دلیل قاطع تھی۔

﴿ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴾ (الحشر:۸)

''یہ مال ان مفلس مہاجرین کے لیے ہے جن کو ان کے گھروں اور اموال سے زبردستی بے دخل کر کے نکال دیا گیا۔ یہ لوگ اللہ کی رضا مندی اور اس کے فضل کے طلب گار بن کر اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرنے آئے ہیں۔ یہی لوگ صحیح معنی میں سچے لوگ ہیں۔''

Marfat.com

اس آیت کے بعد ہے''والذین جاء وامن بعدھم الخ'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا استدلال یہ تھا کہ فتوحات میں آئندہ نسلوں کا بھی حق ہے، لیکن اگر ساری زمینیں ان فاتحین میں تقسیم کر دی جائیں تو آئندہ نسلیں اس سے کلیتاً محروم ہو جائیں گی۔ مجلس مشاورت کا اجلاس طلب کیا گیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی رائے وہی تھی جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تھی، انصار کے دس افراد جن میں پانچ اوس سے اور پانچ قبیلہ خزرج سے تھے، کو بھی اس اجلاس میں طلب کیا گیا۔ جب یہ لوگ اکٹھے ہو گئے تو آپ نے ان کے سامنے حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

''میں نے آپ حضرات کو اس لیے تکلیف دی ہے کہ میرے کاندھوں پر آپ کے معاملات کی جو ذمہ داری ہے، اس میں میرا ہاتھ بٹائیں کیونکہ میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں۔ آج آپ حضرات کو حق متعین کرنا ہوگا۔ بعض حضرات نے مجھ سے اختلاف کیا ہے اور بعض نے اتفاق۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ حضرات وہی رائے قبول کریں جو میں نے اختیار کی ہے۔ آپ کے پاس اللہ کی کتاب ہے جو حق بات کہتی ہے۔ بخدا! اگر میں نے کوئی بات کہی ہے جس پر میں عمل کا ارادہ رکھتا ہوں تو اس سے میرا ارادہ سوائے اتباع حق کے کچھ اور نہیں۔''

جب آپ یہ کہہ چکے تو مجلس مشاورت کے ارکان نے کہا:''امیر المومنین! آپ فرمایئے، ہم سنیں گے اور غور کریں گے۔'' آپ نے فرمایا:

''آپ حضرات نے ان لوگوں کی باتیں سن لی ہیں جن کا خیال ہے کہ میں ان کی حق تلفی کر رہا ہوں۔ میں ظلم کے ارتکاب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اگر میں نے کوئی ایسی شے جو ان لوگوں کا حق تھی، ان کو نہ دی ہو اور دوسرے کو دے دی ہو تو میں بڑا ہی بدبخت ہوں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ کسریٰ کی سرزمین کے بعد اب کوئی چیز نہیں رہ گئی جو فتح ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اموال، زمینیں اور کاشتکار بھی بطور غنیمت عطا کر دیئے ہیں۔ ان لوگوں کو غنیمت میں جو مال ملا تھا اسے تو میں نے ان مستحقین میں تقسیم کر دیا ہے اور پانچواں حصہ نکال کر اسے اس کے متعینہ مصارف میں تقسیم کر دیا ہے۔ بلکہ ابھی اس کی تقسیم میں مصروف ہوں۔ میں نے یہ

Marfat.com

رائے قائم کی ہے کہ زمینوں کو اس کے کاشتکاروں سمیت سرکاری ملکیت قرار دے دوں اور اس کے کاشتکاروں پر خراج عائد کر دوں اور ان پر فی کس جزیہ مقرر کر دوں جسے وہ ادا کرتے رہیں۔ اسی طرح یہ جزیہ اور خراج مسلمانوں کے لیے ایک مستقل آمدنی کا کام کرے گا جس کی آمدنی سے فوجی، کم سن افراد اور آنے والی نسلیں حصہ دار ہوں گی۔ دیکھئے! ان سرحدوں کی حفاظت کے لیے بہرحال کچھ آدمی تعینات کرنے ہوں گے جو مستقلاً وہاں رہیں۔ یہ بڑے بڑے شہر جیسے شام، الجزیرہ، کوفہ، بصرہ اور مصر وغیرہ ان میں فوجی چھاؤنیاں قائم کرنا اور ان کو وظائف دیتے رہنا ناگزیر ہے۔ اب اگر یہ زمینیں اور ان پر محنت کرنے والے کاشتکار تقسیم کر دیئے جائیں گے تو ان لوگوں کو کہاں سے رقم دی جائے گی۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا موقف کچھ اس مدلل طریق سے بیان کیا کہ سب نے آپ کا بیان سن کر کہا:

''آپ ہی کی رائے صحیح رائے ہے۔ آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ قابل تحسین ہے اور جو رائے آپ نے قائم کی ہے وہ نہایت موزوں ہے۔ اگر ان شہروں اور سرحدوں میں افواج نہیں رکھی جائیں گی اور ان کے لیے بطور تنخواہ اگر کچھ مقرر نہ کیا جائے گا تو اہل کفر اپنے شہروں پر پھر سے قابض ہو جائیں گے۔''

جب مجلس مشاورت نے اپنا فیصلہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں دے دیا تو آپ نے اب انہی سے کہا کہ مجھے کوئی ایسا ماہر اور دانش مند شخص بتایئے جو ان زمینوں کا مناسب طور پر بندوبست کر دے اور کاشتکاروں پر ان کی براشت کے مطابق خراج تجویز کر دے۔ سب حضرات نے بالاتفاق سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا اور کہا کہ یہ صاحب فہم و بصیرت اور ماہر اور تجربہ کار ہیں آپ ان کو اس کا ذمہ دار بنا کر روانہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو فوری طور پر عراق کے بندوبست کے کام پر مقرر فرما دیا۔ ان کے ساتھ ایک دوسرے بزرگ صحابی سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو بھی لگایا گیا۔ یہ دونوں حضرات عراق میں زیادہ تر رہنے کی وجہ سے اس کام سے بخوبی آشنا تھے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ انہوں نے اس تحقیق

Marfat.com

اور صحت کے ساتھ زمین کی پیمائش کی جس طرح قیمتی کپڑا ناپا جاتا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پیمائش کا پیمانہ خود اپنے ہاتھ سے تیار کر کے ان حضرات کو دیا اور انہوں نے کئی ماہ تک بڑے اہتمام اور جانچ پڑتال سے پیمائش کا کام جاری رکھ کر بندوبست کا تمام حساب کتاب تیار کیا۔

ان دونوں حضرات نے عراق کا جو بندوبست کیا وہ کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔
کل رقبہ طول میں ۳۷۵ میل اور عرض میں ۲۴۰ میل یعنی ۳۰۰۰۰ میل مکسر پیمائش کیا گیا۔ اور پہاڑ، صحرا اور نہروں کو چھوڑ کر قابل زراعت رقبہ تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ٹھہرایا گیا۔ شاہی خاندان کی جاگیر، آتش کدوں اور عام لوگوں کے اوقاف، لاوارثوں، مفروروں اور حکومت کے باغیوں کی جائیدادیں، وہ زمینیں جو سڑکوں کی تیاری کے لیے مخصوص تھیں، دریا برآورد وغیرہ، جنگلات، ان تمام اراضیات کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خالصہ قرار دے کر جن کی مجموعی آمدنی ستر (۷۰) لاکھ تھی، رفاہِ عام کے کاموں کے لیے مخصوص کر دی۔ کبھی کبھی کسی شخص کو اسلامی کوششوں کے عوض جاگیر بھی انہی زمینوں سے عطا کی جاتی تھی۔ لیکن یہ زمینیں بھی خراجی یا عشری ہوتی تھیں۔
ملک کا تمام بندوبست کر کے زمین قدیم قبضہ داران اور مالکان کے پاس رہنے دی گئی، لیکن اس پر حسب ذیل شرح سے لگان لگا دیا گیا۔

①	گیہوں	۲ درہم سالانہ فی جریب
②	جو	۱ درہم سالانہ فی جریب
③	روئی	۵ درہم سالانہ فی جریب
④	نیشکر (گنا)	۶ درہم سالانہ فی جریب
⑤	انگور	۱۰ درہم سالانہ فی جریب
⑥	نخلستان	۱۰ درہم سالانہ فی جریب
⑦	تل	۸ درہم سالانہ فی جریب
⑧	ترکاری	۳ درہم سالانہ فی جریب

بعض روایات میں ان شرحوں میں کچھ اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ کتاب الاموال اور کتاب الخراج میں گیہوں پر ۴ درہم سالانہ فی جریب اور جو پر ۲ درہم سالانہ فی جریب کی روایت بھی ہے۔ (کتاب الخراج: ۲۳ کتاب الاموال: ۱/۱۶۴)

Marfat.com

روایات میں ہے کہ خراج کی یہ شرح سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے سفارش کر کے بھیجی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو نافذ فرما دیا۔ لیکن ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ وفات سے تین یا چار دن قبل سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان بن حنیف سے یہ کہہ رہے تھے: ''شاید تم نے زمین پر اتنا بوجھ ڈال دیا جسے وہ برداشت نہیں کر سکتی۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے زمین پر اتنا ہی مالیہ عائد کیا ہے جسے وہ برداشت کر سکتی ہے اور اگر میں چاہتا تو اپنی زمین پر اس سے دگنا بار ڈال سکتا تھا۔'' سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بھی کہا: ''میں نے جو شرحیں عائد کی ہیں انہیں یہ علاقہ برداشت کر سکتا ہے۔ اب جو فاضل بچ رہے گا وہ بہت زیادہ نہ ہوگا۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''غور کر لو، ایسا نہ ہو کہ تم نے زمین پر اتنا بوجھ ڈال دیا ہو جو اس کی برداشت سے باہر ہو۔ اگر میں اہل عراق کی بیواؤں کی خدمت کے لیے زندہ رہا تو انہیں ایسے حال میں چھوڑ جاؤں گا کہ میرے بعد کسی کی محتاج نہ رہیں۔'' (کتاب الخراج:۲۶)

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو خراج کے معاملات اور زمین کے بندوبست میں خوب مہارت تھی، لہٰذا انہوں نے زمین کی پیمائش اسی طرح ٹھیک ٹھاک کی جس طرح کپڑا ناپا جاتا ہے لیکن جوخی کے باشندے بداطوار تھے، انہوں نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو دھوکا دیا اور پیمائش میں ان سے تعاون نہ کیا۔ اس وقت جوخی کی زمین آباد اور کارآمد تھی لیکن اس واقعہ کے بعد سے اجڑ گئی۔ اس کا پانی زمین میں اتر گیا۔ اس کا منافع گھٹ گیا اور پھر اس کا مالیہ کم ہو گیا۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوا کہ باشندگان جوخی نے پیمائش میں سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو دھوکہ دیا (کتاب الخراج:۲۶)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اسی نیک نیتی، خلوص اور لوگوں کی بہی خواہی کا نتیجہ تھا کہ جتنا خراج ان کے زمانہ میں اکٹھا ہوا اتنا اس کے بعد پھر کبھی نہیں ہوا۔ یہ ان کی عدل گستری اور رعایا پروری کا نتیجہ تھا کہ آسمان سے برکتیں نازل ہوتی تھیں۔

عراق کے بندوبست کے علاوہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کسی علاقے کا بندوبست نہیں کروایا بلکہ وہاں کی زمینوں کا جو بندوبست پہلی حکومتوں کے زمانے میں ہوا تھا اس کو قائم رکھا۔ بلکہ آپ نے ان علاقوں کی زبان تک بھی نہ بدلی۔ آپ نے ان علاقوں کے پرانے انتظامی طریقہ میں جہاں اصلاح کر دی وگرنہ دوسرا انتظامی نظم و نسق اسی طرح رہا۔

Marfat.com

مصر کی مال گزاری:

یہ تو عراق کی مال گزاری کا معاملہ تھا۔ مصر کا علاقہ جب فتح ہوا تو یہ نہایت زرخیز علاقہ سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے بھی اس ملک کو فتح کر کے جو رپورٹ بارگاہِ خلافت میں بھیجی تھی اس میں اس کی زرخیزی کا خاص طور پر ذکر کیا تھا۔ چنانچہ جب مصر مکمل طور پر فتح ہو گیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی مال گزاری کے قدیم طریقہ میں کوئی تبدیلی نہ کی بلکہ مال گزاری کے وصول کرنے کے طریقہ میں نہایت نرمی کر دی کیونکہ مصر ایک ایسا ملک ہے جس کی زراعت کا دارومدار دریائے نیل پر ہے اور چونکہ دریائے نیل کے بہاؤ میں ہر سال تفاوت ہوتا رہتا تھا اس لیے پیداوار کا کوئی خاص اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں یہ طریقہ رائج کیا کہ جب مال گزاری کا وقت آیا تو تمام پرگنہ جات سے رئیس اور زمیندار اور عراف (پیداوار کا اندازہ لگانے والے) طلب کیے جاتے اور وہ پیداوار کی صورتحال دیکھ کر ایک تخمینہ حکومت کو پیش کرتے۔ پھر ہر ہر ضلع اور ہر ہر پرگنے کا الگ الگ تخمینہ لگایا جاتا جس میں مقامی زمیندار اور نمبردار شریک ہوتے تھے۔ یہ تخمینی رقم پھر ان لوگوں کے پاس باہمی مشورے سے ہر ہر گاؤں کی پیداوار پر پھیلا دی جاتی۔ اس طریقہ سے جو رقم یا پیداوار اکٹھی ہوتی اس میں سے اول گرجاؤں اور عمالوں کے مصارف اور مسلمانوں کی مہمات کا خرچ نکال لیا جاتا تھا۔ اور باقی جو بچتا اس کو دوسرے حکومتی مصارف میں لایا جاتا۔ اس طریقہ سے اگرچہ بڑی تکلیف اٹھانا پڑتی گویا ہر سال بندوبست کرنا پڑتا لیکن مصر کے حالات ہی کچھ ایسے تھے کہ ایک عدل گستر اور انصاف پرور خلیفہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن اس احتیاط کے باوجود بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو خراج مصر سے وصول ہوتا تھا اس کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ دینار تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جس قدر خراج مصر سے وصول ہوا اس کے بعد والے زمانوں میں اتنا کبھی وصول نہیں ہوا۔ یہ بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رعایا پروری اور عدل گستری کی برکت تھی۔

علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ یہ ایک کروڑ بیس لاکھ دینار کی رقم جزیہ کی رقم تھی، خراج کی رقم اس کے علاوہ تھی۔ چنانچہ مقریزی نے لکھا ہے کہ جب سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے پہلے سال ایک کروڑ دینار وصول کیے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس خیال سے کہ مقوقش نے ابھی پچھلے سال

Marfat.com

۲۰ کروڑ دینار وصول کیے تھے، سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے باز پرس کی۔ اور یہ بات تو مسلمہ ہے کہ مقوقش کے زمانہ میں جزیہ نہ تھا۔ جزیہ تو اسلام نے آ کر نافذ کیا۔ بہر حال خراج کی مقدار ایک کروڑ بیس لاکھ ہو یا اس سے زیادہ اس زمانے میں یہ ایک بہت بڑی رقم تھی جو مصر جیسے زرخیز علاقے سے وصول کی جاتی تھی۔

شام سے خراج کی آمدنی:

شام کی فتح کے بعد وہاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مال گزاری کا بندوبست تو نہ کروایا بلکہ وہاں پہلے سے پیداوار کے اختلاف کے لحاظ سے زمین کے مختلف مدارج تھے اور اس پر مدارج کے اختلاف کے لحاظ سے لگان اور خراج بھی مختلف لگایا جاتا تھا۔ اسلامی فتوحات تک یہی قانون جو کسی یونانی بادشاہ نے وہاں رائج کیا تھا، جاری وساری تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں بھی مصر کی طرح وہی پرانا قانون جاری رکھا اور قدیم بندوبست کے لحاظ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے شام سے جو خراج وصول ہوتا تھا، اس کی مقدار کتابوں میں ایک کروڑ ۴۰ لاکھ دینار آئی ہے۔ اسی طرح ملک کے دوسرے علاقوں میں خراج کی آمدنی جمع ہوتی تھی، لیکن اس کی تعداد کتابوں میں کم ملتی ہے بہر حال خراج سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی آمدنی کا ایک بہت بڑا ذریعہ تھا۔

قانون مال گزاری میں فاروقی اصلاحات:

مال گزاری کا قانون تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت سے قبل کا ہے اور ہر حکومت نے اس کو اپنی آمدنی اور سیاسی رشوت کا ذریعہ بنایا۔ لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس صیغہ میں عوام کی فلاح و بہبود اور ان کی خوش حالی کے لیے کئی اہم اصلاحات کیں جن سے ملک کے کاشتکار اور ہاری خوش حال ہو گئے۔ اور آپ کی ان اصلاحات نے ملک کے قدیم قانون کو بالکل ختم کر دیا۔ جس نے غریب کاشتکاروں کی زندگی اجیرن بنائی ہوئی تھی۔

رومیوں نے جب شام اور مصر پر قبضہ کیا تو انہوں نے تمام زمینیں اصل باشندوں سے چھین کر بڑے بڑے لوگوں میں جو افسران فوج اور حکومت کے اعضاء و جوارح تھے، تقسیم کر دیں۔ کچھ زمینوں کو شاہی جاگیریں قرار دے دیا گیا۔ کچھ اپنے کلیساؤں پر وقف کر دیں۔ اور ملک کے اصل باشندوں کے ہاتھ میں ایک بالشت زمین بھی نہ رہنے دی۔ وہ جو اصل مالکان زمین تھے اب کاشتکار اور ہاری ہو گئے۔ اب اگر کوئی جاگیردار اپنی زمین کسی دوسرے کے ہاتھ

Marfat.com

فروخت کرتا تو زمین کے ساتھ کاشت کار بھی فروخت ہو جاتے۔ اس طریقہ سے زمین کاشت کرنے والے ہاریوں کے کچھ ہاتھ نہ آتا۔ زمین کی ساری آمدن زمیندار لے جاتا اور ہاری جس نے کڑا کے کی گرمی اور شدت کے جاڑوں میں اپنا خون پسینہ ایک کر کے زمین کو کاشت کیا ہوتا پورا سال نان شبینہ کا محتاج رہتا۔ جیسا کہ پاکستان میں جاگیرداروں اور ہاریوں کا معاملہ ہے۔ اسی طریقہ سے یہ لوگ ۶۲ سال سے پاکستان کی سیاست پر چھائے ہوئے ہیں کیونکہ معاشی طاقت کا سلب کر لینا، افراد کے ہاتھوں سے سیاسی طاقت بھی طلب کر لینے یا اسے بے انتہا کمزور اور غیر موثر بنا دینے کے مستلزم ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس ظالمانہ اور جابرانہ قانون کو فوری طور پر ختم کیا اور اس میں ترمیم یہ کی کہ رومی جاگیرداروں کے حقوق ملکیت ان کاشتکاروں اور ہاریوں کے نام منتقل کر دیئے اور مسلمان افسروں اور فوجی جرنیلوں کے لیے قانون بنا دیا کہ نہ وہ کسی کی زمین پر قابض ہو سکتے ہیں اور نہ ہی وہ کوئی زمین قیمتاً خرید سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ آپ نے ان تمام عربوں کے لیے جو ان علاقوں میں رہائش پذیر ہو گئے تھے، زراعت کرنا ممنوع قرار دے دیا۔ چنانچہ آپ نے تمام گورنروں کے نام سرکلر جاری کر دیئے کہ لوگوں کے روزینے مقرر کر دیئے گئے ہیں لہٰذا کوئی عرب زراعت نہ کرنے پائے۔ یہ حکم اس قدر سختی سے دیا گیا کہ شریک عطفی نامی ایک شخص نے مصر میں زراعت کر لی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بلا کر فرمایا کہ میں تجھ کو ایسی سزا دوں گا کہ اوروں کو عبرت حاصل ہو۔ (حسن المحاضرہ: ۹۳)

عربوں پر زراعت کی پابندی کچھ اس وجہ سے بھی آپ نے لگائی کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے الہامی طور پر یہ محسوس فرمایا کہ نفس انسانی جب روحانی بلندیوں کی طرف پرواز کرتا ہے تو خواہشات کی مقناطیسی قوتیں اسے ہمیشہ بلندی سے اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتی رہتی ہیں جو ان کی فطرت وطبیعت سے مناسبت رکھتی ہیں، فضا میں اڑنے والے اس پرندے کی طرح جو ہمیشہ کشش زمین کی زد میں رہتا ہے۔ پس اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دوسروں کے واسطے نمونے بننے کے لیے سب سے پہلے اپنی کمزوریوں مقابلہ نہ کرتے اور پھر تمام لوگوں کی کمزوریاں دور نہ فرماتے تو اندیشہ تھا کہ وہ ان اصول ومبادی کی راہ سے نہ ہٹ جائیں جو انہیں اس وقت اس بلندی کی طرف لے گئے تھے۔ او دنیا کی خواہش ان پر غالب آ کر انہیں ان کی پہلی روش پر نہ ڈال دے اور اس روش کو ایک ایسے نئے روپ میں پیش نہ کر دے کہ دیکھنے والا اسے اسلام کے

Marfat.com

مبادی و تعلیمات سے ہم آہنگ سمجھنے لگے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے غازیان عرب کو عراق، شام اور مصر میں کھیتی باڑی کرنے کی اجازت نہ دی بلکہ جنگ آزما اور فاتح لشکریوں کی حیثیت سے اسلامی چھاؤنیوں ہی میں رکھا۔ چنانچہ وسیع و عریض اسلامی سلطنت اسی سیاست کا حتمی نتیجہ تھی۔ یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی دور بینی اور دور اندیشی تھی کہ عرب کے اصلی جوہر جرأت و بہادری، جانبازی و جفاکشی اسی وقت تک قائم رہے جب تک وہ کاشتکاری اور زراعت سے الگ رہے۔ جس روز انہوں نے زمین کو ہاتھ لگایا اسی دن ان سے یہ تمام اوصاف جو ایک قوم کی زندگی کا باعث ہوتے ہیں، ان سے رخصت ہو گئے۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مفتوحہ علاقوں میں عربوں کو زمین لینے اور کھیتی باڑی کرنے سے اس لیے منع فرما دیا تھا تاکہ زراعت انہیں جہادی اعمال سے غافل نہ کر دے اور زمین کی محبت میں وہ اس رسالت کبریٰ کو نہ بھول جائیں جس کے لیے کارکنان قضا وقدر نے عربوں پر یہ فریضہ عائد کیا تھا کہ وہ اسے لے کر اٹھیں اور اللہ کے نور و حکمت کو دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلا دیں۔ رجسٹروں کی ترتیب اور وظائف کی تعیین نے قرون اولیٰ کے ان عربوں کو ادائے رسالت میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر فرض کی گئی تھی کتنی مدد دی اور یہی ادائے رسالت تھی جس نے تاریخ میں ان کے نام کو بقائے دوام بخشی اور تاریخی کتابوں کے صفحات ان کے کارناموں سے جگمگا اٹھے۔ جس جذبے کے تحت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ چاہتے تھے کہ عرب اسلام کا پرچم لہرانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں، اسی جذبے نے انہیں اس امر سے باز رکھا کہ وہ خراج اور جزیے کی رقم جزیرہ نمائے عرب کی سرزمین پر صرف کر دیں اور سد مارب کے سے بند باندھ کر اس کے ریگ زاروں کو لہلہاتی زمینیں بنا دیں۔ اگر وہ ایسا کرتے تو عرب جہاد کو چھوڑ کر اس زندگی کی طرف ڈھل جاتے جس میں مشقت بھی کچھ ایسی زیادہ نہ تھی اور خطرات بھی برائے نام تھے اور اسلامی رسالت کی تبلیغ اس طرح کبھی نہ کرتے جس طرح انہوں نے کی۔ اس کے علاوہ جتنی مہارت انہیں جنگ اور تجارت میں تھی، زراعت میں نہ تھی۔ اس وجہ سے انہوں نے عراق اور دوسرے مفتوحہ علاقوں میں عربوں کو زمین خریدنے اور زراعت کرنے سے حکماً منع فرما دیا۔

اس سلسلہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک اور تبدیلی یہ اختیار کی کہ بندوبست اور اس کے

Marfat.com

تمام متعلقہ امور میں ان ملکوں کی ذمی رعایا سے ہمیشہ رائے طلب کی اور جو مشورے انہوں نے دیئے ان کو اکثر و بیشتر قبول کیا۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب عراق کا بندوبست کرنا چاہا تو وہاں کے گورنروں کو لکھا کہ وہاں کے دو رئیسوں کو مترجموں سمیت مدینہ بھیجو۔ چنانچہ ان رئیسوں کی سفارت کو مال گزاری کے بندوبست میں خاص اہمیت دی گئی۔ پھر بعد میں عراق کے دس بڑے زمیندار مشورہ کے لیے مدینہ بلائے گئے۔ (کتاب الخراج: ۵) اسی طرح مصر اور دوسرے علاقوں سے بھی مختلف لوگوں کو بلا کر خراج کی تعیناتی کے بارہ میں ان سے مشورہ کیا گیا۔

ان سب چیزوں کا غیر مسلم رعایا پر خاصا اثر ہوا اور جب انہوں نے دیکھا زمین پر ہمارے حقوق کی حفاظت کی جا رہی ہے اور اب پہلے کی طرح ہماری حیثیت ڈھور ڈنگروں کی طرح نہیں رہی اور ہر معاملہ میں ہمارے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کیا جا رہا ہے تو انہوں نے نہایت محنت کے ساتھ زمینوں پر کام کرنا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زراعت نے دن دگنی رات چوگنی ترقی کی اور بنجر اور بے آباد زمینوں نے بھی اب سونا اگلنا شروع کر دیا۔ چنانچہ مغربی دانشوروں نے لکھا ہے کہ اسلام کی فتوحات میں خراج اور مال گزاری کے معاملات کو بہت دخل ہے کیونکہ ایرانیوں اور رومیوں نے کاشتکاروں کو جس بری طرح سے پامال کیا ہوا تھا، مسلمانوں نے انہیں قعر مذلت سے نکال کر انسانیت کی بلندی پر لا کھڑا کیا۔ چنانچہ مسلمانوں کے حملوں کے دوران مفتوحہ علاقوں کے باشندوں نے مسلمان فوجوں کی بہت مدد کی اور دمشق اور حمص کے باشندوں نے تو مسلمانوں سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ''رومیوں کی حکومت کے مقابلہ میں تمہاری حکومت کو ہم بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔''

زراعت کی ترقی کے ذرائع:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نہ صرف مسلمانوں کے مختلف علاقوں میں مال گزاری کا بندوبست کروایا بلکہ زراعت کی ترقی کی بھی مختلف تدابیر اختیار کیں۔ اس کے لیے آپ نے مندرجہ ذیل ذرائع اختیار کیے۔

ا۔ احیاء موات:

شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں ''موات'' کا اطلاق ان تمام زمینوں پر ہوتا ہے جو آبادی سے باہر ہوں، کسی کی ملک میں نہ ہوں، نہ ان پر کسی کا کوئی مخصوص حق ہو (بدائع الصنائع:

Marfat.com

۶/۱۹۴) مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ان زمینوں کی تعریف یوں مرقوم ہے:

''ایسی زمینیں جو نہ کسی کی ملک میں ہوں، نہ کسی شہر یا گاؤں کے باشندے انہیں چراگاہ کے طور پر یا ایندھن حاصل کرنے کے لیے استعمال کرتے ہوں، اور جو آبادی کی آخری حد سے کم از کم اتنے فاصلے پر واقع ہوں کہ بلند آواز آدمی اگر وہاں کھڑا ہو کر پوری قوت سے چلائے تو بھی وہاں نہ سنائی دے۔'' (مجلۃ الاحکام العدلیہ دفعہ نمبر ۱۲۷)

ان ''موات'' کے بارہ میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ:

''زمانہ قدیم سے افتادہ چلی آنے والی زمینیں اللہ اور اس کے رسول کی ہیں۔ پھر یہ ان کی جانب سے تمہارے لیے ہیں۔ پس جس نے کسی مردہ زمین کو زندہ کیا وہ اس کی ہوگئی اور صرف احاطہ بندی کرنے والے کا تین سال بعد کوئی حق باقی نہ رہ جائے گا۔''

(کتاب الخراج: ۷۷)

شریعت اسلامیہ میں غیر مملوکہ افتادہ زمینوں کو کارآمد بنانے والے کے حق ملکیت کا ثبوت مختلف احادیث نبویہ سے ملتا ہے۔ چنانچہ بخاری میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کسی ایسی زمین کو آباد کرے جو کسی کی ملکیت نہ ہو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔'' (بخاری، باب من احیاء ارضا مواتا)

قبضہ ابتدائی کو دنیا کے قریباً تمام قوانین میں ذریعہ ملکیت تسلیم کیا گیا ہے، لیکن اسلام نے اسے جن شرائط کا پابند بنایا ہے اس نے اس ضابطہ کو ایک مخصوص مزاج عطا کر دیا ہے۔ اسلامی ضابطہ ملکیت کا امتیازی وصف یہ ہے کہ اس میں بنائے ملکیت صرف قبضہ کو نہیں بلکہ قبضہ کر کے کارآمد بنانے کو قرار دیا گیا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے زراعت کی ترقی کے لیے یہ عام حکم دے دیا کہ تمام ممالک میں جہاں جہاں افتادہ زمینیں ہیں، جو شخص ان کو آباد کرے گا وہ اس کی ملکیت ہو جائیں گی۔ لیکن اگر کوئی شخص ان کو آباد کرنے کی غرض سے اپنے قبضہ میں لائے اور اسے تین برس کے اندر آباد نہ کرے تو زمین اس کے قبضہ سے نکل جائے گی۔

(کتاب الخراج: ۷۷/ بخاری، باب من احیاء ارضا مواتا، ابوداؤد، باب احیاء الموات)

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تمام زمینیں جو عرصہ دراز سے بنجر پڑی ہوئی تھیں، زمیندار لوگ ان پر قبضہ کر کے ان کے مالک بن گئے اور تین سال کے عرصہ میں وہ زرخیز اور غلہ پیدا کرنے

Marfat.com

والی ہوگئیں۔ جس سے ملک کی زراعت میں بہت ترقی ہوئی۔

(۲) غیر مملوکہ زمینوں کے بارہ میں اعلان:

مسلمان افواج نے جب عراق و شام اور مصر کے علاقوں پر حملہ کیا تو کئی لوگ اپنا گھربار زمینیں چھوڑ کر فوج کے ڈر سے دوسرے ملکوں یا دوسرے شہروں میں چلے گئے۔ جس سے ان کی مملوکہ زمینیں بنجر اور غیر آباد ہوگئیں اس سے ملک کی زراعت کو اچھا خاصا نقصان ہوا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ وہ حضرات واپس آ کر اپنی زمینوں پر قابض ہو جائیں۔ ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ اس اعلان کے بعد وہ لوگ واپس اپنے گھروں میں آ گئے اور اپنی زمینوں کو آ کر آباد کیا جس سے ملک کی پیداوار میں خاصا اضافہ ہوا۔

(۳) زراعت کی حفاظت:

اسلام کی ان فتوحات سے قبل کاشتکار لوگ جاگیرداروں سے اس لحاظ سے بھی تنگ تھے کہ جب ان ملکوں کی افواج ان کے علاقوں میں سے گزرتیں تو تمام کھیتیوں اور باغات کو پامال کر کے چلی جاتیں اور ان کاشتکاروں کی تمام سال کی محنت اکارت ہو جاتی۔ کوئی ان کا پرسان حال نہ ہوتا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ اگر کسی علاقے میں سرکاری افواج کسی کھیتی کو برباد یا پامال کریں گی تو اس کا معاوضہ حکومت ادا کرے گی۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے آ کر شکایت کی کہ شام میں میری کچھ زراعت تھی۔ آپ کی فوج ادھر سے گزری اور اس نے میری زراعت کو برباد اور پامال کر دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسی وقت تخمینہ لگوا کر اس کو دس ہزار درہم معاوضے میں دلوائے۔ (کتاب الخراج:۶۸)

(۴) آبپاشی کے ذرائع:

زمین پر کتنی ہی محنت کیوں نہ کی جائے جب تک وافر پانی نہ ہو اس وقت تک زمین پیداوار نہیں دیتی۔ چنانچہ بعض کتابوں میں تو یہاں تک آیا ہے کہ آپ نے آبپاشی کا ایک محکمہ قائم کیا جس نے تمام ممالک مفتوحہ میں نہریں جاری کیں۔ بڑے بڑے تالاب بنائے جن میں پانی جمع رکھا جاتا۔ بند باندھے۔ خاص طور پر مصر میں ایک لاکھ بیس ہزار مزدور سال بھر نہروں کی مرمت اور ان کی صفائی میں لگے رہتے اور ان کے تمام مصارف حکومت کے خزانہ سے ادا کیے

Marfat.com

جاتے (مقریزی: ۷۶/۱)۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی علاقوں میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نہریں کھدوائیں جن سے زراعت کو خوب ترقی ہوئی۔

۲۔ جزیہ:

اسلامی حکومت کا خراج کے بعد دوسرا ذریعہ آمدنی جزیہ ہوتا ہے۔ جزیہ کیا ہے؟ اس کے بارہ میں علماء نے لکھا ہے کہ:

''ذِمیوں سے ان کی جان و مال کی حفاظت کا ایک ٹیکس وصول کیا جاتا ہے جس کو جزیہ کہتے ہیں۔ یہ جزیہ صرف ایسے مردوں پر لگایا جاتا ہے جو فوجی خدمت کے قابل ہوں۔ عورتیں اور بچے اس ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں۔ اسی طرح بوڑھے، مسکین اور غریب اور وہ اندھے، لنگڑے اور اپاہج بھی مستثنیٰ ہیں جو مال نہیں رکھتے۔ نادار مذہبی پیشواؤں کو بھی اس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ یہ ٹیکس اشخاص کی حیثیت کے لحاظ سے لگایا جاتا ہے۔''

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جزیہ امان کا بدلہ ہے یعنی انہیں امان دی گئی تو اس کے عوض انہوں نے جزیہ دیا۔ (تفسیر قرطبی: ۱۱۴/۸) یہ معاوضہ کس بات کا لیا جاتا ہے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

① چونکہ ذمی یہ رقم اس امن کے معاوضہ میں دیتے ہیں جو انہیں اسلامی ریاست دیتی ہے اس لیے اس کا نام جزیہ رکھا گیا جیسا کہ قرطبی کے حوالہ سے ذکر کیا گیا ہے۔

② چونکہ ان ذمیوں کا خون نہیں بہایا جاتا لہٰذا ان کی جان بخشی کا معاملہ جزیہ کہلاتا ہے۔ امام راغب اصفہانی بھی اس رائے کی تائید کرتے ہیں۔

③ ذمیوں کی حمایت و مدافعت اور انہیں مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں فوجی بھرتی سے معافی دینے کے عوض جزیہ لیا جاتا ہے۔

④ جزیہ ذمیوں کو دیے جانے والے ان حقوق کا معاوضہ ہے جن سے وہ مسلمانوں کے برابر ہو جاتے ہیں اور انہیں جان و مال اور آبرو اور دین کی آزادی ملتی ہے۔

(یہ اقوال تفسیر المنار سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۳۰ کی تفسیر میں دیئے گئے ہیں)

جزیہ خود سربراہ مملکت عائد کرتا ہے لیکن ان سفارشات کے مطالعہ کے بعد جو فنی ماہرین قابل جزیہ افراد کے حالات کا جائزہ لے کر ارسال کرتے ہیں۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے

Marfat.com

عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو عراق اسی مطالعہ کیلئے بھیجا تھا اور انہوں نے واپس آ کر اپنی تجاویز سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو پیش کیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سواد عراق کے مال داروں پر ۴۸ درہم سالانہ اور ناداروں پر بارہ درہم سالانہ جزیہ عائد کیا۔ پھر ایک عرصہ کے بعد سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ دوبارہ آئے اور انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اہل فسطاط کے بارہ میں بات کی اور کہا کہ اللہ کی قسم! اگر فی کس دو درہم بڑھا دیں تو انہیں قطعاً دشوار معلوم نہ ہوگا۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ۴۸ سے ۵۰ درہم سالانہ کر دیئے۔ (سنن بیہقی: ۹/ ۱۹۶)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اہل شام پر فی کس چار دینار سالانہ اور دو مد گیہوں اور تین قسط زیتون کا تیل ماہانہ عائد کیا تھا۔ (مصنف عبدالرزاق: ۶/ ۸۵، کتاب الاموال: ۳۹)

پھر جزیہ میں وہ اشیاء وصول کی جاتیں جن کا دینا ادا کنندگان کے لیے سہل ہوتا کیونکہ سیدنا عمر چاہتے تھے کہ لوگوں کے لیے جزیہ کی ادائیگی میں سہولت پیدا ہو۔ چنانچہ اس علاقہ کے لوگوں سے جہاں چاندی کا رواج تھا جزیہ میں چاندی وصول کر لیتے اور سونے والوں سے سونا لے لیتے۔ البتہ غیر مسلموں سے شراب اور خنزیر جزیہ میں لینا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں اشیاء مسلمانوں کے نزدیک مال نہیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مصنف عبدالرزاق: ۱۰/ ۳۳۹، ۶/ ۸۷، موطا مالک: ۱/ ۲۸۹)

جزیہ چونکہ فوجی خدمت سے استثنا کے سبب اور جان و مال کے تحفظ کے لیے وصول کیا جاتا ہے، اس لیے اگر ذمی غیر مسلم بھی فوجی خدمت کے لیے آمادہ ہوں اور ریاست ان پر اعتماد کر سکتی ہو تو ان کو جزیہ سے بری کیا جا سکتا ہے۔ (الخراج فی الدولۃ الاسلامیہ: ۱۱۱)

گزشتہ صفحات میں ہم نے کئی جنگوں کے ضمن میں ذکر کیا ہے کہ اہل شہر نے اتنی رقم کے سالانہ جزیہ پر اسلامی فوج سے صلح کر لی۔ جزیہ کی یہ رقم بھی ہر سال اکٹھی ہو کر سرکاری خزانہ میں جمع ہوتی اور پھر مختلف مصارف میں خرچ ہوتی۔ عہد فاروقی میں جزیہ کی کل کتنی رقم ہر سال اکٹھی ہوتی اس کی کوئی تفصیل کتابوں میں مرقوم نہیں۔

جزیہ کی وصولی میں سختی کرنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب شام کے سفر سے واپس تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں ان کا گزر کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جو دھوپ میں کھڑے کر دیئے گئے تھے اور ان کے سروں پر تیل ڈالا جا رہا تھا۔ آپ نے پوچھا: ''یہ لوگ ادائیگی کے بارہ میں کیا عذر پیش کرتے ہیں۔'' انہوں نے جواب دیا۔ ''یہ کہتے ہیں کہ ہمارے

Marfat.com

پاس کچھ نہیں۔ ہم جزیہ ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔'' آپ نے فرمایا: ''پھر تم لوگ ان کو چھوڑ دو۔ اور ان پر ان کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو کیونکہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

''لوگوں کو عذاب نہ دو کیونکہ دنیا میں جو انسانوں کو عذاب دیتے ہیں ان کو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ عذاب دے گا۔''

چنانچہ آپ کے حکم سے ان لوگوں کو چھوڑ دیا گیا۔

(کتاب الخراج: ۱۵۰، کتاب الاموال: ۴۳)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد آنے والے خلیفہ کے بارہ میں فرمایا کہ میں اسے تلقین کرتا ہوں کہ ذمیوں سے کیے گئے عہد کی پابندی کی جائے اور ان پر ان کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔ چنانچہ اس ضمن میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا گذر کسی کے دروازے کے سامنے سے ہوا جہاں ایک سائل بھیک مانگ رہا تھا۔ یہ ایک بوڑھا آدمی تھا جس کی بصارت زائل ہو چکی تھی۔ آپ نے پیچھے سے اس کے بدن کو ٹھونکا اور پوچھا: ''تم کس مذہب کے اہل کتاب ہو؟'' اس نے جواب دیا: ''میں یہودی ہوں۔'' آپ نے پوچھا: ''کس چیز نے تمہیں ایسا کرنے پر مجبور کیا؟'' اس نے کہا: ''بڑھاپے، حاجت مندی اور جزیہ کے باعث بھیک مانگ رہا ہوں۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور اسے کچھ دیا۔ پھر آپ نے بیت المال کے خازن کو بلوایا اور فرمایا: ''اس کا اور اس جیسے دوسرے افراد کا خیال رکھو کیونکہ یہ بات انصاف سے بعید ہے کہ ان کی جوانی میں ہم ان سے جزیہ وصول کر کے کھا جائیں اور بڑھاپے میں انہیں بے سہارا چھوڑ دیں۔'' آپ نے اس کا اور اس جیسے دوسرے تمام افراد کا جزیہ ساقط کر دیا۔

کچھ صورتوں میں یہ جزیہ ساقط بھی ہو جاتا ہے۔ ان میں پہلی صورت موت ہے چنانچہ جس شخص پر جزیہ عائد ہو، اگر وہ مر جائے تو اس کا جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ جزیہ کی ادائیگی شخص پر ہوتی ہے، اگر شخص ہی نہ رہا تو جزیہ کیسا۔

دوسری شئے اسلام ہے۔ جزیہ دینے والا اگر مسلمان ہو جائے تو جزیہ ساقط ہو جاتا ہے، چنانچہ اہل الیس میں سے دو شخص مسلمان ہو گئے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے جزیہ ساقط کر دیا۔ (سنن بیہقی: ۹/۱۹۹)

Marfat.com

اسی طرح اہل نجران میں سے ایک شخص مسلمان ہوگیا۔ حکومت کے کارندوں نے اس سے جزیہ وصول کرنا چاہا۔ اس نے انکار کیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: ''معلوم ہوتا ہے، تم پناہ ڈھونڈ رہے ہو۔'' اس شخص نے کہا کہ اسلام میں پناہ ہی ہے، اگر آپ دینا چاہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیشک اسلام ہی جائے پناہ ہے۔ اور حکم تحریر فرمایا کہ اس سے جزیہ نہ لیا جائے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۰/۳۳۶) ماوراء النہر کے ایک دہقان زقیل نے اسلام قبول کرلیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے دو ہزار دینے کا حکم دیا اور جزیہ معاف کر دیا۔ (المحلی: ۷/۳۴۵)

جزیہ کے ساقط ہونے کی ایک وجہ ناداری بھی ہے۔ اگر کوئی ذمی پہلے مال دار ہو اور پھر نادار ہو جائے او جزیہ ادا کرنے پر قادر نہ رہے تو اس سے جزیہ ساقط کر دیا جائے گا بشرطیکہ جزیہ کی ادائیگی شرائط صلح میں واجب قرار دی گئی ہو۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بوڑھے نابینا شخص سے جو لوگوں سے بھیک مانگ رہا تھا جزیہ ساقط کر دیا۔

جنون بھی جزیہ کو ساقط کر دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص پہلے تو عاقل تھا لیکن بعد میں دیوانہ ہوگیا تو اس کا جزیہ ساقط ہو جائے گا۔

جزیہ اور خراج میں فرق یہ ہے کہ خراج کے لیے کوئی قرآنی نص نہیں ہے۔ بلکہ یہ معاملہ صرف سنت سے ثابت ہے کہ جزیہ کا ذکر خود قرآن حکیم میں موجود ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ خراج زمین کا ٹیکس ہے۔ بعد میں اگر مالک زمین مسلمان بھی ہو جائے تو زمین خراجی ہی رہتی ہے جب کہ جزیہ فرد کا ٹیکس ہے اور یہ بالکل ایسا ہے جیسا کہ مسلمان پر زکوٰۃ لیکن اگر غیر مسلم مسلمان ہو جائے تو جزیہ ساقط ہو جاتا ہے۔

جزیہ کی کوئی رقم عہد نبوی اور عہد صدیقی میں مقرر نہیں تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی شرح متعین کر دی تھی۔ اہل یمن خوشحال تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دینار فی کس جزیہ مقرر کر دیا تھا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اہل حیرہ سے دس درہم فی کس کے حساب سے عہد صدیقی میں جزیہ وصول کیا۔ (ملاحظہ ہو کتاب الاموال لابی عبیدہ: ۲۷)

امام ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ جزیہ میں لی جانے والی رقم کی کوئی حد متعین نہیں کرتے۔ وہ اس کے تعین کی ذمہ داری سربراہ مملکت پر ڈالتے ہیں۔ اور وہ اس کی رقم میں کمی بیشی کرنے کے قائل ہیں۔ اپنے اس اختیار کردہ مسلک کی تائید میں وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ جزیہ مقرر کرنے کی کوشش کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ سمجھتے کہ جزیہ کے بارہ

Marfat.com

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مقررہ مقدار سنت ہے تو وہ اس سے تجاوز نہ کرتے۔''

(کتاب الاموال: ۴۲)

جزیہ کے بارہ میں ایک خیال یہ ہے کہ اسلامی ریاست میں چونکہ مسلم رعایا فوجی خدمت پر مامور و مجبور ہوتی ہے اور ان میں سے جنہیں حکومت جس وقت چاہے محاذ جنگ پر طلب کرسکتی ہے اور یہ صورت ذمیوں پر لازم نہیں آتی، لہٰذا ان سے ان کی مدافعت و حفاظت کے صلہ میں جو رقم لی جاتی ہے وہ ''جزیہ'' کہلاتی ہے۔ اس بات کی تائید ان مصالحاتی معاہدوں سے بھی ہوتی ہے جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ان کے گورنروں اور جرنیلوں نے مختلف مفتوحہ علاقوں کے سرداروں سے کیے تھے۔ سیدنا سوید بن مقرن رضی اللہ عنہ نے جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ سپہ سالار تھے، فتح جرجان کے موقع پر اپنے عہد نامہ میں لکھا تھا:

''تمہیں اپنی ذمہ داری میں لیا جاتا ہے اور ہمارے اوپر تمہاری حفاظت کی ذمہ داری ہوگی۔ اس شرط پر کہ تم میں سے ہر بالغ پر بقدر استطاعت سالانہ جزیہ کی ادائیگی لازم ہوگی اور تم میں سے جس سے ہم خدمت لیں گے تو اسے اس کی مدد اور خدمت کے عوض اس کا جزیہ دیا جائے گا۔'' (طبری واقعات ۲۲ھ: ۳/۳۶)

اسی طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے گورنر سیدنا عتبہ بن فرقد سلمی رضی اللہ عنہ نے اہل آذربائیجان سے جو عہد کیا تھا کہ اہل آذربائیجان اور اس کے حدود و مضافات کے جملہ باشندوں کو اس شرط پر امان کہ:

''وہ بقدر استطاعت جزیہ ادا کرتے رہیں گے اور ان میں سے جسے کسی سال جنگی خدمت پر بلایا جائے گا اس پر اس سال کا جزیہ ساقط کردیا جائے گا۔'' (تاریخ طبری: ۲۶۶۲)

اس قسم کے اور بھی کئی حوالے طبری اور تاریخ کی دوسری کتابوں میں ملتے ہیں۔ ان سب حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مسلمان ذمیوں کی حفاظت اور مدافعت کرنے میں خود کو ناکام پائیں تو وہ ان سے وصول شدہ جزیہ انہیں واپس کردیں گے جیسا کہ مسلمانوں نے ہرقل کی فوج کی آمد کی خبر سن کر ذمیوں سے لیا ہوا جزیہ انہیں واپس کردیا تھا۔ (فتوح البلدان: ۱۴۳)

یہ تو جزیہ کے بارہ میں ایک ضمنی بحث تھی لیکن یہ بات اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ خراج کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت کے محاصل میں شاید جزیہ دوسرے نمبر پر ہے۔

Marfat.com

۳۔ فے اور غنیمت:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حکومت کی آمدنی کا ایک بہت بڑا ذریعہ فئے اور غنیمت بھی تھا۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ فے اس مال کو کہتے ہیں جو دشمن سے بغیر جنگ و قتال کے حاصل ہو اور جنگ کر کے جو مال حاصل ہو وہ غنیمت کہلاتا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں غنیمت کی تقسیم اس طرح ہوتی تھی کہ اس مال کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ چار حصے تو مجاہدین میں تقسیم ہو جاتے تھے۔ اور پانچویں حصہ کو پھر پانچ حصوں میں تقسیم کر کے اس طرح بانٹ دیا جاتا تھا کہ ایک حصہ اللہ اور اس کے رسول کا، دوسرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کا، تیسرا یتامیٰ کا، چوتھا مساکین کا اور پانچواں حصہ مسافروں کا۔ یہ مسافر وہ نادار مہمان ہوتے جو مسلمانوں کے علاقہ میں اترتے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فے اور غنیمت کی یہی تعریف کی ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''گھوڑوں اور سواریوں (مجاہدین) کی تگ و دو کے بعد جو کچھ حاصل ہو وہ غنیمت ہے...... اور جو بغیر گھوڑوں اور سواریوں کی تگ و دو سے حاصل ہو وہ فے ہے۔ (کتاب الام: ۴/۱۴)

ایسا ہی امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الاحکام السلطانیہ ص ۱۲۲ پر لکھا ہے:

ان تعریفوں کی روشنی میں یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ دشمن سے حاصل شدہ جو مال مسلمانوں یا ان کی حکومت کی اجتماعی ملکیت بنالیا جاتا ہے، وہ فے کہلاتا ہے۔ فے تمام مسلمانوں کا اجتماعی مال ہوتا ہے اور ان کے مصالح کے لیے وقف رہتا ہے، اور اس کی نگرانی حکومت کا سربراہ کرتا ہے۔ اگر فے کو معنوی اور لغوی لحاظ سے دیکھا جائے تو غنیمت بھی فے ہوتی ہے اور ان علاقوں کے محاصل بھی فے ہوتے ہیں۔ غنیمت اور مفتوحہ علاقوں کی تقسیم کا جدا جدا ہے۔ غنیمت کو پھر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک زمین کے علاوہ جملہ اموال اور دوسرا اراضی۔

۴۔ عشور:

ایک شہر سے دوسرے شہر سامان تجارت لے کر جانے والے تاجروں سے حکومت جو کچھ وصول کرتی ہے وہ تجارتی عشر ہوتا ہے۔ (المغنی بن قدامہ: ۸/ ۵۱۷)

Marfat.com

عشور اگر چہ عشر کی جمع ہے لیکن واحد بھی استعمال ہوتا ہے اور اس کی جمع عشورات بھی آتی ہے۔

اسلامی دور حکومت میں سب سے پہلے عشور (تجارتی عشر) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عائد کیا (کتاب الاموال: ۵۳۴، مصنف عبدالرزاق: ۱۰/۳۳۴) اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ اہل منبج اور بحر عدن کے اس پار کے لوگوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ اپنا سامان تجارت لے کر سر زمین عرب میں داخل ہوا کریں گے اور مسلمانوں کو عشر (کل مال کا دسواں حصہ) دیا کریں گے۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا اور سب نے اس تجویز سے اتفاق کیا۔ چنانچہ اس طرح سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تجارتی عشر وصول کیا۔ (مصنف عبدالرزاق: ۶/۹۷، ۱۰/۳۳۵) لیکن اس مشورہ کے باوجود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ بھی پتہ چل جائے کہ مسلمان تاجر جب غیر مسلم ریاستوں میں برائے تجارت داخل ہوتے ہیں تو ان سے کتنا ٹیکس وصول کیا جاتا ہے۔ جب پوچھا گیا تو مسلمان تاجروں نے بتایا کہ غیر مسلم حکومتیں ان کے سامان تجارت کا دسواں حصہ ان سے لے لیتی ہیں۔ چنانچہ آپ نے فیصلہ فرمایا کہ جو کچھ وہ ہم سے لیتے ہیں وہی کچھ ہم ان سے لیں گے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۶/ ۹۸) ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ذمیوں سے پانچ فی صد، اہل حرب سے دس فیصد اور مسلمانوں سے اڑھائی فی صد عشر وصول کیا تھا۔ (کتاب الاموال: ۵۳۳) ایک روایت میں بجائے اہل حرب کے ایسے غیر ملکی تاجروں کا لفظ ہے جو ذمی نہ ہوں اور ملکی ضرورت کے پیش نظر اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی، مثلاً سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں گیہوں اور زیتون کا تیل مکہ یا مدینہ درآمد کرنے والوں پر یہ ٹیکس دوسرے علاقوں کے مقابلہ میں نصف کر دیا گیا تھا۔ (تفسیر قرطبی: ۸/۱۱۳، کتاب الاموال: ۵۳۳) ایسا اس لیے کیا گیا کہ مدینہ میں یہ اشیاء افراط سے پہنچتی رہیں۔

زریق مولی بنی فزارہ سے مروی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں لکھا تھا کہ جو ذمی تاجر تمہارے پاس سے گزریں ان سے ان کے اموال ظاہرہ پر یعنی ان مالوں پر جن سے وہ تجارت کرتے ہیں ہر بیس دینار پر ایک دینار وصول کریں۔ (مصنف ابن شیبہ: ۱/ ۱۲۸) اموال ظاہرہ کہنے سے یہ مراد ہے کہ اگر تاجر اپنا کوئی مال چھپالیں تو عشر وصول کرنے والا اس کی تفتیش نہ کرے۔ چنانچہ زیاد بن عدیر سے مروی ہے کہ مجھے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عشور کے لیے بھیجا اور حکم دیا کہ میں کسی کی تفتیش نہ کروں۔ (مصنف ابن شیبہ: ۱/ ۱۲۸، کتاب الخراج ابی یوسف: ۱۴۴)

Marfat.com

ایک روایت اس بارہ میں یہ بھی ہے کہ گورنر بصرہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مسلمان تاجر جب دارالحرب میں تجارت کی غرض سے جاتے ہیں تو دارالحرب کی حکومت ان سے دس فیصد ٹیکس صول کرتی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ ہم بھی دارالحرب کے تاجروں سے اس قسم کا ٹیکس وصول کیا کریں۔ اس بارہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا: تم بھی دارالحرب کے تاجروں سے ۱۰ فیصد ٹیکس لے لیا کرو اور اہل ذمہ کے مال سے ۵ فیصد اور مسلمانوں کے مال تجارت سے اڑھائی فی صد لے لیا کرو۔

(بنایہ شرح ہدایہ: ۱/۱۲۲۰)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حربی، ذمی اور مسلمان تاجر کے درمیان عشور کی مقدار میں فرق رکھا۔ چنانچہ آپ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام تحریر کیا کہ مسلمانوں سے دوسو پر پانچ لے لو اور پھر ہر چالیس پر ایک درہم وصول کرو۔ (کتاب الخراج، یحییٰ: ۱۷۲، سنن بیہقی: ۹/۲۱۰، المحلی: ۶/۱۱۵،۲/۷، مصنف عبدالرزاق: ۴/۸۸: ۶/۹۵)

ایسی ہی ایک روایت زیاد بن حدیر سے مروی ہے۔ (خراج ابیک یوسف: ۱۳۴)

مسلمانوں سے اس کے سوا کچھ نہیں لیا جائے گا۔ فقہاء نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ عاشر مسلمانوں سے جو کچھ وصول کرے گا وہ زکوٰۃ ہوگی، جزیہ نہیں ہوگا جو اہل ذمہ سے لیا جاتا ہے۔ اسی لیے زیاد بن حدیر نے جو اسلام میں سب سے پہلے عشور وصول کرنے والے ہیں۔ (کتاب الاموال: ۵۲۸) کہا ہے کہ ہم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت میں عشور وصول کرتے تھے لیکن کسی معاہد اور مسلم سے عشور وصول نہیں کرتے تھے۔ عبداللہ بن خالد عبسی نے پوچھا کہ پھر تم کس سے عشور وصول کرتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا: ''اہل حرب تاجروں سے جن کے یہاں ہم جاتے تھے تو وہ ہم سے عشر وصول کرتے تھے''

(مصنف عبدالرزاق: ۶/۹۹، ۱۰/۳۷۰، المحلی: ۶/۱۶، کتاب الاموال: ۵۲)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کو علم ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں سے ٹیکس وصول کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں۔

(مصنف عبدالرزاق: ۲/۱۳۹، کتاب الاموال: ۵۲۸)

ان روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلمان تاجروں سے اور ذمی تاجروں سے وہ مقدار وصول نہیں کرتے تھے جو اہل حرب کے تاجروں سے وصول کرتے تھے

Marfat.com

کیونکہ جو کچھ اہل حرب سے لیا جاتا تھا وہ اپنے مزاج کے لحاظ سے اس سے مختلف تھا جو مسلمان اور ذمی تاجروں سے لیا جاتا تھا۔

یہ تو تھا مسلمانوں سے درآمدی ٹیکس کا معاملہ، اہل ذمہ سے اس سے دوگنا ٹیکس لیا جاتا تھا۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بعض ذمیوں سے اس شرط پر صلح کی تھی کہ ان کے تاجر جو سامان تجارت اپنے شہر سے لے کر دوسرے شہر جائیں گے، اس پر ان سے سال میں ایک مرتبہ نصف عشر لیا جائے گا۔ (کتاب الاموال: ۵۳۲، المحلی لابن حزم: ۶/ ۱۱۵، مغنی ابن قدامہ: ۸/ ۵۱۷) اسی طرح نجران کے عیسائیوں سے اس شرط پر صلح کی تھی کہ مسلمانوں پر جو زکوٰۃ عائد ہوتی ہے ان پر اس سے دگنا جزیہ عائد ہوگا، اسی لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر نصف عشر عائد کیا تھا۔ آپ نے اہل نبط سے اس شرط پر صلح کی تھی کہ ان میں سے جو اپنا تجارتی مال اپنے شہر سے کسی اور جگہ لے کر جائے گا اس سے عشر لیا جائے گا۔ (المحلی: ۶/ ۱۱۵، موطا امام مالک: ۱/ ۲۸۱) اور جب عراق فتح ہوا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو وہاں روانہ کیا اور انہیں وہاں کے مالی محصولات پر عامل مقرر فرمایا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اہل سواد پر جو کہ ذمی تھے، ان کے اموال پر اور ان کے اس تجارتی سامان پر جو وہ لے کر گذریں بیس درہم پر ایک درہم (یعنی پانچ فیصد) عائد کیا۔

(کتاب الاموال: ۶۸، ۵۳۲، مصنف عبدالرزاق: ۶/ ۱۱۵، المغنی لابن قدامہ: ۸/ ۵۱۷)

غیر مسلموں کے ساتھ طے پانے والے ان معاہدوں کی روشنی میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عشور وصول کنندگان کو حکم دیا تھا کہ وہ ان ذمی تاجروں سے جو ان کے قریب سے گزریں اسی تناسب سے عشور وصول کریں جو معاہدوں کی رو سے طے ہوا ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ اہل کتاب سے اس سے دگنا عشور وصول کیا جائے جو مسلمانوں سے سونے اور چاندی پر بطور زکوٰۃ لیا جاتا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۶/ ۹۷، ۱۰/ ۳۳۵، کتاب الاموال: ۵۳۲، کتاب الخراج یحییٰ: ۶۸، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/ ۱۳۸)

اسی طرح آپ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام تحریر فرمایا کہ ''ذمی تاجروں سے نصف عشر وصول کریں۔'' (کتاب الخراج یحییٰ: ۱۷۳)

اسی طرح سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے عشور کی

Marfat.com

وصول یابی پر مامور کر کے روانہ فرمایا اور یہ فرمان لکھ کر دیا کہ میں مسلمانوں سے ان کے تجارتی سامان کے لانے لے جانے پر ربع عشر (یعنی اڑھائی فیصد) وصول کروں اور ذمیوں سے نصف عشر (یعنی ۵ فیصد) وصول کروں۔'' (کتاب الخراج لابی یوسف:۱۶۱، سنن کبریٰ بیہقی:۹/۲۱۰، المحلی:۶/۲/۷۲، ۱۱۵، مصنف عبدالرزاق:۴/۸۸، ۶/۹۵) ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ بنی تغلب کے نصاریٰ سے عشر وصول کرو او اہل کتاب کے نصاریٰ سے نصف عشر وصول کرو۔ (المحلی:۶/۱۱۵، ۱۱۵، المغنی لابن قدامہ:۸/۵۱۶، مصنف عبدالرزاق۱۰/۳۷۰)

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرب کے نصاریٰ سے نصف عشر وصول کرنے کا حکم دیا جو کہ مسلمانوں کی زکوٰۃ سے دگنا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق:۶/۹۹)

ان دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے اس لیے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہودیت اور نصرانیت کو عرب سرزمین کے لیے بیرونی دین تصور کرتے تھے۔ اسی لیے آپ نے نصاریٰ بنی تغلب سے اور باقی عرب کے نصاریٰ سے یکساں معاملہ کیا اور غیر عرب نصاریٰ سے مختلف معاملہ کیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اہل حرب تاجروں سے جب وہ اپنا مال تجارت لے کر ہمارے علاقے سے گزرتے تھے، کل سامان پر عشور لیا کرتے تھے کیونکہ جب مسلمان تاجران کے علاقوں سے گزرتے تھے تو ان کی حکومتیں بھی مسلمان تاجروں کے سامان پر عشر وصول کرتی تھیں۔ سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں کہ ہم اہل حرب تاجروں سے کیا وصول کیا کریں؟ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ جب مسلمان تاجران کے علاقوں سے گزرتے ہیں تو وہ کیا وصول کرتے ہیں؟ بتایا گیا کہ عشر (دس فیصد) لیتے ہیں۔ فرمایا: پھر تم بھی عشر لیا کرو تا کہ معاملہ برابر رہے۔ (کتاب الاموال:۶۸، سنن البیہقی:۹/۱۳۶، مغنی ابن قدامہ:۸/۵۲۱، مصنف ابن ابی شیبہ:۱/۱۳۸) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابلہ کا عامل بنا کر روانہ کیا تو ان کو بھی یہی لکھ دیا۔ (المحلی:۶/۲/۷۲، سنن کبریٰ بیہقی :۹/۲۱۰، کتاب الخراج لابی یوسف:۱۶۱، مصنف عبدالرزاق:۲/۸۸، ۶/۹۵) اور سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بھی آپ نے تحریر کیا کہ اہل حرب کے تاجر جب ہمارے علاقے میں داخل ہوں تو ان سے عشر وصول کرو۔ (خراج یحییٰ:۱۷۳)

زیاد بن حدیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اہل حرب اسلام کی

Marfat.com

سرزمین میں آ کر قیام کرتے ہیں تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے لکھا کہ اگر وہ چھ ماہ قیام کریں تو ان سے عشر لو اور اگر وہ ایک سال قیام کریں تو ان سے نصف عشر وصول کرو۔ (سنن بیہقی: ۹/۲۱۰، کتاب الخراج یحییٰ: ۱۷۲) کیونکہ مسلمانوں کے علاقے میں ایک سال رہنے کی بنا پر وہ ذمی بن جائیں گے اور ذمیوں پر نصف عشر ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عشر لینے کا نصاب بھی مقرر فرمایا۔ چنانچہ آپ نے حکم دیا کہ جس مال کی مجموعی قیمت دس درہم نہ ہو اس پر عشر نہ لیا جائے۔ زریق مولیٰ بنی فرازہ سے روایت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں لکھا کہ تمہارے پاس سے جو ذمی تاجر اپنا مال تجارت لے کر گزریں، ان کے ظاہری مال پر یعنی جس سے وہ تجارت کرتے ہیں ہر بیس دینار پر ایک دینار لے لو اور جو اس سے کم ہو اس میں سے اسی حساب سے وصول کرو یہاں تک کہ دس دینار تک پہنچ جائے۔ پھر جب تین دینار سے کم ہو تو چھوڑ دو اور اس پر کچھ نہ لو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۱۳۸)

یہ چیز بھی ذہن میں رہے کہ عشور سال میں صرف ایک مرتبہ وصول کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اگر تاجر عشر وصول کرنے والے کے پاس سے گزرے اور اس کے پاس مثلاً ایک ہزار دینار کی قیمت کے بقدر تجارتی سامان ہو تو اس پر عائد ہونے والا عشر لے لیا جائے گا۔ پھر جب وہ اسی سال کے دوران دوبارہ گزرے اور اس کے پاس دو ہزار دینار کا سامان تجارت ہو تو اس سے صرف اس ایک ہزار دینار کا عشر وصول کیا جائے گا جو پہلے ہزار سے زائد ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان سے سال میں صرف ایک ہی مرتبہ عشر لو۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب الخراج یحییٰ: ۶۸، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۱۳۸، کتاب الخراج لابی یوسف: ۱۶۲، المغنی لابن قدامہ: ۵/۲۷۶)

غیر مسلم تاجروں سے وہ اشیاء عشر میں قبول نہیں کی جائیں گی جو مسلمانوں کے ہاں مال نہیں ہیں۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایک عامل نے آپ کو لکھا کہ عشر لینے والے کے پاس سے ذمی کافر گزرتے ہیں جن کے پاس شراب ہوتی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ اس کی فروخت ان ہی کے سپرد کر دو اور قیمت پر عشر وصول کر لو۔ (المغنی: ۵/۲۷۶)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ غیر مسلموں کے ایسے سامان تجارت پر جو عوام کی ضرورت کا ہو ٹیکس کا بوجھ کم ہونا چاہئے تاکہ تاجران ان اشیاء کو زیادہ لے کر آئیں۔ چنانچہ سیدنا عمر اہل نبط سے گندم اور زیتون کے تیل پر نصف عشر لیا کرتے تھے اور مقصد یہ تھا کہ وہ یہ اشیاء

Marfat.com

زیادہ مقدار میں مدینہ لے کر آئیں۔ اور دالوں پر (یعنی چنا اور مسور پر) عشر لیا کرتے تھے۔

(الموطا مالک: ۱/۲۸۱، سنن بیہقی: ۹/۲۱۰، کتاب الاموال: ۵۳۳، مصنف عبدالرزاق: ۶،۹۹،۱۰/۳۳۵)

۵۔ زکوٰۃ وصدقات:

زکوٰۃ وصول کرنا اسلامی حکومت کے فرائض میں سے ہے۔ چنانچہ سورۃ حج آیت نمبر ۴۱ میں فرمایا کہ:

''وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں ملک میں تمکن عطا کرتے ہیں تو وہ اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ معروف کا حکم دیتے ہیں اور منکر (برائیوں) سے روکتے ہیں۔'' (حج:۴۱)

اس سے یہ پتہ چلا کہ اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ ہی وہ ادارے ہیں جن کا نظام مستحکم کرنے کے بعد ایک اسلامی حکومت اپنا صحیح مقام حاصل کرسکتی ہے۔ تاریخ کے اوراق اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ نظام جب تک قوت سے جاری رہا مسلمانوں میں افتراق وتشتت جگہ نہ پاسکا اور جب اس نظام میں کمزوری آئی تو تشتت وافتراق کی دراڑوں نے امت کی عمارت کو مجروح کر دیا۔

عربی زبان میں زکوٰۃ کے معنی ہیں پاکیزگی، طہارت، برکت، نشوونما، مدح وستائش کسی شئے کا پاکیزہ اور منتخب حصہ۔ (تاج العروس) زکوٰۃ بمعنی تزکیہ مصدر بھی ہے یعنی نشوونما کرنا، بڑھانا، بارآور کرنا، پاک کرنا، سدھارنا، اصلاح کرنا۔ لزوم کی جہت سے اس کے معنی طہارت ونمو اور صلاح (پاک ہونا، بڑھنا اور درست ہونا) بھی ہیں۔ (تاج العروس ولسان العرب) امام راغب اصفہانی نے زکوٰۃ کا اصل مفہوم ''ایسے بڑھنے اور نشوونما پانے'' کو بتایا ہے'' جو اللہ تعالیٰ کی برکت سے حاصل ہو۔'' وہ لکھتے ہیں کہ'' زکوٰۃ کے بنیادی معنوں ہی سے اس زکوٰۃ کا اشتقاق ہے جو آدمی حاجت مندوں کے لیے اللہ کے حق سے نکالتا ہے اور اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس کو دینے میں اللہ تعالیٰ سے برکت وکثرت خیر کی امید وابستہ کی جاتی ہے یا پھر اس لیے کہ اس کے ذریعہ نفس کی پاکیزگی وبالیدگی ہوتی ہے یعنی ایسے فضائل و برکات کے ذریعہ نشوونما بخشی جاتی ہے۔ (مفردات راغب)

Marfat.com

صدقہ کے لفظ کے لغوی معنی سچائی، قول کا اعتقاد اور ضمیر کے مطابق ہونا، ظاہر و باطن کا یکساں ہونا، نیز کسی شئے سے جو توقع کی جائے اس پر اس کا پورا اترنا ہے۔ (مفردات راغب) ہر وہ عمل جو اللہ پر ایمان کی تصدیق کرتے ہوئے انجام دیا جائے ''صدقہ'' کہلاتا ہے۔ امام راغب نے صدقہ کی تعریف اس طرح کی ہے۔

الصدقة ما يخرجه الانسان من ماله علىٰ وجه القربة كالزكوٰة
صدقہ وہ شئے ہے جو انسان اپنے مال میں سے قرب الٰہی کے حصول کی خاطر نکالتا ہے، جیسے زکوٰۃ۔

مختصر یہ کہ صدقہ رضا کارانہ عطیہ اور مالی واجبات جو اسلامی حکومت کی طرف سے معین و فرض ہوں دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ صدقہ اس مال کو بھی کہتے ہیں جو عوام کی فلاح و بہبود کے لیے حکومت کی زیر نگرانی رہتا ہے، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد:

لانورث ماتر كنا صدقة (فتوح البلدان:۴۴، مسلم:۲/۹۰)
یعنی میرے مرنے کے بعد ان اموال کا نگران والی (حاکم) ہوگا۔

صدقہ اور زکوٰۃ کے درمیان کیا فرق ہے؟ اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، کتاب الام:۲/۷۱، ۶۰، الاحکام السلطانیہ:۱۰۸، ۱۵۲۔

یہ بھی ایک اسلامی حکومت کی آمدنی کی ایک بہت بڑی مد ہے۔ زکوٰۃ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تھی اور بھیڑ، بکری، اونٹ سب پر زکوٰۃ فرض تھی۔ جس کے بارہ میں تمام احکام سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتب فرما دیے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس پر جو اضافہ ہوا وہ یہ تھا کہ تجارت کے گھوڑوں پر آپ نے زکوٰۃ لاگو کی۔ کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو الفاظ فرمائے تھے ان سے بظاہر سواری کے گھوڑے مفہوم ہوتے تھے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسی مفہوم کو قائم رکھا اور جو گھوڑے تجارت کے لیے پالے جاتے تھے، ان پر زکوٰۃ لاگو کی جو پیغمبر کے قول کی مخالفت نہیں تھی بلکہ تشریح تھی۔

نوعیت قبضہ کے لحاظ سے اسلام میں دو قسم کی زمینیں ہیں۔ ایک خراجی اور دوسری عشری۔ خراجی زمین تو وہ ہے جس پر حکومت کی طرف سے خراج لاگو ہو، لیکن عشری اس زمین کو کہتے تھے جو مسلمانوں کے قبضہ میں ہوتی تھی۔ اس کی مندرجہ ذیل قسمیں تھیں۔

① عرب کی وہ زمینیں جن کے قابضین اوائل اسلام میں مسلمان ہوگئے تھے جیسے مدینہ

Marfat.com

کی زمینیں۔

(۲) وہ زمین جو کسی ذمی کے قبضہ سے نکل کر مسلمانوں کے قبضہ میں آتی تھی جیسے کوئی لاوارث مر گیا یا مفرور ہو گیا وغیرہ۔

(۳) دور افتادہ زمین کسی حیثیت سے کسی کی ملک نہیں ہوتی تھی اور اس کو کوئی مسلمان آباد کر لیتا تھا۔

اس قسم کی تمام زمینیں عشری کہلاتی تھیں۔ ان زمینوں پر بجائے خراج کے زکوٰۃ (عشر) مقرر تھی۔ جس کی مقدار اصل پیداوار کا دسواں حصہ ہوتی تھی۔ یہ مقدار سرکار دو عالم ﷺ نے مقرر فرمائی تھی۔ اس میں کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا تھا لہٰذا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کو قائم رکھا۔ آپ نے صرف یہ کہا کہ عراق و ایران کی جو زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں اگر وہ زمیوں کی قدیم نہروں یا کنوؤں سے سیراب ہوتی تھیں تو ان پر خراج مقرر کر دیا اور اگر خود مسلمان نئی نہر یا کنواں کھود کر اس کو سیراب کرتے تھے تو ان سے عشر لیا جاتا تھا۔

خراجی زمین سے خراج سال میں صرف ایک دفعہ لیا جاتا جبکہ عشر سال میں ہر فصل کا الگ الگ وصول کیا جاتا تھا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو دراسات فی الحضارة الاسلامیہ، احمد ابراہیم الشریف :۲۵۳، مبادی النظام الاقتصادی سعاد ابراہیم الصاط :۲۱۳، سیاسۃ المال فی الاسلام فی عہد عمر بن الخطاب، عبداللہ جمعان :۸/ الاموال ابو عبید:۴۵۵، عصر الخلافۃ الراشدۃ:۱۹۴-۱۹۵ موسوعہ فقہ عمر بن الخطاب:۲۳۵، اہل الذمۃ فی الحضارۃ الاسلامیۃ :۴۵ تاریخ الاسلامی:۱۱/۱۴۱-۱۴۵ اقتصادیات الحرب:۲۱۷، الدور السیاسی، صفوۃ :۱۱۵، الحیاۃ الاقتصادیۃ فی العصور الاسلامیۃ :۱۰۱، شرح السیر الکبیر ۵/۲۱۳۳-۲۱۳۵، الاحکام السلطانیہ ۲۲۶ وغیرہ

Marfat.com

فوجی نظام

عہد فاروقی میں فتوحات کی وسعت نے ایک طرف تو مال غنیمت میں بے پناہ اضافہ کیا جبکہ دوسری طرف جزیہ اور خراج کی بے شمار رقوم مدینہ طیبہ پہنچنے لگیں۔ مسلمان عراق و ایران اور شام و مصر کے جس علاقے پر قبضہ کرتے، اس کے باشندوں سے جزیے کی شرط پر صلح کر لیتے جو اوسطاً دو دینار فی کس سالانہ کے حساب سے ہوتا تھا۔ یہ آمدنی اس خراج کے علاوہ تھی جو زمیندار اپنی زمینوں کے بدلہ میں ادا کرتے تھے۔ خراج کا ایک معتد بہ حصہ ملکی اصلاح و انتظام پر خرچ کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد جو رقم بچتی تھی وہ مدینہ طیبہ بھیج دی جاتی تھی۔ اس سے پہلے کہ ایران کی فتح مکمل اور مصر پر حملے کا آغاز ہو، آمدنی کے اس شعبے میں دولت کی وہ ریل پیل ہوئی کہ امیر المومنین اس نوزائیدہ سلطنت اسلامی کے مالی اور فوجی نظام مرتب کرنے کے بارہ میں سوچنے لگے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس موضوع پر کیسے سوچنا شروع کیا، مورخین نے اس بارہ میں بہت سی روایات نقل کی ہیں، لیکن مشہور روایت اس بارہ میں یہ ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو بحرین کے گورنر تھے، ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کا حال دریافت کرنے کے بعد ان سے پوچھا: ''کیا لائے ہو؟'' جواب دیا: ''پانچ لاکھ''۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سمجھے کہ وہ مبالغے سے کام لے رہے ہیں، اس لیے پھر وہی سوال کیا اور جب ان سے وہی پہلا جواب سنا تو فرمایا: ''ابو ہریرہ! تمہیں گنتی آتی ہے؟'' سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''ہاں'' یہ کہہ کر پانچ دفعہ لاکھ لاکھ کہا، آپ نے فرمایا: ''تمہیں نیند آ رہی ہے۔ اپنے گھر جا کر سو رہو، کل صبح میرے پاس آنا'' دوسرے روز سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بارگاہِ خلافت میں پہنچے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یقین دلایا کہ وہ واقعی پانچ لاکھ درہم لائے ہیں۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یقین آیا تو مجلس شوریٰ منعقد

Marfat.com

کی اور فرمایا: ''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہمارے پاس بڑی دولت لے کر آئے ہیں، اگر تم کہو تو گن کر تم میں تقسیم کی جائے اور کہو تو وزن کر کے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مختلف تجاویز پیش کیں۔ ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے شام کے حکمرانوں اور ایران کے سربراہوں کو دیکھا ہے کہ ان کے ہاں فوج کا رجسٹر مرتب رہتا ہے۔ وہ رجسٹروں کے اندراج کے مطابق تقسیم کرتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ رائے پسند آئی اور فوج کی تنظیم و ترتیب کا خیال پیدا ہوا۔ (فتوح البلدان: ۴۴۹)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رجسٹر مرتب کرنے کے سلسلہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں سے مشورہ کیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جتنا مال آپ کے پاس جمع ہو وہ سال کے سال تقسیم کر دیا جائے۔ اور کوئی شئے باقی نہ رہنے دی جائے۔'' سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں دیکھتا ہوں کہ لوگوں میں دولت کا پھیلاؤ بہت زیادہ ہوتا جا رہا ہے۔ اگر اس کا شمار نہ کیا گیا اور آپ کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ان میں سے کس کس کو ملا ہے اور کس کس کو نہیں ملا ہے تو سارا نظام چوپٹ ہو جائے گا۔ ولید بن ہشام بن مغیرہ بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے امیر المومنین سے عرض کی: ''امیر المومنین میں شام گیا تھا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ سلاطین شام رجسٹروں میں لوگوں کے ناموں کا اندراج کرتے ہیں۔ آپ بھی ایسا ہی کیجئے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی بات پسند آئی۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا عقیل بن ابی طالب، سیدنا مخرمہ بن نوفل رضی اللہ عنہ اور سیدنا جبیر بن مطعم کو بلایا جو عرب کے مشہور ماہرین انساب تھے اور ان سے کہا کہ حیثیت اور مرتبہ کے مطابق ان لوگوں کی ایک فہرست تیار کریں۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دیوان (رجسٹر) کی تدوین اور وظیفوں کی تعیین کے متعلق مہاجرین و انصار سے مشورہ کیا اور انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس رائے کی تائید کی۔ پھر آپ نے سپہ سالاران اور فاتحین سے مشورہ کیا، انہوں نے بھی آپ کی تجویز سے اتفاق کیا سوائے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے جو مکہ کے سرداروں اور صائب الرائے لوگوں میں سے تھے۔ انہوں نے آپ کی اس تجویز کے جواب میں کہا: ''امیر المومنین! قریش تجارت پیشہ لوگ ہیں۔ اگر آپ ان کے وظیفے مقرر کر دیں گے تو وہ تجارت چھوڑ دیں گے۔ پھر آپ کے بعد کوئی ایسا فرمانروا اور سربراہ مملکت آئے گا جو ان کے وظیفے بند کر دے گا اور اس وقت تجارت بھی ان کے ہاتھ سے نکل چکی ہوگی۔ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی یہ بات بڑی دوراندیشی کی تھی یا پھرا

Marfat.com

ن کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء کی گئی تھی۔ اور ہوا بھی یہی کہ وظائف نے عربوں کو نااہل بنا دیا اور وہ روزی کے لیے دوڑ دھوپ اور جدوجہد کرنے سے کاہل ہو گئے۔ اس کے بعد حالات نے کروٹ لی اور فتوحات کا سلسلہ بند ہو گیا اور غیر عرب اسلامی حکومت میں شامل ہو گئے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب اسلام کا دارالسلطنت بغداد منتقل ہوا تو عرب کے باشندوں کے وظائف بند کر دیئے گئے۔ آسائش اور بے عملی کی گود میں پرورش پانے والی نسل تجارت کی طرف لوٹ سکی اور نہ روزی کے لیے دوڑ دھوپ کر سکی جس کے نتیجے میں حجاز ایسا ویران ہوا کہ آج تک اس کی وہ رونق لوٹ نہ سکی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عربوں کو تجارت کی جدوجہد سے غافل کرنے کے لیے ان کے وظائف مقرر نہیں کیے تھے بلکہ وظائف کا یہ رجسٹر انہوں نے اس لیے مقرر کیا تھا تاکہ عرب ہمہ تن جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف ہو جائیں اور اللہ کے دین کی دعوت کے لیے میدان صاف کر دیں۔ وظائف مقرر کرنے سے ان کا مقصد لوگوں کو کاہل اور سست بنانا نہ تھا۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بیان کے جواب میں ولید بن ہشام بن مغیرہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جو بات کہی تھی اس کے الفاظ یہ ہیں:

قد جنت الشام فرایت ملو کھا قد دونوا دیواناً وجندوا جنداً فدون دیواناً وجنداً فاخذ بقولہ۔ (مقریزی: ۱/۲، فتوح البلدان: ۴۴۹)

یعنی میں شام گیا ہوں اور وہاں کے بادشاہوں کو دیکھا ہے کہ انہوں نے دفتر (رجسٹر) اور فوج بنا رکھی ہے۔ پس آپ بھی رجسٹر بنایئے اور فوج منظم کیجئے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ولید بن ہشام کی بات پر عمل کیا۔

اس سے پتہ چلا کہ رجسٹر مرتب کر کے جو لوگوں کے وظائف مقرر کیے گئے وہ صرف اس لیے مقرر کیے گئے تھے تاکہ ایک باقاعدہ فوج تیار کی جا سکے اور اس فوج کو ماہانہ وظیفوں کی شکل میں تنخواہ ملتی رہے۔ یہی وجہ تھی کہ جن لوگوں سے فوجی خدمت نہیں لی جاتی تھی اور قدیمی جنگی خدمتوں کا استحقاق بھی نہیں رکھتے تھے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کو یہ وظیفہ یا تنخواہ نہیں دیتے تھے۔ جیسا کہ علامہ بلاذری رحمہ اللہ نے فتوح البلدان: ۴۵۸ پر لکھا ہے۔

اور یہی وجہ تھی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے زمین فوجیوں میں تقسیم کرنے کی ممانعت فرما دی تھی بلکہ پارلیمنٹ (مجلس شوریٰ) سے یہ بات منظور کروائی تھی، تاکہ زراعت انہیں جہاد سے

Marfat.com

غافل نہ کر دے اور زمین کی محبت میں وہ دعوت اسلامی کو فراموش نہ کر دیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے سیدنا عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، سیدنا مخرمہ بن نوفل رضی اللہ عنہ اور سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے حیثیت اور مرتبے کے لحاظ سے لوگوں کی فہرستیں تیار کیں۔ ان میں فوجیوں اور غیر فوجیوں کی الگ الگ فہرستیں تیار کی گئیں۔ سب سے پہلے بنو ہاشم کے نام لکھے گئے۔ پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قبیلے بنو تمیم اور پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قبیلے بنو عدی کے نام لکھے گئے اور پھر اسی ترتیب سے دوسرے قبائل کے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب تیسرے نمبر پر اپنے قبیلے کا نام دیکھا تو فرمایا:

> ''خدا کی قسم! چاہتا تو میں بھی یہی تھا۔ کاش ایسا ہوتا، لیکن تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت سے شروع کرو جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہیں سب سے پہلے ان کے نام لکھو۔ پھر وہ جو ان کے بعد ہیں، یہاں تک کہ عمر کو وہاں رکھو جہاں اللہ نے اسے رکھا ہے۔''

بعض روایات میں ہے کہ بنو عدی کو جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات معلوم ہوئی تو وہ آپ کے پاس آئے اور کہا: ''آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں۔ آپ نے اپنا نام وہیں کیوں نہ رہنے دیا جہاں ان لوگوں نے لکھا تھا۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نہایت غضبناک نگاہوں سے انہیں دیکھا اور فرمایا: ''واہ بنو عدی! تم چاہتے ہو کہ میری کمائی کھاؤ اور تمہاری وجہ سے میری نیکیاں برباد جائیں۔ نہیں، خدا کی قسم، تم اسی ترتیب سے آؤ گے جس ترتیب سے تمہارے پاس دعوت پہنچی تھی۔ چاہے تمہارے ناموں پر رجسٹر ختم ہی کیوں نہ ہوتا ہو۔ خدا کی قسم ہمیں دنیا میں جو عزت ملی ہے اور ہم آخرت میں اپنے عمل کے بدلے اللہ تعالیٰ کے جس ثواب کے امیدوار ہیں وہ سب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ ہے۔ اس لیے آپ ہمارا شرف ہیں اور آپ کی قوم اشرف العرب۔ اس کے بعد وہ جو اس سے قریب ہیں، پھر وہ جو ان کے قریب ہیں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جو طبقاتی درجہ بندی کی وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مسلک کے خلاف تھی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں عورت، مرد، چھوٹا بڑا، آزاد غلام سب پر مال برابر تقسیم فرماتے تھے کیونکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی دستور تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ بحرین سے مال آیا۔ آپ نے اس کو سب میں برابر تقسیم فرمایا تو فی کس سوا سات درہم ملا۔ دوسرے سال مال زیادہ آیا اور حسب سابق برابر تقسیم کیا گیا تو فی کس بیس درہم حصے میں آئے۔ بعض لوگوں نے

Marfat.com

اعتراض کیا کہ اے خلیفہ رسول! آپ نے مال برابر تقسیم کر دیا حالانکہ لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جن کو دوسروں پر تقدیم وتفوق حاصل ہے۔ اگر آپ سبقت فی الاسلام اور فضیلت کی رعایت رکھتے تو بہتر ہوتا۔ یہ سن کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''وہ اللہ کے لیے اسلام لائے اور اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے جو وہ قیامت کے روز انہیں عطا فرمائے گا۔ اس دنیا میں ان سب کا حصہ برابر ہے کیونکہ یہ معاش کا معاملہ ہے۔ اس میں برابری کا معاملہ کرنا ترجیح دینے سے بہتر ہے۔

(کتاب الخراج لابی یوسف: ۴۲)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب السابقون الاولون کو فضیلت دینا چاہی تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ قول ''السویة خیر من الاثرہ'' (برابری کا معاملہ ترجیح دینے سے بہتر ہے) ان کے سامنے دہرایا گیا۔ انہوں نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: ''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے والوں کو ان لوگوں کے درجے میں نہیں رکھ سکتا جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مل کر جنگ کی ہے۔'' چنانچہ آپ نے اہل بدر کو سب پر مقدم رکھا، لیکن جو حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتے میں سب سے قریب تھے انہیں فضیلت دینے میں جہاد اور سبقت فی الاسلام کا لحاظ نہ رکھا۔ چنانچہ انہوں نے لوگوں کے جو وظائف منظور کیے وہ حسب ذیل تھے۔

①	سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ عم محترم	۱۲ ہزار درہم سالانہ
②	سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب عم محترمہ	۶ ہزار درہم سالانہ
③	امہات المومنین	۱۲ ہزار درہم سالانہ

یہ ابن سعد کی روایت ہے۔ طبری نے ۱۰ ہزار درہم لکھا ہے لیکن ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دو ہزار درہم زیادہ دیئے کیونکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے زیادہ محبت فرماتے تھے۔

④	سیدنا علی رضی اللہ عنہ	۵ ہزار درہم سالانہ
⑤	سیدنا حسن رضی اللہ عنہ وسیدنا حسین رضی اللہ عنہ	۵ ہزار درہم سالانہ
⑥	شرکاء بدر	۵ ہزار درہم سالانہ
⑦	مہاجرین حبشہ اور شرکاء احد	۴ ہزار درہم سالانہ
⑧	فتح مکہ سے قبل ہجرت کرنے والے	۳ ہزار درہم سالانہ
⑨	فتح مکہ کے موقع پر ایمان لانے والے	۲ ہزار درہم سالانہ

Marfat.com

(۱۰) شرکاء قادسیہ ویرموک ۲ ہزار درہم سالانہ

(۱۱) قادسیہ ویرموک کے بعد کے مجاہدین ۲ ہزار درہم سالانہ

(۱۲) اہل یمن ۳ ہزار درہم سالانہ

(۱۳) بلا امتیاز مراتب ۳ ہزار درہم سالانہ

غرض کہ کسی شخص کا تین سو درہم سے کم وظیفہ مقرر نہ فرمایا۔ اور فرمایا! ''اگر مال کی کثرت ہوئی تو ہر شخص کو چار ہزار درہم اور وظیفہ دوں گا۔ ایک ہزار سفر کیلئے، ایک ہزار اسلحہ کے لیے۔ ایک ہزار اہل و عیال کے واسطے اور ایک ہزار اس کے گھوڑے کے لیے۔ کچھ لوگ ایسے تھے جنہیں ان کے امثال و اقران سے زیادہ وظیفہ دیا گیا۔ چنانچہ سیدنا عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کا وظیفہ چار ہزار درہم مقرر کیا گیا۔ یہ عمر رضی اللہ عنہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے تھے۔ ان کے وظیفہ پر محمد بن عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''آپ نے عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کو ہم پر فضیلت کیوں دی ہے؟ ہمارے بزرگوں نے تو ہجرت بھی کی اور مختلف غزوات میں شریک بھی ہوئے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کی وجہ سے فضیلت دی ہے۔ لاؤ اگر کوئی ایسی ماں ہو جس پر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرح عنایت اور مہربانی کی گئی ہو؟''

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا وظیفہ چار ہزار درہم مقرر کیا گیا۔ اس پر آپ کے صاحبزادے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا! ''آپ نے مجھے تو تین ہزار درہم دیئے اور اسامہ کو چار ہزار، حالانکہ میں غزوات میں شریک ہوا ہوں۔'' فرمایا! ''میں نے اسے اس لیے زیادہ وظیفہ دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے تم سے اور اس کے باپ کو تمہارے باپ سے زیادہ چاہتے تھے۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو ایک ہزار، سیدہ ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا کو ایک ہزار اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ کو ایک ہزار وظیفہ دے کر ان کی ہم چشموں سے انہیں ممتاز کر دیا۔ جن لوگوں کے نام رجسٹر میں درج ہوئے ان کی بیوی بچوں کی تنخواہیں بھی مقرر ہوئیں۔ چنانچہ مہاجرین و انصار کی بیویوں کا وظیفہ دو سو درہم تک، اہل بدر کی اولاد ذکور کا وظیفہ دو ہزار درہم مقرر ہوا۔ جن لوگوں کا وظیفہ مقرر ہوا ان کے غلاموں کا وظیفہ بھی مقرر کیا گیا۔

جن جن مردوں کے ناموں کا اندراج رجسٹر میں ہوا، اگرچہ وہ سب صیغہ فوج سے

Marfat.com

تعلق رکھتے تھے لیکن ان فوجیوں کی دو قسمیں قرار دی گئیں۔

① وہ فوجی جو ہر وقت فوجی اور جنگی مہمات میں مصروف رہتے تھے۔ گویا یہ باقاعدہ فوج کے سپاہی تھے۔

② دوسرے وہ فوجی تھے جو عموماً اپنے گھروں میں رہتے تھے لیکن ضرورت کے وقت طلب کیے جاتے تھے۔ جن کو آج کل کی اصطلاح میں ریزرو فوج (Reserve Force) کہتے ہیں۔

فوجی نظم ونسق کی طرف یہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا پہلا قدم تھا جو آپ نے ۱۵ھ میں اٹھایا۔ اگرچہ اس میں کچھ غلطیاں بھی ہوئیں۔ اس میں ایک بے ترتیبی یہ تھی کہ فوجی تنخواہوں کے ساتھ غیر فوجی تنخواہیں بھی رجسٹر میں شامل ہوگئیں یعنی دونوں کا ایک ہی رجسٹر تھا لیکن ۲۰ھ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فوج کے اس صیغہ کو اس قدر منظم اور مرتب کیا کہ اس وقت کسی دوسرے ملک میں ایسا انتظام نہیں تھا۔ اسی وجہ سے بعض مورخین نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے وظیفوں کے رجسٹر کب مرتب کیے۔ طبری ۱۵ھ بتاتے ہیں اور ابن سعد ۲۰ھ۔ ہمارے نزدیک اصل اور درست بات یہ ہے کہ اصل نظام کی ابتداء ۱۵ھ میں کی گئی تھی لیکن اس کو منظم ۲۰ھ میں کیا گیا تھا۔ اس دوران میں اس نظام کی اصلاح ہوتی گئی اور اس میں جو مشکلات پیش آئیں ان کو دور کیا گیا۔

اس صیغے کا سب سے پہلا کام یہ تھا کہ ملک کو جنگی حیثیت سے مختلف حصوں میں تقسیم کرنا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آپ نے فوجی حیثیت سے مختلف حصوں میں تقسیم کیا۔ جس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

(سیاستہ المال فی الاسلام: ۱۸۴۔۱۹۸، الاحکام السلطانیہ: ۲۲۷، الطبقات الکبریٰ ۳/ ۳۰۱، طبری: ۲/ ۱۵۱۔۱۵۴، عصر الخلافۃ الراشدۃ: ۲۱۴، کتاب الخراج لابی یوسف: ۵۰، الاموال، ابن زنجویہ: ۲/ ۵۷۶، تاریخ المدینہ لابن ابی شعبہ: ۲/ ۶۹۸)

فوج کے صدر مقامات:

آپ نے پورے ملک میں سرحدوں کے قریب ۱۰ مقامات پر فوج کے لیے چھاؤنیاں قائم کیں جن کا نام "جند" رکھا اور یہی اصطلاح جو آپ نے چودہ سو سال قبل رائج کی

Marfat.com

تھی آج تک قائم چلی آ رہی ہے۔ یہ فوجی چھاؤنیاں مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، مصر، دمشق، حمص، اردن اور فلسطین میں قائم کیں۔ یہ دس مقامات بڑی فوجی اہمیت کے حامل تھے اسی وجہ سے انہیں فوجی ہیڈ کوارٹر بنایا گیا۔ مدینہ طیبہ مملکت کا صدر مقام تھا اور پوری فوج کے سپریم کمانڈر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہاں رہتے تھے۔ ہر محاذ پر یہاں سے کمک بھیجی جاتی تھی، اس وجہ سے یہاں ہر وقت فوج تیار رہتی تھی کیونکہ معلوم نہیں کب کہاں سے کمک طلب کر لی جائے۔ اس لیے اس کو جنرل ہیڈ کوارٹر بنایا گیا۔ کوفہ اور بصرہ، یہ دونوں شہر فارس، خوزستان اور تمام مشرقی فتوحات کے دروازے تھے۔ یہ دونوں شہر فوجی ہیڈ کوارٹر کے لیے امیر المومنین نے خود بسائے تھے جس کا تذکرہ آئندہ صفحات میں آ رہا ہے۔ فسطاط جس کا موجودہ نام قاہرہ ہے، تمام مصر کا ایک دروازہ تھا۔ یہاں پر بھی فوجی ہیڈ کوارٹر بنانا ضروری تھا۔ شام کا علاقہ نہایت وسیع و عریض تھا لہٰذا اس کی وسعت کے پیش نظر وہاں چار ہیڈ کوارٹر (موصل، حمص، اردن اور فلسطین) بنائے گئے۔

ان تمام ہیڈ کوارٹرز پر فوج کی سپلائی کے پورے انتظامات کیے گئے۔ کوفہ، بصرہ اور فسطاط، یہ تینوں شہر بنائے ہی فوج کے لیے گئے تھے لہٰذا ان کی تعمیر میں ہی تمام فوجی انتظامات اور سہولتوں کا بندوبست کیا گیا۔ چنانچہ یہاں فوجیوں کے مستقل قیام کے لیے بارکیں بنائی گئیں۔ گھوڑوں کی پرداخت کے لیے چراگاہیں مختص کی گئیں اور دفاعی ضروریات کا ہر انتظام یہاں کیا گیا۔ موصل میں ایرانیوں کا ایک قدیم قلعہ موجود تھا۔ کچھ گرجے اور قدیم مکانات بھی پرانے وقتوں کے چلے آ رہے تھے۔ گورنر موصل ہرثمہ بن عرفجہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایات کے مطابق یہاں پر ان پرانے مکانات کو گرا کر نئی طرز پر ایک چھاؤنی تعمیر کی جس میں فوجیوں کی رہائش اور بود و باش کے لیے بارکیں بنائی گئیں۔ گھوڑے پالنے کے پورے انتظامات کیے گئے اور افواج کی سہولت اور آرام کے لیے ہر شے مہیا کی گئی۔ ایسا ہی دوسرے فوجی ہیڈ کوارٹروں میں فوج کی رہائش اور دفاع کے لیے ہر طرح کا انتظام کیا گیا۔

پھر نہ صرف فوجیوں کی رہائش اور بود و باش ہی کا انتظام کیا گیا بلکہ ان فوجی ہیڈ کوارٹروں میں گھوڑوں کی پرداخت کیلئے بڑے بڑے اصطبل بنائے گئے جن میں گرمی اور سردی میں گھوڑوں کی حفاظت کی جاتی تھی۔ ان فوجی ہیڈ کوارٹروں میں ہر وقت چار چار ہزار گھوڑے مع ساز و سامان کے ہر وقت تیار رہتے تھے اور جس محاذ پر بھی فوری ضرورت پڑ جاتی ان کو وہاں اسی وقت روانہ کر دیا جاتا۔ چنانچہ ۱۷ھ میں جب جزیرہ والوں نے علم بغاوت بلند کیا تو انہی فوجی ہیڈ

Marfat.com

کوارٹروں سے فوری طور پر کمک بھیج کر اس بغاوت کو فرو کیا گیا۔ ایسے ہی کئی اور مقامات پر جب کمک کی ضرورت پڑی تو یہیں سے فوج روانہ کی گئی۔ گھوڑوں کی دیکھ بھال اور ان کی نگرانی کے لیے ماہرین کا انتخاب کر کے انہیں رکھا گیا۔ ان کے علاج معالجہ کے لیے بھی جانوروں کے ڈاکٹر مہیا کیے گئے۔ مدینہ طیبہ چونکہ جنرل ہیڈ کوارٹر تھا اور امیر المومنین جو فوج کے سپریم کمانڈر تھے، یہیں رہائش پذیر تھے، اس لیے وہاں کا انتظام خود اپنے ہاتھ میں رکھا۔ ور ہر سے چار منزل کے فاصلہ پر ایک چراگاہ تیار کرائی تھی جس کی نگرانی آپ کا ایک غلام کرتا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش کے لیے سرزمین عرب میں متعدد چراگاہیں تیار کرائی تھیں۔ ان میں سب سے بڑی چراگاہ بذہ میں تھی جو مدینہ منورہ سے چار منزل کے فاصلہ پر تھی۔ یہ چراگاہ دس میل لمبی اور اسی قدر چوڑی تھی۔ دوسری چراگاہ مقام ضریہ میں تھی جو مکہ مکرمہ سے سات منزل پر ہے اور وہ چھ میل لمبی اور چھ میل چوڑی تھی۔ اس میں تقریباً چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے۔ ان چراگاہوں کی تفصیل مختلف کتابوں میں بیان کی گئی ہے۔

گھوڑوں کے معاملہ میں سلمان بن ربیعہ الباہلی بہت ماہر تھے۔ وہ گھوڑوں کی شناخت، ان کے علاج اور ٹریننگ میں بہت مشہور تھے۔ ان کی اس مہارت کی وجہ سے ان کا نام ہی ''سلمان الخیل'' پڑ گیا تھا۔ یہ گھوڑوں کی تربیت اور پرورش نہایت اہتمام سے کراتے تھے اور سال میں ایک مرتبہ گھوڑ دوڑ کا اہتمام بھی تھا۔ گھوڑوں کی عمدہ نسل کو انہوں نے بہت ترقی دی۔ سلمان بن ربیعہ سے پہلے اہل عرب گھوڑے کی نسل کے بارہ میں ماں کی پروا نہیں کرتے تھے۔ سب سے پہلے سلمان نے یہ امتیاز قائم کیا کہ گھوڑے کی ماں بھی عربی ہونی چاہیے۔

بصرہ کے ہیڈ کوارٹر کا سارا انتظام صوبہ اہواز کے گورنر جزر بن معاویہ کے ہاتھ میں تھا۔ غرض کہ تمام فوجی مقامات اور چھاؤنیوں میں نہایت اعلیٰ اور ماہر لوگوں کے ہاتھ میں گھوڑوں اور فوجیوں کا انتظام تھا۔ فوج کا ہر انتظام یہاں کے دفتروں میں ہوتا تھا۔ یعنی فوجیوں کی تعداد، ان کے ناموں اور ایڈریس کی تفصیل کے بارہ میں تمام رجسٹر اور کاغذات یہیں کے دفتروں میں ہوتے تھے۔ یہاں کے فوجیوں اور گھوڑوں کی رسد اور اجناس کے گودام بھی انہی فوجی ہیڈ کوارٹروں میں ہوتے تھے اور یہیں سے تمام رسد دوسری چھوٹی چھاؤنیوں میں بھی بھیجی جاتی تھی۔

Marfat.com

فوجی چھاؤنیاں:

ان فوجی ہیڈ کوارٹروں کے علاوہ دوسرے کئی مقامات اور ساحلی اور سرحدی علاقوں میں چھوٹی چھاؤنیاں بھی قائم کی گئی تھیں۔ چھوٹی چھوٹی چھاؤنیوں کا جال تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مختلف ممالک میں پھیلا دیا تھا بلکہ آپ کا اصول یہ تھا کہ جونہی کوئی شہر فتح ہوتا اس کی حفاظت کے لیے وہاں متعدبہ فوج متعین کر دی جاتی تھی۔ چنانچہ شام کے قریباً ہر شہر میں سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ایک ایک عامل مقرر کر دیا تھا جس کے ماتحت مناسب فوج ہوتی جو شہر کا انتظام بھی چلاتی اور بغاوت بھی نہ ہونے دیتی تھی۔ ۱۷ھ میں جب سیدنا عمر بن خطاب نے شام کے علاقوں کا دورہ کیا تو آپ نے سرحدی شہروں میں ہر قسم کا فوجی نظم ونسق قائم کیا اور بلاد ساحلیہ (ساحل سمندر پر واقع شہر) جو کہ رومیوں کی بحریہ کی زد میں تھے اور ان پر ہر وقت دشمن کے حملہ کا خطرہ تھا، ان کا الگ مضبوط انتظام کیا اور اس تمام علاقے کا انتظام سیدنا عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں دے دیا۔ بعض علاقوں میں آپ نے شامی عرب جو حلقہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے، آباد کر دیئے تاکہ ان علاقوں کی مستقل حفاظت ہو سکے۔

۱۹ھ میں آپ نے سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ جو اپنے بھائی یزید رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد شام کے گورنر نامزد ہوئے ان کی سفارش پر ساحل شام پر واقع تمام قلعوں کی نئے سرے سے مرمت کروائی اور ان پر آگ روشن کروائی، پہرے دار متعین فرمائے اور فوجیں مرتب کروائیں۔

مصر کا علاقہ بڑا وسیع علاقہ تھا۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس کو فتح کیا تھا۔ یہاں پر جتنی فوج تھی اس کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ایک چوتھائی فوج تو اسکندریہ میں متعین تھی کیونکہ یہاں ہر وقت رومی فوج کے حملہ کا سمندر کی طرف سے خطرہ تھا اور ایک چوتھائی فوج بلاد ساحلیہ میں متعین تھی اور آدھی فوج گورنر مصر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ فسطاط (موجودہ قاہرہ) میں اقامت پذیر تھی۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ایک نہایت زیرک جنرل تھے اپنی اسی قابلیت کی وجہ سے انہوں نے تھوڑی سی فوج کے ساتھ مصر پر حملہ کر کے رومیوں کو وہاں سے نکال باہر کیا تھا۔ فوجی جرنیل ہونے کی وجہ سے انہوں نے فوج کو نہایت اعلیٰ طریقہ سے رکھا ہوا تھا۔ فوجیوں کے لیے بڑے وسیع ایوان تھے اور ہر ایوان میں ان کے ساتھ ایک کمانڈنگ

Marfat.com

آفیسر (عریف) ہوتا تھا جو ان فوجیوں کے قبیلہ کا سردار ہوتا تھا اور ان کے ہر معاملہ کا انتظام اس کے ذمہ ہوتا تھا یہاں تک کہ فوجیوں میں رسد اور تنخواہ کی تقسیم بھی اس کے ذمہ تھی۔ ان بڑے بڑے ایوانوں اور فوجی بارکوں کے آگے صحن کے طور پر بڑی وسیع افتادہ زمین ہوتی تھی۔ بلادسا حلیہ میں جو ایک چوتھائی فوج رکھی ہوئی تھی وہ ۱۶ھ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خود متعین فرمائی کیونکہ اس سال ہرقل نے دریا کے راستہ سے مصر پر حملہ کرنا چاہا تھا جس کی تفصیل فتح مصر کے بیان میں گزر چکی ہے اور وہ اس حملہ میں کامیاب نہ ہو سکا۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حفظ ماتقدم کے طور پر وہاں فوج کی ایک بہت بڑی تعداد متعین فرمادی۔ ہر جگہ کی فوج کا الگ الگ کمانڈر تھا اور مصر کی تمام فوج کے سپہ سالار گورنر مصر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ تھے۔

کوفہ کے فوجی ہیڈ کوارٹر میں چالیس ہزار فوج ہر وقت موجود رہتی تھی جن میں دس ہزار بیرونی مہمات میں مصروف رہتے تھے اور بقیہ ریزرو فورس تھی، جو ضرورت پڑنے پر فوری طور پر ہر جگہ بھیجی جاسکتی تھی۔ جن علاقوں میں پہلے فوجی چھاؤنیاں تھیں ان کو بھی مضبوط کر کے وہاں فوجی رکھے ہوئے تھے۔ خوزستان ڈویژن میں نہایت کثرت سے چھاؤنیاں قائم کی گئیں۔ رے اور آذربائیجان کی چھاؤنیوں میں ہر وقت ۱۰ ہزار فوجی رہتے تھے اور ضرورت پر بغیر تاخیر کیے بھیجے جاسکتے تھے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتوح البلدان، مقریزی اور طبری) نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ملک چھاؤنیوں سے بھر گیا اور اب تو اندرونی بغاوت کا بھی کوئی خطرہ رہا اور نہ ہی بیرونی حملوں کا۔

اس قدر چھاؤنیاں قائم کرنے کی کئی وجوہات تھیں۔ ان میں سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کی بحریہ ابھی تک قائم نہ ہوئی تھی اور بازنطینی حکومت کی بحریہ اس زمانہ میں بہت مضبوط تھی۔ خطرہ تھا کہ وہ کہیں ہمارے ساحلی علاقوں پر حملہ آور نہ ہو جائیں۔ اس وجہ سے ساحلی علاقوں پر زیادہ چھاؤنیاں قائم کی گئیں۔ دوسری وجہ اندرونی بغاوتوں سے ملک کو روکنا تھا۔ بادشاہ ایران کسریٰ ملک میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ وہ جہاں بھی جاتا وہاں اپنے نمائندوں کے ذریعہ یا تو ایرانیوں کو جمع کر کے اسلامی مملکت پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرتا یا مسلمانوں کے مفتوحہ علاقوں میں بغاوت پھیلانے کے لیے تدابیر سوچتا۔ اسی طرح قیصر روم بھی اپنے مفتوحہ علاقوں میں بغاوت پھیلانے کی کوشش کرتا۔ اس لیے اسلامی مملکت کے لیے ناگزیر ہو گیا کہ وہ مختلف علاقوں میں اپنی چھاؤنیاں قائم کرے۔ چنانچہ یہ چھاؤنیاں قائم کر کے ایک تو ایشیائے

Marfat.com

کوچک کی طرف سے رومیوں کے بحری حملوں سے ملک کو محفوظ کیا گیا اور دوسرے اندرونی بغاوتوں کی حوصلہ شکنی کی گئی۔

بھرتی کے دفاتر:

ملک میں چھاؤنیاں تو کثرت سے قائم ہوگئیں۔ اب ان چھاؤنیوں میں فوجی رکھنے کے لیے بھرتی کے دفتر بھی قائم کیے گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف بھی خصوصی توجہ کی اور آپ نے نہایت اچھے طریقے سے بھرتی کے اس نظام کو منظم کیا۔ فوجوں کی بھرتی کا پہلا دفتر تو مدینہ میں تھا جس میں مہاجرین وانصار کی ایک معتدبہ تعداد موجود تھی۔ پھر یہ دفاتر ملک کے ہر علاقہ میں کھولے گئے اور لوگ جوق در جوق اسلامی فوج میں بھرتی ہونے شروع ہوگئے۔ ملک کے ہر علاقہ میں نوجوانوں اور تجربہ کار آدمیوں کے نام رجسٹرڈ کیے گئے۔ شام اور عراق کے قریباً ہر ضلع میں لوگوں نے جا کر وہاں کے قبائل کے رجسٹر تیار کیے۔ خصوصی طور پر عربوں کو زیادہ بھرتی کیا گیا۔ ان سب کے رجسٹر مرتب کیے گئے اور پھر بقدر مراتب ان کی تنخواہیں مقرر کی گئیں۔ مدینہ سے عسفان تک جو مکہ سے دو منزل ادھر ہے، جس قدر قبائل آباد تھے ان کے نام رجسٹرڈ کیے گئے۔ اس طرح ہر سال تیس (۳۰) ہزار نئی فوج مختلف محاذوں پر بھیجی جاتی تھی۔ کوفہ کے بارہ میں ہے کہ وہاں ایک لاکھ آدمی ایسے بسائے گئے جو لڑنے کے قابل تھے جن میں ۴۰ ہزار باقاعدہ فوج تھی جو رے، آذربائیجان اور دوسرے مختلف محاذوں پر باری باری جاتی تھی۔

فوج میں صرف عرب ہی نہ تھے بلکہ عجمی، رومی، ہندوستانی اور یہودی بھی تھے۔ چنانچہ کسریٰ ایران کا ایک خاص فوجی دستہ ''جند شہنشاہ'' کے نام سے تھا اور اس کی تعداد چار ہزار تھی۔ یہ شہنشاہ ایران کا خاص دستہ تھا۔ یہ دستہ قادسیہ کے معرکہ کے بعد ایرانیوں سے الگ ہوگیا اور حلقہ بگوش اسلام ہو کر سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فاتح ایران کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے انہیں اپنی فوج میں داخل کر کے کوفہ میں آباد کر دیا اور ان کی علیٰ قدر مراتب تنخواہیں مقرر کر دیں۔ (فتوح البلدان: ۲۸۰) فوج کا یہ دستہ دیلم قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ چنانچہ اسلامی فتوحات میں ان کا نام بھی آتا ہے۔

اسی طرح باذان نوشیروان کی طرف سے یمن کا گورنر تھا۔ اس کی ماتحتی میں جو ایرانی

Marfat.com

فوج تھی اس میں سے اکثر و بیشتر فوجی بھی اسلامی فوج میں شامل کر لیے گئے۔ اسی طرح سندھ کے جاٹ جن کو اہل عرب ''زط'' کہتے ہیں، بھی یزدگرد کے لشکر میں داخل تھے۔ سوس کے معرکہ کے بعد یہ مسلمان ہوگئے اور فوج میں بھرتی ہو کر بصرہ میں آباد ہوگئے۔ (فتوح البلدان: ۳۷۲) بصرہ اور کوفہ میں زیادہ تر وہی لوگ آباد ہوئے جو دوسری قوموں سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے۔

مختصر یہ کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فوجی بھرتی کو نہایت وسعت دی اور کسی قوم، ملک اور مذہب کی تخصیص کے بغیر ریزرو فورس (Reserve Force) میں ہزاروں مجوسی اور یہودی بھی شامل تھے جن کو مسلمانوں کے برابر تنخواہ ملتی تھی۔

ابتداء میں فوج کی رسد کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ مسلمان جس علاقہ پر حملہ کرتے تو آس پاس کے دیہات کی طرف چند فوجی بھیجتے جو دیہاتیوں سے غلہ اور چارہ وغیرہ زبردستی لے آتے۔ البتہ بلاذری نے فتوح البلدان: ۲۵۶ میں لکھا ہے کہ ان کے گوشت وغیرہ کا بندوبست دارالخلافہ مدینہ سے ہوتا تھا، لیکن تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ گائیں اور بھیڑ بکریاں بھی گوشت کے لیے مسلمان قریبی دیہات سے چھین کر لے آتے تھے۔ جب مسلمانوں کی سلطنت کی پہنائیوں میں اضافہ ہوا اور اندرونی نظم و نسق میں استحکام پیدا ہوا تو پھر یہ انتظام کیا گیا کہ مفتوحہ قوموں سے جزیہ کے ساتھ فی کس اثار غلہ لیا جانے لگا۔ مصر میں غلہ کے ساتھ روغن زیتون، شہد اور سرکہ بھی لیا جاتا تھا جو افواج کے سالن کا کام دیتا تھا۔ لیکن اس میں رعایا کو زحمت اٹھانا پڑتی اس لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں یہ تبدیلی کی کہ اس کے بجائے نقدی مقرر کردی جس کو رعایا نے نہایت خوشدلی سے قبول کر لیا۔ (فتوح البلدان: ۱۷۸، ۲۱۶)

بعد میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فوج کی سپلائی کا ایک مستقل محکمہ قائم کر دیا۔ جس کا نام ''اہرا'' رکھا۔ (فتوح البلدان: ۲۰۸) چنانچہ عمر بن عتبہ شام میں اس کے افسر اعلیٰ مقرر ہوئے۔ اب یہ ہوا کہ غلہ کے بڑے بڑے گودام بنائے گئے جن میں غلہ اور جنس، روغن زیتون، سرکہ وغیرہ اسٹاک کیے جاتے اور ہر ماہ کی یکم تاریخ کو ایک من ۱۰ اثار فی سپاہی کے حساب سے غلہ اور ۱۲ اثار روغن زیتون اور ۱۲ اثار سرکہ ملتا تھا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد اس طریقہ میں بھی تبدیلی ہوئی اور خشک غلہ کی بجائے موجودہ دور کی طرح پکا پکایا کھانا ملنے لگا۔ فوج کے لیے ایک بھتہ مقرر کیا گیا جس کو عربی میں مغوتہ کہتے ہیں۔ کچھ لوگ اپنا گھوڑا خود تیار کرتے تھے، لیکن جن کے پاس

Marfat.com

گھوڑے کے لیے رقم نہیں ہوتی تھی، اس کو حکومت خود گھوڑا مہیا کرتی تھی تا کہ وہ اس کو اپنی مرضی کے مطابق تیار کر سکے۔

فوج کی تنخواہیں اور ان کی تقسیم:

فوج کے لیے چونکہ زراعت، تجارت اور دوسرے کام ممنوع قرار دے دیئے گئے تھے، لہٰذا ان کی تنخواہیں اتنی مقرر کی گئیں جن سے وہ اپنی تمام ضروریات زندگی پوری کر سکیں۔ چنانچہ ایک فوجی کی کم سے کم تنخواہ ۲۰۰ درہم تھی جو پھر ۳۰۰ درہم کر دی گئی۔ افسروں کی تنخواہ سات ہزار سے لے کر دس ہزار تک تھی۔ بچوں کی تنخواہ پہلے تو دودھ چھوڑنے کے بعد شروع ہوتی تھی لیکن بعد میں حکم دے دیا کہ پیدائش کے روز ہی سے شروع کر دی جائے۔ بعد میں جب فتوحات میں اضافہ ہوا اور روپیہ کثرت سے آنا شروع ہو گیا تو اب ساہی کو بہت کچھ ہاتھ آ جاتا تھا۔ چنانچہ جنگ جلولاء میں نو نو ہزار اور نہاوند میں چھ چھ ہزار درہم ایک ایک سوار کے حصہ میں آئے۔ تنخواہ کی اس زیادتی کی وجہ سے لوگوں کا زیادہ رجحان فوج کی طرف ہو گیا۔

تنخواہوں کی تقسیم کے مسئلہ کو بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بہت آسان اور منظم بنایا ہوا تھا۔ بھتہ اور تنخواہ وغیرہ کی تقسیم کے اوقات مختلف رکھے ہوئے تھے۔ محرم کے شروع میں تنخواہ، فصل بہار میں بھتہ اور فصل کی کٹائی کے وقت خاص خاص جاگیروں کی آمدنی تقسیم ہوتی تھی۔ (طبری:۲) اور تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ فوج میں دس سپاہیوں پر ایک افسر ہوتا تھا جس کو ''امیر الاعشار'' کہتے تھے۔ اور ہر قبیلے کے ساتھ ایک کمانڈنگ آفیسر ہوتا تھا جس کو ''عریف'' کہتے تھے۔ حکومت کی طرف سے تنخواہ ''امراء الاعشار'' کو دے دی جاتی اور وہ ''عریف'' کے حوالے کرتے تھے اور عریف اپنے اپنے قبیلہ کے سپاہیوں کے حوالے کرتے۔ ایک ایک عریف کے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی۔ چنانچہ کوفہ اور بصرہ میں سو عریف تھے جن کے ذریعہ سے قریباً ایک کروڑ درہم کی تقسیم ہوتی تھی۔ ان تمام حضرات کو بڑی سخت تاکید تھی کہ تنخواہوں کی تقسیم میں خاص احتیاط سے کام لیں اور رجسٹر کے مطابق ہر شخص کو اس کی تنخواہ وقت پر دیں۔ عراق میں بعض ''امراء الاعشار'' نے تنخواہوں کی تقسیم میں کچھ بے احتیاطی سے کام لیا تو بارگاہِ خلافت سے ان کی سخت گوشمالی کی گئی اور ان لوگوں کی آفیشل تحقیقات سعید بن عمران اور مشعلہ بن عمران وغیرہ سے کروائی گئیں۔ پھر ان کی رپورٹ کی روشنی میں لوگوں کے عہدے اور ان کی

Marfat.com

تنخواہیں مقرر کی گئیں اور پھر دس دس فوجیوں پر افسر مقرر کیا گیا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبری، مقریزی، فتوح البلدان اور البدایہ والنہایہ)

فوج کے بارہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں کچھ اور بھی چیزیں ہیں جو ان سے پہلے فوج میں نہیں ہوتی تھیں اور ان کی ایجاد کا سہرا آپ کے سر ہے اور کچھ چیزیں ایسی بھی تھیں جو گزشتہ ادوار سے چلی آ رہی تھیں، آپ نے ان کو قائم رکھا اور ان میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہ کی کیونکہ وہ چیزیں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قائم کردہ تھیں۔

طبری نے روایت کیا ہے کہ غزوہ بدر کے بعد سے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دستور ہو گیا تھا کہ دشمن کے بالمقابل صف آرا ہونے کے بعد آپ سورۃ انفال کی آیات تلاوت فرماتے تھے۔ یہ دستور آپ کے بعد بھی قائم و دائم رہا۔ بلکہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ اہتمام بھی ہوتا تھا کہ چند ایسے حضرات لشکر کے ساتھ بھیجے جاتے تھے جو اپنی ولولہ انگیز تقریروں اور قرآن حکیم کی آیات جہاد کی تلاوت سے مجاہدین اسلام میں جوش اور ولولہ پیدا کرتے تھے۔ چنانچہ شام کی جنگ کے موقع پر یہ خدمت سیدنا ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی۔ ان کے علاوہ قرآن حکیم کی تلاوت سیدنا مقداد بن اسود کرتے تھے۔ یہ عہدہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے عہد خلافت میں قائم رکھا اور ہر جنگ میں لوگوں میں جوش اور ولولہ پیدا کرنے کے لیے ''وعظ گو'' رکھے جاتے تھے۔ علاوہ ازیں ہر فوج کے ساتھ ایک افسر خزانہ، ایک محاسب، ایک قاضی اور کئی مترجم ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ زخمیوں اور بیماروں کے علاج کے لیے طبیب اور جراح یعنی فزیشن اور سرجن بھی ہوتے تھے۔ چنانچہ جنگ قادسیہ میں سیدنا عبدالرحمٰن بن ربیعہ قاضی، زیاد ابن ابی سفیان رضی اللہ عنہ محاسب اور ہلال ہجری مترجم تھے۔ فوج میں ان عہدوں کے قیام کا سہرا سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سر ہے۔

فوجی یونیفارم:

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے لیے کوئی لباس مقرر نہیں فرمایا تھا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے عہد خلافت میں کوئی ملٹری یونیفارم مقرر نہیں کی تھی تاہم حفاظت کے لیے زرہ اور خود پہننے کا عام رواج تھا اور سپر (ڈھال) رکھنے کا بھی عام دستور تھا۔ البتہ ڈاکٹر محمد حسن ابراہیم نے نقل کیا ہے کہ پیدل فوج چھوٹی قبائیں جو گھٹنوں تک لمبی ہوتی تھیں۔ پہنتے تھے

Marfat.com

اور تہمد کی بجائے پاجامے اور افغانیوں کی طرح کے جوتے پہنتے تھے۔ (تاریخ الاسلام السیاسی ۱/۴۷۳) سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے اہل حیرہ کے لیے جو عہد نامہ لکھا تھا اس میں ایک دفعہ یہ بھی تھا کہ ذمی جو لباس پہنتے ہیں وہ بے شک پہنیں۔ اس پر کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ البتہ وہ مسلمانوں کا سا جنگی لباس (ذی الحرب) نہیں پہنیں گے۔

(کتاب الخراج لابی یوسف:۱۴۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کا کوئی لباس ضرور تھا جس کو پہننے والا چاق و چوبند رہتا تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی خاص لباس فوج کے لیے مقرر نہیں تھا، لیکن فوج کے نام سے ان کے جو احکام کتابوں میں منقول ہیں۔ ان میں صرف اس قدر ہے کہ لوگ عجمی لباس نہ پہنیں، لیکن بلاذری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم پر آپ کی طرف سے کوئی خاص زور نہیں دیا گیا۔ کیونکہ جب ۲۱ ھ میں مصر والوں پر جزیہ مقرر ہوا تو اس میں فوج کے کپڑے بھی شامل تھے اور ان کپڑوں میں اون کا جبہ، لمبی ٹوپی، یا عمامہ، پاجامہ اور موزہ شامل تھے۔ پاجامہ اور موزے مصری بھی پہنتے تھے۔

(فتوح البلدان:۲۱۵)

فوج اور اختلاف موسم:

ویسے بھی قدرت کی طرف سے ہر ملک میں سال میں چار موسم ہوتے ہیں۔ سردی، گرمی، بہار اور خزاں۔ لیکن جب فتوحات کی کثرت کی وجہ سے سلطنت کی پہنائیوں میں اضافہ ہوا تو کچھ ایسے علاقے بھی سلطنت اسلامی میں داخل ہوئے جو نہایت سرد تھے۔ اس وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مسلم کے اختلاف کے لحاظ سے فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا اور سردی اور گرمی کے لحاظ سے لڑائی کے ایام تبدیل کر دیئے یعنی جو ملک سرد تھے ان پر گرمیوں میں اور جو گرم تھے ان پر سردیوں میں فوجیں بھیجی جاتی تھیں۔ سردیوں کے موسم میں جانے والی افواج کو ''شاتیہ'' اور گرمیوں میں جانے والی فوج کو ''صافیہ'' کا نام دیا گیا اور یہی اصطلاح آج تک رائج ہے۔

(طبری:۲)

موسم بہار میں فوجیں صحت افزا مقامات پر بھیج دی جاتی تھیں جہاں عمدہ آب وہوا

Marfat.com

اور سبزہ کی بہتات ہوتی تاکہ فوجیوں کی صحت درست رہے۔ پہلے فوج کے لیے یہ انتظام نہ تھا۔ یہ طریقہ ۱۷ھ میں جاری کیا گیا جب کہ فتح مدائن کے بعد وہاں کی خراب آب و ہوا کی وجہ سے فوج کی صحت گرنے لگی اور کئی فوجی بیمار ہو گئے۔ چنانچہ آپ نے عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ہر موسم بہار میں فوجیں سرسبز و شاداب مقامات پر چلی جایا کریں۔ گورنر مصر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بھی اپنی فوجیں موسم بہار میں سرسبز و شاداب اور صحت افزا مقامات پر بھیج دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ خوب کھیلو کودو۔ سیر و شکار کرو اور اپنے گھوڑوں کو موٹا تازہ کرو۔

فوج جب چھاؤنیوں سے نکل کر محاذ جنگ پر جاتی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا حکم تھا کہ جمعہ کے روز راستہ میں قیام کریں تاکہ فوجی تازہ دم بھی ہو جائیں اور اپنے ہتھیاروں اور کپڑوں کو درست کرلیں۔ پھر فوج کو یہ بھی تاکید تھی کہ کوچ کے دوران فوج ایک دن میں صرف اتنا راستہ طے کرے جس سے فوجی تھکنے نہ پائیں اور جب رات کے قریب پڑاؤ کرنے کا ارادہ ہو تو ایسی جگہ پڑاؤ کیا جائے جہاں ہر قسم کی ضروریات زندگی مہیا ہوں تاکہ کسی فوجی کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہو۔

چھٹی کا قاعدہ:

فوج کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رخصت کے بھی کچھ قواعد مقرر فرمائے تھے۔ یہ نہیں تھا کہ اگر کوئی فوجی محاذ جنگ پر گیا تو پھر سالوں گزر جانے پر بھی واپس نہیں آئے گا۔ چنانچہ شروع میں جو فوجی دور دراز مقامات پر متعین تھے ان کو سال میں ایک دفعہ ورنہ دو دفعہ رخصت ملتی تھی تاکہ وہ اپنے اہل و عیال کو مل آئیں اور اپنے نجی کام نپٹا آئیں۔ پھر ایک موقع پر جب اپنے گشت میں ایک عورت کو اپنے خاوند کی جدائی میں دردناک شعر پڑھتے سنا تو اپنی بیٹی ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ ایک عورت اپنے خاوند کے بغیر کتنا عرصہ گزار سکتی ہے؟ انہوں نے فرمایا: ''چار ماہ'' چنانچہ آپ نے تمام کمانڈروں کو سرکلر (Circular) جاری فرما دیا کہ کوئی شخص چار ماہ سے زیادہ باہر رہنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

یہ ساری سہولتیں اور آسانیاں آپ نے فوجیوں کو اس لیے دی ہوئی تھیں کہ ان کی صحت درست رہے اور وہ اپنے نجی کاموں سے فارغ البال ہو کر پوری دل جمعی کے ساتھ دشمن سے نبرد آزما ہوں کیونکہ اگر فوجیوں کے ذہن کسی دوسری طرف الجھے ہوئے ہوں گے تو وہ اچھے

Marfat.com

طریقے سے جنگی امور کی بابت غور وفکر نہیں کر سکتے۔ ان سہولتوں کے ساتھ ہی آپ نے اپنے فوجیوں کو کاہلی، سستی، آرام طلبی اور عیش پرستی سے محفوظ رکھنے کے لیے ان پر سخت قدغن لگائی ہوئی تھی۔ وہ ایک مسلمان سپاہی کو نہایت چوکس اور حالات کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان کا مقابلہ کرنے والا اور جفاکش دیکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اہل فوج کو سخت تاکید کی ہوئی تھی کہ:

① وہ رکاب کے سہارے سے گھوڑے پر سوار نہ ہوں۔

② نرم اور ملائم کپڑے نہ پہنیں بلکہ کھردرے کپڑے پہنیں۔

③ دھوپ کھانا (Sun Bath) نہ چھوڑیں۔

④ حماموں میں نہ نہائیں کیونکہ اس سے بھی سستی اور کاہلی پیدا ہوتی ہے۔

اسی طرح کی اور بھی کئی ہدایات آپ نے فوجیوں کو چاق و چوبند رکھنے کے لیے کی ہوئی تھیں۔

عرب میں جنگ کے طریقے اور فوج کے مختلف حصے:

عرب شروع میں زیادہ تر گوریلا جنگ کے عادی تھے۔ اس طریقہ کے برخلاف عجمی لوگوں میں صف بستہ ہو کر لڑنے کا طریقہ رائج تھا جس کو عربی میں ''زحف'' کہتے ہیں۔ قرآن حکیم نے بھی اس لفظ کو انہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے یہ دونوں طریقے اختیار فرمائے تھے۔ (مقدمہ ابن خلدون، باب القسم السابع فی الحروب)

عرب میں جنگ کا پہلا طریقہ یہ ہوا کرتا تھا کہ دونوں طرف کی افواج بے ترتیب کھڑی ہو جاتی تھیں۔ پھر دونوں طرف سے ایک ایک سپاہی نکل کر لڑتا تھا اور باقی تمام فوج خاموشی سے ان دونوں کی قسمت کا تماشا دیکھتی رہتی کہ ان میں کون مرتا ہے اور کون زندہ رہتا ہے۔ آخر میں پھر دونوں طرف سے عام حملہ ہوتا تھا۔ لیکن اسلام کے اوائل میں صف بندی کا طریقہ جاری ہوا اور فوج کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے ان کے مختلف نام رکھے گئے۔ جیسے میمنہ، میسرہ وغیرہ، لیکن ہر حصہ بطور خود لڑتا تھا یعنی تمام فوج کسی ایک سپہ سالار کے ماتحت ہو کر نہیں لڑتی تھی۔ سب سے پہلے جنگ یرموک میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی وجہ سے تعبیۃ کی طرز پر جنگ ہوئی۔ یعنی چالیس ہزار نفوس پر مشتمل فوج سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں لڑی اور وہ تنہا

Marfat.com

ان کے سپہ سالار تھے۔

عربی میں لشکر کو ''خمیس'' بھی کہتے ہیں یہ لفظ ''خمیس'' (پانچ) سے مشتق ہے۔ لشکر کو خمیس اس لیے کہتے تھے کہ وہ پانچ حصوں پر منقسم ہوتا تھا۔ ایک دستہ فوج جس میں امیر لشکر ہوتا تھا ''قلب'' کہلاتا تھا۔ امیر لشکر کے دائیں جانب والے حصے کو ''میمنہ'' اور بائیں جانب والے حصے کو ''میسرہ'' کہتے تھے۔ لشکر کا پچھلا حصہ ''ساقہ'' اور اگلا حصہ ''مقدمۃ الجیش'' کہلاتا تھا۔ لشکر کی ترتیب دو قسم کی ہوتی تھی۔ ایک ترتیب قریب جس میں لشکر کے سب حصے پاس پاس ہوتے تھے۔ اس کو ''تعبیۃ'' کہتے تھے اور دوسری ترتیب بعید جس میں لشکر کے مختلف حصے ایک دوسرے سے فاصلہ پر ہوتے تھے۔ اس لشکر کے ہر حصہ کو ''کردوس'' کہتے تھے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ''تعبیۃ'' کا رواج تھا، لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جنگ یرموک میں جب دیکھا کہ دشمن کی تعداد دو لاکھ چالیس ہزار اور اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد ایک روایت کے مطابق چالیس ہزار اور دوسری کے مطابق ۳۶ ہزار ہے تو آپ نے اسلامی فوج کو ۳۶ یا ۴۰ حصوں یا دستوں (کرادیس) میں تقسیم کر دیا۔ اس طرح گویا ہر دستہ میں ایک ہزار مجاہد تھے اور ہر دستہ کا الگ الگ ایک امیر مقرر کر دیا۔ قلب کے دستوں کے امیر سیدنا ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے۔ میمنہ کے دستوں کے امیر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ تھے۔ میسرہ کے دستوں کے امیر سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ تھے۔ پھر ہر ایک دستہ کا الگ الگ بھی ایک امیر تھا جو شجاعت و بہادری میں اپنی مثال آپ تھا، مثلاً سیدنا قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور سیدنا قباث بن اشیم رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ (ابن اثیر: ۲/۲۸۲) دشمن کی کثرت تعداد دیکھ کر کسی نے کہا کہ ہائے! رومیوں کی تعداد کس قدر زیادہ ہے؟ اور اس کے مقابلہ میں مسلمان کتنے کم ہیں۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا: ''نہیں بلکہ مسلمان کس قدر زیادہ ہیں اور رومی کتنے تھوڑے۔'' اس کے بعد فرمایا: ''کثرت و قلت کا دارومدار کامیابی اور ناکامیابی پر ہے یعنی اس کو یقین تھا کہ نتیجہ جنگ انہی کے حق میں ہوگا اور کامیابی و کامرانی انہی کے قدم چومے گی۔'' (ابن اثیر: ۲/۲۸۲)

مختصر یہ کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فوج کے مختلف حصوں کو اس طرح ترتیب دیا کہ اس زمانہ کے لوگ حیران تھے اور آج بھی دنیا اتنی ترقی کرنے کے باوجود ان میں کوئی اضافہ نہیں کر سکی۔

چنانچہ آپ کی فوج کے مندرجہ ذیل شعبے تھے:

Marfat.com

①	قلب	فوج کا درمیانی حصہ جس میں پوری فوج کا سپہ سالار ہوتا تھا۔
②	میمنہ	قلب کے دائیں ہاتھ والا حصہ۔
③	میسرہ	قلب کے بائیں جانب والا حصہ۔
④	ساقہ	سب سے پیچھے کا حصہ۔
⑤	مقدمۃ الجیش	یہ قلب کے آگے کچھ فاصلہ پر ہوتا تھا۔
⑥	طلیعہ	گشت کی فوج جو دشمن کی فوجوں کی دیکھ بھال اور نگرانی کرتی ہے۔آج کل کی اصطلاح میں اس کو O.P دستہ کہتے ہیں۔
⑦	رو	وہ دستہ جو ساقہ کے پیچھے رہتا تھا تاکہ دشمن عقب سے حملہ نہ کر سکے۔
⑧	رائد	وہ دستہ جو فوج کے چارہ اور پانی کی تلاش کرتا تھا۔
⑨	رکبان	شتر سوار دستہ۔
⑩	فرسان	گھوڑ سوار دستہ۔
⑪	راجل	پیادہ دستہ۔
⑫	رماۃ	تیر انداز دستہ۔
⑬	سفرینا	فوج کے لیے راستہ اور پل بنانے والا دستہ۔

فوج کی طرف سے جاسوسی (Intelligence) اور خبر رسانی (Information) کا انتظام بھی بطریق احسن کیا گیا تھا۔ کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اس بارہ میں ان کی مدد کی گئی تھی۔ وہ یہ کہ شام و عراق میں کثرت سے عرب آباد تھے۔ وہ عربی اور وہاں کی زبانوں اور طور و طریق سے بخوبی آشنا تھے۔ ان میں سے اکثر لوگوں نے اسلام کو دل و جان سے قبول کر لیا تھا۔ ان میں سے کچھ لوگوں کو یہ کہا گیا کہ وہ اپنا اسلام لوگوں پر ظاہر نہ کریں اور نہ ہی اپنا لباس بدلیں۔ وہ لوگ چونکہ مدتوں سے وہاں رہ رہے تھے اور ان کے اوضاع و اطوار وہی تھے جو ان لوگوں کے تھے، اس وجہ سے انہیں دشمنوں کی فوج میں گھسنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی تھی۔ اور وہ ہر طرح کی خبر بغیر کسی وقت کے لے آتے تھے۔ علاوہ ازیں وہاں کے جو عیسائی اور عراقی تھے وہ بھی اپنی حکومت سے سخت نالاں تھے۔ وہ اپنی خوشی سے اپنی حکومتوں کی جاسوسی کر کے مسلمانوں کی مدد کرتے تھے۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کے اخلاق اور حسن سلوک سے بہت متاثر تھے۔ اس لیے مسلمانوں کی ہر طریقہ سے مدد کرتے تھے۔ چنانچہ یرموک، قادسیہ، تکریت اور دوسری کئی جنگوں

Marfat.com

میں ان جاسوسوں کی وجہ سے بہت فائدہ ہوا۔

علاوہ ازیں اردن اور فلسطین کے اضلاع میں کچھ ایسے یہودی تھے جو جاسوسی کے کام میں نہایت ماہر تھے۔ ان کو بارگاہِ خلافت کی طرف سے کچھ خاص رعایتیں اس کام کے لیے دی گئی تھیں۔ بلاذری نے فتوح البلدان: ۱۵۸ میں لکھا ہے کہ ان لوگوں کی جاسوسی کی مہارت سے فائدہ اٹھانے کے لیے ان کی مقبوضہ زمینیں ان کو معافی میں دے دی گئی تھیں۔ اس وجہ سے وہ نہایت خلوص نیت کے ساتھ مسلمانوں کی طرف سے دشمنوں کے عزائم کی پوری جاسوسی اور خبر رسانی کرتے تھے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبری: ۳/ تاریخ شام ماذری: ۱۵۴، کتاب الخراج لابی یوسف: ۸۰، فتوح البلدان: ۱۵۸ وغیرہ)

ایک تو دشمن کی جاسوسی تھی، دوسری جاسوسی اپنے لشکر کی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکروں میں کچھ لوگ ایسے متعین کیے ہوئے تھے جو فوج کی ایک ایک بات کی انہیں اطلاع دیتے تھے۔ جہاں فوج میں کوئی بداعتدالی اور غیر اصولی اور غیر قانونی بات ہوتی تو فوراً اس کی اطلاع دی جاتی اور آپ اس کا تدارک کرتے۔ اسی لیے طبری نے لکھا ہے:

کان عمر لایخفیٰ علیہ شئی فی عملہ
یعنی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر لشکر کی کوئی شئے مخفی نہیں ہوتی تھی۔

فوج کا انجینئرنگ ڈیپارٹمنٹ جس کو ''سفر مینا'' کہا جاتا تھا اور اس کا کام فوج کے آگے راستہ صاف کرنا، پل بنانا، سڑکیں بنانا ہوتا تاکہ فوج کو مارچ کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو، نہایت منظم تھا۔ اس میں زیادہ غیر عرب اور مفتوحہ قوموں کے آدمی ہوتے تھے۔ بلکہ مصر میں تو خود والی مصر مقوقش نے صلح نامہ میں یہ شرط رکھی کہ اسلامی فوج کے آگے ''سفر مینا'' کی خدمت قبطی انجام دیں گے۔ (مقریزی: ۱/۱۶۳) اسی طرح جب سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اسکندریہ کو فتح کرنے کے لیے گئے تو آپ کی فوج کے لیے مصری (قبطی) نہایت خوش دلی اور گرویدگی کے ساتھ مسلمان فوج کے لیے پل بناتے اور سڑکیں بناتے اور خراب سڑکوں کی مرمت کرتے تھے۔ یہ سارا کام وہ کسی معاہدے کی وجہ سے نہیں کر رہے تھے بلکہ مسلمانوں کے حسن سلوک نے انہیں گرویدہ بنالیا تھا اور اپنی خوشی سے ان کی یہ خدمت انجام دیتے تھے۔

مفتوحہ علاقوں میں مسلمانوں کے اس حسن سلوک کا اعتراف نہ صرف مسلمان

Marfat.com

مورخین نے کیا ہے بلکہ موجودہ دور کے غیر مسلم مغربی مصنفین اور دانشوروں نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ پروفیسر ہٹی (Hitti) جو موجودہ زمانہ میں تاریخ اسلامی کا سب سے بڑا ماہر سمجھا جاتا ہے، اس بارہ میں لکھتا ہے:

''مسلمان عرب فوجوں کی طاقت کا اصل راز نہ تو ان کی مسلح جنگ اور سامانِ حرب وضرب کی برتری ہے اور نہ ہی ان کی اعلیٰ درجہ کی تنظیم میں بلکہ درحقیقت اس اعلیٰ کیریکٹر اور اخلاقی اقدار میں ہے جس کے پیدا کرنے میں بے شبہ ان کے دین کا بہت بڑا حصہ تھا اور اس صبر وتحمل کی طاقت میں ہے جس کو ریگستانی زندگی سے بڑا سہارا ملا تھا۔''

(Hitti: History of the Arabs P.174)

اسی طرح مشہور پادری کارلیفس (C.Kara Leveski) فرانسیسی انسائیکلوپیڈیا (French Encyclopedia) میں شہر ''انطاکیہ'' کے حالات میں لکھتا ہے۔

''مسلمان عربوں کو یعقوبی عیسائیوں (Jacobites) نے بھی اپنے نجات دہندوں کی حیثیت سے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ مسلمانوں کی سب سے بڑی جدت جس کا یعقوبی عیسائیوں نے دلی خوشی سے استقبال کیا، یہ تھی کہ ہر مذہب کے پیروؤں کو ایک خود مختار وحدت قرار دیا جائے اور اسی مذہب کے روحانی سرداروں کو ایک بڑی تعداد میں دنیوی عدالتی اقتدار عطا کیا جائے۔

(بحوالہ ''رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی'' /۲۸۳، ڈاکٹر حمید اللہ)

مشہور ولندیزی دانشور وخوئی (Dr.Gueuge) اقرار کرتا ہے کہ مسلمانوں نے فوجوں کو جو ہدایات دی تھیں، ان میں اعتدال اور معقولیت کی جو روح کارفرما ہے، اس کے باعث اس کی بجا طور سے داد دینی پڑتی ہے۔ یہ ہی مستشرق اپنی کتاب ''فتوح شام'' میں (صفحہ ۱۰۴ تا ۱۰۶) لکھتا ہے۔

''درحقیقت شام میں لوگ عربوں کی جانب بہت مائل ہو گئے تھے اور ایسا ہونا بھی چاہئے تھا کیونکہ عربوں نے مفتوحین سے جو برتاؤ کیا اگر اس کا مقابلہ وہاں کے سابق حکمرانوں کے بے اصول ظلم سے کیا جائے

Marfat.com

تو بہت بڑا فرق نظر آتا ہے۔ شام کے جو عیسائی کالسی ڈون (Chalcedon) کے فیصلہ کو نہیں مانتے تھے، قیصر روم کے حکم سے ان کے ناک، کان کاٹے جاتے اور ان کے گھر ڈھائے جاتے۔ اس کے برعکس عرب مسلمان مقامی باشندوں کا دل موہنے لگے اور سب سے زیادہ اپنی بات کا پاس کرتے رہے۔ ان فتوحات کے پندرہ سال بعد ایک نسطوری پادری لکھتا ہے کہ یہ عرب جن کو خدا نے آج کل حکومت عطا کی ہے ہمارے بھی مالک بن گئے ہیں مگر وہ عیسائی مذہب سے بالکل برسرپیکار نہیں بلکہ وہ ہمارے دین کی حفاظت کرتے ہیں۔ ہمارے پادریوں اور قدیسوں کا احترام کرتے ہیں اور ہمارے گرجاؤں اور عبادت خانوں کو جاگیریں عطا کرتے ہیں۔''

(بحوالہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی: ۲۸۱۔۲۸۲)

مفتوحہ علاقوں کے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خصوصیات سے ہی نہیں بلکہ یہ اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بڑی تاکید فرمائی اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی اس پر بڑی سختی کے ساتھ عمل ہوتا رہا۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جب بھی کوئی فوج بھیجتے تو انہیں جہاں یہ تاکید فرماتے کہ مذہبی پیشواؤں اور عبادت گزاروں سے تعرض نہ کیا جائے، بوڑھوں، عورتوں اور بچوں پر تلوار نہ اٹھائی جائے، درخت نہ کاٹے جائیں، نخلستان برباد نہ کیے جائیں، ساتھ ہی جس ملک میں جنگ ہوتی تھی اس کے کسانوں اور ارباب زراعت کی نسبت اس بات کی سخت تاکید ہوتی تھی کہ ان لوگوں کو ذرا ہاتھ نہ لگایا جائے۔ چنانچہ غزوہ ''ذات السلاسل'' کے ذکر میں طبری نے لکھا ہے۔

''اور خالد رضی اللہ عنہ اور اس کے امراء نے اپنی فتوحات کے دوران میں کسانوں کو ذرا نہیں چھیڑا کیونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے بارہ میں پہلے ہی حکم بھیج چکے تھے۔''

شروع ہی سے یہ بات مشاہدہ میں آئی کہ جب کسی ملک پر حملہ ہوتا ہے تو شہری آبادی کی بہ نسبت دیہاتی آبادی زیادہ متاثر ہوتی ہے، کیونکہ وہاں حفاظت اور دفاع کے سامان ایسے نہیں ہوتے جیسے کہ شہروں میں ہوتے ہیں۔ لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس بات کا برابر خیال

Marfat.com

رکھتے تھے کہ دونوں کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے۔ چنانچہ سیدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ نے جب حران کو صلح کے ساتھ فتح کیا تو اہل دیہات نے کہا: ''**نحن اسوة اهل مدينتنا و رؤسنا**'' ہم سے وہی معاملہ کیجئے جو آپ نے اہل شہر اور ہمارے رؤسا سے کیا ہے۔ سیدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ نے ان کو کیا جواب دیا؟ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو نقل تو نہیں فرمایا لیکن اس کے بعد ہی یہ لکھا کہ:

> ''مسلمانوں کے جو خلفاء اس کی فتح کے بعد اس کے والی ہوئے انہوں نے گاؤں والوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو اہل شہر کے ساتھ کیا تھا۔''
>
> (کتاب الخراج: ۴۰)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ نے بھی ان کو وہی جواب دیا ہوگا جو اسلام کا منشاء ہے۔

ان سب چیزوں سے بڑھ کر یہ کہ ایک قوم کی اخلاقی بلندی اور اس کے کردار کی عظمت کا اندازہ صحیح طور پر اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ فریق محارب کے ساتھ جنگ میں اس کا کیا برتاؤ ہوتا ہے۔ جب اس کو بزور شمشیر فتح حاصل ہوتی ہے تو اس وقت وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے اور اگر فریق محارب مغلوب ہو کر صلح کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے تو اس کی طرف سے صلح کی شرائط کی کیا نوعیت ہوتی ہے اور وہ ان شرائط کی پابندی کس حد تک کرتی ہے۔ قدیم زمانے میں ایران اور روم کی حکومتیں اپنے دشمنوں کے ساتھ کیا سلوک کیا کرتی تھیں، اس کو دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ان لوگوں کو آج کل غیر مذہب، غیر متمدن (Un-Civilized) سمجھا جاتا ہے۔ اس موجودہ دور میں جس کو تہذیب و تمدن کا دور کہا جاتا ہے، اس میں گزشتہ دو عالمگیر جنگوں میں اتحادیوں (Allies) نے جرمنی کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اٹلی اور جاپان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا گیا۔ اور جب ان سے صلح کی گئی تو اس کی شرائط کیا تھیں؟ ان مفتوح اقوام کی شہری آزادی کس حد تک باقی رکھی گئی؟ ان کی قومی انفرادیت کہاں تک آزاد رہی اور ان کے انسانی حقوق کا احترام کس حد تک ملحوظ رکھا گیا؟ ابوغریب اور گوانتاناموبے میں ان مہذب امریکیوں نے مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا قلم کو ایسے الفاظ کا جامہ پہناتے ہوئے حیا آتی ہے۔ ڈاکٹر عافیہ اس کا ایک زندہ ثبوت ہے۔ پھر انہی مہذب اور متمدن امریکیوں نے افغانستان میں طالبان اور وہاں کے عوام پر جو ظلم ڈھائے وہ بیان نہیں کیے جاسکتے۔ یہ مظالم انسانیت سوز تھے۔ لیکن اس کے مقابلہ

Marfat.com

میں اسلام کے شیر پیشہ شجاعت سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے سواد (عراق) کے دیہات بانقیا، بارو سما اور الیس، جن کا سردار ابن صلوبا تھا اور وہ آپ سے صلح کرنے پر مجبور ہوا تھا کیونکہ اس میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی، اس کے ساتھ جو صلح نامہ لکھا وہ پڑھنے کے قابل ہے۔ اس میں انہوں نے لکھا:

> ''تو اللہ کی پناہ میں ہے۔ جزیہ ادا کرنے کے بعد تیری جان محفوظ ہوگئی اور تو نے اپنی طرف سے اپنی رعایا، اپنے جزیرہ اور بانقیا اور باروسما کے کے لوگوں کی طرف سے ایک ہزار درہم جو دیئے وہ میں نے قبول کیے اور میرے ساتھ جو مسلمان ہیں وہ بھی اس پر رضامند ہیں اور اب تو اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں کی ذمہ داری میں آ گیا ہے۔''
>
> (طبری: ۵۵۱/۲)

اسلامی فوج کے اس فیاضانہ حسن سلوک کا اثر تھا کہ جنگ کے ختم ہوتے ہی اصل شہری زندگی پورے امن و اطمینان کے ساتھ لوٹ آتی تھی۔ کھیتی باڑی، زراعت، باغات اور نخلستان کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا تھا۔ مقامی باشندے آزادی کے ساتھ اپنے اپنے کاروبار میں مصروف ہو جاتے تھے اور ان کو مسلمانوں کی طرف سے کسی قسم کا خوف و ہراس نہیں ہوتا تھا۔

کمانڈر انچیف کا عہدہ:

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خود غزوات میں شریک ہوتے تھے، اس لیے فوج کی اعلیٰ قیادت اور اس کا معائنہ اور مختلف ہدایات دینا، یہ تمام کام آپ خود ہی فرماتے تھے۔ آپ کے بعد جنگوں کا دائرہ بیرون عرب تک وسیع ہوا، اس لیے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خود جنگوں میں شرکت نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ کی حیثیت سپریم کمانڈر کی تھی۔ خاص محاذ جنگ کے لیے آپ نے یہ انتظام کیا کہ ایک کمانڈر انچیف کا عہدہ قائم کیا جو پورے میدان جنگ کا سب سے بڑا افسر ہوتا تھا اور تمام فوج کی نقل و حرکت اسی کے حکم سے ہوتی تھی۔ محاذ شام پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہر فوج کا الگ الگ امیر مقرر کیا ہوتا تھا لیکن ان سب پر ایک اور کمانڈر جس کو کمانڈر انچیف کہا جا سکتا ہے، مقرر کیا تھا اور وہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خالد رضی اللہ عنہ پر بہت زیادہ اعتماد تھا اور سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی کارکردگی سے آپ کے اس اعتماد کو بحال رکھا۔ آپ کے اس اعتماد کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہو سکتا ہے کہ جب شام کے محاذ پر مسلمانوں اور

Marfat.com

رومیوں کی فوجیں بہت دنوں تک آمنے سامنے پڑی رہیں اور کسی طرف سے کوئی حملہ نہ ہوا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا!

واللہ لانسین الروم وساوس الشیطان بخالد (طبری:۲/۲۰۶)

خدا کی قسم! رومیوں کے دلوں میں جو شیطانی وسوسے ہیں، وہ سب میں خالد رضی اللہ عنہ کو (عراق سے شام) بھیج کر بھلوا دوں گا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شام کے ساتھ عراق اور مصر کے محاذ بھی کھل گئے۔ اس وجہ سے آپ نے ہر سیکٹر پر ایک ایک کمانڈر انچیف مقرر فرمایا جس کی ہدایات اور حکم کے مطابق اس سیکٹر کے ہر محاذ پر کام ہوتا تھا۔ شام کے سیکٹر میں پہلے تو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کمانڈر انچیف تھے جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت سے اس عہدے پر چلے آرہے تھے۔ ان کی معزولی کے بعد آپ نے سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو اس سیکٹر کا کمانڈر انچیف مقرر فرمایا۔ عراقی سیکٹر پر سیدنا سعد بن ابی وقاص کمانڈر انچیف تھے اور مصر کے سیکٹر پر سیدنا عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ اس عہدے پر فائز کیے گئے اور خود سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان تمام سیکٹروں کے سپریم کمانڈر تھے۔ آپ نے اس عہدے کے فرائض کو اپنی بیدار مغزی اور واقفیت سے اس طرح نبھایا کہ آج تک مورخین انگشت بدنداں ہیں کہ مدینہ میں بیٹھ کر سینکڑوں میل دور کے تمام محاذِ جنگ ان کی نظروں کے سامنے تھے۔ آپ تمام مدت خلافت میں ایک دفعہ بھی کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے لیکن فوجیں ہر جگہ کام کر رہی تھیں البتہ ان کی باگ ڈور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی۔ تمام فوج پتلی کی طرح ان کے اشاروں پر حرکت کرتی تھی اور فوج کا جو نظم و نسق تھا وہ خاص ان کی سیاست و تدبیر کی بدولت تھا۔ عراق کی فتوحات میں خصوصی طور پ آپ نے خود سپہ سالاری کا کام کیا تھا۔ فوج جب مدینہ سے روانہ ہوئی تو ایک ایک منزل بلکہ راستہ تک خود متعین فرمایا اور اس کے موافق تحریری احکام بھیجتے رہتے تھے۔ فوج قادسیہ کے قریب پہنچی تو موقع کا نقشہ منگوایا اور مدینہ کے اندر بیٹھ کر سینکڑوں میل دور اسی لحاظ سے فوج کی ترتیب اور صف آرائی کے متعلق ہدایات بھیجیں۔ جس قدر افسر جن جن کاموں پر مامور تھے ان کے خاص حکم کے مطابق مامور تھے۔ طبری، ابن اثیر، ابن خلدون اور تاریخ ابن کثیر کے واقعات کی تفصیل سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک سپریم کمانڈر دور سے تمام فوجوں کو لڑا رہا ہے اور جنگ کے ہر محاذ پر جو کچھ ہوتا ہے اس

Marfat.com

کے اشاروں پر ہوتا ہے۔ پھر نہ صرف کمانڈروں کو مختلف شہروں کے فتح کرنے کی ہدایات دی جارہی ہیں بلکہ وہاں عوام کی فلاح و بہبود کی ہدایات بھی ساتھ ہی بارگاہ خلافت سے جاری ہورہی ہیں۔ کہیں اپنے جرنیلوں کو رفاہِ عامہ کے بارہ میں ہدایت دی جارہی ہیں۔ کہیں بنو تغلب سے معاہدہ کیا جارہا ہے۔ کہیں اہل جزیہ کے ساتھ نرمی کا سلوک کرنے کی ہدایات جاری ہورہی ہیں۔ جب بھی کسی عامل کو رخصت کرتے تو اسے مختلف قسم کی ہدایات دیتے۔ کبھی محاذوں پر سپہ سالاروں کو ہدایات لکھ کر بھیجی جارہی ہیں۔ چنانچہ سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو شام خط لکھا:

> ''امابعد! میں تمہیں ایک ایسا خط لکھ رہا ہوں جس میں میں نے امکانی حد تک اپنی اور تمہاری خیر خواہی کی ہے۔ پانچ باتوں پر عمل کرو تو تمہارا دین سلامت رہے گا اور تمہیں بہتر سے بہتر اجر ملے گا۔ جب کسی مقدمہ کے دونوں فریق تمہارے پاس آئیں تو تمہارے لیے ضروری ہے کہ عادل گواہوں اور قطعی قسموں (ایسی قسمیں جو شرعاً قابل اعتبار اور واضح ہوں، قسم کھانے والا فرد ساقط الاعتبار نہ ہو) کا مطالبہ کرو، کمزور کو اپنے قریب آنے دو تاکہ اس کے دل کو تقویت ہو اور اس کی زبان کھل سکے۔ غریب الوطن پردیسیوں کی طرف جلد توجہ کیا کرو کیونکہ اگر اسے زیادہ عرصہ روک رکھا جائے گا تو وہ اپنا کام چھوڑ کر واپس چلا جائے گا۔ اس کا کام خراب کرنے کی ذمہ داری اس کے سر ہے جس نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور جب تک تم مقدمہ میں مناسب فیصلہ تک نہ پہنچ سکو تب تک صلح کرانے کی کوشش کرو۔ والسلام۔''

جنگ کا اسلحہ:

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عراق، شام اور مصر کے محاذوں پر جنگ دنیا کی دوسپر پاورز سے جنگ تھی جن کے پاس ہر قسم کا جدید اسلحہ موجود تھا۔ شروع شروع میں تو مسلمان اسی پرانے اسلحہ سے لڑتے رہے اور ایرانی ان کی تلواروں اور نیزوں کو دیکھ کر ان کا مذاق اڑاتے

Marfat.com

کہ اس ناقص اور پرانے اسلحہ سے تم ہمارا مقابلہ کیسے کرسکو گے۔ جیسا کہ سیدنا ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کا رستم کے دربار میں مذاق اڑایا گیا۔ لیکن بعد میں جب مال غنیمت میں اضافہ ہوا اور لاکھوں کروڑوں درہم خمس کے طور پر مدینہ آنے لگے تو آپ نے اپنی افواج کو ہر قسم کا اسلحہ فراہم کیا۔

لشکر میں گھڑ سوار اور پیادہ دنوں قسم کے فوجی تھے اور جنگ میں یہ لوگ جو ہتھیار استعمال کرتے تھے ان کے نام یہ ہیں: زرہ، تلوار، بڑا نیزہ (رمح) چھوٹا نیزہ (حربہ) الخاط البحرین کا ایک ساحلی علاقہ ہے یہاں نیزے نہایت عمدہ بنتے تھے اور وہ ''الرمح الخطی'' کہلاتے تھے۔ اسی طرح ہندوستان میں تلواریں بہت عمدہ بنتی تھیں اور وہ ''السیف الہندی'' کہلاتی تھیں۔

یہ اسلحہ تو وہ ہے جو عام طور پر معروف ہے۔ اس اسلحہ کے علاوہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جس دوسرے اسلحہ کا استعمال مروی ہے اس کا نام یہ ہے:

① منجنیق: اس کی شکل توپ یا کمان کی سی ہوتی تھی۔ اس کے ذریعہ دشمن پر پتھر پھینکے جاتے تھے جو گولہ کا کام کرتے تھے۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ اسلام میں منجنیق کا استعمال سب سے پہلے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ (سیرۃ النبی: ۳/۳۰۲) یہ اس زمانہ کی توپ ہوتی تھی۔ اس کے کئی سائز ہوتے تھے۔ چھوٹا پتھر پھینکنے کے لیے چھوٹے سائز کی اور بڑا پتھر پھینکنے کے لیے بڑے سائز کی منجنیق ہوتی تھی۔

② دبابہ: اس کا ایک بڑا خول ہوتا تھا۔ فوجیوں کی ایک تعداد اس کے اندر بیٹھ جاتی تھی اور اس کو دھکیلتے ہوئے دشمن کے قلعہ کی دیوار تک لے جاتے تھے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ ان فوجیوں پر دشمن کے قلعہ کے اوپر سے اگر تیر بھی برستے تھے تو ان فوجیوں پر جو اس دبابہ میں ہوتے تھے، کوئی اثر نہیں ہوتا تھا اور وہ محفوظ طریقہ پر قلعہ کی دیوار تک پہنچ جاتے اور پھر قلعہ پر حملہ کر دیتے۔ یہ گویا اس زمانے کا ٹینک (Tank) ہوتا تھا۔

③ الضبور: یہ بھی دبابہ کی طرح کا ہوتا تھا اور ایسی لکڑی سے تیار ہوتا تھا جس پر کھال چڑھی ہوتی تھی۔ اس کا فائدہ بھی یہی تھا کہ حملہ آور سپاہی اس کے خول میں چھپ کر بیٹھ جاتے اور حفاظت سے دشمن کے قلعہ تک پہنچ کر اس پر حملہ کر دیتے تھے۔ یہ دونوں ہتھیار بھی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال فرمائے ہیں۔

Marfat.com

اس کے علاوہ عربوں کے ہتھیاروں کی تفصیل ابن قتیبہ نے عیون الاخبار:۱/ ۱۲۸ تا ۱۳۲ پر دی ہے۔ یہ سارے ہتھیار سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مختلف محاذوں پر سپلائی کیے گئے۔ چنانچہ ۱۶ھ میں بہرہ شیر کے محاصرے میں ۲۰ منجنیقیں استعمال کی گئیں۔ اسی شہر کے محاصرہ میں دبابہ بھی استعمال کیا گیا۔

اس زمانے میں فوج کے ساتھ عورتیں بھی محاذ جنگ پر جاتی تھیں جن کا کام زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا اور پانی پلانا ہوتا تھا۔ نازک مواقع پر وہ فوج میں جوش اور ولولہ بھی پیدا کرتی تھیں اور اگر کوئی اس سے بھی نازک موقع آ جاتا تو جنگ میں بھی حصہ لے لیتی تھیں۔ چنانچہ جنگ قادسیہ اور جنگ یرموک کی فتح میں عورتوں کا کافی کردار ہے۔

Marfat.com

عدالت وقضاء

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں قانون کی نگاہ میں مساوات تھی۔ وہ آزادی اور مساوات سے بے انتہا محبت کرتے تھے جس کا آسان سا ثبوت یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کو کمزوروں اور محتاجوں کی سطح پر رکھتے تھے۔ سب سے پہلا خطبہ جو انہوں نے مسجد نبوی میں عوام کے سامنے دیا، اس میں واضح اور صاف لفظوں میں فرمایا:

> ''خدا کی قسم! تمہارا ہر کمزور آدمی میرے نزدیک سب سے قوی ہے تا آنکہ (اس کے لیے) اس کا حق وصول نہ کروں اور تمہارا ہر طاقتور آدمی میرے نزدیک سب سے کمزور ہے تا آنکہ اس سے حق وصول نہ کرلوں۔''

یہی وجہ ہے کہ آپ کا عدل وانصاف آج تک ضرب المثل ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے بندوں میں سب سے زیادہ اللہ اور اس کے حساب سے ڈرنے والے تھے، اور لوگوں پر حکومت کرنے میں جس بے لاگ سوجھ بوجھ، باریک بینی، دور اندیشی، خوف آخرت اور محاسبہ نفس کی ضرورت ہوتی ہے، اسے خوب جانتے تھے۔ ایک دفعہ دو جھگڑنے والے ان کے پاس آئے تو سیدنا فاروق اعظم گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور فرمایا! ''یا اللہ! ان کے بارہ میں مجھے روشنی عطا فرما، ان میں سے ہر ایک میرا دین چاہتا ہے۔''

عدل قائم کرنے میں وہ اپنے عزیزوں کے ساتھ بھی کوئی نرمی نہ برتتے تھے۔ بلکہ ایک بار جب انہوں نے لوگوں کو کسی بات سے روکنا چاہا تو اپنے اہل وعیال کے پاس گئے اور فرمایا'' میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جسے میں نے کسی کام سے روکا ہو اور پھر اس نے وہی کام کیا ہو سوائے اس شخص کے جسے سزا دینے میں مجھ سے کمزوری ظاہر ہوئی ہو۔''

Marfat.com

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ قضاء کا محکمہ سب سے پہلے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے قائم فرمایا۔ پروفیسر ہٹی نے اپنی کتاب ''ہسٹری آف دی عربز'' صفحہ ۱۷۳، اور علامہ شبلی نے اپنی تصنیف ''الفاروق'' میں یہی لکھا ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہ بات محلِ نظر ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ عہدہ خود عہد نبوت میں قائم ہو چکا تھا۔ کتب حدیث میں ''کتاب الاقضیہ'' کے عنوان سے جو باب ہے اس کی احادیث و روایات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قاضی کے فرائض و واجبات، عہدہ کے شرائط و آداب اور شہادت کے احکام وغیرہ نہایت تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔ اگرچہ معاملات حکومت میں آخری فیصلہ آپ ہی کا نافذ ہوتا تھا، لیکن مملکت میں توسیع کے باعث ہر معاملہ اور ہر مقدمہ کا آپ خود فیصلہ نہیں فرما سکتے تھے۔ اس لیے اپنی جانب سے مختلف علاقوں میں قاضی بھی مقرر فرما دیتے تھے، اور ان کو اس سلسلہ میں خاص خاص ہدایات دی تھیں۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی مقرر فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ میں تو کم عمر ہوں اور مجھ کو قضا کا کوئی علم نہیں ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا:

اللهم ثبت لسانه واهد قلبه (البدایہ والنہایہ: ۵/ ۱۰۷ بحوالہ مسند احمد)

''اے اللہ اس کی زبان کو استواری بخش اور اس کے قلب کو راہ دکھا۔''

یہ بھی فرمایا کہ ''جب تم دو آدمیوں کا جھگڑا چکانے بیٹھو تو جس طرح تم نے پہلے فریق کی بات سنی ہے اسی طرح جب تک دوسرے فریق کی بات نہ سن لو، کوئی فیصلہ نہ کرو۔ یہی طریقہ ہے جس سے تمہارے لیے فیصلہ کرنا آسان ہوگا۔'' (سنن ابی داؤد باب کیف القضاۃ)

اسی طرح سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاضی بنا کر یمن بھیجا تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''جب تمہارے پاس مقدمات آئیں تو تم کیونکر حکم (قضا) کرو گے؟'' انہوں نے عرض کی: ''میں اللہ کی کتاب کی روشنی میں فیصلہ کروں گا۔'' فرمایا ''اگر کتاب اللہ میں تم اس کا حکم نہ پاؤ تو؟'' عرض کی: ''پھر سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں''۔ اب سوال کیا: ''اگر سنت رسول میں بھی تم اس کا جواب نہ پاؤ؟'' سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''ایسی صورت میں میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوتاہی نہ ہونے دوں گا۔'' سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ جواب سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی اور مسرت سے دمک اٹھا۔ آپ نے خوشی میں ان کے سینے پر پیار سے ہاتھ مارا اور فرمایا: ''سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس

Marfat.com

نے رسول اللہ کے ساتھی کو اس بات کی توفیق دی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ ہے۔''
(سنن ابی داؤد: ۲/ ۱۴۹، سنن دارمی: ۲ مسند احمد: ۵/ ۲۳۰، سنن کبریٰ بیہقی: ۱۰/ ۱۱۴)

سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو کئی حضرات نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ جو شئے قرآن وسنت میں نہ ملے اس کے بارہ میں یہ نہ کہنا چاہیے کہ وہ بات دین کی نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ قرآن وحدیث میں سے اجتہاداً نکالی گئی ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے ہمیشہ شریعت کا تیسرا ماخذ سمجھا۔

اس حدیث میں سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے جو الفاظ استعمال فرمائے وہ یہ ہیں: ''اجتہد برائی ولا آلو ''یعنی میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اپنی طرف سے بات سمجھنے اور اس کا حل نکالنے میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ان الفاظ کی منظوری بخشی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مجتہد کے لیے اہل الرائے ہونا کوئی عیب نہیں۔ حدیث تو ہر شخص روایت کرسکتا ہے۔ الفاظ کو یاد کرلیا اور اس کو آگے روایت کردیا۔ لیکن اہل الرائے ہونا یہ درجہ اجتہاد ہے جو کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔

اس وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جن لوگوں کو مختلف صوبوں اور ضلعوں میں قاضی مقرر فرمایا، وہ سب مجتہد تھے اور صحابہ میں ایک امتیازی حیثیت کے مالک تھے۔

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی اسی خوبی کی وجہ سے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جابیہ میں جو خطبہ دیا اس میں ان کی اس خوبی کا ان الفاظ میں اقرار فرمایا:

> ''اے لوگو! جو شخص چاہے کہ قرآنِ حکیم کے بارہ میں کچھ پوچھے، وہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس جائے اور جو شخص وراثت کے بارہ میں کچھ پوچھنا چاہے وہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور جو شخص فقہ (قضاء) کا خواہاں ہو وہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔''
>
> (رواہ الطبرانی فی الاوسط، مجمع الزوائد: ۱/ ۱۳۵)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ کو اس خدمت پر مامور رکھا، لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ کتب تاریخ وسیر میں ان حضرات کو عہد صدیقی کے قاضی نہیں بلکہ اصحاب افتاء کہا گیا ہے جیسا کہ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں

Marfat.com

تصریح کی ہے۔(المبسوط:۱۶/۱۰۹) صدر اول میں قاضی کو بھی مفتی کہتے تھے، لیکن اگر یہ قاضی بھی مان لیے جائیں تو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ صدیقی دور میں قاضی القضاۃ (Chief Justice) کے عہدہ پر فائز تھے اور اہم معاملات کا فیصلہ آپ ہی فرماتے تھے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ تاریخوں میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لیے افتاء کا نہیں بلکہ قضاء کا لفظ آیا ہے۔

طبری میں مرقوم ہے کہ جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خود فرمایا: ''انا اکفیك القضاة'' میں آپ کے لیے قاضی کا کام کروں گا، لیکن چونکہ وہ دور خیر القرون کا تھا، اس لیے سال بھر تک کوئی جھگڑا اور قضیہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش نہ ہوا۔
(طبری:۲/ ٦١٧)

ابن اثیر نے ''الکامل'' میں لکھا ہے:

وفیھا استقضیٰ ابوبکرؓ عمر بن الخطاب و کان یقضیٰ بین الناس خلافة کلھا

''اور اس سال سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو قاضی مقرر فرمایا اور وہ خلافت صدیقی بھر قضا کا کام کرتے رہے۔''

تاریخ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس حق قضا کو پوری آزادی سے استعمال کیا اور مقدمات کے فیصلہ کے بارہ میں وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کی بھی پروانہ کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا اقرع بن حابس اور عینیہ بن حصن رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ایک بے کار زمین جو ان کی طرف پڑی ہوئی تھی اس کا مطالبہ کیا۔ چونکہ یہ دونوں مولفة القلوب میں سے تھے، اس لیے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی درخواست منظور کر لی اور اس زمین کا پٹہ ان کے نام لکھ دیا۔ اب یہ دونوں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تاکہ پروانہ خلافت کی ان سے توثیق کرالیں، لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ انہیں دیکھتے ہی سخت غضبناک ہوئے اور وہ پروانہ ان کے ہاتھ سے لے کر چاک کر دیا اور فرمایا: ''سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ میں تمہاری دل جوئی فرمایا کرتے تھے جب کہ اسلام کمزور تھا۔ اب اسلام کافی مضبوط ہے۔ تم سے جو کچھ ہو سکے کر دیکھو۔'' یہ دونوں وہاں سے واپس سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے: ''خلیفہ آپ ہیں یا عمر رضی اللہ عنہ؟'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''خلیفہ تو عمر رضی اللہ عنہ ہی ہوتے اگر وہ چاہتے۔'' یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی غصہ میں بھرے ہوئے آپہنچے اور سیدنا

Marfat.com

ابوبکر رضی اللہ عنہ سے باز پرس کرنے لگے کہ آپ نے یہ زمین کا ٹکڑا ان دونوں کو کس طرح دیا؟ یہ آپ کی ملکیت ہے یا مسلمانوں کی؟ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''مسلمانوں کی'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''تو پھر آپ کو کیا حق تھا کہ دو آدمیوں کو بخش دیں؟'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اس وقت جو لوگ میرے پاس موجود تھے، میں نے ان سے مشورہ کر لیا تھا۔'' آخر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو بحال رکھا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر کی تحریر چاک کر دی تھی۔ اس کے بعد عینیہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ ایک دوسری تحریر لکھ دیں۔ آپ نے فرمایا: ''**لا اجدد شیئاً ردہ عمر**'' جس کو عمر رضی اللہ عنہ نے رد کر دیا میں اس کی تجدید نہیں کروں گا۔''

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الاصابہ: ۳/۵۶ ترجمہ عینیہ بن حصن، کتاب الاموال: ۲۷۷)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عدلیہ (Judiciary)، انتظامیہ (Executive) سے الگ نہیں تھی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو قاضی تو آپ تھے ہی، لیکن صوبوں کا انتظام، حکومت کے وسیع معاملات اور اعلیٰ سیاست نے انہیں ان تمام ذمہ داریوں سے غافل کر رکھا تھا۔ چنانچہ آپ نے جلد ہی یہ محسوس فرمالیا کہ وہ ان تمام ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو رہے جن کے بارہ میں اپنی بیعت کے روز انہوں نے عوام سے وعدہ کیا تھا۔ عراق و شام کے اسلامی لشکروں کی خبریں ان کی بہت سی توجہ اور ان کا بہت سا وقت لے لیتی ہیں اور مملکت کے مختلف حصوں میں ان کے گورنر کیا کچھ کر رہے ہیں، ان کے متعلق بھی وہ سوچتے رہتے تھے۔ پھر مدینہ طیبہ کی آبادی بڑھنے اور وہاں مال و دولت کی ریل پیل ہونے سے اہل مدینہ کے مفادات میں الجھنیں اور پیچیدگیاں پیدا ہوتی چلی جا رہی تھیں اور ادھر فتوحات کی وسعت اور مقبوضہ علاقوں کا نظام و نسق اس امر کا متقاضی تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی ذمہ داریوں کو مختلف معاونین کے سپرد کریں جو عوامی مفاد کے لیے اس طرح کام کریں کہ اس سے حکومت کا مفاد متاثر نہ ہو۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلے انہوں نے یہ کیا کہ مدینہ طیبہ کے عدالتی فرائض سے سبکدوش ہو کر یہ خدمت سیدنا ابوالدرداء کے سپرد فرمادی اور انہیں قاضی کے نام سے موسوم کر دیا کہ لوگ اگر اپنے مقدمات اور خصوصیات ان کے پاس لائیں تو وہ ان کا فیصلہ کتاب و سنت اور اپنے

Marfat.com

اجتہاد کی روشنی میں کریں۔ بعض روایات میں ہے کہ جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ لوگوں کے تنازعات اور خصومات کے فیصلے کریں اور جنگی امور سے علیحدگی اختیار کرلیں۔ (سیرۃ عمر بن الخطاب لابن جوزی باب :۳۳/۱۱۶) اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ہوتے ہی مدینہ کا قاضی سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اور ملک شام کے لیے اپنا نائب سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔'' (البدایۃ والنہایۃ :۷)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ لوگوں کے لیے قاضی اور مفتی تھے لیکن ان کے اپنے تنازعات اور خصومات کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ قاضی تھے بلکہ قاضی القضاۃ تھے۔ چنانچہ بخاری اور صحاح ستہ کی دوسری کتابوں میں منقول ہے کہ:

''سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ دونوں نے اموال فے اور اموال بنی نضیر کے بارہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں اپنا تنازع پیش کیا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس جائیداد وغیرہ کو آپ لوگوں میں مالکانہ حقوق دے کر تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اس کی آمدنی آپ حضرات کو باقاعدہ حاصل ہوتی رہے گی۔''

(بخاری:۱/۴۳۵،۲/۸۰۶، مسلم:۲/۸۱)

اسی طرح ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک غلام کے متروکہ اموال کا تنازع ہوگیا، وہ دونوں اس مقدمہ کو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی عدالت میں لے گئے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس مقدمہ کا فیصلہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں کیا۔

(المصنف عبدالرزاق:۹/۳۵،۴۵، کنزالعمال:۶/۷)

ویسے طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق مدینہ طیبہ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانوں میں سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ۔ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اصحاب افتاء تھے اور یہ دونوں سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اصحاب افتاء تھے اور یہ دونوں حضرات ضرورت کے وقت ان کی طرف رجوع فرماتے

Marfat.com

تھے۔ (طبقات ابن سعد: ۲/ ۱۰۹)

یہ تو مدینہ کا حال تھا۔ پھر جب کوفہ اور بصرہ آباد ہو گئے اور عربوں نے وہاں سکونت اختیار کرلی اور لوگوں میں باہمی تنازعات پیدا ہوئے تو کوفہ کا قاضی سیدنا شریح رضی اللہ عنہ کو بنادیا گیا اور بصرہ کا قاضی سیدنا ابوموسیٰ اشعری کو مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد جب مصر فتح ہوا تو وہاں کے مسلمانوں کا قاضی قیس بن ابی العاص سہمی رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا گیا۔ یہ تمام قاضی کتاب و سنت کی حدود میں رہتے ہوئے آزاد فیصلے کرتے تھے کیونکہ آپ نے عدلیہ اور انتظامیہ کو الگ الگ کر دیا تھا۔

قضاۃ کا انتخاب:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے جوہر شناسی کا ملکہ ودیعت فرمایا تھا، لیکن آپ نے قضاۃ کے انتخاب میں گورنروں کے انتخاب کی طرح، بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ، اپنی وہبی صلاحیتوں کا ثبوت دیا۔ جس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ خود فقہ وشریعت کے عالم تھے اور ان کی نظر اس قدر گہری تھی کہ اس وقت میں کوئی اور ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ:

> ''عمر رضی اللہ عنہ کا علم اگر ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور عرب کے تمام قبائل کا علم دوسرے پلڑے میں تو بھی عمر رضی اللہ عنہ کے علم کا پلڑا بھاری رہے گا۔''

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حلقہ اسلام میں داخل ہونے سے قبل قریش کے عہدہ سفارت پر مامور تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ اکثر و بیشتر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں رہنے لگے اور آپ سے علم دین سیکھتے۔ اس کے علاوہ ان آدمیوں کی جوہر شناسی کا ایک فطری جذبہ تھا اور شریح رضی اللہ عنہ کے قاضی کوفہ بنائے جانے کا واقعہ اس کا بہترین ثبوت ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے پسند کی شرط پر گھوڑا خریدا اور اس کی آزمائش کے لیے اس پر سوار ہوئے۔ گھوڑا چوٹ کھا کر داغی ہوگیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو واپس کرنا چاہا۔ مالک نے واپس لینے سے انکار کر دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کسی کو اس بارہ میں ثالث بنالو۔'' مالک نے عرض کیا: ''شریح

Marfat.com

عراقی''۔ دونوں شریح رضی اللہ عنہ کی ثالثی پر رضا مند ہو کر ان کے پاس پہنچے۔ شریح رضی اللہ عنہ نے فریقین کے دلائل سن کر کہا: ''اگر گھوڑے کے مالک سے اجازت لے کر سواری کی گئی تھی تو گھوڑا واپس کیا جا سکتا ہے، وگرنہ نہیں۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ سن کر فرمایا: ''حق یہی ہے'' اور شریح کو کوفہ کا قاضی مقرر کر دیا جہاں وہ ساٹھ برس تک اس منصب پر قائم رہے۔

قاضی اگرچہ گورنر صوبہ یا حاکم ضلع کے ماتحت ہوتا تھا اور ان لوگوں کو قاضیوں کے تقرر کا پورا پورا اختیار حاصل تھا لیکن پھر بھی احتیاط کی وجہ سے قاضی آپ خود منتخب کر کے مختلف صوبوں اور ضلعوں میں بھیجتے اور قاضیوں کے انتخاب میں عملی امتحان اور ذاتی تجربہ سے کام لیتے۔ چنانچہ آپ کے زمانہ میں جو قاضی مقرر کیے گئے وہ نہایت قابل اور فضل کمال کے حامل تھے۔ کوفہ کے قاضی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے جن کی قابلیت اور فقاہت بے مثال تھی۔ ان کی جلالت اور عظمت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں کوفہ کا قاضی اور معلم بنا کر بھیجا تو اہل کوفہ کو لکھا:

> ''میں تمہاری طرف عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو علی الترتیب امیر اور معلم بنا کر بھیج رہا ہوں۔ یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں اور اہل بدر میں سے بھی ہیں۔ لہٰذا تم (اپنے اپنے دائرہ میں) ان دونوں کی پیروی کرنا اور ان کے اقوال کو عملی جامہ پہنانا۔'' (اعلام الموقعین لابن قیم: ۲/ ۲۱۹)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی جلالت قدر کا اندازہ اس بات سے بھی ہو سکتا ہے کہ ایک مسئلہ میں سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی رائے اور تھی اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اور۔ جب سیدنا ابوموسیٰ کو سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے کا پتہ چلا تو فرمایا:

> لاتسئلونی مادام ھذا الحبر فیکم (بخاری: ۲/ ۹۹۷، ابوداؤد: ۲/ ۴۴)
>
> مجھ سے کوئی مسئلہ نہ پوچھو جب تک یہ بڑا عالم تم لوگوں میں موجود ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بعد ۱۹ھ میں شریح رضی اللہ عنہ کو قاضی مقرر فرمایا۔ یہ اگرچہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہ تھے لیکن اپنی ذہانت اور معاملہ فہمی میں تمام عرب میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی ان کی ذہانت اور قضاء کے معترف تھے۔ ان بزرگوں کے علاوہ سلمان ربیعہ الباہلی، عبدالرحمٰن بن ربیعہ، ابوقرہ الکندی، جمیل بن معمر وغیرہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ کے

Marfat.com

قاضی تھے جو اپنے زمانہ کے علم وفضل، ذہانت اور معاملہ فہمی میں نہایت جلیل القدر حضرات تھے۔

بصرہ کے قاضی کعب بن سور الازدی تھے، جو اپنے زمانہ کے علم وفضل، ذہانت اور معاملہ فہمی میں نہایت جلیل القدر حضرات تھے۔ فلسطین کے قاضی سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ تھے جن کی جلالت قدر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مسلم تھی۔ مدینہ طیبہ کے ایک قاضی سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی بھی تھے اور علم فرائض میں تمام عرب میں ان کا کوئی جواب نہ تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بعض شہروں کے گورنروں کو ہی قاضی بھی مقرر فرمایا۔ اگر قضاء کی ذمہ داری ان کی گورنری کی ذمہ داری میں حائل نہ ہوتی اور بعض شہروں میں قاضی اور گورنر الگ الگ تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں جن حضرات کو قاضی مقرر فرمایا تھا ان میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں۔

(۱) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ کے قاضی تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو لوگوں کو نماز پڑھانے کے لیے بھیجا تھا اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بیت المال کا انچارج اور قاضی بنا کر بھیجا تھا۔

(۲) سلمان بن ربیعہ کو پہلے بصرہ کا قاضی مقرر فرمایا تھا اور بعد قادسیہ کا۔

(۳) قیس بن ابی العاص رضی اللہ عنہ قرشی کو مصر کا قاضی مقرر کیا۔ جن لوگوں کو قاضی اور والی دونوں عہدے دیے گئے تھے ان میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں۔

(۴) نافع الخزاعی والی مکہ مکرمہ تھے۔ حافظ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو مکہ کا گورنر مقرر کیا۔ پھر ان کو معزول کر کے ان کی جگہ خالد بن العاص بن ہشام بن مغیرہ مخزومی کو والی مقرر کیا۔

(۵) یعلی بن ربیعہ والی صنعاء۔

(۶) سفیان بن عبداللہ ثقفی والی الطائف

(۷) مغیرہ بن شعبہ والی کوفہ

(۸) معاویہ بن ابی سفیان والی شام۔

(۹) عثمان بن ابی العاص ثقفی والی بحرین عمان۔

(۱۰) ابوموسیٰ اشعری والی بصرہ۔

(۱۱) عمر بن سعد والی حمص۔ یہ وہ حضرات تھے جن کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے گورنری کے عہدے

Marfat.com

کے ساتھ قاضی بھی مقرر فرمایا تھا۔

(النظام القضائی فی العہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ، القطان: ۴۷، احکام القضاء وکیع ۲/ ۱۸۸)

ان قاضیوں کو آپ وقتاً فوقتاً ہدایات بھی دیتے رہتے۔

(اعلام الموقعین :۱/۸۵، اخبار عمر:۱۷۴، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ :۴۳۸، البیان والتبیین: ۲/۱۵۰، جامع بیان العلم وفضلہ۲/۷۰)

۱۲۔ قضا کے بارہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وسعت نظر:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مکاتیب آج بھی اس امر کی زندہ شہادت دیتے ہیں کہ قضا اور اس کے اصول واحکام پر ان کی نظر کس قدر وسیع تھی۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام ان کا ایک خط آداب قضاء کا ایک غیر فانی نقش ہے جس میں انہوں نے قضاء کے اصول بیان فرمائے ہیں اور قیاس واجتہاد کی فصل مقدمات میں اجازت دی گئی ہے۔ تاریخ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے نام خطوط سب سے زیادہ محفوظ ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے وہ سارے مراسلے جو وقتاً فوقتاً انہیں موصول ہوئے تھے، بڑے اہتمام سے محفوظ رکھے تھے اور مرتے وقت اپنے بیٹے ابو بردہ رحمۃ اللہ علیہ (جو حجاج کے قاضی کوفہ تھے) کو تاکید کی تھی کہ انہیں پڑھیں اور محفوظ رکھیں۔ نہج البلاغہ کے شارح ابن ابی الحدید اور مصنف نہایۃ الارب نے لکھا ہے کہ یہ خط سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو عراق کے قاضی کی حیثیت سے بھیجا گیا تھا۔ اس خط میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو لکھا:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم. اللہ کے بندے امیر المومنین کی طرف سے عبداللہ بن قیس کے نام! سلام علیک۔

اما بعد! واضح ہو کہ فصل مقدمات ایک اہم فریضہ ہے جس پر ہر زمانہ میں عمل درآمد ہوتا رہا ہے۔ جب کوئی مقدمہ تمہارے پاس آئے تو اس کے تمام پہلوؤں کو اچھی طرح سمجھو (اور جب صحیح فیصلہ سمجھ میں آجائے تو اسے نافذ کردو، کیونکہ زبانی فیصلہ بے سود ہے تاوقتیکہ اسے عملاً نافذ نہ کیا جائے۔ مدعی اور مدعا علیہ کے ساتھ ایک سا برتاؤ کرو۔ کسی ایک فریق سے بات کرنے یا عدالت میں بٹھانے یا انصاف کرنے میں کوئی امتیاز نہ برتو تاکہ "بڑا آدمی" یہ توقع نہ کرے کہ تم اس کے ساتھ رعایت کرو

Marfat.com

گے اور ''غریب'' اور کمزور کو یہ اندیشہ نہ ہو کہ اس کے ساتھ ناانصافی سے پیش آؤ گے۔ جو شخص دعویٰ کرے اس سے گواہ مانگے جائیں اور جو دعویٰ نہ مانے (یعنی مدعا علیہ) اس سے قسم لی جائے۔ مسلمانوں کے درمیان صلح کرانا جائز ہے بشرطیکہ اس سے قرآن حکیم کا کوئی قانون نہ ٹوٹے۔ اگر کل تم نے کوئی فیصلہ کیا، آج اس سے بہتر فیصلہ تمہاری عقل اور سمجھ بوجھ میں آجائے تو اپنے پہلے فیصلے کو رد کر سکتے ہو، اس لیے کہ حق ازلی ہے اور اس کی طرف رجوع کرنا غلطی پر اڑے رہنے سے بہتر ہے۔ جس مسئلہ میں شبہ ہو اور وہ تمہیں قرآن وحدیث میں نہ ملے تو اس پر غور کرو، پھر غور کرو اور اس کی امثال ونظائر کو اچھی طرح ذہن نشین کر کے قیاس واجتہاد سے کام لو۔ کوئی شخص اگر اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے مہلت مانگے تو اسے مہلت دو۔ اور اگر وہ گواہ پیش کر دے تو اس کا حق دلوا دو، ورنہ مقدمہ خارج کر دو۔ اس سے شک مٹے گا اور ظلم وستم کی سیاہی دور ہوگی۔ ہر مسلمان ثقہ ہے سوائے ان اشخاص کے جنہیں کسی جرم میں کوڑے لگائے جا چکے ہوں یا جنہوں نے جھوٹی گواہی دی ہو یا ولد ونسب میں مشکوک ہوں۔ تمہاری چھپی ہوئی بداعمالیوں کا معاملہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ دنیا میں قانونی سزا سے بچنے کے لیے اس نے گواہی اور حلف کو ضروری قرار دیا ہے۔ خبردار! تمہارے دل میں اہل مقدمہ سے خفگی، اکتاہٹ یا چڑچڑاپن پیدا نہ ہو کیونکہ جو شخص حق وانصاف کے موقع پر حق وانصاف قائم کرتا ہے، وہ اللہ کے انعام اور اچھی شہرت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ جس کسی نے اپنی نیت درست رکھی اس کے اور لوگوں کے درمیان اللہ کافی ہے اور جو ان سے بناوٹی اخلاق کے ساتھ پیش آیا اس کے لیے اللہ کے رزق اور رحمت کی امید نہ رکھو۔ والسلام۔''

سنن دارقطنی: ۵۱۳، عیون الاخبار لابن قتیبہ: ۶۶/۱، البیان والتبیین جاحظ: ۱۲۴/۲، نہایۃ الارب نویری: ۲۵۷/۶، اعلام الموقعین لابن قیم: ۷۲،۷۱/۲۔ مبسوط سرخسی: ۶۵،۶۰/۱۶، عمر بن الخطاب لابن جوزی: ۱۳۵، مقدمہ ابن خلدون مصر: ۱۸۴/۱، ازالۃ الخفاء: ۱۱۹/۲ وغیرہ)

ایک اور روایت میں جو قاضی شریح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، یہ ہے کہ انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ فیصلے کس طرح کیے جائیں؟ آپ نے ان کے جواب میں لکھا!

''کتاب اللہ کے مطابق...... اگر کتاب اللہ میں نہ ہو تو سنت رسول اللہ

Marfat.com

کے مطابق اور اگر کتاب اللہ میں بھی نہ ہو اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی نہ ہو تو پہلے اکابر امت جو فیصلے کر چکے ہیں ان کے مطابق فیصلے کرو اور اگر پہلے صالحین امت بھی اس پر کچھ فیصلے نہ کر پائے ہوں تو چاہو تو آگے بڑھو (یعنی اجتہاد کرلو) اور چاہو تو رک جاؤ (یعنی یہاں لکھ بھیجو) اور میرے خیال میں تمہارے لیے رکنا بہتر ہے۔'' والسلام

(نسائی:۲/۳۰۵)

قضا کے یہ اصول جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے چودہ سو برس قبل مقرر فرمائے، آج بھی اکثر مہذب قوموں کا عدالتی نظام انہی اصولوں پر قائم ہے۔ یہ وہ پائیدار اصول ہیں جو زمانے کی کروٹوں کے ساتھ تبدیل نہیں ہوئے اور جن کے سلسلہ میں فقہ و قانون کی کتاب کی شروحات دسیوں نہیں سینکڑوں مجلدات میں لکھی گئیں۔ ان اصولوں کا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے مقرر کیا جانا کوئی تعجب خیز اور حیرت زدہ بات نہیں ہے کیونکہ جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے، سیدنا ابوبکر اپنے زمانے کے مقدمات انہی کے سپرد فرماتے تھے۔ اور خلافت فاروقی کے ابتدائی دور میں قضاء کے فرائض وہ خود ہی انجام دیتے تھے۔ وہ بڑے بالغ النظر فقیہ تھے اور جو مسئلہ کے سامنے پیش ہوتا تھا وہ اس کی گہرائی اور گیرائی تک پہنچتے اور بہترین معلومات سے کام لے کر اس کا فیصلہ کرتے تھے۔ اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو مشورہ کے بعد اجتہاد فرماتے تھے۔ اور ان کا اجتہاد درست ہی نہیں بلکہ حجت ہوتا تھا۔

کیا کسی متقی اور انصاف پسند قاضی کے سوا کوئی اور وہ بات کہہ سکتا ہے جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قاضیوں کو ہدایت کرتے ہوئے فرمائی ہے'' جب مدعی اور مدعا علیہ تمہارے سامنے پیش ہوں تو ان سے منصفانہ شہادت طلب کرو یا واضح قسم کھلواؤ۔ کمزور سے اتنے قریب ہو کہ اس کا دل بڑھے اور زبان کھل جائے اور غریب کی دل جوئی کرو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو وہ اپنا حق چھوڑ کر چلا جائے گا۔ اس کا حق ضائع کرنے والا وہ شخص ہوگا جس نے اس سے لطف و نرمی نہیں برتی۔'' خط کا ایک ایک لفظ اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ خط لکھنے والا قانون و فقہ میں کس قدر ماہر ہے۔

عدلیہ کی انتظامیہ سے علیحدگی:

قاضیوں کا تقرر ایک ایسا قدم تھا کہ مملکت کے بدلتے ہوئے حالات میں ضرورت

Marfat.com

کے تحت اٹھایا گیا تھا۔ یہ کوئی عمومی تنظیم نہ تھی جس سے کسی اصول کی تطبیق مقصود تھی۔ چنانچہ جن گورنروں پر مملکت کے کاموں کا غیر معمولی بوجھ نہ تھا اور جو عدالتی فرائض انجام دے سکتے تھے، آپ نے ان کے صوبوں میں قاضی مقرر نہ فرمائے بلکہ تمام اختیارات (انتظامیہ اور عدلیہ کے) انہی کے ہاتھ میں رہنے دیئے۔ لیکن یہ آپ کا ابتدائی قدم تھا اور یہ قدم اٹھائے ابھی چند ہی سال گزرے تھے کہ وہ حکومت کے دوسرے نظاموں کی طرح ایک نظام بن گیا۔ چنانچہ آپ نے عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر دیا اور قاضی کی ایک خاص حیثیت ہوگئی جسے ہر قسم کی عزت و احترام کا مستحق سمجھا جاتا تھا اور پھر آنے والے وقتوں کے قاضیوں نے انتظامیہ کے خلاف فیصلے کرنے میں بھی کوئی پس و پیش نہ کی۔ چنانچہ کتابوں میں مرقوم ہے کہ کوفہ میں عدالت کا اجلاس ہو رہا تھا اور قاضی شریک بن عبداللہ مقدمات کی سماعت فرما رہے تھے۔ باہر لوگوں کا ایک ہجوم تھا جن کے مقدمات کی شنوائی اس عدالت میں ہونی تھی۔ اس ہجوم میں ایک بڑھیا بھی کھڑی تھی جس کے چہرے سے فکر و تردد ٹپک رہا تھا اور ضعف و مسکنت کے آثار بھی نمایاں تھے۔ جب وہ اپنی باری پر قاضی صاحب کے حضور پیش ہوئی تو قاضی صاحب نے پوچھا!''بی بی! کیا معاملہ ہے؟'' اس عورت نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا کہ ''امیر المومنین کے چچا نے مجھ پر ظلم کیا ہے، میں اس کی فریاد لے کر آپ کے حضور میں آئی ہوں۔'' جب قاضی صاحب نے تفصیل پوچھی تو اس نے بتایا: ''دریائے فرات کے کنارے میرا کھجوروں کا ایک باغ تھا جو مجھے ورثہ میں ملا تھا۔ میرے باپ کے انتقال کے بعد جب میرے بھائیوں نے اسے تقسیم کیا تو میں نے اپنے حصے کو دیوار بنا کر ان سے علیحدہ کر لیا اور باغ کی نگرانی اور حفاظت کے لیے ایک ملازم رکھ لیا۔ کچھ عرصہ کے بعد گورنر موسیٰ نے میرے بھائیوں کے حصہ کا باغ خرید لیا اور میرے حصہ پر حریفانہ نظریں گاڑ دیں۔ چنانچہ اس نے مجھے برملا باغ فروخت کرنے کا کہہ دیا۔ لیکن میں نے اس کو فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔ ایک روز گورنر موسیٰ چند نوجوانوں کو ساتھ لے کر آیا اور اس دیوار کو گرانے کا حکم دیا جو میں نے تعمیر کی تھی۔ یہ واقعہ بیان کر کے اس پریشان حال عورت نے کہا!''اے قاضی! میں اب تیرے پاس اپنا حق لینے آئی ہوں اور یہ اعلان عدالت کے اس کٹہرے میں کھڑے ہو کر کرتی ہوں کہ میں اپنا باغ گورنر موسیٰ کے ہاتھ ہرگز ہرگز نہیں فروخت کروں گی۔''

قاضی شریک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ بڑے غور سے سنا اور جونہی اس عورت نے بات ختم کی

Marfat.com

تو قاضی صاحب نے لمحہ بھر کے لیے سر جھکایا، پھر آواز دی: ''غلام''۔ جب غلام حاضر ہوا تو قاضی نے ایک سمن پر اپنی مہر لگا کر اسے دی اور کہا کہ گورنر موسیٰ کو اپنے ساتھ لے کر آؤ۔ غلام جب سمن لے کر گورنر کے گھر گیا اور اس کو اپنے ساتھ چلنے کو کہا تو گورنر یہ فقرہ سن کر لال پیلا ہو گیا اور غصہ کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے چنگاریاں جھڑنے لگیں۔ اس نے اسی وقت اپنے باڈی گارڈ افسر کو بلایا اور حکم دیا کہ فوراً قاضی شریک کے پاس جاؤ اور انہیں میری طرف سے کہو کہ تم بھی عجیب آدمی ہو کہ ایک عورت کا بالکل جھوٹا دعویٰ تم نے تسلیم کر لیا اور اب مجھے اس کے دوش بدوش کھڑا کرنے کے لیے عدالت میں بلا رہے ہو۔ تمہیں میرے منصب کا کچھ تو لحاظ ہونا چاہیے۔ وہ افسر قاضی شریک کے مزاج سے واقف تھا اس نے عرض کی کہ آپ میری جگہ کسی اور شخص کو قاضی صاحب کے پاس بھیج دیں تو بہتر ہو گا، لیکن گورنر صاحب نہ مانے۔ ناچار اس افسر کو جانا پڑا۔ چنانچہ اس افسر نے قاضی شریک کی عدالت میں حاضر ہو کر گورنر صاحب کا پیغام دیا۔ قاضی صاحب نے اسی وقت سپاہی کو بلا کر حکم دیا کہ اس شخص کو پکڑ کر جیل میں ڈال دو۔ گورنر کو جب پتہ چلا کہ قاضی صاحب نے گارڈ افسر کو جیل بھیج دیا ہے تو وہ اور سیخ پا ہو گیا۔ اب اس نے اپنا حاجب قاضی صاحب کے پاس بھیجا۔ اس نے کہا: ''قاضی صاحب! گارڈ افسر تو صرف گورنر کا پیغام لے کر آیا تھا، لیکن آپ نے اسے جیل بھیج دیا۔'' قاضی صاحب نے اسی وقت سپاہی کو آواز دی۔ جب وہ آیا تو کہا کہ ''اس حاجب کو بھی گارڈ افسر کے ساتھ جیل میں بند کر دو۔''

شام کے قریب گورنر کو پتہ چلا کہ قاضی شریک نے حاجب کو بھی جیل بھیج دیا ہے تو وہ زخمی سانپ کی طرح تڑپنے لگا۔ اس کی حالت دیدنی تھی۔ اسے کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ آخر اس نے معززین شہر کو بلایا جن میں کئی لوگ قاضی شریک کے دوست احباب بھی تھے اور انہیں کہا کہ آپ حضرات قاضی صاحب کے پاس جائیں اور انہیں بتائیں کہ آپ نے میری توہین کی ہے۔ میں عام شہری نہیں ہوں کہ عدالتوں میں حاضری دیتا پھروں۔ پھر آپ نے میرے پیغام بروں کو بھی جیل میں ڈال دیا ہے۔ معززین کوفہ اور قاضی شریک کے دوست ان کے ہاں گئے اور انہیں گورنر کا پیغام پہنچایا۔ قاضی صاحب کو غصہ آ گیا اور انہوں نے ان حضرات سے مخاطب ہو کر فرمایا! ''تم لوگ مجھے ایسی بات کہنے آئے ہو جس کا تمہیں کوئی حق نہیں۔'' پھر اس نے خدام کو آواز دی اور کہا کہ ان سب لوگوں کو پکڑ کر جیل میں ڈال دو۔'' انہوں نے حیرانی میں پوچھا کہ آخر ہمارا جرم کیا ہے؟'' تم لوگ فتنہ ہو۔ حق کی راہ میں مزاحم اور قوانین شریعت کے

Marfat.com

نفاذ میں رکاوٹ بن رہے ہو۔ تمہاری سزا قید ہی ہوسکتی ہے، تاکہ تم آئندہ کسی ظالم کا پیغام نہ لاؤ۔'' گورنر موسیٰ کو جب قاضی شریک کی اس بات کا پتہ چلا تو وہ غصے سے لال بھبوکا ہوگیا۔ فوراً اپنا گھڑ سوار دستہ لے کر جیل خانے پہنچا اور داروغہ جیل سے ان تمام قیدیوں کو رہا کروا دیا جن کو قاضی صاحب نے جیل میں قید کیا تھا۔ اگلے روز صبح قاضی شریک عدالت لگائے بیٹھے تھے کہ داروغہ جیل حاضر ہوا اور گزشتہ روز کی ساری روائیداد قاضی صاحب کے گوش گزار کردی اور بتایا کہ گورنر موسیٰ بن عیسیٰ نے ان سب قیدیوں کو رہا کردیا ہے جن کو آپ نے جیل بھجوایا تھا۔

قاضی صاحب نے جونہی یہ سنا فوراً کھڑے ہوئے۔ عدالت برخاست کردی اور گھر پہنچے اور غلام سے کہا کہ میرا سامان گھر پہنچادو۔ غلام نے پوچھا!''کیا جناب منصب عدالت چھوڑ دینا چاہتے ہیں؟'' قاضی صاحب نے جواب دیا:

''بخدا! ہم نے یہ منصب امیر المومنین سے مانگا نہیں تھا بلکہ انہوں نے خود زبردستی یہ کام ہمارے سپرد اس شرط پر کردیا تھا کہ وہ یا ان کا کوئی اہل کار عدالت کے کام میں مداخلت نہیں کریگا۔ آج یہ مداخلت ہوئی ہے، لہٰذا یہ منصب انہیں واپس لوٹانے جارہا ہوں۔''

گورنر موسیٰ کو یہ خبر ملی کہ قاضی صاحب نے استعفیٰ دے دیا ہے اور وہ بغداد جارہے ہیں۔ اب گورنر بجائے غصہ میں آنے کے گھبرایا۔ چنانچہ اس نے فوراً باڈی گارڈ دستہ ساتھ لیا اور قاضی صاحب کو راستہ میں جالیا اور لگا منت سماجت کرنے اور عرض کی کہ آپ واپس تشریف لے چلیں اور اپنے فرائض ادا فرمائیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ جو کچھ آپ چاہیں گے وہی کروں گا۔ اور وہی کچھ ہوگا۔ قاضی صاحب نے کہا کہ ''جب تک وہ سب لوگ جیل نہیں چلے جاتے جو کل تو نے رہا کیے ہیں میں یہاں سے ہرگز واپس نہیں جاؤں گا۔ ورنہ میں امیر المومنین مہدی کے دربار میں جاؤں گا اور جو بوجھ انہوں نے میرے کندھوں پر لاد رکھا ہے وہ ان کے سامنے اتار کر ان کی خدمت میں رکھ دوں گا۔'' گورنر موسیٰ نے فوری طور پر اس شرط کو مان لیا۔ ان سب لوگوں کو فوری طور پر واپس جیل بھجوا دیا گیا۔ اب قاضی صاحب نے خدام سے فرمایا کہ گورنر کی سواری کی لگام پکڑو اور انہیں میری عدالت میں حاضر کرو۔ گورنر کو عدالت میں حاضر کیا گیا اور اس مظلوم عورت کے ساتھ کھڑا کیا گیا۔ قاضی صاحب نے اس عورت سے کہا:''بی بی! فریق ثانی حاضر ہے جو کچھ کہنا ہے، بے خوف ہو کر کہو۔ عورت نے وہ پہلی تمام داستان دہرائی۔ اب

Marfat.com

قاضی صاحب نے گورنر سے پوچھا: ''اس خاتون نے جو دعویٰ دائر کیا ہے اس کے بارہ میں آپ کا کیا خیال ہے؟'' گورنر نے جواب دیا! ''یہ بالکل درست کہتی ہے''۔ قاضی صاحب نے کہا: ''جو دیوار آپ نے گرائی، ویسی ہی نئی دیوار فوراً بنوا دیجئے۔'' چنانچہ قاضی صاحب کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ عورت قاضی صاحب کو دعائیں دیتی ہوئی چلی گئی اور قاضی شریک نے اسلامی عدل و انصاف کی تاریخ میں ایک روشن باب کا اضافہ کر دیا۔

عدلیہ کی یہ آزادی سیدنا فاروقِ اعظم کی مرہون منت ہے جنہوں نے عدلیہ اور انتظامیہ کو الگ الگ کیا۔

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بعض مرتبہ حکام عدالت کو مشکل اور مبہم مسائل کے متعلق فتاویٰ لکھ لکھ کر بھیجتے رہتے تھے جس سے ایک تو قاضیوں کی قابلیت کا امتحان لینا مقصود ہوتا تھا اور دوسرے ان میں آزادی کا جذبہ پیدا کرنا ہوتا تھا۔ یہ فتاویٰ کنز العمال اور حضرت شاہ ولی اللہ کی کتاب ازالۃ الخفا میں مرقوم ہیں۔

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے خط میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بات یہ بھی لکھی کہ عدالت میں مدعی اور مدعا علیہ دونوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کیا جائے۔ اس میں شاہ و گدا اور امیر و غریب کا امتیاز نہ ہو۔ قانون کی نگاہ میں سب برابر ہیں۔ جن ملکوں میں عدالتی مساوات نہیں ہے وہاں قانون کی دھجیاں اڑائی جاتی ہیں۔ کرپشن اور ناانصافی کا دور دورہ ہوتا ہے اور ملک میں امن و امان کی حالت دن بدن ابتر ہوتی جاتی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس عدالتی مساوات پر بڑا زور دیا۔ چنانچہ اس تجربہ اور امتحان کے لیے بعض دفعہ خود مدعی مدعا علیہ بن کر عدالت میں حاضر ہوئے۔ ایک دفعہ ان میں اور سیدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ میں کچھ نزاع پیدا ہو گیا۔ سیدنا ابی بن کعب نے مدینہ کے قاضی سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف استغاثہ دائر کر دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک مدعا علیہ کی حیثیت سے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی عدالت میں حاضر ہوئے۔ جونہی آپ عدالت میں داخل ہوئے، سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے ان کی بڑی تعظیم کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا! ''یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔'' یہ کہہ کر آپ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے برابر بیٹھ گئے۔ سیدنا ابی رضی اللہ عنہ نے قاعدہ کے مطابق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے قسم لینا چاہی لیکن سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین کے رتبے کا لحاظ رکھتے ہوئے سیدنا ابی رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی اس بات پر سخت رنجیدہ

Marfat.com

ہوئے اور سیدنا زید رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا! ''زید! جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور امیر المومنین برابر نہ ہوں، تم منصب قضا کے قابل نہیں سمجھے جا سکتے۔'' سیدنا زید رضی اللہ عنہ امیر المومنین کی اس بات سے نہایت متاثر ہوئے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان طریقوں سے قضاۃ کے دلوں میں ایک ایسا جذبہ پیدا کیا کہ وہ نہایت عدل وانصاف او عدالتی مساوات کے ساتھ فیصلے کرتے تھے اور قضاۃ میں یہ جذبہ آپ کی شہادت کے بعد بھی کافی مدت تک قائم رہا۔

قاضیوں کی رشوت سے حفاظت:

جب اسلام میں قاضی کو اتنے اختیارات دیئے گئے ہیں کہ امیر المومنین بھی اس کی عدالت میں اسی طرح حاضر ہوگا جس طرح ایک عام آدمی حاضر ہوتا ہے تو خطرہ یہ ہوتا ہے کہ وہ رشوت کا مرتکب نہ ہو جائے اور عدلیہ جب راشی ہو جاتی ہے تو پھر ملک میں انصاف بکتا ہے۔ اسلام نے نہ صرف قاضی کو رشوت لینے سے منع کیا بلکہ ہدیہ اور تحفہ سے بھی روکا۔ ہدیہ کا اصل مادہ ''ہدی'' ہے۔ یہ لفظ جوڑنے اور ملانے پر بولا جاتا ہے، چنانچہ عربی میں کہتے ہیں: **اهدی الرجل امراته** یعنی مرد نے اپنی دلہن کو اپنے پاس بلایا اور اس سے ملا۔ اس کی جمع ''**هدایا**'' آتی ہے جب کہ اہل مدینہ کی لغت میں ''**هداوی**'' ہے۔ صحاح جوہری میں ہے کہ ''**مهدی**'' (میم پر زیر کے ساتھ) سے مراد تھالی یا طباق اسی وقت ہوگا جب کہ ہدیہ دی ہوئی شئے اس کے اندر موجود ہو۔ حدیث میں ہے ''**تهادوا تحابوا**'' ایک دوسرے کو ہدیے دیا کرو اس سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔

(صحاح جوہری: ۲/۲۴، ۲۵)

عام اصطلاح میں ہدیہ کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ ''کسی شرط کے بغیر ایک آدمی دوسرے کو جو مال دیتا ہے، اس کو ہدیہ کہتے ہیں۔'' اس تعریف میں ''کسی شرط کے بغیر'' کے الفاظ قید احترازی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس سے رشوت خارج ہو جاتی ہے۔

(فتاویٰ ہندیہ: ۳/۱۲۲۶)

نیز ان الفاظ سے بدلہ کا ہدیہ بھی خارج ہو جاتا ہے۔ یہ وہ ہدیہ ہے جس میں اسی جیسا یا اس سے کم یا زیادہ تحفہ لوٹانے کی پیشگی شرط ہوتی ہے۔

Marfat.com

ایک تعریف یہ بھی کی گئی ہے کہ ”ایک شخص پہل کر کے دوسرے کو اس کی طلب کے بغیر ہدیہ دے۔“ (کشاف القناع عن متن الاقناع:۶/۳۱۷)

ایک تعریف اس کی یہ بھی کی گئی ہے کہ ”ہدیہ وہ مال ہے جو دلی محبت کے اظہار، الفت کے حصول اور ثواب کی غرض سے عزیزوں، دوستوں، علماء و مشائخ اور صالحین کو دیا جائے۔ جن کے بارہ میں اسے حسن ظن ہو۔“

(تعریب السیاسۃ الشرعیہ فی حقوق الراعی وسعادۃ الرعیۃ:۵۰)

علماء نے لکھا ہے کہ ہدیہ دینا اگرچہ مستحب ہے اور اس کے استحباب کی وجہ حدیث میں یہ ہے کہ لوگوں میں محبت عام ہو، لیکن یہ ہدیہ کا لین دین اس شخص کے لیے ہوگا جو مسلمان کے کسی کام کا نگران اور ذمہ دار نہ رہا ہو۔ رہا وہ شخص جسے کسی قسم کی ذمہ داری سونپی گئی جیسے قاضی، سربراہ مملکت، وزیراعظم یا وزراء، گورنر یا دوسرے ارکان سلطنت تو ایسے عہدیداران کے لیے ہدیہ قبول کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ اگر کسی رکن مملکت خواہ وہ کلرک، چپڑاسی یا کوئی معمولی ملازم ہی کیوں نہ ہو، سے کام کرایا جاتا ہے جو اس ملازم پر ہدیہ لیے بغیر بھی فرض ہوتا ہے، یا اگر اسی کے فرض کو یاد دلانے کے لیے اسے کوئی ہدیہ یا تحفہ دیا گیا تو وہ ایک قسم کی رشوت ہوگی۔ (مبسوط سرخسی:۱۶/۸۲) کیونکہ ہدیہ دینے والا جس کو ہدیہ پیش کرتا ہے، اس کی قربت اور نزدیکی کا خواستگار ہوتا ہے، لیکن چونکہ خدا کی قربت اور نزدیکی مطلوب نہیں ہوتی اس لیے اس کے اندر کسی خیر کے پیدا ہونے کا سوال نہیں آتا۔ وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ ہدیہ لینے والے کے دل میں اس کے لیے نرم گوشہ پیدا ہو سکے۔ اس طرح اس کا دینا دلانا ایک دلی مقصد کے تحت ہوتا ہے جس کے خارج میں پائے جانے کو وہ دل سے چاہتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ ہدیہ لینے والا صاحب اقتدار، ذی جاہ اور بارسوخ آدمی ہے۔ اگر اس کی خوشنودی حاصل رہی تو اسے کامیابی ہوگی۔ اس کی توجہ اس کی طرف منعطف رہی تو اس کا کام ہو جائے گا۔ دوسروں کے خلاف انہیں مدد مل جایا کرے گی۔ یا کوئی منصب یا ملازمت حاصل ہوگی یا قاضی کوئی فیصلہ میرے حق میں کر دے گا یا ایسی ہی کوئی صورت میسر آئے گی جس سے شخصی اور ذاتی مفاد کا حصول ممکن ہوتا ہے۔ (تعریب السیاسۃ الشرعیہ فی حقوق الراعی وسعادۃ الرعیۃ:۵۰)

اسی وجہ سے ابن قیم کہتے ہیں کہ گورنروں اور عمال کو تحفہ دینا رشوت ہے۔ اس کو تحفہ اور ہدیہ کہا بھی نہیں جاسکتا، اس لیے کہ اگر وہ شخص گورنر یا قاضی نہ ہوتا تو کون اسے تحفہ دیتا؟

Marfat.com

یونہی قاضی کو ہدیہ دینا سخت قبیح اور حرام ہے۔ وہ اس کا مالک بھی نہ ہوگا۔''
(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری:۱۱/ ۴۰۷)

اور ربیعہ کہتے ہیں کہ ہدیہ سے بچو، اس لیے کہ ہدیہ رشوت کا زینہ ہے۔
(معین الحکام:۱۷)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ گورنروں کے تحفے اول تو قبول نہیں کرتے تھے اور اگر قبول بھی فرماتے تو اسے بیت المال میں داخل فرما دیتے تھے۔ اگر ان سے کوئی کہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے تھے تو آپ جواب دیتے کہ آپ کے وقت میں وہ ہدیہ ہوتا تھا، لیکن آج وہ رشوت ہے۔ (حاشیہ الرہونی:۷/ ۳۱۲)

اور سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے جب یہ سوال ہوتا تو آپ فرماتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہ ہدیہ ہوتا تھا لیکن ہمارے لیے رشوت ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ مقام نبوت پر فائز ہونے کی وجہ سے ملتا تھا اور ہمیں والی ہونے کی بناء پر۔
(معین الحکام:۱۷، حلال والحرام فی الاسلام:۳۳۲)

کسی شاعر نے کیا اچھا کہا ہے۔

فساد الدین والدنیا قبول الحاکم المالا
حاکم کا مال قبول کرنا دین و دنیا کی خرابی کا باعث ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا ہے۔

اذا اتت الهدية دار قوم　　　　تطايرت الامانة من كواها
جب ہدیہ کسی قوم کے گھر آتا ہے تو امانت اس کے روشن دانوں سے نکل کر اڑ جاتی ہے۔ (المبسوط:۶/ ۸۲، تعریب السیاسۃ الشرعیۃ:۵۳)

ہدیہ دینے والا جب پہلے سے ہدیہ نہیں دیتا تھا بلکہ ابھی ابھی دینا شروع کیا ہے تو لا محالہ اس کی اس میں کوئی غرض پنہاں ہوگی۔ اور وہ غرض اس کے سوا کیا ہوسکتی ہے کہ وہ باطل مقاصد کے لیے اس کی آڑ لینا چاہتا ہے یا اس لین دین کے ذریعہ وہ کسی شئے پر اپنا حق جتلانا چاہتا ہے اور یہ تمام چیزیں کھلم کھلا حرام ہیں۔ (عون المعبود شرح ابی داؤد:۹/ ۴۹۸)

قاضی اگر رشوت لے کر کوئی فیصلہ کرتا ہے تو اس کے فیصلہ پر جرم رشوت کے کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ اس کی تفصیل یوں ہے کہ منصب قضاء پر کسی ایسے شخص کو فائز کیا جاتا

Marfat.com

ہے جس کے اندر عدل وانصاف کی صفت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہو۔ اور اس کی امتیازی شان یہ ہو کہ وہ جذبات واحساسات سے بالاتر ہو کر محض اللہ کی رضا کے لیے فیصلے کرے تا کہ مجلس قضاء میں فریقین کے درمیان حق وصداقت اور عدل وانصاف جاری وساری ہو۔ اب اگر رشوت درمیان میں گھس آئے تو ظاہر ہے کہ اس کے نتیجہ میں یہ عظیم صفت زائل ہو جائے گی اور اس کی جگہ فسق وفجور کا دور دورہ ہوگا۔ اور قاضی ذاتی اور شخصی مصلحت اور خواہشات کے تحت فیصلہ کرے گا۔ خود رشوت لے گا یا اس کا بیٹا، اس کی بیوی یا اس سے متعلق اس کا کوئی خویش و عزیز رشوت ستانی کا جرم کرے گا اور قاضی بھی اس سے فائدہ اٹھائے گا اور اسے رشوت لینے کا علم ہوگا۔

رشوت ستانی کے اس وقوعہ کے بعد یا کسی اور جرم کے ارتکاب کے بعد کیا قاضی صحیح فیصلہ دے گا؟ یا اس کا فیصلہ نافذ ہونے کے لائق ہوگا؟ یا رشوت ستانی کا اس پر نمایاں اثر ہوگا؟ اس کے بارہ میں تین مسلک ہیں:

① پہلا مسلک یہ ہے کہ رشوت ستانی کا واقعہ جس مقدمہ میں رونما ہو، اس مقدمہ یا دوسرے کسی مقدمہ میں اس قاضی کا فیصلہ نفاذ کے لائق ہوگا بشرطیکہ فیصلہ کی شرائط سب درست ہوں۔ اس قول کو امام بزدوی نے اختیار کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو فتح القدیر: ۵/ ۴۵۵، معین الحکام: ۱/ ۴، حاشیہ ابن عابدین: ۵/ ۲۶۲ وغیرہ)

② دوسرا مسلک اس بارہ میں یہ ہے کہ اگر کسی مقدمہ میں قاضی رشوت لے کر فیصلہ کرے تو اس قضیہ میں اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا خواہ اس کا فیصلہ حق پر مبنی ہی کیوں نہ ہو، یا اس کا بیٹا یا اس کے کسی معاون نے رشوت لی ہو اور قاضی کو معلوم ہو۔ شمس الائمہ اور خصاف نے اس کو اختیار کیا ہے۔

(بدائع الصنائع: ۷/ ۸، الفتاویٰ الہندیہ: ۳/ ۳۱۴، البنایہ شرح ہدایہ: ۳/ ۲۶۹، شرح الکنز للعینی: ۲/ ۸۳، فتح القدیر: ۵/ ۴۵۵)

③ تیسرا مسلک اس بارہ میں یہ ہے کہ جس مقدمہ میں اس نے رشوت لی اور اس کے علاوہ جس میں اس نے رشوت نہ لی، اس کے تمام فیصلے نافذ نہیں ہوں گے۔ یہ مسلک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے اور اسی کو امام قرطبی رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے۔ مالکیہ کا صحیح مسلک بھی یہی ہے اور یہی حنابلہ کا مسلک ہے۔

Marfat.com

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ردالمحتار: ۵/ ۳۶۳، فتح القدیر: ۵/ ۴۵۵، معین الحکام: ۱/ ۹، شرح الکنز: ۲/ ۸۳، البنایہ شرح الہدایہ: ۳/ ۲۶۹، الجامع الاحکام القرآن، قرطبی رحمہ اللہ: ۶/ ۱۸۳)

بنایہ شرح ہدایہ میں ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر کسی قاضی نے ایک زمانے تک لوگوں کے فیصلے کیے اور بہت سے مقدمات فیصل کیے، وہ جب سے اس منصب پر فائز ہوا اس وقت سے فاسق اور رشوت خور ہے تو جس قاضی کی عدالت میں اس کے مقدمات پیش ہوں گے انہیں چاہیے کہ اس قاضی کے ایک ایک فیصلے کو توڑ کر باطل قرار دیں۔

(بنایہ شرح ہدایہ: ۳/ ۲۶۹، شرح الکنز للعینی: ۲/ ۸۲)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے اس قول پر رائے زنی کرتے ہوئے امام قرطبی رحمہ اللہ نے کہا ہے: ''خدا نے چاہا تو اس قول سے کوئی شخص اختلاف نہیں کرے گا، کیونکہ اس کی رشوت ستانی کا فعل فسق تھا اور فاسق کا حکم جائز نہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن، قرطبی: ۲/ ۱۸۳)

وجہ اس کی یہ ہے کہ قاضی عدل و انصاف کی بنیاد پر اس منصب پر فائز ہوتا ہے، لیکن جب وہ رشوت لیتا ہے تو شرط ٹوٹ جاتی ہے اور اس کا حکم باطل ہو جاتا ہے، خواہ اس کا یہ حکم حق کے موافق ہو یا موافق نہ ہو۔ باطل اس لیے ہوتا ہے کہ فیصلہ ایسے فرد سے صادر ہوتا ہے جو اس ذمہ داری کا اہل نہیں، کیونکہ رشوت ستانی کی وجہ سے وہ معزول ہو چکا اور یہ ایسا ہوا جیسے کوئی نماز، زکوٰۃ، روزے اور حج وغیرہ کی ادائیگی پر اجرت وصول کرے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الاصول القضائیۃ فی المرافعات الشرعیۃ: ۳۳۲، حاشیہ الرہونی: ۷/ ۲۸۷، احکام القرآن، جصاص: ۴/ ۸۵)

اسی وجہ سے فقہاء نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ رشوت کے ذریعہ کسی کو منصب قضا پر فائز کرنا باطل ہے۔ اگر کسی نے اس منصب پر فائز ہونے کے لیے رشوت دی اور اس کی تقرری عمل میں آ گئی تو وہ شخص قاضی تسلیم نہیں کیا جائے گا یعنی اس کی تقرری باطل ہو گی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ: ۳/ ۲۱۴، البنایہ شرح الہدایہ: ۳/ ۲۶۸، معین الحکام: ۸، جہر العقود: ۲/ ۳۵۸، ردالمحتار: ۵/ ۳۶۳، فتح القدیر: ۵/ ۴۵۵ وغیرہ)

رشوت کے بغیر بھی جو کوئی منصب کو طلب کرتا ہے وہ اس کا والی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں ابن فرحون نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان کو کسی وفد میں دیکھا تو اس کی ہیئت کذائی آپ کو بہت پسند آئی۔ پھر یک بیک اس نے

Marfat.com

قاضی بنائے جانے کی خواہش ظاہر کی۔

یہ رشوت ستانی کی تفصیل جملہ معترضہ کے طور پر درمیان میں آ گئی۔ اصل بات یہ ہو رہی تھی کہ جب قاضی کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اتنے اختیارات دیئے اور عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر دیا تو شدید خطرہ تھا کہ قاضیوں میں کہیں رشوت کا چلن نہ ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے اس کو روکنے کے لیے مندرجہ ذیل بندشیں (Restrictions) عائد کیں۔

① قضاۃ کی بڑی بڑی تنخواہیں مقرر کیں تاکہ انہیں بالائی آمدنی کی ضرورت محسوس نہ ہو کیونکہ جب آمدنی کم ہو اور گھر کے اخراجات زیادہ ہوں تو آدمی بالائی آمدنی کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ چنانچہ سلمان ربیعہ الباہلی رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ کی تنخواہ پانچ پانچ سو درہم ماہوار تھی۔ اور یہ تنخواہ اس زمانہ کے حالات کے مطابق ایک موٹی تنخواہ تھی۔ ایسے ہی دوسرے قاضیوں کی تنخواہیں تھیں۔

② اس سلسلہ میں دوسری بات آپ نے یہ کی کہ قاضی صرف ان لوگوں کو مقرر کیا جو دولت مند اور معاشرہ میں معزز تھے، کیونکہ دولت مند ہونے کی وجہ سے وہ رشوت نہیں لے گا اور معزز ہونے کی وجہ سے وہ کسی کے دباؤ میں آ کر فیصلہ نہیں کرے گا۔ چنانچہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ گورنر کوفہ کو جو خط لکھا اس میں یہ وجہ آپ نے خود بھی بیان فرمائی کہ دولت مند قاضی رشوت کی طرف راغب نہ ہو گا اور معزز شخص کسی کے رعب و داب میں نہیں آئے گا۔

③ تیسرا اقدامِ رشوت وغیرہ کو روکنے کا آپ نے یہ اختیار کیا کہ قاضی کے لیے تجارت اور خرید و فروخت کو ممنوع قرار دے دیا جو آج بھی پوری دنیا میں رائج ہے۔ چنانچہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ایک خط میں لکھا:

> ”فصل مقدمات کے وقت خرید و فروخت نہ کرو اور نہ خرید و فروخت کی بات طے کرو۔ نہ کسی کی جائیداد کی دلالی کرو۔ نہ رشوت لو اور نہ غصہ کی حالت میں دو آدمیوں کا مقدمہ فیصل کرو۔“ (کنز العمال: ۳/ ۲۶۸)

عدالتوں کی بلڈنگیں:

آج کل کی طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عدالتوں کی بڑی بڑی بلڈنگیں تعمیر نہیں کی تھیں بلکہ قاضی حضرات مسجدوں میں بیٹھ کر لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔ اس کا ایک فائدہ

Marfat.com

یہ تھا کہ مسجد میں ہر شخص قاضی صاحب کے پاس آ کر اپنا مقدمہ دائر کرسکتا تھا۔ مسجد کے دروازے ہر شخص پر کھلے ہوتے تھے اور اسلام میں انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ وہ عام ہو اور سستا ہو، اور کسی غریب سے غریب شخص کو بھی انصاف کے حصول میں نہ تو مال خرچ کرنا پڑے اور نہ ہی اسے کوئی مزاحمت ہو۔ چنانچہ تمام قاضیوں کو یہ تاکید کردی گئی تھی کہ جب کوئی غریب اور نادار شخص فریق مقدمہ بن کر قاضی کے سامنے پیش ہو تو قاضی نرمی، کشادہ روئی اور نہایت اخلاق سے اس سے پیش آئیں تاکہ اس شخص کو اپنے دعویٰ کے اظہار میں کوئی خوف نہ ہو۔ اگر قاضی صاحب کشادہ روئی سے مدعی یا مدعا علیہ سے پیش نہ آئیں گے تو وہ کھل کر اپنی بات قاضی صاحب کے سامنے پیش نہ کر سکے گا۔ وکلاء کا داخلہ بھی ان عدالتوں میں بند تھا۔ مدعی اور مدعا علیہ قاضی کے ہاں پیش ہوتے اور اپنا اپنا موقف پیش کرتے۔ ان دونوں کا موقف سن کر قاضی قرآن وسنت اور اپنے اجتہاد کی روشنی میں فیصلہ کرتا۔ مدعی اپنے دعویٰ کی تائید میں شہادتیں پیش کرتا۔ بعض دفعہ ماہرین کو بھی طلب کیا جاتا اور شہادت اور دعویٰ کے بارہ میں عدالت ان سے ماہرانہ مشورہ حاصل کرتی۔ چنانچہ ایک مرتبہ حطیہ نے زبرقان بن بدر کی ہجو میں ایک شعر کہا جس سے صاف طور پر ہجو نہیں ظاہر ہوتی تھی۔ زبرقان نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں استغاثہ دائر کردیا چونکہ یہ شعر و شاعری کا معاملہ تھا اور شاعرانہ اصطلاحیں اور طرز ادا عام بول چال سے الگ ہیں، اس لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر تھے اور عام معاشرہ میں بھی ان کا شاعری میں بڑا نام تھا، ان کو بلایا اور اس بارہ میں ان سے رائے لی اور اس رائے کی روشنی میں فیصلہ کیا۔ بعض دفعہ تجرباتی اور واقعاتی شہادتوں سے کام لے کر بھی فیصلے کیے جاتے۔

محکمہ افتاء:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک محکمہ افتاء بھی قائم کیا تھا کیونکہ یہ بھی عدالتی نظام کے ساتھ ایک ضروری چیز ہوتی ہے تاکہ لوگ ان لوگوں سے مختلف مسائل پوچھتے رہیں، جو ان مسائل سے واقف ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم میں بھی ہے:

فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون: (النحل)

اگر تمہیں کوئی بات معلوم نہ ہو تو اہلِ علم سے پوچھ لیا کرو۔

اس آیت کے بارہ میں علماء نے لکھا ہے کہ علم نہ رکھنے والے اہل الذکر کی باتوں

Marfat.com

کو دلائل و براہین سے پرکھ اور جانچ نہیں سکتے۔ کسی بات کو دلائل و براہین سے جاننا صرف اہل علم کا کام ہے نہ کہ عوام کا۔ عوام کا کام صرف یہی ہے کہ وہ اہل ذکر پر اعتماد کرتے ہوئے ان سے دلیل طلب کیے بغیر ان کے بتائے پر عمل کریں۔ خود اہل علم کو بھی یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ اپنے سے زیادہ علم والوں سے وہ بات پوچھ لیا کریں جس کا انہیں علم نہ ہو۔ چنانچہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''یارسول اللہ! اگر مجھے کوئی ایسا مسئلہ پیش آئے جس کا صاف حکم مجھے کتاب وسنت میں نہ ملے تو میں کیا کروں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تشاوروا الفقهاء والعابدين ولا تمضوافيه راى خاصة

''فقہاء اور دوسرے نیک لوگوں سے مشورہ کرلیا کرو۔ چند لوگوں کی رائے پر نہ رہا کرو۔''

(رواہ الطبرانی فی الاوسط معارف السنن: ۳/ ۲۶۵، مجمع الزوائد: ۱/ ۷۸)

ان روایات سے پتہ چلا کہ علماء کا ایک گروہ ایسا ہو جو دین کا مکمل علم جانتا ہو اور ملکہ اجتہاد بھی ان کے اندر موجود ہوتا کہ نہ جاننے والے ان جاننے والوں سے پوچھ لیا کریں۔ اس سے یہ ہوگا کہ قانون نہ جاننے والے بھی قانون کو جان لیں گے۔ چنانچہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی ان جاننے والوں یعنی فقہاء کا ایک گروہ تھا جن کی ڈیوٹی ریاست کی طرف سے یہ تھی کہ انہوں نے نہ جاننے والوں کو دین کے مسائل بتانے ہیں۔ یہ سب حضرات مفتی کہلاتے تھے۔ اس زمانہ میں مفتی اور قاضی قریباً ہم معنی الفاظ تھے، کیونکہ ان دونوں کے فرائض ایک جیسے تھے۔ چنانچہ یعقوبی کے بیان کے مطابق سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مندرجہ ذیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس افتاء کا عہدہ تھا۔ ان صحابہ کے نام یہ ہیں۔

① سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ② سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

③ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ④ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

⑤ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (یعقوبی: ۲/ ۱۵۷)

خود سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اہل الرائے اور فقہاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان امور پر مشورہ فرماتے جو امور انہیں پیش آتے وہ فقہائے صحابہ حسب ذیل تھے:

① سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ② سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

Marfat.com

③ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ④ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

⑤ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ⑥ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

⑦ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ (طبقات ابن سعد:۲ رجب ۱۰۹)

خلافت فاروقی میں بھی افتاء کا یہ محکمہ قائم رہا۔ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتویٰ دیتے تھے۔ ان میں سے جو اس وقت زندہ تھے ان کو بھی اس عہدہ پر قائم رکھا اور کچھ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی عہدہ افتاء سے نوازا۔ چنانچہ آپ کے دور خلافت میں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم افتاء کے عہدہ پر فائز تھے ان کے نام یہ ہیں۔

① سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ② سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

③ سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ④ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

⑤ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ⑥ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

⑦ سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

اہل افتاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فتویٰ لینے کی ایک مثال موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ میزبان رسول سیدنا ابوایوب انصاریؓ ایک دفعہ حج کے ارادہ سے نکلے، لیکن مکہ کے راستہ میں نازیہ کے مقام پر اپنی سواریاں گم کر بیٹھے۔ سواریوں کی تلاش اور پریشانی میں حج کا دن گزر گیا۔ قربانی کے روز یعنی ۱۰ ذی الحجہ کو وہ پہنچے۔ اب کیا کیا جائے؟ یہ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا

> ''آپ وہ کریں جو عمرے والا کرتا ہے (کیونکہ حج کا دن تو گیا) آپ احرام سے نکل آئیں (یعنی عمرہ کر کے احرام کھول دیں) جب اگلے سال حج کا وقت آئے تو حج کریں اور جو قربانی میسر آئے وہ دے دیں۔'' (موطا امام مالک:۱۴۹)

ان فقہاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فتویٰ دینے کی اجازت نہ تھی اور اگر کبھی انہوں نے فتویٰ دیا تو انہیں منع کر دیا گیا۔ وجہ یہ تھی کہ ایک مفتی مسئلہ کی تہہ تک پہنچ کر پھر کتاب وسنت اور اپنے اجتہاد کی روشنی میں اس کا جواب دیتا ہے اور جس زمانہ میں غیر فقیہہ حضرات مسائل کا جواب دیں گے، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس زمانے کو فتنے کا زمانہ کہتے ہیں۔ چنانچہ مسند دارمی میں ان کا قول نقل کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں:

Marfat.com

''تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب تمہیں فتنے آلیں گے۔ بڑے بوڑھے ہو جائیں گے اور چھوٹے بڑے ہو جائیں گے۔ قاری زیادہ ہوں گے اور فقہ جاننے والے کم ہوں گے۔'' (سنن دارمی: ۷۵/۱)

یہ بھی فرمایا کہ

''تم پر کوئی سال نہ آئے گا مگر یہ کہ وہ پہلے سال سے بدتر ہوگا...... لیکن جب تمہارے علماء اور اچھے لوگ اور فقہا چلتے بنیں گے، پھر تم ان کے جانشین نہ پاؤ گے۔ پھر ایسے لوگ کھڑے ہوں گے جو معاملہ کو اپنے خیال اور رائے سے طے کریں گے۔'' (سنن دارمی: ۷۲/۱)

جن لوگوں کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عہدہ افتاء پر مقرر فرمایا تھا آپ کبھی کبھی خود جا کر ان کا امتحان بھی لیتے۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر آپ نے کئی مرتبہ مسائل کے جوابات پوچھے۔ جب انہوں نے صحیح جوابات دیئے تو فرمایا کہ اگر تم اس مسئلے کا اور جواب دیتے تو آئندہ تم کبھی فتویٰ دینے کے مجاز نہ ہوتے۔ (ازالۃ الخفاء) اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ مفتی اگر غلط فتویٰ دے تو اسلامی ریاست اس سے فتویٰ دینے کا اختیار چھین سکتی ہے۔

جو حضرات اہل فتویٰ تھے اور انہیں عہدہ افتاء ملا ہوا تھا، حکومت کی طرف سے ان کے ناموں کا اعلان کر دیا جاتا کہ جس شخص نے کوئی فتویٰ لینا ہو تو وہ فلاں فلاں صحابی سے فتویٰ لے۔ چنانچہ شام کے سفر میں جابیہ کے مقام پر آپ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس میں ایک انبوہ کثیر کے سامنے اعلان فرمایا:

''جو شخص قرأت قرانی کے بارہ میں کچھ دریافت کرنا چاہتا ہے۔ وہ ابی کعب رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر دریافت کرے اور جو حلال وحرام کے مسائل پوچھنا چاہتا ہے وہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے پوچھ لے اور جس کو میراث کا مسئلہ پوچھنا ہو وہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے دریافت کرے اور جس کو مال کی ضرورت ہو وہ میرے پاس آئے۔ اللہ نے مجھے اموال کے لیے خزانچی بنایا ہے۔''

(سنن سعید بن منصور: ۱۳۲/۲، السنن الکبریٰ بیہقی: ۲۱/۶، کتاب الاموال لابی عبید: ۲۲۳، کنز العمال روایت: ۶۴۸۷)

Marfat.com

اس خطبہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بعض مسائل میں تخصص کا درجہ رکھتے تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ:

علی اقضانا وابی اقرانا

علی رضی اللہ عنہ ہمارے بہترین قاضی ہیں اور ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ ہمارے بہترین قاری ہیں۔

(طبقات ابن سعد:۱۰۲/۲، بخاری:۶۴۴/۲)

پولیس:

جب ملک میں عدالتی نظام قائم ہو تو اس کے لیے پولیس کی بھی اشد ضرورت ہوتی ہے ورنہ قاضیوں کے فیصلوں پر عمل مشکل ہو جاتا ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو پولیس کا کوئی محکمہ قائم نہیں فرمایا تھا۔ آپ کے بعد جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے تو پولیس کا مستقل محکمہ تو انہوں نے بھی قائم نہ کیا اور قائم اس لیے نہ کیا کہ ضرورت نہیں تھی۔ وہ خیر القرون کا زمانہ تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اول تو کوئی جرم کرتے ہی نہیں تھے لیکن اگر کوئی جرم بشری تقاضے کے تحت ان سے سرزد ہو جاتا تو وہ خود بخود حاضر ہو کر اس کا اقرار کر لیتے، جیسا کہ سیدنا ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ نے دربار نبوت میں حاضر ہو کر اپنے جرم کا اقرار کیا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اگر پولیس کی ضرورت پیش آ جاتی تو فوری طور پر چند بہادروں کو اس کام پر مامور کر دیا جاتا، چنانچہ جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کی مدینہ روانگی کے بعد بعض قبائل کی طرف سے مدینہ پر حملے کا خطرہ پیدا ہوا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ کام لیا گیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے عہد خلافت میں پولیس کا کوئی جداگانہ محکمہ تو قائم نہیں کیا لیکن زناء اور سرقہ وغیرہ کے بعض مقدمات قاضیوں کے ہاں فیصل ہوئے تو اس کی ابتدائی کارروائیوں کے لیے پولیس کی ضرورت پڑی، اس وجہ سے پولیس کا محکمہ خود بخود قائم ہو گیا۔ اس وقت اس کا نام ''احداث'' تھا۔ چنانچہ پولیس افسران کو ''صاحب الاحداث'' کہتے تھے۔ بحرین میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو پولیس کمشنر مقرر فرمایا اور پولیس کے تمام اختیارات انہیں دیئے۔ چنانچہ لوگوں کے احتساب کے بارہ میں جو کام تھا وہ اس کے انچارج تھے، جیسے کم تولنا، دھوکہ دینا، فراڈ کرنا، جانوروں پر ظلم کرنا، سڑکوں اور گلیوں میں تجاوزات کرنا، ان سب کی روک تھام اس محکمہ کے سپرد تھی۔ اس لیے ہر جگہ ''صاحب الاحداث'' مقرر کیے۔ ابن سعد نے لکھا ہے۔ کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عقبہ کو بازار کی نگرانی کے لیے مقرر فرمایا تھا۔

Marfat.com

جیل خانہ جات:

جب پولیس کا محکمہ وجود میں آیا تو اس کے لیے پھر جیل خانے بھی بنانے پڑے۔ چنانچہ اسلام میں جیل خانوں کی ایجاد کا سہرا عمر رضی اللہ عنہ کے سر ہے۔ ان سے قبل عرب میں کوئی جیل خانہ نہیں ہوتا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مکہ میں صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ کا گھر چار ہزار درہم میں خرید کر اس کو جیل خانہ بنا دیا۔ (مقریزی: ۲/ ۱۸۷ بحوالہ الفاروق) پھر جہاں جہاں بھی جیل خانوں کی ضرورت پڑی جیل خانے بنا دیئے گئے۔ کوفہ کا جیل خانہ نرسل سے بنا ہوا تھا۔

(فتوح البلدان: ۴۶۳)

جیل خانوں کے وجود میں آنے کے بعد اب بعض بعض سزاؤں میں تبدیلی ہوئی اور وہ یہ کہ اب قید کی سزا بھی ملنے لگی۔

پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ:

موجودہ زمانہ میں ہر حکومت میں یہ محکمہ موجود ہے جس کو پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ (p.w.d) کا نام دیا جاتا ہے۔ اس محکمہ کا نام نیا ہے، لیکن یہ محکمہ اسلام میں سب سے پہلے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے قائم کیا۔ اس محکمہ کے ذمہ سرکاری عمارات کی تعمیر و مرمت، سڑکیں بنانا، ہسپتال بنانا اور نہریں کھودنا وغیرہ وغیرہ۔ آج کل عرب دنیا میں اس کو ''نظارت نافعہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں ہسپتال قائم نہیں ہوئے تھے لیکن اور سب چیزیں اس محکمہ میں موجود تھیں۔ آپ نے مختلف سرکاری عمارتیں بھی بنوائیں۔ سڑکیں تعمیر کروائیں اور نہریں بھی کھدوائیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جہاں ملک کے اور گوشوں کی ترقی کی طرف توجہ مبذول فرمائی وہاں زراعت کی ترقی کی طرف بھی خاصا دھیان دیا اور زراعت کی ترقی کے لیے پانی کا ہونا اشد ضروری ہے۔ لہٰذا آپ نے ملک میں کئی نہریں کھدوائیں جس سے ملکی زراعت میں کافی اضافہ ہوا۔ اپنے عہد خلافت میں جو نہریں آپ نے کھدوائیں وہ حسب ذیل ہیں۔

① نہر ابی موسیٰ:

ایک مرتبہ بصرہ سے کچھ لوگ ایک وفد کی شکل میں امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے وفد کے اراکین کو خوش آمدید کہا۔ آپ نے

Marfat.com

وفد سے ان کے مسائل سنے پھر ہر رکن سے الگ الگ بھی بصرہ کے حالات معلوم کیے۔ بصرہ چونکہ نو تعمیر شدہ شہر تھا اس لیے آپ بخوبی واقف تھے کہ وہاں کے لوگوں کے ضرور کچھ مسائل ہوں گے۔ اراکین وفد میں حنیف بن قیس بھی تھے۔ ان سے جب وہاں کے مسائل کے بارہ میں پوچھا گیا تو انہوں نے نہایت موثر انداز میں وہاں کے مسائل بیان کیے۔ ان میں سب سے بڑا گھمبیر مسئلہ پانی کی فراہمی تھی۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ امیر المومنین! بصرہ بالکل شورستان ہے اور ہم لوگوں کو کافی دور سے پانی لانا پڑتا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ چھ میل سے پانی لانا پڑتا ہے۔ لہٰذا ہمیں پانی کی فراہمی کا جلد از جلد بندوبست کر کے دیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حنیف بن قیس کی باتوں سے بہت متاثر ہوئے اور اسی وقت گورنر بصرہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو حکم کے انداز میں ایک خط لکھا کہ بصرہ کے لوگوں کے لیے نہر کھدوائی جائے تا کہ انہیں وافر پانی ملے جو ان کے پینے کے کام بھی آئے اور ان کی زراعت کے کام بھی۔ خط ملتے ہی سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی زیر نگرانی دریائے دجلہ سے ایک نہر کاٹ کر بصرہ لائی گئی۔ یہ نہر نو میل لمبی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بصرہ میں پانی کی فراوانی سے لوگوں کی زندگی تبدیل ہوگئی اور ان کے رہن سہن کے طریقے بدل گئے۔ یہ نہر چونکہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بنوائی تھی اس لیے ''نہر ابی موسیٰ'' کے نام سے مشہور ہوئی۔

(۲) نہر سعد:

انبار کے لوگوں کو پانی کی سخت تکلیف تھی۔ انہوں نے کئی سالوں سے فارس کے بادشاہ کسریٰ کو درخواست دی ہوئی تھی کہ ہم سخت تکلیف میں ہیں لہٰذا ہمارے پینے کے لیے پانی کا مناسب بندوبست کیا جائے لیکن کسریٰ ایران اور اس کے ماتحت دوسرے تمام عہدیدار تو اپنی عیاشیوں میں مگن تھے۔ لوگوں کو اس قسم کی درخواستوں کی طرف توجہ دینے کے لیے نہ تو ان کے پاس وقت تھا اور نہ ہی رقم۔ لہٰذا وہ لوگوں کو ٹالتے رہے۔ لوگوں کی خوش قسمتی ہے جب مسلمانوں نے اس علاقہ کو فتح کیا تو انہوں نے گورنر کوفہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا اور بتایا کہ ہم اتنے سالوں سے اس مشکل سے دوچار ہیں اور ایرانی حاکموں نے ہماری درخواست پر کوئی توجہ نہیں دی۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے سعد بن عمر کو اس کام پر مامور کیا۔ انہوں نے کام تو بڑے اہتمام سے شروع کرایا لیکن اس کی مناسب تکمیل نہ کر سکے۔ دریا

Marfat.com

سے نہر نکالی لیکن درمیان میں کچھ فاصلے پر ایک پہاڑ آ گیا اس وجہ سے وہ نہر دیں چھوڑ دی گئی پھر حجاج بن یوسف ثقفی نے اپنے زمانہ گورنری میں پہاڑ کو کاٹ کر نہر کا باقی کام پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ چونکہ یہ نہر سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی گورنری کے زمانہ میں شروع ہوئی تھی اس وجہ سے ''نہر سعد'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس نہر نے انبار اور اس کے اردگرد کی آبادی کو بہت فائدہ پہنچایا۔

③ نہر معقل:

سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ اس نہر کی کھدوائی کا کام سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کے اہتمام سے شروع ہوا اور انہوں نے دریائے دجلہ کو کاٹ کر اس نہر کو تعمیر کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد مٹی بھرنے کی وجہ سے اس کا پانی کچھ کم ہوگیا۔ چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے اس کو دوبارہ کھدوا کر صاف کرایا۔ (فتوح البلدان:۳٦٦)

④ نہر امیر المومنین:

یہ نہر تمام نہروں سے زیادہ بڑی تھی اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے خاص حکم کے تحت اس کو تعمیر کرایا گیا۔ اس وجہ سے اس کا نام ''نہر امیر المومنین'' مشہور ہوا۔ اس نہر کے ذریعہ دریائے نیل کو بحر قلزم سے ملا دیا گیا تھا۔ ہوا یہ کہ ۱۸ھ میں تمام عرب میں بارشیں نہ ہونے کی وجہ سے قحط پڑا جو تاریخ میں ''عام الرمادہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ قحط کا سبب یہ ہوا کہ عرب میں پورے نو ماہ آسمان سے پانی کی ایک بوند نہ ٹپکی۔ ادھر آتش فشاں پہاڑ پھٹنے لگے جس سے زمین کی سطح اور اس کی ساری روئیدگی جل کر سیاہ مٹی کا ڈھیر ہو کر رہ گئی۔ جب ہوا چلتی تو ساری فضا گرد آلود ہو جاتی۔ اس لیے لوگوں میں اس سال کا نام ''عام الرمادہ'' یعنی خاک اور ریت والا سال پڑ گیا۔ بارش کے نہ ہونے، آندھیوں کے چلنے اور کھیتوں کے جلنے سے قحط کی صورت پیدا ہوگئی۔ جس نے نہ صرف انسانوں بلکہ جانوروں کو بھی ہلاک کرنا شروع کر دیا۔ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کے ریوڑ فنا کے گھاٹ اتر گئے۔ جو بچ رہے انہیں سوکھا لگ گیا۔

ملک کی یہ کیفیت دیکھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نہایت پریشان تھے اور دن رات آپ کو لوگوں کا یہ غم کھائے جا رہا تھا۔ چنانچہ آپ نے عراق و شام کے گورنروں کو خط لکھے۔ ان خطوط میں جو

Marfat.com

الفاظ لکھے گئے تھے ان سے معلوم ہوتا تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس بات کا شدید احساس ہے کہ رعایا کے ایک ایک فرد کے لیے وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ بلکہ اپنے ضمیر کے سامنے بھی جوابدہ ہیں۔
انہوں نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو لکھا جو اس وقت فلسطین میں تھے کہ:

''السلام علیک ..... اما بعد! کیا تم مجھے اور میرے پاس والوں کو ہلاک ہوتے دیکھو گے اور تم اور تمہارے پاس والے زندہ رہیں۔ مدد! مدد!! مدد!!!''

یہ خط نہایت رقت انگیز تھا۔ اس کے جواب میں سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے لکھا:

''اما بعد! آپ بالکل اطمینان رکھیں، میں غلہ کا ایک قافلہ بھیج رہا ہوں جس کا ایک سرا تو آپ کے پاس ہوگا اور دوسرا سرا میرے پاس۔''

اسی طرح کے خط آپ نے سیدنا ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو شام ارسال فرمائے اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو عراق بھیجے اور ان سب نے اسی طرح کے جوابات دیئے جس طرح کا جواب سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔ چنانچہ ہر گورنر نے اپنی اپنی بساط کے مطابق غلہ بھیجا۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فلسطین سے اونٹوں اور ایلہ (موجودہ عقبہ) کی بندرگاہ سے جہازوں پر غذا کا سامان بھیجا۔ آٹے اور گھی سے بھرے ہوئے بیس جہاز سمندر کے راستے چلے اور آٹے سے لدے ہوئے ایک ہزار اونٹ خشکی کے راستے روانہ ہوئے۔ اسی طرح دوسرے گورنروں نے بھی غلہ بھیجا۔ چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے تین ہزار اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار اونٹ غلہ بھیجا۔ چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے تین ہزار اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے بھیجے۔ غلہ تو مدینہ پہنچ گیا لیکن شام اور مصر سے جو غلہ خشکی کے راستہ آیا وہ بہت دیر سے آیا کیونکہ خشکی کا راستہ بہت دور دراز کا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مصر کے دانشوروں کی ایک جماعت ساتھ لے کر بارگاہ خلافت میں حاضر ہوں۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حکم کی تعمیل کی۔ آپ نے گورنر مصر اور اس جماعت سے فرمایا کہ دریائے نیل کو اگر سمندر سے ملا دیا جائے تو عرب میں قحط سالی کا کبھی خطرہ نہیں ہوگا ورنہ خشکی کے راستے غلہ کا آنا ایک دشوار گزار معاملہ ہے۔ ان سب حضرات نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس تجویز کو عملی جامہ پہنانا شروع کر دیا اور فسطاط (موجودہ قاہرہ) سے بحر قلزم تک ایک نہر تیار کروائی جس کی وجہ سے جہاز دریائے نیل

Marfat.com

سے سیدھے بحر قلزم میں آجاتے اور پھر وہاں سے جدہ کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہو جاتے۔

یہ نہر قریباً ۶۹ میل لمبی تھی اور نہایت گہری تھی جس سے جہازوں کی آمدورفت آسانی سے ہو جاتی۔ اتنی لمبی نہر صرف چھ ماہ میں کھودی گئی اور پہلے ہی سال (۲۰) بڑے بڑے جہاز جن میں ساٹھ (۶۰) ہزار اردب غلہ بھرا ہوا تھا اس نہر کے ذریعہ جدہ کی بندرگاہ پر آئے اور پھر وہاں سے مدینہ منورہ لائے گئے۔ یہ نہر کافی عرصہ تک جاری رہی۔ اس سے ایک تو عرب میں قحط کا خطرہ ٹل گیا اور دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ مصر کی تجارت میں نہایت ترقی ہوئی کیونکہ مال کی باربرداری میں آسانی پیدا ہوگئی۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے عہد خلافت میں بعض گورنروں کی بے پروائی اور تساہل پسندی سے وہ بعض بعض جگہوں سے مٹی سے اٹ گئی یہاں تک کہ ''ذنب التمساح'' کے مقام پر آ کر بالکل ہی بند ہوگئی۔ پھر ۱۰۵ھ میں عباسی خلیفہ منصور عباسی نے اپنی ذاتی مصلحت کی وجہ سے اس کو بالکل بند کر دیا لیکن بعد میں یہ پھر جاری کر دی گئی اور مدتوں تک جاری رہی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مقریزی:۱/۱۷، ۲/۱۳۹۔۱۴۴، حسن المحاضرہ للسیوطی: ۹۳۔ ۹۴، وفاء الوفا:۱)

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک عجیب و غریب بات یہ ہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے بحر روم اور بحر قلزم کو براہ راست ملا دینے کا ارادہ کیا تھا، چنانچہ اس کے لیے موقع اور جگہ کی تجویز بھی کر لی تھی اور چاہا تھا کہ ''فرما'' کے پاس سے جہاں سے بحر روم اور بحر قلزم میں صرف ۷۰ میل کا فاصلہ رہ جاتا ہے نہر نکال کر دونوں سمندروں کو ملا دیا جائے۔ اپنے اس منصوبے کی انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی تو آپ نے اس تجویز کو پسند نہ فرمایا اور لکھ بھیجا کہ اگر ایسا ہوا تو یونانی جہازوں میں آ کر حاجیوں کو اڑا لے جائیں گے۔ (تقویم البلدان، ابوالفداء:۱۰۶ بحوالہ الفاروق:۲۳۲) اگر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بارگاہ فاروقی سے اجازت ملی ہوتی تو نہر سویز کے قیام کا سہرا عربوں کے حصہ میں آتا۔

بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ کام سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے سے نہیں بلکہ خود اپنے خیال سے شروع کیا تھا۔ خلیج تراجان جو دریائے نیل کو بحیرہ قلزم سے ملاتی تھی اور جس کی وجہ سے مصر اور جزیرہ نمائے عرب کے ساحلی علاقوں کے درمیان آمدورفت میں بڑی سہولتیں پیدا ہو سکتی تھیں۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس نہر کو کھدوایا اور نہایت قلیل

Marfat.com

مدت میں اس کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ یہ نہر بابلیون کے شمال سے شروع ہو کر شمال مشرقی جانب بلبیس تک جاتی تھی اور اس سے آگے بڑھ کر مشرقی سمت اختیار کر لیتی تھی۔ بحیرہ تمساح میں پہنچ کر اس کے جنوب سے نکلتی اور مرہ کی جھیلوں میں سے ہوتی ہوئی سویز کے قریب بحیرہ قلزم میں جا گرتی تھی۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اتنے عظیم الشان کام کا ارادہ کرنے اور اتنی مختصر سی مدت میں اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے میں سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی بے نظیر انتظامی قابلیت کا اظہار ہوتا ہے۔

مہمان خانے:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ سے بہت سے مہمان خانے بھی ملک کے مختلف حصوں میں تعمیر کروائے۔ ان مہمان خانوں کا مقصد یہ تھا کہ باہر سے آنے والے لوگ جو دو چار روز کسی شہر میں کسی غرض سے آئیں وہ ان مکانات میں ٹھہرائے جائیں۔ یہ مہمان خانے بڑے بڑے شہروں میں بنائے گئے کیونکہ وہیں لوگوں کی زیادہ آمدورفت ہوتی تھی۔ کوفہ میں بھی ایک مہمان خانہ بنایا گیا جس کی نسبت علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ لوگ دور دراز سے آتے اور اس مہمان خانہ میں چند روز قیام کرتے (فتوح البلدان: ۲۷۸) اور مدینہ منورہ کا جو مہمان خانہ تھا وہ ۱۷ھ میں تعمیر ہوا اور اس میں باہر سے جو لوگ آتے وہ قیام کرتے اور ان کی رہائش اور کھانا فری ہوتا تھا۔

دیگر عمارتوں کی تعمیر:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اور بھی کئی قسم کی عمارتیں تعمیر کروائیں۔ ان میں سے اکثر کچی تھیں۔ آپ نے جو عمارتیں تعمیر کروائیں وہ تین قسم کی تھیں۔

(۱) مساجد وغیرہ جو کہ قریباً چار ہزار کے قریب تھیں۔

(۲) فوجی عمارتیں جیسے قلعے اور چھاؤنیوں کی بارکیں۔

(۳) حکومتی عمارتیں، جیسے گورنمنٹ ہاؤسز، فوجی اور سول کے دفاتر اور خزانہ (بیت المال) کی عمارتیں۔

(۴) قید خانوں کی عمارتیں۔

(۵) مہمان خانے (جن کا ذکر گزر چکا ہے)۔

Marfat.com

یہ ساری عمارتیں ایسی تھیں جن سے سادگی ٹپکتی تھی۔ قیصر و کسریٰ کی عمارتوں کی طرح بلند و بالا اور پتھروں کی نہ تھیں اور نہ ہی منقش تھیں۔

سڑکوں اور پلوں کی تعمیر:

سلطنت کی وسعت میں اضافہ کی وجہ سے آپ نے مفتوحہ علاقوں میں اور عرب میں بھی سڑکیں اور پل تعمیر کروائے، لیکن یہ زیادہ تر حکومت نے نہیں تعمیر کروائے تھے بلکہ مفتوحہ علاقوں میں ان قوموں سے معاہدے ہوتے تھے۔ ان میں ایک شرط یہ بھی ہوتی تھی کہ پلوں اور سڑکوں کی تعمیر یہ لوگ خود اپنے خرچ اور اہتمام سے کرائیں گے۔ چنانچہ طبری اور دوسرے مورخین نے یہ لکھا ہے کہ سیدنا ابو کبیدہ رضی اللہ عنہ نے شام کی فتح میں صلح کی شرائط میں یہ شرط بھی لکھوائی تھی۔

چوکیاں اور سرائیں:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ملک کے مختلف حصوں میں چوکیاں اور سرائیں بھی تعمیر کرائیں تاکہ راستہ طے کرنے میں مسافروں کو تکلیف نہ ہو، خصوصی طور پر مکہ مکرمہ جہاں ہر سال ملک کے کونے کونے سے حاجی صاحبان آتے تھے، اس کے راستے بالکل ویران تھے اور مسافروں کو راستہ میں سفر کے دوران سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ راستہ میں نہ کوئی چوکی تھی اور نہ سرائے اور نہ ہی پانی کا کوئی بندوبست تھا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ ۱۷ھ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو انہوں نے حکم دیا کہ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تک ہر منزل پر چوکیاں، سرائیں اور پانی کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ ان کے حکم کی تعمیل کی گئی اور مسافروں کو یہ سب اشیاء مہیا کی گئیں۔ ایسا ہی دوسرے راستوں پر بھی کیا گیا۔

Marfat.com

نئے شہروں کی تعمیر

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نہ صرف پل، سڑکیں، مہمان خانے اور دوسری عمارتیں ہی بنائیں بلکہ کچھ نئے شہر بھی آباد کیے جو اپنی ضرورتوں کے تقاضوں کے مطابق بنائے گئے اور پھر ان شہروں نے مستقبل میں وہ ترقی کی کہ کتابوں میں ان کے تذکرے آج بھی مرقوم ہیں۔ کوفہ وہ شہر ہے کہ فقہ حنفی جو آج تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور اس کے ماننے والے پوری دنیا میں سب سے زیادہ ہیں، اس کا سنگ بنیاد سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں یہیں رکھا گیا۔ بصرہ وہ شہر کہ عربی نحو کی بنیاد اس شہر میں پڑی۔ ان دونوں شہروں میں مدتوں اسلامی آثار کے منظر قائم رہے۔

کوفہ کی تعمیر:

عراق کے شہروں کی آب و ہوا نے اسلامی فوجوں کی صحت پر نہایت برا اثر ڈالا۔ جلولاء، حلوان، مدائن، تکریت اور موصل سے فتح کی خبر اور مال غنیمت لے کر کچھ لوگ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں پہنچے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے تو ان کے مطالبات پر غور و فکر کیا اس کے بعد فرمایا: ''بخدا! تمہاری صورتیں اب وہ نہیں رہیں جو یہاں سے جاتے وقت تھیں۔ قادسیہ اور مدائن سے جو لوگ آئے تھے، میں نے اپنی آنکھوں سے بغور دیکھا کہ ان کی بھی یہی حالت تھی۔ آخر یہ تمہیں ہو کیا گیا ہے؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری صحت روز بروز گر رہی ہے۔'' انہوں نے جواب دیا: ''یہ وہاں کی آب و ہوا کا اثر ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ عربوں کی رنگتیں کیوں جھلس گئی ہیں؟ انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ وہاں کی آب و ہوا کا اثر ہے۔ سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ مدائن میں سیدنا سعد بن ابی

Marfat.com

وقاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقیم تھے۔ انہوں نے ان وفود کے پہنچنے سے قبل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا کہ ''عربوں کے پیٹ پچک گئے ہیں، جسم سوکھ گئے ہیں اور رنگتیں جھلس گئیں ہیں۔'' اس سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سخت تشویش لاحق ہوئی اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو لکھا: ''عربوں کو وہی آب و ہوا راس آئے گی جو ان کے اونٹوں کو راس آئے گی۔ لہٰذا کوئی ایسا علاقہ تلاش کرو جس کو خشکی اور تری سے یکساں تعلق ہو اور میرے اور ان کے درمیان کوئی دریا یا پل حائل نہ ہو۔'' اس خط سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دو مقصود تھے۔ ایک یہ کہ ان عربوں کے قیام کے لیے جو مقام اور خطہ منتخب کیا جائے وہ صحرا کی طرح خشک ہو لیکن اس میں صاف ستھرے پانی کی نہریں اور چشمے بھی ہوں۔ دوسرا یہ کہ اگر کبھی ان لوگوں کو مدد کی ضرورت پڑ جائے تو راستہ میں کوئی دریا یا پل مزاحم نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بحری سفر کو نہایت خطرناک سمجھتے تھے۔ اور اس لیے نہیں چاہتے تھے کہ ان کے اور ان کی فوج کے درمیان کوئی ایسی چیز حائل ہو جسے طے کرنے میں ان کی بھیجی ہوئی مدد خطرہ یا ہلاکت سے دوچار ہو جائے۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے موصل سے عبداللہ بن معتم رضی اللہ عنہ اور جلولاء سے قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی پسند کے مطابق کوئی جگہ تلاش کریں۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ ذمہ داری سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی۔ دوسری طرف مدینہ طیبہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی باخبر لوگوں سے ایسی جگہ کے بارہ میں مشورہ کیا۔ سب نے متفقہ طور پر رائے دی کہ حیرہ کے قریب کوفہ کا مقام نہایت موزوں ہے۔ ایک تو وہ حیرہ کی طرح فرات کے قریب سرسبز و شاداب مقام پر واقع ہے۔ دوسرے صحرا سے بھی کچھ دور نہیں اور اس کی زمین، ریتلی اور کنکریلی ہے۔ اسی وجہ سے اس کا نام کوفہ رکھا گیا۔ اسلام سے قبل نعمان بن منذر کا خاندان عراق عرب کا فرمان روا تھا، اس کا پایہ تخت یہی مقام تھا۔ اور اس کی مشہور عمارتیں خورنق اور سدیر وغیرہ اس کے آس پاس واقع تھیں۔ اس شہر کا منظر نہایت خوب صورت اور خوش نما تھا اور یہ مقام دریائے فرات سے صرف ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر تھا۔ اس وجہ سے پانی کی بہتات بھی تھی۔ اہل عرب اس مقام کو ''خدا العذراء'' یعنی ''عارض محبوب'' کے نام سے پکارتے تھے۔ کیونکہ یہ زمین کی زرخیزی کی وجہ سے عمدہ قسم کے عربی پھولوں اقحوان، قیصوم اور خزامی کا چمن زار تھا۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جگہ کے انتخاب کے بعد مدائن سے کوفہ کے مقام پر

Marfat.com

پہنچے اور ایک اونچی جگہ منتخب کر کے مسجد کی تعمیر کا حکم دیا۔ اس کے چاروں طرف اتنی جگہ چھوڑ دی گئی کہ اگر مسجد کے وسط میں کھڑے ہو کر تیر پھینکا جائے تو اس میدان کے آخری سرے پر گرے اور اس جگہ کو بازار بنا دیا گیا۔ مسجد تعمیر ہوئی اور سنگ رخام کے ستونوں پر دو سو ہاتھ لمبی چھت ڈالی گئی۔ یہ ستون کسریٰ کے محلات سے لائے گئے تھے۔ جن کی بلندی رومی کلیساؤں کی بلندی کے برابر تھی۔ مسجد کے چاروں طرف خندق کھود دی گئی تا کہ لوگ اس کی چار دیواری پر چڑھ نہ سکیں۔ کسریٰ کے ایک ایرانی معمار نے مسجد کے قریب سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے لیے ایک مکان تعمیر کیا جس میں بیت المال یعنی سرکاری خزانہ بھی تھا۔ اس عمارت کا نام ''قصر سعد رضی اللہ عنہ'' رکھا گیا۔ ایک مہمان خانہ بھی تعمیر کیا گیا جس میں باہر کے آئے ہوئے مسافر قیام کرتے تھے اور ان کو بیت المال سے کھانا ملتا تھا۔

یہاں عدل فاروقی کا ذکر کیے بغیر نہیں رہا جا سکتا، وہ کہ سنگ رخام کے جو ستون مسجد میں استعمال کیے گئے وہ نوشیروانی محلات سے نکال کر لائے گئے تھے۔ ان محلات کا قانونی طور پر کوئی وارث نہیں تھا اور قوانین سلطنت کے لحاظ سے اگر کوئی وارث ہو سکتا تھا تو وہ حکومت وقت تھی یا خلیفہ اسلام تھا، لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجوسی رعایا کو ان ستونوں کی قیمت ادا کی اور اس کی تخمینی قیمت لگا کر ان کے جزیہ میں سے منہا کی گئی۔

پہلے وہ گورنمنٹ ہاؤس جس کو قصر سعد کہتے تھے اور جس میں حکومتی خزانہ بھی تھا، مسجد سے دو ہاتھ پر تھا، لیکن اس کو تعمیر ہوئے ابھی چند ماہ ہی ہوئے تھے کہ اس میں چوری ہو گئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس چوری کا علم ہوا تو آپ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ گورنمنٹ ہاؤس مسجد سے ملا دیا جائے۔ چنانچہ ایک ایرانی انجینئر روز یہ نے جو ان تعمیرات کے کام پر مامور تھا، اس نے نہایت ماہرانہ طریقے سے ایوان حکومت کی عمارت کو بڑھا کر مسجد سے ملا دیا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ اس ایرانی کی ماہرانہ صلاحیتوں سے بڑے متاثر ہوئے اور انہیں بارگاہِ خلافت میں بھیجا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی بڑی قدر کی اور ہمیشہ کے لیے اس کا روزینہ مقرر فرما دیا۔

ایوان حکومت اور مسجد کوفہ کی تعمیر کے بعد شہر کی تعمیر شروع ہوئی۔ فوج نے مسجد کے چاروں طرف خیمے بنا لیے اور ہر قبیلے نے اپنے اپنے مطلب کی جگہ تلاش کر کے خیمے نصب کر دیئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق ۴۰ ہزار آدمیوں کے لیے یہاں رہائش کا بندوبست کیا گیا۔ شہر کی وضع اور ساخت کے متعلق خود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا تحریری حکم آیا تھا کہ بڑی سڑکیں ۴۰

Marfat.com

سے ۴۰ ہاتھ چوڑی رکھی جائیں اور اندرون شہر گلیوں کی چوڑائی سات سات ہاتھ ہو۔ مسجد کی وسعت اس قدر تھی کہ اس میں ۳۰ ہزار آدمی ایک وقت میں نماز ادا کر سکتے تھے۔ اس کے اردگرد چاروں طرف کھلی زمین کافی چھوڑ رکھی تھی تاکہ اگر نمازی زیادہ ہوں تو وہ بھی اپنی نماز ادا کر سکیں۔ جامع مسجد کے علاوہ ہر ہر قبیلے کے لیے الگ الگ مسجدیں تعمیر کی گئیں اور قبائل اس میں آباد کیے گئے۔ ان میں یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمی تھے۔ اور بھی مختلف قبائل آباد کیے گئے جن میں سلیم، ثقفی، ہمدان، بجیلہ، تغلب، بنو اسد، مذحج اور ہوازن وغیرہ شامل تھے۔

جب لوگ آباد ہو گئے تو سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ ''میں نے حیرہ اور فرات کے درمیان کوفہ میں قیام کیا ہے۔ یہ مقام خشکی اور تری سے یکساں تعلق رکھتا ہے اور شاداب اور زرخیز بھی ہے۔ میں نے مسلمانوں کو اجازت دے دی ہے کہ چاہے مدائن میں رہیں چاہے یہاں آ کر آباد ہو جائیں۔ جن لوگوں نے مدائن میں رہنا پسند کیا، میں انہیں وہاں مسلح پہرے داروں کی حیثیت میں چھوڑ کر آیا ہوں۔''

کوفہ کا قیام سب کو اچھا لگا۔ ان سب کی صحتیں بحال ہو گئیں، چہروں کی رنگتیں بدل گئیں۔ مرجھائے ہوئے جسم توانا ہو گئے اور ان میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ اب سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ خلافت میں درخواست بھیجی کہ بانسوں کے مکانات بنانے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ وہ خیموں سے زیادہ پائیدار رہیں گے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی اجازت دیتے ہوئے تحریر فرمایا: ''چھاؤنی ایسی ہونی چاہئے جو تمہاری اچھی طرح حفاظت کر سکے اور تمہارے لیے زیادہ سے زیادہ مفید ہو۔ میں تمہاری مخالفت نہیں کرنا چاہتا۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مکتوب جونہی پہنچا لوگوں نے بانس کے مکانات بنانے شروع کر دیے۔ بانس کے مکانوں کو ایک روز اچانک آگ لگ گئی اور وہ جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گئے۔ اب لوگوں کے سر چھپانے کے لیے کوئی جگہ نہ رہی۔ خیموں سے وہ بانس کے مکانات میں منتقل ہوئے اور بانسوں کے مکانوں میں آگ لگ گئی، اب وہ اس سوچ اور فکر میں تھے کہ ہم خیمے نصب کر لیں یا پھر کھلے آسمان تلے رہیں؟ اب خیموں کی زندگی سے گزر کر وہ مکانوں کی زندگی کے عادی ہو چکے تھے، لہٰذا آتشزدگی کی خبر کے ساتھ یہ درخواست بارگاہِ خلافت میں روانہ کی گئی کہ اینٹوں کے مکان بنانے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی بھی اجازت دے دی لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا

Marfat.com

کہ: ''بنالو! لیکن کوئی شخص تین کمروں سے زیادہ نہ بنائے اور مکانوں کی دیواریں بہت اونچی نہ کرے۔ تم سنت کے پیچھے چلو، دولت تمہارے پیچھے چلے گی۔'' اس طرح کوفہ کے مکانوں کی تیاری کے بعد لوگ ان میں رہائش پذیر ہو گئے اور اس نو آباد شہر نے حیرہ کی تمام عظمت اور شوکت اس سے چھین لی اور تخمین کا دارالسلطنت اس عظیم الشان شہر کے پہلو میں ایک معمولی سی بستی ہو کر رہ گیا۔ جو چند برسوں کے بعد اسلامی سلطنت کا دارالخلافہ قرار پا کر تاریخ اسلامی میں ایک خاص مرتبے اور شان کا حامل ہو گیا۔

یہ شہر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت ہی میں اس عظمت و شان کو پہنچا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسے خود بھی ''دارالسلام'' فرماتے تھے اور وہ عربوں کی طاقت کا اصلی مرکز بن گیا۔ اس کی بہترین آب و ہوا اور خوب صورت مناظر کے باعث اس کی آبادی روز بروز ترقی کرتی گئی، لیکن یہ خصوصیت قائم رہی کہ آباد ہونے والے اکثر و بیشتر عربی النسل تھے۔ ۶۴ ھ میں جب اس شہر کی مردم شماری ہوئی تو پچاس ہزار گھر خاص قبیلہ ربعیہ اور مضر کے اور ۲۴ ہزار دوسرے قبائل کے تھے اور یمنی لوگوں کے چھ ہزار گھر اس کے علاوہ تھے۔

مورخین نے لکھا ہے کہ جب یہ شہر تیار ہو گیا تو سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے مدائن کو چھوڑ کر کوفہ میں رہائش اختیار کی۔ اپنی قیام گاہ میں ایک دروازہ بنوا کر اس پر چھت ڈلوا دی۔ اس لیے کہ بازار کا شور وغل ان کے مشاغل اور گفتگو میں مخل ہوتا تھا، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگ اس مکان کو قصر سعد رضی اللہ عنہ کے نام سے پکارتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے محکمہ احتساب کے آفیسر سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ روانہ فرمایا اور انہیں حکم دیا ''محل کے دروازہ کو آگ لگا کر الٹے پاؤں واپس آ جانا۔'' چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کی تعمیل میں سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کوفہ پہنچے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو انہیں بلایا لیکن انہوں نے محل میں داخل ہونے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ خود باہر آئے اور ان کے سامنے کھانا پیش کیا۔ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کھانا بھی قبول نہ کیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا خط انہیں دے دیا۔ خط میں لکھا تھا: ''مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے محل تعمیر کر دیا ہے جو قلعہ بن گیا ہے'' اور ''قصر سعد'' کہلاتا ہے۔ تمہارے دروازے پر لوگوں کی روک ٹوک ہے۔ یہ قصر سعد نہیں بلکہ قصر فساد ہے۔ اس کا وہ حصہ جو بیت المال سے ملا ہوا ہے، نکال ڈالو اور اس کو بند کر دو۔ خبردار محل کے دروازہ پر کوئی پہرہ چوکی نہ رہے جس سے لوگوں کی روک ٹوک ہو۔ ایک روایت

Marfat.com

ہے کہ دروازہ کو آگ لگا دی گئی، لیکن دوسری روایت میں ہے کہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے خط پڑھ کر قسم کھائی کہ لوگوں نے بارگاہِ خلافت میں غلط خبر پہنچائی ہے۔ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو ان کی قسم کا اعتبار آ گیا اور وہ واپس آ گئے۔ مدینہ پہنچ کر انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو پوری تفصیل سنائی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: ''پھر تم نے سعد رضی اللہ عنہ کا عذر قبول نہیں کیا؟'' محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اگر آپ یہ چاہتے تھے تو مجھے لکھ دیا ہوتا یا اس کی اجازت دے دی ہوتی۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''صحیح معنی میں اہل الرائے وہ ہوتا ہے جس کے پاس اگر اپنے حاکم کا حکم نہ ہو تو وہ اپنی سوجھ بوجھ سے کام لے اور خاموش نہ رہے۔ یہ کہہ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا عذر قبول فرما لیا اور انہیں برقرار رہنے دیا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو دلاستہ فی تاریخ المدنی العربیۃ الاسلامیۃ عبدالجبار ناجی ۱۸۳، تاریخ الدعوۃ الاسلامیۃ: ۳۳۵، طبری: ۵/ ۱۷، الخلفاء الرشدون: ۱۸۲)۔

بصرہ کی تعمیر:

جس زمانہ میں کوفہ کی بنیاد پڑی تھی اسی زمانہ میں بصرہ کی نیو بھی ڈالی گئی تھی۔ یہ شہر ۱۸ھ یعنی خلافت فاروقی کے چوتھے سال ابلہ کے قریب خلیج فارس سے متصل آباد ہوا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ بصرہ کوفہ سے پہلے بسایا گیا، لیکن اس کے مکانات اس وقت پختہ کیے گئے جب کوفہ کے مکانات پختہ ہو چکے تھے۔ علامہ بلاذری نے فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے ۱۴ھ میں ابلہ پر چڑھائی کی اور جب اسے فتح کر لیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ''مسلمانوں کے لیے ایک ایسی قرار گاہ کی ضرورت ہے جہاں وہ سردی سے محفوظ رہ سکیں اور جنگ سے واپس آئیں تو وہاں آرام کریں۔'' امیر المومنین نے انہیں جواب دیا: ''اپنے ساتھیوں کو ایک جگہ جمع کر لو۔ یہ جگہ پانی اور سبزہ زار سے قریب ہونی چاہیے۔ پھر مجھے اس کی مفصل کیفیت لکھو۔ چنانچہ سیدنا عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے جگہ منتخب کر کے امیر المومنین کو اس کی تفصیلات لکھ بھیجیں تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بصرہ کے محل وقوع کو پسند کر کے اس کی تعمیر کی منظوری دے دی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۴ھ میں عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کو اس بات پر مامور کیا کہ بندرگاہ ابلہ کے قریب جہاں ہندوستان اور فارس کے جہاز لنگر انداز ہوتے ہیں،

Marfat.com

ایک شہر بسایا جائے۔ زمین کا موقع اور منظر خود امیر المومنین نے متعین فرمایا تھا۔ سیدنا عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ آٹھ سو آدمیوں کو ساتھ لے کر خربیہ میں آئے جہاں اب بصرہ کا شہر آباد ہے۔ یہ جگہ ایک چٹیل میدان تھا، زمین کنکریلی تھی اور آس پاس پانی کا کوئی انتظام نہ تھا اور اس کا محل وقوع عرب کے مزاج کے بالکل موافق تھا۔ اس لیے یہاں شہر آباد کرنے کی منظوری سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے حاصل کی گئی۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے منظوری دے دی تو لوگوں نے وہاں جا کر بانسوں کے مکانات بنا لیے۔ اسی طرح سیدنا عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے بانسوں کی مسجد تعمیر کروائی۔ مسلمان جب کہیں حملہ کرتے تو ان مکانوں کو گرا دیتے اور جب لڑائی سے واپس آتے تو پھر بنا لیتے۔

سیدنا عتبہ رضی اللہ عنہ نے مختلف قبائل کے لیے الگ الگ احاطے بنا کر ان کو جگہیں الاٹ کیں اور عاصم بن دلف رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا کہ جہاں جہاں جس قبیلہ کو اتارنا مناسب ہو، اتاریں۔ چنانچہ ان قبائل نے الاٹ کردہ جگہوں پر بانس کے مکانات بنا لیے۔ سرکاری عمارتیں جو تعمیر ہوئیں، ان میں سے جامع مسجد، گورنمنٹ ہاؤس (ایوان حکومت) اور اس کے دفتر، قید خانے اور بیت المال کی عمارتیں زیادہ ممتاز تھیں۔ ۱۷ھ میں کوفہ کی طرح بصرہ میں بھی آگ لگ گئی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اجازت سے بصرہ والوں نے بھی کوفہ والوں کی طرح پختہ مکان بنا لیے۔ بعد میں جب بصرہ خلیج فارس کے کنارے عراق کی سرحدی چھاؤنی بن گیا تو پتھروں کے مکانات بنا لیے گئے اور ایک نہایت شاندار مسجد تعمیر کی گئی۔ مستقبل میں بصرہ کو بھی اسلامی تاریخ میں وہی اہمیت حاصل ہوگئی جو کوفہ کو حاصل تھی۔ جب بصرہ کو پختہ بنانے کی اجازت امیر المومنین سے حاصل کی گئی تو آپ نے کوفہ کی طرح یہاں بھی مکانوں کو پختہ کرنے کی اجازت اس شرط پر دی کہ کوئی شخص تین کمروں سے زیادہ پر مشتمل مکان نہیں بنائے گا۔

بصرہ اور کوفہ دونوں نئے شہر بسائے گئے تھے، لیکن مورخین کے بیان کے مطابق بصرہ والے کوفہ والوں سے رشک و حسد رکھتے تھے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ اپنے محل وقوع اور سامان راحت و آسائش کی کثرت کے سبب کوفہ بصرہ سے ممتاز تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بصرہ سے بارگاہِ خلافت میں حاضر ہونے والے ایک وفد سے ان کی ضروریات کے بارہ میں پوچھا۔ احنف بن قیس رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے جو اس وفد کے ارکان تھے، بارگاہِ خلافت میں عرض کیا:

''امیر المومنین! خیر و برکت کی کنجیاں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ ہمارے شہری

Marfat.com

بھائی ان خالی مکانوں میں اترے ہیں جو میٹھے پانی اور ہرے بھرے باغات کے درمیان واقع ہیں، لیکن ہم بنجر اور شور زمین میں آباد ہوئے ہیں۔ جس کے مشرق میں مواج اور متلاطم سمندر ہے اور مغرب میں صحرائے بے آب وگیاہ ہے۔ چنانچہ نہ ہمیں پیداوار نصیب ہے اور نہ دودھ والے جانور۔ ہم اپنی ضروریات زندگی بڑی مشکل سے حاصل کرتے ہیں۔ ایک بوڑھا میٹھے پانی کی تلاش میں چلتا ہے تو کہیں دو میل پر جا کر اس کو میٹھا پانی ملتا ہے اور جب کوئی عورت اس مقصد کے لیے نکلتی ہے تو بچے کو بکری کی طرح باندھ کر نکلتی ہے کہ دشمن اسے اٹھا کر نہ لے جائے اور درندہ اسے پھاڑ نہ کھائے۔ اگر ہماری یہ دشواریاں اور مشکلات دور نہ کی گئیں اور ہمیں راحت وآرام کے یہ سامان مہیا نہ کیے گئے، اور ہمارا ہاتھ نہ پکڑا گیا تو ہم ہلاک ہو جائیں گے۔''

اس وفد کے اراکین نے اپنی ان مشکلات کو کچھ اس طرح بیان کیا کہ ایک تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے وظیفے بڑھا دیئے اور دوسرا سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جو اس زمانہ میں کوفہ کے گورنر تھے، یہ حکم دیا کہ ان کے لیے شمال میں تین میل کے فاصلہ پر (اور ایک روایت کے مطابق نو میل کے فاصلہ پر) دجلہ سے نہر نکال دی جائے۔ چنانچہ امیر المومنین کے حکم کی تعمیل میں نہر نکال کر بصرہ لائی گئی جس سے گھر گھر میں پانی کی فراوانی ہوگئی۔ ریگستان زرخیز ہوگیا اور اہل بصرہ کی آبادی روز بروز ترقی کرنے لگی۔ چنانچہ آبادی میں اس قدر اضافہ ہوا کہ زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی گورنری کے زمانہ میں صرف ان لوگوں کی تعداد جن کے نام فوجی رجسٹر میں درج تھے ۸۰ ہزار اور ان کی آل اولاد سمیت ایک لاکھ بیس ہزار تھی، جو اس زمانہ کے لحاظ سے بہت بڑی آبادی تھی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الفاروق عمر بن الخطاب، محمد رشید رضا: ۱۷۷، تاریخ الدعوۃ الاسلامیۃ: ۳۳۳۔۳۳۴، فتوح البلدان: ۳۴۱، ۳۷۵، اقتصادیات الحرب فی الاسلام: ۲۴۷)

فسطاط کی تعمیر:

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جب سارے مصر کو فتح کرلیا تو سوال پیدا ہوا کہ انہیں اپنی حکومت کا مستقر اور اپنی سیاست واقتدار کا مرکز کہاں بنانا چاہیے؟ ظاہر ہے کہ اس مقصد

Marfat.com

کے لیے اسکندریہ سے بہتر جگہ اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ جب سے اسکندر اعظم نے اسے آباد کیا تھا وہی مصر کا دارالسلطنت چلا آ رہا تھا۔ پھر وہ ایک نہایت عظیم الشان شہر تھا۔ جس کے جمال و عظمت اور خوب صورتی کا مقابلہ دنیا کا کوئی اور شہر نہیں کر سکتا تھا۔ اس میں وہ محلات بھی تھے جو بطلیموسی شہنشاہوں اور تاجداروں اور رومی حکام کی اقامت گاہ تھے۔ چنانچہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا اور اسکندریہ کو اپنا مستقل مستقر اور پایہ تخت بنانے کی اجازت طلب کی۔ سید عمر رضی اللہ عنہ نے قاصد سے پوچھا: ''میرے اور مسلمانوں کے درمیان دریا تو حائل نہیں ہوگا؟'' قاصد نے جواب دیا: ''امیر المومنین! طغیانی کے وقت دریائے نیل حائل ہوگا۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسا کہ کوفہ اور بصرہ کے بارہ میں آپ پڑھ چکے ہیں، یہ کسی صورت گوارہ نہیں فرماتے تھے کہ مفتوحہ ممالک میں ان کے اور مسلمانوں کے درمیان کوئی دریا حائل ہو۔ اس لیے انہوں نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو لکھا:

''میں مسلمانوں کا کسی ایسی جگہ قیام پسند نہیں کرتا جہاں گرمی یا سردی میں میرے اور ان کے درمیان کوئی دریا حائل ہو۔''

جب یہ مکتوب سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو پہنچا تو امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی مرضی کے مطابق اس سے بہتر جگہ اور کوئی نظر نہ آئی جو قلعہ بابلیون کے جوار میں تھی۔ یہ مقام دریا کی اہم گزر گاہ ہونے کے ساتھ ساتھ دریائے نیل کی ان شاخوں کے سنگم پر واقع تھا جو ڈیلٹا (Delta) میں پھیلی ہوئی تھیں۔ علاوہ ازیں وہ ''منف'' کے بھی قریب تھا جو فراعنہ کے عہد میں مصر کا پایہ تخت رہ چکا تھا۔ پھر اس کے اور سرزمین حجاز کے درمیان کوئی دریا اور پل حائل نہ تھا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب چاہتے اپنے اونٹ پر سوار ہو کر دریا عبور کیے بغیر اس تک پہنچ سکتے تھے۔

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے قلعہ بابلیون کے محاصرہ کے دوران میں اس کے قریب ایک خیمہ نصب کیا تھا۔ جس کو ان کے ساتھی ''قبہ فسطاط'' کے نام سے پکارتے تھے۔ جب سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے قلعہ فتح کر لیا اور اسکندریہ جانے کا ارادہ فرمایا تو اپنا یہ خیمہ اکھاڑنے کا حکم دیا، لیکن وہاں ایک کبوتر نے بچے دے رکھے تھے۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اس نے ہمارے ساتھ رہ کر حرمت قائم کر دی ہے۔'' اور حکم دیا کہ جب تک بچے نہ اڑ جائیں خیمہ نہ اکھاڑا جائے۔ اس کے بعد جب وہ اسکندریہ سے واپس ہوئے تو فوج کو خیمے کے قریب پڑاؤ ڈالنے اور اس کے گرد مکانات بنانے کا حکم دیا۔ اس طرح اس شہر کی بنیاد پڑی۔ خیمہ کو چونکہ عربی

Marfat.com

میں ''فسطاط'' کہتے ہیں، اس وجہ سے اس شہر کا نام ''فسطاط'' رکھا گیا۔ لیکن لسان العرب میں ہے کہ فسطاط مختلف بستیوں کے اس مقام اجتماع کو کہتے ہیں جو جامع مسجد کے گرداگرد واقع ہو اور اس سلسلہ میں چھ لغت درج کیے ہیں۔ جن میں سے ایک ''فساط'' ہے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ فسطاط ایک بازنطینی لفظ (Fossatum) سے ماخوذ ہے جس کے معنی لشکر یا قلعہ بند شہر کے ہیں۔ عربوں نے یہ لفظ شام و مصر میں سنا اور پھر اسے اپنے لغت میں شامل کر لیا۔ بہر حال کچھ بھی ہو اس شہر کا نام ''فسطاط'' رکھا گیا۔

یہ شہر مختلف عربی محلوں میں تقسیم کر کے تعمیر کیا گیا، جس کی تعمیر قبطیوں نے کی۔ آپ نے سیدنا معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ، شریک بن سمی، عمرو بن قحزم رضی اللہ عنہ اور جبریل بن ناشرہ کو اس کام پر مامور کیا کہ جس قبیلہ کو جہاں مناسب سمجھیں آباد کریں۔ جس قدر محلے اس وقت تھے اور جو قبائل اس میں آباد ہوئے، ان کے نام مقریزی نے اپنی کتاب میں تفصیل سے لکھے ہیں۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے خیمے کی جگہ اور اس کے چاروں طرف باغات اور انگور کی بیلوں کے درمیان ایک جامع مسجد تعمیر کروائی اور جب تک سمت قبلہ کی تعیین نہ کی گئی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہیں کھڑے رہے۔ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ ۸۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جمع ہو کر سمت قبلہ متعین کی۔ ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ اور دوسرے بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شریک تھے (معجم البلدان: ۴/ ۲۶۵) یہ مسجد ۵۰ گز لمبی اور ۳۰ گز چوڑی تھی۔ تین طرف دروازے تھے۔ جن میں سے ایک ایوان حکومت کے مقابل تھا اور عمارتوں میں سات سات گز کا فاصلہ تھا۔

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ایک خاص مکان سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لیے تعمیر کرایا تھا۔ لیکن جب انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس مکان کے بارہ میں لکھا تو آپ نے جواب میں لکھا کہ ''یہ میرے کس کام کا ہے؟'' تو وہاں ایک بازار بنا دیا گیا۔ ایک اور روایت یہ ہے کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لیے ایک مکان تعمیر کروایا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ''ہم نے جامع مسجد کے قریب آپ کے لیے ایک مکان بنایا ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ ''حجاز میں رہنے والے ایک آدمی کا گھر مصر میں کیسے ہو سکتا ہے؟'' اور حکم دیا کہ اسے مسلمانوں کے لیے مکان بنا دیا جائے۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس حکم کی فوراً تعمیل کر دی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس جملہ سے آپ کی دنیا سے بے نیازی کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔ چونکہ اس شہر

Marfat.com

کی آبادی ایک خیمہ سے شروع ہوئی تھی اور خیمہ کو عربی میں فسطاط کہتے ہیں، اس لیے اس کا نام ''فسطاط'' پڑ گیا یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ فسطاط کو لغت عرب میں چھ طرح پڑھا جاتا ہے۔ فسطاط (بضم فا) فسطاط (بکسر الفاء) بضم فا واسقاط الطاء اولیٰ) فساط (فا کے کسرہ کے ساتھ)، فستاط (طا کے بدل میں تا اور فا کے ضمہ کے ساتھ) فستاط (فا کے کسرہ کے ساتھ)

(معجم البلدان: ۴/۲۶۳)

بعض حضرات کا خیال ہے کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے یہ کھلی جگہ پسند کر کے شہر آباد کر دیا تا کہ مسلمان اہل مصر کو ان کے گھروں سے نکال کر ان پر خود قبضہ نہ کر لیں اور اس طرح ہر اس زیادتی سے دامن بچا لیا جو مصری عوام کے لیے بے چینی اور ناراضی کا سبب بن سکتی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے ان کی مراد یہ بھی ہو کہ ایک اسلامی شہر بسا کر مسلمانوں کے لشکر سے رابطہ پیدا کیا جائے اور مسلمانوں کے خاندان اس شہر میں آباد ہو کر ایک ایسا ماحول بنا لیں جس میں وہ اپنے ڈھب سے زندگی بسر کر سکیں، بالکل اسی طرح جیسے بصرے اور کوفے کو آباد کر کے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کیا تھا، لیکن سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مصر کے والی تھے۔ انہوں نے جب اس شہر کو اپنا پایہ تخت بنایا تو رونق اور آبادی نے دوڑ کر ان کے قدم لیے۔ اہل مصر کے بہت سے گروہ مختلف گوشوں سے سمٹ سمٹ کر یہاں آئے اور جائیدادیں بنا کر زندگی کے دن بسر کرنے لگے۔ جب شہر کا دامن پھیلا تو مسلمانوں نے شہر پناہ کے باہر ایک بستی بسائی اور اس کا نام ''عسکر'' رکھ کر کاروبار حکومت وہاں منتقل کر دیا۔ اور اس طرح فسطاط کا شہر سارے ملک کا دارالخلافہ بن گیا۔ جس کی طرف زیریں مصر اور بحر روم اور بحر قلزم کے ساحلی شہروں کی نگاہیں اٹھتی تھیں۔ چنانچہ اس آبادی میں روز افزوں ترقی ہونے لگی اور آبادی کی کثرت نے اسے مرکز تجارت بنا کر وہاں کی زندگی کو چار چاند لگا دیے۔ یہ دیکھ کر اسکندریہ اور منف کے سربرآوردہ لوگوں نے بھی فسطاط کا رخ کیا اور یہ منف کی تباہی کا پیش خیمہ تھا جس کے بعد اس کی حیثیت ایک اثری قصبے سے زیادہ نہ رہی۔ اب اگر اس کا کبھی ذکر آتا بھی تو فراعنہ مصر کی عظمت کے ذیل میں آتا تھا جنہوں نے کئی ہزار برس پہلے اسے اپنا پایہ تخت بنایا تھا۔ اسی طرح اس شہر کی وجہ سے اسکندریہ کی بھی ساری رونق خاک میں مل گئی اور اسے اپنے ساحلی محل وقوع اور عمرانی عظمت و جلال کی وجہ سے دنیا کے تمام شہروں پر جو فضیلت حاصل تھی وہ بھی اس سے چھن گئی۔

فسطاط نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی سیاسی اور معاشی پالیسیوں کے باعث نہایت

Marfat.com

جلدی ترقی کی اور اسکندریہ کے بجائے مصر کا پایہ تخت فسطاط بن گیا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانوں میں چالیس ہزار اہل عرب کے نام رجسٹر میں قلم بند تھے اور یاقوت حموی نے قاضی ابوعبداللہ قضاعی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ایک زمانہ میں فسطاط میں ۳۶ ہزار مسجدیں، آٹھ ہزار سڑکیں اور ایک ہزار ایک سو ستر حمام تھے۔ (معجم البلدان: ۴/۲۶۶) مدت تک یہ شہر سلاطین مصر کا دارالسلطنت رہا اور دنیا کی تہذیب وتمدن اور ترقی کا ہراول دستہ رہا۔ علامہ بشاری رحمہ اللہ نے اس کے بارہ میں لکھا ہے کہ ''یہ شہر بغداد کا ناسخ، اسلام کا فخر، مغرب کا خزانہ اور تمام عالم اسلام میں اس سے زیادہ کہیں جامع مسجدیں نہ تھیں اور اس میں سب سے زیادہ علمی مجلسیں ہوتی تھیں اور نہ ہی یہاں سے زیادہ کسی شہر کے ساحل پر تجارتی جہاز لنگر انداز ہوتے تھے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ یہ شہر نہ صرف علم وفضل کا گہوارہ تھا بلکہ تجارت کا بھی سب سے بڑا مرکز تھا۔ جس سے اہل مصر کے روزگار وابستہ تھے۔ آج کل اس شہر کا نام قاہرہ ہے اور آج بھی یہ مصر کا پایہ تخت ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتوح مصر لابن عبدالحکم: ۹۱، عمرو بن العاص القائد والسیاسی: ۱۳۵، اہل الفسطاط صالح احمد العلی: ۳۸، تاریخ الدعوۃ الاسلامیۃ جمیل المصری: ۳۳۹)

موصل کی تعمیر:

اس شہر کا صحیح تلفظ جیسا کہ یاقوت حموی نے لکھا ہے میم کے فتح اور صاد کے کسرہ کے ساتھ ہے یعنی ''موصل'' یہ شہر اگرچہ بہت پرانا ہے اور اس کی تاریخ اسلام سے بہت پہلے کی ہے، لیکن یہ ایک برائے نام شہر تھا۔ کھنڈرات کے علاوہ یہاں ایک قلعہ اور عیسائیوں کے چند پرانے کلیسا تھے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سیدنا ہرثمہ بن عرفجہ رضی اللہ عنہ نے اس شہر کو نئے سرے سے تعمیر کیا اور یہاں ایک مسجد تعمیر کرائی۔ پھر مختلف قبائل کے کچھ محلے آباد کیے۔ (فتوح البلدان: ۳۳۱-۳۳۲) یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ میں نے کئی لوگوں سے یہ سنا ہے کہ دنیا کے بڑے شہر تین ہیں۔ نیشاپور، جو مشرق کا دروازہ ہے، دمشق جو مغرب کا دروازہ ہے اور تیسرا موصل جو مشرق اور مغرب کی گزرگاہ ہے اور ہر شخص کو یہاں سے گزرنا پڑتا ہے، خواہ اس نے کہیں جانا ہو۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اس کا نام موصل اس لیے ہے کہ یہ جزیرہ اور عراق کو آپس میں ملاتا ہے۔ یعنی اس کے ذریعہ مشرق ومغرب کے ڈانڈے ملتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ

Marfat.com

جس بادشاہ نے اس شہر کی بنیاد رکھی تھی اس کا نام ''موصل'' تھا اور یہ وہ پرانا شہر ہے جو نینوی کی مشرقی جانب دریائے دجلہ کے کنارے واقع ہے اور شہر کے درمیان میں سیدنا جرجیس نبی کی قبر ہے۔ (معجم البلدان: ۲۲۳/۵)

ایرانی بادشاہوں کے زمانے میں بھی اس شہر نے بہت ترقی کی تھی اور انہوں نے اس کا نام ''نواردشیر'' رکھا ہوا تھا۔ اس شہر کی تعمیر نو کے بعد اسلامی عہد میں اس کی ترقی کو چار چاند لگ گئے۔ یاقوت حموی ہی نے لکھا ہے کہ میں نے بہت سے علماء کو یہ کہتے سنا کہ جب کوئی مسافر موصل میں ایک سال ٹھہر جائے تو اس کے بدن میں بے شمار طاقت آ جاتی ہے اور اگر وہ بغداد میں ایک سال اقامت پذیر ہو جائے تو اس کی عقل میں اضافہ محسوس ہونے لگتا ہے اور اگر وہ اہواز میں ایک سال ٹھہرا رہے تو اس کے بدن اور اس کی عقل دونوں میں نقصان کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں اور اگر وہ تبت میں ایک سال رہ جائے تو اس کی خوشی اور مسرت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کا سبب کیا ہے اس کو ہم نہیں جانتے لیکن ایسا کتابوں میں پڑھا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کا سبب موصل کی ہوا کی تازگی اور پانی کی مٹھاس ہو۔ موصل میں باغات بہت کم ہیں اور ندی نالوں میں پانی کی کمی ہے اور گرمیوں میں سخت گرمی اور سردیوں میں سخت گردی اس کے موسم کی خصوصیات میں سے ہے۔ یہ شہر چونا اور پتھر سے بنایا گیا تھا۔

اس شہر میں دو جامع مسجدیں ہیں۔ ایک کو نور الدین محمود نے بنایا تھا۔ دوسری کی تعمیر کا سہرا مروان بن محمد کے سر ہے۔ بغداد سے اس کا فاصلہ ۴۰۰ کلومیٹر ہے۔ یہ شہر بھی علم و عمل کا گہوارہ تھا اور بڑے بڑے محدثین، حفاظِ حدیث اور علماء کو جنم دیا، ان میں ایک مشہور محدث ابو یعلی موصلی ہیں۔ جنہوں نے حدیث پر ایک ضخیم کتاب لکھی۔

جیزہ کی تعمیر:

جیزہ (جیم کے کسرہ کے ساتھ) ایک چھوٹا سا شہر تھا جو فسطاط کی مغربی جانب واقع تھا، اور یہ ایک بہت بڑا اور وسیع و عریض ضلع تھا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ جب سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اسکندریہ سے فسطاط آئے تو اس غرض کے لیے کہ رومی کہیں دریا کی طرف سے حملہ نہ کردیں، تھوڑی سی فوج اس مقام پر متعین فرما دی جس میں حمیر: ہمدان، ازد اور کچھ حبشہ کے لوگ تھے۔ جب سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے فسطاط کو اپنا مستقر اور مصر کا پایہ تخت بنالیا تو ان لوگوں کو واپس بلانا چاہا

Marfat.com

لیکن انہیں دریائے نیل کا منظر کچھ ایسا پسند آیا کہ انہوں نے وہاں سے نقل مکانی کرنا پسند نہ کیا اور حجت یہ پیش کی کہ ہم یہاں جہاد کے لیے آئے تھے۔ لہٰذا اس عظیم مقصد کو چھوڑ کر اور کہیں نہیں جاسکتے۔ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے ان کے اس رویہ کی اطلاع امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو دی۔ اگرچہ امیر المومنین دریا کے حائل ہونے کو ناپسند فرماتے تھے لیکن ان لوگوں کو وہاں رہنے کی اجازت مرحمت فرما دی، لیکن ساتھ یہ بھی گورنر مصر کو لکھا کہ ان لوگوں کی حفاظت کے لیے ایک قلعہ تعمیر کر دیا جائے۔ ۲۱ھ کو قلعہ تعمیر ہونا شروع ہوا اور ۲۲ھ میں قلعہ مکمل ہو گیا۔ یہ لوگ قلعہ کی تعمیر کو ناپسند کرتے تھے اور انہوں نے گورنر مصر سے کہا ''ہم نامردوں کی طرح قلعہ کی پناہ میں نہیں رہنا چاہتے بلکہ ہمارا قلعہ ہماری تلواریں ہیں۔ (حصوننا سیوفنا) چنانچہ ان لوگوں نے قلعہ کے بجائے کھلے میدان میں ڈیرے ڈالے اور ہمیشہ وہیں رہے۔ اب سارا مصر اسلامی فوجوں کے کنٹرول میں تھا۔ لہٰذا اب انہیں کیا خطرہ ہو سکتا تھا۔ ویسے بھی یہ لوگ بہادری میں اپنی مثال آپ تھے اور بہادر کبھی کسی سے نہیں ڈرتے۔

اسلام اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی برکت سے جیزہ علم کا گہوارہ رہا اور بڑے بڑے علماء اور محدثین یہاں پیدا ہوئے۔ چنانچہ ان میں ابو محمد ربیع بن سلیمان، اور ان کا صاحبزادہ ابو عبداللہ محمد بن ربیع اور ابو یوسف یعقوب بن اسحاق نہایت ممتاز ہیں۔

Marfat.com

شعبہ بیت المال

حکومت کے محاصل کو جمع کرنے کے لیے ایک بیت المال (خزانہ) کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اگرچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی اسلامی ریاست کے محاصل اکٹھے ہوتے تھے لیکن جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے آپ نے اس کے لیے بیت المال نہیں بنایا تھا، بلکہ جو کچھ وصول ہوتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دوسرے مستحقین میں تقسیم فرما دیتے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اگرچہ بیت المال قائم ہو گیا تھا اور آپ نے اس کا اہتمام اور انتظام سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا تھا جو بیت المال کی آمدنی اور خرچ کا پورا حساب رکھتے تھے اور اس کی نگرانی بھی فرماتے تھے لیکن اس میں رقم کوئی جمع نہ تھی کیونکہ جو کچھ آتا وہ اسی وقت صحابہ اور ضرورت مندوں میں برابر تقسیم کر دیا جاتا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عادت یہ تھی کہ وہ بیت المال کی رقم عورت، مرد، چھوٹا، بڑا اور غلام و آزاد سب میں برابر تقسیم کر دیتے تھے کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی دستور تھا اور صدیق نبوت کے دستور کے خلاف کیسے جا سکتا تھا؟ چنانچہ ایک مرتبہ بحرین سے مال آیا تو وہ تمام لوگوں میں برابر تقسیم کر دیا گیا اور ہر فرد کو سوا سات درہم ملے۔ دوسرے سال مال پہلے سے زیادہ آیا تو حسب سابق برابر تقسیم کر دیا گیا اور ہر شخص کو بیس درہم حصہ میں آئے۔ بعض لوگوں نے اس پر اعتراض بھی کیا کہ بعض لوگوں کو دوسروں پر تفوق و تقدم حاصل ہے اور آپ ان کی سبقت فی الاسلام کی رعایت بھی ذہن میں رکھ کر اس مال کو تقسیم فرمائیں۔ آپ نے ان لوگوں کا یہ اعتراض سن کر جواب دیا کہ تم نے جن فضائل اور سوابق کا ذکر کیا ہے ان کو مجھ سے زیادہ اور کون جان سکتا ہے لیکن یہ امور وہ ہیں جن کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ یہ بہرحال معاش کا معاملہ ہے اس میں مساوات ترجیح دینے سے بہتر ہے۔ (کتاب الخراج لابی یوسف: ۴۲)

Marfat.com

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اگرچہ اپنے زمانہ خلافت میں سرکاری خزانے (بیت المال) کے لیے ایک مکان خاص کر لیا تھا لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا کیونکہ اس میں مال جمع ہوتا ہی نہیں تھا اور اس بات کی نوبت ہی نہیں آتی تھی کہ خزانہ میں کچھ داخل ہو۔ چنانچہ آپ کی وفات کے وقت جب بیت المال کو چیک کیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔ وہ بھی معلوم نہیں کہ کیسے بچ گیا۔ لیکن سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے جب پوچھا گیا کہ شروع سال سے اس وقت تک خزانہ میں کس قدر مال آیا؟ تو انہوں نے جواب دیا ''دو لاکھ دینار''۔ (طبقات ابن سعد: ۲/۱۵۱)۔ لوگوں کو جب یہ پتہ چلا کہ کل دو لاکھ دینار آئے اور بیت المال سے صرف ایک درہم نکلا تو انہوں نے کہا ''اللہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جب سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا اور کثرت فتوحات کی وجہ سے سلطنت کی پہنائیوں میں متعدبہ اضافہ ہوا تو آپ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح تقسیم میں مساوات کا اصول نہ اپنایا بلکہ تقسیم میں ترجیحی سلوک کیا اور فرمایا:

''ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مال کی تقسیم کے سلسلہ میں ایک خاص رائے قائم کی تھی، لیکن میں اس بارہ میں ایک دوسری رائے رکھتا ہوں۔ وہ یہ کہ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کی انہیں میں ان لوگوں کے مساوی قرار نہیں دوں گا جنہوں نے آپ کے ساتھ مل کر جنگ کی ہے۔''

چنانچہ آپ نے جنگ بدر میں شریک ہونے والے مہاجرین وانصار کو فی کس پانچ ہزار درہم سالانہ دیا۔ پھر جن لوگوں کا اسلام اہل بدر ہی کے اسلام کی طرح تھا مگر وہ جنگ بدر میں شریک نہیں تھے ان کو فی کس چار ہزار دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے لیے بارہ بارہ ہزار درہم سالانہ کا حصہ مقرر کیا، لیکن سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا حصہ آپ نے چھ چھ ہزار مقرر کیا، لیکن ان دونوں نے اتنا قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے ان سے کہا کہ ''میں نے دوسری بیویوں کا حصہ مقرر کرنے میں ان کی ہجرت کا لحاظ کیا ہے۔'' ان دونوں نے جواب دیا ''آپ نے تو اس مقام کا لحاظ کرتے ہوئے ان کے حصے مقرر کیے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک انہیں حاصل تھا اور بعینہ وہی مقام ہمیں بھی حاصل تھا۔'' سیدنا عمر نے یہ بات تسلیم کر لی اور ان دونوں کے حصے بھی بارہ بارہ ہزار درہم کر دیئے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کو بھی آپ نے بارہ ہزار درہم سالانہ دیا۔ سیدنا اسامہ بن

Marfat.com

زید رضی اللہ عنہ کا وظیفہ چار ہزار درہم مقرر کیا اور اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا وظیفہ تین ہزار درہم مقرر فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا:

''ابا جان! آپ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو مجھ سے ایک ہزار درہم زیادہ کیوں دیا؟ ان کے باپ کو کوئی ایسی فضیلت تو نہیں حاصل تھی جو میرے باپ کو نہ حاصل ہو، اور نہ خود ان کو کوئی ایسی فضیلت حاصل ہے جو مجھے نہ حاصل ہو؟''

آپ نے فرمایا: ''اسامہ رضی اللہ عنہ کا باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیرے باپ سے زیادہ محبوب تھا اور خود اسامہ رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تجھ سے زیادہ محبوب تھا۔'' سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لیے پانچ پانچ ہزار درہم مقرر ہوئے۔ یہ وظیفہ ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان دونوں کا جو مقام تھا اس کے پیش نظر آپ نے مقرر فرمایا۔ مہاجرین وانصار کے لڑکوں کو دو ہزار فی کس کے حساب سے دیا۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے عمر آپ کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: ''ان کے حصہ میں ایک ہزار درہم کا اضافہ کردو۔'' اس پر محمد بن عبداللہ بن جحش نے آپ سے کہا ''اس کے باپ کو کوئی ایسا شرف تو حاصل نہیں تھا جو ہمارے باپوں کو نہ حاصل رہا ہو؟ نہ خود ان میں کوئی خوبی ہے جو ہم میں نہ موجود ہو؟'' آپ نے جواب دیا: ''میں نے ان کو ان کے باپ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے لحاظ سے صرف دو ہزار دیا ہے، لیکن ان کی ماں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا لحاظ رکھتے ہوئے ایک ہزار کا اضافہ کردیا ہے۔ اگر تیری ماں بھی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہم پلہ ہوتی تو میں تجھے بھی ایک ہزار اور دلوا دیتا۔''

مکہ والوں اور عام لوگوں کا حصہ آپ نے فی کس آٹھ سو رکھا۔ سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اپنے بھائی عثمان رضی اللہ عنہ کو آپ کے پاس لائے تو آپ نے اس کا وظیفہ آٹھ سو درہم مقرر فرما دیا۔ پھر سیدنا نضر بن انس رضی اللہ عنہ آئے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان کا حصہ دو ہزار درہم رکھو۔ اس پر سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں بھی ان ہی کی طرح کے ایک آدمی (عثمان) کو آپ کے پاس لایا تو آپ نے اس کا وظیفہ آٹھ سو درہم مقرر فرمایا اور نضر بن انس رضی اللہ عنہ کے لیے آپ نے دو ہزار مقرر فرمائے؟'' آپ نے یہ سن کر فرمایا:

''ان کے باپ احد کے دن مجھے ملے تو انہوں نے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ہوا؟ میں نے بتایا کہ میرے خیال میں تو آپ شہید ہوگئے، یہ سن کر انہوں نے اپنی تلوار کھینچ لی اور نیام توڑ دی اور بولے: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے تو اللہ

Marfat.com

تو زندہ ہے، وہ کبھی نہیں مرے گا۔''

اس کے بعد وہ لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے اور اس وقت عثمان کا باپ فلاں جگہ بکریاں چرا رہا تھا۔ یہ سن کر وہ خاموش ہو گئے۔ (کتاب الخراج: ۴۳)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے دور میں یہ پالیسی اپنائی۔ اب اتنے بڑے بڑے وظیفے دینے کے لیے ایک بیت المال کا ہونا نہایت ضروری تھا تاکہ پورا سال اس میں رقوم جمع ہوں اور سال کے بعد وہ لوگوں میں تقسیم ہوں۔ پھر سلطنت میں وسعت پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ آمدنی میں بھی وسعت پیدا ہوئی۔ اس وجہ سے ضروری ہوا کہ حکومت کی جانب سے ایک بیت المال (Exchequer) قائم کیا جائے۔ چنانچہ ۱۵ھ میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بحرین کا گورنر مقرر فرمایا۔ وہ سال کے آخر میں پانچ لاکھ درہم کی ایک خطیر رقم اپنے ساتھ لائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب فرما کر ان کی رائے پوچھی کہ اس مال کو کیا کیا جائے؟ کیونکہ اس سے قبل اتنی بڑی رقم کبھی نہیں آئی تھی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ جو رقم آئے وہ ہر سال تقسیم کر دی جائے جیسے ابوبکر رضی اللہ عنہ کیا کرتے تھے۔ لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے اس کے خلاف تھی۔ ولید بن ہشام نے کہا: ''میں نے شام کے بادشاہوں کے ہاں دیکھا ہے کہ خزانہ اور دفتر کا جدا جدا محکمہ قائم ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی اس تجویز کو پسند فرمایا اور سب سے پہلے مدینہ طیبہ میں بیت المال کی بنیاد رکھی۔ یہ پورے ملک کا سب سے بڑا خزانہ (Main Treasury) تھا۔ اب اس کی نگرانی اور آمد و خرچ کے حساب کتاب کے لیے ایک افسر خزانہ (Treasury officer) کی ضرورت تھی جو نہایت قابل بھی ہو اور دیانت دار بھی۔ آپ نے نہایت سوچ بچار کے بعد مشہور صحابی رسول سیدنا عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ کو لکھنے پڑھنے کی اہلیت اور حساب کتاب کا نہایت ماہر ہونے کی بنا پر افسر خزانہ مقرر فرمایا۔ کام چونکہ زیادہ تھا اس وجہ سے آپ نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عبید رضی اللہ عنہ اور معقیب رضی اللہ عنہ کو ان کی ماتحتی میں دے دیا۔ یہ دونوں حضرات مدینہ طیبہ میں اکاؤنٹ میں بہت ماہر اور دیانت دار تھے۔ سیدنا معقیب رضی اللہ عنہ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انگشتری بردار ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔

دارالخلافہ میں بیت المال قائم کرنے کے بعد آپ نے ہر صوبہ اور ڈویژن کے سربراہوں کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنے اپنے صوبوں میں بیت المال بنائیں اور ان کے حساب کتاب کے لیے ماہر اکاؤنٹس اور دیانت دار لوگ رکھیں تاکہ حساب شفاف اور ہر قسم کے شک و شبہ سے

Marfat.com

پاک ہو۔ چنانچہ اصفہان میں خالد بن حارث رضی اللہ عنہ کو اور کوفہ میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو خزانے کا افسر مقرر کیا گیا۔ اس طریقہ سے تمام صوبوں اور ڈویژنوں میں افسران خزانہ مقرر کر کے بیت المال کا الگ محکمہ قائم کر دیا گیا۔ کوفہ کے بیت المال کی عمارت طبری کے بیان کے مطابق نہایت وسیع وعریض تھی۔

عمارتوں کی تعمیر کے بارہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نہایت کفایت شعاری سے کام لیتے تھے۔ وہ چونے اور پتھر کی مستحکم، شاندار اور بڑی بڑی عمارتیں بنانے کے حق میں نہیں تھے۔ وہ قومی آمدنی کو عمارتوں کے منجمد سرمایہ (Capital Dead) میں صرف نہیں کرنا چاہتے تھے، لیکن بیت المال میں چونکہ چوری کا امکان بھی تھا، لہٰذا ان کی عمارتیں نہایت مضبوط اور مستحکم بنائیں۔ مدینہ کے بیت المال کی عمارت بھی نہایت مضبوط بنائی گئی۔ کوفہ کا بیت المال ''قصر سعد'' میں تھا۔ جس کی عمارت کو جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے، روزبہ نامی ایک ایرانی انجینئر نے تعمیر کیا تھا اور اس کے لیے پتھر اور مسالہ ایرانی بادشاہوں کی عمارات سے آیا تھا۔ یہ عمارت چونکہ کوفہ کی جامع مسجد سے الگ تھلگ تھی لہٰذا اس میں چوری ہوگئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس نقب زنی کا پتہ چلا تو آپ نے گورنر کوفہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ بیت المال کو مسجد کوفہ کی عمارت سے ملا دیا جائے کیونکہ مسجد نمازیوں کی وجہ سے ہمیشہ پر ہجوم رہتی ہے لہٰذا نقب زنی کا خطرہ نہیں رہے گا۔ چنانچہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے تعمیل حکم کی اور اس طرح چوری اور نقب زنی کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔ تاریخ کے رپورٹرز بتاتے ہیں کہ بعد میں بیت المال کی عمارتوں پر پہرہ دار بھی بٹھائے گئے۔

بیت المال کے مداخل ومخارج کا طریقہ یہ تھا کہ ہر صوبہ کی آمدن صوبہ کے بیت المال میں جمع ہوتی اور پھر وہاں کے مصارف میں استعمال ہوتی۔ مصارف کے بعد جو رقم بچتی وہ مرکزی خزانہ (Central Exchequer) میں منتقل ہو جاتی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کے بارہ میں صوبوں کے گورنروں کے نام مختلف اوقات میں مختلف ہدایات اور احکام ارسال فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ کتابوں میں گورنر مصر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے نام ان کا یہ فرمان ملتا ہے کہ خزانہ میں جو آمدنی جمع ہوئی ہو، اس میں سے مسلمانوں کے ضروری اخراجات اور وظائف دے کر جو رقم بچے وہ مرکزی بیت المال مدینہ طیبہ میں بھیج دو۔

بیت المال کے حساب وکتاب کے لیے مختلف رجسٹر تیار کیے گئے۔ اس وقت تک

Marfat.com

عرب میں منتقل سن کا رواج نہ تھا، لہٰذا آپ نے ۱۶ھ میں سن ہجری ایجاد کر کے اس کمی کو پورا فرما دیا۔ بیت المال کی آمدنی کے ذرائع حسب ذیل تھے۔ خراج، جزیہ، زکوٰۃ، عشر، صدقات، خمس، ضرائب، محصول، فے، غنیمت، کراء الارض، عشور (تجارتی ٹیکس) وغیرہ۔

مرکزی بیت المال کی وسعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مدینہ منورہ کے باشندوں کے وظائف اور ان کی تنخواہوں کا سالانہ خرچ تین کروڑ درہم تھا۔ اس سے حکومت کی آمدنی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یعقوبی نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حکومت کی جو آمدنی بتائی ہے وہ قریباً ۱۴۵ ملین درہم اور ۱۸۹۲ ہزار دینار کے قریب ان علاقوں کی ہے جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتح ہوئے تھے۔ (یعقوبی: ۲/۲۷۷۔۲۷۸) ان میں سے بعض علاقوں کی آمدنی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں زیادہ تھی۔ بہرحال آپ کے زمانہ کی کل آمدنی کتنی تھی، تاریخ کے صفحات سے اس کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نہ صرف بیت المال بنایا بلکہ بیت المال کی حفاظت کے اصول بھی وضع کیے۔ آپ نے اس بیت المال کے ایک ایک حبہ کی حفاظت کی اور اس کو بے محل صرف نہ ہونے دیا۔ بیت المال کا ایک ایک اونٹ اور گھوڑا حلیہ کے ساتھ ان کے رجسٹر میں درج تھا اور اس کو اللہ اور قوم کی امانت سمجھتے ہوئے اس کی حفاظت فرمائی۔ بیت المال میں قیصر و کسریٰ کی دولت اونٹوں پر لدی آ رہی تھی، لیکن آپ کا اپنا اس دولت میں حصہ صرف اتنا تھا جس سے ان کا معمولی گھر چلتا تھا۔ اس مال سے ادنیٰ سا ذاتی فائدہ اٹھانا وہ اپنے لیے حرام سمجھتے تھے۔ چنانچہ طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق بیماری کی حالت میں بیت المال سے معمولی سا شہد لینا بھی گوارا نہ کیا جب تک کہ مسجد میں جا کر تمام مسلمانوں سے اس کی اجازت نہ لے لی۔

ایک مرتبہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیت المال کا جائزہ لیا تو اس میں سے صرف ایک درہم نکلا۔ انہوں نے وہ درہم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایک بچے کو دے دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو آپ نے وہ درہم واپس لے کر بیت المال میں جمع کروا دیا اور سیدنا ابوموسی رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی رسول کو بلا کر فرمایا ''تمہیں سارے مدینہ میں آل عمر رضی اللہ عنہ کے سوا اور کوئی کمزور نظر نہ آیا۔ تم چاہتے ہو کہ روز قیامت امت مسلمہ کا ہاتھ میری گردن پر ہو۔'' (کنزل العمال: ۶: ۳۵)

ایک مرتبہ آپ نے ایک نہایت فربہ اور موٹا اونٹ مدینہ کی منڈی میں فروخت ہوتے دیکھا۔ پوچھا یہ کس کا اونٹ ہے؟ بتایا گیا کہ آپ کے صاحبزادے عبداللہ کا۔ آپ نے

Marfat.com

عبداللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا یہ اونٹ کہاں سے آیا اور اتنا موٹا تازہ کیوں ہے؟ انہوں نے عرض کی'' میں نے اسے خرید کر سرکاری چراگاہ میں بھیج دیا تھا۔ یہ وہاں چر کر موٹا ہوگیا ہے۔ اس لیے اسے فروخت کر رہا ہوں۔'' آپ نے فرمایا'' چونکہ یہ سرکاری چراگاہ میں چر کر فربہ ہوا ہے اس لیے تم اتنی ہی قیمت کے مستحق ہو جتنے میں خریدا تھا۔'' آپ نے اس کی زائد قیمت بیت المال میں جمع کرادی۔ (کنز العمال: ۶/ ۳۵)

اسی طرح ایک مرتبہ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کو تلاش کرنے نکلے۔ عین اس وقت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ آپ سے ملنے کے لیے آئے۔ دیکھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آستینیں چڑھائے ادھر ادھر بھاگ رہے ہیں۔ سیدنا احنف رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر فرمایا:'' آؤ تم بھی اس میں میرا ساتھ دو۔ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے اور تمہیں پتہ ہے کہ ایک اونٹ میں کتنے غریبوں کا حق ہے۔'' اتنے میں ایک شخص بولا۔ امیر المومنین! آپ کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں، کسی غلام سے فرمایئے وہ ڈھونڈ لائے گا۔ فرمایا مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہوسکتا ہے۔ (ای عبد اعبد منی) (کنز العمال: ۶/ ۳۵۴)

بیت المال کی حفاظت کے سلسلہ میں یہ واقعہ بھی کتابوں میں موجود ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے جو ایک متمول آدمی تھے، قرض مانگا۔ انہوں نے کہا:'' امیر المومنین! آپ بیت المال سے قرض لے سکتے ہیں۔'' فرمایا'' لے تو سکتا ہوں لیکن لوں گا نہیں کیونکہ اگر میں ادا کرنے سے قبل مر گیا تو تم لوگ میرے وارثوں سے مطالبہ نہ کرو گے اور میں یہ بار اپنے اوپر لے کر جاؤں گا۔ لہٰذا ایک ایسے شخص سے قرض لینا چاہتا ہوں جو میرے متروکہ سے وصول کرنے پر مجبور ہو۔'' (طبقات ابن سعد: ۳/ ۹۹)

اس طرح کے بے شمار واقعات تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔

Marfat.com

اسلام کی نشر واشاعت اور سید نا عمر رضی اللہ عنہ

ایک اسلامی حکومت کا مقصد وحید دنیا میں اسلام کی نشر واشاعت ہے۔ سید نا عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت کی خصوصیت بھی یہی تھی کہ انہوں نے دور دور تک اسلام لوگوں کے دلوں میں اتار دیا۔ آپ کا مقصد اسلام کو تلوار کے زور پر پھیلانا نہیں تھا جیسا کہ بعض مستشرقین یہ الزام لگاتے ہیں۔ اسلام اپنے ذاتی محاسن کی وجہ سے پھیلا اور اس نے جس سرعت کے ساتھ لوگوں کے دلوں کو مسخر کیا اس کی نظیر کسی مذہب میں نہیں ملتی۔

سید نا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اسلام کی بہت اشاعت ہوئی اور اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں نے غیر قوموں کو اسلام کا جو نمونہ دکھایا اس کی جاذبیت کی وجہ سے ان کے دل اسلام کی طرف کھنچ گئے۔ اسلامی افواج جس ملک اور شہر میں جاتیں لوگوں کے دلوں میں ان کو دیکھنے کا شوق پیدا ہو جاتا اور وہ یہ سن کر ورطہ حیرت میں ڈوب جاتے کہ چند صحرا نشین جنہیں دنیا اس سے قبل جانتی تھی، دنیا کی تسخیر کا جذبہ لے کر اٹھے ہیں۔ وہ ان کے سامان حرب وضرب کی کمزوری اور ان کے جذبوں کی مضبوطی اور بلندی کو دیکھ کر اور بھی متاثر ہوتے۔ وہ جب ان سے آ کر ملتے تو دیکھتے کہ ایک ایک مسلمان سچائی، دیانت، راست بازی، سادگی، اخلاص اور پاکیزگی کی زندہ تصویر ہے تو مسلمانوں کی یہ خوبیاں انہیں اپنی طرف کھینچیں اور چند ہی روز میں اسلام ان کے دلوں کی اتھاہ گہرائیوں میں جم جاتا اور پھر نکالے نہ نکلتا۔

جنگ یرموک میں عین معرکہ کے وقت رومی لشکر کے مقدمتہ الجیش کا سپہ سالار اپنی صف سے نکل کر میدان میں آیا اور مسلمانوں کے لشکر کے سپہ سالار سید نا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو آواز دی۔ سید نا خالد رضی اللہ عنہ میدان جنگ میں مقابلہ کے لیے تشریف لائے اور جارج (مقدمتہ الجیش کے سپہ سالار کا نام) کے متصل اس طرح کھڑے ہو گئے کہ دونوں کے گھوڑوں کی گردنیں

Marfat.com

مل گئیں۔ جارج نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں آپ سے کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں، مجھے بغیر کسی دھوکہ کے اس کا صحیح جواب دینا کیونکہ شریف آدمی جھوٹ نہیں بولتا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''آپ جو پوچھیں گے میں اس کا صحیح صحیح جواب دوں گا۔'' جارج نے کہا: ''کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی پر کوئی تلوار نازل فرمائی ہے؟ اور نبی نے وہ تلوار تم کو دی ہے؟ اور جب تم کسی دشمن پر حملہ کرتے ہو تو اسے شکست سے دوچار ہونا پڑتا ہے؟'' سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ''اللہ تعالیٰ نے کوئی تلوار نازل نہیں فرمائی۔'' جارج نے پوچھا: ''پھر آپ کا نام ''سیف اللہ'' (اللہ کی تلوار) کیوں ہوا؟'' سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو ہماری طرف مبعوث فرمایا۔ بعض نے ان کے دعویٰ نبوت کی تصدیق کی اور بعض نے تکذیب کی۔ میں بھی ان کی تکذیب کرنے والوں میں سے تھا۔ لیکن بعد میں اللہ نے میرے دل کو پھیر دیا اور میں آپ پر ایمان لے آیا۔ آپ نے مجھے سیف اللہ کا خطاب دیا اور میرے لیے نصرت اور کامیابی کی دعا فرمائی۔ اس روز سے میرا نام سیف اللہ ہو گیا۔'' جارج نے کہا یہ تو آپ نے درست فرمایا۔ اب یہ فرمایئے کہ تم لوگ ہمیں کس بات کی دعوت دیتے ہو؟ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اسلام کی دعوت ان کے سامنے بیان فرمائی۔

آخر میں جارج نے کہا کہ اگر کوئی شخص تمہاری دعوت کو مان لے اور اسلام قبول کر لے تو؟ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ایسا شخص ہمارے برابر ہو جاتا ہے۔ اس کے حقوق ہمارے حقوق کے برابر ہیں اور ویسے بھی ہمارے دین میں مکمل مساوات ہے، ادنیٰ و اعلیٰ اور اشراف اور غیر اشراف سب ایک جیسے ہیں۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی اس گفتگو اور اسلام کے اصولوں کی اس جاذبیت نے جارج کے دل کو اپنی طرف کھینچ لیا اور وہ اپنے دو ہزار ساتھیوں کے ساتھ حلقہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ کسی شخص نے جارج پر اور اس کے ساتھیوں پر تلوار نہیں چلائی تھی اور وہ اسلام کی دعوتی خوبیوں سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ (ابن اثیر: ۲/ ۱۵۸)

سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حمص کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ سخت سردی کا موسم تھا۔ اہل حمص نے باہم مشورہ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ لڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مسلمانوں کو محاصرہ کیے پڑے رہنے دینا چاہیے۔ یہ لوگ سردی کو برداشت نہیں کر سکیں گے۔ یہ موزے بھی نہیں پہنتے اور ان کے جوتے بھی کچھ اس قسم کے تھے کہ شدت سردی کے باعث ان کے پاؤں پھٹ جائیں گے اور بالآخر سردی اور برف کی وجہ سے ان کی انگلیاں گرنے لگیں گی اور یہ گھبرا کر لوٹ جائیں گے

Marfat.com

اوران کی یہ بات درست بھی تھی کیونکہ اہل عرب سردی برداشت کرنے کے خوگر نہ تھے۔ مسلمانوں نے محاصرہ جاری رکھا لیکن تائید الٰہی سے ان کے پاؤں پر سردی نے کچھ اثر نہ کیا اور کسی کی کوئی انگلی نہ گری۔ جب سردی کا موسم گزر گیا اور مسلمانوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچی تو ان کے ایک تجربہ کار بوڑھے نے اہل حمص سے کہا: ''جاڑا تو گزر گیا اور تمہاری کوئی امید پوری نہ ہوئی۔ اب تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم مسلمانوں سے صلح کرلو کیونکہ ''یہ وہ قوم ہے جن کی غیب سے تائید اورنصرت ہوتی ہے۔ تمہارا ان کے پاس عہد و پیمان کے بعد جانا اس سے بہتر ہے کہ زبردستی پکڑے ہوئے جاؤ۔ تم میری بات اس وقت مانو گے تو قابل تعریف قرار پاؤ گے ورنہ بعد میں مجبور ہو کر مانو گے اور قابل مذمت بنو گے۔''

ان لوگوں نے کہا کہ بوڑھا سٹھیا گیا ہے اور اس کو لڑائی کا کوئی تجربہ نہیں۔ اس بوڑھے کے اس مشورہ کے بعد ایک روز مسلمانوں نے قلعہ پر حملہ کیا اور بآواز بلند تکبیر کہی تو حمص شہر کے اندر زلزلہ آ گیا۔ دیواریں گر پڑیں۔ اہل شہر نے جب یہ حالت دیکھی تو سخت گھبرائے اور اس تجربہ کار بوڑھے کے پاس گئے جس نے انہیں پہلے صلح کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس نے پھر انہیں وہی مشورہ دیا۔ چنانچہ اہل حمص نے قلعہ کی دیواروں پر کھڑے ہو کر صلح کی خواہش ظاہر کی اور انہی شرائط پر صلح کر لی جن شرائط پر اہل دمشق نے صلح کی تھی۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ تاریخ نے اپنے سینے میں محفوظ کر رکھا ہے کہ یزدگرد بادشاہ فارس نے مدائن کے فتح ہو جانے کے بعد اپنے سرداروں اور سپہ سالاروں کو جمع کر کے مشورہ کیا اور بالآخر فیصلہ کے مطابق یزدگرد نے بہت بڑے سپہ سالار کو جس کا نام ''سیاہ'' تھا ستر (۷۰) بڑے بڑے افسروں اور امیروں کے ساتھ سوس کی حفاظت کے لیے بھیجا، لیکن اہل سوس ان لوگوں کے پہنچنے سے قبل ہی مصالحت کر چکے تھے۔ اس لیے سیاہ کو مجبوراً رامہرز اور تستر کے درمیان خیمہ زن ہونا پڑا۔ سیاہ جس عظیم الشان لشکر اور شان و شوکت کے ساتھ آیا تھا اس کی فکر مسلمانوں کو بھی تھی، کیونکہ ایران کے منتخب اور چیدہ چیدہ سردار اور اس کے ہم رکاب تھے۔ ایران کے افسر اعلیٰ سیاہ نے ان سرداروں کو جو اس کے ساتھ اور ماتحتی میں تھے، جمع کر کے کہا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ ہم ہمیشہ سے سنتے چلے آئے ہیں کہ یہ لوگ اس مملکت پر غالب آ جائیں گے اور اصطخر کے شاہی محلات میں ان کے گھوڑے بندھیں گے اور اس وقت ان کی فتوحات سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ یہ خیال کس قدر متیقن ہو گیا اور ایک بڑے سردار شیرویہ کو دس

Marfat.com

افسروں کے ساتھ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے گفتگو کرنے بھیجا۔

شیرویہ نے اپنی قوم کا پیغام پہنچایا کہ ہم برغبت مسلمان ہونا چاہتے ہیں، لیکن اس شرط پر کہ تمہارے ساتھ مل کر ہم اہل عجم کے ساتھ مقابلہ تو کریں گے مگر اہل عرب سے نہ لڑیں گے اور اگر کسی عربی نے ہم سے لڑائی کی تو تم پر ہماری حفاظت لازمی ہوگی۔ نیز یہ کہ بیت المال میں سے ہم کو وہ حصہ دیا جائے جو تم میں کے اشراف اور سرداروں کو دیا جاتا ہے اور یہ کہ عہد نامہ امیر المومنین کی تصدیق سے مرتب کیا جاوے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے یہ مطالبات لکھ کر بھیجے گئے۔ آپ نے فوراً انہیں منظور کرلیا۔ چنانچہ سیاہ اپنے تمام افسروں اور فوج کے ساتھ مسلمان ہوگیا اور یہ سب لوگ تستر کے محاصرہ میں سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوئے۔ پہلے تو سیاہ نے اپنی مردانگی، بہادری اور خوش تدبیری کے جوہر دکھائے اور پھر آخر میں اپنی ملکی وردی پہن کر اور اس پر خون کے چھینٹے ڈال کر قلعہ کی دیوار کے نیچے جا پڑا۔ کسی شخص نے اوپر سے دیکھا اور وردی سے یہ اندازہ لگایا کہ ہمارا کوئی زخمی آدمی پڑا ہے۔ چنانچہ چند آدمیوں نے دروازہ کھول کر اس کو اندر لے جانا چاہا۔ لیکن جب وہ لوگ قریب گئے تو سیاہ نے کھڑے ہو کر مقابلہ شروع کردیا۔ وہ گھبرا کر بھاگے تو سیاہ نے اکیلے ہی قلعہ کے دروازے پر قبضہ کرلیا اور اس کے پیچھے مسلمانوں کا لشکر جلدی سے قلعہ میں داخل ہوگیا۔ اور اس طرح سیاہ کی جرأت وہمت سے قلعہ فتح ہوگیا۔ یہ ایک خاص جگہ کا واقعہ ہے جس میں ہزاروں ایرانی اسلام میں داخل ہوئے۔

اس واقعہ سے پتہ چلا کہ اسلام کی حقانیت اور مسلمانوں کے شام اور عراق پر قبضہ کرنے کا علم ہر دو ملکوں کے اہل علم کو مذہبی روایات کی رو سے تھا۔ دوسرے یہ کہ لوگ اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے، کوئی لالچ اور طمع ان کے اسلام کا باعث نہیں تھا، تیسرے یہ کہ مسلمان جب کسی ملک یا شہر میں صلح کر کے داخل ہوئے یا فتح کر کے اور اس جگہ کے لوگوں کو مسلمانوں کے ساتھ مل کر رہنے کا اتفاق ہوا، میل جول کا موقع ملا، ان کے معاملات کو دیکھا، ان کی راست بازی، خدا پرستی، دینداری اور تمام ان برگزیدہ اوصاف کا مشاہدہ کیا جو ایک ہادی قوم کے لیے ہونی چاہئیں تو خود بخود اسلام کی محبت ان کے دلوں میں راسخ ہوگئی اور بخوشی ورغبت سرکش گردنوں کو اسلام کے سامنے جھکاتی گئی۔

اسلام کی اشاعت خود اس کی دعوت کی جاذبیت میں مضمر تھی۔ مسلمان تو اس دعوت کے علم بردار تھے۔ ایک غریب قوم جس کی معاشی حالت بھی ٹھیک نہ تھی۔ جن کے پاس سامان

Marfat.com

حرب وضرب بھی نہایت نکما اور دقیانوسی تھا، لیکن سینوں میں وہ پیغام تھا جس کو اللہ تعالی نے اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام دنیا کی فلاح اور اصلاح کے لیے اتارا تھا، وہ اس پیغام کے داعی تھے اور دنیا نے دیکھ لیا کہ اسی پیغام کی دعوت دینے کے لیے وہ دنیا میں گاؤں گاؤں، شہر شہر اور قریہ قریہ پھرے اور اپنی جان تک کی بھی پرواہ نہ کی۔ ایران کے ایک معرکہ میں جب مجوسیوں کا ایک مشہور سورما اور بہادر بھاگ نکلا اور فوج کے سپہ سالار نے اس کو گرفتار کر کے میدان جنگ سے بھاگنے کے جرم کی سزا دینا چاہی تو اس نے ایک بڑے پتھر کو تیر سے توڑ کر سردار لشکر سے کہا کہ یہ تیر بھی جن لوگوں پر اثر نہیں کرتے ان سے لڑنا بیکار ہے۔ کیونکہ خدا ان کے ساتھ ہے اور جن کے ساتھ خدا ہو وہ کبھی بھی شکست نہیں کھا سکتے۔ اسی طرح کا جواب ہرمزان نے بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو دیا تھا۔ ایک ایرانی اپنے دادا کا بیان نقل کرتا ہے کہ ''قادسیہ کی جنگ میں میں بھی رستم کی فوج میں تھا اور مسلمانوں کے خلاف برسر پیکار تھا۔ عربوں نے جب تیر اندازی شروع کی تو ہم نے ان کے باریک اور چھوٹے چھوٹے تیروں کو دیکھ کر کہا کہ یہ تکلے ہیں، ان سے کیا ہوگا، لیکن ان تکلوں نے ہماری سلطنت برباد کر کے رکھ دی۔''

خسرو پرویز شہنشاہ ایران کا شاہی رسالہ (Imperial Gurard) سارے کا سارا مسلمان ہو گیا۔ تلوار سے نہیں بلکہ اسلام کی حقانیت کو دیکھ کر (فتوح البلدان: ۲۸۰)۔

مسلمانوں نے جس زمانے میں قادسیہ کے میدان میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھے اور رستم، وزیر دفاع فارس سے بات چیت جاری تھی تو سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ کو ملسیان کی فتح کے لیے روانہ کیا۔ عاصم رضی اللہ عنہ جب ملسیان پہنچے تو دشمن قلعہ میں محصور ہو گیا۔ مسلمانوں کو رسد اور دودھ اور گوشت حاصل کرنے میں دشواری پیش آئی۔ عاصم رضی اللہ عنہ نے ہر چند کوشش کی کہ کہیں سے گائے، بیل اور بکریاں دستیاب ہو جائیں۔ اتفاقاً ایک جنگل کے کنارے پر ایک ایرانی چرواہا ملا۔ اس سے انہوں نے پوچھا کہ دودھ اور بار برداری کے مویشی کہاں ہیں؟ اس نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا کہ مجھے علم نہیں، لیکن اسی وقت جنگل کے اندر سے ایک بیل نے بآواز بلند کہا: ''کذب عدو الله'' یعنی دشمن خدا جھوٹ کہتا ہے ہم تو یہاں موجود ہیں۔ یہ آواز سنتے ہی عاصم اس بن میں داخل ہوئے اور سب گائے، بیلوں کو ہانک کر لے آئے اور لشکر میں تقسیم کر دیا اور دودھ اور گوشت کی کمی جاتی رہی۔

مصر میں بھی اسلام کثرت سے پھیلا۔ فسطاط میں ایک محلہ تھا جہاں صرف نومسلم

Marfat.com

مجوسی آباد تھے اور یہ محلہ انہی کے نام پر "پارسیوں کا محلہ" کہلاتا تھا۔ یہ لوگ ایرانی تھے اور باذان بن نوشن کے آدمی تھے جو نوشیروان کی طرف سے یمن کا گورنر تھا۔ یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ فتح مصر میں شریک تھے اور پھر یہیں آباد ہو گئے۔ اسی طرح فسطاط (موجودہ قاہرہ) میں تین بڑے بڑے محلے تھے۔ جہاں زیادہ تر وہ لوگ آباد کیے گئے جو نومسلم تھے ان میں ایک محلہ بنونبہ کا تھا جو ایک یونانی خاندان تھا۔ دوسرا محلہ بنوالازرق کے نام پر تھا۔ یہ بھی یونانی تھے اور مصر کی جنگ میں ان کے چار سو جانباز سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک تھے۔ تیسرا محلہ روبیل کے نام سے موسوم تھا۔ یہ لوگ یرموک اور قیساریہ سے مسلمان ہو کر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ فتح مصر کے لیے چلے آئے تھے۔ یہ ایک بہت بڑا یہودی خاندان تھا۔ اس کے ایک ہزار آدمی فتح مصر میں سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک تھے۔

(مقریزی: ۱/ ۲۹۸)

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے شروع میں مصر کے بعض قصبات کے لوگوں کو مسلمانوں سے لڑنے کی وجہ سے گرفتار کر کے لونڈی اور غلام بنایا اور پھر وہ تقسیم ہو کر عرب میں پھیل گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے ان سب کو ہر جگہ سے واپس بلا کر مصر واپس بھیج دیا اور گورنر مصر کو لکھا کہ ان کو اختیار ہے کہ وہ اسلام لائیں یا اپنے قدیم مذہب پر قائم رہیں۔ اس بات نے ان کے دلوں پر ایک خاص اثر کیا۔ چنانچہ ان میں سے اکثر و بیشتر بلکہ ان کے دوسرے عزیز و اقارب بھی مسلمانوں کے اس حسن سلوک کو دیکھ کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

(مقریزی: ۱/ ۱۶۶)

مختصر یہ کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اسلام کثرت سے پھیلا اور ہندوستان سے لے کر براعظم یورپ تک لوگوں میں اسلام کی نہ صرف شناسائی ہوئی بلکہ قبولیت بھی ہو گئی اور ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں انسانوں نے اسلام کی صداقت کے پیش نظر اس کو قبول کیا۔

قرآن حکیم کی تدوین میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مساعی:

قرآن حکیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بیک وقت اور ایک بار اس ترتیب سے نازل نہیں ہوا جس پر آج اس کی تلاوت کی جاتی ہے بلکہ متفرق اوقات میں تھوڑا تھوڑا تئیس (۲۳) سال کی مدت میں نازل ہوا اور جس قدر حصہ نازل ہوتا آپ اس کے لکھنے کا حکم فرما دیتے۔ کاتبین اور حفاظ

Marfat.com

کی جماعت جو آپ کی مجلس میں حاضر ہوتی وہ ان آیات کی کتابت کر لیتی، لیکن کتابت مروجہ طریقہ سے بالترتیب کسی ایک مجموعہ یا صحیفہ میں نہیں ہوتی تھی بلکہ متفرق اوراق، کھجور کی چھالوں، چمڑے کے ٹکڑوں اور بکری کے شانوں اور ہڈیوں پر لکھ لیا جاتا تھا اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اسی ترتیب کے ساتھ یاد کر لیا کرتے تھے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہوتی اور یاد کرایا ہوتا، اور اپنے الواح قلوب پر کلام اللہ کو محفوظ اور نقش کر لیتے۔

حفظ قرآن کی یہ شان خود قرآن حکیم نے بیان کر دی ہے۔ ''بل هو آيات بينات في صدور الذين اوتو العلم'' یعنی وہ آیات بینات ہیں جو اہل علم یعنی حفاظت کلام اللہ کے سینوں میں محفوظ ہیں۔ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''حفظ کرنا اس امت کی خصوصیت ہے ورنہ اس سے پہلے کے لوگ اپنی کتابوں کو بن دیکھے نہیں پڑھ سکتے تھے۔ ان کے انبیاء ہی اپنی کتابوں کے حافظ ہوتے تھے۔ اس آیت میں حضور علیہ السلام کے صحابہ اور اس امت کے مومنین مراد ہیں جو قرآن حکیم کی تلاوت بھی کرتے ہیں اور اسے یاد بھی کرتے ہیں۔''

(تفسیر قرطبی: ۳/۳۵۴)

شیخ السلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

''یعنی پیغمبر نے کسی سے لکھا پڑھا نہیں بلکہ یہ وحی جو ان پر آئی ہمیشہ کو بن دیکھے سینہ بسینہ جاری رہے گی۔ اللہ کے فضل سے علماء اور حفاظ وقراء کے سینے اس کے الفاظ و معانی کی حفاظت کریں گے اور آسمانی کتابیں حفظ نہ ہوتی تھیں۔ یہ کتاب حفظ ہی سے باقی ہے لکھنا اس پر افزود ہے۔'' (فوائد عثمانی: ۵۲۲)

پتہ چلا کہ قرآن کی حفاظت دو طریقوں سے کی گئی۔ ایک کتابت سے دوسرے حفظ سے۔ کیونکہ قرآن حکیم کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہوئی ہے۔ قرآن حکیم ہی میں ارشاد فرمایا۔

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (الحجر: ۹)

''بے شک ہم ہی نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ محافظ دراصل حق تعالیٰ شانہ خود ہیں اور ان کے ۔۔۔ کی حفاظت ہے، لیکن عالم اسباب میں اس کی حفاظت کا من جملہ دوسرے طریقوں کے ایک

Marfat.com

کتابت کا طریقہ ہے اور دوسرا حفظ کا، کہ اللہ تعالیٰ نے کروڑ ہا انسانوں کے سینوں میں قرآن کریم کو محفوظ فرما دیا۔ اس سے قبل جتنی کتابیں نازل ہوئیں وہ سب ایک خاص قوم اور وقت معینہ تک کیلئے ہوتی تھیں، لیکن قرآن حکیم چونکہ سارے عالم کے لیے اور ہمیشہ کے لیے ہے اس لیے اس میں اہتمام کی ضرورت تھی کہ قیامت تک ایک نقطہ اور حرکت میں بھی تبدیلی نہ ہو سکے اور ایسی حفاظت قادر مطلق ہی کر سکتا ہے۔ اس قادر مطلق نے جہاں کتابت قرآن اور حفظ قرآن کے ذریعہ قرآن کے الفاظ کی حفاظت کی وہاں اس طریقہ سے بھی حفاظت کرائی کہ تواتر کے ساتھ قرآن حکیم کی تلاوت کی جاتی رہی اور کی جاتی رہے گی، اور ہر قرن اور زمانے میں لاکھوں سینوں کی امانت بنا رہا اور بنا رہے گا۔ ایسے ہی حفاظ کے ذریعے قرآن حکیم کی حفاظت کرائی گئی جن کو محیر العقول حافظے عنایت کیے گئے۔ اس طرح امت کے ہاتھوں کلام خداوندی کی حفاظت من جانب اللہ کرائی گئی۔ اسی طرح اس کی کتابت سے بھی مقصود خداوندی حفاظت ہی تھا۔

آیت میں "لحافظون" مطلق لایا گیا جس سے عربیت کے اصول کے مطابق حفاظت کا فرد کامل مراد لیا جانا ضروری ہے۔ (المطلق اذا اطلق یراد بھا الفرد الکامل) اور حفاظت کاملہ وہی ہے جو لفظ و معنی دونوں کو شامل ہوا۔ اس لیے آیت کا حاصل یہ نکلا کہ ہم ہی قرآن کے لفظوں کے بھی محافظ ہیں اور اس کے معانی اور بیان کے بھی ہم ہی محافظ ہیں۔

اسی بارہ میں علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم کو ایک ہی مصحف میں یکجا اس لیے نہیں کیا کہ کسی حکم یا آیت کے منسوخ ہونے کا احتمال تھا۔'' (الاتقان: ۸۵)

علامہ خطابی کی اس توجیہ کو نقل کرنے کے بعد شیخ الاسلام حافظ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر قرآن حکیم کا نزول ختم ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے خلفائے راشدین کے دل میں یہ بات ڈال دی تاکہ اس کا وہ سچا وعدہ جو اس امت محمدیہ کے لیے قرآن حکیم کو محفوظ رکھنے کا تھا، پورا ہو۔ حفاظت قرآن کے اس وعدہ کو پورا کرنے کی یہ ابتداء سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے ہوئی۔''

(عمدۃ القاری)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات القراء میں فرمایا ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک مخصوص جماعت قرآن حکیم کی کتابت پر مامور اور مقرر تھی۔ اسی جماعت کے رکن سیدنا زید بن

Marfat.com

ثابت رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حاکم بیان کرتے ہیں کہ قرآن حکیم تین مرتبہ جمع ہوا۔ ایک بار تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کہ جس وقت جو آیت نازل ہوئی آپ اپنے حکم سے اس کو کتابت کرا دیتے اور فرما دیتے کہ اس آیت کو فلاں فلاں سورت اور فلاں آیت کے بعد لکھو جیسا کہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات سے ظاہر ہے۔

قرآن حکیم کی کتابت کے لیے آپ نے خاص خاص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو منتخب کر رکھا تھا۔ مکہ مکرمہ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ وغیرہم کاتبین وحی تھے۔ مدینہ منورہ میں سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ، سیدنا تمیم الداری رضی اللہ عنہ، سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ، سیدنا ابو زید رضی اللہ عنہ سیدنا سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ، سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، سیدنا عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن عبید رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے کئی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اس خدمت پر مامور تھے۔ مشہور محدث ابن سید الناس رحمۃ اللہ علیہ نے ۳۸ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فہرست دی ہے جو کاتبان وحی تھے اور سیرت حلبیہ میں بیس کاتبان وحی کے نام ہیں۔ (عیون الاثر: ۳۱۵۲، سیرت حلبیہ: ۲/۳۲۱)

جن حضرات نے عہد نبوی میں پورا قرآن حکیم جمع کیا تھا ان میں سے دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام طبقات ابن سعد میں ملتے ہیں۔ (طبقات ابن سعد: ۲/۱۱۲)

جمع وتدوین قرآن عہد صدیقی میں:

قرآن حکیم عہد نبوی میں پورے کا پورا ضبط تحریر میں آ چکا تھا اور اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس متعدد نقلیں موجود تھیں۔ لیکن یہ متعدد مصاحف میں تھا جس کا مجموعی نام قرآن تھا۔ یہ قرآنی مصاحف عہد نبوی تک ایک شیرازے میں یکجا نہ ہوئے تھے۔ گو پڑھنے کے اعتبار سے سارا قرآن مرتب تھا، لیکن ابھی تک اس نے یکجا ہونے کی کتابی صورت نہ پائی تھی۔ آپ کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تحریک پر اسے ایک شیرازے میں جمع کیا اور تمام قرآنی رسالے یک جا ہو کر ایک کتابی صورت میں آ گئے۔ اگرچہ مختلف تحریروں، منتشر رقعوں اور علیحدہ علیحدہ ٹکڑوں کو یکجا کرنے کی کوششیں خود عہد نبوت ہی سے

Marfat.com

شروع ہوگئی تھیں، تاہم کامل یک جائی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں عمل میں آئی۔ امام حاکم نے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور اس کی سند کو بخاری اور مسلم کی شرطوں پر بتایا ہے کہ

كنا عند رسول الله نولف القرآن من الرقاع

''ہم لوگ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی قرآن حکیم کو مختلف ٹکڑوں سے لے کر یکجا کیا کرتے تھے۔'' (فتح الباری: ۲۰/۴۲۲ دہلی)

عہد صدیقی میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کیوں تحریک کی؟ اس کا سبب علماء نے یہ لکھا ہے کہ جنگ یمامہ میں بارہ سو مسلمان شہید ہوئے جن میں انتالیس (۳۹) کبار صحابہ رضی اللہ عنہم اور حفاظ قرآن تھے۔ یہ صرف ایک جنگ کا حال تھا اس کا احساس یقیناً سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہوگا، لیکن اپنے طبعی مذاق کی بناء پر وہ کسی ایسے کام کو کرنے کے لیے تیار نہیں تھے جس کو خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو۔ ایک روز سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جرأت کر کے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ جنگ یمامہ میں قراء اور حفاظ قرآن کی ایک بہت بڑی تعداد نے جام شہادت نوش کیا ہے۔ اس لیے اگر آپ نے قرآن حکیم کی جمع و تدوین کا کوئی مناسب بندوبست نہ کیا تو اندیشہ ہے کہ قرآن کا ایک بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر فرمایا'' میں اس کام کو کیسے کرسکتا ہوں جس کو خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔'' سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ'' یہ کام ہے تو خیر۔'' انہوں نے یہ بات بار بار کہی یہاں تک کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا شرح صدر ہوگیا۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلا کر حکم دیا کہ'' تم جوان آدمی ہو، سمجھ دار ہو، ہم تم کو متہم نہیں کر سکتے ..... تم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے، اس لیے قرآن حکیم کا تتبع (ادھر ادھر سے فراہم) کرو اور اس کو یکجا کر دو۔ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ کو ایک پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹا دینے کا حکم کرتے تو وہ اس حکم سے زیادہ گراں نہ ہوتا۔ اس کے بعد انہوں نے وہی اشکال ظاہر کیں جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کی تھیں، لیکن اس کے جواب میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہی بات کہی جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہی تھی۔ یعنی یہ کام تو خیر ہی ہے۔ آخر کچھ ردوکد کے بعد سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بھی اطمینان اور شرح صدر ہوگیا اور انہوں نے قرآن حکیم کے مختلف اجزاء جو کپڑے کے ٹکڑوں، درخت کی چھالوں اور کھجور کے پتوں پر لکھے ہوئے یا سینوں میں محفوظ تھے

Marfat.com

ان سب کو بہ کمال احتیاط یکجا کر دیا...... یہ تمام صحیفے جن میں قرآن یکجا کیا گیا تھا، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ تھے۔ آپ کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی حفاظت کی۔ آپ کی بھی وفات ہوگئی تو یہ امانت سیدہ حفصہ ام المومنین کے حصہ میں آئی۔ (بخاری: ۲/۲۷۶،۷۴۵)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لیے مامور فرمایا تو خود سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے قرآن حکیم کو کھجوروں کی شاخوں، پتھر کی تختیوں اور حفاظ کے سینوں سے جمع کرنا شروع کیا۔'' (بخاری: ۲/۷۴۵)

سیدنا زید رضی اللہ عنہ تدوین قرآن کے لیے اس کے اجزاء کا صرف لکھا ہوا مل جانا ہی کافی نہ سمجھتے تھے بلکہ یہ بھی ضروری سمجھتے تھے کہ ہر تحریر پر دو گواہ شہادت پیش کریں کہ واقعی یہ تحریر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی لکھی گئی تھی۔ پھر اس حصہ قرآن کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے سنے ہوئے ہونے پر شہادت لی جاتی تھی۔ اور یہ تمام کوششیں اس حقیقت پر مستزاد تھیں کہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ خود حافظ قرآن تھے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ کاتب وحی تھے اور خود عہد نبوت میں تدوین و تالیف قرآن کے لیے جدوجہد کرتے رہے تھے۔

سید محمود الوسی رحمۃ اللہ علیہ نے روح المعانی میں لکھا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے دو شاہدوں کی مراد یہ بیان کی ہے کہ ایک حافظ اور شاہد کتابت ہے، کہ وہ آیت بالعموم حفاظ صحابہ کو یاد ہو اور کتابت کا ثبوت بھی اس کے واسطے موجود ہو۔

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجمع عام میں اعلان فرمایا کہ جس نے قرآن حکیم کا کوئی حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا ہو وہ میرے پاس لے کر آئے اور اس بات کا التزام کیا گیا کہ جو شخص کوئی آیت پیش کرتا تھا اس پر دو حضرات کی شہادت لی جاتی تھی کہ ہم نے اس کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قلم بند دیکھا تھا۔ اس طرح تمام سورتیں جمع ہوگئیں اور چند آدمیوں کی نگرانی میں پورا قرآن جمع ہوا۔ سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ بتاتے جاتے تھے اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ لکھتے جاتے تھے۔ نگران لوگوں کو بارگاہ صدیقی سے یہ حکم تھا کہ اگر کسی لفظ کے تلفظ اور لہجہ میں کوئی اختلاف پیدا ہو تو قبیلہ مضر کے لہجہ کے مطابق اس کو لکھا جائے کیونکہ قرآن حکیم قبیلہ مضر ہی کے خاص لہجہ اور اسی کی زبان میں اترا ہے۔'' (کنز العمال: ۱/۲۷۹)

اب دیکھنا یہ ہے کہ جب سب کچھ عہد نبوت میں ہی ہو چکا تھا تو پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ

Marfat.com

کے عہد میں جو قرآن کی تدوین و تالیف ہوئی اس کی نوعیت کیا تھی؟ اس کی نوعیت ہم گزشتہ سطور میں بھی بتا چکے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ اگرچہ عہد نبوت میں نفس قرآن مرتب تھا، لیکن اس کے اجزاء منتشر تھے۔ کسی کے پاس کوئی جزو تھا اور کسی کے پاس کوئی اور جزو۔ کسی کے پاس کوئی سورت کامل تھی اور کسی کے پاس آدھی سورت، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جب وحی نازل ہوتی تھی تو اس وقت تمام کاتبین وحی تو موجود ہوتے نہیں تھے جو پاس ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو وحی لکھوا دی۔ پھر کتنے ہی لوگ تھے جو قرآن کی آیات کو براہ راست آپ سے نہیں سن سکتے تھے۔ اس لیے ان تک یہ سورتیں یا آیات بالواسطہ پہنچتی تھیں اور وہ بھی کبھی پوری اور کبھی آدھی۔ غرض کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال تک قرآن حکیم ایک مصحف کی شکل میں بین الدفتین موجود نہ تھا۔ وہ خود مرتب تھا لیکن اس کے اجزاء یکجا نہیں تھے۔ متفرق حفاظ و قراء کے پاس متفرق اجزاء تھے۔ اسی وجہ سے جنگ یمامہ میں جب حفاظ کثرت سے شہید ہوئے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں قرآن حکیم ضائع نہ ہو جائے، یعنی یہ ممکن تھا جو حضرات جامِ شہادت نوش فرمالیں، قرآن حکیم کے بعض اجزاء صرف انہی کے پاس ہوں اور کسی دوسرے کے پاس نہ ہوں اور دنیا ہمیشہ کے لیے قرآن کے اس حصہ سے محروم نہ ہو جائے۔ بہر حال عہد صدیقی میں جو کام انجام پایا وہ یہی تھا کہ قرآن کے متفراق اجزاء کو ایک مصحف کی شکل میں یکجا کر دیا گیا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں یہ پہلے ہی بتا دیا تھا کہ وہ صحیفوں میں جمع تھے۔ چنانچہ اس نے فرمایا: ''یتلو صحفاً مطھرۃ'' اور قرآن صحیفوں میں لکھا ہوا تھا، لیکن وہ صحیفے (مختلف اجزاء جو الگ الگ لکھے ہوئے تھے) منتشر تھے۔ پس ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک جگہ جمع کر دیا۔'' (فتح الباری: ۹/۱۰)

اب یہاں ایک اشکال اور پیدا ہوتا ہے کہ جب جمع قرآن کی حقیقت اتنی ہی تھی تو پھر سیدنا ابوبکر نے اس میں پس و پیش کیوں کیا؟ اور انہوں نے یہ کیوں فرمایا کہ جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا میں اس کو کیوں کر کر سکتا ہوں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تامل کی وجہ یہ تھی کہ قرآن حکیم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے صحف (نہ کہ مصحف) کی تلاوت کرتے ہیں اور قرآن حکیم آپ کی وفات تک رہا بھی صحف ہی کی شکل میں نہ کہ مصحف کی صورت میں۔ اب ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کو صحف

Marfat.com

سے مصحف میں جمع کرائیں گے تو وہ کہیں بدعت اور اسوہ رسولؐ سے تجاوز تو نہیں ہو جائے گا۔ بس اسی خیال کی وجہ سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تامل تھا۔ لیکن بعد میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بار بار کہنے سے آپ کو اس بارہ میں اطمینان اور شرح صدر ہو گیا۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس عظیم الشان کارنامہ کی اہمیت اور عظمت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''یہی جمع قرآن در مصاحف ہے جس پر ارشاد خداوندی'' وانا له لحافظون''منطبق ہوتا ہے اور جس کی بشارت'ان علینا جمعه و قرآنه'' میں موجود ہے۔''

(ازالۃ الخفا: ۲/ ۵)

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ''مصحف'' اور''صحیفہ'' یہ الفاظ جب مفسرین کے ہاں استعمال کیے جاتے ہیں تو ان کا اصطلاحی مفہوم معتبر ہوتا ہے۔ لفظ مصحف کی جمع مصاحف ہے جب کہ صحیفہ کی جمع صحائف آتی ہے۔ مصحف وہ کتاب یا مجموعہ کتاب ہے جس میں متعدد رسائل اور اوراق (صحیفے) جمع ہوں جیسے قرآن حکیم میں فرمایا گیا:''فی صحف مکرمة مرفوعة مطهرة'' اور ارشادِ خداوندی ہے:'' ان هذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراهیم و موسیٰ''۔ مفسرین کی اصطلاح میں لفظ''مصحف'' کا اطلاق قرآن حکیم کے واسطے مخصوص ہے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المصاحف کے حوالہ سے فرمایا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب قرآن حکیم جمع کیا گیا تو اس کے نام کی تجویز و تعیین میں اختلاف ہوا۔ کسی نے کہا سفر (بکسر سین) معنی کتاب مناسب نام ہے لیکن یہ نام چونکہ یہود کی کتاب تورات کے حصوں کے لیے مستعمل تھا اس وجہ سے اسے پسند نہ کیا گیا۔ پھر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یا سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے حبشہ میں اہل حبشہ کو اس قسم کی کتاب کو''مصحف'' کہتے ہوئے سنا ہے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ عنوان پسند آیا اور اسی کو اتفاق رائے سے قرآن حکیم کا نام مقرر کیا گیا۔ لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی وجہ تسمیہ کے لیے اہل لغت عرب ہی سے اس کا اشتقاق قرار دیتے ہوئے کیا جائے کہ یہ لفظ''صحاف'' کا صیغہ مفعول ہے جس کا مادہ''صحف'' اور اسی سے صحیفہ ہے اور صحیفہ کے معنی چونکہ ورق کے ہیں تو صحاف اوراق منتشرہ کے جمع کرنے کو کہا جائے گا۔

Marfat.com

خلاصہ یہ کہ قرآن حکیم سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں جمع ہوگیا لیکن اس کی جمع وتدوین کی تحریک سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کی تھی، لہٰذا اس کا کریڈٹ زیادہ تر آپ ہی کو پہنچتا ہے۔قرآن حکیم جمع ہوگیا۔سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی حیات مستعار کے ایام گزار کر اللہ کے حضور پہنچ گئے اور اب زمام خلافت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی۔آپ نے اپنی بساط سے بڑھ کر قرآن حکیم کی نشرواشاعت کی اور اس کی تعلیم پر خصوصی توجہ مبذول فرمائی۔سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قرآن حکیم کا جونسخہ ترتیب دیا گیا تھا، عام تحریری نسخوں کو اس سے منطبق رکھنا ضروری تھا۔سینہ بہ سینہ حفظ واشاعت زیادہ دیر تک تحریر مصاحف کے لیے قوت حاکمہ نہ رہ سکتی تھی، لہٰذا سب سے پہلا کام سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کیا کہ قرآن حکیم کے عام تحریری نسخے جو ایک ہمہ گیر اصلاح کے محتاج تھے، انہیں عہد صدیقی کے مرکزی نسخوں پر منطبق کیا تاکہ امت میں کوئی خلفشار پیدا نہ ہو، دوسرا کام اس سلسلہ میں آپ نے یہ کیا کہ قرآن حکیم کی تعلیم کو عام کیا۔سینکڑوں ہزاروں حافظ قرآن بنائے گئے تاکہ ایک تو تعلیم قرآنی کی اشاعت عام ہو اور دوسرے قرآن حکیم میں کسی قسم کی تحریف اور تغیر کا احتمال نہ رہے۔تمام مفتوحہ علاقوں میں قرآنی مکتب اور مدارس قائم کیے۔مدینہ طیبہ میں بھی چھوٹے بچوں کے لیے ایک مدرسہ قائم کیا اور اس کے معلموں کی تنخواہیں پندرہ پندرہ درہم ماہوار مقرر فرمائیں۔مفتوحہ علاقوں میں بھی جو مکتب قائم فرمائے ان میں بھی تنخواہ دار معلم اور مدرس مقرر فرمائے، ان مکتبوں میں کتابت کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔کتابوں میں منقول ہے کہ

"ان عمر بن الخطاب و عثمان کانا یرزقان الموذنین والائمة والمعلمین"

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے موذنوں، ائمہ مساجد اور مدارس کے معلمین کی تنخواہیں مقرر کررکھی تھیں۔(سیرۃ عمر بن الخطاب: ۱۴۵ لابن جوزی)

سیدنا عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، سیدنا ابو الدرداء، سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو بلا کر حکم دیا کہ شام کے علاقہ میں تعلیم قرآن کے لیے نکل جائیں۔آخر الذکر دو بزرگوں نے اپنی کچھ مجبوریاں پیش کیں اور پہلے تین بزرگ اس عظیم القدر مہم پر نکلے۔پہلے یہ حضرات حمص پہنچے، سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ وہیں ٹھہر گئے

Marfat.com

اور قرآن حکیم کی تعلیم جاری کی۔ سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ دمشق اور سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیت المقدس کی طرف نکل گئے۔ سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کا طریق تعلیم یہ تھا کہ نماز فجر کے بعد جامع مسجد میں بیٹھ جاتے اور قرآن حکیم پڑھنے والے سب وہیں بیٹھ جاتے۔ انہیں دس دس کی ٹکڑیوں میں تقسیم کر دیا جاتا اور ہر ایک ٹکڑی پر سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کا کوئی ایک خاص شاگرد مقرر ہو جاتا تھا۔ ایک روز حلقہ درس میں شامل ہونے والوں کی تعداد معلوم کی گئی تو پتہ چلا کہ سولہ سو بچے اس حلقہ درس میں شامل ہیں۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے طاعون عمواس میں وفات پائی لیکن سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ دمشق ہی میں مقیم رہے اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے اخیر میں انتقال فرمایا۔ (کنز العمال:۱/۲۸۱)

قرآن حکیم کو لوگوں کے سینوں میں محفوظ رکھنے اور ملک میں اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کے لیے اور بھی کئی وسائل اختیار کیے گئے۔ مختلف قسم کے (Incentive) دیئے گئے۔ قرآن حکیم کی ضروری سورتوں جیسے بقرہ، نساء، مائدہ، النور وغیرہ کی نسبت یہ حکم دیا کہ سب لوگ اس قدر قرآن ضرور سیکھیں کیونکہ ان میں اسلام کے بنیادی احکام اور مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ گورنروں کو خاص حکم دیا ہوا تھا کہ جو لوگ قرآن سیکھیں ان کی تنخواہیں مقرر کر دی جائیں۔ (کنز العمال:۱/۲۱۷) فوج کے لیے حکم دیا کہ وہ بھی فارغ وقت میں قرآن حکیم سیکھیں۔ ان تدابیر سے نہ صرف ناظرہ خوانوں کی بلکہ حفاظ کی تعداد بھی سینکڑوں ہزاروں میں پہنچ گئی۔

قرآن حکیم کے بارہ میں تلفظ اور اعراب کی صحت کا خاص اہتمام فرمایا۔ قرآن حکیم جب مدون و مرتب ہوا تو اعراب کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔ اور اہل عرب کو اعراب کی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ وہ خود اہل زبان تھے۔ لیکن جب قرآن حکیم کی اشاعت غیر عربوں میں ہوئی تو ان کے لیے قرآن حکیم کو صحیح اعراب کے ساتھ پڑھنا مشکل تھا۔ لہٰذا ضروری تھا کہ صحت الفاظ اور صحت تلفظ کا خاص اہتمام کیا جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں چیزوں کے لیے مختلف تدابیر اختیار کیں۔ وہ یہ کہ تمام گورنروں کو لکھا کہ قرآن حکیم کی تعلیم صحت اعراب اور صحت تلفظ کے ساتھ دی جائے۔ دوسرا اہتمام یہ کیا کہ قرآن کی تعلیم کے ساتھ ساتھ عربی اور ادب عربی کی تعلیم بھی لازمی قرار دے دی تاکہ بغیر کسی کے بتائے لوگ خود صحت اعراب اور صحت تلفظ کے ساتھ قرآن حکیم کو پڑھ سکیں اور تیسرا حکم یہ دیا کہ جو شخص لغت کا ماہر نہ ہو وہ قرآن حکیم نہ

Marfat.com

پڑھائے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کنز العمال: ۱/ ۲۸۸)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا جس میں لکھا: ''سنت نبوی کی سمجھ بوجھ پیدا کرو۔ عربی زبان سیکھو قرآن حکیم کو صاف اور صحیح لہجہ میں پڑھو۔ کیونکہ وہ صاف اور فصیح عربی میں ہے۔ (کنز العمال: ۵/ ۲۴۱)

ایک اور خط میں سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو لکھا:

''اہل بصرہ کو تاکید کرو کہ عربی سیکھیں۔ ایسا کرنے سے ان میں صحیح بول چال کا سلیقہ پیدا ہوگا۔ ان کو عربی اشعار پڑھنے اور دوسروں کو سنانے کی بھی تلقین کرو۔ ایسا کرنے سے ان میں اخلاق عالیہ پیدا ہوں گے۔'' (کنز العمال: ۵/ ۲۴۱)

ایک اور خط میں لکھا:

''میں تم کو ان کاموں کا حکم دیتا ہوں جن کا قرآن نے حکم دیا ہے اور ان کاموں سے روکتا ہوں جن سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے اور تاکید کرتا ہوں کہ سنت، فقہ اور عربی زبان کی سمجھ بوجھ پیدا کرو۔'' (انساب الاشراف بلاذری: ۹/ ۲۲۴، ازالۃ الخفاء: ۲/ ۱۳۹)

بہر حال سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس سلسلہ میں قرآن حکیم کی نشر و اشاعت کرنے اور لوگوں کو قرآن حکیم کے الفاظ و معانی کی تعلیم کے لیے تمام ملکی وسائل کو استعمال کیا، اور اس بات کی بھی ہر ممکن کوشش کی کہ اس کی قرأت میں کوئی اختلاف واقع نہ ہو اور تمام لوگ اسے لغت قریش ہی میں پڑھیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بڑے بڑے حافظ اور قاری جو عامۃ الناس کے اختلافات درست کرتے اور ان مشکلات میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا، یہ سات بزرگ تھے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ۔ علاوہ ازیں سیدنا معاذ بن جبل، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بھی استفادہ کیا جاتا تھا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی اکتساب علم کیا تھا۔ (اتقان: ۱/ ۲۰۷)

مدینہ، مکہ، بصرہ، کوفہ اور دمشق پوری اسلامی دنیا میں جن لوگوں نے قرآن سکھایا اور پڑھایا وہ سب انہی دس بزرگوں کے شاگرد اور شاگرد در شاگرد تھے اور آج قرآن کا سلسلہ اسناد انہی حضرات پر منتہی ہوتا ہے۔

Marfat.com

حدیث کی تعلیم:

یہ تو قرآن حکیم کی نشر و اشاعت کا تذکرہ تھا جو گزشتہ سطور میں بیان کیا گیا۔ قرآن حکیم کے الفاظ و معانی کی اسی نشر و اشاعت اور اس کی تحریک تدوین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مرہون منت ہے۔ چنانچہ اس بارہ میں حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بالکل درست اور صحیح ہے کہ

''امروز ہر کہ قرآن می خواند از طوائف مسلمین، منت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ در گردنِ اوست''۔

اس زمانہ میں جو مسلمان بھی قرآن حکیم کی تلاوت کرتا ہے، سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا احسان اس کی گردن پر ہے۔

قرآن حکیم کے بعد حدیث کا نمبر ہے۔ اس سلسلہ میں بھی آپ کے عہد میں بہت سا کام ہوا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سینوں میں تو پورے طور پر محفوظ تھی لیکن اس کی نشر و اشاعت اور حدیث رسول کا سلسلہ کچھ بہت زیادہ نہ تھا۔ صرف ضرورت کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیثیں بیان کرتے تھے۔ محل و روایت حدیث بذات خود مطلوب نہ تھا، نہ ممالک اطراف میں تھا، اس لیے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انتظامی امور میں مشاورت کی غرض سے بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ چھوڑ کر دوسرے مفتوحہ علاقوں میں آباد ہونے سے منع کیا ہوا تھا۔ بجز بعض افراد کے جن کے باہر بھیجنے میں دینی مصالح مضمر تھیں، جیسے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو تعلیم قرآن و حدیث کے لیے عراق (کوفہ) اور سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کو شام بھیجا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی دینی مصلحت قرآن کی تعلیم کو عام اور زیادہ سے زیادہ مرکز توجہ بنانے اور حدیث رسول کو اس سے کم روایت کرنے کے اصول پر مبنی تھی تاکہ روایت حدیث میں وہم اور خطاء کی روک تھام ہو سکے۔

بہرحال بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کتنی ہی کثرت سے کیوں نہ بیان کی ہوں، یہ حقیقت ہے کہ شیخین (سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ) کے زمانہ میں روایت حدیث کا سلسلہ بہت کم تھا، کیونکہ ایک طرف تو ان ہر دو حضرات کے طرز عمل نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حدیثیں روایت کرنے میں انتہائی احتیاط اور چھان پھٹک پر مجبور کر دیا تھا۔ دوسری

Marfat.com

طرف ہر دو حضرات پہلے قرآن حکیم کے حفظ و ضبط اور صحت ادا کو نئے نئے مسلمانوں کے لیے اہتمام و توجہ کا مرکز بنانا چاہتے تھے۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: ''کیا آپ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی ایسے ہی کثرت سے حدیثیں بیان کیا کرتے تھے جیسے آج کل بیان کرتے ہیں؟'' تو انہوں نے جواب دیا: ''اگر میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایسی ہی کثرت سے احادیث بیان کرتا تو وہ مجھے اپنے کوڑے سے پیٹتے۔''

(جامع بیان العلم جلد: ۱/ ۱۲۱ تذکرۃ الحفاظ، ذہبی: ۱/ ۷)

بعض حضرات نے اس سلسلہ میں کچھ بے سروپا باتیں کر کے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سخت تنقید کا نشانہ بنانا چاہا، لیکن ان کی تنقید سراسر غلط ہے اور جو روایات انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی ہیں ان کی بھی اسنادی حیثیت کچھ نہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں یہاں تک کہا گیا اور منکرین حدیث نے اس بات کو شہرت بھی خوب دی کہ ''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تین بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کثرت سے احادیث روایت کرنے کی وجہ سے قید کر دیا تھا۔'' وہ تین صحابہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ روایت علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کی کتاب ''الاحکام فی اصول الاحکام'' میں ہے۔ لیکن خود علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے اس روایت کو منقطع قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اس روایت کو نقل کرنے والے ہیں ان کا سماع سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں۔ حافظ بیہقی نے بھی ابن حزم رحمہ اللہ کی تائید کی ہے کیونکہ ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف کا انتقال ۹۹ھ یا ۹۵ھ میں ہوا ہے جب کہ ان کی عمر ۷۵ برس کی تھی اور سیدنا عمر ۲۳ھ میں شہید ہوئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بالکل آخری زمانہ میں یہ پیدا ہوئے۔ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت ان کی عمر ۲ یا ۳ سال تھی۔ اس عمر میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ان کا سماع باور نہیں کیا جا سکتا۔ اس وجہ سے یہ روایت قطعاً منقطع ہے۔ نہ یہ حجت بن سکتی ہے اور نہ ہی یہ قبول کی جا سکتی ہے۔ (ملاحظہ ہو الاحکام فی اصول الاحکام: ۲/ ۱۹۳)

دوسرے یہ ہے کہ روایت میں لفظ ''جــــس'' آیا ہے جس کا اردو میں ترجمہ کرنے والے نے ''قید کرنا'' کیا ہے۔ حالانکہ ہمارے نزدیک اس کا صحیح ترجمہ ''روک دینا'' ہے یعنی ان تینوں کو حدیث روایت کرنے سے روک دیا تھا (ایک روایت میں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بجائے ابومسعود انصاری کا نام ہے)

Marfat.com

لہٰذا یہ نتیجہ نکالنا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے دل سے حدیثوں کو خارج کردینا چاہتے تھے، بالکل غلط ہے بلکہ روایت حدیث کی کثرت اور زیادتی کو روکنا چاہتے تھے اور کثرت سے کیوں روکنا چاہتے تھے؟ وہ اس لیے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی بات کے منسوب کرنے میں منسوب کرنے والوں پر جو ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں، ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی توقع احتیاط کے اسی طریقہ سے ممکن ہے۔ حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی توجیہ کو پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

''کثرت روایت سے ممانعت اور قلت روایت کا حکم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسی لیے دیا تھا کہ کثرت کی صورت میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط بات منسوب ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ نیز اس چیز کا بھی خوف تھا کہ جو حدیثیں لوگوں کو اچھی طرح محفوظ نہ ہوں اور پورا بھروسہ اپنی یادداشت پر نہ ہو، اس قسم کی حدیثوں کے بیان کرنے پر لوگ جری ہو جائیں گے...... روایت میں کمی اور قلت کی راہ اختیار کرنے والوں کے لیے ضبط و احتیاط کی توقع روایتوں میں کثرت کی راہ اختیار کرنے والوں سے بھی زیادہ ہے۔ نیز بھول چوک اور غلطی سے وہ محفوظ نہیں رہ سکتا جو روایت میں کثرت کی راہ اختیار کرے گا۔'' (جامع بیان العلم: ۱۲۲/۲)

خلاصہ یہ کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ قطعاً نہ تھا کہ کلیۃً لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی روایت کرنے سے روک دیا جائے، بلکہ وہ چاہتے تھے کہ ان ہی حدیثوں کی حد تک لوگ اپنے بیان کو محدود رکھیں جن کے متعلق انہیں پورا اطمینان ہو کہ جو کچھ انہوں نے دیکھا یا سنا ہے وہی وہ بیان کر رہے ہیں، کیونکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اگر کوئی غلط بات منسوب ہوگئی تو اس کی سزا جہنم کے سوا اور کوئی نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ بعض صحابی جب بوڑھے ہوگئے تو لوگ ان سے عرض کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ حدیثیں بیان کریں تو وہ فرماتے:

''اب ہم عمر رسیدہ ہوگئے اور بھول چوک کی صفت ہمارے اندر پیدا ہوگئی ہے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث کو بیان کرنا بڑا سخت معاملہ ہے۔'' (ابن ماجہ)

بات دراصل یہ ہے کہ حدیثوں کی روایت میں احتیاط کی ان نزاکتوں کا احساس خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا پیدا کردہ تھا۔ چنانچہ کسی مجلس میں ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے ایک حدیث بیان کی۔ اس مجلس میں سیدنا مالک بن عبادہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول بھی

Marfat.com

موجود تھے۔ آپ نے فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں ہم لوگوں کو اس عہد کا پابند بنایا۔ فرمایا کہ قرآن حکیم کو پکڑ رہو۔ عنقریب تم ایسے لوگوں کے پاس واپس کیے جاؤ گے جو چاہیں گے کہ میری حدیثیں ان سے بیان کرو۔ پس اس سلسلہ میں جس کسی نے کسی بات کو سمجھ لیا ہے اور یاد کرلیا ہے اسے چاہئے کہ اس حدیث کو بیان کردے۔ (اور یاد رکھو) قصداً میری طرف جو جھوٹ کو منسوب کرے گا اسے اپنا ٹھکانہ یا فرمایا کہ اپنا گھر جہنم میں بنالینا چاہئے۔'' (مشکل الآثار: ۱/۱۵۱)

غرض کہ حدیث کا نمبر دوسرا ہے، اسی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی قرآن حکیم کے بعد اس کی اشاعت کی اور خود بھی آپ نے احادیث روایت کیں۔ چنانچہ ابن جوزی نے تلقیح میں ان حدیثوں کی تعداد جو آپ سے مروی ہیں ۵۳۷ بتائی ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا شمار مکثرین صحابہ میں ہونا چاہیے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تلقیح: ۱۸۴، ازالۃ الخفا: ۲/۲۱۴)

فقہ:

حدیث کے بعد فقہ کا درجہ ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی بہت زیادہ اشاعت کی۔ وجہ یہ ہے کہ فقہی مسائل سے ہر شخص کو ہر روز واسطہ پڑتا ہے۔ اور آپ کے عہد خلافت میں اسلامی ریاست کی پہنائیوں میں بے شمار اضافہ ہوا، اور نئے نئے مسائل پیدا ہوئے۔ اس وجہ سے ان مسائل کے حل کیلئے آپ نے مختلف تدابیر قرآن و حدیث کی روشنی میں کیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خود بھی بہت بڑے فقیہ تھے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مفتی اعظم رہ چکے تھے، لہٰذا قرآن وحدیث سے مسائل کے استنباط کو بخوبی سمجھتے تھے۔ آپ نے خود اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے سے ان مسائل کا حل پیش کیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ علی الاطلاق امت کے سب سے بڑے فقیہ تھے۔ (ازالۃ الخفا: ۳/۳۹۶) چنانچہ اس سلسلہ میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''فقیہ عمر رضی اللہ عنہ'' پر ایک رسالہ بھی لکھا ہوا ہے جو ازالۃ الخفا میں شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو فقہ و اجتہاد سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ کے بعض اجتہادات کی تائید قرآن حکیم نے بھی کی اور بعض کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح قرار دیا۔

Marfat.com

یہاں تک کہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''اللہ تعالیٰ نے عمر رضی اللہ عنہ کی زبان اور دل کو حق سے نوازا ہے۔'' (علل الحدیث: ۲/۳۸۶) اور یہ بھی آپ کا اجتہاد ہی تھا جو آپ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کے خلاف اپنے عہد خلافت کا آغاز مرتدین کے لونڈی اور غلام اور ان کے رشتہ داروں کو واپس کر دینے سے کیا اور فرمایا کہ میں پسند نہیں کرتا کہ عرب میں غلامی کا رواج قائم ہو۔ پھر انہوں نے سب سے پہلا لشکر جو عرق بھیجا اس کا سپہ سالار مہاجرین وانصار کے سابقون الاولون میں سے کسی کو نہ بنایا جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا شعار تھا بلکہ ان کے طریقہ کے خلاف ابوعبید ثقفی کو یہ عزت بخشی۔ پھر انہوں نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو شام کی سپہ سالاری سے معزول فرما دیا، حالانکہ لسان نبوت نے انہیں ''سیف اللہ'' کے لقب سے نوازا تھا، اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے بارہ میں فرمایا تھا کہ ''میں اس تلوار کو نیام میں نہیں کروں گا جو اللہ تعالیٰ نے کافروں پر کھینچی ہے۔'' اس طرح کے اور بھی کئی اجتہادات آپ نے کیے، مثلاً انہوں نے شراب نوشی کی سزا مقرر فرمائی۔ وہ وبازدہ شہر میں داخل نہیں ہوئے۔ جن شہروں میں جانا خلاف مصلحت سمجھا وہاں نہیں گئے اور وظائف کی تقسیم میں سبقت اسلام یا رسول اللہ کی قرابت کا لحاظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کے درمیان امتیاز قائم کیا۔

یہ تو آپ کے اجتہادات کی طرف ایک اشارہ کیا ہے، وگرنہ آپ کے اجتہادات اس قدر ہیں کہ ان پر ایک ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ ان اجتہادات کے علاوہ آپ فقہی مسائل کو لوگوں کے سامنے عام بیان کرتے۔ جمعہ کے خطبہ میں روزمرہ کے مسائل بتاتے اور حج کے خطبہ میں مناسک حج بیان فرماتے، جیسا کہ موطا امام محمد میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے میدان عرفات میں حج کا خطبہ پڑھا اور اس میں لوگوں کو حج کے مسائل سے آگاہ کیا۔ اسی طرح بیت المقدس اور شام کے سفروں میں جگہ جگہ اپنے خطبات میں مہمات، اصول اور ارکان اسلام اور ملکی پیش آمدہ مسائل کو بیان کیا۔ (دمشق میں جابیہ کے مقام پر آپ نے جو خطبہ دیا، ہمارے فقہاء نے اس سے بہت سے مسائل کے حل میں مدد لی ہے اور اس کو اپنی تائید میں پیش کیا ہے۔

۱۴ھ میں آپ نے باجماعت نماز تراویح کا اہتمام فرمایا۔ اگرچہ تراویح اس سے قبل بھی پڑھی جاتی تھیں، لیکن جماعت کا اہتمام اس میں نہیں ہوتا تھا بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اکیلے اکیلے تراویح پڑھتے تھے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ماہ رمضان میں لوگ مسجد نبوی میں الگ الگ نماز تراویح پڑھا کرتے تھے۔ پھر جناب رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ

Marfat.com

مسجد میں چٹائی بچھا دیں۔ جب رسول اللہ ﷺ اس چٹائی پر کھڑے ہو کر نماز تراویح پڑھنے لگے تو لوگوں نے کثیر تعداد میں آ کر آپ کی اقتداء میں نماز تراویح ادا کی۔ پھر تیسری رات اس سے بھی زیادہ لوگ سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ باجماعت تراویح پڑھنے کے لیے جمع ہو گئے، لیکن آپ نماز تراویح کی جماعت کے لیے اعتکاف گاہ سے باہر تشریف نہ لائے اور وہیں اعتکاف گاہ ہی میں تنہا نماز تراویح ادا فرماتے رہے اور جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آج تم نے جو کچھ کیا ہے، مجھے سب معلوم ہے۔ لیکن میں اس لیے باہر نہ نکلا کہ مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ یہ نماز تراویح تم پر فرض نہ ہو جائے (کیونکہ نزول وحی کا زمانہ تھا)۔ اگر نماز تراویح فرض ہو گئی تو بہت سے کم ہمت لوگ پڑھ نہیں سکیں گے تو ترک فرض کا گناہ ہوگا، اس لیے یہ نماز اپنے اپنے گھروں میں پڑھ لیا کرو۔

بعض روایات میں تین رات تراویح کے باجماعت پڑھنے کا ذکر آیا ہے اور کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نماز تراویح باجماعت پڑھنے کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ جیسے

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ — سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ — سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سنن ابی داؤد: ۱/۲۰۱، ۲۰۲، بخاری: ۱/۲۶۹، مسلم: ۱/۲۵۹، قیام اللیل: ۱۵۳۔۱۵۵ وغیرہ)۔

بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ ایک رات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسجد کی طرف تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ وہاں کئی لوگ الگ الگ نماز تراویح پڑھنے میں مصروف تھے۔ کوئی تو بالکل اکیلا نماز پڑھ رہا تھا اور کوئی ایک ٹولی کے ساتھ باجماعت نماز تراویح پڑھ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا ہی اچھا ہو کہ میں ان تمام نمازیوں کو کہوں کہ تم سب ایک قاری کو امام بنا کر اس کی اقتداء میں نماز پڑھا کرو۔ پھر آپ نے پختہ ارادہ فرما کر سب کو سیدنا ابی بن کعب کی اقتداء میں نماز تراویح باجماعت پڑھنے کے لیے اکٹھا فرمایا۔ اس کے بعد پھر ایک رات میں (عبدالرحمن بن عبدالقاری رضی اللہ عنہ) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلا اور دیکھا کہ لوگ اپنے قاری یعنی سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز تراویح پڑھ رہے ہیں۔ تب امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا "نعمة البدعة هذه" (بخاری: ۱/۲۶۹)

Marfat.com

جب آپ نے مسجد نبوی میں جماعت تراویح قائم کی تو اس کے ساتھ ہی آپ نے تمام صوبوں کے گورنروں اور اضلاع کے افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ تراویح کی یہ جماعت قائم کی جائے۔ اس وقت سے لے کر آج تک تراویح کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ اسی وجہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ خلافت میں یہ دعا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا کرتے تھے:

نور اللہ قبر عمر کما نور مساجدنا

اللہ تعالیٰ عمر رضی اللہ عنہ کی قبر کو منور کرے جس طرح انہوں نے ہماری مسجدوں کو منور کیا۔

(قیام اللیل مروزی: ۱۵۶، سیرۃ عمر رضی اللہ عنہ جوزی: ۵۵، ابن ابی الحدید: ۱۲/ ۹۸)

آپ کے مکتوبات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور دوسرے کئی ایک افسروں کو زکوٰۃ کے مسائل وغیرہ لکھ کر بھیجتے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں جو مسائل بھی انہیں پیش آئے ان کو قرآن و حدیث اور فقہ کی روشنی میں حل فرمایا۔ اگر کسی مسئلہ میں کبھی اختلاف ہو جاتا تو اس کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجتماع میں پیش کرتے اور اجتماعی حل تلاش کرتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک مسئلہ میں اختلاف ہو گیا تو آپ نے تمام انصار اور مہاجرین کو اکٹھا کر کے اور وہ مسئلہ ان کے سامنے پیش کر کے ان کی رائے طلب کی۔ ان حضرات نے بھی مختلف آراء دیں۔ آپ نے ان کی آراء سن کر فرمایا:

''جب آپ لوگ اصحاب بدر میں سے ہو کر آپس میں اس قدر مختلف ہیں تو آئندہ آنے والی نسلیں اور زیادہ اختلاف کرنے والی ہوں گی۔'' (ازالۃ الخفا: ۲/ ۸۸)

تمام گورنروں کو یہ تاکید کی تھی کہ لوگوں کو دین کی فقہ کی تعلیم دیا کریں۔ آپ لشکروں پر افسر بھی انہی لوگوں کو مقرر کرتے تھے جو اہل علم اور فقیہ ہوتے تھے۔ (کتاب الخراج لابی یوسف: ۶۷)

مختلف علاقوں میں آپ نے مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھیجا تاکہ وہ وہاں لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیا کریں۔ سیدنا عبداللہ بن معقل رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بھی انہی لوگوں میں سے تھے جن کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فقہ کی تعلیم کے لیے بصرہ بھیجا تھا۔ اسی طرح سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ اور دوسرے کئی ایک صحابہ شام اور دوسرے علاقوں میں لوگوں کو فقہ کی تعلیم دینے کے لیے بھیجے گئے۔ آپ نے یہ بھی حکم دیا ہوا تھا کہ ہمارے بازاروں میں صرف وہ لوگ تجارت کے لیے بیٹھیں جو علم فقہ سے آشنا ہوں (تاکہ انہیں بیع و شراء کے مسائل کا علم ہو) وجہ اس کی یہ ہے کہ ایک فقیہ قرآن کی آیات اور حدیث کی روایات کی گہرائی میں اترتا

Marfat.com

ہے اوران میں لپٹے ہوئے معانی کا استنباط کرتا ہے جو ایک نہایت مشکل کام ہے اور فقیہ وہی ہوتا ہے جو قرآن و حدیث کے علم کو بھی بخوبی جانتا ہو اور اس میں کامل مہارت رکھتا ہو۔ چنانچہ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دین کو آگے لے جانا دو طرح سے ہے۔ ایک الفاظ نبوت کی تبلیغ اور دوسرے معانی کی تبلیغ...... دوسری قسم فقہائے اسلام کی ہے جو مسائل نکالنے کا ملکہ رکھتے ہیں۔ ان حضرات نے پہلے حلال و حرام کے ضابطے منضبط کیے۔ اصول فقہ مرتب کیے۔ فقہاء کا مقام زمین پر ایسا ہے جیسے آسمان میں ستارے۔ ان کے ذریعہ ہی تاریکیوں میں بھٹکے ہوئے لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں۔ لوگوں کو ان کی ضرورت کھانے پینے سے بھی زیادہ ہوتی ہے اور ان کی اطاعت قرآن کی رو سے والدین کی اطاعت سے بھی زیادہ ہے۔'' (اعلام الموقعین :۱/۹ مختصراً)

فقیہ کی انہی خوبیوں کی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فقہ کی تعلیم پر بہت زور دیتے تھے۔ قرآن حکیم میں چور کی سزا وہ مرد ہو یا عورت، قطع ید (ہاتھ کاٹنا) ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے کہ:

''چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت، کاٹ ڈالو ان کے ہاتھ سزا میں۔ یہ ان کے عمل کا بدلہ ہے جو انہوں نے کمایا۔'' (المائدہ:۳۸)

اللہ تعالیٰ کے اس حکم میں کوئی قید اور شرط نہیں ہے لیکن سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے موقع پر اس سزا کے نفاذ سے روک دیا، اس لیے کہ کہیں چور اس پریشانی اور تکلیف میں اپنا ذہنی توازن نہ کھو دے اور کافروں سے نہ جا ملے۔ ایک مسلمان کے ایمان کی حفاظت کے لیے آپ نے اس موقع پر حد جاری کرنے سے منع فرما دیا۔ چنانچہ سیدنا بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

نهى ان تقطع الايدى فى الغزو (سنن ابی داؤد:۲/۲۴۹)

حضور علیہ السلام نے جنگ کے موقع پر ہاتھ کاٹنے سے منع فرمایا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حالات کی اس رعایت میں قحط سالی کو بھی داخل کیا۔ یہ آپ کا اجتہاد تھا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ

ان عمر بن الخطاب اسقط القطع عن السارق عام المجاعة

Marfat.com

(الخلافۃ و الخلفاء الراشدون، سالم البھناوی: ۱۶۵، مصنف عبدالرزاق: ۷/۲۴۲، المغنی لابن قدامہ: ۸/۲۷۸، الاجتہاد فی الفقہ الاسلامی: ۱۳۶، اعلام الموقعین: ۳/۱۱)

''بے شک سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قحط سالی کے سال میں چور کا ہاتھ کاٹنے کی سزا ساقط فرما دی تھی بلکہ آپ نے اس موقع پر اس پر مال کی دگنی قیمت ادا کرنے کی تعزیر جاری کی۔''

(اعلام الموقعین: ۲/۶۴)

جن فقہاء کے سپرد لوگوں کو تعلیم دینے کا کام سپرد کیا آپ نے ان کی تنخواہیں بھی مقرر فرمائیں تاکہ وہ گھریلو ضروریات سے فارغ ہو کر نہایت دل جمعی سے یہ کام کریں۔ آپ نے اماموں اور موذنوں کی تنخواہیں بھی بیت المال سے مقرر کیں۔ موطا امام محمد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مسجد نبوی میں لوگوں کی صفیں درست کرنے کے لیے بھی کچھ لوگ مقرر کیے ہوئے تھے۔ اسی طرح حج کے موقع پر بھی کچھ حضرات مقرر کیے گئے تھے جن کا فریضہ لوگوں کو عقبہ کے پاس پہنچانا تھا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو موطا امام محمد: ۳۸۶، موطا امام مالک: ۱۴۰)

مساجد کی تعمیر:

اسلام میں مسجد کی بڑی اہمیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ میں اس کو کئی کاموں میں لائے۔ آپ نے مقدمات کا فیصلہ بھی مسجد میں کیا۔ استفتاء کا جواب بھی آپ نے مسجد میں دیا حتیٰ کہ دینی یا وہ دنیوی امور جن کا تعلق مفاد عامہ سے ہے ان کے لیے مسجد میں مجلس شوریٰ بھی بلائی۔ انہی امور کو سامنے رکھ کر فقہاء نے لکھا ہے:

القضاء عبادۃ فیجوز اقامتھا فی المسجد کالصلوٰۃ (ہدایہ)

''قضاۃ ایک عبادت ہے لہٰذا یہ مسجد میں جائز ہے جیسے نماز۔''

چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے منبر رسولؐ کے پاس لعان کرایا۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے مسجد میں مقدمات فیصل کیے۔ قاضی شریح رحمہ اللہ بھی مسجد میں فیصلہ کرتے تھے۔ ہاں فریقین میں اگر کوئی مقدمہ مسجد سے باہر سنا جائے گا۔ (فتح القدیر: ۳/۲۵۵، ۲۵۶)

مسجد میں مجاہدین اسلام کا شمشیر و سناں کی مشق کرنا بھی جائز ہے کیونکہ یہ چیزیں خدمت اسلام میں داخل ہیں۔ چنانچہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ مسجد میں چند حبشی مسلمان نیزہ بازی کی مشق کر رہے تھے میں نے ان کی ہی مشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانوں کے

Marfat.com

سہارے دیکھی۔ (فیض الباری:۲/ ۵۵)

بوقت ضرورت مسجد میں کھانا تناول کرنا بھی جائز ہے۔ مسافر اور معتکف کو تو کھلی اجازت ہے باقی دوسروں کے لیے بعض ائمہ نے مکروہ تنزیہی لکھا ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں:

کنا ناکل علیٰ عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فی المسجد الخبز واللحم (ابن ماجہ)

''ہم لوگ عہد نبوی میں مسجد میں گوشت روٹی کھاتے تھے۔''

اسی طرح مسجد میں لیٹنا اور سونا بھی جائز ہے۔

(ملاحظہ ہو ردالمختار شامی:۱/ ۶۱۹ عالمگیری:۶/ ۲۱۵)

اور بخاری میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مسجد میں سونا ثابت ہے۔

(بخاری باب نوم الرجال فی المسجد)

ایسی شے جو کسی خاص شخص کی ملکیت نہ ہو بلکہ اس کا تعلق عام مسلمانوں سے ہو، مسجد میں رکھی جاسکتی اور وہاں بیٹھ کر مسلمانوں میں تقسیم بھی کی جاسکتی ہے۔ مال غنیمت، زکوٰۃ، فطرہ، قربانی کی کھالیں اور اسی طرح کی دوسری اشیاء کا مسجد میں جمع کرنا جائز ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ مقاصد نماز میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ بحرین کے مالِ غنیمت کے بارہ میں بخاری میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ''انثروا فی المسجد'' یعنی اسے مسجد میں ڈال دو۔ پھر نماز سے فارغ ہو کر آپ نے اس کو تقسیم فرمایا۔ (بخاری:۱/ ۶۰)

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد سے قید خانہ کا کام بھی لیا گیا، کیونکہ اس زمانہ میں اور کوئی قید خانہ نہیں تھا۔ چنانچہ ثمامہ بن اثال جب گرفتار ہو کر آئے تو انہیں مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا گیا۔ (فتح الباری:۱/ ۳۴۹)۔

مسجد میں جیل خانے کا کام سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت تک لیا گیا۔ بعد میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں چار ہزار درہم سے جیل خانے کے لیے ایک مکان خرید گیا۔ (فتح القدیر:۳/ ۲۶۰)

جہاں مسجد سے اور بہت سے کام لیے جاتے ہیں وہاں مسجد میں دینی تعلیم بھی جاتی ہے بلکہ یہ وہ سلسلہ ہے جو عہد نبوت سے مسجدوں میں قائم ہے۔

Marfat.com

جب اسلام میں مسجد کی یہ اہمیت ہے اور مسلمان اس سے اتنے کام لے سکتا ہے تو ضروری ہے کہ مسلم معاشرہ میں اس کو خاص اہمیت دی جائے۔ مسجد کی اسی اہمیت کے پیش نظر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ ہجرت فرمانے کے بعد سب سے پہلے مسجد نبوی کی تعمیر کی۔ مدینہ میں داخل ہو کر سب سے پہلے مسجد نبوی کی تعمیر کرنا، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مومن کو جہاں کہیں اقتدار حاصل ہو تو سب سے پہلے بلکہ اپنے گھر سے بھی پہلے عبادت گاہ (مسجد) تیار کریں اور ان کو اپنے اجتماعی نظام کی روح اور اپنی دینی مرکزیت کی جان سمجھیں اور وہ ایسی سادہ ہوں کہ ہر امیر وغریب اپنی آبادی میں بآسانی اس مقدس گھر کو قائم کر سکے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مساجد کی تعمیر کا عام حکم دیا۔ اس طرح کوئی آبادی جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے ہوں ان گھروں (مساجد) کے وجود سے خالی نہ ہو۔ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں:

امر رسول الله صلى الله عليه وسلم ببناء المسجد في الدور

''سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ تمام محلوں میں مساجد بنائی جائیں۔''

(سنن ابی داؤد، باب اتخاذ المسجد فی الدور)

چنانچہ آپ نے خود بھی مساجد کو ہر مسلم آبادی میں قائم کیا اور آپ کے جانثار خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی مختلف علاقوں میں مساجد کی تعمیر کی۔ اور آپ کے انتقال کے بعد جب اسلامی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ کے اس حکم کو ہر جگہ بجالایا گیا کوئی ایسی جگہ تاریخ میں ہماری نظر سے نہیں گزری جسے مسلمانوں نے اپنے زمانہ میں فتح کیا ہو اور اس میں مسجد نہ بنائی ہو۔ فتوح البلدان، بلاذری کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے ہر ہر آبادی میں مسجدوں کی تعمیر کی۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان کتابوں میں موجود ہے جس کو عطاء روایت کرتے ہیں:

لما فتح الله الامصار علىٰ عمر، امر المسلمين ان يبنو المساجد

اللہ تعالیٰ کے حکم سے جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں شہروں کو فتح کیا تو آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ سب مسجدیں بنائیں۔

(کشاف :۱/ ۴۰۸ تفسیرات احمدی :۲۸۳)

انہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جنہوں نے یہ حکم دیا تھا، بہت سی مساجد بنائی گئیں

Marfat.com

جس کا اشارہ امام محمد نے بھی اپنے موطا میں ۲۲۹ میں کیا ہے کہ تمام مفتوحہ علاقوں میں کثرت سے مسجدیں تعمیر کی گئیں۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جو اس زمانہ میں گورنر کوفہ تھے آپ نے حکم لکھ کر بھیجا کہ بصرہ میں ایک مسجد جامع اور باقی ہر ہر قبیلہ میں الگ الگ مسجدیں تعمیر کی جائیں۔ ایسا ہی حکم سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو دیا اور شام اور مصر کے تمام گورنروں کو اسی قسم کے خطوط لکھے کہ کثرت سے مساجد تعمیر کی جائیں۔ مورخین نے لکھا ہے کہ ان مساجد کی تعداد چھ ہزار کے قریب تھی۔ یہ وہ تعداد ہے جو ان کو فراہم ہوسکتی ہے، ورنہ امید یہی ہے کہ اس سے زیادہ مسجدیں بنی ہوں گی۔ اس تعداد میں یہ بھی تفصیل ہے کہ ان میں سے دو ہزار کے قریب جامع مسجد تھیں۔ (جامع التواریخ: ۱۳۲)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سادہ مزاج آدمی تھے اور سادگی کو پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنے دور خلافت میں مساجد میں بھی سادگی کو اپنایا۔ بخاری میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مساجد کے بنانے کا حکم دیا لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ:

اكن الناس من المطر واياك ان تحمر او تصفر فتفتن الناس

"میں لوگوں کو بارش سے بچانا چاہتا ہوں، خبردار مسجدیں سرخ و زرد نہ بنائی جائیں جس سے لوگ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں۔" (بخاری: ۱/۶۴)

ویسے بھی ذخیرہ حدیث کو سامنے رکھ کر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجدوں کی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی زینت اسلام کے مزاج کے خلاف ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنن ابی داؤد میں ہے کہ "مجھے مسجدوں کو مشید بنانے کا حکم نہیں ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ تم ان مسجدوں کو یہود و نصاریٰ کی طرح زینت دو گے۔"

(سنن ابی داؤد، باب بناء المسجد)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا اشارہ اس طرف ہے کہ مسجد کو ایسی زینت نہ دی جائے جو حد اعتدال سے بڑھی ہوئی ہو جیسے یہود و نصاریٰ اپنی عبادت گاہوں کو آراستہ کرتے اور سنوارتے ہیں، حالانکہ معبد کے ساتھ یہ برتاؤ پسندیدہ نہیں ہے کیونکہ اس میں عقیدت سے زیادہ ڈھینگ کو دخل ہے۔

یہ درست ہے کہ ہماری مسجدوں میں یہ تزخرف اور یہ حد سے بڑھی ہوئی گل کاری دوسری ہی قوموں کی عبادت گاہوں سے آئیں اور یہاں آ کر اس قدر بڑھ گئیں کہ اب وہ

Marfat.com

قومیں جن سے یہ شے لی گئی تھی، بہت پیچھے رہ گئیں۔ آج بھی روئے زمین پر جو مسجدیں مسلمانوں کی رہ گئی ہیں وہ بے نظیر ہیں۔

میرے خیال میں مسجدوں کی اس قسم کی تزئین و آرائش کو شریعت نے شاید اس لیے ناپسند کیا ہے کہ ایسے مرکز پر پہنچ کر اخلاص وللّٰہیت ختم ہو جاتی ہے اور فخر و مباہات اس کی جگہ لے لیتی ہے جس کو حدیث میں علامات قیامت میں شمار کیا گیا ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(لاتقوم الساعة حتیٰ یتباھا الناس فی المساجد) (ابوداؤد باب بناء المسجد)

''قیامت اس وقت آئے گی جب لوگ مسجدوں میں تفاخر کرنے لگیں گے۔''

تجربہ بھی اس بات کی تائید کرتا ہے کہ مغز کو چھوڑ کر چھلکے پر وہ قوم جان دیتی ہے جس پر محروم القسمتی اور شقاوت کی گھنگھور گھٹائیں امنڈ امنڈ کر برسنے لگتی ہیں۔ چنانچہ پیغمبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ماساء عمل قوم لوط الازخرفوا مساجدھم (ابن ماجہ باب تشئید المساجد)

جب کسی قوم کے اعمال بگڑتے ہیں تو وہ اپنی مسجدوں کو مزین کرتی ہے۔

معلوم ہوا کہ تزئین و آرائش مساجد قوم کی بداعمالی کی علامت ہے جس چیز کو مسلمانوں نے سمجھا تھا کہ بڑائی اسی میں ہے، نگاہ شریعت میں وہ بدترین نکلی۔ چنانچہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں دیکھتا ہوں کہ تم عنقریب مسجدوں کو بلند و بالا بنانا شروع کردو گے جیسا کہ یہود و نصاریٰ اپنے کنیسے اور گرجے بلند و بالا بناتے ہیں۔''

(ابن ماجہ باب تشئید المساجد)

موجودہ زمانہ میں مساجد کی بلند اور تزئین و آرائش کی طرف تو بہت دھیان پایا جاتا ہے لیکن اس کی آبادکاری کا جذبہ ختم ہو چکا ہے۔ اسی وجہ سے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

یتباھون بھا ثم لایعمرونھا الا قلیلاً (بخاری: ۱/۶۴)

''مسجدوں میں لوگ تفاخر کریں گے پھر ان کی آبادی کا خیال کم ہی لوگوں کو ہوگا۔''

یہ درست ہے کہ اس ترقی یافتہ دور میں بعض علماء نے مساجد کو خوب صورت اور

Marfat.com

مزین بنانے کی اجازت دی ہے جیسا کہ ابن المنیر نے کہا ہے کہ جب ترقی کا ایسا زمانہ آ جائے کہ لوگ اپنے رہنے سہنے کے لیے عالی شان محل اور رنگین کوٹھیاں تعمیر کرنے لگیں تو ایسے زمانے میں استخفاف اور استہانت سے بچنے کے لیے مسجدوں کی بھی تزئین و آرائش ہونی چاہئے، لیکن دوسرے بہت سے علماء نے اس تزئین کے خلاف کہا ہے۔ (فتح الباری: ۱/ ۲۶۳)

یہ سب کچھ مسجد کے اندرونی حصہ سے متعلق ہے۔ جہاں تک مسجد کے بیرونی حصے کا تعلق ہے اس حصہ کے بارہ میں فقہ حنفی میں بالکل اجازت نہیں ہے کیونکہ اس کا تعلق باہر سے ہے جس سے اہل مسجد کو کوئی لگاؤ نہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ردالمختار: ۱/ ۶۱۶)

مختصر یہ کہ مسجد کی دیواریں مضبوط، پائیدار اور بقدر ضرورت خوبصورت اور سادہ ہوں۔ بے فائدہ پھول پتیاں نہ ہوں کیونکہ یہ فضول خرچی اور اسراف میں داخل ہے اور دیواروں پر کچھ لکھا ہوا بھی نہ ہو۔ چنانچہ بحر الرائق میں ہے:

''اچھا یہ ہے کہ مسجد کی دیواریں سفید اور نقش و نگار سے پاک ہوں۔ ان پر لکھا ہوا بھی کچھ نہ ہو۔ ان کو صور و کتابت سے منقش کرنا مکروہ ہے۔'' (بحر الرائق: ۵/ ۲۵۱)

بہر حال یہ تو جملہ معترضہ ہے۔ عرض یہ کر رہا تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں چھ ہزار سے زائد مسجدیں بنوائیں جو سادہ تھیں کیونکہ آپ تزئین و آرائش والی مسجدوں کے حق میں نہیں تھے اور نہ ہی شریعت اسلامیہ کا یہ مزاج ہے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے لکھا ہے کہ:

''امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی تجدید عمارت کے وقت تاکید کردی تھی کہ مسجد ایسی ہو جو لوگوں کی بارش وغیرہ سے حفاظت کرے۔ خبردار: سرخ و زرد رنگوں سے رنگین مت بنانا کہ لوگ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں۔''

(تفسیر عزیزی پارہ اول: ۲۴۲)

مسجد نبوی کی توسیع:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں سلطنت کی پہنائیوں میں بے پناہ اضافہ ہوا اور باہر کے کئی لوگ اسلام قبول کر کے مدینہ طیبہ میں آ کر رہائش پذیر ہو گئے۔ مدینہ طیبہ کے اردگرد کے تمام علاقے بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور مدینہ طیبہ میں ان کی آمدورفت ہو گئی۔

Marfat.com

سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے زمانہ میں جو مسجد تعمیر کی تھی، وہ اس وقت کے لحاظ سے تو کافی وسیع تھی۔آپ نے دروازے کے بازو کے دونوں پائے پتھر کے بنائے۔ دیواریں کچی اینٹ اور گارے سے بنائی گئیں۔ چھت پر کھجور کی شاخیں اور پتے ڈلوادیئے گئے اور کھجور کے تنوں کے ستون بنائے گئے۔ زمین پر ریت اور چھوٹی چھوٹی کنکریاں بچھا دی گئیں۔ تین دروازے لگائے گئے۔ قبلے کی دیوار سے پچھلی دیوار تک ایک سو ہاتھ لمبائی تھی۔ چوڑائی بھی اتنی یا اس سے کم تھی۔ بنیاد قریباً تین ہاتھ گہری تھی۔ اب مدینہ کی آبادی روز بروز بڑھ رہی تھی اور نمازیوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ چنانچہ ۱۷ھ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو وسیع کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اردگرد کے تمام مکانات خرید لیے گئے لیکن سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا مکان دینے سے انکار کر دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں کافی معاوضہ کی بھی پیشکش کی مگر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ مکان دینے پر راضی نہ ہوئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی نہایت عزت و تکریم کرتے تھے کیونکہ آپ سرکارِ دو عالم ﷺ کے عم محترم تھے۔

اتنی محترم شخصیت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اپنا مکان فروخت کرنے سے انکار کر رہی تھی۔ اس محترم شخصیت پر آپ کوئی جبر بھی نہیں کر سکتے تھے۔ آپ نہایت پریشان تھے کہ کیا کیا جائے؟ آخر یہ مقدمہ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ انہوں نے فیصلہ یہ کیا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ (یعنی اسلامی ریاست) کو بہ جبر خریدنے کا کوئی حق نہیں۔

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے اور اس فیصلہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اب سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اب میں اس مکان کو بلا قیمت تمام مسلمانوں کے مفاد کی خاطر دیتا ہوں۔'' غرض ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجرات کو چھوڑ کر باقی اردگرد کی تمام عمارتیں اور مکانات گرا کر مسجد کو وسعت دی گئی۔ پہلے اس کا طول ۱۰۰ ہاتھ تھا اب ایک سو چالیس (۱۴۰) ہاتھ کر دیا گیا۔ اسی طرح اس کے عرض میں بھی توسیع کی گئی لیکن لکڑی کے جو ستون وغیرہ تھے وہ اسی طرح رہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں نہایت سخت تھے۔ سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں مسجد میں سویا ہوا تھا کہ کسی شخص نے مجھے کنکری مار کر جگا دیا۔ میں نے جو اٹھ کر دیکھا تو وہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے دو شخصوں کی طرف اشارہ کر کے جو مسجد میں اونچی اونچی آواز سے باتیں کر رہے تھے، فرمایا کہ ان کو پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔ فرماتے

Marfat.com

ہیں حسب حکم میں ان دونوں کو پکڑ کر آپ کی خدمت میں لایا۔ آپ نے ان سے پوچھا: تم کہاں رہتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اگر تم مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا اس لیے کہ تم رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں اونچی آواز سے باتیں کر رہے ہو۔ جاؤ آج تمہیں صرف اس وجہ سے معاف کیا جاتا ہے کہ تم باہر کے رہنے والے ہو۔ (بخاری: ۱/ ۶۷)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسجد کی معمولی بے حرمتی بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ جب بچوں کو بھی مسجد میں کھیلتے کودتے دیکھتے تو درہ سے ان کی خبر لیتے اور عشاء کے بعد بھی مسجد کی پوری خبر گیری رکھتے۔ نسائی میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے کسی کی بلند آواز سن لی اس پر آپ نے غصہ سے فرمایا ''تم کو معلوم ہے کہ تم کہاں ہو؟'' (تفسیر ابن کثیر: ۳۹۳)

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے انہی وجوہ کی بناء پر مسجد کے ایک کنارے ایک چبوترہ بنوا دیا تھا جس کا نام حدیث میں ''بطیحا'' آتا ہے۔ اس کے بنوانے کے بعد اعلان فرمایا کہ جس نے کوئی شعر پڑھنا ہو یا اور کوئی ایسی بات کرنی ہو تو وہ مسجد سے نکل کر وہاں چلا جائے۔

(مشکوٰۃ عن الموطا باب المساجد، خلاصۃ الوفاء باخبار دار المصطفیٰ: ۱۳۲)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت سے پہلے مسجد نبوی میں روشنی کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اس روشنی کا انتظام بھی سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کیا۔ چنانچہ آپ نے سیدنا تمیم الداری رضی اللہ عنہ کو اس کام پر مقرر کیا کہ وہ مسجد نبوی میں رات کو روشنی کا انتظام کریں۔ آپ نے مسجد میں فرش کا انتظام بھی کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے قبل مسجد نبوی کی کچی زمین پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز پڑھتے تھے جس سے ان کے کپڑے خاک آلود ہو جاتے تھے۔ آپ نے لوگوں کے کپڑوں کو گرد سے بچانے کے لیے مسجد میں چٹائی کا فرش بچھوایا۔ آپ کے بیت المال میں نہایت قیمتی قالین بھی آتے رہتے تھے، لیکن آپ نے سادگی کو اپناتے ہوئے قالین اور شطرنجی کے بجائے سادہ چٹائی کا فرش ڈالا۔

ایک مرتبہ مال غنیمت میں عود کا ایک بنڈل آیا۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس کو مسلمانوں میں تقسیم کرنا چاہا، لیکن عود اتنا کم تھا کہ کس کو دیتے اور کسے نہ دیتے۔ آپ نے حکم دیا کہ اس کو مسجد میں استعمال کیا جائے تاکہ سب مسلمانوں کے کام آئے۔ موذن مسجد کی یہ ڈیوٹی لگائی۔ چنانچہ وہ جمعہ کے روز مسجد میں انگیٹھی میں سلگا کر نمازیوں کے سامنے سے گزرتے اور

Marfat.com

ان کے کپڑوں کو خوشبو میں بساتے۔ (خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفیٰ، مصر:۱۷۴)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اہم مجالس مسجد ہی میں منعقد ہوا کرتی تھیں۔ مسجد ہی میں ارباب سیاست اور صاحبان نظم مملکت اکٹھے ہوتے تھے۔ ایک دفعہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مسجد میں آئے اور ان کے ہاتھ میں ایک رجسٹر تھا جس میں انہوں نے اپنے کام کے متعلق کچھ حساب درج کیا ہوا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اسے بلاؤ جس نے یہ لکھا ہے تاکہ اسے پڑھے۔'' سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا وہ مسجد میں نہیں آ سکتا۔ پوچھا کیوں؟ انہوں نے بتایا کہ وہ نصرانی ہے۔ (سنن بیہقی: ۱۰/ ۱۲۷، ۹/ ۲۰۴، ۱۰/ ۳۲۷، المغنی: ۸/ ۵۳۲، ۶/ ۴۲۵)

مسجد میں سونے پر بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اعتراض نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ایک روز انہوں نے سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کو مسجد میں سویا دیکھا تو کچھ نہیں کہا۔

(بیہقی: ۱/ ۱۰۳، بخاری باب رفع الصوت فی المسجد)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسجد کو صاف ستھرا رکھنے کی بڑی سعی کرتے تھے تاکہ مسجد لوگوں کے لیے مرغوب جگہ رہے، اسی لیے آپ ہر جمعہ کو مسجد میں خوشبو کا اہتمام فرماتے تھے۔

(مجمع الزوائد: ۲/ ۱۱ کنز العمال روایت نمبر ۲۲۰۸۱)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں فضول گوئی کو ناپسند فرماتے۔ چنانچہ جب نماز کے لیے نکلتے تو مسجد میں آواز دیتے کہ فضول گوئی سے احتراز کرو (ابن ابی شیبہ: ۱/ ۱۱۰) ایک مرتبہ فرمایا کہ اللہ کے گھروں میں فضول گوئی نہ کرو۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱/ ۴۲۷، ۴/ ۲۶۴)

اس طرح کے اور بھی کئی کام آپ نے اس مذہبی صیغہ میں مسلمانوں کے لیے جاری فرمائے جس کا کچھ ذکر آئندہ صفحات میں آئے گا۔

Marfat.com

نظمِ مملکت

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قریباً ساڑھے دس سال حکومت کی۔ آپ کے دورِ حکومت میں لاکھوں مربع میل علاقہ فتح ہوا اور ان کی حکومت مشرق میں افغانستان اور چین، مغرب میں تیونس اور اس سے آگے بڑھ کر شمالی افریقہ، شمال میں اناطولیہ اور قزوین اور جنوب میں بلادنوبہ سے جا ملی تھی۔ یہ اس زمانے کی سب سے بڑی حکومت تھی جس نے اس زمانے کی دو سپر پاورز کو تہس نہس کر کے رکھ دیا تھا۔ ان کی خواہش اتنا وسیع علاقہ فتح کرنے کی نہ تھی لیکن واقعات اور حالات انسانی ارادوں سے اکثر و بیشتر قوی ہوتے ہیں اور ان واقعات ہی نے مسلمانوں کو مجبور کیا کہ وہ اپنی فتوحات میں اور وسعت پیدا کریں۔ آپ کی ان فتوحات نے اس زمانے کے بڑے بڑے سیاست دانوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا کہ جزیرہ نما عرب کے معمولی سے لوگوں نے قیصر و کسریٰ کو ان کے وطن سے نکال باہر کیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش ملک گیری کی نہ تھی بلکہ وہ اسلام کے پیغام کو ساری دنیا میں پہنچانا اپنا فرض سمجھتے تھے، یہی وجہ تھی کہ کوئی قوم ان کی راہ کا بھاری پتھر بنی اور نہ کوئی طاقت انہیں اس پیغام کی اشاعت سے روک سکی۔ اسی پیغام کی بدولت یہ نوزائیدہ مملکت بچپن سے لڑکپن اور لڑکپن سے شباب تک کے ارتقائی مراحل نہایت تیزی سے طے کر رہی تھی۔

اسلام کی آمد سے قبل عرب کسی منظم حکومت سے آشنا نہ تھے۔ ان کی زندگی قبائلی زندگی تھی، ہر قبیلہ کا الگ الگ رئیس ہوتا تھا جو ان کے برے بھلے کا سوچتا تھا۔ سیدنا عمر نے انہیں ایک مرکزی قوت میں منظم کیا۔ مملکت کے مختلف حصوں کو ایک مضبوط لڑی میں پرو کر انہیں ناقابل شکست بنا دیا۔ جن ملکوں کو انہوں نے فتح کیا ان کے اپنے اپنے مستقل نظام قائم تھے، لیکن عربوں نے ان دونوں نظاموں میں سے کسی نظام کا چربہ اتارنے کی کوئی کوشش نہ کی اور

Marfat.com

اگر کوئی اس قسم کی کوشش کرتا بھی تو اس کی تحریر اور اصلاح و ترمیم میں کئی سال لگ جاتے۔ جب کہیں مملکت کے مختلف حصوں میں ایک متحدہ دستور وجود میں آتا لیکن برق رفتار فتوحات کے زمانہ میں تدوین دستور کی گنجائش نہیں ہوتی۔ ویسے بھی فتوحات کا زمانہ بالطبع اجتہاد کا زمانہ ہوتا ہے جس میں ہنگامی حالات اور ان کے متقضیات کو دیکھ کر ہی کوئی حکم دیا جاتا ہے۔ پھر جب فتوحات کی وسعت اور برق رفتاری ہو تو اور بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ دستور مملکت منطقی اصولوں سے زیادہ والی سلطنت کے بدیہی فیصلوں پر موقوف ہو اور والی سلطنت فتوحات کے ساتھ چلتا رہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد جب زمام خلافت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی تو انہوں نے اپنی تمام تر توجہ وحدت کی اسی تنظیم پر صرف کردی اور دنیا میں ایک عظیم معنوی انقلاب برپا کردیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شخصیت ضعف کا شکار ہونے والی شخصیت نہ تھی بلکہ بڑی قدآور اور توانا شخصیت تھی۔ ان کی شخصیت کی توانائی کی وجہ سے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ان کا درجہ وزیر اور مشیر کا تھا۔ آپ اکثر مواقع پر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ بھی دیتے اور مشورہ میں کبھی کبھی اختلاف بھی کرتے۔ چنانچہ اپنی اسی طاقت ور شخصیت کی وجہ سے آپ نے سیاست کے کچھ اصول مرتب فرمائے اور انہی اصولوں پر اسلامی ریاست نے جونشو و ارتقاء کے ابتدائی مراحل میں تھی، عراق و شام اور ایران و مصر کی لڑائیاں اس ہوش مندی سے لڑیں کہ پوری دنیا ششدر رہ گئی۔ ان ساری جنگوں کے سپریم کمانڈر آپ خود تھے اور فوجوں کے تمام تر اختیارات آپ ہی کے ہاتھ میں تھے۔ ان اصولوں پر عمل پیرا ہو کر آپ نے ملت اسلامیہ کی وحدت کو اس طرح قائم کیا کہ انہیں گراں قیمت آزادی سے مالا مال کیا۔ آپ ہر چھوٹی بڑی بات کا خیال رکھنے میں انتہائی دور بینی اور بیدار مغزی کے حامل تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جو نظام سلطنت قائم کیا اس کے نتائج بڑے خوشگوار ثابت ہوئے۔ آپ نے غلاموں کو واپس کرنے اور مرتدین پر سے پابندیاں اٹھانے کا جو حکم دیا تھا اس نے لوگوں میں تعاون کا جذبہ پیدا کیا اور وہ بہ طیب خاطر اسلامی فوجوں کی دعوت جنگ پر لبیک کہہ کر اس میں شامل ہو گئے جس سے فوج کو بہت فائدہ ہوا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ذہن وسیع، ظرف اعلیٰ و بلند اور نگاہ نہایت دور رس تھی۔ آپ نے اپنے عہد حکومت میں ہمیشہ اس بات کا خیال رکھا کہ رعایا اور حکمران دونوں قانون کا احترام

Marfat.com

کریں جو حکم نافذ ہو اس کی تنفیذ اور اطاعت میں کسی قسم کا تساہل و تکاسل نہ ہو۔ آپ جس طرح اپنے گردونواح میں بسنے والے اہل مدینہ پر نظر رکھتے تھے اسی طرح اسلامی ریاست کے بعید ترین کونوں میں رہنے والوں پر بھی آپ کی نگاہ رہتی تھی۔ قوانین کی کثرت کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ اس کا کوئی فائدہ، اصل شے قوانین کا نفاذ، ان کا احترام اور ان کی پابندی ہوتی ہے۔ حیلے بہانوں سے قوانین کو غیر موثر بنانے اور ان کی پابندی نہ کرنے والوں اور غرض کے بندوں کے ہتھکنڈوں کے دروازے بند کر دیے جائیں تو حکم عدولی اور غیر قانونی حرکتوں کا خاتمہ بآسانی کیا جا سکتا ہے۔ روایات میں ہے کہ آپ کے دور میں ایک فوجی شریک بن سمی نے آپ سے زراعت کی اجازت مانگی۔ آپ نے اسے اجازت نہ دی۔ اس کے باوجود اس نے مصر میں کاشت کاری شروع کر دی۔ آپ نے گورنر مصر کو لکھا کہ شریک کو فوری طور پر مدینہ بھیج دو۔ انہوں نے تعمیل حکم کر کے شریک کو مدینہ بھیج دیا۔ وہ سخت خوفزدہ ہوا۔ مدینہ پہنچ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا: ''تم کس لشکر سے تعلق رکھتے ہو؟'' جواب دیا ''جنودِ مصر سے''۔ آپ نے فرمایا ''تو شاید تم شریک بن سمی ہو؟'' عرض کی ''جی ہاں''۔ فرمایا ''تم نے حکم عدولی کی ہے، میں تمہیں سزا دوں گا۔'' شریک نے کہا ''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی غلطیوں پر ان کی توبہ قبول فرماتا ہے، آپ بھی میری خطا معاف فرما دیں۔'' فرمایا ''تم واقعی تائب ہو گئے ہو؟'' عرض کیا ''یقیناً''۔ فرمایا: ''ٹھیک ہے جاؤ اور اپنی ذمہ داریاں ادا کرو۔'' پھر آپ نے گورنر کے نام یہ پیغام لکھا ''شریک نے میرے پاس آ کر اعتراف کر لیا کہ اس سے غلطی ہو گئی ہے اور آئندہ اس نے ایسا نہ کرنے کا وعدہ کیا ہے لہٰذا میں نے اس کو معاف کر دیا ہے۔''

فرد اور جماعت کا چولی دامن کا تعلق ہوتا ہے۔ جماعت ہر فرد کے لیے نعمت اور فرد جماعت کی بنیاد و اساس۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''تو جماعت کے ساتھ رہے گا تو تجھے خیر و بھلائی ملے گی۔'' اسی طرح ایک اور ارشاد ہے کہ ''جماعت رحمت ہے اور تفرقہ عذاب'' اسی اصول کی بناء پر مخلص مسلمانوں نے ذاتی مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر جماعتی مفاد کی حفاظت کی۔ بسا اوقات بڑی مشکلات بھی برداشت کیں لیکن جماعت کا التزام رکھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلامی ریاست کی حدود میں جو وسعت ہوئی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی راہ سے بھٹکا نہ سکی اور ان کی زندگی میں وہی سادگی رہی جو پہلے تھی۔ انہوں نے انتظام حکومت کے لیے مسجد نبوی کو چھوڑ کر کوئی الگ ایوان نہیں بنایا۔ عہد فاروقی کے ابتدائی

Marfat.com

دور میں مسجد نبوی بالکل ویسی ہی تھی جیسی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تھی۔ کچی اینٹوں کی دیوار اور کھجور کے پتوں کی چھت۔ آپ اس کو ڈھا کر اچھی بھی بنوا سکتے تھے تاکہ ان کی نشست گاہ ان کے وقار سلطنت کے شایانِ شان ہو جاتی۔ آخر سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بھی تو ایوان کسریٰ میں قیام کیا تھا اور اس کو اپنا مستقر بنایا تھا۔ پھر جب وہ مدائن سے کوفہ منتقل ہوئے تو وہاں بھی انہوں نے اپنا الگ ایوان بنایا جس کو لوگ ''قصر سعد'' کہتے تھے۔ لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے ابتدائی چار سال مسجد نبوی کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ جیسی حضور علیہ السلام کے زمانہ میں تھی ویسی ہی رہی۔ بعد میں بھی اپنے لیے نہیں بلکہ جب مدینہ کی آبادی میں اضافہ ہوا اور مسجد نمازیوں پر تنگ ہوگئی تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو سند بنا کر کہ ہمیں مسجد کی توسیع کرنی چاہیے اس کی توسیع کا حکم دیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہ سنتا کہ ہمیں مسجد کی توسیع کرنا چاہئے تو ہرگز اس کی توسیع نہ کراتا۔ مسجد کی توسیع کا حکم دیتے وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے نماز اور معاملات حکومت کے لیے مخصوص کرنا چاہا کیونکہ اہل مدینہ نے اسے دارالندوہ بنا رکھا تھا۔ وہاں بیٹھ کر مختلف امور پر گفتگو کرتے۔ بعض اوقات تو یہاں تک ہوتا کہ امیر المومنین وہاں بیٹھے مہمات کے امور پر غور فرما رہے ہوتے اور لوگوں کے شور سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی۔ اس لیے آپ نے مسجد کی توسیع کے بعد لوگوں کے باتیں کرنے کے لیے ''بطیحا'' کے نام سے ایک گوشے میں ایک جگہ مخصوص کر دی۔ اس ترمیم کے علاوہ اور کوئی ترمیم نہ کی گئی، صرف صحن وسیع کرا دیا۔ وہی پتھر کی بنیادیں، وہی کچی اینٹوں کی دیواریں، وہی لکڑی کے ستون اور کھجور کے پتوں کی چھت۔ اسی سادہ وضع کی مسجد سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے سپہ سالاروں کو مختلف احکام صادر فرماتے تھے اور اسی مسجد میں بیٹھ کر وہ خوشخبریاں سن رہے تھے کہ کسریٰ کا ایوان ان کے سر پر گر رہا ہے۔ قیصر شام سے قسطنطنیہ کی طرف بھاگ رہا ہے اور یہ عظیم اسکندریہ، یہ اس دور کی عالمی تہذیب کا پایہ تخت اور مختلف تہذیبوں کا سنگم اپنی کنجیاں مسلمانوں کے حوالے کر رہا ہے۔

جب دنیا کی پرانی تہذیبیں دم توڑ رہی تھیں اور اس کرہ اغیار پر ایک نئی تہذیب وجود میں آ رہی تھی، اس تہذیب کو وجود میں لانے والا درویش سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نہایت سادگی کے ساتھ اپنی زندگی بسر کر رہا تھا اور اس کے ایمان نے دنیا کو اس کی نگاہوں میں بے اصل بنایا ہوا تھا۔ فتوحات کی وسعت اور مال غنیمت کی فراوانی نے اس کے مزاج میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی

Marfat.com

تھی۔ مدینہ میں جس وقت دولت کے انبار لگے تھے اور قیصر و کسریٰ کے خزانے مال غنیمت میں مدینہ میں آئے تھے اس وقت بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں سے اتنا ہی حصہ لیا جتنا ایک عام مسلمان کا ہوتا تھا، کیونکہ خلافت کی بناء پر وہ اپنا حق دوسروں کے حق سے زیادہ نہ سمجھتے تھے۔ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ''اللہ کا مال میرے لیے ایسا ہے جیسا کسی یتیم کا مال۔ ضرورت نہیں ہوتی تو ہاتھ نہیں لگاتا اور حاجت ہوتی ہے تو بقدر احتیاج لے لیتا ہوں۔'' مسلمانوں نے جو انہیں اپنی جان پر یہ سختیاں جھیلتے دیکھا تو نہایت پریشان ہوئے۔ ایک روز ان کی صاحبزادی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ''ام المومنین! عمر رضی اللہ عنہ اپنی جان پر سختیاں جھیلتے جاتے ہیں۔ اب فتوحات کی وسعت سے اللہ تعالیٰ نے رزق کشادہ کر دیا ہے، انہیں جو کچھ چاہئے، مال غنیمت میں سے لیں۔ مسلمانوں کی طرف سے انہیں اجازت ہے۔'' سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے ان کی یہ بات سنی تو بہت متاثر ہوئیں اور بات تھی بھی درست، چنانچہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے ان لوگوں کی کہانی دہرائی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بیٹی! تو نے اپنی قوم کے ساتھ بھلائی کی اور اپنے باپ کو دھوکہ دیا۔ میرے اہل و عیال کا حق میری ذات اور مال میں ہے، میری دیانت اور امانت میں نہیں۔''

خود احتسابی ایک عظیم صفت اور اخلاقی خوبی ہے۔ آپ اکثر کہا کرتے تھے کہ وقت سے پہلے اپنا محاسبہ کرلو اور اعمال کا ترازو لگنے سے قبل خود اپنے اعمال کا وزن کرلو۔ ایسا طرز عمل اختیار کرلو گے تو کل حساب میں آسانی ہوگی اور بڑی پیشی کے لیے اپنے آپ کو اچھی طرح تیار کرلو۔ بے شک وہ شخص خوش قسمت ہے جس سے گناہ سرزد ہو جائے تو احساس ندامت سے وہ رو پڑے اور نیکی کا کام سرانجام دے تو خوشی اور شکر کے جذبات سے مالا مال ہو جائے۔ ایسا انسان اپنے لیے، اپنے معاشرے اور امت کے لیے اور سب سے بڑھ کر حاکم وقت کے لیے باعث سعادت ہوتا ہے۔

آپ جس بات کا اپنی رعایا کو حکم دیتے تھے سب سے پہلے خود اس پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ لوگوں کو سادگی اور زہد کی تلقین کرنے سے پہلے خود اس کا عملی نمونہ بن جاتے۔ آپ کی حالت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ آپ کی بیٹی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو توجہ دلائی کہ اپنے آپ کو اتنی مشقت میں نہ ڈالا کریں جس سے صحت بھی تباہ ہو جائے۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو یاد دلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے یارِ غار سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کتنی سخت اور پر

Marfat.com

مشقت زندگی گزارا کرتے تھے۔ جب آپ نے کچھ واقعات کی یاد دلائی تو سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''بخدا! اگر مجھے توفیق ملے تو میں بھی انہی کی طرح پر مشقت زندگی گزاروں تاکہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اخروی زندگی میں ان کا ساتھ عطا فرمائے۔''

اسی سادگی اور زہد کے سائے میں اپنی خلافت کے زمانے میں آپ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ کے ساتھ کوئی خیمہ نہیں تھا۔ راستہ میں آپ نے کوئی خیمہ نہیں لگایا۔ دھوپ سے بچنے کے لیے کسی جھاڑی کی اوٹ میں بیٹھ جاتے۔ چمڑے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ساتھ تھا کبھی اس کا سایہ کر لیتے۔ عرب کے تپتے ہوئے ریگستان میں وہ سایہ کیا حیثیت رکھتا تھا۔ آپ اس بات سے خائف تھے کہ اپنے لیے کوئی ایسا سایہ فراہم کریں جس کا مہیا کرنا رعایا کے ہر فرد کے لیے ممکن نہ ہو۔ ان کے پیش نظر سورج کی گرمی سے بچنا نہیں تھا بلکہ وہ اس گرمی سے بچنا چاہتے تھے جو سورج سے کہیں زیادہ گرم ہے، جس کے مقابلہ میں سورج کی تپتی ہوئی شعاعیں ٹھنڈی اور آرام دہ ہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں پر از حد مہربان تھے اور دینی اور دنیوی ہر معاملہ میں ان کے لیے اسی طرح آسانیاں تلاش کرتے تھے جیسے ایک مہربان اور شفیق باپ اپنی اولاد کے لیے کرتا ہے۔ اگرچہ خود سخت کوش اور جفاکش تھے لیکن لوگوں کے لیے آسانی چاہتے تھے۔ اپنی سخت کوشی کا ڈھنڈورا کبھی نہ پیٹتے۔

انہی خوبیوں کی وجہ سے آپ کی خلافت ہر پہلو سے مثالی تھی۔ وہ ہر معاملہ میں اپنے آپ کو مسئول اور ذمہ دار گردانتے تھے اور اپنی رعایا کی ہر ضرورت کا خیال رکھتے تھے۔ آپ کا نظم حکومت مضبوط بنیادوں پر قائم تھا۔ تمام حکومتی ادارے منظم تھے۔ مواصلات کا نظام بہترین تھا۔ راستے محفوظ اور بہترین انداز میں بنائے گئے تھے۔ آج کے دور میں سڑکیں بنتی ہیں تو دوسرے دن ٹوٹ جاتی ہیں جب کہ اس دور میں سڑکیں بنائی جاتی تھیں تو مدتوں ان میں کوئی خرابی نہیں ہوتی تھی۔ مصر اور مدینہ منورہ کا فاصلہ کس قدر زیادہ تھا۔ لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن رسا نے یہ فاصلہ پاٹ دیا۔ وہ یوں کہ مصر سے غلہ لانے کے لیے بحری جہاز استعمال کیے۔ جہازوں کے ذریعے غلہ جدہ کی بندرگاہ تک لایا جاتا تھا۔ وہاں سے پھر اونٹوں پر لاد کر محفوظ سڑک کے ذریعہ ایک دن اور ایک رات میں کارواں مدینہ پہنچ جاتا تھا۔ جدہ بحر احمر (Red Sea)

Marfat.com

پر بندرگاہ تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے قبل مصر سے حجاز تک سارا سفر صحرا اور خشکی کے ذریعہ ہوتا تھا جو نہایت طویل بھی تھا اور پرصعوبت بھی۔

آپ کے گھر کا دروازہ ہر شخص کے لیے ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ بھلا جو گورنر کوفہ کے گھر کے آگے ڈیوڑھی برداشت نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ اگر یہ ڈیوڑھی قائم رہی تو یہ ''قصر سعد'' نہیں بلکہ ''قصر فساد'' ہے، وہ اپنے گھر کے دروازے لوگوں پر کیسے بند کرسکتا ہے؟ جو شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اس کی دادرسی بھی ہوتی اور ہر قسم کی خاطر تواضع بھی۔ آپ کے ہاں کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہ تھی۔ ہاں ایک اصول تھا جس سے ہر خاص و عام آشنا تھا کہ جو زیادہ نیک اور متقی تھا وہ آپ کے ہاں زیادہ محترم اور معزز تھا۔ جس نے اعمال خیر اور جہاد اسلامی میں زیادہ خدمات سرانجام دی تھیں وہ دوسروں پر فوقیت رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ دوسروں کا مرتبہ معین کرنے کے لیے آپ کے ہاں اور کوئی معیار نہ تھا۔ فساد کی اصل وجہ دنیا میں یہی ہے کہ حق داروں کو ان کا حق نہیں ملتا اور صاحب استحقاق کے مقابلہ میں معاشرہ میں بااثر لوگوں کو ترجیح دی جاتی ہے۔ حکمران اگر یہ اصول پیش نظر رکھیں کہ جس شخص نے امت کے لیے زیادہ قابل قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ اس کی عزت افزائی اور قدر کی جائے، اس سے معاشرہ میں صحت مند رجحان پروان چڑھتا ہے۔ لوگ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نیکیاں برائیوں پر غالب آجاتی ہیں۔

جریر بن حازم بن حسن فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ملنے کے لیے ان کے مکان پر آئے۔ ان میں اصحاب بدر بھی تھے اور قریش کے شیوخ بھی، ان لوگوں نے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ اصحاب بدر میں سے سیدنا صہیب رومی رضی اللہ عنہ، سیدنا خباب بن الارت رضی اللہ عنہ، سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور سیدنا بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کو اندر آنے کی اجازت فوری طور پر مل گئی جب کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ، حارث بن ہشام اور سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کو باہر انتظار کرنا پڑا۔ اس صورت حال کو دیکھ کر رئیسان قریش میں سے کچھ حضرات نے کہا ''آج کے دن سے زیادہ ہم نے اپنی بے قدری کبھی نہ دیکھی تھی کہ رؤسائے قریش باہر بیٹھے ہیں اور غلاموں کو اندر بلالیا گیا ہے۔'' انہی رؤسائے قریش میں سے سیدنا سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نہایت عقل مند اور متقی اور معاملہ فہم بزرگ تھے، وہ یہ الفاظ سن کر بولے: ''اے سرداران قریش! میں نے تمہارے چہروں پر ناراضی کے آثار دیکھ لیے ہیں۔ اگر غصہ کرنا ہے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر نہ کرو بلکہ اپنے آپ

Marfat.com

پر کرو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے لوگوں پر اسلام کی دعوت پیش کی۔ تمہیں بھی کہا گیا۔ وہ لوگ جلدی سے آگے بڑھے اور تم پیچھے رہ گئے۔ تمہیں اس دروازے سے ان کا پہلے داخل ہونا ناگوار گزر رہا تھا۔ خدا کی قسم! یہ تو کوئی بات نہیں۔ وہ اپنے درجات کی بلندی میں تم سے اتنے آگے بڑھ گئے ہیں کہ اگر تم اس کا احساس کرو تو اپنی محرومی پر کف افسوس ملتے رہ جاؤ۔'' پھر مزید کہا: ''اے لوگو! یہ راہِ خدا میں جہاد اور سبقت اسلام کی وجہ سے تم سے آگے بڑھ گئے ہیں۔ اب تمہارے لیے ایک ہی راستہ ہے کہ تلافی مافات کرسکو۔ اور وہ جہاد کا راستہ ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ تمہیں شہادت کا رتبہ عطا کر کے تمہارے درجات بلند فرما دے۔'' سیدنا سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ اس کے بعد اسلامی لشکروں کے ساتھ شام چلے گئے اور میدان جہاد میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔

ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں کہیں سے مال غنیمت آیا۔ جس میں بہت سے قیمتی پارچہ جات تھے۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان میں حصہ دیا۔ ایک قیمتی حلہ بچ گیا۔ آپ نے فرمایا: ''کسی ایسے نوجوان کی نشاندہی کرو جس نے ہجرت کی ہو اور اس کے باپ نے بھی ہجرت کی ہو تاکہ میں یہ حصہ اسے دے دوں۔ لوگوں نے بلا توقف کہا: ''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ''۔ آپ نے فرمایا نہیں! وہ تو اس کا مستحق ہو ہی نہیں سکتا۔ پھر آپ نے وہ حلہ سلیط بن سلیط رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرما دیا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا نام بالکل صحیح تجویز کیا گیا تھا، کیونکہ انہوں نے خود بھی ہجرت کی تھی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی مہاجر تھے۔ اس کے علاوہ سیدنا عبداللہ میں اور بھی بہت سی خوبیاں تھی لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دوسرے مسلمانوں کو اپنے آپ پر اور اپنی اولاد پر ہمیشہ ترجیح دی جیسا کہ وظائف کے معاملہ میں قبل از بیان ہو چکا ہے۔

اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ آپ ایک دفعہ مدینہ کی عورتوں میں چادریں تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک بہت عمدہ چادر بچ گئی۔ ایک شخص نے کہا کہ یہ چادر آپ اپنی زوجہ محترمہ سیدہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کو دے دیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ام سلیط رضی اللہ عنہا اس چادر کی زیادہ حق دار ہے کیونکہ وہ جنگ احد کے دن پانی کی مشکیں اٹھا اٹھا کر ہمارے لیے لاتی تھیں۔'' (بخاری: ۱/۴۰۳، ۲/۵۸۲، کتاب الاموال: ۲۴۲)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلمان نوجوانوں میں قوت و مردانگی کے آثار دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلم نوجوان ظاہر و باطن دونوں لحاظ سے اسلام کی شوکت و قوت کا مظہر بن جائیں۔ ایک نوجوان کو مریل چال چلتے ہوئے دیکھا تو پوچھا ''کیا تم بیمار ہو؟'' اس نے کہا نہیں

Marfat.com

امیر المومنین! میں بالکل تندرست ہوں۔ اس پر آپ نے درہ لہرایا اور فرمایا: ''یہ مردنی تم پر کیوں چھائی ہوئی ہے۔ جوانمردوں کی طرح چلو۔ یہ مریل چال نوجوانوں کو اچھی نہیں لگتی۔

یہ نصیحت آپ عوام کو ہی نہ کرتے بلکہ خواص کو بھی تذکیر و نصیحت کرتے رہتے تھے۔ امہات المومنین کا مقام و مرتبہ کس قدر بلند ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں کہا ہے کہ تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو بلکہ ان سے بہت بلند و بالا ہو۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ نماز پڑھاتے ہوئے سورۃ الاحزاب کی تلاوت کی۔ جب ان آیات پر پہنچے جن میں اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو ''یانساء النبی'' کہہ کر خطاب کیا ہے تو آواز بلند ہوگئی۔ نماز کے بعد لوگوں نے وجہ پوچھی۔ فرمایا: ''امہات المومنین کو وہ عہد یاد دلانا مقصود تھا جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے خصوصی طور پر نازل فرمایا تھا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اللہ کے دین کے بارہ میں کسی کا کوئی لحاظ نہیں کرتے تھے۔ اسی وجہ سے حدیث میں آپ کی صفت بیان کی گئی ہے۔ ''واشدھم فی امر اللہ'' کہ آپ اللہ کے دین کے بارہ میں سب سے زیادہ سخت اور شدید ہیں۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے رشتہ میں نہایت قریبی عزیز، لیکن ان میں ذرا بھی غلطی دیکھی تو فوراً معزول کر دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ معرکہ یرموک میں اور عین اس وقت معزول کیا جب سپہ سالاری کا علم ان کے سر پر تھا۔ دشمن کی بے جگرانہ مدافعت کرتے ہوئے ان کو خندق کے مقبرہ میں دفن کر رہے تھے۔ مدینہ منورہ سے قاصد نے آ کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت اور اس کے ساتھ ہی انقلاب عظیم کی خبر سنائی کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کے بجائے امین الامت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ سپہ سالار لشکر بنائے گئے ہیں۔ بارگاہِ خلافت کا حکم نامہ سب سے پہلے امین الامت کے ہاتھ میں دیا گیا، لیکن انہوں نے اس کو مصلحت کے پیش نظر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے پوشیدہ رکھا اور دوسرے روز اس کی اطلاع دی۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یرموک کے بعد محاصرہ دمشق کے وقت معزول کیے گئے۔ دمشق کے محاصرہ میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے فوق العادت بہادری اور جرأت اور اول درجہ کی حسن تدبیر کا ظہور ہوا تھا۔ جس کی تفصیل اس سے قبل بیان ہو چکی ہے۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ پر اس معزولی کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ جس طرح سپہ سالارِ اعظم کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ اسی طرح ایک ماتحت افسر کے لباس میں جان بازی اور بہادری

Marfat.com

سے دشمن کا مقابلہ کرتے رہے۔ تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ دنیا میں ایسے واقعات چشم فلک نے کبھی نہیں دیکھے ہوں گے کہ عین معرکہ دمشق کے دوران معزولی ہوئی اور پھر بھی خالد رضی اللہ عنہ ہی کے ہاتھوں دمشق فتح ہوا۔ انہوں نے اس بات کا کوئی احساس ہی نہیں کیا کہ مجھے معزول کیا گیا ہے۔ وہ اپنی اس معزولی کے بعد امین الامت سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ بعلبک، حمص، حماۃ اور لاذقیہ وغیرہ میں دشمن پر تابڑتوڑ حملے کرتے رہے اور ان شہروں کو فتح کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب ان معرکوں میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے نمایاں کارناموں کی حالت معلوم ہوئی تو فرمایا:

''خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو خود سپہ سالار بنالیا (امر خالد نفسہ) اللہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے وہ کام کے آدمیوں کو مجھ سے زیادہ پہچانتے تھے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شام میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار اعظم بنایا تھا اور فتوحات عراق کے مدار اعظم مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو جو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے بعد عراقی فوجوں کے قائد عام تھے، معزول کر کے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار مقرر فرمایا تھا۔

اس موقع پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اور سیدنا مثنیٰ کی تعریف فرماتے ہوئے ان دونوں سپہ سالاروں کی معزولی کی وجہ بیان فرمائی اور فرمایا:

''میں نے ان دونوں کو تہمت یا بدظنی کی وجہ سے معزول نہیں کیا، لوگوں کو ان کی تدابیر شجاعت پر اس قدر اعتماد ہو گیا تھا جس سے اندیشہ تھا کہ خدا تعالیٰ سے نظر اٹھا کر فتوحات کا انحصار انہی کی ذات پر نہ سمجھ لیں۔'' (ابن اثیر: ۲/۱۹۱)

یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے اثرات تھے کہ اتنے بڑے دو جرنیل اتنا اچھا کام کرنے کے باوجود معزول کر دیئے گئے اور ان کی کارکردگی میں کوئی فرق نہ آیا۔ بلکہ وہ جیسا کام کر رہے تھے ویسا ہی کرتے رہے۔ بلکہ ان دونوں نے معزولی کے بعد وہ نمایاں خدمات سر انجام دیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا خیال ان دونوں کی طرف سے بدل گیا اور آپ نے ان کی خوبیوں کا علیٰ روس الاشہاد اقرار کیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب بیت المقدس کا سفر کیا اور فوج کے سپہ سالاروں کو آپ نے مطلع فرمایا کہ مجھے جابیہ کے مقام پر آ کر ملیں تو سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا شرجیل بن

Marfat.com

حسنہ رضی اللہ عنہ کے سوا باقی تمام سپہ سالاران لشکر آپ کے استقبال اور آپ کی ملاقات کے لیے جابیہ پہنچ گئے۔ سب سے پہلے سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ گھوڑوں پر سوار آپ کے سامنے اس شان سے آئے کہ حریر و دیبا کا لباس زیب تن تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مواخذہ کیا۔ ان حضرات نے جو جواب دیا اس سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مطمئن ہو گئے۔ اس واقعہ کی تفصیل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ بتانا یہ مقصود تھا کہ اسلام کے بڑے نامور سپہ سالار تک سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے سامنے لرزہ براندام رہتے تھے اور کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سیاست و تدبیر کے فن میں جو کمال حاصل تھا کسی اور فرماں روا کے ہاں اس کی نظر نہیں ملتی۔

یہ تو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی پہلی معزولی تھی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو دو مرتبہ معزول کیا گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک طرف تو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی صفات جلیلہ کے اس قدر معترف تھے کہ ایک مرتبہ فرمایا:

عجزت النساء ان یلدن مثل خالد

''عورتیں خالد رضی اللہ عنہ جیسے جانباز شخص کے جننے سے عاجز ہیں۔''

لیکن حمص کے معرکہ کے بعد سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور سیدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ نے روم کی سرحد کی جانب حملہ کیا اور وہاں سے ان دونوں کو بہت سا مال غنیمت حاصل ہوا۔ اس خبر کا چرچا ہوا تو بہت سے حاجت مند لوگ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر امداد کے خواہاں ہوئے۔ اشعث بن قیس بھی ان لوگوں میں سے تھے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے ان کو دس ہزار درہم عطا فرمائے۔

اس واقعہ کی اطلاع سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ہوگئی۔ آپ نے سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ خالد رضی اللہ عنہ کی مشکیں ان کے عمامہ سے باندھ کر اور کلاہ سر پر سے اتار کر مجمع عام میں کھڑا کریں اور ان سے دریافت کریں کہ یہ انعامات کہاں سے دیئے ہیں؟ مال غنیمت میں سے یا اپنے مال میں سے؟ اگر وہ جواب دیں کہ مال غنیمت میں سے دیئے ہیں تو یہ خیانت ہے اور اگر یہ کہیں کہ اپنے مال میں سے دیئے ہیں تو یہ اسراف اور مال کا ضیاع ہے، اور ہر حال میں ان کو سپہ سالاری سے معزول کر کے ان کے متعلقہ کام کو اپنی نگرانی میں لے لیں۔

خالد رضی اللہ عنہ جیسے سپہ سالار کے بارہ میں اس طرح جواب طلبی کرنا صرف سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا

Marfat.com

کام تھا اور شائد کوئی دوسرا ان کو نہ تو معزول کر سکتا اور نہ ہی ان سے جواب طلب کر سکتا تھا لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی عہدہ اور رشتہ کا لحاظ کیے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے پر زور طریقہ سے جواب طلبی کی۔ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ خط پڑھا تو پریشان ہو گئے لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے احکام کو ٹالا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو قنسرین سے طلب کیا اور ایک جلسہ عام کیا۔ خود منبر پر بیٹھے اور جو صاحب اس خط کو لے کر بارگاہِ خلافت سے آئے تھے وہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ اشعث بن قیس کو انعام کہاں سے دیا؟ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے کچھ جواب نہ دیا۔ سیدنا ابو عبیدہ ساکت وصامت منبر پر بیٹھے تھے۔ آخر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''امیر المومنین کا حکم آپ کے بارہ میں یہ ہے اور کلاہ اتار کر نیچے رکھی اور اس کے بعد کھڑے ہو کر ان کی مشکیں عمامہ سے باندھیں۔

یہ سب کچھ کیا گیا لیکن سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے احکام خلافت کی حرمت اور اطاعت کے لحاظ سے کسی بات سے ان کو نہیں روکا۔ جب کلاہ اتار چکے اور عمامہ سے ان کو کس دیا گیا تو کہا: اب بتلاؤ کہ اشعث کو انعام کہاں سے دیا؟ اپنے مال سے یا مال غنیمت سے؟ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''اپنے مال سے'' یہ جواب سن کر سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان کو کھول دیا اور اپنے ہاتھ سے کلاہ سر پر رکھی اور اپنے ہاتھ سے ان کا عمامہ باندھا اور فرمایا:

''ہم اپنے والی اور خلفاء کے احکام کو سنتے اور اطاعت کرتے ہیں اور اپنے بزرگ لوگوں کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کی خدمت کرتے ہیں۔''

یہ سب کچھ ہو گیا لیکن امین الامت سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے انہیں معزولی کی اطلاع دینا مناسب نہ سمجھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی فراست اور بصیرت سے سمجھ لیا کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو معزولی کی اطلاع نہیں دی گئی۔ تب آپ نے براہ راست انہیں مدینہ چلے آنے کے لیے لکھا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو اپنی معزولی اور مدینہ پہنچنے کا حکم ملا۔ آپ پہلے تو قنسرین تشریف لے گئے۔ وہاں بھی جلسہ عام میں خطبہ پڑھ کر سب کو رخصت کیا اور پھر وہاں سے مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ مدینہ پہنچ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

''میں نے آپ کا شکوہ مسلمانوں سے کیا۔ بخدا! آپ میرے معاملہ میں اچھا سلوک کرنے والے نہیں ہیں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

Marfat.com

''یاخالد! واللہ انک علی الکریم وانک الی الحبیب''

''اے خالد! بخدا تم مجھے بہت ہی عزیز اور محبوب ہو۔''

اور تمام امصار و بلاد کے مسلمانوں اور گورنروں کو ایک سرکلر بھیجا جس میں لکھا: ''میں نے خالد کو ناراضی یا کسی خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا، لیکن لوگوں کے دلوں میں ان کی عظمت زیادہ ہوگئی تھی اور وہ فتنہ میں مبتلا ہوگئے تھے۔ (یعنی یہ کہ ساری فتوحات خالد رضی اللہ عنہ کی وجہ سے ہیں) مجھے اندیشہ ہوگیا تھا کہ انہی پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں، اس لیے میں نے پسند کیا کہ وہ جان لیں کہ کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور وہ فتنہ میں مبتلا نہ ہوں۔ (ان یعلموا ان اللہ ھو الصانع ولایکونوا العرض فتنة)

اس کے بعد بیس ہزار کی رقم جو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے لے کر بیت المال میں داخل کی تھی وہ ان کو واپس کردی۔ اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اگرچہ بار بار اصرار فرمایا کہ وہ کوئی عہدہ ولایت یا افواج کی سپہ سالاری قبول فرمالیں، لیکن وہ انکار کرتے رہے اور کسی عہدہ کو قبول نہ فرمایا اور عزلت اور یکسوئی کی حالت میں بقیہ عمر گزاری اور ۲۱ ھ میں بمقام حمص یا مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

ملاحظہ فرمائیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جہاں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی عظیم الشان فتوحات اور نمایاں کارنامے ملاحظہ فرمائے۔ ان کے ساتھ ہی آپ کو یہ بھی احساس ہوا کہ مسلمانوں کے قلوب میں ان کی عظمت وعزت اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ ان تمام فتوحات اور اسلام کی بسرعت تمام ترقیات کو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی تدبیر وفراست، شجاعت و بسالت کا نتیجہ سمجھنے لگے ہیں۔ جس سے آپ کو یہ اندیشہ ہوا کہ عوام اور بالخصوص نومسلم افراد اسی طرح قرونِ مابعد میں کہیں عقیدوں میں خلجان واقع نہ ہو جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شانِ فاروقی نے اس بات کو گوارا نہ کیا کہ امت مسلمہ اعتماد علیٰ غیر اللہ اور ترک توکل میں مبتلا ہوکر تدبیر ہی کو مایہ اعتماد بنالے، یا سیدنا خالد رضی اللہ عنہ ہی میں کسی قسم کا حظِ نفس اور حب جاہ پیدا ہو جائے، اس لیے معالجہ کے لیے اس سے بہتر کوئی تدبیر نہ تھی۔ جہاں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو برسرعام مجرمانہ حیثیت سے جواب طلب کرنے میں شوکت نفس کو توڑنا تھا، ایسے ہی ان کے عزل کو ظاہر کی طرف منسوب کر کے مسلمانوں کی روک تھام تھی جن کے دلوں میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی عظمت اس قدر تھی کہ کہیں ان کے مقابلہ پر احکامِ فاروقی میں کلام نہ ہونے لگتا۔

Marfat.com

مختصر یہ کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو ایک ایسے وقت میں سپہ سالاری کے منصب جلیلہ سے معزول کیا جب مسلمان فوجیں دنیا کی ایک بہت بڑی سلطنت سے برسر پیکار تھیں، اور معزولی کی وجہ یہ تھی کہ کہیں نو مسلم حضرات یا آنے والی نسلیں یہ نہ سمجھ لیں کہ اسلام کی ساری فتوحات خالد رضی اللہ عنہ کی وجہ سے ہیں۔ لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ظاہر بین لوگوں کو یہ بتایا کہ انہوں نے اشعث بن قیس کو گراں قدر رقم دی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ خالد رضی اللہ عنہ کوئی معمولی شخص نہیں ہے۔ اس کا فعل قابل اقتداء اور تقلید ہے۔ انہوں نے آج اگر اپنی گرہ سے ایک شاعر کو ہزاروں دے دیئے تو آنے والے امراء و سلاطین لاکھوں کروڑوں دیں گے اور خالد رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو حجت گردانیں گے۔ اس وجہ سے انہوں نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے عزل میں کوئی پس و پیش نہ کیا اور اس کے ردعمل کی کچھ پروا نہ کی کہ عساکر اسلامیہ کو ان کی علیحدگی سے کس قسم کا نقصان پہنچے گا۔ یہ تھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی صلابت دینی، سیاسی بصیرت اور توکل علی اللہ کا جذبہ کہ ایک قابل تاویل امر میں بھی مسالمت اور رواداری کو جائز نہ رکھا جس کی وجہ سے خیالات میں تغیر اور افعال و اعمال کو نقصان پہنچے اور امت کسی گمراہی میں مبتلا ہو۔

یہ وقت سب سے زیادہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے لیے پرخطر تھا۔ کیسا ہی کوئی مخلص و ہمدرد ہو اور کتنا ہی کوئی دانش مند اور ہوش مند ہو، اپنی عزت نفس کے لیے وہ ضرور کچھ نہ کچھ کرتا ہے اور عزت کے بعد ذلت اور بلندی کے بعد تنزل کو وہ کبھی پسند نہیں کرتا، خصوصاً جب کہ ایک شخص اپنے آپ کو بالکل بے لوث سمجھتا ہو اور تمام دنیا جانتی ہو کہ اس نے اسلام کی تائید اور مسلمانوں کی نصرت کے لیے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا ہو، اور پھر اس کو مسلمانوں کے خلوص و اعتماد سے یہ بھی خیال ہو کہ اگر میں نے زبان سے ایک حرف بھی نکالا یا کوئی ایسی حرکت کی تو سینکڑوں کیا ہزاروں زبانیں میری تائید میں جنبش کرنے لگیں گی۔ چنانچہ ایسا ہوا بھی۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شام کے سفر میں مجمع عام کے سامنے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی معزولی کی وجہ اور اپنی براءت بیان کی تو ایک شخص نے مجمع عام میں سے اٹھ کر یہ کہا:

والله ما عدلت يا عمر! لقد نزعت عاملاً استعمله رسول الله صلى الله عليه وسلم و غمدت سيفاً سله رسول الله صل يالله عليه وسلم، ولقد قطعت الرحم و حسدت ابن العم (اسد الغابہ ترجمہ احمد بن حفص المخزومی)

''خدا کی قسم، اے عمر رضی اللہ عنہ تو نے عدل و انصاف سے کام نہیں لیا، تو نے رسول

Marfat.com

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عامل کو اس کے منصب سے معزول کر دیا۔ تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کھینچی ہوئی تلوار کو نیام میں ڈال دیا۔ تو نے قطعِ رحمی کی اور اپنے چچیرے بھائی پر حسد کیا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر صرف یہ کہا ''تمہیں اپنے بھائی کی حمایت میں غصہ آ گیا۔''
یہ تو سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی شان و شوکت محتاج بیان نہیں۔ جاہلیت میں ان کا باپ ریشم و کم خواب کی قبا زیب تن کیا کرتا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے واقعہ میں گزر چکا ہے کہ قریش کے لوگوں نے آپ کے گھر کو گھیرا ہوا تھا کہ اتنے میں عاص بن وائل آ گئے اور ان کے ایک جملہ نے ان سب کو ٹھنڈا کر دیا کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ اتنے جاہ و جلال والے باپ کا بیٹا لیکن صولت فاروقی کے سامنے لرزہ آتا تھا۔ چنانچہ آپ کے بیٹے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ایک شخص کو بے وجہ مارا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ان کے بیٹے کو کوڑے لگوائے اور باپ بیٹا دونوں خاموش یہ سب کچھ برداشت کرتے رہے۔ عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فاتح ایران اور دوسرے بڑے بڑے مشاہیر آپ کی صورت اور دبدبہ سے دم بخود تھے۔

آخر کار سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس مراسلت سے تنگ آ گئے اور آپ نے محسوس کیا کہ اگر انہوں نے اس سلسلے میں اپنی مشہور سخت گیر پالیسی سے کام نہ لیا تو ان کے اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے درمیان معاملہ اس قدر نازک ہو جائے گا کہ بہت ممکن ہے کہ اس کے نتائج و ثمرات ناخوشگوار ثابت ہوں۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پر صریح الزام لگا کر اس دولت کے بارہ میں تحقیقات کا حکم دے دیا جو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مصر کی ولایت کے دوران کمائی تھی اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھا: ''مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے پاس اب ایسے سامان، غلام، ظروف اور جانور ہیں جو اس وقت نہ تھے جب میں نے تمہیں مصر کا گورنر مقرر کیا تھا۔'' سیدنا عمرو بن عاص نے اس کا یہ جواب دیا: ''کہ ہماری زمین زراعت اور تجارت کی زمین ہے اور اس سے ہمیں اتنی آمدنی ہوتی ہے جو ہمارے مصارف سے زائد ہوتی ہے۔''
سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں انہیں لکھا کہ ''مجھے برے عمال کا کافی تجربہ ہو چکا ہے، اور تمہارا جو خط آیا ہے وہ ایسے شخص کا خط معلوم ہوتا ہے جسے حق کی گرفت نے بے چین کر دیا ہو۔

Marfat.com

میں تم سے بدگمان ہو گیا ہوں اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو مال کی تقسیم کرنے تمہارے پاس بھیج رہا ہوں، تم اس سے اپنا راز کہہ دو۔ جو کچھ وہ مانگیں، انہیں دے دو اور انہیں اپنے اوپر سختی کرنے سے معاف رکھو کیونکہ بات کھل چکی ہے۔'' (فتوح البلدان: ۲۲۱، انساب الاشراف: ۹/۶۱۴)

ابن ابی الحدید وغیرہ میں یہ خط ان الفاظ میں منقول ہے:

''مجھے اپنے افسانوں اور بے تکی باتوں سے معاف رکھو۔ تمہارا خود کو دیانت دار ظاہر کرنا بے سود ہے۔ میں محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بھیج رہا ہوں۔ ان کو اپنی آدھی دولت دے دو۔ گورنرو! تم دولت کے چشموں پر بیٹھ گئے ہو اور (جب گرفت کی جاتی ہے تو) بہانے بناتے ہو۔ اپنی اولاد کے لیے دولت جمع کرتے ہو، بلاشبہ تم سامان رسوائی جمع کر رہے ہو۔ اور آتش جہنم کا لقمہ بنو گے۔ والسلام۔''

(العقد الفرید: ۲/۴۷، شرح نہج البلاغہ: ۳/۱۰۴)

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ مصر پہنچے اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا مال تقسیم کیا۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ابن حنتمہ (فاروق اعظم رضی اللہ عنہ) نے ہم سے جس زمانے میں یہ برتاؤ کیا ہے وہ یقیناً برا زمانہ ہے۔ عاص (سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کے والد) ریشم پہنتے تھے جس کے حاشیے دیبا اور حریر کے ہوتے تھے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا خاموش! اگر یہ ابن حنتمہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہ ہوتا جس سے تم نفرت اور کراہت کرتے ہو تو تم اپنے گھر کی انگنائی میں اس حال میں پائے جاتے کہ بکری کی ٹانگیں تمہاری ٹانگوں میں ہوتیں۔

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فاتح مصر کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں معزول تو نہ کیا۔ بعض معزول نہ کرنے کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ چند ہی روز کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تھے، لیکن سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے سیدنا سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو مصر کا گورنر مقرر فرما دیا۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ جن وجوہات کی بناء پر معزول ہوئے وہ مورخین کے نزدیک مختلف فیہ ہیں۔ لیکن اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اسلامی حکومت مصر کی فتح کے لیے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی احسان مند ہے اور صرف فتح مصر ہی کے لیے نہیں بلکہ اس کے لیے بھی کہ انہوں نے بڑی خوبی سے مصر کی سیاست مرتب کی اور نہایت دانش مندی سے اس کے باشندوں کا دل اپنے ہاتھ میں لیا اور یہ ایسا احسان ہے کہ اگر لوگوں کی یہ بات درست مان بھی لی جائے کہ انہوں نے مصر کو ذاتی مفاد کے لیے استعمال کیا تو بھی یہ اس

Marfat.com

کا بدلہ نہیں ہو سکتا۔ جو باتیں مورخین نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے منسوب کی ہیں، ہم ان میں کوئی پہلو ایسا نہیں پاتے جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ انہوں نے ذاتی اغراض کے لیے کوئی ایسا قدم اٹھایا جو ان کے حق اور ان کے جلیل القدر کارناموں کی اہمیت سے انکار کو جائز قرار دے۔

انٹیلی جنس:

عدل وانصاف کو قائم کرنے کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک انٹیلی جنس کا محکمہ قائم کیا ہوا تھا جس کے اراکین ہر محکمہ میں موجود تھے اور شعبہ کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے بھی امیر المومنین کو آگاہ کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ طبری اور مورخین نے لکھا ہے کہ

کان عمر لایخفی علیه شی فی علمه

''یعنی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر کوئی بات پوشیدہ نہیں ہوتی تھی۔''

حتی کہ ملک کے دور دراز علاقوں کی خبریں بھی آپ کو ہر روز پہنچتی رہتی تھیں۔

عراق کے ایک معرکہ میں عمرو بن معدی کرب کو جو کہ ایک بہترین جرنیل تھے مال غنیمت میں سے دوسرا حصہ امیر لشکر نے نہ دیا۔ عمرو بن معدی کرب نے اس کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے کہا کہ تمہارا گھر دوغلا ہے (دوغلا کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ماں عربی نسل کی نہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عمدہ نسل کے گھوڑوں کو بہت ترقی دی جس گھوڑے کی ماں عربی نہیں ہوتی تھی وہ دوغلا کہلاتا تھا اور دوغلا گھوڑا اپنے سوار کو غنیمت کے دوسرے حصہ سے محروم کر دیتا تھا) اس لیے اس کا حصہ کم ہو گیا۔ سیدنا عمرو بن معدی کرب کو اپنی بہادری اور زور پر بہت ناز تھا، بولے کہ اس کی بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع مل گئی۔ آپ نے خط کے ذریعہ عمرو بن معدی کرب کو اتنی سخت تنبیہ کی کہ پھر انہیں ایسی بات کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔

اس خبر رسانی کے محکمہ کے فعال ہونے کی وجہ سے ہر عامل، گورنر اور حاکم وقت احتساب کے ڈر سے خوف زدہ اور ہراساں رہتا اور وہ کوئی ایسا کام نہ کرتا جو قانون کے خلاف ہوتا یا اس سے اسلامی اقدار مجروح ہوتیں۔ چنانچہ مورخین نے لکھا ہے کہ آپ کے گورنر اور عمال کوئی کام آپ کے مشورہ کے بغیر نہ کرتے تھے۔

سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نہایت جلیل القدر صحابی تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منافقین کے نام بتائے ہوئے تھے اور ساتھ ہی یہ تاکید بھی فرمائی تھی کہ ان کے ناموں کو کسی پر

Marfat.com

ظاہر نہیں کرنا۔ اس وجہ سے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ''صاحب السر'' کے لقب سے موسوم تھے۔ ایک دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ جن منافقین کے نام سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بتائے ہوئے ہیں ان میں سے کوئی شخص میرے عہدیداران میں بھی ہے؟ انہوں نے کہا'' ہاں ایک شخص ہے''۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نام پوچھا مگر انہوں نے اس کا نام نہ بتایا۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بصیرت سے اس شخص کو معلوم کر لیا اور اس کو اس عہدہ سے معزول کر دیا۔ (اسد الغابہ ترجمہ حذیفہ بن یایمان رضی اللہ عنہ) اس سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بصیرت اور بیدار مغزی کا پتہ بھی چلتا ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہر سال اپنے تمام گورنروں کو مکہ میں جمع کرتے تھے اور ان سے ان کے کاموں اور عوام سے ان کے رویہ کی بابت پوچھتے۔ اس سے ان کا مقصد یہ معلوم کرنا ہوتا تھا کہ اپنے فرائض کے احساس میں ان کے گورنر کتنی ہوش مندی اور احتیاط سے کام لیتے ہیں اور ادائے فرض کے وقت اپنے یا اپنے رشتہ داروں کے مفاد کا لحاظ تو نہیں رکھتے۔ اس وجہ سے کہ ایک گورنر اور عامل کے لیے خلوص اور بے غرضی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک سب سے اہم تھی۔ چنانچہ جس وقت گورنر ہ تقرر ہوتا تھا اس کے مال و متاع اور تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کا ایک تفصیلی جائزہ لیا جاتا تھا بلکہ وہ اپنے تمام اثاثہ جات حکومت کو لکھ کر دیتا جس کی فہرست امیر المومنین کے پاس موجود رہتی۔ جب وہ اپنے اس منصب سے واپس لوٹتا تو پھر اس کے اثاثوں کا جائزہ لیا جاتا۔ اگر ان میں اضافہ ہو جاتا تو اس کی امانت و دیانت مشکوک سمجھی جاتی۔ آپ اس سے حساب لیتے اور زائد سامان ضبط کر لیتے۔ پھر اسے فرماتے: ''ہم تجھے والی بنا کر بھیجتے ہیں تاجر بنا کر نہیں۔''

آپ کے گورنر بھی ان باتوں سے ناراض ہونے کے بجائے خوش ہوتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حمص کے گورنر سیدنا عمرو بن سعد رضی اللہ عنہ نے حمص کے منبر پر فرمایا تھا'' جب تک اسلام میں حکومت کا زور ہے وہ ناقابل شکست رہے گا۔ لیکن حکومت کے زور کا مطلب تلوار سے قتل کرنا اور کوڑے مارنا نہیں بلکہ حق کے ساتھ فیصلہ اور انصاف کے ساتھ مواخذہ کرنا ہے۔''

اس شدید محاسبے اور مواخذے سے یہ مقصد نہ تھا کہ گورنر یا حاکم کی حاکمانہ شان مجروح ہو اور عوام میں اس کے وقار کو نقصان پہنچے۔ کیونکہ جب تک حاکم کا وقار اور اس کا رعب و داب رعایا کے دلوں میں نہ ہوگا وہ حکومت کیسے کر سکے گا۔ چنانچہ ان کا اقتدار سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے

Marfat.com

اقتدار کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ اگر کوئی خیرہ سر ان کی توہین کرتا یا ان کے بارے میں دریدہ وہنی سے کام لیتا تو آپ اسے عبرتناک سزا دیتے۔ چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا: ''میں آپ کا گورنر ہوں، آپ مجھے گھٹائیں گے تو گھٹ جاؤں گا، بڑھائیں گے تو بڑھ جاؤں گا اور روک دیں گے تو رک جاؤں گا۔'' آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا: ''یہ ایک عقل مند کی رائے ہے۔''

شکایات کی واقفیت کے دوسرے ذرائع:

اس انٹیلی جنس (Intelligence) کے محکمہ کے علاوہ لوگوں کی شکایات سے آشنائی حاصل کرنے کے لیے اور بھی بہت سے وسائل اور ذرائع آپ نے اختیار کیے ہوئے تھے تاکہ رعایا میں سے کسی شخص کی کوئی شکایت آپ تک پہنچنے سے نہ رہ جائے۔ چنانچہ آپ کا معمول یہ تھا کہ ہر نماز کے بعد آپ صحن مسجد میں بیٹھ جاتے اور جس شخص کو آپ سے کچھ کہنا ہوتا وہ بلا جھجک آپ سے آ کر اپنی شکایات بیان کرتا اور آپ نہایت توجہ سے اس کی بات سنتے اور اس کے ازالہ کی پوری پوری کوشش کرتے۔ (کنز العمال: ۲/۶۳۰)

رات کو مختلف علاقوں میں گشت کرتے جس سے لوگوں کے حالات معلوم ہوتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک بدو اپنے خیمہ سے باہر زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔ آپ بھی اس کے پاس جا کر بیٹھ گئے اور مختلف قسم کی باتیں کرنے لگے اور اس کے اردگرد کے لوگوں کے بارہ میں بھی پوچھنے لگے۔ وہ بدو آپ کی شخصیت سے واقف نہ تھا۔ لہٰذا نہایت بے تکلف آپ سے باتیں کر رہا تھا۔ اچانک آپ نے خیمہ کے اندر سے کسی عورت کے رونے کی آواز سنی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہ کون روتا ہے؟ اور کیوں روتا ہے؟ اس شخص نے کہا کہ میری بیوی دردِ زہ میں مبتلا ہے اور یہاں دایہ وغیرہ کا کوئی انتظام نہیں۔ اس وجہ سے سخت پریشان ہوں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فوری طور پر وہاں سے اٹھے اور سیدھے گھر آئے اور اپنی زوجہ محترمہ سیدہ ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا اور اس بدو کے خیمہ پر آئے۔ بدو سے اجازت لے کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس بدو کے ساتھ خیمہ کے باہر بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ سیدہ ام کلثوم نے آواز دی: ''امیر المومنین! اپنے ساتھی کو مبارک باد دیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بچہ سے نوازا ہے۔'' وہ بدو امیر المومنین کا لفظ سن کر چونک پڑا اور مودب ہو کر بیٹھ گیا اور معذرت خواہانہ

Marfat.com

انداز میں باتیں کرنے لگا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''گھبراؤ نہیں۔ یہ میرا فرض تھا کہ میں تمہاری مدد کروں۔ کل میرے پاس آنا میں اس بچہ کا وظیفہ مقرر کردوں گا۔'' اور تھوڑی دیر کے بعد آپ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر واپس گھر آ گئے۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/۱۴۹)

اسی طرح ایک مرتبہ رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک عورت اپنے بالا خانے میں بیٹھی کچھ اشعار گا رہی تھی جن میں سے ایک شعر یہ تھا۔

تطاول ھذا اللیل و ازور جانبه

ولیس الیٰ جنبی خلیل الاعبه

''رات سیاہ کالی ہے اور زلف یار کی طرح طویل اور لمبی ہوتی چلی جارہی ہے اور میرا دوست بھی میرے پہلو میں نہیں ہے جس سے میں خوش فعلی کرسکوں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو پہلے تو اس شعر سے اس عورت کے خلاف بڑی بدگمانی ہوئی، لیکن جب تحقیق حال کی تو پتہ چلا کہ اس عورت کا شوہر جہاد پر گیا ہوا ہے اور وہ اس کی جدائی میں یہ اشعار گا رہی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بہت دکھ ہوا اور فرمایا کہ میں نے عرب کی عورتوں پر بڑا ظلم کیا۔ صبح اپنی صاحبزادی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ سیدہ حفصہ سلام اللہ علیھا کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ ایک عورت کتنے روز اپنے خاوند کے بغیر صبر کرسکتی ہے؟ انہوں نے کہا ''چار ماہ'' چنانچہ اس روز سے پوری مملکت میں یہ سرکلر (Circular) بھیج دیا کہ کوئی سپاہی چار ماہ سے زیادہ باہر نہ رہنے پائے۔

اور یہ واقعہ بھی آپ کے رات کے گشت میں پیش آیا کہ ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے اور مدینہ سے دو تین میل پر ''صرار'' نامی مقام پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت ہنڈیا میں کچھ پکا رہی ہے اور دو تین بچے اس کے قریب رو رہے ہیں اور وہ انہیں تسلی دے کر سلانے کی کوشش کر رہی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے پاس جا کر حقیقت حال معلوم کی تو پتہ چلا کہ اس کے بچوں کو کئی وقت سے کھانا نہیں ملا اور ان کو بہلانے کے لیے اس نے ہنڈیا میں پانی ڈال کر چڑھا دیا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسی وقت بیت المال میں گئے اور آٹا، گوشت، گھی، کھجوریں اور دوسری کھانے پینے کی چیزیں لیں اور اپنے غلام اسلم سے کہا کہ انہیں میری پیٹھ پر لاد دو۔ اسلم نے عرض کی ''امیر المومنین! میں ان چیزوں کو اٹھا کر لے جاتا ہوں۔'' فرمایا: ''کیا قیامت کو بھی میرا بار اٹھاؤ گے؟'' مختصر یہ کہ تمام اشیاء خود اٹھا کر لائے اور اس عورت کے سامنے لا کر رکھ

Marfat.com

دیں۔ اس نے آٹا گوندھا، ہنڈیا چڑھائی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خود چولہا پھونکتے جاتے تھے۔ غرض کہ کھانا تیار ہوا اور بچوں نے پیٹ بھر کر کھایا۔ جب بچے کھانا کھا رہے تھے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کو کھاتے دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔ جب عورت اور بچے کھانا کھا چکے تو اس نے دعا کے انداز میں کہا: ''اے شخص! اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے، امیر المومنین ہونے کے قابل تم ہو نہ کہ عمر رضی اللہ عنہ۔'' (ابن اثیر ۲: ۲۱۴، طبری ۵: ۲۹۰)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں ان کا غلام اسلم روایت کرتا ہے کہ ایک رات آپ مدینہ منورہ میں گشت فرما رہے تھے۔ گشت فرماتے ہوئے آپ تھک گئے اور آدھی رات کے قریب ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ آپ نے سنا کہ ایک بڑھیا اپنی بیٹی سے کہہ رہی تھی کہ ''اے بیٹی! اٹھ اور اس دودھ میں پانی ملا دے'' بیٹی نے کہا ''اماں! کیا تو نے امیر المومنین کا حکم نہیں سنا کہ کوئی شخص دودھ میں پانی نہ ملائے۔'' ماں نے کہا ''بیٹی! امیر المومنین یا ان کا کوئی نمائندہ ہمیں اس وقت نہیں دیکھ رہا، لہٰذا تو پانی ملا دے۔'' بیٹی نے کہا: ''اماں! میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتی کہ امیر المومنین کے سامنے تو اس کی اطاعت کروں اور اس کی غیبت میں نافرمانی۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ سب باتیں سن رہے تھے۔ آپ نے اپنے غلام اسلم سے فرمایا کہ اس گھر کو ذہن میں رکھو۔ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس نیک بخت لڑکی سے اپنے بیٹے عاصم کی شادی کر دی اور وہ لڑکی سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی نانی تھی۔ (صفۃ الصفوۃ ۲: ۲۰۳)

ایک دفعہ ایک قافلہ مدینہ منورہ آیا اور شہر کے باہر اترا۔ آپ اس کی خبر گیری اور حفاظت کے لیے خود تشریف لے گئے۔ پہرہ دیتے پھرتے تھے کہ ایک طرف سے ایک شیر خوار بچے کے رونے کی آواز سنی۔ آپ اس طرف متوجہ ہوئے، دیکھا کہ ایک شیر خوار بچہ اپنی ماں کی گود میں زار و قطار رو رہا ہے۔ اس کی ماں سے بولے: ''اللہ سے ڈر اور بچے کو نہ رلا۔'' تھوڑی دیر کے بعد پھر ادھر سے گزرے تو دیکھا کہ بچہ پھر رو رہا ہے۔ آپ نے پھر اس کی ماں سے کہا: ''بچے کو نہ رلا۔'' رات کا آخری حصہ تھا کہ بچے کے رونے کی پھر آواز آئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے غصہ میں آ کر اس کی ماں سے کہا ''خدا تجھے سمجھے، تو کتنی بے رحم ماں ہے۔'' اس نے کہا: ''تمہیں اصل حقیقت معلوم نہیں تم خواہ مخواہ مجھ کو دق کرتے ہو۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''آخر بات کیا ہے؟ تیرا بچہ خاموش کیوں نہیں ہوتا؟'' ماں نے جواب دیا ''اللہ کے بندے! میں اسے دودھ نہیں پلاتی اور یہ ضد کر رہا ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا ''کیوں دودھ نہیں پلاتی؟'' عورت نے

Marfat.com

جواب دیا ''عمر رضی اللہ عنہ کا حکم ہے کہ شیر خوار بچہ کو وظیفہ نہ دیا جائے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا ''اس کی کیا عمر ہے؟ اس نے کہا ''اتنے مہینے''۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''تجھے خدا سمجھے، دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کر۔'' صبح کی نماز کے بعد لوگوں سے مخاطب ہوئے اور نمناک آنکھوں سے فرمایا: ''افسوس ہے عمر پر! نہ جانے کتنے مسلمان بچوں کا خون اس کی گردن پر ہے۔'' اس کے بعد اعلان کرادیا: ''اپنے بچوں کا دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کرو، میں ہر مسلمان بچے کا جس روز وہ پیدا ہوا اسی روز سے وظیفہ مقرر کرتا ہوں'' اور یہ حکم ہمیشہ کے لیے دے دیا گیا۔

(صفۃ الصفوۃ: ۲۸۲/۱)

ایک دفعہ مدینہ منورہ کے باہر ایک قافلہ اترا۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رات کو میرے مکان پر تشریف لائے۔ میں اس وقت آپ کی تشریف آوری دیکھ کر حیران رہ گیا اور عرض کی: ''امیر المومنین! آپ نے کیوں تکلیف فرمائی؟ مجھ کو پیغام بھیج کر بلا لیا ہوتا'' فرمایا: ''تھوڑی دیر قبل مجھے معلوم ہوا ہے کہ مدینہ سے باہر ایک قافلہ اترا ہے۔ لوگ سفر کی وجہ سے تھکے ماندے ہوں گے۔ آؤ ہم تم چل کر اس کا پہرہ دیں۔ چنانچہ ہم دونوں گئے اور رات بھر اس قافلے کا پہرہ دیتے رہے۔''

سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ ایک رات گھر سے نکلے۔ دیکھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک گھر میں داخل ہوئے۔ پھر تھوڑی دیر بعد ایک اور گھر میں داخل ہوئے۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ صبح کے وقت ان میں سے ایک گھر میں گئے۔ دیکھا کہ وہاں ایک آنکھ سے معذور بڑھیا بیٹھی ہوئی تھی۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس بڑھیا سے پوچھا: ''رات جو شخص آپ کے ہاں آیا تھا وہ کب سے آرہا ہے؟ اور کیوں آتا ہے؟'' اس بڑھیا نے جواب دیا: ''وہ کافی عرصہ سے آرہا ہے اور وہ میری خدمت کرتا ہے اور میرے گھر کی صفائی بھی اس کے ذمہ ہے۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''وہ تو امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔''

سعید بن یربوع رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے۔ ان کی قوت بینائی جاتی رہی تھی، اس وجہ سے جمعہ کے لیے مسجد میں آنا ان کے لیے مشکل ہوگیا۔ ایک روز سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ آپ جمعہ میں کیوں نہیں آتے؟ انہوں نے کہا ''میری آنکھیں نہیں ہیں اور میرے پاس کوئی آدمی نہیں جو مجھ کو مسجد کا راستہ بتائے، اس وجہ سے میں جمعہ کے لیے مسجد میں آنے سے معذور ہوں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک خادم مرحمت فرمادیا جو ہمیشہ ان کے ساتھ رہتا اور ان کو جمعہ

Marfat.com

کے لیے مسجد میں بھی لاتا۔ (اسد الغابہ: تذکرہ سعید بن یربوع رضی اللہ عنہ)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نہایت مصروف آدمی تھے۔ اتنی بڑی سلطنت چلانا، راتوں کو گشت کرنا، مختلف محاذوں کی نگرانی کرنا، وہاں جرنیلوں کو مختلف قسم کی ہدایات بھیجنا، دینی امور انجام دینا، ان سب باتوں نے آپ کو بڑا مصروف رکھا ہوا تھا، لیکن ان تمام مصروفیات کے باوجود آپ چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ آپ مجاہدین کے گھروں پر جاتے اور ان کی عورتوں سے کہتے کہ تم لوگوں کو بازار سے کوئی سودا سلف منگوانا ہے تو مجھے بتاؤ تاکہ میں تمہیں لا دوں۔ وہ اپنی روزمرہ کی ضروریات آپ کو بتاتیں۔ آپ چیزیں خرید کر ان کے گھروں میں پہنچاتے۔ مختلف محاذوں سے قاصد مجاہدین کے گھر والوں کے نام خطوط لاتا تو آپ خود ان کے گھروں میں خطوط پہنچاتے اور انہیں کہتے کہ فلاں تاریخ کو قاصد واپس جائے گا۔ تم ان خطوں کے جواب لکھ رکھو تاکہ اس قاصد کے ہاتھ وہ جواب واپس چلا جائے۔ خطوط کے جواب لکھنے کے لیے کاغذ اور قلم دوات ان کے گھروں میں خود مہیا فرماتے۔ جن کے گھروں میں خط لکھنے والا کوئی نہ ہوتا تو خود چوکھٹ کے پاس جا کر بیٹھ جاتے اور گھر والے جو لکھواتے وہ لکھتے جاتے اور پھر وہ خطوط اس قاصد کو دیتے جو محاذ سے آیا ہوتا۔ یہ کام اگرچہ آپ کا نہیں تھا، لیکن آپ یہ سمجھتے تھے کہ یہ میری ذمہ داری ہے کہ مجاہدین کے گھروں کی ضروریات مہیا کروں اور ان کو ہر قسم کا آرام پہنچانے کا بندوبست کروں۔ میں سمجھتا ہوں کہ تمام خلفاء میں سے جس قدر ان ذمہ داریوں کو آپ نے پورا کیا ہے اور کسی خلیفہ کی زندگی میں یہ تفصیل ہمیں نظر نہیں آتی۔ اسی وجہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے بارہ میں فرمایا تھا:

اذللت الخلفاء بعدك

''آپ نے اپنے بعد آنے والے خلفاء کو مذلت اور مشقت میں ڈال دیا۔''

یہ ریمارکس سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے منہ سے سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ابوالحسن! یہ شے قابل ملامت نہیں ہے۔ اس ذات کی قسم جس نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت و رسالت عطا کی اگر بکری کا ایک بچہ بھی فرات کے کنارے جا کر گم ہو جائے تو قیامت کے روز عمر رضی اللہ عنہ سے اس کے بارہ میں بھی باز پرس ہوگی۔ (سیرۃ عمر بن الخطاب لابن جوزی: ۱۴۰، البدایہ والنہایہ: ۷/۱۳۶)

وظائف کے معاملہ میں آپ کی خواہش تھی کہ ہر وظیفہ خوار کو اس کا حق پہنچ جائے۔ یہاں تک کہ تقسیم وظائف کی ذمہ داری وہ اپنے سر لے لیتے تھے۔ چنانچہ حزم بن ہشام کعبی

Marfat.com

اپنے والد کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ خزانہ کا رجسٹر لیے چلے جا رہے ہیں۔ قریب پہنچ کر انہوں نے ہر شادی شدہ عورت اور غیر شادی شدہ لڑکی کو بلایا اور اس کا وظیفہ اپنے ہاتھ سے اسے دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں کے وظیفے اور روزینے انہیں دے دیے جائیں۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ ہم نے سب لوگوں کے وظیفے اور روزینے تقسیم کر دیے ہیں، پھر بھی کچھ بچ گیا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں لکھا ''یہ ان کا حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں بخشا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ اور اس کی اولاد کا اس پر کوئی اجارہ نہیں، جو کچھ بچا ہے وہ بھی انہی میں تقسیم کر دو۔''

یہ لوگوں کے حالات سے واقفیت کا ایک ذریعہ تھا جس کا گزشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا لیکن ایک اور ذریعہ بھی لوگوں کے حالات معلوم کرنے اور ان کی تکالیف وغیرہ سے آشنا ہونے کا یہ تھا جس کو سفارت کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ حالات کی دریافت کا بڑا عمدہ طریقہ تھا۔ مملکت کے تمام اضلاع سے ہر سال سفارتیں آتیں اور وہ اپنے اپنے اضلاع کے بارہ میں ضروری مسائل اور لوگوں کی مشکلات پیش کرتے۔ ان سفارتوں کو وفد کا نام دیا جاتا تھا اور یہ عرب کا قدیم دستور چلا آ رہا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس نظام کو وسعت دی اور اپنے زمانہ میں اس سے وہ کام لیا جو اس سے قبل کوئی نہ لے سکا۔ چنانچہ آپ کے زمانہ میں مختلف اضلاع سے وفود آئے اور انہوں نے اپنے مقامی مسائل اور ضرورتیں بارگاہِ خلافت میں پیش کیں اور آپ نے ان کے مسائل کو اپنے وسائل سے حل فرمایا۔ کبھی کبھی آپ خود بھی مختلف علاقوں سے سفارتیں اور وفود منگوا لیا کرتے تھے۔

مختلف اسفار:

ان تمام ذرائع اطلاعات پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تسلی نہ تھی۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ گورنر رعایا کی پرواہ نہیں کرتے اور عام آدمی کا میرے پاس آنا مشکل ہے کیونکہ سلطنت کی حدود وسیع ہو گئی ہیں اور ایک عام آدمی اتنا لمبا سفر کر کے میرے پاس مدینہ منورہ نہیں آ سکتا۔ چنانچہ آپ نے اس کے لیے کئی سفر کیے۔ جب آپ نے شام کا سفر کیا تو ایک ایک ضلع اور قریہ میں ٹھہر کر لوگوں کی شکایات اور تکالیف سنیں اور ان کے ازالہ کی پوری پوری کوشش کی۔ شام کے اس سفر میں ایک عجب واقعہ پیش آیا جس سے آپ کے دل میں بڑی رقت پیدا ہوئی۔ آپ شام

Marfat.com

ؔ اس سفر سے واپس مدینہ طیبہ تشریف لا رہے تھے کہ راستہ میں ایک خیمہ نظر آیا۔ آپ حسب عادت سواری سے اتر کر خیمہ کے قریب گئے تو ایک بڑی بی نظر آئی۔ پوچھا ''عمر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں کچھ پتہ ہے؟'' اس بڑھیا نے کہا ''شام سے روانہ ہو چکا ہے لیکن اللہ اس کو غارت کرے، آج تک مجھے اس سے ایک پائی بھی وظیفہ نہیں ملا۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''بڑی بی! اتنی دور کا حال اس کو کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟'' بڑھیا نے جواب دیا ''اگر اس کو رعایا کا حال معلوم نہیں تو خلافت کیوں کرتا ہے؟'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس بڑھیا کے منہ سے یہ کلمات سن کر سخت خفت ہوئی اور رقت بھی۔ چنانچہ آپ بے اختیار رونے لگے۔

اسی وجہ سے اپنی خلافت کے آخری دور میں آپ نے چاہا کہ لوگوں کے حالات اور معاملات کا خود مطالعہ کریں اور سلطنت کے ہر حصہ میں جا کر دیکھیں کہ وہاں کے عوام کی کیا حالت ہے۔ اور گورنر اپنے فرائض کس طرح ادا کر رہے ہیں؟ چنانچہ فتح مصر کے بعد آپ نے فرمایا کہ ''اگر میں زندہ رہا تو انشاء اللہ پوری مملکت اسلامیہ کا دورہ کروں گا۔ مجھے معلوم ہے کہ لوگوں کی بعض ضرورتیں بالا ہی بالا ختم کر دی جاتی ہیں۔ نہ گورنر انہیں میرے سامنے پیش کرتے ہیں اور نہ حاجت مند مجھ تک پہنچتے ہیں۔ چنانچہ میں شام جاؤں گا اور وہاں دو ماہ ٹھہروں گا۔ پھر بحرین جاؤں گا اور وہاں دو ماہ ٹھہروں گا۔ اور خدا کی قسم! میرا یہ دورہ نہایت مفید اور پبلک کے لیے نہایت بہتر ہوگا لیکن افسوس کہ موت کے آہنی ہاتھوں نے انہیں اس دورہ کی مہلت نہ دی۔ اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ دورہ کر لیتے تو عام پبلک کے لیے مفید ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی قوانین میں بہت سی شقوں کا اضافہ ہوتا۔ کئی نئے مسائل کا حل نکلتا اور اجتہاد کی نئی راہیں کھلتیں۔

امیر المومنین کا لقب:

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ واقعی عوام کے بہی خواہ اور خیر اندیش تھے تو انہوں نے اپنے لیے ''امیر المومنین'' کا لقب کیوں اختیار کیا کیونکہ یہ لفظ اسلام کے اصول مساوات کے منافی ہے۔ یہ اعتراض دراصل جہالت پر مبنی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت سے قبل جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے تو وہ اپنے کو خلیفۃ الرسول کہتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ تھے لہٰذا وہ اپنے کو کافی عرصہ تک خلیفۃ الرسول کہتے رہے۔ لیکن یہ لفظ اس لحاظ سے کوئی اچھا معلوم نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ بعض روایات کے مطابق آپ اپنے آپ کو ''اجیر

Marfat.com

المومنین" کہتے تھے۔ امیر کا لفظ عربی معاشرہ میں کوئی فخر کی بات نہ سمجھی جاتی تھی بلکہ اس سے صرف عہدہ اور خدمت کا اظہار ہوتا تھا۔ فوج کے افسر اور دوسرے لوگ اپنے منتظمین کو "امیر" کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔ کفار عرب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو "امیر مکہ" کہتے تھے۔ علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عراق کے لوگوں نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو "امیر المومنین" کہنا شروع کر دیا تھا۔ (مقدمہ ابن خلدون فصل فی الملقب امیر المومنین: ۱۴۶)

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد جب سیدنا عمر مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو لوگ انہیں خلیفۃ الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پکارنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ کہا کہ "ہم مومن ہیں اور عمر رضی اللہ عنہ ہمارے امیر ہیں۔ اس سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین کے نام سے پکارا جانے لگا۔

(الطبقات الکبریٰ: ۳/۲۸۱، محض الصواب: ۱/۳۱۱)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو محض الصواب: ۱/۳۱۲، مستدرک حاکم: ۳/۸۱، ۸۲ وقال الذہبی صحیح وغیرہ)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں اس بات کی کبھی خواہش پیدا نہ ہوئی کہ انہیں "امیر" کہا جائے۔ وہ تو خود کو "اجیر" سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے بیواؤں اور بے سہارا لوگوں کے کام کاج میں مصروف رہتے تھے۔ مشہور روایت ہے کہ ایک مرتبہ سواری پر سوار ہو کر سواری کو دوڑاتے چلے جا رہے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ امیر المومنین کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ بیت المال کے اموال میں سے صدقہ کا ایک اونٹ فرار ہو گیا ہے اس کو تلاش کرنے جا رہا ہوں۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/۱۳۶)

اسی طرح کی ایک اور روایت طبری وغیرہ نے اپنی کتاب میں نقل کی ہے جس میں ابوبکر عبسی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ صدقہ کے اونٹوں کے باڑہ میں داخل ہوا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تو سایہ میں بیٹھ گئے اور اونٹوں کے کوائف اور تعداد لکھنی شروع کی جب کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خود اونٹوں کے پاس جا کر سخت گرمی اور دھوپ میں کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے اپنے اوپر سیاہ مائل دو چادریں لی ہوئی تھیں۔ ایک تہبند کے طور پر باندھ رکھی تھی اور دوسری چادر سے سر ڈھانپے ہوئے تھے۔ صدقہ کے اونٹوں کا شمار کر کے ان کے رنگ اور ان کی عمریں بتاتے چلے جاتے تھے

Marfat.com

اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھواتے جاتے تھے۔ اسی دوران میں نے سنا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کہہ رہے تھے کہ قرآن حکیم میں سیدنا شعیب علیہ السلام کی بیٹی نے اپنے باپ سے کہا تھا ''اے ابا! اس شخص کو اجرت پر رکھ لے، جن کو آپ اجرت پر رکھیں گے ان میں سے بہترین یہ شخص قوی اور امین ہے۔'' یہ بات کرنے کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ''یہ شخص قوی بھی ہے اور امین بھی۔''

(طبری:۵/ ۱۸، ابن اثیر:۳/ ۲۹)

جو شخص انتظام حکومت اور لوگوں کی فلاح و بہبود اور بیت المال کی حفاظت و نگرانی میں اس قدر دلچسپی لیتا ہو کہ اسے اپنی جان اور جسم کے آرام و راحت کا بھی خیال نہ ہو، اس کو اگر امیر المومنین کہہ بھی دیا جائے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اس لیے ان کے لیے امیر المومنین کا لقب استعمال کرنا کوئی فخر و مباہات کی بات نہیں تھی۔

بات لفظ امیر کی ہو رہی تھی۔ اس لفظ کی ابتداء دراصل یوں ہوئی کہ ایک مرتبہ لبید بن ربیعہ رضی اللہ عنہ اور عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ تشریف لائے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اطلاع کروائی۔ اور چونکہ کوفہ میں عراق کے لوگوں نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین کہنا شروع کیا ہوا تھا، کوفہ میں رہتے ہوئے ان کی زبان پر بھی یہ لفظ چڑھا ہوا تھا۔ لہٰذا امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے آنے کی اطلاع کرتے وقت انہوں نے کہا کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو ہمارے آنے کی اطلاع کر دو۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع کر دی اور اطلاع کرتے وقت یہ خطاب استعمال کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا ابن عاص رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ لفظ سن کر کچھ حیران رہ گئے، لہٰذا انہوں نے سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ سے اس خطاب کے استعمال کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے وجہ بیان کی۔ اس لقب کو پسند کیا گیا۔ چنانچہ اسی روز سے یہ لفظ خلیفہ اسلام کے لیے شہرت پا گیا۔

فلاحی مملکت:

اسلام ایک اجتماعی دین ہے۔ زندگی کا اجتماعی مزاج اور نوع انسانی کی آزمائش کا اجتماعی پہلو یہ چاہتا ہے کہ مسلمان ایک خاندان کی طرح ہیں اور کائنات کی جن اشیاء اور قوتوں کو اس پورے خاندان کی تحویل میں دیا گیا ہے ان سے استفادہ میں سارے مسلمانوں بلکہ انسانوں

Marfat.com

کوایک خاندان کے افراد کی طرح کا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے۔ چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

کونوا عباد الله اخواناً (مسلم، باب النہی عن التحاسد والتباغض)

''اللہ کے بندے اور ایک دوسرے کے بھائی بن کر رہو۔''

صحیح اور صالح اجتماعیت اس وقت وجود میں آتی ہے جب ہر فرد دوسرے افراد کا، پورے اجتماع کا اور اس طرز زندگی کا وفادار اور بہی خواہ بن کر زندگی گزارے جس میں فرد اور اجتماع دونوں کی فلاح مضمر ہو۔ چنانچہ ایک روایت میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''دین خیر خواہی کا نام ہے۔ بے شک دین خیر خواہی کا نام ہے، سن لو دین خیر خواہی کا نام ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا، یارسول اللہ! کس طرح کی خیر خواہی؟ آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول کی اور مومنین کے ائمہ (یعنی اصحاب امر) کی اور عام مومنین کی۔'' (ابوداؤد باب النصیحۃ)

اس اجتماعیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اجتماعی امور باہمی مشورے کے ذریعے طے پایا کریں۔

﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ (شوریٰ:۳۸)

لیکن اجتماع اپنے بہت سے امور اس وقت تک انجام نہیں دے سکتا جب تک وہ با اختیار منظم اور صاحب قوت واقتدار نہ ہو۔ جب اجتماع کو یہ وسیع اختیارات حاصل ہوں تو اپنے اوامر ونواہی کو نافذ کرنے کے لیے اجتماع، طاقت رکھنے اور بوقت ضرورت اس طاقت کا استعمال کرنے پر مجبور ہے۔ اس طور پر ایک اجتماعی ادارے کی ضرورت سامنے آتی ہے۔ جس کی قوت سب پر بالا ہو اور جو تمام وسائل وذرائع رکھتا ہو جو ناگزیر اجتماعی ذمہ داریوں دفاع، قیام عدل، امن وامان قائم رکھنے اور افراد معاشرہ کی فلاح و بہبود کے اہتمام کے لیے ضروری ہے۔ اسی انسانی ضرورت نے ریاست کے ادارے کو جنم دیا۔ یہ ادارہ نظم، اقتدار، قوت اور مرکزیت کی امتیازی صفات کا حامل ہے جو کسی دوسرے اجتماعی ادارہ کو اس درجہ میسر نہیں۔

اسلامی شعور اور زندگی کا اسلامی مزاج ریاست کی ضرورت اور اہمیت کو اور زیادہ مستحکم کر دیتا ہے۔ اسلامی ریاست مسلمانوں کے مشترکہ مقاصد کی ضامن اور ان کے جذبہ اخوت و تعاون کی اعلیٰ ترین مظہر بن کر ابھرتی ہے۔ اسلام نے اجتماع کو قیام دین، دعوت الخیر، شہادت

Marfat.com

الناس اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جو ذمہ داریاں سونپی ہیں، ریاست اس کی اولین ذمہ دار قرار پائی ہے۔ ریاست دوسرے اجتماعی اداروں کی نگرانی کرتی ہے۔ فرد کی جان و مال، عزت وآبرو، عقل، فہم اور دین واخلاق کی محافظ بن کر رہتی ہے۔ افراد کے تذکیہ اور زندگی کے حصول میں مدد دیتی ہے۔ چنانچہ اسلامی ریاست کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا براہِ راست تقاضہ بلکہ اس کے ہم معنی ہے کیونکہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا ہے:

''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے امام کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی۔ جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے امام کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔''

(بخاری، کتاب الاحکام)

بلا اسلامی ریاست کے اسلامی اجتماع کا تصور دشوار ہے۔ اس حیثیت کونہایت احسن طریق سے بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا:

لااسلام الا بجماعة الابامارة ولا امارة الاباطاعة

(مسند داری باب فی ذہاب العلم)

''اسلام بغیر جماعت کے نہیں۔ جماعت بغیر نظم امارت کے نہیں اور امارت بے معنی ہے اگر اس کی اطاعت نہ کی جائے۔''

اگرچہ ہر فرد کو اسلامی ریاست کی اطاعت کرنا ضروری قرار دیا گیا، لیکن اطاعت غیر مشروط نہیں بلکہ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ خود ریاست دستور الٰہی کی پابند ہو اور کوئی ایسا حکم نہ دے جو احکام الٰہی کے خلاف ہو۔ ریاست کے اپنے الٰہی دستور سے انحراف کی شکل میں فرد کو احکام الٰہی سے ٹکرانے والے احکام کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔ (مسلم وجوب اطاعۃ الامیر)

لیکن جب ریاست اللہ کی فرمانبردار ہو تو پھر امیر ریاست کوئی ہو اس کی اطاعت ضروری ہے۔ چنانچہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''سنو اور اطاعت کرو، اگرچہ تمہارے اوپر ایک چھوٹے سر والے حبشی غلام کو امیر مقرر کردیا جائے۔'' (بخاری، باب السمع والطاعۃ للامام)

جب ریاست کا سربراہ شریعت کے خلاف کام کرے اور حکومت کی پالیسی اسلامی ہدایت سے منحرف ہو تو اس وقت حق بات کہنی چاہئے اور کسی کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ لیکن

Marfat.com

حکومت پر تنقید اس وقت سخت مشکل ہو جاتی ہے جب ملامت سے آگے بڑھ کر تنقید کی وجہ سے حکام کے ظلم و جور کا نشانہ بننے کا اندیشہ ہو۔ ایسی صورت میں بھی عوام کو تنقید کی تاکید کی گئی اور اس کو سب سے بڑا جہاد قرار دیا گیا۔ چنانچہ ایک شخص نے اس وقت آپؐ سے پوچھا جب آپؐ اپنے پاؤں رکاب میں ڈال چکے تھے کہ کون سا جہاد افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ظالم حکمران کے سامنے حق بات کہنا۔'' (سنن نسائی، باب فضل من تکلم بالحق عند امام جابر) خلفائے راشدین صدر ریاست کی حیثیت سے اپنی رعایا کو اس کا یہ فریضہ خود یاد دلاتے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی پہلی تقریر میں لوگوں سے یہ فرمایا:

''لوگو! میں تم پر حکمران بنا دیا گیا ہوں حالانکہ میں تم میں سب سے اچھا فرد نہیں ہوں۔ لہٰذا اگر میں اچھے کام کروں تو میرے ساتھ تعاون کرو اور اگر برے کام کروں تو میری اصلاح کرو۔ سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت ...... جب تک میں خود اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کروں تم بھی میری اطاعت کرنا اور جب میں خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت کی ذمہ داری نہیں۔''

(سیرۃ ابن ہشام جلد ۳/۱۰۲)

اسی طرح سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا:

''لوگو! تم میں سے میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ آدمی ہے جو مجھے میرے عیوب بتلائے۔'' (طبقات ابن سعد: ۳/۲۹۲)

خلیفہ ہونے کے بعد اپنے پہلے خطبہ میں آپ نے عوام سے یہ درخواست کی کہ

''میرے نفس کے مقابلہ میں میری مدد کرو، مجھے معروف کا حکم دے کر اور منکر سے روک کر اور اللہ نے مجھے تمہارے امر کا جو نگہبان بنا دیا ہے اس کے سلسلہ میں میرے ساتھ خیر خواہی برتو۔'' (کنز العمال: ۳/۱۴۷)

شریعت اسلامی ان ہدایات و ضوابط کا مجموعہ ہے جو اسلام کے کلی فکر اور اس کے مجموعی مزاج سے ابھرتے ہیں۔ ''شریعت کی وضع و ترتیب کا شرعی مقصود یہ ہے کہ مکلف کو اپنی خواہشات کی بندگی سے نکالا جائے تاکہ جس طرح وہ اضطراری طور پر اللہ کا بندہ ہے اسی طرح اختیاری طور پر بھی اس کا بندہ بن جائے۔'' (الموافقات، شاطبی: ۲/۱۶۸)

شریعت کا مقصد اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ انسانی زندگی قائم رہے اور اس کو خوش

Marfat.com

اسلوبی اور سہولت کے ساتھ گزارا جا سکے۔ دنیا میں اس کو ایسی فلاح نصیب ہو جو فلاح آخرت کا پیش خیمہ ثابت ہو۔ مفکرین اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ شریعت کا مقصد انسانی مفادات کا تحفظ اور اس کے مصالح کا حصول ہے۔ کیونکہ احکام شریعت کی بنیاد حکمتوں اور مصالح پر رکھی گئی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''شریعت کی بنیاد حکمتوں پر رکھی گئی ہے۔ اس میں اصل توجہ معاش اور معاد میں انسانی مصالح کی طرف ہے۔ شریعت سراپا عدل، مجسم رحمت اور سراسر حکمت و مصلحت ہے۔ دنیا اور آخرت دونوں میں فلاح و سعادت اس سے وابستہ ہے۔''

(اعلام الموقعین: ۳/۱۰۱)

اسی وجہ سے شریعت اسلامی کا گہرا مطالعہ کرنے والوں نے شریعت کے جملہ احکام کے مطالعہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ''وہ بندگان خدا کے مصالح کی خاطر وضع کی گئی ہے۔'' (الموافقات: ۲/۶) وہ بنیادی انسانی مصالح کیا ہیں جن کا تحفظ انسان کی اولین ضرورت ہے۔ وہ بنیادی ضروریات پانچ ہیں۔ دین، جان، نسل، مال اور عقل۔

(الموافقات: ۱/ ۳۸، الاحکام فی اصول الاحکام سیف الدین آمدی: ۳/۳۹۴)

انسان کی ان بنیادی ضروریات کے تحفظ کے لیے اقتدار کا ہونا ضروری ہے جو مفاد عامہ کے لیے کام کر کے ان ضروریات کا سختی کے ساتھ تحفظ کروائے۔ اور اس کے لیے قانون وضع کرے۔ اسراف و تبذیر سے پرہیز، اپنے زائد از ضرورت مال سے اہل حاجت کی مدد کرنا یا سامان تجارت کو منصفانہ قیمتوں پر فروخت کرنا عام حالات میں افراد کی اخلاقی ذمہ داری ہے۔ لیکن اگر ملک کی معیشت کو تنگ حالی کا سامنا ہو، ارباب دولت سے اہل حاجت کی ضرورتیں نہ پوری ہو رہی ہوں اور اشیاء ضرورت کی قلت کے بغیر صرف نفع اندوزی کی خاطر عوام سے زیادہ قیمتیں وصول کی جا رہی ہوں، تو بنیادی انسانی مصالح کے تحفظ کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ قانون اور قوت نافذہ کو حرکت میں لایا جائے اور ان ہدایات کی حکماً تعمیل کرائی جائے۔ اس اجمال کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ انسان کو مال کے ضائع کرنے کا اختیار نہ دیا جائے، کیونکہ مال اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور امین کے لیے امانت کو ضائع کرنے کا اخلاقی اور شرعی طور پر کوئی حق نہیں۔ وہ مال کو مقاصد حیات کے حصول کا ذریعہ بنائے اور جو کچھ اس منشاء کے خلاف ہوگا وہ اضاعت مال ہے جس کو قرآن حکیم نے ''فساد'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ (البقرہ: ۲۰۵) خود

Marfat.com

سرکارِ دو عالم ﷺ نے بھی احادیث میں اضاعت مال سے منع فرمایا۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ:

''قیل وقال کرنے، بہت زیادہ سوالات دریافت کرنے، مال کو ضائع کرنے، خود نہ دینے اور دوسروں سے مانگنے، ماں کی نافرمانی کرنے اور بچیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔'' (بخاری، کتاب الرقاق، الادب المفروض: ۴۵)

''کثرۃ السوال'' کا ایک معنی یہ بھی ہے۔ ''زیادہ مال مانگنا'' (فتح الباری: ۱۱/۲۶۲)

بعض الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ یہ روایت موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور مسند دارمی میں بھی آئی ہے۔ صحیح مسلم میں یہی مضمون ایک مفصل روایت میں بھی آیا ہے۔ اس کی شرح فرماتے ہوئے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''اضاعت مال سے مراد غیر شرعی طور پر مال کو صرف کرنا اور بے جا تلف کرنا ہے۔ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ (معاشرہ میں) بگاڑ پیدا کرنے کے ہم معنی ہے اور اللہ تعالیٰ فساد پیدا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ مزید برآں یہ کہ جب کوئی شخص اپنا مال ضائع کردے گا تو کسی دوسرے کے مال پر قبضہ کرنے کی فکر میں لگ جائے گا۔''

(نووی شرح مسلم، کتاب الاقضیہ)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ قرآن حکیم میں فساد پیدا کرنے کی جو ممانعت آئی ہے اس میں تلف مال کی ممانعت خود بخود شامل ہے کیونکہ تلف مال فساد پیدا کرنے کی ایک شکل ہے۔

مال ضائع کرنے کی بعض شکلیں غیر کاروباری اور انفرادی بھی ہیں، ان میں سے بعض اسراف کے تحت آتی ہیں اور بعض غیر شرعی مصارف کے تحت آتی ہیں۔ ان میں سے ایک ''تبذیر'' ہے اور دوسری ''اسراف'' ہے۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ ''اسراف'' کا اطلاق عموماً ایسے صرف مال پر ہوتا ہے جو جائز مقصد کے لیے ہو لیکن حد اعتدال سے متجاوز ہو اور ''تبذیر'' غیر شرعی اغراض سے متعلق صرف مال اور اس طرح خدا تعالیٰ کی نافرمانی کے ہم معنی ہے۔ ائمہ کرام نے بھی لکھا ہے کہ ''تبذیر'' بذر سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں ''زمین میں بیج پھینکنا'' اور ''تبذیر'' کے معنی مال کو ایسے مصرف میں لانا ہے جو درست نہ ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''تبذیر'' اس بارہ میں تجاوز کا نام ہے کہ کون سا مصرف درست ہے۔ گویا یہ کیفیت سے جہل ہوا

Marfat.com

اور ''اسراف'' کمیت کے معاملہ میں تجاوز کا نام ہے جو مقدار مناسب سے جہل کا ہم معنی ہے۔ اسی وجہ سے ''تبذیر'' کرنے والے کو شیطان کا بھائی کہا گیا ہے (الاسراء:۲۵۔۲۶) اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ ''مبذرین'' کون ہیں؟ فرمایا:

''الذين ينفقون في غير حق.'' (الادب المفرد:۶۵)

جو ناحق مصارف میں مال خرچ کریں۔

باطل نظریات و خیالات کی اشاعت یا فحش باتوں کی اشاعت حرام ہے۔ ایسے کاموں کے لیے مال خرچ کرنا ''تبذیر'' کہلاتا ہے۔ یہی حال دوسرے حرام کاموں کا ہے۔

اضاعت مال کی دوسری قسم ''اسراف'' ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جس غرض کی تکمیل مال کی ایک مخصوص مقدار صرف کر کے کی جا سکتی ہے اس پر دانستہ اور بلا مزید فائدہ کے زائد مقدار میں مال صرف کرنا ''اسراف'' کہلاتا ہے۔

(Lexicon, p1351 Lane: Arabic English)

جو بات مال کے سلسلہ میں کہی گئی ہے وہی اشیائے استعمال کے وصفی معیار کے بارہ میں بھی سامنے رکھی جائے تو اسراف کا ایک دوسرا پہلو واضح ہوتا ہے۔ ایک حاجت کی تشفی اگر ایک مخصوص معیار کے سامان سے اتنی ہی ہو سکتی ہے جتنی کہ اس سے برتر معیار سے تو اس حاجت کی تشفی کے برتر معیار کے سامان کی طلب کرنا ایک مسرفانہ طلب قرار دی جا سکتی ہے۔ لہٰذا اب ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ''اسراف'' نام ہے ضروریات کی تکمیل کے لیے مقدار یا معیار کے اعتبار سے زائد از ضرورت مال صرف کرنے کا۔

اسراف کے بارہ میں قرآن حکیم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (اعراف:۳۱) اور اللہ کے بندوں کی قرآن حکیم میں جو تعریف کی گئی تو فرمایا:

(اللہ کے بندے وہ ہیں) جو جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں، بلکہ ان دونوں کے درمیان اعتدال کی روش اختیار کرتے ہیں۔ (الفرقان:۶۷)

ایک حدیث میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''کھاؤ، پیو، پہنو اور صدقہ کرو، لیکن اس میں اسراف یا گھمنڈ نہ ہو۔''

(بخاری ابواب اللباس)

Marfat.com

ابن ماجہ کی ایک حدیث میں ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان من السرف ان تاکل کل اشتھیت"

(ابن ماجہ، باب من الاسراف ان تاکل کل من اشتھیت)

یہ بات بھی اسراف میں شامل ہے کہ جس شے کی بھی خواہش ہو اسے کھا ہی لیا جائے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک لوگ ایسے مکان نہ بنانے لگیں جن کو وہ منقش کپڑوں کے مثل آراستہ کریں گے۔''

حدیث میں جو الفاظ آئے ہیں وہ یہ ہیں۔ ''حتی یبنی الناس بیوتاً یشبھونھا بالمراجل'' ''مراجل'' کے معنی راوی حدیث ابراہیم ابن المنذر ریہ بیان کرتے ہیں ''منقش کپڑے۔'' (الادب المفرد ص:٦٧)

اسی اسراف سے امت کو بچانے کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام گورنروں کو لکھا:

''بلند و بالا عمارتیں نہ تعمیر کرو کیونکہ یہ طرزِ عمل بدترین زمانے کی نشانی ہے۔''

(الادب المفرد ص:٦٧)

ظاہری نگاہ میں اگرچہ ایک فرد آزاد ہے کہ وہ اپنے وسائل و ذرائع کو مباح اور جائز ضرورتوں اور کاموں پر جس طرح چاہے صرف کرے، مثال کے طور پر اگرچہ علاج اور علم بنیادی ضرورتیں ہیں لیکن ایک شخص انہیں نظر انداز کر کے اپنا مال اپنے گھر کی زینت اور آرائش پر صرف کرنے کا پورا پورا حق رکھتا ہے لیکن یہ طرزِ عمل اسلامی طریقہ زندگی سے مناسبت نہیں رکھتا۔ اسلام انسانی زندگی کو ایک بامقصد کام سمجھتا ہے اور مقصدی زندگی کا تقاضہ ہے کہ ضرورتوں کو زیب و زینت پر ترجیح دی جائے۔ اسلامی فقہ میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ بنیادی ضرورتوں کو نظر انداز کر کے زینت کے امور پر مال صرف کرنا اسراف میں داخل ہے۔ اسلام نے بنیادی ضروریات زندگی کی تکمیل کو ضروری قرار دیا ہے۔ (الموافقات:٢/ ١٧٦۔١٧٧۔١٨١)

اس کے علاوہ اسلام نے لذت دنیا میں انہماک، مبالغہ کی حد تک آرام و سہولت کی طلب اور عیش و عشرت میں غرق ہو جانے والی زندگی کو ازحد ناپسندیدہ قرار دیا ہے اور اس سے اجتناب کی تاکید کی ہے۔ چنانچہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن بھیجا تو فرمایا:

Marfat.com

''خبردار عیش کوشی سے اجتناب کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اچھے بندے عیش کوش نہیں ہوتے۔'' (مشکوۃ، باب فضل الفقراء)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس بارہ میں سخت تاکید فرمائی تھی۔ ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ ہم آذربائیجان میں تھے کہ وہاں کے گورنر کے نام سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا خط آیا۔ اس میں آپ نے عتبہ بن فرقد کو لکھا کہ ''خبردار! عیش کوشی سے اجتناب کرنا اور اہل شرک کے لباس سے اور ریشم کے لباس سے۔'' (سیرۃ عمر بن الخطاب لابن جوزی: ۱۳۰)

اصل بات یہ ہے کہ دنیا کی رنگینیوں اور لذتوں میں انہماک انسان کو آخرت سے غافل اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی ذمہ داریوں سے بے پرواہ کر دیتا ہے اور اپنی زندگی کے صالح مقاصد کے لیے اپنا مال اور وقت صرف کرنے سے قاصر رہ جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام ان تمام چیزوں پر پابندی لگا کر سماج کو فائدہ پہنچانا چاہتا ہے جن سے مملکت اسلامیہ میں عوام الناس کی فلاح و بہبود نہ ہو۔ دوسرے لفظوں میں ایک اسلامی ریاست اجتماع کے مصالح کو فرد کے مصالح پر ترجیح دے اور اجتماع کو انفرادی اعمال کے مضرت رساں اثرات سے بچانے کے لیے انفرادی اعمال کو مناسب حدود کا پابند بنائے۔ کاروبار میں نفع کمانا جائز اور نگاہ شریعت میں مستحسن ہے اور کاروبار کیا ہی نفع کے لیے جاتا ہے، لیکن جس وقت کوئی تاجر ذخیرہ اندوزی کر کے یا خریدار کی سخت احتیاج کی وجہ سے فائدہ اٹھا کر زیادہ دام وصول کرے تو ہر ایسا معاہدہ بیع فاسد ہے اور جو شخص نرخ گراں کرنے کی غرض سے ذخیرہ اندوزی کرے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک غلط کار ہے اور اللہ اس سے بری الذمہ ہے (مستدرک حاکم: ۱۲/۲) اور ''جو شخص مسلمانوں کے بازار کے نرخ میں اس لیے دخل دے کہ اسے گراں کر دے تو اللہ تعالیٰ کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ قیامت کے روز اسے زبردست آگ میں جھونک دے (مسند ابی داؤد طیالسی: ۲۵، مستدرک حاکم: ۲/۱۲۔۱۳) اور فقہائے اسلام نے لکھا ہے کہ:

''مضطر کی خرید و فروخت فاسد ہے۔ اس کی شکل یہ ہے کہ ایک شخص کو کھانے پینے یا لباس وغیرہ (ضروریات سے متعلق) اشیاء کی شدید ضرورت ہو اور فروخت کرنے والا بازار کے بھاؤ سے زیادہ قیمت وصول کرنے پر اصرار کرے۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ (فروخت کرنے والا فروخت کرنے پر مجبور ہو اور) خریدنے والا بازار کے بھاؤ

Marfat.com

سے بہت کم دام پر سودا چکانا چاہے۔'' (ابن عابدین شامی: ۴/۴۴)

اشیائے صرف کی قیمتیں مقرر کرنا اسلام میں جائز نہیں ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس سے روکا ہے۔ ہاں اگر ضرر عامہ کا دفعیہ اس کا متقاضی ہو تو قیمتیں مقرر کی جا سکتی ہیں۔ چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ ''اگر غلہ کے تاجر من مانی قیمتیں وصول کرتے ہوں اور معقول قیمت سے زائد دام وصول کرتے ہوں (وبتعدون عن القيمة تعديا فاحشا) اور قاضی یا سربراہ مملکت نرخ مقرر کرنے کے علاوہ کسی دوسرے طریقہ سے مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ نہ کر سکتا ہو تو ایسی صورت میں اہل الرائے اور صاحب بصیرت افراد کے مشورہ سے قیمتیں مقرر کر دینے میں کوئی حرج نہیں۔'' (ہدایہ: ۴)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سرکارِ دو عالم ﷺ کی تعلیمات کے مطابق اسلامی ریاست کو ایک فلاحی مملکت اس وقت بنایا جب کہ پوری دنیا میں کوئی فلاحی مملکت نہ تھی، بلکہ دنیا کی بڑی بڑی حکومتیں ٹیکسوں کے ذریعہ لوگوں کے خون کو چوس کر اپنے احکام اور سربراہوں کے عیش و آرام کے لیے اس کو صرف کرتی تھیں اور خود ان کے عوام فقر و مسکنت کی چکی میں پس رہے ہوتے تھے۔ اسلامی ریاست کی سب سے پہلی ذمہ داری کفالت عامہ، معاشی ترقی کا اہتمام اور تقسیم دولت کے اندر پائے جانے والے تفاوت کو کم کرنا ہے۔

کفالت عامہ سے مراد یہ ہے کہ ایک اسلامی ریاست میں رہنے والے ہر شخص کی بنیادی ضروریات زندگی کی تکمیل کا اہتمام کیا جائے۔ ان بنیادی ضروریات میں غذا، لباس، مکان اور علاج شامل ہیں۔ اس تکمیل کی کئی صورتیں ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ لیکن سرکارِ دو عالم ﷺ نے تاکید فرمائی کہ ایک ریاست کے ذمہ ضروری ہے کہ محروم افراد کی ضروریات کی تکمیل کا اہتمام کرے۔ چنانچہ ابو مریم ازدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا: ''ابو فلاں! کیسے تشریف لائے؟'' میں نے کہا میں آپ کو ایک فرمان رسولؐ کے بارے میں باخبر کرنے آیا ہوں جسے میں نے سنا ہے میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو خود یہ فرماتے سنا ہے کہ:

''جسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنایا ہے اور وہ ان کی ضروریات اور فقر سے بے پرواہ ہو کر بیٹھ رہا، اللہ تعالیٰ بھی اس کی ضروریات اور فقر سے بے نیاز ہو جائے گا۔''

Marfat.com

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر ایک شخص کو عوام کی ضروریات پوری کرنے پر مامور کر دیا۔ (ابو داؤد: باب فیما یلزم الامام من امر الرعیۃ)

اسی سلسلہ میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک روایت نقل کی ہے کہ عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ کہا کہ میں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو امام (سربراہ مملکت) ضرورت مند، فقراء اور مساکین پر اپنے دروازے بند کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات، فقر اور مسکنت پر آسمان کے دروازے بند کر لیتا ہے۔ یہ سن کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو عوام کی ضروریات زندگی پوری کرنے پر مامور کر دیا۔"

(ترمذی: باب ماجاء فی امام الرعیۃ)

رعایا کی ضروریات زندگی کی تکمیل کا اہتمام دراصل اس جذبہ خیرخواہی میں مضمر ہے جو ایک اسلامی ریاست کے والی پر لازم قرار دیا گیا ہے، لہٰذا جس بندہ کو حق تعالیٰ لوگوں کا حکمران بناتا ہے اور وہ ان کے ساتھ پوری طرح خیرخواہی نہ برتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔ (لم یجد رائحۃ الجنۃ) (بخاری، باب من استرعی رعیۃ لم ینصح) اسی مضمون کی ایک اور روایت مسند ابی عوانہ: ۱/۳۲ پر مروی ہے۔

ابو عبید نے اپنی کتاب الاموال میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خط نقل کیا ہے جو آپ نے ایک نومسلم قبیلہ کے سردار زرعہ بن ذی یزن کے نام لکھا تھا۔ آپ نے اس خط میں یہ بتایا کہ مال کا جو حصہ بطور زکوٰۃ وصول کیا جائے گا وہ صدر ریاست کے ذاتی مصرف میں نہیں آئے گا۔ بلکہ اہل حاجت اور ضرورت مند لوگوں کو دیا جائے گا اور یہ اطمینان دلایا گیا کہ جو فرد بھی ضرورت یا مصیبت سے پریشان ہوگا خواہ وہ مال دار ہو یا مفلس و قلاش، اللہ کا رسول (اسلامی ریاست کے صدر کی حیثیت سے) سہارا دینے کے لیے موجود ہے۔

(ملاحظہ ہو کتاب الاموال: ۲۰۲)

یہ اللہ کے رسول کا سہارا اور رئیس مملکت ہونے کے ناطے ان کی سرپرستی ہی کا تقاضا ہے کہ فتوحات کی وسعت کے بعد جب بیت المال میں کافی مال آنے لگا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرما دیا کہ جو لوگ مقروض ہوں اور وفات پا جائیں ان کے قرضے اسلامی ریاست کے بیت المال سے ادا کیے جائیں گے۔ (کتاب الاموال: ۲۰۲) امام بخاری رضی اللہ عنہ نے بھی اس بارہ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر فتوحات کا دروازہ کھول

Marfat.com

دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو مسلمان قرض چھوڑ کر وفات پا جائے اس کے قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہوگی اور جو مال چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کے لیے ہوگا۔''

(بخاری: باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ترک کلاا و ضیاعاً فالی)

امام ترمذی اور ابو داؤد نے بھی اسی مضمون کی روایات اپنی کتابوں میں نقل کی ہیں۔

نیز امام ابوعبیدہ کی کتاب الاموال: ۲۲۷ پر بھی حدیث ملاحظہ ہو۔

یہ وہ اصول تھا جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدر مملکت ہونے کی حیثیت سے بنایا اور اس پر عمل بھی کیا، لہٰذا جو افراد اسلامی ریاست کی صدارت کے منصب پر آپ کے بعد فائز ہوئے، انہیں اس بارہ میں اپنی ذمہ داریوں کا پورا شعور تھا۔ بلکہ اسلامی ریاست کے خلیفہ کا مطلب ہی سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے یہ بیان کیا کہ:

الذی یقضی بکتاب و شفق علی الرعیة شفقة الرجل علی اهله

یعنی خلیفہ وہ ہے جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرے اور اپنی رعایا پر اس طرح شفقت کرے جس طرح آدمی اپنے اہل وعیال پر شفقت کرتا ہے۔

(کتاب الاموال: ۶)

عوام کی معاشی ضروریات کی تکمیل کا سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو کتنا خیال تھا، اس کا اندازہ اس خطبہ سے کیا جاسکتا ہے جو قادسیہ کی فتح کی خوشخبری سنانے کے بعد آپ نے عوام کے سامنے دیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا:

''مجھے اس بات کی انتہائی فکر رہتی ہے کہ جہاں بھی تمہاری کوئی ضرورت دیکھوں اسے پورا کردوں۔ جب تک ہم سب مل کر اسے پورا کرنے کی گنجائش رکھتے ہوں۔ جب ہمارے پاس اتنی گنجائش نہ رہ جائے تو ہم باہمی امداد کے ذریعہ گزر اوقات کریں گے۔ یہاں تک کہ سب کا معیارِ زندگی ایک سا ہو جائے۔ کاش تم جان سکتے کہ میرے دل میں تمہارا کس قدر خیال ہے، لیکن میں یہ بات تمہیں اپنے عمل کے ذریعہ ہی سمجھا سکتا ہوں۔ خدا کی قسم! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم لوگوں کو اپنا غلام بنا کر رکھوں بلکہ اگر میں اس کو اپنی ذاتی ملکیت نہ سمجھوں بلکہ تمہاری شے سمجھ کر تمہاری طرف واپس کردوں اور تمہاری خدمت کے لیے تمہارے پیچھے پیچھے چلوں یہاں

Marfat.com

تک کہ تم اپنے گھروں میں سیر ہو کر کھا پی سکو تو تمہارے ذریعہ فلاح پاؤں گا۔ اگر میں اسے اپنا بنالوں اور تمہیں اپنے پیچھے پیچھے چلنے اور اپنے حقوق کے مطالبہ کے لیے اپنے گھر آنے پر مجبور کر دوں تو تمہارے ذریعے میرا انجام خراب ہوگا۔ دنیا میں کچھ عرصہ میں خوشی منالوں گا، لیکن آخرت میں عرصہ دراز تک غمگین رہوں گا۔ میرا حال یہ ہوگا کہ نہ کوئی مجھ سے کچھ کہنے والا ہوگا اور نہ کوئی میری بات کا جواب دے گا کہ میں اپنا کوئی عذر بیان کر کے معافی حاصل کرسکوں۔'' (البدایہ والنہایہ: ۷/۴۶)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تو کفالت عامہ کے بارہ میں وہ وہ کام کیے کہ آج تک دنیا انگشت بدنداں ہے کہ اس زمانہ میں ایسے کام کیسے ممکن تھے؟ سیدنا عمر بن خطاب نے تمام مملکت اسلامیہ میں اعلان کر رکھا تھا کہ

''جو شخص مال مانگنا چاہے وہ میرے پاس آئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے مال کا خازن اور تقسیم کنندہ بنا رکھا ہے۔'' (سیرۃ عمر بن خطاب لابن جوزی: ۱۰۱)

کفالت عامہ کے فریضہ کی عملاً انجام دہی کی متعدد مثالیں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ملتی ہیں جب آپ شام تشریف لائے تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے بڑے موثر انداز میں آپ کو یہ بتایا کہ عوام بھوک سے پریشان ہیں۔ آپ نے فوراً مقامی حکام کو حکم دیا کہ ہر مسلمان کے لیے بقدر کفالت غذائی اجناس فراہم کریں۔ چنانچہ ابن جوزی نے نقل کیا ہے کہ:

''ایک بار سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی چادر میں کنکریاں بھر کر اسے سر کے نیچے رکھے ہوئے مسجد میں سو رہے تھے کہ ایک پکارنے والے نے ''یا عمر! یا عمر!'' پکارنا شروع کیا۔ آپ چونک کر اٹھے اور اس سمت دوڑ پڑے۔ دیکھا کہ ایک اعرابی اپنے اونٹ کی نکیل تھامے کھڑا ہے اور اس کے گرد لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ جب اس شخص نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو لوگوں نے بتایا کہ یہی امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ تجھے کس نے ستایا؟ آپ نے سمجھا کہ وہ کوئی ستم رسیدہ ہے۔ وہ اٹھ کر اپنا حال بیان کرنے لگا۔ اس نے چند اشعار پیش کیے جن میں قحط کی شکایت کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہاتھ سر پر رکھ کر چیخے! ہائے عمر، ہائے عمر اور فرمایا! لوگو تم سمجھتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے؟ قحط اور خشک سالی کا ذکر کر رہا ہے۔ عمر سیر شکم ہو کر کھاتا اور پیتا ہے اور مسلمان قحط اور مصیبت میں گرفتار ہیں۔ کون ہے جوان

Marfat.com

لوگوں کو رسد اور کھجوریں اور ان کی ضرورت کی دوسری اشیاء پہنچائے؟ چنانچہ آپ نے دو انصاری حضرات کو بہت سے اونٹوں کے ساتھ جن پر کھجوریں اور اجناس لدی ہوئی تھیں روانہ کیا۔ وہ یمن گئے اور اپنے ساتھ جو کچھ لے گئے اسے وہاں تقسیم کر دیا۔"

(سیرۃ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ لابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ: ۷۳، نیز کتاب الاموال: ۲۶۴، ۲۴۷۔ ۲۴۸)

۱۸ھ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی کے دورِ خلافت میں مدینہ طیبہ اور اس کے اطراف میں قحط پڑا جس کو اسلامی تاریخ میں "عام الرمادہ" کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ قرن اول کی اسلامی ریاست میں ایک آزمائشی موقع تھا اس موقع پر صدر ریاست سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جس احساس ذمہ داری اور چستی، تندہی اور حسن انتظام کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں ادا کیں۔ وہ ہمیشہ آنے والے حکمرانوں کے لیے ایک نمونہ رہے گا۔

بعض روایات میں ہے کہ چالیس پچاس ہزار آدمی روزانہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دستر خوان پر کھانا کھاتے تھے۔ دیہات میں اگر ایک گھر بھی ہوتا تو کھانا وہاں بھی بھیجا جاتا۔ بہت لمبا چوڑا انتظام کیا لیکن قحط بجائے کم ہونے کے بڑھ رہا تھا۔ اسی زمانہ میں ایک صاحب نے ایک بکری ذبح کی تو اس میں سوائے ہڈی، خون اور کھال کے کچھ نہ نکلا۔ اس کے بعد اس آدمی کی چیخ نکلی اور کہا: "وامحمداہ، (ہائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کہا اور آنکھوں میں سے آنسو نکل پڑے اور پڑ کر سو گئے۔ خواب میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ کو میرا سلام کہہ کر کہو کہ تو تو عقل مند تھا کیا ہوا؟ آنکھ کھلی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دروازے پر جا کر کہا کہ "**یا امیر المومنین اجب رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام لانے والے کو جواب دو۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھول میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ جان کر دوڑے۔ دروازے پر پہنچ کر یاد آیا کہ یہ حضور علیہ السلام کا زمانہ نہیں ہے۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لرز گئے اور فرمایا کہ میری زندگی میں فرق آ گیا۔ سارے مدینہ کے لوگوں کو جمع کر کے پوچھا۔ "میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے بدلا تو نہیں؟" لوگوں نے کہا "نہیں۔" فرمایا "یہ شخص کیا کہتا ہے؟" خواب سنا تو سب نے جانا، صرف سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نہ سمجھا۔ مطلب یہ ہے کہ جب تمہاری نماز اور دعا قبول ہے تو انتظام کے چکر میں کیوں پھنسے ہو، دعا کیوں نہیں مانگتے؟" سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بارش کی دعا مانگی، قحط دور ہونے کی دعا مانگی۔ مختصر سی دعا تھی۔ "**اللهم انا نستغفرك و نستسقيك**" دعا مانگ

Marfat.com

کر منہ پر ہاتھ پھیرنے سے قبل بارش شروع ہوئیں۔ جانوروں میں جان پڑنی شروع ہوئی، کھیتیاں سرسبز و شاداب ہونی شروع ہوئی۔ دیہاتیوں نے کہا کہ چاروں طرف سے بادلوں میں سے یہ آواز آرہی ہے۔ ''اتاك الغوث! ابا حفص ''اے عمر رضی اللہ عنہ! تو نے بارش مانگی آ گئی بادل آ گیا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد: ۳/۳۱۰۔۳۲۴۔ تاریخ طبری حوادث ۱۸ھ، البدایہ والنہایہ: ۷/۹۰۔۹۲ وغیرہ)۔

کفالت عامہ کی ذمہ داری کے بارہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا تصور اتنا وسیع اور ہمہ گیر تھا کہ آپ فرماتے تھے اگر دارالاسلام کے حدود کے اندر کوئی جانور بھی بھوک سے مرجائے تو مجھے اندیشہ ہے کہ اللہ کے حضور مجھے اس کے لیے جواب دہ ہونا پڑے گا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے مشہور اقوال ہیں کہ:

لومات جمل ضياعاً علىٰ شط الفرات وفخشيت ان يسئلني الله عنه

(طبقات ابن سعد: ۳/۳۰۵)

''اگر ساحل فرات پر کوئی اونٹ بے سہارا مرجائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کے بارہ میں جواب طلب کرے گا۔''

کفالت عامہ کی ذمہ داری صرف مسلمان شہریوں تک محدود نہیں سمجھی جاتی تھی بلکہ غیر مسلموں کو بھی اس سلسلہ میں وہی حیثیت حاصل تھی جو مسلمانوں کو تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال کے نگران کو ہدایت فرمائی تھی کہ ضرورت مند غیر مسلموں کا پتہ لگا کر ان کی ضروریات کی تکمیل کا بھی اہتمام کیا جائے۔

روایات میں ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا گزر ایک گلی میں سے ہوا۔ دیکھا کہ ایک سائل کسی کے دروازہ پر بھیک مانگ رہا ہے۔ وہ سائل ایک بوڑھا شخص تھا جس کی بینائی بالکل زائل ہو چکی تھی۔ آپ نے پیچھے سے اس کے بازو کو ٹھونکا اور پوچھا ''تم کس مذہب کے اہل کتاب ہو؟'' اس نے کہا'' میں یہودی ہوں اور بڑھاپے، ضرورت مندی اور جزیہ کی وجہ سے بھیک مانگ رہا ہوں۔'' راوی کہتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے گھر لے آئے اور گھر میں سے اسے کچھ عطا فرمایا۔ پھر آپ نے بیت المال کے خزانچی کو بلایا اور اس سے کہا ''اس کا اور اس جیسے دوسرے افراد کا خیال رکھو کیونکہ خدا کی قسم! یہ بات انصاف سے بعید ہے کہ ہم ان کی جوانی میں ان سے جزیہ وصول کر کے کھائیں اور بڑھاپے میں انہیں بے

Marfat.com

سہارا چھوڑ دیں۔'' (کتاب الخراج لابی یوسف: ۱۵۰۔۱۵۱)

غیر مسلم رعایا کے ساتھ یہ سلوک اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے کیونکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی غیر مسلم رعایا کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا گیا۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اہل حیرہ کے ساتھ جو عیسائی تھے، معاہدہ کیا، اس معاہدے میں ایک شرط یہ بھی رکھی کہ

''میں نے ان کا یہ حق قرار دیا ہے کہ ایسا بوڑھا آدمی جو محنت کرنے سے معذور ہو جائے، یا جس پر کوئی مرض یا مصیبت آن پڑے، یا جو آدمی پہلے مال دار رہا ہو اور اب ایسا غریب ہو جائے کہ اس کے ہم مذہب اسے خیرات دینے لگیں، اس کا جزیہ ساقط کر دیا جائے اور جب تک وہ دار ہجرت اور دار الاسلام میں مقیم رہے گا اس کی اور اس کے اہل وعیال کی کفالت مسلمانوں کے بیت المال سے کی جائے گی۔''

(کتاب الخراج لابی یوسف: ۱۷۲)

دوسری بنیادی ضروریات میں سے ایک اہم ضرورت ''عام تعلیم'' کی ہے۔ اسلامی ریاست اپنے شہریوں کو لکھنا اور پڑھنا سکھانے کا بھی پورا پورا اہتمام کرتی تھی۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سب سے پہلی وحی نازل ہوئی تھی اس میں پہلا لفظ ہی ''اقراء'' کا تھا۔ کیونکہ لکھنا پڑھنا اسلام میں نہایت ضروری ہے۔ چونکہ قوموں کے عروج و زوال کے اسباب ہی تعلیم اور جہالت ہیں، اسی وجہ سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کا اہتمام فرماتے تھے کہ لوگ پڑھنا لکھنا سیکھیں۔ آپ ہی کے حکم سے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یہود کی زبان سریانی لکھنا اور پڑھنا سیکھی تھی۔ (ابو داؤد، باب روایت حدیث اہل کتاب) بدر کے موقع پر متعدد قیدیوں کا فدیہ یہ قرار دیا گیا کہ ان میں سے ہر ایک مدینہ منورہ کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے۔

(طبقات ابن سعد: ۲/۲۳۲)

بعض روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو اس بات پر مامور کیا تھا کہ مدینہ کے لوگوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔ (استیعاب: ۱/۳۹۳)

ایک مرتبہ آپ نے انصار میں سے ستر (۷۰) آدمیوں کو جو اپنے زمانہ میں ''قراء'' (عالم قرآن) کہلاتے تھے اور جو دن میں لکڑیاں چنتے تھے اور رات کو لکھتے تھے، عرب کے بعض قبائل کی طرف دین سکھانے کے لیے بھیجا۔ (بخاری کتاب المغازی)

Marfat.com

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے زمانہ میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طریقہ کو جاری رکھا۔ چنانچہ آپ نے بچوں کو تعلیم دینے کے لیے بیت المال سے معلم مقرر فرمائے تھے جن کو بیت المال سے تنخواہ دی جاتی تھی۔ ان کی تنخواہ دس درہم ماہانہ تھی (کنز العمال بحوالہ مسند ابن ابی شیبہ ۱۷۶/۲) آپ نے اپنے گورنروں کو لکھا کہ وہ اپنے اپنے علاقہ میں سے ان لوگوں کی فہرست آپ کو بھیجیں جنہیں قرآن حکیم حفظ ہے تا کہ ان کو اونچے وظیفے دے کر مختلف علاقوں میں قرآن حکیم کی تعلیم دینے پر مامور کر دیا جائے۔ (کنزل العمال: ۱/ ۳۱۷)

ایک فلاحی مملکت کا یہ فریضہ بھی ہے کہ وہ معذور افراد کو خادم فراہم کرے تا کہ انہیں اپنا کام کاج کرنے میں جو تکلیف ہوتی ہے اس کا ازالہ ہو سکے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے معذور افراد کو خادم فراہم کیے۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ ۱۸ھ میں جو شدید قحط پڑا تھا اس میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ میں سرکاری طور پر کھانا پکوا کر تمام ضرورت مند لوگوں کو کھلانے کا اہتمام کیا تھا اور اس انتظام کی نگرانی آپ خود فرماتے تھے۔ انہی دنوں میں آپ مدینہ میں لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے۔ آپ ہاتھ میں لاٹھی (عصا) لیے ان کے درمیان گشت کر رہے تھے۔ اسی دوران آپ کا گزر ایک ایسے آدمی کے پاس سے ہوا جو بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا ''بندہ خدا! دائیں ہاتھ سے کھا'' اس نے جواب دیا ''بندہ خدا، وہ مشغول ہے۔'' آپ آگے بڑھ گئے۔ جب دوبارہ وہاں سے گزرے تو پھر دیکھا کہ وہ بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا ہے۔ آپ نے اس سے پھر کہا ''بندہ خدا! دائیں ہاتھ سے کھا'' اس نے کہا: ''بندہ خدا! وہ مشغول ہے۔'' اس نے تین بار آپ کو وہی جواب دیا۔ آپ نے پوچھا ''کس کام میں مشغول ہے؟'' اس نے جواب دیا کہ داہنا ہاتھ موتہ کی جنگ میں کام آ گیا۔'' راوی کا بیان ہے کہ یہ سن کر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس کے پاس بیٹھ گئے اور رونے لگے اور اس سے پوچھنے لگے کہ تمہیں وضو کون کراتا ہے؟ تمہارا سر کون دھوتا ہے؟ فلاں اور فلاں کام کون کرتا ہے؟ پھر آپ نے اس کے لیے ایک خادم منگوایا اور اسے ایک سواری دلوائی اور دوسرے سامان ضرورت بھی دلوائے، یہاں تک کہ اس آدمی کے ساتھ آپ نے انتہائی مشفقانہ سلوک کیا اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اہتمام دیکھ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب بلند آواز سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لیے دعائیں کرنے لگے (حتیٰ رفع اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اصواتھم یدعون اللہ عمر)

(امام محمد بن الحسن شیبانی، کتاب الآثار، باب فضائل الصحابہ، حدیث نمبر ۸۵۲)

Marfat.com

سواری کی شدید ضرورت ان مسافروں کو بھی پیش آتی ہے جو منزل سے پہلے تھک کر رہ جائیں۔ عالم مسافرت میں ان کو عارضی قیام کے لیے جگہ کی اور اکثر اوقات سامان غذا کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مکہ اور مدینہ کے درمیان راستہ پر اس کا انتظام کر دیا تھا کہ ایسے ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کی جائے۔

(طبقات ابن سعد: ۲۸۳/۳، بلاذری فتوح البلدان: ۵۳)

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور دوسرے خلفاء کے اس طریقہ سے معلوم ہوا کہ اسلامی ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ محروم اور اہل حاجت کی حاجت روائی کا اہتمام کرے۔ چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ نے ''منہاج الطالبین'' میں لکھا ہے کہ:

''یہ باتیں فرض کفایہ میں شامل ہیں...... مسلمانوں کی تکالیف دور کرنا مثلاً ننگے کو کپڑا پہنانا اور بھوکے کو کھانا کھلانا، جبکہ یہ ضروریات زکوٰۃ اور بیت المال کے ذریعہ نہ پوری ہو رہی ہوں۔'' (منہاج الطالبین: ۱۲۵)

اس کی شرح میں علامہ شہاب الدین رملی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

''ایسا لباس فراہم کرنا ضروری ہے جس سے پورا بدن ڈھک جائے اور جو جاڑے اور گرمی کے حالات کے لیے موزوں ہو۔ نیز کھانے اور کپڑے کے ساتھ وہ چیزیں شامل ہیں جو اتنی ہی ضروری ہوں، مثلاً طبیب کا معاوضہ، ادویات کی قیمت اور معذوروں کے لیے خادم۔'' (نہایت المحتاج الی شرح المنہاج: ۱۹۴/۶)

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے بھی اسلامی ریاست کی ذمہ داریوں میں یہ لکھا ہے کہ:

''ہر ملک کے مال دار لوگوں پر فرض ہے کہ اپنے غریب لوگوں کی کفالت کریں۔ اگر زکوٰۃ کی آمدنی اور سارے مسلمانوں کی فئے اس کے لیے کافی نہ ہو تو حاکم وقت ان کو ایسا کرنے پر مجبور کرے گا۔ ان اہل حاجت کے لیے اتنے مال کا انتظام کیا جائے گا جس سے وہ بقدر ضرورت غذا حاصل کر سکیں۔ اور اسی طرح جاڑے اور گرمی کا لباس اور ایک ایسا مکان جو انہیں بارش، گرمی، دھوپ اور راہ گیروں کی نظروں سے محفوظ رکھ سکے۔'' (المحلی لابن حزم: ۱۵۶/۶)

مختصر یہ کہ غذا، لباس اور سر چھپانے کے لیے مکان ایسی ضروریات ہیں جن کی تکمیل نہ ہونے سے آدمی کی جان چلی جانے کا اندیشہ ہے۔ لباس میں اوڑھنے اور بچھانے کے اس

Marfat.com

سامان کو بھی شامل سمجھنا چاہئے جو سردی سے بچاؤ کے لیے ناگزیر ہو۔ یہی حیثیت مریض کے علاج کی ہے۔ چونکہ قیام حیات شریعت کے اولین مقاصد میں سے ہے، لہٰذا ان چار ضروریات کی تکمیل کو لازما کفالت عامہ کے اصول میں شامل سمجھنا چاہئے۔ ان اہم ترین ضروریات کے علاوہ بعض اور ضروریات بھی ہیں جن کو اس فہرست میں شامل کرنے پر غور کیا جا سکتا ہے۔ بعض احادیث میں ہے کہ اگر معذور اپنے خاندان والوں کے تعاون سے یا خود اپنے مال کے ذریعہ خادم رکھ کر گزارا نہ کرسکتا ہو تو حکومت یا معاشرہ کو اس کی یہ ضرورت پوری کرنی چاہیے کیونکہ اگر اسے پورا نہ کیا گیا تو اس کے لیے زندگی گزارنا ممکن نہیں رہے گا۔ بہرحال یہ ایک اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہوگی کہ ہر معذور فرد کو کوئی مناسب سہارا مل جائے۔

اسلامی ریاست جو جہاد بھی کرتی ہے وہ دنیوی اغراض کے لیے جنگ نہیں ہوتی، لیکن اگر دین کی راہ میں جہاد کرنا پڑے تو اس سے مسلمانوں کو معاشی فوائد بھی حاصل ہو سکتے ہیں۔ جنگ بدر کے موقع پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعا کی تھی وہ یہاں یہ واضح کرنے کے لیے نقل کی جا رہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کی معاشی فلاح مطلوب تھی اور اس کے لیے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی فرماتے تھے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے موقع پر تین سو پندرہ مجاہدین کے ساتھ (جنگ کے لیے) نکلے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ رب العزت میں یہ دعا کی:

اللھم انھم حفاۃ فاحملھم اللھم انھم عراۃ فاکسھم اللھم انھم جیاع فاشبعھم

''اے اللہ یہ لوگ پیدل ہیں انہیں سواریاں عطا فرما، اے اللہ! یہ لوگ ننگے ہیں ان کو کپڑے پہنا، اے اللہ یہ لوگ بھوکے ہیں ان کے پیٹ بھر دے۔''

چنانچہ حق تعالیٰ نے بدر کی جنگ میں فتح عطا فرمائی اور جب یہ لوگ واپس لوٹے تو ہر آدمی اپنے ساتھ ایک یا دو اونٹ لے کر لوٹا اور ان کو پہننے کے لیے کپڑے مل گئے اور یہ شکم سیر ہو گئے۔ (ابوداؤد، باب فی النفل فی السریۃ)

اسی طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عراق میں جہاد کے لیے جانے والے مسلمانوں سے فرمایا تھا:

''ایک ایسی قوم کے ساتھ جہاد کے لیے جا رہے ہو جو امور معاش پر حاوی اور ترقی یافتہ ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں سے تمہارا حصہ عطا کریگا اور تم بھی

Marfat.com

دوسرے لوگوں کے ساتھ اس ترقی اور خوشحالی سے فیض یاب ہوتے ہوئے زندگی گزار سکو گے۔'' (طبری حوادث: ۱۳/ ۲۱۸۸)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بھی یہ دلی خواہش تھی کہ ملک اور مسلمان خوش حالی اور ترقی کی منازل طے کرتے رہیں۔ چنانچہ آپ نے گورنر مصر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ شاہ مقوقس سے دریافت کریں کہ مصر کی خوش حالی اور ترقی کا انحصار کن عوامل پر ہے۔ (فتوح مصر، عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالحکم: ۱۶۱) آپ نے انہیں ایسی تدابیر اختیار کرنے کی تاکید فرمائی تھی جن سے مصر کی خوش حالی میں اضافہ ہو۔ ایک زرعی معیشت میں سب سے زیادہ اہمیت آب پاشی کے لیے نہروں کی تعمیر کو حاصل ہے۔ تجارت کے فروغ کیلئے سڑکوں اور پلوں کی تعمیر اور فی الجملہ بہتر ذرائع نقل وحمل کی فراہمی بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ ابن عبدالحکم نے لکھا ہے کہ مصر میں نہروں کی کھدائی، سڑکوں اور پلوں کی تعمیر اور دوسرے تعمیری کاموں میں ایک لاکھ بیس ہزار مزدور لگائے گئے تھے جو کدال اور پھاوڑے وغیرہ آلات کی مدد سے کام کرتے تھے۔ جاڑے اور گرمی کے ہر موسم میں یہ کام جاری رہتا تھا۔ (فتوح مصر: ۱۵۱) مزدوروں کی اس تعداد سے تعمیری سرگرمیوں کی وسعت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ مصر اس وقت کی وسیع اسلامی سلطنت کا صرف ایک صوبہ تھا۔

قدیم زمانہ میں دریائے نیل سے فسطاط کے قریب ایک نہر نکال کر بحر قلزم سے ملائی گئی تھی جو بعد میں اٹ گئی اور بند ہوگئی۔ سیدنا عمرو بن عاص صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ اگر یہ نہر دوبارہ تعمیر کر دی جائے تو مصر اور حجاز کے درمیان نقل وحمل میں بہت سہولت ہو جائے گی اور اس کے نتیجہ میں مدینہ اور اس کے آس پاس کے علاقوں کی جانب اشیاء کی نقل وحمل تیز ہو کر گرانی ختم ہو جائے گی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس تجویز کو بہت پسند فرمایا اور آپ نے یہ تاکید فرمائی کہ اس کام پر جلد از جلد عمل کیا جائے۔ آپ کو چونکہ عام الرمادۃ میں مدینہ میں غذائی قلت کا زبردست سامنا ہو چکا تھا اور آپ کا خیال تھا کہ اس نہر کی تکمیل سے دوبارہ یہ صورتحال رونما نہ ہوگی۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مسلسل چھ ماہ کام کروا کر نہر کی تعمیر مکمل کروا دی۔ نہر کی وجہ سے پانی کے راستہ سے مصر کے زرخیز علاقوں اور حجاز کے درمیان آمدورفت شروع ہوگئی۔ چونکہ یہ نہر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے تعمیر کی گئی تھی لہٰذا اس نہر کا نام ''نہر امیر المومنین'' پڑ گیا (فتوح مصر لابن عبدالحکم: ۱۶۳۔۱۶۶، مقریزی: ۳۰۲) اس نہر کے علاوہ

Marfat.com

اور بھی کئی نہریں نکلوائی گئیں جیسے نہر ابلہ، نہر معقل وغیرہ۔

(ملاحظہ ہو فتوح البلدان بلاذری: ۳۵۱، ۳۷۴، ۳۵۲)

ان نہروں کے علاوہ بڑے بڑے شہر بسائے گئے۔ بڑے بڑے بند تعمیر کروائے گئے اور پانی کو ذخیرہ کر کے اس کو زراعت اور پینے کے لیے استعمال کیا گیا۔ قرن اول کی معیشت زراعت اور تجارت پر مبنی تھی اور ایک زرعی اور تجارتی معیشت کے لیے نہروں کی تعمیر، سیلاب کی روک تھام، سڑکوں کی تعمیر اور منصوبہ بندی کے ساتھ مرکزی شہروں کی آبادکاری معاشی تعمیر و ترقی کے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے اور یہ سب چیزیں ایک فلاحی مملکت کے لیے نہایت ضروری ہیں۔

نافع بن حارث نے بصرہ کے قریب شط العرب کے ایک میدان میں گھوڑے پالنے اور ان کی نسلی افزائش کا کام شروع کیا تھا۔ انہوں نے ان گھوڑوں کے لیے چارے کی کاشت شروع کی، لیکن وہ زمین چونکہ اسلامی ریاست کی ملکیت تھی، لہٰذا انہوں نے اس بارے میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ وہ قطعہ زمین انہیں عطا کر دیا جائے۔ آپ نے ان کی یہ درخواست منظور فرماتے ہوئے بصرہ کے گورنر سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو لکھا:

''واضح ہو کہ ابو عبداللہ (نافع بن حارث کی کنیت) نے بتایا کہ اس نے ابن غزوان (عتبہ بن غزوان جو سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے پہلے بصرہ کے گورنر تھے) کی گورنری کے دور میں بصرہ کے علاقہ میں کاشت کی اور نسلی افزائش کے لیے گھوڑے پالے۔ جبکہ بصرہ کے کسی دوسرے شہر نے یہ کام نہیں کیا تھا۔ اس نے بہت اچھا کام سوچا، لہٰذا تم اس کی کاشت اور گھوڑے پالنے میں مدد کرو، کیونکہ میں نے اس کو کاشت کرنے کی اجازت دے دی ہے اور اسے اس کی وہ زمین دے دو جس پر اس نے کاشت کی ہے مگر یہ کہ وہ عجمی باشندوں کی زمینوں میں سے کوئی زمین ہو۔ اس کے ساتھ اچھا سلوک ہی کرنا۔ والسلام علیک ورحمۃ اللہ۔''

(فتوح البلدان: ۳۴۶)

آپ چونکہ مملکت کو ایک فلاحی مملکت بنانا چاہتے تھے۔ لہٰذا آپ ریاست کے باشندوں کو زیادہ سے زیادہ مال دینا چاہتے تھے۔ اور انہیں مشورہ دیتے تھے کہ جو مال فوری ضروریات سے فاضل ہو اسے نفع آور کاروبار میں لگائیں تاکہ وہ آئندہ مستقل آمدنی کا ذریعہ

Marfat.com

بنے۔ آپ لوگوں کو محنت و مشقت کرنے اور زیادہ سے زیادہ روزی کمانے کی تاکید فرماتے رہتے تھے۔ اور ان لوگوں کو شدید نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے جو نمائشی زہد و عبادت کے زیر اثر دنیا سے بے تعلقی ظاہر کرتے تھے۔ وہ لوگوں سے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جس کے پاس زمین ہے اسے زمین کو آباد کرنا چاہیے کیونکہ عنقریب ایسا شخص آنے والا ہے جو اسی کو دے گا جسے چاہے گا ان کا اس پر ایمان تھا کہ ''انسان اپنی دنیا کے لیے اس طرح کام کرے گویا وہ ہمیشہ زندہ رہے گا اور اپنی آخرت کے لیے اسی طرح کام کرے گویا کل ہی مر جائے گا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عوام سے کہتے کہ وظیفے کی رقم کو منفعت بخش کاموں پر لگاؤ۔ چنانچہ وہ فرماتے تھے کہ کم سواد عربوں میں سے جس کسی کو وظیفہ ملے اسے چاہیے کہ بکریاں خرید کر اپنے سرمایہ میں شامل کرلے اور جب دوبارہ وظیفہ ملے تو مویشی خرید لے۔ اکثر لوگ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس نصیحت پر عمل کرتے تھے اور اپنی پونجی کو تجارت میں لگا کر کے اپنے مال میں مزید اضافہ کرتے۔

ایک دفعہ خالد بن عرفطہ عذری سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کیا کہ جہاں سے آرہے ہو وہاں کے لوگوں کا کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں انہیں اس حال میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے تھے کہ ان کی عمروں میں سے کچھ مدت کم کر کے آپ کی عمر میں اضافہ کردے۔ جس نے بھی قادسیہ کے میدان میں قدم رکھا تھا اس کا وظیفہ دو ہزار یا پندرہ سو درہم سالانہ ہے۔ ہر بچہ کے لیے خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی، پیدا ہوتے ہی سو درہم اور دو جریب غلہ ماہانہ مقرر ہو جاتا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''یہ ان کا حق ہے میں اسے انہیں دے کر اپنا بھلا کر رہا ہوں۔ اگر یہ میرے باپ خطاب کا مال ہوتا تو تمہیں نہ دیا جاتا۔ البتہ میں یہ جانتا ہوں کہ یہ مال ضرورت سے زیادہ ہوتا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر لوگ ایسا کرتے کہ جب کسی کو وظیفہ ملے تو اس میں سے کچھ بکریاں خرید کر اپنے زرخیز زرعی علاقہ میں چھوڑ دے۔ پھر جب دوسرے سال کا وظیفہ ملے تو ایک یا دو غلام خرید کر ان کو بھی اسی علاقہ میں لگا دے۔ اگر ان کی اولاد میں سے کوئی باقی رہا ہو تو اس طرح اس کے لیے ایک قابل اعتماد سہارا فراہم ہو جائے گا کیونکہ مجھے معلوم نہیں کہ میرے بعد کیا ہوگا؟ میں تو ان لوگوں کے ساتھ پوری خیر خواہی برتتا ہوں جن کے امور کا اللہ تعالیٰ نے مجھے نگران بنا دیا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنی رعیت کے ساتھ بدخواہش اور خیانت کرتا ہو مرے گا وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔'' (فتوح البلدان بلاذری: ۴۳۹)

Marfat.com

اپنی رعایا کے لیے وسائل زندگی میں فراوانی چاہنا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مالی پالیسی کا ایک اہم اصول تھا۔ اس کا اعلان آپ نے اپنے پہلے ہی خطبہ میں فرما دیا تھا کہ مناصب حکومت پر تقرر کرنے میں اس بات کا لحاظ رکھا جائے گا کہ متعلقہ افراد کو رعایا کی معاشی خوش حالی کی فکر ہو۔ آپ نے فرمایا تھا:

''میں اپنی امانت (یعنی حکومت کے عہدے) ایسے افراد کے سپرد نہیں کروں گا جو اس کے اہل نہ ہوں، بلکہ ایسے افراد کے سپرد کروں گا جو مسلمانوں کے لیے فراوانی بہم پہنچانا چاہتے ہوں۔ دوسروں کی بہ نسبت ایسے افراد مسلمانوں کی حکمرانی کے زیادہ حق دار ہیں۔''

(موطا امام مالک)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس بات کی بھی بڑی فکر رہتی تھی کہ اشیائے ضروریات کے نرخ ارزاں رہیں کیونکہ ایک فلاحی ریاست کے لیے اشیاء صرف کی ارزانی ضروری ہے۔ چنانچہ آپ مختلف علاقوں کے نرخ معلوم کرتے رہتے تھے، اور انہیں یہ بتایا جاتا کہ نرخ ارزاں ہیں تو آپ اطمینان کا اظہار کرتے تھے۔ سلمہ بن قیس اشجعی کا قاصد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ اشیاء کے نرخ کیسے ہیں؟ قاصد نے جواب دیا کہ بہت ارزاں ہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ گوشت کا نرخ کیا ہے؟ کیونکہ یہی اہل عرب کا اصل سہارا ہے۔ قاصد نے آپ کو گائے اور بکری کے گوشت کے نرخ الگ الگ بتائے۔ (طبری حوادث ۲۲/ ۲۷۱۹)

مختصر یہ کہ ایک فلاحی ریاست کے لیے جو کچھ ہونا چاہیے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس زمانہ میں وہ سب کچھ کیا جب کہ دنیا میں فلاحی ریاست کا کوئی تصور نہیں تھا۔ زراعت کو ترقی دی، بنجر اور افتادہ زمینوں کو قابل کاشت بنایا، زیر آب زمینوں کی بازیافت کی، سیلاب کی روک تھام کی۔ آبپاشی کے نظام کو ترقی دی اور اس کے لیے نہریں تعمیر کروائیں، ذرائع نقل وحمل کی توسیع کی تاکہ تجارت کو فروغ حاصل ہو۔ اشیاء ضرورت کے نرخ ارزاں کیے۔ لوگوں کو ان کی بنیادی ضروریات فراہم کیں اور ملکی معیشت کو بہت زیادہ ترقی دی۔

فلاحی ریاست اور تقسیم دولت کی ناہمواری:

فلاحی مملکت کے قیام کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ تقسیم دولت کے اندر پائے جانے والے تفاوت کو کم کیا جائے۔ چنانچہ اسلامی فلاحی ریاست کی معاشی پالیسی کا ایک راہ نما اصول

Marfat.com

یہ بھی ہے کہ معاشرہ میں تقسیم دولت کے اندر جو تفاوت پایا جاتا ہے۔ وہ کم سے کم ہو اور دولت کسی ایک طبقہ کے اندر مرتکز ہو کر نہ رہ جائے بلکہ پورے سماج میں اس کی گردش ہو جیسے خون پورے جسم میں گردش کرتا ہے۔ انہی اصولوں کو قرآن حکیم کے اس جملہ نے واضح فرما دیا۔

﴿يَكُوْنَ دُوْلَةً م بَيْنَ الْاَغْنِيَاۗءِ مِنْكُمْ ﴾ (الحشر:۷)

''تا کہ ایسا نہ ہو کہ دولت تمہارے صاحب ثروت لوگوں کے درمیان ہی چکر کھاتی رہ جائے۔''

ایک اور جگہ فرمایا کہ دولت مند افراد کے مال میں محروم افراد اور ضرورت سے مجبور ہو کر دست سوال دراز کرنے والوں کا بھی حصہ ہے۔

﴿وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴾ (ذاریات:۱۹)

''اور ان کے اموال میں سائل اور محروم افراد کا بھی حق ہے۔''

دولت کی اغنیاء اور صاحب ثروت لوگوں کے درمیان گردش کو روکنے کے لیے اسلام نے نظام زکوٰۃ نافذ کیا۔ اس سے بھی یہ تفاوت کم ہوتا ہے۔ اور دولت مندوں کے مال کا ایک حصہ غربا اور فقراء کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مساوات اصول کے مطابق عمل کی اہم ترین وہ پالیسی ہے جو عراق اور شام کی مفتوحہ زمینوں کو فوجیوں کے درمیان تقسیم نہ کرنے کا باعث بنی۔ بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پہلے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس مشورہ کی طرف مائل ہو گئے تھے کہ یہ زمینیں فوجیوں کے درمیان تقسیم کر دی جائیں۔ لیکن بعد میں جب آپ کی توجہ اس طریقے کے برے نتائج کی طرف مبذول کرائی گئی تو آپ نے پہلی تجویز کو مسترد کر دیا اور زمینوں کو سارے مسلمانوں کی ملکیت قرار دینے کا فیصلہ کیا۔ آپ کو اس فیصلہ پر سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے مائل کیا تھا۔ (کتاب الاموال: ۵۹، فتوح البلدان بلاذری: ۱۵۶)

جب مصر فتح ہوا تو وہاں کی زمینوں اور عمارتوں کے بارہ میں بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے وہی پالیسی اختیار کی۔ (کتاب الاموال: ۵۸، فتوح مصر عبدالحکم: ۸۲/ ۸۸)

فئے کے مال کی تقسیم کے بارہ میں شروع میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے وہی پالیسی اختیار کی جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اختیار کی تھی یعنی مساوی تقسیم کی پالیسی لیکن ۱۶ ھ میں جب عراق اور شام فتح ہوئے اور بہت سا مال فئے اور خمس حاصل ہوا تو آپ نے اپنی پالیسی تبدیل کر دی۔ آپ نے

Marfat.com

اسلام لانے میں سبقت کرنے والوں، اسلام کی نمایاں خدمات انجام دینے والوں اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت رکھنے والوں کو عام مسلمانوں کے مقابلہ میں زیادہ حصہ کا مستحق قرار دیا۔ گویا تقسیم مال میں مساوی سلوک کے بجائے ترجیح سلوک کا اسلوب اپنایا۔

آپ نے آٹھ سال تک اس پالیسی پر عمل کیا لیکن پھر آپ نے اپنے دورِ خلافت کے آخری سال اپنی رائے تبدیل کی اور آئندہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح تقسیم مال میں مساوات برتنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ چنانچہ آپ کے غلام اسلم فرماتے ہیں کہ:

''میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا ہے کہ اگر میں آئندہ سال اس موقع تک زندہ رہا تو تقسیم مال میں آخر کے لوگوں کو سرفہرست لوگوں سے ملا دوں گا تاکہ سب برابر ہو جائیں۔''

(کتاب الاموال: ۲۶۳، طبقات ابن سعد: ۳/۳۰۱)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت کے آخری سال تقسیم مال میں عدم مساوات برتنے کی پالیسی سے رجوع کر کے مساوات برتنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ یہ فیصلہ کیوں کیا؟ اس کی وجوہات کا پتہ نہیں چل سکا۔ لیکن آپ کی شہادت نے آپ کو اس فیصلہ پر عمل کرنے کا موقع نہ دیا۔ اس بارہ میں ابو وائل روایت کرتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

'' جو امور میں پہلے کر چکا اگر انہیں مجھے آئندہ بھی طے کرنے کا موقع ملا تو میں مالداروں سے ان کی فاضل دولت لے کر اسے فقراء و مہاجرین کے درمیان تقسیم کردوں گا۔'' (ابن حزم: المحلی: ۶/ ۱۵۸، طبری حوادث: ۲۳ھ، ۲۷۷)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے (ابن حزم رضی اللہ عنہ نے اس کی سند کو صحیح اور جید کہا ہے) کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سماج میں دولت کی تقسیم میں بڑھتی ہوئی ناہمواری سے سخت پریشان تھے۔ لہٰذا آپ اپنے گزشتہ فیصلوں پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔

تمام اسلامی حکومتوں میں ایک شعبہ ''حسبہ'' کا ہوتا تھا۔ اس شعبہ کا کام یہ تھا کہ اگر کسی معروف کو عملاً ترک کیا جا رہا ہو یا کسی منکر کا ارتکاب کیا جا رہا ہو اور یہ خرابیاں اعلانیہ نمودار ہو جائیں تو ان کو دور کیا جائے۔ (الاحکام السلطانیہ ماوردی: ۲۰۸/ الاحکام السلطانیہ، ابویعلی: ۲۶۸)

چنانچہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے زمانہ کے حالات اور اپنے معاشرہ کی ضرورت کے پیش نظر بعض کاروباری سرگرمیوں پر پابندی عائد فرما دی تھی۔ اور کاروباری

Marfat.com

معاملات کو چند آداب وضوابط کا پابند بنایا تھا۔ کیونکہ شریعت کی نگاہ میں اجتماع کے مصالح چند افراد کے مصالح سے زیادہ اہم ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کاروباری سرگرمیوں کی نگرانی اور کاروباری افراد کو اسلامی حدود کا پابند رکھنے کے لیے ایک خصوصی افسر مقرر کیا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کام کی نگرانی خود بھی فرماتے اور آپ نے بازار کی نگرانی کے لیے سیدنا عبداللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ کو خاص طور پر مامور کیا ہوا تھا۔

(کنز العمال: ۲۶۵۲/۳، ۲۶۵۸، موطا امام مالک، باب عشور اہل الذمہ)

چنانچہ ایک بار آپ نے پانی ملے دودھ کو زمین پر بہا دیا تھا تاکہ ملاوٹ کرنے والوں کو عبرت ہو اور سماج دشمن سرگرمیوں اور خلاف اسلام حرکات سے باز آجائیں۔

(الحسبہ فی الاسلام لابن تیمیہ: ۴۳، نیل الاوطار: ۱۸۱/۲)

معالمہ القربہ کتاب کے مصنف نے یہ کتاب آٹھویں صدی میں لکھی، اس میں اس نے وہ سب اشیاء صنعت وحرفت کے بارہ میں بیان کی ہیں۔ جن کا پابند بنانا آج بھی اسلامی ریاست کے لیے ضروری ہے۔ مثال کے طور پر وہ بیکری بنانے والوں کے بارہ میں لکھتا ہے کہ

''محتسب کو چاہیے کہ بیکری کی چھتیں اونچی بنوائیں اور اس میں سے دھواں نکلنے کے لیے وسیع چمنیاں بنوائیں۔ محتسب بیکری والوں کو حکم دے کہ وہ ہر بار استعمال سے قبل تنور کو صاف کرلیا کریں۔ آٹا گوندھنے کا برتن صاف کرلیا جائے اور اس کے ڈھکن بنائے جائیں۔ آٹا گوندھنے والا پاؤں گھٹنوں اور کہنیوں سے آٹا نہ گوندھے کیونکہ یہ حفظان صحت کے اصولوں کے خلاف ہے اور کھانے کی توہین ہوتی ہے۔ آٹا اس طرح گوندھے کہ اس میں پسینہ نہ ٹپکے۔ آٹا گوندھتے وقت ایک چست آستینوں کا لباس پہننا چاہیے اور منہ پر کپڑا باندھ لینا چاہیے، ہوسکتا ہے کہ اسے چھینک آجائے یا بولنے کے دوران منہ سے تھوک وغیرہ گر جائے۔ دن میں آٹا گوندھتے وقت ضروری ہے کہ ایک دوسرا آدمی پاس بیٹھ کر کسی شے سے مکھیاں بھگائے...... روٹی لگانے والے روٹی کو تنور سے اس وقت تک نہ نکالیں جب تک وہ پوری طرح پک نہ جائے، البتہ جلنے نہ پائے۔ مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر دکان کے لیے یہ مقرر کردیا جائے کہ وہ روزانہ فلاں مقدار میں روٹیاں تیار کرے تاکہ روٹی کی کمی سے شہر کا نظام معطل نہ ہو۔'' (معالم القربہ: ۹۱، ۹۲)

Marfat.com

آج سے چھ سو سال قبل کی لکھی ہوئی اس کتاب میں ہر وہ شے قریباً قریباً درست ہے جو صنعت وحرفت، زراعت اور کاروبار کے مختلف شعبوں کے بارہ میں اس دور جدید میں لوگوں کو درپیش ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سماج کو فلاح کا نمونہ بنا کر رکھنا اسلامی ریاست کی ایک اہم ذمہ داری ہے۔

مملکت اسلامیہ کو ایک فلاحی مملکت بنانے کے باوجود آپ نے لوگوں کو کام کاج کے معاملہ میں بڑا چوکس رکھا۔ چنانچہ وہ اس بات کی بہت کوشش کرتے تھے کہ لوگوں میں کاہلی اور مفت خوری کے جراثیم نہ پیدا ہونے پائیں۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرۃ العمر میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک سائل آپ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے دیکھا کہ اس کی جھولی آٹے سے بھری ہوئی ہے۔ آپ نے اس سے وہ آٹا چھین کر اونٹوں کے آگے ڈال دیا اور فرمایا!''اب جو مانگنا ہے مانگ۔'' مقصد یہ تھا کہ پاس ہوتے ہوئے مانگنا نہایت بری بات ہے۔

علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ محتسب کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو جو کھانے کمانے کے قابل ہوں اور باوجود اس کے صدقہ اور خیرات لیتے ہوں، تنبیہ اور تادیب کرے کیونکہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا تھا۔ (الاحکام السلطانیہ:۲۳۵)

مفت خوری کا پیشہ زیادہ تر علماء اور صوفیاء کا ہوتا ہے۔ پیر اور صوفیاء تو اس زمانہ میں پیدا نہیں ہوئے تھے، البتہ علماء تھے۔ آپ علماء کو علی الاعلان فرماتے تھے۔ "لاتکونوا عیالاً علی المسلمین" "لوگوں پر اپنا بوجھ نہ ڈالو (سیرۃ العمرین) آپ اس شخص کو ناپسند فرماتے تھے جو کوئی کام نہ کرتا اور بیکار رہ کر لوگوں سے مانگ مانگ کر زندگی گزارتا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے:

مکسبة فیها دناءة خیر من مساءلة الناس

''یعنی ذلیل پیشہ بھی لوگوں سے سوال کرنے کی نسبت اچھا ہے۔''

لیکن اگر کوئی واقعی مستحق ہوتا تو اس کی پوری پوری مدد کرتے۔ ایک مرتبہ ایک دیہاتی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا:

''اے عمر رضی اللہ عنہ! لطف اگر ہے تو جنت کا ہے۔ میری لڑکیوں کو کپڑے پہنا، بخدا تجھے یہ کرنا ہوگا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:''اگر میں تیری بات نہ مانوں تو کیا ہوگا؟ اس دیہاتی نے کہا:''تجھ سے قیامت میں میری نسبت سوال ہوگا اور تو ہکا بکا رہ جائے گا۔ پھر یا جہنم کی طرف یا

Marfat.com

جنت کی طرف جانا ہوگا۔''

یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس قدر روئے کہ ڈاڑھی تر ہوگئی۔ پھر غلام سے فرمایا: ''میرا یہ کرتا ہے اس کو دے دو۔ اس وقت اس کے سوا اور کوئی شے میرے پاس نہیں ہے۔''

مختصر یہ کہ آپ نے پوری مملکت اسلامیہ کو ایک فلاحی مملکت اس زمانہ میں بنایا جب لوگ ''فلاحی مملکت'' کے تصور ہی سے نا آشنا تھے۔ یہ فلاحی مملکت صرف مسلمانوں ہی کے لیے نہ تھی بلکہ دوسرے مذاہب کے لوگوں کے لیے بھی تھی جو اس اسلامی ریاست میں رہائش پذیر تھے۔

غیر مسلموں سے برتاؤ:

اسلام کی اصطلاح میں غیر مسلم جو ایک اسلامی ریاست میں سکونت رکھتے ہوں ''ذمی'' کہلاتے ہیں۔ ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کی ذمہ داری اسلامی ریاست پر ہے۔ کسی ذمی کا قتل اسلام میں گناہِ کبیرہ ہے اور قتل تو بڑی شے ہے اس کی غیبت بھی اسلام میں حرام ہے۔ اور اس پر کسی قسم کا ظلم کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ:

''جس شخص نے کسی مسلمان کے ذمہ کو جو اس نے کسی ذمی سے کیا تھا، توڑ دیا اور برقرار نہ رکھا، اس پر اللہ، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی کوئی نفلی عبادت اور فرضی عبادت قبول نہیں کرتا۔''

ایک اسلامی ریاست میں جیسا ایک مسلمان کے خون کا قصاص ہے یا اس کے اعضائے بدن کے عوض اعضائے بدن کا قصاص ہے، ویسا ہی ایک ذمی کے قاتل سے قصاص لیا جائے گا اور ایک ''مستامن'' کے قاتل سے بھی وہی قصاص لیا جائے گا۔ (مستامن وہ ہے جو غیر اسلامی ملک میں رہتا ہے لیکن امن لے کر اسلامی ریاست میں آکر آباد ہوا اور ذمی بن گیا) بلکہ بعض لحاظ سے ایک ذمی کے حقوق ایک مسلمان سے بھی اسلامی ریاست میں زیادہ ہیں۔ جو اموال یا اشیاء مسلمانوں کو رکھنا یا استعمال کرنا حرام ہے بلکہ تلف کرنا ضروری ہے اگر وہ اشیاء تلف کردی گئیں تو اس پر کوئی ضمان نہیں۔ لیکن اگر وہ اشیاء ایک ذمی کی ملکیت میں ہوں اور کوئی مسلمان اسے تلف اور ضائع کردے تو اس مسلمان کے ذمہ ضمان واجب ہے۔ چنانچہ اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کی شراب یا خنزیر کو تلف کردے تو اس پر ضمان واجب ہے۔ (کمافی درمختار)

Marfat.com

یہ تو ایک ذمی کی جان اور مال کا حال ہے۔ اسلام نے اس کی ننگ و ناموس کا بھی اسی طرح تحفظ کیا ہے جیسا کہ ایک مسلمان کی عزت و آبرو کا تحفظ کیا ہے۔ چنانچہ کسی ذمی کی آبروریزی، اہانت و تذلیل خواہ قول سے ہو یا اشارہ و کنایہ سے ہو، سامنے ہو یا اس کی غیبت میں، قطعاً حرام ہے یہاں تک کہ ذمی کی غیبت کرنا بھی حرام ہے۔ گویا کہ اسلامی ریاست میں ایک مسلمان اور ذمی کے حقوق میں کوئی فرق نہیں ہے اور اس کو بھی تمام تحفظات حاصل ہیں جو اس مسلمان کو حاصل ہیں۔ (شرح شرعۃ الاسلام:۲)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ذِمیوں کی جان و مال کو مسلمانوں کی جان و مال کے برابر قرار دیا اور یہی اسلامی تعلیم ہے۔ چنانچہ اگر کسی مسلمان نے کسی ذِمی کو قتل کر دیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کرانے سے بھی دریغ نہ کیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو قتل کر دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب پتہ چلا تو آپ نے لکھ بھیجا کہ قاتل قصاص کے لیے مقتول کے وارثوں کو دے دیا جائے۔ چنانچہ وہ مقتول کے وارث حنین نامی کو دے دیا گیا اور اس نے اس کو قصاص میں قتل کر دیا (الدرایہ فی تخریج الہدایہ:۳۶۰) مال اور جائیداد کو بھی پورا تحفظ دیا اور جس قدر زمینیں غیر مسلموں کے قبضہ میں تھیں ان کو اسی حیثیت سے بحال رکھا گیا۔ جس حیثیت سے وہ فتح سے پہلے تھیں، یہاں تک کہ مسلمانوں کو ان زمینوں کا خریدنا بھی خلاف قانون قرار دے گیا۔

ایک مرتبہ شام کے ایک کاشتکار نے یہ شکایت بارگاہِ خلافت میں کی کہ مسلمان فوج نے اس کی زراعت کو پامال کر دیا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بیت المال سے دس ہزار درہم بطور معاوضہ دلوائے اور تمام اضلاع کے حکام کو ایک گشتی مراسلہ (Circular) بھیجا کہ ذمیوں پر کسی طرح کی کوئی زیادتی نہ ہونے پائے۔ (ملاحظہ ہو کتاب الخراج لابی یوسف:۶۸) اسی طرح امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ہی نے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب شام سے واپس تشریف لا رہے تھے تو چند آدمیوں کو دیکھا کہ دھوپ میں کھڑے ہیں اور ان کے سر پر تیل ڈالا جا رہا ہے۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا کیا ماجرا ہے؟ جواب دیا کہ ان لوگوں نے جزیہ ادا نہیں کیا، اس لیے ان کو سزا کے طور پر دھوپ میں کھڑا کیا گیا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ جزیہ نہ دینے میں ان کا عذر کیا ہے؟ جواب دیا گیا ''مفلسی اور ناداری''۔ آپ نے حکم دیا کہ ان سب کو چھوڑ دو اور ان کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ دو۔ کیونکہ میں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ

Marfat.com

''لوگوں کو تکلیف نہ دو۔ جولوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ان کو عذاب دے گا۔'' (کتاب الخراج لابی یوسف:۱۲۵)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو ذمیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ ان سے کیے گئے عہد کی پابندی کی جائے اور ان کا دفاع کیا جائے اور ان پر ان کی برداشت سے زیادہ بار نہ ڈالا جائے۔ (کتاب الخراج:۱۲۶)

غیر مسلموں سے خراج وغیرہ لینے کے لیے مال گزاری کا جو بندوبست سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کروایا، اس میں نہایت نرمی اختیار کی گئی تا کہ کسی پر کوئی زیادتی نہ ہو۔ لیکن اس کے باوجود آپ کو یہ خیال ہر وقت پریشان کرتا تھا کہ کہیں ان پر زیادتی تو نہیں کی گئی۔ چنانچہ جب آپ اس دنیا سے رخصت ہو رہے تھے اس وقت بھی ذمیوں کا یہ خیال آپ کے ذہن میں اضطراب پیدا کر رہا تھا، حالانکہ آپ کا ہر سال یہ معمول تھا کہ جب عراق کا خراج آتا تو ۱۰ اشخاص کوفہ سے اور ۱۰ بصرہ سے طلب کیے جاتے تھے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان سے چار دفعہ تاکید کے ساتھ قسم لیتے تھے کہ مال گزاری کے وصول کرنے میں تمہارے ساتھ کچھ سختی تو نہیں کی گئی۔

(کتاب الخراج لابی یوسف:۶۵)

شہادت سے دو تین روز قبل کا واقعہ ہے کہ تمام افسران بندوبست کو بلایا اور مال گزاری کی تشخیص کے بارہ میں ان سے گفتگو کی گئی۔ دوران گفتگو آپ ان سے بار بار پوچھتے رہے کہ آپ لوگوں نے ان سے بندوبست مال گزاری میں سختی تو نہیں کی۔ (کتاب الخراج:۲۱)

امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ملکی انتظامات میں بھی ذمیوں اور غیر مسلم رعایا سے مشورہ لیتے رہتے تھے، گویا ملکی انتظامات میں آپ نے انہیں اپنے ساتھ شریک کیا ہوا تھا۔ خصوصی طور پر ان معاملات میں جن کا تعلق ذمیوں سے ہوتا تھا، آپ ان کو اکثر و بیشتر ذمیوں ہی کے مشورے اور استصواب سے طے فرماتے۔ چنانچہ مصر کی فتح کے بعد وہاں جو انتظام کیا اس میں اکثر مقوقس سے رائے لی اور عراق کا بندوبست مال گزاری کرتے وقت عجمی رئیسوں کو مدینہ منورہ بلا کر ان سے مال گزاری کے حالات دریافت فرمائے اور مال گزاری کرنے والے کے رویہ کی بابت بھی پوچھا۔ (مقریزی:۱/۷۴)

سیدنا عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ جو حمص کے گورنر تھے، نہایت نیک و پارسا اور زہد و تقدس میں کوئی ان کا ہم سر نہ تھا۔ ایک مرتبہ کسی ذمی کے بارہ میں یہ لفظ نکل گیا ''اخزک اللہ'' یعنی اللہ

Marfat.com

تعالیٰ تمہیں رسوا کرے۔ لفظ تو یہ غیر شعوری طور پر ان کے منہ سے نکل گیا لیکن اس کے بعد ان کو اس قدر ندامت ہوئی کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر حمص کی گورنری سے استعفیٰ دے دیا اور بارگاہِ خلافت میں کہا کہ اس نوکری کی بدولت مجھ سے یہ حرکت سرزد ہوئی ہے، لہٰذا میں اس کو چھوڑتا ہوں۔ (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، ۲/۲۰۳)

آپ نے تمام ذمیوں کے مذہبی لیڈروں کے تمام اختیارات کو جو انہیں حاصل تھے، باقی رکھا۔ چنانچہ مصر میں اسکندریہ کا پیٹریارک بنیامین جو تیرہ برس تک رومیوں کے ڈر سے ادھر ادھر مارا مارا پھرتا رہا، سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جب مصر فتح کیا تو اس کو اسکندریہ بلالیا۔ مورخین نے اس کے بارہ میں یوں لکھا ہے کہ مصر اور اسکندریہ کی فتح کے بعد سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فسطاط میں قیام فرمایا تو انہوں نے عقیدے کی آزادی کو اپنی پالیسی کا سنگ بنیاد بنایا۔ چنانچہ جب قبطی راہبوں کو آپ کی پالیسی کا علم ہوا اور اس کی صحت وصداقت میں انہیں کوئی شک وشبہ نہ رہا تو ان کی ایک بہت بڑی تعداد کلیساؤں سے نکل کر جہاں مذہبی استبداد کے زمانے میں انہوں نے پناہ لے رکھی تھی، اطاعت کا اعلان کرتی ہوئی سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرف دوڑی۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بخوبی جانتے تھے کہ قبطیوں کو اسقف پیٹریارک بنیامین سے غیر معمولی محبت اور تعلق ہے اور جب سے اس نے صعید کے دور دراز علاقے کی طرف بھاگ کر صحرا میں پناہ لے رکھی ہے، قبطیوں کی اس محبت اور اس تعلق میں اور بھی شدت پیدا ہوگئی ہے۔ اس لیے ان کی خواہش تھی کہ بنیامین اپنے مذہبی منصب پر واپس آجائے۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے تمام قبطیوں کو امان دے دی اور اسقف بنیامین کے بارہ میں خاص طور پر فرمایا ''بوڑھے بطریق کو اپنی اور ان قبطیوں کی جان محفوظ سمجھتے ہوئے واپس آجانا چاہئے جو مصر یا غیر مصر میں آباد ہیں۔ انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ ان سے عہد شکنی کی جائے گی۔'' بنیامین کو عرب فاتح کے اس عہد کی اطلاع ملی تو وہ صحرائی مامن سے نکل کر اسکندریہ کی طرف روانہ ہوا۔ اسکندریہ میں قبطیوں نے ایک ظفر مند کی حیثیت سے اس کا استقبال کیا۔ ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور یہ خوشی ہر خوف اور ہر تکدر سے پاک تھی۔

جب پیٹریارک بنیامین اپنے پیروؤں میں اطمینان سے رہنے لگا تو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اسے بلایا اور اس کے ساتھ نہایت عزت وتکریم کے ساتھ پیش آئے کیونکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ''اذا جاء کریم قوم فاکرموہ'' (یعنی جب کسی قوم کا کوئی بڑا شخص آئے تو

Marfat.com

اس کی تکریم کرو) بنیامین نے ان سے گفتگو کی۔ وقار اور تحمل کے ساتھ ساتھ اس کے لہجے میں بڑی نرمی اور شیرینی تھی۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے دل پر اس کی گفتگو کا بڑا اثر ہوا اور انہوں نے قبطیوں کی مذہبی سیادت پیٹریارک بنیامین کے سپرد کر دی کہ وہ جس طرح چاہے ان کی مذہبی رہنمائی کرے۔ قبطی بطریق بنیامین بھی مسلمان فاتح کے حضور سے انتہائی مسرور اور مطمئن واپس ہوا اور اسکندریہ پہنچ کر اس نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے گن گانے شروع کر دیے۔ وہ اپنے عقیدت مندوں سے کہتا تھا: ''میں اپنے شہر اسکندریہ واپس ہوا اور دیکھا کہ یہاں ہر طرح کا امن و امان ہے۔ اللہ نے کافروں کے جبر و استبداد کی لعنت ہمارے سروں سے دور کر دی ہے۔'' جوں جوں وقت گزرتا گیا، پیٹریارک بنیامین کے جذبات تشکر و امتنان میں اضافہ ہوتا گیا۔ آخر کار تمام قبطی اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اور اپنی مذہبی رسومات بے کھٹکے ادا کرنے لگے۔ بنیامین نے ان کے کلیساؤں کی اصلاح اور ان کی عبادت گاہوں کا دورہ کیا۔ وہ جہاں کہیں جاتا عقیدت مندوں کا ہجوم کھجور کی چھڑیاں اور عود دان ہاتھ میں لیے ایک جلوس کی صورت میں اس کے ساتھ ہوتا۔ حنا نقیوسی مسلمانوں سے بغض رکھنے کے باوجود بھی یہ کہنے پر مجبور ہے کہ ''رومی سرزمین مصر سے اس لیے نکالے گئے اور مسلمان ان پر اس لیے فتح یاب ہوئے کہ ہرقل نے انسانیت سوز گناہوں کا ارتکاب کیا اور قبطیوں اور ان کے مذہب پر بے انتہا ظلم ڈھائے تھے۔ مصر میں رومیوں کی ناکامی اور مسلمانوں کی کامرانی کا یہی سبب ہے۔''

جب سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ اسقف بنیامین اپنی قوم میں بڑی حیثیت و منزلت رکھتا ہے تو انہوں نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ مصر کی حکومت اور اس کے باشندوں کی آسائش کے لیے قبطیوں کے اس بطریق کی رائے سے فائدہ اٹھائیں۔ بنیامین نے بھی مشورہ دینے میں بخل سے کام نہ لیا۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس کا کھویا ہوا سارا اثر و نفوذ اسے بخش دیا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مقریزی: ۱/۴۹۲)

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ گورنر مصر نے غیر فوجی مناصب اکثر و بیشتر رومیوں ہی کے پاس رہنے دیے جو فتح مصر سے قبل اپنی حکومت کی طرف سے ان عہدوں پر مامور کیے گئے تھے اور جنہوں نے اسلامی اقتدار کے بعد بھی اپنے ملک واپس جانے کے بجائے مصر ہی میں رہنے کو ترجیح دی تھی۔ ان میں سے کئی رومیوں نے اسلام بھی قبول کر لیا تھا۔ اسی طرح سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مناس کو زیریں مصر کا حاکم مقرر کیا جہاں وہ ہرقل کے زمانے میں حکمران تھا اور

Marfat.com

اس کے دوسرے ابنائے جنس کو بعض اور علاقوں کی حکومت تفویض کی، جو عہدے ذرا کم حیثیت کے تھے۔ البتہ جن رومی عہدیداروں نے اجنبی حکومت کی رعایا بننا گوارا نہ کیا اور سرزمین مصر کو چھوڑ کر چلے گئے ان کی جگہ قبطیوں کو دے دی گئی۔ اور یہ سب عہدے ذمیوں کو دیئے گئے۔

یہ تو صرف مصر کا معاملہ ہے۔ آپ ان تمام معاہدات کو ایک نظر دیکھ لیں جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مفتوحہ علاقوں کے لوگوں کے ساتھ کیے گئے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ ہر معاہدہ میں یہ فقرہ موجود تھا کہ ''نہ تو ان کا مذہب بدلا جائے گا اور نہ ہی ان کے مذہبی معاملات میں کوئی مداخلت کی جائے گی'' چنانچہ بیت المقدس کا معاہدہ جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں کیا گیا ہے اس میں بھی یہ الفاظ مذکور ہیں۔ ایسے ہی جرجان، آذربائیجان، موقان اور دوسرے معاہدوں میں صاف طور پر لکھا گیا تھا کہ ''ان کی جان، مال، مذہب اور شریعت کو امان ہے۔'' (الامـــان علی اموالھم و انفسھم و ملتھم وشرائعھم) اگرچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اشاعت اسلام کے لیے نہایت کوشاں تھے، لیکن وعظ و پند کے ذریعے نہ کہ جبر واستبداد کے ذریعے کیونکہ اسلام کا حکم ہے۔ ''لا اکراہ فی الدین'' اور اسلام کے حکم کے سامنے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی گردن فوری طور پر خم ہو جاتی تھی۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ملکی حقوق کے لحاظ سے ذمیوں اور مسلمانوں میں کوئی تمیز نہیں رکھی تھی۔ کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کرتا تو مسلمان بے دریغ اس کے قصاص میں قتل کر دیا جاتا۔ مسلمان رضا کاروں کو گھر بیٹھے جو تنخواہ ملتی تھی، ذمی بھی اس میں برابر کے شریک ہوتے۔ بیت المال سے مسلمانوں کو جو رعایت ملتی وہی رعایت ایک ذمی کو بھی ملتی تھی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ حیرہ کی فتح میں اہل شہر کے ساتھ جو معاہدہ لکھا اس میں یہ الفاظ تھے۔

''اور میں نے ان کو یہ حق دیا کہ اگر کوئی بوڑھا شخص کام کرنے سے معذور ہو جائے یا اس پر کوئی مصیبت آئے، یا وہ پہلے دولت مند تھا پھر غریب اور قلاش ہو گیا، اور اس وجہ سے اس کے ہم مذہب اس کو خیرات دینے لگیں تو اس کا جزیہ معاف کر دیا جائے گا اور اس کو اور اس کے اہل وعیال کو مسلمانوں کے بیت المال سے نفقہ دیا جائے گا جب تک وہ دارالاسلام میں رہے، لیکن اگر وہ مسلمانوں کا ملک چھوڑ کر دوسرے ملک چلا گیا تو مسلمانوں پر اس کا نفقہ واجب نہ ہوگا۔''

Marfat.com

غیر مسلم حضرات سے جزیہ وغیرہ کو معاف کرنا یا معذور ذمیوں کے نفقہ کا انتظام کرنا بھی کفالت عامہ کے زمرہ میں آتا ہے۔

تاریخ کے اوراق اس بات کی بھرپور شہادت دیتے ہیں کہ مسلمانوں نے ذمیوں کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک کیا اور ان کو وہی مراعات دیں جو وہ مسلمانوں کو دیتے تھے۔ جنگ یرموک میں شرکت کے لیے جب مسلمانوں کو انطاکیہ جانا تھا تو تمام مفتوحہ علاقوں کے امراء اور رؤساء مسلمانوں کے عدل وانصاف سے اس قدر گرویدہ ہو گئے تھے کہ باوجود تخالف مذہب کے انہوں نے عیسائیوں کی خبر لانے کے لیے جاسوس مقرر کر رکھے تھے۔ چنانچہ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو انہی جاسوسوں کی وجہ سے تمام واقعات کی اطلاع ہوئی۔ آپ نے اس بارہ میں اپنے افسروں سے مشورہ طلب کیا۔ مختلف افسروں نے مختلف مشورے دیئے۔ ایک تجویز کے جواب میں سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''ہم عیسائیوں کو شہر سے باہر نکال دیں۔'' اس پر شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کہا ''اے امیر! آپ کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہم نے ان عیسائیوں کو اس شرط پر امن دیا ہے کہ وہ شہر میں اطمینان سے رہیں، اس لئے نقض عہد کیونکر ہو سکتا ہے؟'' سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنی غلطی تسلیم کی۔ بالآخر یہ رائے ٹھہری کہ حمص کو چھوڑ کر دمشق روانہ ہوں۔ وہاں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ موجود ہیں اور عرب کی سرحد قریب ہے۔ جب یہ بات متفقہ طور پر طے ہو چکی تو سپہ سالار لشکر اسلامی سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے افسر خزانہ سیدنا حبیب بن مسلم رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ''عیسائیوں سے جو جزیہ یا خراج لیا جاتا ہے وہ ان کی حفاظت کا ٹیکس ہوتا ہے۔ اس وقت ہماری حالت ایسی نازک ہے کہ ہم ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھا سکتے، لہٰذا جو کچھ ان سے ہم نے لیا ہے سب ان کو واپس کر دو اور ان سے کہہ دو کہ ہم کو تمہارے ساتھ جو تعلق تھا وہ اب بھی ہے لیکن چونکہ اس وقت ہم تمہاری حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے، اس لیے جزیہ یا خراج جو حفاظت کا معاوضہ ہے تم لوگوں کو واپس کیا جاتا ہے۔'' چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی، ساری کی ساری واپس کر دی گئی۔ عیسائیوں کے حاشیہ خیال میں بھی ایسا ممکن نہیں تھا۔ انہیں قیصر روم کا جور وستم اور جبر واستبداد جو ٹیکس کی فراہمی کے بارہ میں تھا یاد تھا، لہٰذا ان پر اس واقعہ کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے جاتے تھے اور جوش وجذبہ کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ ''خدا تم لوگوں کو جلد واپس لائے'' یہودیوں پر اس سے بھی زیادہ اثر ہوا۔ انہوں نے کہا ''تورات کی قسم! جب تک ہم زندہ ہیں قیصر حمص پر قبضہ نہیں کر سکتا'' یہ کہہ کر انہوں نے شہر پناہ کے دروازے بند

Marfat.com

کر دیئے اور ہر جگہ چوکی پہرہ بٹھا دیا۔ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے صرف حمص والوں کے ساتھ ہی یہ برتاؤ نہیں کیا تھا بلکہ جس قدر اضلاع فتح ہو چکے تھے اور انہیں عسکری تدبیر کے تحت خالی کرنا پڑا، ان سب کی جزیہ کی رقم جس قدر وصول ہوئی تھی ساری کی ساری واپس کر دی۔

اہل بیت نبوت سے تعلقات:

بعض حضرات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں یہ کہتے ہوئے سنے گئے ہیں کہ ان کے اہل بیت نبوت سے تعلقات اچھے نہیں تھے۔ یہ ایک اتہام ہے جو ان کی ذات پر لگایا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اہل بیت نبوت سے نہایت اچھے تعلقات تھے اور آپ ان کی نبوت سے نسبت کی وجہ سے نہایت عزت و تکریم کرتے تھے۔ اسی عزت و تکریم ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے ان حضرات کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتے میں سب سے زیادہ قریب تھے، انہیں سب سے زیادہ وظیفہ دیا۔ چنانچہ آپ کے عم محترم سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا بارہ ہزار درہم وظیفہ مقرر فرمایا اور ان کی ہمشیرہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا چھ ہزار درہم وظیفہ مقرر فرمایا۔ (کتاب الاموال :۲۲۴، طبقات ابن سعد :۳/۲۱۳، السنن بیہقی :۶ ۳۶۴، طبری :۳/۱۰۹، کتاب الخراج : ۴۳۔۴۴، فتوح البلدان :۴۵۴۔۴۵۵) اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو دس دس ہزار درہم اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دو ہزار درہم زیادہ دیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے زیادہ محبت فرماتے تھے، حالانکہ ان کے مقابلہ میں اصحاب بدر کا پانچ ہزار درہم وظیفہ مقرر فرمایا۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات میں جو روایت نقل کی ہے اس میں ہے کہ امہات المومنین رضی اللہ عنہ کا وظیفہ بارہ بارہ ہزار درہم مقرر کیا گیا۔ ابن سعد نے اس روایت کو متفق علیہ کہا ہے۔ وظائف کی یہ زیادتی صرف اس نسبت کی وجہ سے تھی جو ان حضرات کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی۔ یہ تو امہات المومنین رضی اللہ عنہن کا معاملہ تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کا وظیفہ بھی چار ہزار درہم مقرر فرمایا۔ جب محمد بن عبداللہ بن جحش نے اس پر اعتراض کیا تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کی وجہ سے فضیلت دی ہے۔ لاؤ اگر کوئی ایسی ماں ہو جس پر ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرح عنایت و مہربانی کی گئی ہو۔ اسی طرح سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کا وظیفہ چار ہزار درہم مقرر فرمایا۔ اس پر آپ کے صاحبزادے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا، کیونکہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہونے کے باوجود ان کا وظیفہ تین ہزار درہم مقرر ہوا تھا۔ آپ نے اپنے

Marfat.com

بیٹے کے جواب میں فرمایا: ''میں نے اسے اس لیے زیادہ وظیفہ دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اسے تم سے اور اس کے باپ کو تمہارے باپ سے زیادہ چاہتے تھے۔'' یہ جوابات اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سرکارِ دو عالم ﷺ اور آپ سے قربت اور نسبی تعلق رکھنے والے ہر شخص سے محبت کرتے تھے اور اس کی عزت و تکریم میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں رکھتے تھے۔

ابن ابی الحدید نے بھی اپنی کتاب شرح نہج البلاغۃ میں لکھا ہے کہ وظائف مقرر کرتے وقت وظائف مقرر کرنے والوں نے ان وظائف کو بنو ہاشم سے شروع کیا، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ اور اس کے خاندان اور پھر عمر رضی اللہ عنہ اور اس کا خاندان یعنی خلافت کی ترتیب کے لحاظ سے لکھا۔ جب اس کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو فرمایا: ''دل تو میرا اسی ترتیب کو چاہتا تھا لیکن اس کو قرابت رسولؐ سے شروع کیا جائے اور عمر رضی اللہ عنہ کو وہاں رکھا جائے جہاں اللہ نے اس کو رکھا ہے۔'' (یعنی آپ اپنے کو اور اپنے خاندان کو تیسرے نمبر پر بھی نہیں رکھنا چاہتا تھے)

(شرح ابن ابی الحدید: ۱۷۳/۳)

اسی کتاب میں تین چار صفحات قبل لکھا ہے کہ ان وظائف کی فہرست کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کی اہل بیت سے شروع کیا جائے۔ پھر بنو عبدالمطلب، پھر بنو عبدشمس، پھر بنو نوفل اور دوسرے قریش کے خاندان اور بطون۔ (ابن ابی الحدید: ۱۶۶/۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سرکار دو عالم ﷺ کے خاندان، اولاد، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور رشتہ داروں سے کس قدر محبت تھی اور اپنی ذات کے بارہ میں فرمایا۔

"تصغوا عمر حیث وضعه الله"۔

تقسیم اموال کے وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک اور بات بھی فرمائی جس کے ایک ایک حرف سے محبت رسول ٹپکتی ہے۔ فرمایا:

''خدا کی قسم! جو کچھ فضیلت بھی ہمیں اس دنیا میں حاصل ہے اور آخرت میں جس قدر ثواب ہمیں ملنے کی امید ہے یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ اور برکت سے ہے۔ آپ ہمارے لیے سراسر شرافت اور عزت کا باعث ہیں اور آپ کی قوم تمام قبائل عرب سے اعلیٰ و اشرف ہے۔'' (طبقات ابن سعد: ۲۱۲/۳)

سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے سب سے آخر میں ہجرت فرمائی۔ جنگ بدر کے قیدیوں میں سے تھے۔ لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس وجہ سے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے عم محترم ہیں۔

Marfat.com

ان کی از حد عزت و تکریم کرتے تھے۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ دونوں بزرگوں کا یہ معمول تھا کہ اگر سواری پر سوار ہو کر جا رہے ہوں اور سامنے سے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ آ جائیں تو احتراماً سواری سے اتر جاتے تھے اور فرماتے یہ ہمارے نبی محترم کے چچا ہیں۔ (استیعاب لابن عبدالبر: ۳/ ۹۸، سیر اعلام النبلاء ذہبی: ۲/ ۶۸) سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی معمول تھا۔ (کنز العمال: ۷/ ۶۹)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے بارہ میں فرمایا کرتے تھے: ''اگر تم لوگوں نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو کھو دیا تو تم پر شر ٹوٹ پڑے گا جیسے رسی ٹوٹ پھوٹ جاتی ہے۔''

(طبری: ۳/۱۰۳، سیر اعلان النبلاء: ۲/ ۵۸ کنزل العمال ۶۹)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات بالکل سچی اور درست ثابت ہوئی کیونکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں آپ کا انتقال ہوا۔ اللہ کی قسم اس وقت سے لوگوں پر شر ٹوٹ پڑا اور چار دانگ عالم میں پھیل گیا آپ کا انتقال ۳۲ یا ۳۳ ہجری میں ہوا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی اسی نسبت کی وجہ سے طلب باران میں ان کو وسیلہ بنایا اور اللہ کے حضور میں کہا:

''اے اللہ! ہم تیرے نبی کے ذریعہ سے تیری طرف توسل پکڑتے تھے اور تو ہمیں بارش عنایت فرما دیتا تھا۔ اب ہم تیرے نبی کے عم محترم کے توسل سے تجھ سے دعا کرتے ہیں، تو ہم پر باران رحمت نازل فرما۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح کرنے سے بارش برستی تھی اور لوگ سیراب ہو جاتے تھے۔''

(بخاری: ۱/ ۱۳۷، مستدرک حاکم: ۳/ ۳۳۴، تاریخ خلیفہ بن ضیاط: ۱۰۹)

اور میزاب (پرنالہ) کے اکھاڑنے کا واقعہ بھی کئی کتابوں میں مرقوم ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جس راستہ سے گزر کر مسجد نبوی میں تشریف لاتے تھے، اس راستہ میں سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے مکان کو ایک پرنالہ لگا ہوا تھا۔ ایک دفعہ جمعہ کے دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کپڑے پہن کر مسجد تشریف لا رہے تھے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے مکان کی چھت پر دو چوزے ذبح کیے گئے۔ اس پرنالے سے ان کا خون اور پانی ٹپک کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے کپڑوں پر گرا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ (اس میزاب سے چونکہ راہ چلتے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے لہٰذا) اس میزاب کو یہاں سے اکھیڑ دیا جائے۔ چنانچہ وہ میزاب اکھیڑ دیا گیا۔

Marfat.com

اس کے بعد سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: "بخدا! یہ میزاب تو خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام پر نصب کیا تھا اور آپ نے اسے اکھاڑ دیا۔" یہ سننا تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے کہا:

"اے عباس! میں آپ کو قسم دے کر کہتا ہوں کہ آپ میری پشت پر سوار ہو کر اس میزاب کو وہیں نصب کر دیں جہاں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نصب فرمایا تھا۔"

پس سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کیا۔

(مسند احمد بن حنبل :۱/۲۱۰، مجمع الزوائد:۴/۲۰۶، سیر اعلام النبلاء :۲/۷۰، المصف عبدالرزاق:۸/۲۹۲)

اسی وجہ سے آپ نے انہیں مدینہ طیبہ کا قاضی مقرر فرما دیا تھا۔

(سیرۃ عمر بن خطاب جوزی:۶۳/ البدایہ ولنہایہ:۷)

اکثر مسائل اور معاملات سلطنت میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مشوروں سے فائدہ اٹھاتے۔ خلافت فاروقی میں آپ نے کئی امور کا فیصلہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے کیا۔ چنانچہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت کا مقدمہ پیش ہوا جو شدت پیاس کی وجہ سے ایک چرواہے کے پاس گئی اور اس سے پانی مانگا۔ اس چرواہے نے اس صورت میں پانی دینے کا وعدہ کیا کہ اگر وہ عورت اسے اپنے نفس پر اختیار دے۔ عورت نے مجبور ہو کر اس کو اپنے ساتھ منہ کالا کرنے کی اجازت دے دی۔ اس مقدمہ کے فیصلہ کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "یہ عورت مجبور تھی لہٰذا میرے خیال میں اس کو چھوڑ دیا جائے۔" سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آپ کا مشورہ قبول کرتے ہوئے اس عورت کو چھوڑ دیا۔

(السنن الکبریٰ:۸/۲۳۶، سنن سعید بن منصور:۲/۷۲، مصنف عبدالرزاق:۴/۱۰۸)

اسی طرح شرابی کی سزا بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے جاری فرمائی۔ روایت یہ ہے کہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ابن وبرہ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس شرابی کی سزا کے بارہ میں بھیجا۔ اس وقت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا علی، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں آپ کے پاس تشریف فرما تھے۔ آپ نے ان سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس بارہ میں مشورہ کیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ہماری رائے یہ ہے کہ

Marfat.com

انسان جس وقت شراب پی کر بدمست ہو جاتا ہے تو بکواس بکتا ہے اور اس حالت میں پھر لوگوں پر بہتان تراشی کرتا ہے اور بہتان باندھنے (قذف) کی سزا اسی کوڑے ہے، لہٰذا شرابی کی سزا بھی اسی (۸۰) کوڑے مقرر کرنی چاہیے۔" چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شرابی کی سزا اسی (۸۰) کوڑے مقرر فرمادی اور پھر یہی شراب خوری کی حد مقرر ہوگئی۔

(سنن دارقطنی مع تعلیق المغنی: ۲/۳۵۴، موطا امام مالک: ۳۵۷، مستدرک حاکم: ۴/۳۷۵، المصنف عبدالرزاق: ۷/۳۷۸، طحاوی: ۲/۸۸ وغیرہ)۔

فروع کافی: ۲/۱۱۷ میں بھی ہے کہ شراب نوشی کی حد ۸۰ کوڑے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے مقرر فرمائی۔

حکومت کے انتظامی امور کے بارہ میں بھی آپ نے علی رضی اللہ عنہ سے کئی بار مشورے کیے۔ چنانچہ اسلامی سن کے شروع کرنے کے بارہ میں بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ دیا کہ اسلامی سن ہجرت نبوی کے روز سے شروع کیا جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی اس رائے کو پسند فرمایا اور ہجرت نبوی سے اسلامی سال شروع کرنے کا حکم دیا۔

(تاریخ صغیر، بخاری: ۹، تاریخ کبیر، بخاری: ۱/۹، مستدرک حاکم: ۳/۱۴، سیرۃ عمر بن خطاب، لابن جوزی: ۵۱، البدایہ والنہایہ: ۷/۷۴)

عراق کی مفتوحہ زمینوں کی تقسیم کے بارہ میں اگرچہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے آپ کو روکا تھا کہ ان کو تقسیم نہ کیا جائے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کو یہی مشورہ دیا تھا کہ ان زمینوں کو تقسیم کرنے کے بجائے اسی طرح چھوڑ دیا جائے اور ان کی آمدنی پر ٹیکس لگا کر حکومت کو مستقل آمدنی فراہم کی جائے۔

(کتاب الخراج یحییٰ بن ادم: ۱۴۶، سنن الکبریٰ: ۹/۱۳۴، کتاب الاموال: ۵۹ وغیرہ)

کتابوں میں ایک اور مشہور واقعہ کا ذکر بھی آیا ہے۔ وہ یہ کہ ایک مرتبہ ایک عورت کو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بلا بھیجا۔ وہ عورت حاملہ تھی۔ ہیبت فاروقی کی وجہ سے راستہ میں اس کا حمل ساقط ہو گیا اور وہ بچہ مر گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ کیا اس بچہ کا ضمان مجھ پر لازم ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ آپ پر کوئی ضمان اور تاوان لازم نہیں ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ خاموش بیٹھے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ اس بارہ میں آپ کی کیا رائے

Marfat.com

ہے؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میری رائے یہ ہے کہ اس بچہ کا تاوان آپ پر لازم ہے۔''
(اصول فخر الاسلام بزودی: ۲۳۹، کنز العمال: ۷/ ۳۰۰، المصنف عبدالرزاق: ۹/ ۴۵۸)

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مختلف مواقع پر نہ صرف دینی اور انتظامی معاملات میں مشورے لیے بلکہ اپنے عہد خلافت میں آپ جتنی بار بھی مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے گئے آپ نے مدینہ میں اکثر و بیشتر اپنا نائب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بنایا۔
(ملاحظہ ہو طبری تحت: ۱۴ھ، البدایہ والنہایہ: ۷/ ۳۵، ۵۵)

مختصر یہ کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے تعلقات اور روابط سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہایت اچھے تھے اور ان دونوں کے مابین بھائیوں کی سی محبت تھی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے آپ کے دونوں صاحبزادوں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے بھی اچھے روابط تھے۔ آپ ان دونوں سے بڑی محبت کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ مال غنیمت میں باہر سے کچھ کپڑا آیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اولاد کو ان میں سے پوشاکیں عنایت فرمائیں۔ اس کپڑے میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لائق اور مناسب کوئی لباس نہ تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یمن کی طرف ایک آدمی بھیجا جو ان کے لائق کپڑے لایا۔ جب یہ لباس ان دونوں صاحبزادوں نے پہنا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر فرمایا ''اب میرا دل خوش ہوا'' (الان طابت نفسی)۔
(سیرۃ عمر بن خطاب: ۹۷، لابن الجوزی، البدایہ والنہایہ: ۸/ ۲۰۷، کنز العمال: ۷/ ۱۰۶، سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۱۹۱)

وظائف میں بھی ان کے وظائف پانچ پانچ ہزار مقرر فرمائے۔ وظائف کی رقم بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے برابر تھی۔ یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کی وجہ سے کیا گیا۔
(ملاحظہ ہو شرح معانی الآثار: ۲/ ۸۱۸۱، السنن الکبریٰ بیہقی: ۶/ ۳۵۰)

علاوہ ازیں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی ایک اہلیہ شہر بانو تھیں۔ روایات کے مطابق یہ عجم کی فتوحات کے وقت مال غنیمت میں آئیں اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو دی گئیں۔ انہی کے بطن سے سیدنا زین العابدین تھے۔ جن کی نسل سے تمام حسینی سید پیدا ہوئے ہیں۔ (ملاحظہ اصول کافی مولد علی بن الحسین: ۲۹۶، عمدۃ الطالب: ۱۹۲ وغیرہ) یہ خاتون مدائن کی فتح میں آئیں اور سیدنا

Marfat.com

عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو مرحمت کیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس لڑکی کا نام دریافت کیا۔ اس نے کہا: ''شاہ جہان''۔ آپ نے فرمایا! ''نہیں تیرا نام ''شہر بانو یہ'' تجویز ہوا ہے جو بعد میں کتابوں میں ''شہر بانو'' مشہور ہو گیا۔

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ سے انکار کیا ہے۔ لیکن انکار کے لیے جو دلائل دیئے ہیں وہ نہایت بے زبان اور بے وزن ہیں۔ تاریخ کی ہر کتاب میں سیدنا زین العابدین علی ابن الحسین رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام شہر بانو ہے۔ اور وہ یہی شہر بانو تھیں جو جنگ مدائن میں مال غنیمت میں آئی تھیں۔ ملا خلیل قزوینی نے بھی اصول کافی کی شرح ''الصافی'' حصہ دوم: ۲۰۴، ۲۰۵ پر اس کی تفصیل بیان کی ہے اور فاضل ابن عنبہ نے اپنی کتاب ''عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب'' میں بھی یہ مسئلہ درج فرمایا ہے۔

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح:

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے محبت و قربت ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی دامادی میں قبول فرمالیا اور اپنی بیٹی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا جو سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیھا کے بطن سے تھیں، ان کے حبالہ عقد میں دے دیں۔ دو شخصوں کی اس قسم کی رشتہ داری کا قائم ہونا، باہمی اعتماد، وثوق اور قربت اور روابط کی مضبوطی کی ایک بہت بڑی دلیل ہے جب کہ میاں بیوی کی عمروں میں بھی کافی فرق ہو۔ اس نکاح کے کچھ تشریعی اسباب تھے اور کچھ تکوینی اسرار کیونکہ اس کارگاہِ آب و گل میں ہر واقعہ کے اظہار میں یہ دونوں چیزیں مضمر ہوتی ہیں یعنی تشریعی اسباب بھی اور تکوینی اسرار بھی۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے جس کو بعض کم فہم اور عقل سے عاری حضرات اشکال کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ نکاح کیوں کیا جب کہ آپ کی اولاد بھی تھی اور آپ کی عمر اس وقت پچپن چھپن سال تھی۔ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا صغیر السن تھیں۔ اس نکاح کی وجہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جو بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ؐ کے خاندان سے ایک خصوصی وابستگی اور والہانہ عقیدت و محبت تھی۔ اس وجہ سے وہ خاندان نبوت سے اپنے تعلقات کے اضافہ کے انتہائی خواہش مند تھے۔ چنانچہ فرمایا کہ میں نے خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ

Marfat.com

کل نسب و سبب وصهر ینقطع یوم القیامة الانسبی و سببی و صهری فکان لی به علیه السلام النسب والسبب فاردت ان اجمع الیه الصهر۔

یعنی ''قیامت کے روز تمام نسبی، سببی اور صھری رشتے منقطع ہو جائیں گے۔ سوائے میرے نسب، سبب اور صھر کے۔'' سیدنا عمر نے فرمایا کہ مجھے سرکارِ دو عالم ﷺ سے نسب (قرشیت) اور سبب (سیدہ حفصہ سلام اللہ علیہا) کے نکاح کا تعلق تو پہلے ہی حاصل ہے۔ میں نے چاہا کہ یہ تعلق صھری بھی مجھے حاصل ہو جائے۔''

(استیعاب لابن عبدالبر: ۲/ ۳۷۷ تذکرہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا)

مختلف کتابوں میں روایت ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ان کی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا رشتہ طلب کیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے برادر زادہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے لیے یہ رشتہ محفوظ رکھا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''آپ مجھ سے نکاح کر دیں، بخدا! میں اس کی ایسی نگہداشت کروں گا اور اس رشتہ کی حسن معاشرت کو اس طرح نگاہ میں رکھوں گا کہ کوئی اور شخص ملحوظ نہیں رکھ سکے گا۔ اس پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ سے کر دیا۔ اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مہاجرین کے پاس گئے اور انہیں کہا کہ مجھے مبارکباد دو۔ انہوں نے کہا: کس چیز کی؟ فرمایا علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کی خوشی اور مسرت میں۔ کیونکہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ تمام نسب و سبب قیامت کے روز منقطع ہو جائیں گے لیکن میرا نسب اور میرا سبب منقطع نہیں ہوگا۔ چنانچہ میں نے چاہا کہ مجھے سرکارِ دو عالم ﷺ سے نسب اور سبب دونوں حاصل ہو جائیں۔'' (مستدرک حاکم: ۳/ ۱۴۲، سنن سعید بن منصور: ۳/ ۱۳۰، کنز العمال: ۷/ ۹۸)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے جو الفاظ اس سلسلہ میں نقل کیے ہیں وہ یہ ہیں کہ قیامت کے روز ہر تعلق خواہ وہ صہر کا ہو یا سبب کا یا نسب کا یک قلم منقطع ہو جائے گا۔ سوائے میرے صہری، سببی اور نسبی تعلق کے پھر فرمایا:

کان لی صحبته فاحببت ان یکون لی معها سبب

صحبت اور ہم نشینی کا شرف تو مجھے حاصل تھا، میں نے چاہا کہ رسول اللہ ﷺ سے مجھے سببی تعلق بھی قائم ہو جائے۔

(السنن الکبریٰ: ۷/ ۶۴، ۱۱۴، کنز العمال: ۷/ ۹۸ طبقات ابن سعد ترجمہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ)

Marfat.com

علی بن عیسیٰ اردبیلی نے اہل بیت نبوت کی فضیلت اور شرف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

ولو کانو کثیرھم لما قال عمرؓ حین طلب مصاھرۃ علی انی سمعت رسول اللہؐ کل سبب و نسب منقطع یوم القیامۃ الاسببی ونسبی۔

''اگر یہ اہل بیت نبوت اور لوگوں جیسے ہوتے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی دامادی طلب کرتے وقت یہ دلیل ہرگز پیش نہ کرتے کہ میں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ قیامت کے روز ہر سبب اور نسب منقطع ہو جائے گا۔ سوائے میرے سبب اور نسب کے۔'' (کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد ۱/۱۰)

ان تمام روایات سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اس نکاح سے غرض و غایت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سبب اور نسب سے اپنا ناطہ جوڑنا تھا۔ علاوہ ازیں ممکن ہے کہ آپ کی غرض اور خواہش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتثال بھی ہو۔ کیونکہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا سے صغر سنی میں نکاح فرمایا جب کہ آپ کی عمر پچاس سے اوپر تھی اور زوجین کی عمروں میں بہت بڑا فرق تھا، آپ نے چاہا کہ ایک نکاح اس تفاوت عمری کے ساتھ بھی کیا جائے تاکہ اس بارہ میں بھی مجھے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کی اتباع کا موقع مل جائے۔ دوسرے آپ کی اپنی اولادِ نرینہ نہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا بیٹا بنایا ہوا تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی تھیں جن کا نام رقیہ رضی اللہ عنہا تھا جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئی تھیں۔ چنانچہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق پر اس تفاوت عمری کے ساتھ نکاح فرمایا تو اس سے جو اولاد پیدا ہوئی اس کے نام بھی آپ نے زید رضی اللہ عنہ اور رقیہ رکھے۔ یہ بھی ایک طرح کا امتثالِ امرِ نبوت تھا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر محبت اور عقیدت تھی کہ آپ ہر کلی اور جزئی امور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا جذبہ اپنے سینہ میں رکھتے تھے۔

دوسرا تکوینی راز اس سلسلہ میں شاید یہ ہو کہ حق تعالیٰ شانہ کے علم میں تھا کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے جب بعض ناہنجار لوگ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان کا بھی انکار کر دیں گے۔ ایسے فتنے کی روک تھام کے لیے اللہ تعالیٰ نے نوشتہ تقدیر میں یوں سدِ باب کیا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا جو سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے بطن سے تھیں، امیر المومنین سیدنا

Marfat.com

عمر بن خطاب کے نکاح میں دے دیں، تا کہ اہل بیت نبوت کی طرف سے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ایمان اور کمالات ایمانی پر مہر تصدیق ثبت ہو جائے۔ اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ایمان کسی لحاظ سے مشتبہ ہوتا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کبھی بھی اپنی صاحبزادی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں نہ دیتے۔

بعض حضرات اس نکاح کا انکار تو نہیں کرتے لیکن یہ تاویل کرتے ہیں کہ وہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے نہ تھیں بلکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی کسی اور بیوی کے بطن سے تھیں۔ ان کی یہ تاویل روایت اور درایت دونوں لحاظ سے غلط ہے کیونکہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نکاح کی جو مصلحت بیان فرمائی اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو ام کلثوم رضی اللہ عنہا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حبالہ عقد میں آئیں وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی کے بطن سے تھیں۔ اگر وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی کسی اور بیوی کے بطن سے ہوتیں یا ان کی ربیبہ ہوتیں تو پھر اس نکاح کی غرض و غایت پوری نہ ہو سکتی تھی۔ اس صورت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے تو رشتہ قائم ہو جاتا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ قائم نہ ہوتا۔

کتابوں سے اس نکاح کے دلائل:

اس نکاح کا انکار کسی لحاظ سے بھی درست نہیں۔ تاریخ اور حدیث کی قریباً ہر کتاب میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ اس کے علاوہ علمائے انساب و تراجم نے بھی اپنی کتابوں میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ علم انساب میں خاندانوں کے تذکرے اور ان کی آپس میں رشتہ داریوں کا تذکرہ ہوتا ہے اور یہ کتابیں مذہبی رجحانات کے تحت تحریر نہیں کی جاتیں۔ بلکہ صرف خاندان کے احوال کو ان میں پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ اس لیے قریباً تمام علمائے انساب نے اس نکاح کا ذکر اپنی کتابوں میں کیا ہے جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں۔

① ابو جعفر محمد بن حبیب ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب المحبر میں اس نکاح کے بارے میں لکھا ہے۔ آپ نے جہاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دامادوں کا تذکرہ کیا ہے وہاں دوسرے نمبر پر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا تذکرہ یوں فرمایا ہے کہ:

وعمر بن الخطاب رحمہ اللہ کانت عندہ ام کلثوم بنت علی ثم خلف علیھا عون ثم محمد ثم عبداللہ بنو جعفر بن ابی طالب

"اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے نکاح میں ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ تھیں۔ اس کے بعد وہ

Marfat.com

عون بن جعفر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں اور اس کے بعد محمد بن جعفر رضی اللہ عنہ اور پھر عبداللہ بن جعفرؓ کے نکاح میں آئیں۔'' (کتاب المجر :٥٦ تحت اصبہار علی)

ایسا ہی مصعب بن عبداللہ الزبیری نے کتاب نسب قریش تحت ولد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ میں لکھا ہے۔ ابن قتیبہ نے المعارف :۹۲ پر اور ۷۹۔۸۰ پر اس دامادی عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے۔ علامہ بلاذری نے ''انساب الاشراف'' ۱/ ۴۲۸ پر لکھا ہے کہ ''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی رقیہ ابراہیم بن نعیم کے نکاح میں تھیں جن کی والدہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ تھیں۔

(۲) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل کی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ مدینہ کی عورتوں میں چادریں تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک عمدہ چادر بچ گئی۔ حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے کہا:

اعط هذا بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم التى عندك يريدون ام كلثوم بنت عليؓ

''یہ چادر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کو جو آپ کے نکاح میں ہے دے دیں۔ اس سے ان کی مراد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ام سلیط رضی اللہ عنہا اس چادر کی زیادہ حق دار ہیں۔ وہ جنگ احد کے روز پانی کی مشکیں اٹھا اٹھا کر ہمارے لیے لاتی تھیں۔ (بخاری :۱/ ۴۰۳، ۲/ ۵۸۲)

(۳) ابوداؤد میں عمار مولیٰ حارث بن نوفل سے روایت ہے کہ وہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور ان کے صاحبزادے زید رضی اللہ عنہ کے جنازہ میں موجود تھے۔ اس میں لڑکے کے جنازے کو اس جہت میں رکھا گیا جو امام کی طرف تھی۔ (ابوداؤد :۲/ ۴۵۵)

(۴) امام نسائی اپنی سنن میں سیدنا نافع رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے نو اکٹھے جنازے پڑھائے۔ انہی میں سیدہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ کا جنازہ بھی تھا۔ یہ سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کی حکومت کا دور تھا۔ اس نماز جنازہ میں سیدنا زید بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوقتادہ سب حضرات شامل تھے۔ نماز جنازہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔

(نسائی :۱/ ۲۱۷)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ اس نماز جنازہ میں شریک ہونے والوں میں سیدنا

Marfat.com

حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، سیدنا محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ (تاریخ الصغیر: ۵۳)

⑤ سنن دارقطنی میں ہے کہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں ان کا اوران کے لڑکے زید بن عمر رضی اللہ عنہ کا جنازہ اکٹھا رکھا گیا۔ ان دنوں مدینہ کے حاکم سعید بن عاص رضی اللہ عنہ تھے۔ (سنن دارقطنی: ۱/۱۹۴)

⑥ حافظ محمد بن سعد فرماتے ہیں کہ ''ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ جن کی والدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں، ان سے عمرؓ نے نکاح کیا اور وہ صغیر السن (چھوٹی لڑکی) تھیں۔ ان کے ہاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے دو اولادیں زید رضی اللہ عنہ اور رقیہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔

(طبقات ابن سعد: ۲/۳۳۹)

⑦ سیدنا محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے گھر تشریف لائے اور میں اپنی ہمشیرہ سیدہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے از راہِ شفقت مجھے گلے لگالیا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اس عزیز کے ساتھ لطف ومہربانی سے پیش آنا۔ (کنز العمال: ۷/۸۸)

⑧ طبری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا۔ ان کی والدہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھیں۔ ان کا مہر چالیس ہزار درہم مقرر ہوا۔ ان کے ہاں ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے دو بچے پیدا ہوئے، زید رضی اللہ عنہ اور رقیہ رضی اللہ عنہا۔ (طبری: ۳/۲۷۰)

⑨ ملا محمد بن یعقوب کلینی نے لکھا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے اس عورت کے بارہ میں مسئلہ پوچھا جس کا خاوند فوت ہو جائے، وہ اپنی عدت کہاں گزارے؟ اپنے گھر میں یا جہاں چاہے؟ سیدنا جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا! جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور انہیں اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئے (فروع کافی جلد ۲/۳۱۱) فروع کافی کی یہ روایت تہذیب الاحکام: ۲/۲۳۸ اور الاستبصار فیما اختلف من الاخبار: ۳/۳۵۲ میں بھی منقول ہے۔

⑩ محمد بن طوسی سیدنا باقر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ''ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ اوران کے بیٹے زید بن عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ایک ہی ساعت میں واقع

Marfat.com

ہوئی اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ پہلے کون فوت ہوا، لہٰذا ان میں سے کوئی دوسرے کا وارث نہیں ہوا، اور دونوں پر نماز جنازہ اکٹھی پڑھی گئی۔" (تہذیب الاحکام: ۲/۳۸۰)

ان حوالوں کے علاوہ اور بھی کئی حوالے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیدہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مجالس المومنین: ۱/۳۰۴، کتاب الشافی مجمع تلخیص الشافی: ۱۶۶ ابن ابی الحدید: ۴/ ۵۷۵، مسالک الافہام شرح شرائع الاسلام کتاب النکاح باب لواحق العقد، مجالس المومنین: ۲:۷، تذکرہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، منتہی الآمال، شیخ عباس قمی: ۱۸۶، کنز العمال: ۳۵۶۶، ابن ابی الحدید: ۱۹/ ۴۵۰ وغیرہ)

مختصر یہ کہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا یہ نکاح بھی اس محبت و مودت کا نتیجہ تھا جو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان سے تھی۔

Marfat.com

ذاتی حالات

جس زمانہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اس زمانہ میں ایک شخص کے اوصاف میں فصاحت و بلاغت ،قوت تقریر، شاعری، علم الانساب میں مہارت، سپہ گری، بہادری، آزادی وحریت فکراور ریاست وافسری کی خوبیاں ضروری سمجھی جاتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ان اوصاف میں حصہ وافر عطا فرمایا تھا۔تقریر میں اللہ تعالیٰ نے خاص صلاحیت دی تھی۔سوق عکاظ کے معرکوں نے اس میں خاص جلاء پیدا کی۔اسی وجہ سے قریش میں سفارت کا عہدہ آپ کو دیا گیا تھااوراس عہدہ میں زبان آور ہونا نہایت ضروری سمجھا جاتا تھا۔مختلف اوقات میں جو خطبے آپ نے دیئے وہ آج بھی کتابوں کے اوراق میں محفوظ ہیں اوران سے آپ کے کلام کی فصاحت وبلاغت کا پتہ چلتا ہے۔

۲۳ھ میں حج کے موقع پر ایک شخص نے کسی دوسرے شخص سے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد میں طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کروں گا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ برافروختہ ہوئے اور فرمایا کہ آج رات میں اس مضمون پر خطبہ دوں گا۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مانع ہوئے کہ حج کا موقع ہے، مختلف مذاق کے لوگ جمع ہیں۔آپ کی تقریراس موقع پر کچھ زیادہ موثر نہ رہے گی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبدالرحمٰن کی رائے کوتسلیم کرلیا۔ چنانچہ ذی الحجہ کے آخر میں مدینہ میں جمعہ کے روز آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جیسا شخص اس خطبہ کے سننے کا بہت مشتاق تھا۔لوگ اس خطبہ کو سننے کے لیے مسجد میں جوق در جوق جمع ہوگئے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ آج ایسی تقریر کریں گے کہ کبھی نہیں کی تھی۔انہوں نے تعجب سے کہا کہ ایسی نئی بات کیا ہوسکتی ہے جوانہوں نے پہلے نہیں کہی۔مختصر یہ کہ آپ نے خطبہ دیا جو

Marfat.com

بخاری :۲/ ۱۰۰۹ میں مذکورہ ہے۔ اس میں آپ نے انصار کی تحریک خلافت، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جواب، بیعت کی کیفیت اور خلافت کی حقیقت کو اس عمدگی سے بیان کیا کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہ تھا۔ آپ کی تقاریر چونکہ خود فصاحت و بلاغت سے بھری ہوتی تھیں۔ لہٰذا آپ فصیح و بلیغ لوگوں کی بڑی قدر کرتے تھے۔ زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو اس فن میں خاص مہارت تھی لہٰذا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کے کم عمر ہونے کے باوجود ان کے قدر شناس تھے۔

شاعری:

شعر و شاعری میں بھی آپ کا مذاق بڑا ستھرا تھا۔ خود آپ بہت کم شعر کہتے تھے لیکن عرب کے مشہور شعراء کا کلام آپ کو کثرت سے یاد تھا اور ہر بڑے شاعر کے بارہ میں آپ اپنی ایک مستقل رائے رکھتے تھے۔ فن شعر پر تنقید کا آپ کو ایک خاص مذاق حاصل تھا۔ اسی وجہ سے جاحظ نے لکھا ہے۔

کان عمر بن الخطاب اعلم الناس بالشعر (کتاب البیان والتبیین :۹۷)

یعنی سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ میں علم شعر کے سب سے بڑے عالم تھے۔

زہیر کو آپ تمام شاعروں سے بڑا شاعر سمجھتے تھے۔ اگرچہ بعض حضرات امراء القیس اور نابغہ کو بڑا شاعر سمجھتے تھے لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک زہیر سب سے بڑا شاعر تھا کیونکہ وہ نامانوس الفاظ کی تلاش میں نہیں رہتا۔ اس کے کلام میں اغلاق نہیں اور اسی مضمون کو شعر میں سموتا ہے جس سے وہ آشنا ہوتا ہے۔ جب کسی کی تعریف اور مدح کرتا ہے تو اس کے انہی اوصاف کو بیان کرتا ہے جو واقعی اس میں ہوتے ہیں۔

زہیر کا ممدوح ہرم بن سنان عرب کا ایک رئیس تھا۔ اتفاق یہ کہ زہیر اور ہرم دونوں کی اولاد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں موجود تھی۔ ایک دفعہ ہرم بن سنان کا لڑکا بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ اپنے باپ کی تعریف میں زہیر کا کلام سناؤ۔ اس نے کچھ شعر سنائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہارے خاندان کی تعریف میں زہیر نے خوب کہا ہے۔ اس نے کہا ''ہم صلہ بھی خوب دیتے تھے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً جواب دیا ''تم نے جو کچھ دیا تھا وہ فنا ہو گیا اور اس نے جو کچھ دیا وہ آج بھی باقی ہے۔'' زہیر کا بیٹا بھی اس وقت وہاں موجود تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا ''پھر ہرم بن سنان نے تمہارے باپ زہیر کو جو خلعت

Marfat.com

دیئے تھے وہ کیا ہوئے؟'' اس نے جواب دیا'' وہ سب بوسیدہ ہو گئے۔'' آپ نے فرمایا'' لیکن تمہارے باپ نے ہرم کو جو خلعت دیئے زمانہ انہیں بوسیدہ نہ کر سکا۔''

زہیر کے بعد آپ نابغہ کے فضل و کمال کے معترف تھے اور اس کے بھی اکثر اشعار آپ کو ازبر تھے۔ آپ اسے اشعر العرب کہا کرتے تھے اور زہیر کو اشعر الشعراء فرماتے تھے۔

ان دونوں شاعروں کے علاوہ آپ امراء القیس کے بھی بڑے معترف تھے۔ ایک مرتبہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے امراء القیس کے بارہ میں فرمایا کہ

''وہ سب سے آگے ہے اور اسی نے شعر کے چشمہ سے پانی نکالا، اس نے اندھے مضامین کو بینا کر دیا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اچھا شعر سنتے تو اس کو بار بار پڑھتے اور صحیح مزہ لیتے۔ یہ بات بھی ان کے ذوق شعری کی پختگی پر دلالت کرتی ہے۔ آپ کو سینکڑوں اشعار زبانی یاد تھے۔ اگرچہ آپ امورِ خلافت میں دن رات مصروف رہتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ کو بہت سے اشعار حفظ تھے اور جب بھی کسی معاملہ کا فیصلہ فرماتے تو ضرور کوئی شعر پڑھتے۔ آپ کو چونکہ شعری ذوق بہت زیادہ تھا اس وجہ سے چاہتے تھے کہ دوسرے لوگ بھی اشعار کو یاد کریں۔ چنانچہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ:

''لوگوں کو اشعار یاد کرنے کا حکم دو۔ کیونکہ وہ بلند اخلاق، صحیح رائے اور انساب کی معرفت کی طرف راہ دکھاتے ہیں۔''

ایک اور خط میں سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ

''دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرو۔ سنت نبوی سے آشنائی حاصل کرو، عربی زبان سیکھو اور سمجھو۔ اور ابوالاسود الدوئلی سے کہو کہ اہل بصرہ کو عربی قواعد سکھائیں۔''

(انباہ الرواۃ علیٰ انباء النحاۃ قفطی: ۱/۱۶)

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہی کے نام ایک اور خط میں لکھا:

''اہل بصرہ کو تاکید کرو کہ عربی سیکھیں۔ ایسا کرنے سے ان میں صحیح بول چال کا سلیقہ پیدا ہوگا۔ ان کو عربی اشعار پڑھنے اور دوسروں کو سنانے کی بھی تلقین کرو۔ ایسا کرنے سے ان میں اخلاق عالیہ پیدا ہوں گے۔'' (کنز العمال: ۵/۲۴۱)

ایک اور خط میں لکھا:

Marfat.com

''لوگوں کو عربی سیکھنے کی تاکید کرو کیونکہ عربی سیکھنے سے عقل بڑھتی ہے اور انسانیت پیدا ہوتی ہے۔'' (لسان العرب:۱/۱۵۵)

آپ نے تمام اضلاع میں سرکلر بھیجے اور ان میں لوگوں سے کہا:

''اپنی اولاد کو تیرنا اور شہ سواری سکھاؤ اور ضرب الامثال اور اچھے اشعار یاد کراؤ۔''

(ازالۃ الخفا:۲/۱۹۳)

جاہلیت میں شاعری میں بہت سے عیوب پائے جاتے تھے، خصوصی طور پر شعراء تشبیب میں اور نظموں میں شریف عورتوں کا نام اعلانیہ لا کر ان سے اپنی محبت کا اظہار کرتے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس بات کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ اس وجہ سے آپ نے اسے حکماً بند فرما دیا کیونکہ اس سے ایک شریف عورت خواہ مخواہ بدنام ہوتی تھی۔ اسی طرح آپ نے ہجوگوئی کو بھی جرم قرار دیا۔ جو چیزیں نفس میں کمزوری کے فتنوں کو جگاتی اور شیطانی وسوسوں کے تار ہلاتی ہیں، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اس لیے ممنوع قرار دیا کہ وہ انفرادی اور جماعتی زندگی پر ان کے برے اثرات کا مشاہدہ کر چکے تھے۔ ہجو اور مدح عہد جاہلیت میں عربی شاعری کا موضوع تھے۔ زمانہ اسلام میں بھی موضوع رہے اور آج تک ہیں۔ بعض شعراء اپنی ہجو و مدح میں اتنا غلو برتتے تھے کہ دلوں میں سوئے ہوئے فتنے بیدار ہو جاتے تھے۔ اس وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان مبالغہ پسند شعراء سے بہ شدت باز پرس فرماتے تھے اور ان کی اس شدید باز پرس نے گمراہیوں کی اشاعت کا سدباب کر دیا تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس زبرقان نے حطیئہ کی شکایت کی۔ آپ نے شبہ کی بناء پر حطیئہ کو سزا دینے میں تکلف کیا اور یہ شعر سن کر فرمایا ''ہجو تو اس شعر میں نظر نہیں آتی البتہ خفگی پائی جاتی ہے۔'' اس کے بعد سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے رائے لی جو فن شاعری میں ایک مقام رکھتے تھے اور جب انہوں نے شہادت دی کہ اس شعر میں واقعی ہجو کا پہلو ہے تو آپ نے حطیئہ کو قید کر دیا اور دھمکی دی کہ آئندہ ایسا نہ کرے۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ حطیئہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت سے پہلے کسی کی ہجو کرنے کی جرأت نہ کی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ رہائی کے بعد جب وہ چلنے لگا تو آپ نے اسے آواز دی اور از راہ تاکید اس سے فرمایا ''دیکھو، حطیئہ! اگر کوئی قریشی نوجوان تمہارے ساتھ عزت و تکریم سے پیش آیا اور تم سے شعر سنانے کی فرمائش کی اور تم لوگوں کی آبروؤں سے کھیلنے لگے تو یوں سمجھنا

Marfat.com

جیسے میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' حطیہ نے قسم کھائی کہ وہ ایسا کبھی نہ کریگا۔ زید بن اسلم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ''اس کے بعد میں نے حطیہ کو ایک روز عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس دیکھا۔ انہوں نے حطیہ کی بڑی آؤ بھگت کی اور کہا ''حطیہ کچھ سناؤ، حطیہ نے اپنا کلام سنانا شروع کیا۔ میں نے کہا ''حطیہ! تمہیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قول یاد نہیں رہا؟'' حطیہ سہم گیا اور کہنے لگا: ''اللہ عمر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے اگر وہ زندہ ہوتے تو ہم ایسا کبھی نہ کرتے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس شاعری کو بھی پس دیوارِ زنداں کر دیا جس نے بنو عجلان کی ہجو کی تھی۔ اس کا ایک شعر ہے:

اولئك اولاد الهجين و اسرة لا ملئيم درهط العاجز المتذلل

یہ لوگ کمینوں کی اولاد، لعنتیوں کا خاندان اور عاجزوں اور ذلیلوں کی ٹولی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو قید میں ڈال دیا اور تہدید کی کہ اگر اس نے پھر ایسا کیا تو دگنی سزا دی جائے گی۔

اس زمانے میں خنسا نامی ایک بڑی مرثیہ گو شاعرہ تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بیت اللہ میں روتے اور چیختے دیکھا۔ پاس جا کر آپ نے اسے تسلی اور تشفی دی اور جب اس کے چار بیٹے جنگ قادسیہ میں شہید ہوئے تو آپ نے چاروں کے وظیفے اس کے نام جاری کر دیئے۔ اصفہانی نے اس شاعرہ کے حالات کتاب الاغانی میں لکھے ہیں۔ مرثیہ گوئی میں یہ عورت اپنا جواب نہیں رکھتی تھی۔ سوق عکاظ میں اس کے خیمہ کے دروازے پر ایک علم نصب ہوتا تھا جس پر لکھا ہوتا تھا ''ارثی العرب'' یعنی تمام عرب میں سب سے بڑھ کر مرثیہ گو۔ (اس کا ذکر ہم نے جنگ قادسیہ کے ضمن میں بھی کیا ہے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اچھے شعراء اور ماہرین فن کی بڑی قدر فرماتے تھے۔

عبرانی زبان سے آشنائی:

مختلف روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مدینہ میں آپ نے عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی۔ تورات اس زمانہ میں عربی میں ترجمہ نہیں ہوئی تھی۔ یہودی عبرانی ہی میں اس کا مطالعہ کرتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی کبھی کبھی تورات کا مطالعہ فرماتے تھے۔ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں بھی آپ نے تورات پڑھی جس سے آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔

(مسند دارمی: ۶۲)

Marfat.com

یہودی تورات کا درس دیا کرتے تھے۔ اس وجہ سے یہودی آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ (کنز العمال: ۱/۲۳۳)

علم الانساب میں مہارت:

علم الانساب یعنی نسب دانی کا علم عربوں کا خاصہ تھا۔ وہ انسانوں کے نسب کے علاوہ اپنے گھوڑوں تک کے نسب جانتے تھے۔ لیکن کچھ لوگ اس فن میں نہایت ماہر تھے۔ جن میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خاص مہارت رکھتے تھے۔ (العقد الفرید: ۳/ ۲۷۵)۔ انساب کا یہ علم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا موروثی علم تھا جو کئی پشتوں سے آپ کے خاندان میں چلا آ رہا تھا۔ آپ کے باپ خطاب بھی اس علم میں خاصے مشہور تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ قبائل کے نام ونسب میں اکثر اپنے باپ کا حوالہ دیا کرتے تھے۔ خطاب کے باپ نفیل بھی اس فن میں خاصی شہرت رکھتے تھے۔ ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے باپ اور دادا نفیل تینوں علم الانساب میں ماہر تھے۔ (طبقات ابن سعد: ۲/ ۱۱۷)

اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ سفارت اور مناظرت یہ دونوں عہدے موروثی چلے آ رہے تھے اور ان دونوں منصبوں کو انجام دینے کے لیے انساب کا جاننا نہایت ضروری ہوتا تھا۔ آپ نے یہ فن اپنے باپ سے سیکھا تھا۔

اسی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نسب کے معاملہ میں بڑے متشدد تھے اور ایسے شخص پر سختی سے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے تھے جو اپنا سلسلہ نسب کسی دوسرے شخص سے وابستہ کرتا۔ چنانچہ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں ؟ انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آپ صہیب رضی اللہ عنہ سے کہہ رہے تھے ''اے صہیب! تمہارے اندر کوئی عیوب نہیں ہیں۔ سوائے تین باتوں کے۔ اگر یہ باتیں نہ ہوتیں تو میں آپ پر کسی کو مقدم نہ سمجھتا۔ سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ وہ کیا ہیں؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '' میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ فضول خرچی کرتے ہیں۔ ایک نبی کے نام پر اپنی کنیت رکھتے ہیں اور اپنا نصب عربی بتاتے ہیں۔ حالانکہ آپ کی زبان عجمی ہے۔ سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ نے کہا جہاں تک فضول خرچی کا علق ہے تو میں جہاں خرچ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے وہاں خرچ کرتا ہوں۔ جہاں تک میری کنیت کا تعلق ہے تو میری یہ کیفیت ابو یحییٰ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی تھی اور جہاں تک میرے اہل عرب سے

Marfat.com

انتساب کا تعلق ہے تو دراصل مجھے رومی بچپن میں قیدی بنا کر لے گئے تھے۔ مجھے اپنے گھر کے لوگ اب تک یاد ہیں۔ اگر میں لید میں سے پھوٹا ہوں تو اسی کی طرف منسوب ہوں گا۔"

(المحلی: ۸/ ۲۹۷)

المحلی میں ہے کہ مجھے یاد نہیں ہے، لیکن یہ الفاظ درست نہیں ہیں کیونکہ سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ کا نسب اہل عرب میں متعارف ہے۔

غنا سے لطف اندوزی:

غنا اور سماع سے عربوں کو خاصی دلچسپی تھی بلکہ گانا ان کی ضروریات زندگی میں شامل تھا۔ کیونکہ حدی خوانی انہیں اور ان کے اونٹوں کو مسافت کی دشواری بھلا دیتی اور سفر کی مشقت ان پر آسان کر دیتی تھی۔ دن بھر یا رات بھر کے سفر کے بعد جب وہ ستانے کے لیے کہیں پڑاؤ ڈالتے تو گانا ہی ان کی تسلی اور استراحت کا سامان ہوتا تھا، خاص طور پر جب کوئی ایسا خوش گلو نغمہ کار شریک سفر ہوتا جس کے نغمے ان کے دلوں میں اپنے اہل وعیال کا شوق یا انتقام کی خواہش یا حصول شرف کی لگن تیز کر دیتے تھے۔ خود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی معروف سختی اور درشتی کے باوجود غنا سے لطف اندوز ہوتے اور کبھی کبھی ترنم سے خود بھی شعر پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے رات بھر اشعار پڑھوایا کیے۔ جب صبح ہونے لگی تو فرمایا: "اب قرآن پڑھو۔" ابن جوزی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک طرف سے گانے کی آواز سنی۔ آپ وہاں دیر تک کھڑے گانا سنتے رہے۔

اہل علم کی قدر دانی

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اہل علم و فضل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی قدر فرماتے تھے اور ہر اہم کام میں ان سے مشورہ فرماتے۔ چنانچہ بخاری میں ہے۔

كان مجلس عمر منفافي في القراء (بخاری: ۲/ ۶۶۹)

فقہ اسلامی کا بہت بڑا حصہ انہی علمی مجلسوں کی بدولت ہے۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ خاص اہمیت رکھتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کی علمی

Marfat.com

فضیلت کی وجہ سے ہر معاملہ میں ان کو شریک مشورہ رکھتے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نوجوان ہونے کے باوجود قدمائے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ شامل کر دیئے گئے تھے اور بعض روایات کے مطابق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنی مشاورتی کونسل کا رکن بنایا ہوا تھا۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مجھ کو شیوخ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے۔ اس پر بعض لوگوں نے کہا کہ آپ اس نوعمر کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں اور ہمارے لڑکوں کو جوان کے ہم عمر ہیں کیوں یہ موقع نہیں دیتے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا'' یہ وہ شخص ہے جس کی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے۔ (بخاری:۲/ ۶۱۵)

اسی وجہ سے حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کان عمر یحب ابن عباس ویقربه (استیعاب تذکرہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کو محبوب رکھتے تھے اور ان کو اپنے ہاں تقرب دیتے تھے۔

بعض اوقات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس کا جواب دینا چاہتے، لیکن کم عمری کی وجہ سے جھجکتے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کی ہمت بندھاتے اور فرماتے'' علم سن کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہیں ہے۔ تم اپنے نفس کو حقیر نہ بناؤ۔

(بخاری:۲/ ۶۵۱)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی علمی مجلسوں میں یہ برابر شریک ہوتے تھے اور قرآن حکیم کے فہم میں وہ اکثر بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بازی لے جاتے تھے۔ کیونکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی تھی کہ:

اللهم فقهه فی الدین و علمه التاویل

(مسند احمد:۱/ ۳۲۸، مستدرک حاکم:۳/ ۵۳۴)

اے اللہ اس کو دین کی تفقہ عطا فرما اور اس کو تاویل کا طریقہ سکھا۔

اسی طرح سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایک خاص مقام کے حامل تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کی بھی بہت قدر کیا کرتے تھے۔ ۲۰ھ کو انہیں کوفہ کا قاضی اور افسر خزانہ بنا کر بھیجا۔ مسلمانوں کی مذہبی تعلیم اور والی کوفہ کی وزارت کے فرائض بھی ان کے ذمہ تھے۔ ان کے بارہ میں اہل کوفہ کو لکھا:

Marfat.com

''میں نے تم پر عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو امیر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو بیت المال کی افسری دی ہے۔ یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذی عزت اصحاب میں سے ہیں جو معرکہ بدر میں شریک ہوئے، اس لیے ان کی بات سنو اور اطاعت کرو اور ان کی اتباع کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے تمہارے لیے ابن ام عبد رضی اللہ عنہ (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) کو اپنی ذات پر ترجیح دی ہے۔

(اسد الغابہ: ۳/ ۳۵۸)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پورے دس سال نہایت مستعدی اور خوش اسلوبی کے ساتھ وہاں اپنے فرائض انجام دیئے۔ اس طویل عرصہ میں بساط سیاست پر گوناگوں تبدیلیاں ہوئیں لیکن وہ جس احتیاط اور انصاف کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے تھے، اس کے لحاظ سے کسی کو ان سے شکایت نہ ہوئی۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ابتداء ہی سے ایک علمی شخصیت کے حامل تھے۔ قبول اسلام کے ساتھ ہی انہوں نے بارگاہِ نبوت میں عرض کی۔ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تعلیم دیجئے۔'' آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

انک غلام معلم

''یعنی تم ایک تعلیم یافتہ لڑکے ہو۔''

(مسند احمد: ۱/ ۳۸۹، مسند ابی داؤد طیالسی، اسد الغابہ: ۳/ ۲۵۶ وغیرہ)

اس شوق کا یہ اثر تھا کہ شب و روز سرچشمہ علم سے مستفیض ہوتے تھے۔ خلوت و جلوت، سفر وحضر غرض کہ ہر موقع پر ساقی کوثر اور معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر رہتے تھے۔ انہی خوبیوں کی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔

کنیف ملی علماً

یعنی یہ (عبداللہ) ایک ظرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے۔

خود سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے علم کے معترف تھے۔ فرماتے تھے: ''اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے اور عمر رضی اللہ عنہ کا علم دوسرے پلہ میں تو عمر رضی اللہ عنہ کا علم بھاری رہے گا۔'' یہ بھی اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ''عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک گھڑی بیٹھنا میں سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا ہوں۔'' (استیعاب تذکرہ عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب)

Marfat.com

اسی طرح سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی ان کے فضل و کمال کی وجہ سے نہایت عزت و تکریم فرماتے تھے۔ اور ان کے ساتھ اس طرح پیش آتے تھے جیسے خورد بزرگ کے ساتھ پیش آتا ہے۔ ایک روز آپ نے خطبہ میں فرمایا:

علی اقضانا وابی اقرء نا

''علی رضی اللہ عنہ ہم میں سے بہترین قاضی ہیں اور ابی بن کعب بہترین قاری ہیں۔''

(طبقات ابن سعد: ۱۰۲/۲، بخاری: ۶۴۴/۲، استیعاب تذکرہ علی رضی اللہ عنہ)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ ''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی نہایت تعظیم و تکریم فرماتے تھے اور ان سے ڈرتے تھے۔'' آپ خلافت فاروقی میں مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ زیادہ تر درس و تدریس میں مصروف رہتے۔ جب مجلس شوریٰ منعقد ہوتی یا کوئی مہم آن پڑتی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان سے استصواب فرماتے تھے۔

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اگرچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے تمام عہد خلافت میں مسند افتاء پر متمکن رہے لیکن اس کے سوا حکومت کا اور کوئی منصب آپ کو نہیں ملا۔ ایک مرتبہ انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ مجھے کسی جگہ کا عامل اور والی کیوں نہیں مقرر فرماتے؟ آپ نے فرمایا ''میں آپ کے دین کو دنیا میں ملوث نہیں دیکھنا چاہتا۔'' (کنز العمال: ۱۶۳/۳) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں نماز تراویح کو باجماعت کیا تو سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو امامت کے لیے منتخب فرمایا (بخاری و موطا امام مالک) جب سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''آج مسلمانوں کا سردار اٹھ گیا۔''

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایک نہایت علمی شخصیت تھے۔ ۱۱ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا اور مسلمان ہوتے ہی قرآن پڑھنا شروع کیا۔ جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہ ۱۷ سورتوں کے حافظ ہو چکے تھے۔ لوگ انہیں حضور علیہ السلام کی خدمت میں لے گئے اور عرض کی یہ بنی نجار سے ہیں اور ۱۷ سورتوں کے حافظ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سنایا تو آپ کو بڑا تعجب ہوا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کی انہی خوبیوں کی وجہ سے ان کو نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنے عہد خلافت میں انہیں مدینہ طیبہ کا قاضی مقرر فرمایا (طبقات ابن سعد تذکرۃ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ و اخبار القضاۃ) اس وقت تک قاضی کے لیے عدالت کی کوئی

Marfat.com

عمارت تعمیر نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا گھر ہی دارالقضاۃ کا کام دیتا تھا۔ مکان فرش سے آراستہ تھا جس کے صدر میں سیدنا زید رضی اللہ عنہ فیصلہ کے وقت متمکن ہوتے تھے اوردارالخلافت اور قرب و جوار کے مقدمات آپ کے پاس آتے تھے۔ یہاں تک کہ خلیفہ وقت (سیدنا عمر رضی اللہ عنہ) پر بھی یہاں دعوے داخل کیے جاتے تھے۔ خلافت فاروقی میں سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو تین مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی غیر حاضری میں ان کی جانشینی کا فخر حاصل ہوا۔ ۱۶ھ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حج کرنے گئے تو مدینہ میں سیدنا زید رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنایا۔ ۲۱ھ میں حج کا ارادہ فرمایا، اس وقت بھی انہیں اپنا جانشین بنایا۔ شام روانہ ہوئے تو سیدنا زید رضی اللہ عنہ کے القاب میں بالکل مساوات رکھی اور زید رضی اللہ عنہ کا نام اپنے نام سے پہلے تحریر کیا یعنی ''الی زید بن ثابت من عمر بن الخطاب''۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ خلافت کی ذمہ داریوں کو نہایت ہوشیاری اور خوش اسلوبی سے انجام دیتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کے انتظام سے بہت خوش ہوئے۔ اور واپس آکر انہیں جاگیر کے طور پر کچھ نہ کچھ دے دیتے تھے۔ (سیرۃ العمرین لابن جوزی) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں یرموک کا مال غنیمت تقسیم کرنے کی ذمہ داری ان کو تفویض ہوئی۔ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے وظائف مقرر فرمائے تو انصار کے وظائف سیدنا زید رضی اللہ عنہ کے سپرد کیے۔ انہی خوبیوں کی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ انہیں مدینہ طیبہ سے باہر کہیں نہ جانے دیتے تھے۔ ممالک اسلامیہ کے ممتاز عہدے خالی ہوتے، امور مہمہ کی انجام دہی کی ضرورت ہوتی، لوگوں کے نام پیش کیے جاتے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان میں سے کسی کا انتخاب فرما دیتے۔ لوگ زید رضی اللہ عنہ کا نام پیش کرتے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے کہ زید رضی اللہ عنہ میری نظروں سے گر نہیں گئے لیکن کیا کروں، شہر والے ان کے محتاج ہیں کیونکہ جو شے ان کے پاس ہے اور کسی کے پاس نہیں۔

(طبقات ابن سعد: ۱۱۶/۲)

ان کے علاوہ اور بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آپ کے ہاں نہایت عزت و تکریم تھی۔

صرف اہل علم ہی کی آپ کے ہاں قدر و قیمت نہ تھی بلکہ ہر صاحب کمال شخص کی آپ قدر فرماتے تھے۔ پہلوانی اور بہادری میں اس زمانہ میں دو شخص نہایت ممتاز تھے۔ ایک طلیحہ بن خالد رضی اللہ عنہ اور دوسرے عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ۔ یہ دونوں ایک ایک ہزار سوار کے برابر سمجھے جاتے تھے۔ عمر بن معدی کرب پہلوانی کے علاوہ خطیب اور شاعر بھی تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان دونوں حضرات کی بڑی قدر فرماتے تھے۔ قادسیہ کے معرکہ میں جب ان کو بھیجا تو آپ نے

Marfat.com

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ میں دو ہزار سوار تمہاری مدد کو بھیج رہا ہوں۔ اسی طرح اگر کوئی بہادر یا فیاض ہوتا یا اس میں کوئی ایسی خوبی ہوتی جو اسے دوسروں سے ممتاز کرتی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کی قدر دانی میں بھی بخل سے کام نہ لیتے۔

مزاج میں سختی:

حق تعالیٰ شانہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج میں کچھ سختی رکھی تھی۔ جاہلیت میں تو زود مشتعل اور نہایت تند و تیز تھے۔ لیکن اسلام لانے کے بعد مزاج کی سختی میں کچھ نرمی پیدا ہوگئی تھی۔ دین اسلام اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں کوئی رو رعایت گوارا نہ تھی۔ جونہی کوئی شخص دین اسلام کے بارہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں کوئی نازیبا بات کہتا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رگ فاروقی فوراً پھڑک اٹھتی۔ تاریخ میں ایسے کئی واقعات ملتے ہیں جن میں شمشیر فاروقی فوراً گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مزہ چکھانے کے لیے برہنہ ہو جاتی۔ غزوہ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ بنو ہاشم اپنی مرضی سے ہمارے ساتھ لڑنے کے لیے نہیں آئے بلکہ انہیں مجبور کر کے لایا گیا ہے۔ اس لیے اگر کسی کو ابوالبختری یا عباس بن عبدالمطلب وغیرہ کہیں نظر آئیں تو انہیں قتل نہ کیا جائے۔ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ قریش کے سپہ سالار لشکر عتبہ کے فرزند ارجمند تھے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں لڑنے کے لیے آئے تھے۔ آپ اولین مسلمانوں میں سے تھے اور سرزمین حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں شریک تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے بنو ہاشم کے بارہ میں یہ جملہ سن کر بول اٹھے: ''جب ہم اپنے باپ، بیٹے، بھائی اور کسی عزیز رشتہ دار سے درگزر نہیں کرتے تو بنو ہاشم میں کیا خصوصیت ہے؟ بخدا اگر عباس رضی اللہ عنہ میرے ہاتھ آئیں گے تو انہیں اپنی تلوار کے جوہر ضرور دکھاؤں گا۔'' سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ ناگوار گزرا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا ''ابو حفص! دیکھتے ہو! عم رسول کا چہرہ تلوار کے قابل ہے؟'' یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رگِ فاروقی پھڑک اٹھی۔ عرض کی: ''یا رسول اللہ! اجازت فرمایئے کہ میں اس کا سر اڑا دوں۔ لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا، کیونکہ یہ جملہ ان کے منہ سے اتفاقیہ نکل گیا تھا۔ پھر یہ اصحاب بدر میں سے بھی تھے، اس وجہ سے کوئی مواخذہ نہ کیا گیا۔

اس طرح کے اور کئی واقعات سے تاریخ کے اوراق بھرے ہوئے ہیں کہ جونہی کوئی

Marfat.com

شخص سرکار دو عالم ﷺ کے حکم سے سرتابی کرتا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی غیرت ایمانی فوراً مشتعل ہو جاتی تھی۔ آپ کے مزاج کی اسی سختی کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس وقت ان کی مخالفت کی جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کو اپنا جانشین نامزد فرما رہے تھے۔

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معزولی بھی آپ کے مزاج کی سختی کا ایک ثبوت ہے لیکن دوسری طرف آپ اتنے نرم دل بھی تھے کہ ۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا تو دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بے قراری دیدنی تھی۔ قحط کو دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور خود تمام مرغوب غذائیں ترک کر دیں اور ہر قسم کی عیش و طرب سے اجتناب برتا اور راتوں کو اٹھ اٹھ کر بارگاہِ خداوندی میں روتے تھے۔ (کنز العمال: ۶/۳۴۳)

عراق عجم کے معرکہ میں سیدنا نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ اور دوسرے بہت سے مسلمان شہید ہو گئے۔ ان حضرات کی شہادت کا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر اس قدر اثر ہوا کہ زار و قطار روتے تھے۔ اس قسم کے ترحم کے کئی واقعات آپ کی کتابِ زندگی میں ملتے ہیں۔

زہد و قناعت:

آپ کی کتاب زندگی میں زہد و قناعت کا باب بھی نہایت روشن ہے۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ قدامت اسلام اور ہجرت کے لحاظ سے بہت سے لوگوں کو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر فوقیت حاصل ہے۔ لیکن زہد و قناعت میں وہ سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ قیصر و کسریٰ کی فوجیں ہر محاذ پر شکست کھا رہی ہیں۔ مختلف محاذوں پر جرنیلوں اور کمانڈروں کو خطوط لکھے جا رہے ہیں۔ پوری دنیا کے بادشاہوں پر آپ کی شخصیت کی ہیبت طاری ہے، لیکن اپنی حالت یہ ہے کہ کئی کئی پیوند لگا کپڑا زیب تن ہے۔ عمامہ پھٹا ہوا، چپل بوسیدہ، بیوہ عورتوں کے گھروں میں پانی بھرنے کے لیے مشک کاندھے پر، سونے کے لیے خاک کا بستر، چشم فلک نے ایسا سربراہ مملکت کم ہی دیکھا ہوگا۔ ایک مرتبہ ایک شخص کو اپنا موٹا کرتہ پیوند لگانے کے لیے دیا۔ اس نے بجائے اس پرانے کرتہ کے ایک نرم و ملائم کپڑے کا کرتہ پیش کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے وہ نرم و ملائم کرتہ اس کو واپس کر دیا اور اپنا وہی پرانا کرتہ لے کر فرمایا ''یہی اچھا ہے کیونکہ اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے۔'' (کنز العمال: ۶/۳۵۰)

بارہا دیکھا گیا کہ مدینہ سے مکہ مکرمہ حج کے لیے جا رہے ہیں۔ دوران سفر خیمہ یا

Marfat.com

شامیانہ کبھی ساتھ نہیں رکھا۔ جہاں ٹھہرے وہیں کسی درخت پر چادر ڈال کر سو رہے۔ طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق ان کا روزانہ خانگی خرچ صرف دو درہم تھا۔ آج کل کے حساب سے اس کا حساب لگالیں۔ (منتخب الکنز: ۴/۴۱۱)

غذا نہایت سادہ اور معمولی تھی۔ عموماً روٹی اور روغن زیتوں دستر خوان پر ہوتا تھا۔ روٹی بغیر چھنے آٹے کی ہوتی جسے مہمانوں اور سفراء کو کھانے میں تکلیف ہوتی، کیونکہ وہ ایسی معمولی غذا کھانے کے عادی نہیں ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر قیامت کا خوف نہ ہوتا تو میں بھی تم لوگوں کی طرح دنیوی عیش وعشرت کا دلدادہ ہوتا۔'' (کنز العمال: ۶/ ۳۴۶)

ایک مرتبہ عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ شریک طعام تھے۔ دستر خوان پر سوکھی روٹی اور ابلا ہوا گوشت تھا۔ عتبہ زبردستی حلق سے سوکھی روٹی کے ٹکڑے نیچے کررہے تھے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو فرمایا ''عتبہ! اگر تم سے نہیں کھایا جاتا تو نہ کھاؤ'' عتبہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''امیر المومنین! اگر آپ اپنے کھانے پینے میں کچھ خرچ کریں گے تو مسلمانوں کا مال اس سے کم نہیں ہوجائے گا۔'' آپ نے فرمایا ''افسوس! تم مجھے دنیوی عیش وعشرت کی ترغیب دیتے ہو۔'' (کنز العمال: ۶/ ۳۴۸) سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کا خطبہ ارشاد فرمارہے تھے۔ میں نے شمار کیا تو آپ کے تہ بند کو بارہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ (کنز العمال: ۶/ ۳۴۷) بعض کپڑوں پر چمڑے کے پیوند بھی ہوتے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب ایلہ تشریف لائے تو آپ نے وہاں کے اسقف (پادری) کو اپنا کرتہ دیا جس میں کئی پیوند لگے ہوئے تھے اور جو پیچھے سے لمبے سفر کی وجہ سے پھٹ گیا تھا۔ آپ نے پادری سے فرمایا کہ اسے دھودو اور پیوند لگادو۔ پادری کرتے کو لے کر گیا اور اس میں پیوند لگایا اور اس جیسا ایک اور کرتہ سیا اور اسے لے کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پادری نے کہا ''یہ آپ کا کرتہ ہے جس کو دھویا ہے اور پیوند بھی لگایا ہے اور یہ دوسرا کرتہ میری طرف سے ہے۔ آپ نے اس کرتے کی طرف دیکھا، اسے ٹٹولا اور پھر اپنا کرتہ پہن لیا اور دوسرا کرتہ پادری کو لوٹا دیا۔ فرمایا: میرا کرتہ تمہارے کرتے سے اچھا ہے کیونکہ یہ پسینہ خوب جذب کرتا ہے۔
(منتخب الکنز: ۴/۴۰۲)

سیدنا قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے زمانہ میں اون کا ایسا

Marfat.com

جبہ پہنتے تھے جس میں بعض پیوند چمڑے کے بھی ہوتے تھے اور اسی طرح بازاروں میں پھرتے۔ درہ آپ کے کندھوں پر ہوتا اور لوگوں کو آداب سکھاتے۔

آپ لوگوں کے درمیان خطبہ دیتے جبکہ آپ خلیفہ تھے اور آپ تہ بند باندھے ہوتے تھے جس میں بارہ پیوند لگے ہوتے۔ (منتخب الکنز :۴/۴۰۵)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے ''خدا کی قسم! میں زندگی کی لذتوں کی پروانہیں کرتا کہ میں اس بات کا حکم کروں کہ ایک چھوٹی بکری کی کھال نکالی جائے اور وہ بھونی جائے اور یہ حکم دوں کہ اعلیٰ درجہ کے گیہوں سے ہمارے لیے روٹیاں بنائی جائیں اور ہمارے لیے کٹے ہوئے مشکیزوں میں نبیذ بنائی جائے اور اس کا رنگ اس طرح ہو جائے جیسے چکور کی آنکھ ہوتی ہے۔ ہم اسے کھائیں اور پییں، لیکن ہم نے یہ ارادہ کیا ہے کہ ہمارا مال آخرت کے لیے باقی رہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

''تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں حاصل کر چکے اور ان کو خوب برت چکے، سو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی، اس وجہ سے کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس وجہ سے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔'' (الاحقاف)

(حلیۃ الاولیاء لابی نعیم :۱/۴۹)

آپ ایک مرتبہ اپنی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے۔ انہوں نے باسی سالن اور روٹی پیش کی اور سالن میں تھوڑا سا روغن زیتون بھی ڈال دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ایک برتن میں دو سالن؟ میں کبھی نہ کھاؤں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے مل جاؤں۔''

(طبقات ابن سعد :۳/۲۳۰)

ایک مرتبہ اپنے عہد خلافت میں سر پر چادر ڈال کر باہر نکلے۔ ایک غلام کو دیکھا کہ گدھے پر سوار جا رہا ہے۔ تھکے ہوئے تھے، لہٰذا اس سے کہا کہ مجھے بھی اپنے ساتھ بٹھا لے۔ اس نے آپ کی درخواست کے جواب میں فوراً گدھے سے اتر کر وہ گدھا سواری کے لیے آپ کو پیش کر دیا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں اپنے آرام کے لیے تمہیں تکلیف نہیں دے سکتا۔ تم جس طرح سوار تھے اسی طرح سوار رہو، میں تمہارے پیچھے بیٹھ جاؤں گا۔ چنانچہ آپ اس غلام کے پیچھے اس گدھے پر سوار ہو کر مدینہ طیبہ کی گلیوں میں داخل ہوئے اور لوگوں کو ایک غلام کے پیچھے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو بیٹھا دیکھ کر نہایت تعجب ہوا۔ (کنز العمال :۶/۳۵۳)

Marfat.com

ایک مرتبہ سیدنا احنف بن قیس رضی اللہ عنہ رؤسائے عرب کے ساتھ آپ کو ملنے کے لیے گئے۔ دیکھا کہ آپ آستینیں چڑھائے ادھر ادھر دوڑ رہے ہیں۔ احنف رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر فرمایا: ''تم بھی میرا ساتھ دو، کیونکہ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے۔ تم جانتے ہو کہ ایک اونٹ میں کتنے غریبوں کا حق ہے؟'' ایک شخص نے آپ کی اس تگ ودو اور جدوجہد کو دیکھ کر کہا: ''امیر المومنین! آپ اس قدر تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں؟ کسی غلام کو حکم فرمایئے وہ اس اونٹ کو ڈھونڈ لائے گا۔'' آپ نے فرمایا:

ای عبد منی؟

''یعنی مجھ سے بڑھ کر اور کون غلام ہو سکتا ہے؟''

ایک دفعہ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ خطبہ کے دوران فرمایا: ''لوگو! ایک زمانہ میں میں اس قدر نادار اور قلاش تھا کہ لوگوں کو پانی بھر دیا کرتا تھا اور وہ اس کے بدلہ میں مجھے چھوہارے دے دیتے تھے۔ انہی چھوہاروں پر میری گزر بسر تھی۔'' یہ بیان کر کے منبر سے اتر آئے۔ لوگوں کو آپ کی اس بات سے نہایت تعجب ہوا کہ یہ منبر پر کہنے کی کون سی بات تھی۔ فرمایا میری طبیعت میں ذرا سا عجب اور غرور آ گیا تھا۔ یہ اس کی دوا تھی۔

۲۳ھ میں سفر حج پر تشریف لے گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب آپ کی سطوت وعظمت کا سورج نصف النہار پر تھا۔ قیصر وکسریٰ کی سلطنتیں آپ کے زیر نگین ہو چکی تھیں۔ جب آپ مقام ابطح میں پہنچے تو ادھر ادھر سے سنگ ریزے سمیٹ کر ان پر کپڑا ڈال دیا اور اسی کو تکیہ بنا کر فرش خاک پر لیٹ گئے۔ پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا:

''اے اللہ! میری عمر بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ قویٰ کمزور ہو گئے ہیں لہٰذا اب مجھ کو اس دنیا سے اٹھا لے۔'' (موطا امام محمد: ۳۰۴)

غیرت:

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طبیعت میں غیرت کا مادہ بہت تھا، گویا کہ آپ بالطبع غیور تھے۔ اس بات کا اعتراف خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تھا۔ آپ کی زندگی کے مختلف واقعات سے آپ کے اس طبعی رجحان کا پتہ چلتا ہے۔ آیت حجاب نازل ہونے سے قبل مسلمان عورتیں پردہ نہیں کرتی تھیں۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی غیرت اس بے حجابی کو پسند نہیں کرتی تھی۔

Marfat.com

چنانچہ آپ نے بارگاہِ نبوت میں بار بار عرض داشت پیش کی کہ مسلمان عورتیں بالخصوص ازواج مطہرات کو پردہ کا حکم دیا جائے۔ چنانچہ آیت حجاب آپ کی خواہش کے بعد ہی نازل ہوئی۔

آپ کی اس غیرت کا لحاظ بلکہ اقرار خود لسان نبوت نے بھی فرمایا۔ صحاح کی قریباً تمام کتابوں میں باختلاف الفاظ یہ روایت منقول ہے کہ شب معراج میں حق تعالیٰ شانہ، نے آپ کو جہاں اور آیات دکھائیں وہاں جنت کا مشاہدہ بھی کرایا۔ آپ نے فرمایا: ''عمر! جنت میں میں نے ایک نہایت عالی شان محل دیکھا جو تمہارے لیے مخصوص تھا۔ میں نے اس کے اندر جانا چاہا، لیکن مجھے تمہاری غیرت یاد آ گئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لسان نبوت سے یہ سنا تو رو کر عرض کیا:

''بابی وامی یارسول اللہ! أعلیك اغار''

''میرے ماں باپ آپ پر قربان، کیا میں آپ کے مقابلہ میں غیرت کروں گا۔''

(بخاری:۱/۵۲۰)

اپنے عہد خلافت میں ایک دفعہ آپ کو پتہ چلا کہ بعض علاقوں میں مسلمان عورتیں عیسائی عورتوں کے ساتھ حماموں میں بے پردہ نہاتی ہیں۔ آپ کو یہ معلوم کر کے سخت غیرت آئی، لہٰذا آپ نے ایک گشتی مراسلہ بھیجا کہ ''مسلمان عورت کا غیر مسلم عورت کے سامنے بے پردہ ہونا جائز نہیں ہے'' اور مسلمان عورتوں کو حماموں میں جانے سے منع فرما دیا۔

حُبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جسم و روح کے رگ و ریشہ میں رچی بسی تھی اور آپ کی محبت میں وہ سب کچھ کر گزرنے کے لیے تیار تھے، چنانچہ واقعہ ایلاء میں جب کاشانہ نبوی پر بار بار اذن طلب کرنے پر بھی باریابی کی اجازت نہ ملی تو اونچی آواز سے کہا: ''یارسول اللہ! بخدا! میں حفصہ رضی اللہ عنہا کی سفارش کے لیے نہیں آیا ہوں۔ اگر آپ حکم دیں تو اس کا سر قلم کر دوں۔''

(فتح الباری:۹، ۲۵۱)

یہ بھی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا اثر تھا کہ وصال نبوی کے وقت وارفتگی کے عالم میں قسمیں کھا کھا کر اعلان کرتے تھے کہ جو یہ کہے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا اس کا سر اڑا دوں گا۔

محبت کا تقاضا اتباع ہے، لہٰذا والہانہ محبت کی بناء پر آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت

Marfat.com

سے بھی والہانہ محبت تھی، بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آپ کی کتاب زندگی کا سب سے زریں باب اتباع سنت تھا۔ خورونوش، نشست و برخاست اور لباس ووضع غرض کہ زندگی کے سب شعبوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ آپ کے پیش نظر تھا۔ ایک دفعہ سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھانا تناول فرمایا۔ معمولی کھانوں کے بعد جب عمدہ کھانے لائے گئے تو آپ نے ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا'' واللہ! اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روش سے ہٹ جاؤ گے تو حق تعالیٰ تمہیں صراط مستقیم سے ہٹا دے گا۔'' (کنز العمال: ٦/ ٣٤٥)

ایک دفعہ آپ کی صاحبزادی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا ام المومنین نے کہا کہ'' ابا جان! اب اللہ تعالیٰ نے خوش حالی عطا فرمائی ہے اس وجہ سے اب آپ کو اچھی اور نرم و نفیس غذا سے پرہیز نہیں کرنا چاہیے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے منہ سے یہ بات سن کر فرمایا'' جان پدر! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تنگی اور عسرت کی زندگی کو بھول گئی ہے؟ بخدا! میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلوں گا تا کہ آخرت کی خوش حالی نصیب ہو۔ پھر کافی دیر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عسرت کا تذکرہ فرماتے رہے یہاں تک کہ سیدہ حفصہ سلام اللہ علیہا رونے لگیں۔''

(کنز العمال: ٦/ ٣٦٥)

ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز پڑھی تھی۔ اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا معمول ہو گیا کہ جب بھی اس طرف سے گزرتے تو اتباع سنت کی خاطر اس جگہ دو رکعت نماز ادا کرتے۔ ایک شخص نے اس نماز کے بارہ میں پوچھا۔ فرمایا'' میں نے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا تھا۔'' (مسلم باب الصلوۃ بذی الحلیفہ)

آپ کی یہ دلی خواہش تھی کہ ہر شخص سنت نبوی کی اتباع کرے کیونکہ ایک مسلمان کا یہی سرمایہ حیات ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ خطبہ جمعہ میں دیکھا کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہو رہا ہے۔ آپ نے عین خطبہ کی حالت میں اس کی طرف دیکھ کر فرمایا'' یہ آنے کا وقت ہے؟'' اس نے کہا'' بازار سے آ رہا تھا، اذان کی آواز سنی اور فوراً وضو کر کے مسجد میں آیا ہوں۔'' آپ نے فرمایا'' وضو کیوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو جمعہ کو غسل کا حکم دیا کرتے تھے۔'' (بخاری، باب فضل غسل یوم الجمعہ)

متعلقین رسالت کا احترام:

جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کو اس قدر محبت تھی تو متعلقین رسالت کے

Marfat.com

ساتھ بھی آپ کو شدید محبت تھی۔ جس کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ حب رسول ﷺ کا تقاضا بھی یہی تھا کہ ان تمام لوگوں کے ساتھ محبت و احترام سے پیش آیا جائے جن کا رسالت سے تعلق ہو۔ چنانچہ آپ نے وظائف اور دوسرے تمام امور میں اس بات کا بخوبی لحاظ رکھا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سرکارِ دو عالم ﷺ کو نہایت محبوب تھیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا:

''آپ رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں اور اللہ کی قسم مجھے بھی آپ تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں۔'' (مستدرک حاکم: ۳/ ۱۵۵، کنز العمال: ۷/ ۱۱۱)

چنانچہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ سیدنا ابوبکر ﷺ نے پڑھائی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس جنازہ میں شریک ہوئے تھے۔ (کنز العمال: ۶/ ۳۱۸)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نہایت گہرے روابط اور تعلقات تھے۔ بلکہ بقول ملا باقر مجلسی اور شیخ الطائفہ ابوجعفر طوسی کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کے لیے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہی نے آمادہ کیا تھا۔ (جلاء العیون: ۱۲۱۔۱۲۲، بحار الانوار: ۱۰/ ۳۷۔۳۸، کتاب الامالی: ۱/ ۳۸)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی صرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مدح خواں اور ثنا خواں نہ تھے بلکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی ان دونوں حضرات کے فضائل و مناقب کو بخوبی بیان فرماتے رہتے تھے تاکہ لوگوں کے ذہنوں میں ان کی شخصیت سے آشنائی رہے۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا جس میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں فرمایا:

''اسلام میں سب لوگوں سے افضل جیسا کہ تم نے کہا ہے، اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ سب سے زیادہ اخلاص رکھنے والے خلیفہ صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور خلیفہ فاروق رضی اللہ عنہ تھے اور مجھے اپنی زندگی کی قسم! یقیناً اسلام میں ان دونوں کا مقام بہت عظیم ہے اور ان کی وفات اسلام کے لیے عظیم صدمہ تھا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحم فرمائے اور ان دونوں کو ان کے بہترین اعمال کے موافق جزائے خیر عطا فرمائے۔''

(شرح نہج البلاغہ لابن میثم بحرانی: ۴/ ۳۶۲، مطبع حیدریہ طہران)

اپنے دور خلافت میں ایک مرتبہ لوگوں کو ایک خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مقام لوگوں کے سامنے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

Marfat.com

''جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں سے انتقال میں سبقت فرمائی۔ پھر دوسرے نمبر پر ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، پھر تیسرے نمبر پر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ پھر ہم کو کئی فتنوں نے پریشان کیا یا دوسرے لفظوں میں ہم پر فتنے آ پہنچے۔ پس جو اللہ تعالیٰ نے چاہا سو ہوا۔''

(مسند احمد بن حنبل:۱/ ۱۴۷، طبقات ابن سعد:۶/ ۸۹، تذکرہ قیس، التاریخ الکبیر، بخاری:۴/ ۱۷۳،حلیۃ الاولیاء لابی نعیم:۵/ ۷۴)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہوا اور آپ کو چارپائی پر رکھا گیا۔ لوگ اظہار تاسف کے لیے ارد گرد جمع تھے۔ میں بھی ان لوگوں میں موجود تھا جو چارپائی کے گرد جمع تھے۔ اس وقت میری پشت کی طرف سے آ کر میرے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اے عمر رضی اللہ عنہ! اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ آپ کے دونوں ساتھیوں (سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) کی معیت میں کر دے گا اور ان سے ملا دے گا۔ کیونکہ میں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ نے اس طرح کام کیا اور میں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور میں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ خارج ہوئے، میں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ عمر چل پڑے۔ (بخاری:۵۱۹، مسلم:۲/ ۲۷۴، مسند احمد:۱/ ۱۱۲ابن ماجہ:۱۰)

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے جنازے پر کھڑے ہو کر فرمایا:

''اس کفن پوش سے بہتر شخص میرے نزدیک اور کوئی نہیں ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں جیسا کہ اس کا اعمال نامہ ہے، میرا بھی اعمال نامہ ایسا ہی ہو۔''

(کتاب الآثار، امام محمد:۱۴۶، کتاب الآثار لابی یوسف:۲۱۵)

شاید یہی وجہ تھی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں بطور گواہ شامل ہوئے جیسا کہ المناقب خوارزمی:۲۵۱، کشف الغمہ:۱/ ۳۸۳، بحار الانوار:۱۰/ ۳۸ پر مرقوم ہے۔

مختصر یہ کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ان تمام حضرات سے محبت و مودت کے گہرے تعلقات تھے جن کا تعلق سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا۔

Marfat.com

عدل فاروقی:

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دنیا میں عدل وانصاف کی وہ مثالیں قائم کیں جن کی نظیر ان کے بعد دنیا والوں کو نہیں مل سکتی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا وہ قول بالکل صحیح ثابت ہوا جس میں آپ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا''آپ نے اپنے بعد کے خلفاء کو مشقت میں ڈال دیا ہے۔'' (البدایہ والنہایہ: ۱۳۶/۷)، سیرۃ عمر بن خطاب لابن جوزی: ۱۴۰) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں نہ صرف حکومت کا ڈھانچہ بہتر بنایا بلکہ رعایا کے ساتھ بھی ایسا عدل و مساوات کا سلوک کیا کہ وہ آپ پر اپنی جان چھڑکنے لگے۔

آپ کی رعایا میں مسلمان بھی تھے اور دوسرے مذاہب کے ساتھ تعلق رکھنے والے لوگ بھی تھے۔ عموماً سربراہان مملکت دوسری قوموں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے، لیکن آپ نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ وہ ان کی گرویدہ ہوگئیں۔ ان کے عہد کا سب سے نمایاں وصف یہ ہے کہ شاہ وگدا، ادنیٰ واعلیٰ، خویش، و بیگانہ، شریف ورذیل اور مسلم وغیر مسلم قانون کی نگاہ میں سب برابر تھے۔

آپ نے غیر مسلموں کے دینی، معاشرتی اور بنیادی حقوق کی پورے طور پر حفاظت کی۔ جہاں کہیں بھی غیر مسلموں سے معاہدہ کیا۔ ان میں انہیں وہ تمام حقوق دیئے جو ایک مسلمان رعایا کو دیئے ہوئے تھے۔ چنانچہ اہل جرجان کے ساتھ ایک معاہدہ میں یہ لکھا گیا کہ ''ان کی جان و مال اور مذہب وشریعت سب کو امان ہے ان میں سے کسی شے میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔'' یہ بات صرف الفاظ ہی تک محدود نہ تھی بلکہ عملی طور پر بھی ان شرائط کو پورا کیا جاتا تھا۔ چنانچہ آپ اپنے گورنروں کو ان معاہدات کی پابندی کرنے کی وقتاً فوقتاً تاکید فرماتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا:

''مسلمانوں کو غیر مسلم رعایا پر ظلم کرنے، ان کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے اور بے وجہ ان کا مال کھانے سے روکو، اور جو شرائط ان سے کی گئی ہیں ان کو پورا کرو۔''

(کتاب الخراج: ۸۲)

کسی ذمی کو قتل کرنا تو بڑی بات ہے اگر کوئی شخص ان کی املاک کو نقصان پہنچاتا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کا معاوضہ دلاتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ فوج نے شام کے ایک ذمی کی زراعت تباہ

Marfat.com

کر دی۔ آپ کو پتہ چلا تو سرکاری بیت المال سے دس ہزار درہم معاوضہ دلایا۔

(کتاب الخراج: ۶۸)

جزیہ کی اس وصولی میں ان پر کسی قسم کی کوئی سختی نہ کی جاتی۔ شام کے سفر میں ایک دفعہ کچھ لوگوں کو سختی کرتے دیکھا تو فرمایا کہ ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ لوگوں کو تکلیف نہ دو۔ جو دنیا میں لوگوں کو تکلیف دیتے ہیں اللہ تعالیٰ قیامت میں انہیں عذاب دے گا۔''

اسی سلسلہ میں یہ واقعہ بھی ہماری اس بات کی تائید کرتا ہے کہ ایک دفعہ آپ نے ایک عیسائی بوڑھے کو بھیک مانگتے دیکھا۔ پوچھا کیوں بھیک مانگتا ہے؟ اس نے کہا کہ مجھ پر حکومت نے جزیہ لگایا ہے اور اس کو ادا کرنے کے لیے میرے پاس رقم نہیں ہے۔ آپ اسے اپنے گھر لے گئے اور اسے کچھ رقم دے کر بیت المال کے انچارج کو کہلا بھیجا کہ ایسے لوگوں کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا جائے۔ بخدا! یہ بات انصاف کے تقاضوں کے خلاف ہے کہ ان لوگوں کی جوانی سے تو ہم فائدہ اٹھائیں اور بڑھاپے میں ان کو نکال دیں تا کہ وہ بھیک مانگتے پھریں۔''

آپ کو غیر مسلم رعایا کا اتنا خیال تھا کہ اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو یہ وصیت کی کہ:

''میں ان لوگوں کے حق میں جن کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ دیا گیا ہے، یہ وصیت کرتا ہوں کہ ان سے جو عہد کیا گیا ہے اسے پورا کیا جائے۔ ان کی حمایت میں لڑا جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دی جائے۔''

یہ تو غیر مسلم رعایا کے ساتھ عدل و انصاف تھا لیکن آپ نے خود مسلمانوں میں چھوٹے بڑے امتیاز کو ختم کیا اور بتا دیا کہ قانون کی نگاہ میں سب برابر ہیں۔ جبلہ بن ایہم نیا نیا مسلمان ہو کر آیا۔ طواف کعبہ میں اس کی چادر کا ایک کونہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آ گیا۔ جبلہ نے غصے میں اسے تھپڑ مار دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ دیا کہ وہ بدو بھی اتنے ہی زور سے جبلہ کو تھپڑ مارے گا جتنے زور سے جبلہ نے اسے مارا ہے۔ جبلہ کو اس فیصلے پر تعجب ہوا کیونکہ ایسا فیصلہ اس سے قبل نہ دیکھا نہ سنا۔ جبلہ نے کہا اگر اسلام ایسا دین ہے جس میں شریف و رذیل کا امتیاز نہیں تو میں اس اسلام سے باز آتا ہوں۔ چنانچہ وہ مرتد ہو کر قسطنطنیہ بھاگ گیا۔ لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کوئی پروا نہ کی اور عدل و انصاف کے صاف اور شفاف جامہ پر کوئی حرف نہ آنے دیا۔

Marfat.com

بے جا امتیازات ویسے بھی آپ کی طبع نازک پر گراں گزرتے تھے۔ چنانچہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے نے ایک دفعہ ایک شخص کو بے وجہ مارا۔ بارگاہِ خلافت میں جب اس کی شکایت ہوئی تو آپ نے اس مضروب سے اس کو کوڑے لگوائے اور یہ کوڑے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ گورنر مصر کی موجودگی میں لگے لیکن وہ کچھ بول نہ سکے۔

آپ غلاموں کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاتے تھے اور حاضرین کو سنا کر فرماتے تھے۔

''خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جنہیں غلاموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانے میں شرم آتی ہے۔''

شعبی کا بیان ہے کہ کھجوروں کے کاٹنے پر سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے درمیان کچھ نزاع ہو گیا۔ سیدنا ابی رضی اللہ عنہ رو دیئے اور کہا ''عمر! تمہاری خلافت میں ایسا ہوا؟'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے اور اپنے درمیان مسلمانوں میں سے کسی کو فیصل بنا لو۔ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو فیصل بناتا ہوں'' یہ دونوں حضرات سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ہم دونوں تمہارے پاس اس لئے آئے ہیں تاکہ تم ہمارے درمیان فیصلہ کرو۔'' سیدنا زید رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں بیٹھ کر فیصلہ دیا کرتے تھے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بٹھانا چاہا اور کہا: ''امیر المومنین یہاں تشریف رکھئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یہ پہلا ظلم ہے جو تمہارے فیصلے میں جاری ہوا۔ میں مدعی کے ساتھ بیٹھوں گا۔'' یہ دونوں حضرات سیدنا زید رضی اللہ عنہ کے سامنے بیٹھ گئے۔ سیدنا ابی رضی اللہ عنہ نے دعویٰ پیش کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے دعویٰ سے انکار کیا۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابی رضی اللہ عنہ سے کہا ''امیر المومنین کو قسم کھانے سے معذور رکھو (شرعی قاعدہ کی بناء پر اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعا علیہ سے قسم لی جاتی ہے) اور میں قسم کی معافی کا کسی کے لیے سوائے ان کے سوال نہیں کرتا ہوں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی اور پھر قسم کھا کر فرمایا ''زید رضی اللہ عنہ صحیح فیصلہ پر نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ عمر رضی اللہ عنہ اور مسلمان رعایا ان کے نزدیک برابر نہ ہوں۔'' (کنز العمال: ۳/۱۷۳، ۱۸۱)

یہ واقعہ بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عدل گستری کی ایک روشن مثال ہے جس کو سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ ایک مصری سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی ''امیر المومنین! میں ظلم سے آپ کی پناہ پکڑنے آیا ہوں۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں نے

Marfat.com

تجھے پناہ دی۔'' اس شخص نے کہا ''میں نے گورنر مصر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے کے ساتھ دوڑ میں بازی لگائی اور میں اس سے آگے نکل گیا۔ اس نے غصہ میں آ کر مجھے کوڑے سے مارنا شروع کیا اور کہتا تھا ''میں بڑے آدمی (گورنر مصر) کا بیٹا ہوں۔'' یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے گورنر مصر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اپنے بیٹے کو لے کر بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوں۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کو لے کر مدینہ حاضر ہوئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''وہ مصر کا رہنے والا کہاں ہے؟'' جب وہ حاضر ہوا تو فرمایا ''یہ لے کوڑا اور اس بڑے آدمی کے بیٹے کو اسی طرح مار جس طرح اس نے تجھے مارا تھا۔'' اس مصری نے کوڑا لے کر اس کو مارنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ اس نے اپنا بدلہ لے لیا۔ اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی چندیا پر بھی کوڑے مار۔'' مصری نے کہا ''امیر المومنین! اس کے بیٹے نے مجھے مارا ہے، انہوں نے نہیں مارا۔ اور میں اپنا بدلہ لے چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا ''مار اس کو بھی کیونکہ اسی کی شہ پر تو اس نے تجھے مارا۔ پھر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

''کب سے تم نے لوگوں کو اپنا غلام بنا رکھا ہے حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا ہے۔''

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''مجھے اس واقعہ کا کچھ علم نہیں اور نہ یہ آدمی شکایت لے کر میرے پاس آیا۔'' (کنز العمال: ۴/۴۲۰)

ایک جنگ میں سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ایک سپاہی نے مال غنیمت جمع کیا۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اسے مال غنیمت میں سے حصہ دیا لیکن پورا نہ دیا۔ اس شخص نے وہ مال لینے سے انکار کیا اور کہا کہ میں تو پورا حصہ لوں گا۔ اس پر سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس کو بیس کوڑے مارے اور اس کا سر منڈا دیا۔ اس شخص نے اپنے منڈے ہوئے بال جمع کیے اور ان کو لے کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ان بالوں کو جیب سے نکال کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سینے پر پھینک دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ ''تجھے کیا ہوا؟'' اس نے اپنا سارا قصہ سنایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسی وقت سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خط لکھا:

''السلام علیکم! فلاں بن فلاں نے مجھے ایسا بتایا ہے اور میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ اگر تم نے ایسا کیا ہے، اگر تم نے لوگوں کے مجمع میں ایسا کیا ہے تو اس کے لیے لوگوں کے مجمع میں بیٹھو اور وہ تم سے بدلہ لے۔ اور اگر تم نے وہ بات خلوت میں کی ہے تو تم

Marfat.com

خلوت میں اس کے لیے بیٹھو تا کہ وہ تم سے بدلہ لے، جب اس شخص نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو وہ خط دیا وہ اسی وقت بدلہ دینے کے لیے بیٹھ گئے۔ یہ دیکھ کر اس شخص نے کہا ''میں نے اللہ کے لیے معاف کیا۔''

(المحلی ابن حزم: ۹/۲۰،۷ بیہقی: ۹، کنز العمال: ۷/۲۹۹)

ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فیروز دیلمی کو خط لکھا کہ:

''مجھے اطلاع ملی ہے کہ تمہیں شہد میں نلی کا گودا ملا کر کھانے نے کاموں سے روک دیا ہے۔ جونہی میرا یہ خط تمہیں ملے تم یہاں میرے پاس آ جاؤ اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرو۔ اللہ تمہیں برکت دے۔''

چنانچہ فیروز دیلمی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اجازت دے دی۔ قریش کا ایک نوجوان بھی اسی وقت اندر داخل ہونے لگا۔ اس کی اس سے ٹکر ہو گئی۔ فیروز نے اس نوجوان کی ناک پر ایک مکا مارا جس سے اس کی ناک سے خون بہنے لگا۔ وہ خون میں تر بتر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا ''یہ کس نے کیا؟'' قریشی نوجوان نے کہا ''فیروز دیلمی نے''۔ چنانچہ فیروز بھی اندر داخل ہوا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''فیروز! یہ کیا ہے؟'' فیروز نے کہا 'امیر المومنین! آپ نے مجھے خط لکھ کر بلایا جب کہ اس نوجوان کو آپ نے خط لکھ کر نہیں بلایا۔ مجھے آپ نے اندر آنے کی اجازت دے، اسے داخلہ کی اجازت نہیں ملی۔ اس نے یہ چاہا کہ میری اجازت میں مجھ سے پہلے داخل ہو جائے۔ اس لیے میں نے غصہ میں ایسا کیا۔'' سیدنا عمر نے فرمایا: ''قصاص دو''۔ فیروز نے کہا ''قصاص ضروری ہے؟'' آپ نے فرمایا ''ہاں''۔ یہ سن کر فیروز گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور وہ نوجوان بدلہ لینے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا ''اتنی دیر قصاص سے رک جا کہ میں تجھے اس بات کی خبر دے دوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ ایک روز صبح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اسود عنسی جس نے جھوٹا دعویٰ نبوت کیا تھا آج رات قتل کر دیا گیا ہے اور اس کو ایک نیک اور بھلے بندے دیلمی نے قتل کیا ہے۔'' اے نوجوان! کیا تو اپنے آپ کو اس کے بعد بھی قصاص لینے والا خیال کرتا ہے؟ جبکہ تو نے یہ بات سن لی۔ نوجوان نے عرض کی ''میں اسے معاف کرتا ہوں۔'' فیروز نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کی ''کیا آپ یہ دیکھتے ہیں کہ یہ بات مجھے اس شے سے نجات دینے والی ہے جو میں

Marfat.com

نے کی۔ اور میں نے اس بات کا اس لیے اقرار کیا کہ اس نے بغیر کسی جبر کے مجھے معاف کر دیا۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا'' ہاں۔'' فیروز نے کہا'' میں آپ کو اس بات کا گواہ بناتا ہوں کہ میری تلوار، میرا گھوڑا اور تیس ہزار کی رقم میں نے اپنے مال سے اس کے لیے ہبہ کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس قریشی نوجوان سے فرمایا'' اے نوجوان! تو نے معاف کیا، تجھے اجر بھی ملا اور تو نے مال بھی لیا۔'' (کنز العمال: ۸۳/۷)

سیدنا ایاس بن سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بازار میں سے گزر رہے تھے، آپ کے پاس آپ کا کوڑا (درہ) تھا۔ آپ نے مجھے کوڑے سے حرکت دی۔ وہ کوڑا میرے کپڑے کے کنارے پر لگا اور فرمایا'' راستہ سے کوڑا کرکٹ صاف کر دے۔'' جب اگلا سال آیا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے ملے اور پوچھا'' کیا تو حج کا ارادہ کر رہا ہے؟'' میں نے کہا'' جی ہاں''۔ آپ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی قیام گاہ پر لے گئے اور مجھے چھ سو درہم مرحمت فرمائے اور فرمایا'' اس رقم سے حج کرنا اور تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ یہ رقم اس کوڑے کی وجہ سے ہے جس سے میں نے تجھے گزشتہ سال ٹہوکا دیا تھا۔'' میں نے عرض کی'' امیر المومنین! مجھے تو یہ بات یاد نہیں۔'' آپ نے فرمایا'' میں تو اسے نہیں بھولا۔'' (طبری: ۳۳/۳)

یہ تو صرف چند واقعات ہیں وگرنہ اس قسم کے سینکڑوں واقعات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی کتاب زندگی میں موجود ہیں جن سے عدل فاروقی کا پتہ چلتا ہے۔

فضائل ومناقب:

احادیث نبویہ میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے مناقب وفضائل بے شمار آئے ہیں۔ تمام امت اس بات پر متفق ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے افضل اور بلند مرتبت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں اور پھر ان کے بعد سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا مقام ہے۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سیدنا محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ایک دفعہ پوچھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام لوگوں میں سے بہترین شخص کون ہے؟ انہوں نے فرمایا:

ابوبکرؓ قال ثم من؟ قال عمرؓ وخشیت ان یقول عثمانہ قلت ثم انت؟ قال ما انا الارجل من المسلمین۔

''ابوبکر رضی اللہ عنہ، پوچھا پھر کون؟ فرمایا عمر رضی اللہ عنہ، مجھے خیال گزرا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے بعد

Marfat.com

عثمان رضی اللہ عنہ کا نام لیں گے، لہٰذا میں نے ازخود کہہ دیا کہ پھر آپ سب سے بہترین ہیں۔ فرمایا میں تو مسلمانوں میں سے ایک ہوں۔'' (بخاری: ۱/۵۱۷، ابوداؤد ۲/ ۲۸۸)

ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے بہترین آدمی ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے بعد ہم سے کئی نئی چیزیں صادر ہوئیں۔ ان کے بارہ میں اللہ تعالیٰ جو فیصلہ چاہے گا فرمائے گا۔'' (مسند احمد بن حنبل: ۱/ ۱۱۵، ۱۰۶)

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا کہ میں نے آپ سے بہتر کوئی شخص نہیں دیکھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا ''تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے؟'' اس نے کہا نہیں۔ پھر آپ نے پوچھا: ''تو نے ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا: ''نہیں'' آپ نے فرمایا: ''اگر تو کہتا کہ میں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا ہے تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔ اور اگر تو کہتا کہ میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے تو میں تجھے المناک سزا دیتا۔''

(کتاب الآثار لابی یوسف: ۲۰۷، فضائل ابی بکر لابی طالب عشاری: ۸/ کنز العمال: ۶/ ۳۷۰)

پھر صحاح میں ان دونوں حضرات کو پختہ عمر کے جنتیوں کا سردار فرمایا گیا۔

(ملاحظہ ہو ترمذی باب مناقب ابی بکر، سنن ابن ماجہ باب فضل ابی بکر رضی اللہ عنہ، کنز العمال: ۲/ ۱۴۲، ۳۶۶ وغیرہ)

لیکن ان فضائل و مناقب کے علاوہ بھی اور بہت سے فضائل احادیث نبویہ میں آئے ہیں جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں۔

امت محمدیہ کے پہلے محدث:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس امت کے سب سے پہلے محدث ہیں جن کی شہادت خود لسان نبوت نے دی ہے۔ چنانچہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بے شک تم سے پہلے بنی اسرائیل میں ایسے لوگ بھی ہوئے جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل کیا، لیکن وہ نبی نہ تھے۔

فان یك من امتی احد فعمر

Marfat.com

''میری امت میں اگر کوئی ایسا ہے تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہے۔'' (بخاری:۱/۵۲۱)

دوسری روایت میں ان کے لیے ''محدث'' کا لفظ استعمال کیا ہے (مسلم:۲/۲۷۶) محدث کون ہوتا ہے؟ اس کے بارہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''محدث'' کا لفظ دال کی زبر سے ہے اور اس سے وہ صادق الظن شخص مراد ہے جس کے قلب میں ملاء اعلیٰ سے کوئی شے القاء کی جاتی ہے۔ پھر اسی طرح ہوتا ہے جیسے اس نے کسی کو اس کی خبر دی تھی۔ ابو احمد عسکری نے یہ بات بڑے جزم و یقین سے کہی ہے۔ (فتح الباری)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''عبداللہ بن وہب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محدث سے مراد وہ ملہم لوگ ہیں جو صادق الظن ہوتے ہیں۔ ان کا گمان بھی درست ہوتا ہے، گویا انہیں کوئی شے القاء کی جاتی ہے اور وہ اس پر اپنی رائے قائم کر لیتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ فرشتے ان سے باتیں کرتے ہیں۔ بعض روایات میں ان کے لیے ''مکلمون'' کا لفظ بھی آیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حق اور صواب ان کی زبانوں پر گردش کرتا ہے۔ اس حدیث سے اولیاء کرام کے لیے کرامات کا ثبوت بھی ملتا ہے۔'' (نووی شرح مسلم:۲/۲۷۶)

راہ نبوت کے کمالات ان ارباب کمال (محدث حضرات) کو کحل قدسی سے سرگیں کر دیتے ہیں اور اس کحل قدسی کی وجہ سے ان کی بصیرتوں کا نور حدت اور تیزی قبول کرتا ہے اور ان کی بصیرت قدسی آنکھ کی طرح کھل جاتی ہے یہاں تک کہ وہ جس شے کی طرف التفات فرماتے ہیں اس شے کے حقوق و دقائق کو اپنی استعداد کے مطابق کما حقہ دریافت کر لیتے ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ''محدث'' ہونے کی خبر دی تھی وہ بلا وجہ نہ تھی بلکہ آپ نے اس کی قدسی آنکھ کے ادراک کو پوری طرح بھانپ لیا تھا۔ پھر اسی قدسی آنکھ کے کمالات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خطبہ جمعہ میں بھی دیکھے کہ ہزاروں میل کے فاصلہ سے ''یا ساریۃ الجبل'' کی آواز دے رہے ہیں اور ساریہ ان کی آواز کو سن کر پہاڑ پر چڑھ جاتے ہیں۔ (اسد الغابہ:۴/۴۵) اور اسی قدسی کحل سے سرگیں آنکھ ہی کی وجہ سے نماز میں حقائق پر بلا التفات اس طرح کھلتے ہیں کہ اسلامی لشکر کی پوری تیاری آپ پر اتار دی جاتی ہے اور پھر اسی قدسی آنکھ نے جو کچھ دیکھا ہوتا وہ اس عالم میں وجود کا لباس پہن لیتا۔

یہی وجہ تھی کہ آپ نہایت صائب الرائے تھے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

Marfat.com

فرماتے تھے کہ عمر رضی اللہ عنہ جب کسی معاملہ میں یہ کہتے تھے کہ میرا اس کی نسبت یہ خیال ہے تو ہمیشہ وہی پیش آتا تھا جو ان کا خیال ہوتا تھا (بخاری، باب اسلام عمر رضی اللہ عنہ) اس سے زیادہ اصابت رائے کی کیا دلیل ہوگی کہ ان کی بہت سی آراء دینی احکام کا درجہ اختیار کر گئیں ہیں اور آج تک قائم ہیں۔

اسی طرح سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن پہلے پردہ نہیں کرتی تھیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس بات کو ناپسند فرماتے تھے چنانچہ انہوں نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر بھی کیا۔ اللہ نے ان کی اس خواہش کے مطابق آیت حجاب نازل فرمائی۔

عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین تھا۔ جب مرا تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھنی چاہی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مانع ہوئے کہ آپ منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی تائید میں یہ آیت نازل ہوئی:

ولاتصل علی احد منھم

''یعنی آپ ان منافقوں کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں''

یہ تو صرف چند واقعات ہیں ورنہ تاریخ کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ جہاں جہاں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی آراء مختلف ہوئیں اکثر و بیشتر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے ہی صائب نکلی۔ قرآن حکیم انہی کی رائے سے مرتب ہوا اور ان کی یہ رائے بھی واقعات نے بتایا کہ صائب تھی۔ رائے کے اس طرح صائب ہونے کی ایک ہی وجہ تھی کہ آپ ''محدث'' تھے اور محدث کی بات عالم علوی کے ربط کی راہ سے دوسروں کے مقابلہ میں صائب ہوتی ہے۔

ملاءِ اعلیٰ کے اس ربط کے اعتبار سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہوتا۔ ربط رسالت میں کوئی شخص سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے نہیں بڑھ سکا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اگر رحمتہ اللعالمین تھے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ''ارحم امتی بامتی'' تھے اور جس پر اللہ تعالیٰ کے جلال کا پرتو پڑا ہو وہ ''اشدھم فی امر اللہ'' کا مصداق ہوتا ہے۔ ویسے تو یہ دونوں بزرگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرب تھے لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ ربط رسالت سے زیادہ ممتاز ہوئے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ربط خداوندی سے کچھ ایسے مربوط تھے کہ حضور علیہ السلام نے ان دونوں کو ترتیب سے ذکر کیا۔ ''ارحم امّی بامتی ابوبکر، واشدھم فی امرا اللہ عمر'' لیکن اللہ تعالیٰ نے اشد ہونا سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پہلی صفت بیان فرمائی۔ ''اشداء علی الکفار'' اور پھر دوسری صفت

Marfat.com

''رحماء بینھم'' ذکر کی۔ گویا حضور علیہ السلام نے اپنے سے ربط رکھنے والے کو پہلے بیان کیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے سے ربط رکھنے والے کو پہلے بیان فرمایا۔ اسی طرح زمین و آسمان کو مخاطب کرنا شان خداوندی ہے کیونکہ یہ عالم تکوین کے دائرے میں ہیں اور اسی کے حکم سے گھوم رہے ہیں۔ اسی طرح ہواؤں اور دریاؤں کو حکم دینا بھی عالم تکوین کی بات ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ روحانیت کے اس مقام پر تھے کہ ہوا کو حکم دیں تو وہ آپ کا پیام ساریہ رضی اللہ عنہ تک پہنچا دے اور دریائے نیل کے پانی کو خط لکھیں تو وہ اس طرح جاری ہو جائے کہ پھر آج تک خشک نہ ہو۔ اسی طرح عزت و ذلت عالم تکوین کے فیصلے ہیں۔ خود قرآن حکیم میں ہے۔

''اے اللہ! تو مالک الملک ہے تو جس کو چاہے ملک اور سلطنت دے اور جس سے چاہے واپس لے لے۔ جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے تیرے ہی ہاتھ میں ہر بھلائی ہے اور بے شک تو ہر شے پر قادر ہے۔'' (آل عمران: ۲۵)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو اسلام کو عزت ملی اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگا ہی انہیں اسلام کی عزت کے لیے تھا۔ ''**اللھم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب**''

اسی لیے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جب سے عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تب سے اسلام کی حالت ایک ایسے اقبال مند شخص کی سی ہوگئی جس کا ہر قدم ترقی کی جانب گامزن ہوتا ہے اور جب آپ شہید ہوئے تو اسلام کے عروج اور ترقی میں کمی آتی گئی اور اس کا ہر قدم پیچھے کی طرف پڑنے لگا۔'' (طبقات ابن سعد: ۳، تاریخ الخلفاء سیوطی: ۱۱۵)

عالم علوی سے اس ربط کے باعث آپ کو ''شہید'' کی سند ملی کیونکہ قرآن حکیم نے الٰہی انعام پانے والے صرف چار طبقوں کا ذکر کیا ہے (۱) انبیاء (۲) صدیق (۳) شہداء اور (۴) صالحین۔ نبوت تو ویسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اختتام پذیر تھی اور صدیق ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، لہٰذا انہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد کا درجہ لسان نبوت سے ملا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز احد پہاڑ کو مخاطب کر کے فرمایا:

اثبت اُحد، فانما علیك نبی و صدیق و شهیدان

''اے احد! ساکن ہو جا، اس وقت تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔''

(بخاری: ۱/۵۱۹)

Marfat.com

مختصر یہ کہ آپ اس امت کے محدث تھے اور یہ محدث ہونا آپ کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز اور آپ کی کتاب مناقب کا ایک اہم باب تھا۔

حق گوئی کی آسمانی تصدیق:

حق گوئی ویسے تو ہر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف تھا۔ اسی وجہ سے تمام امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ''تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں'' لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی حق گوئی اور صداقت کی تصدیق اور گواہی خود لسان نبوت نے دی۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ جعل الحق علی لسان عمرو قلبہ (ترمذی)

''یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے حق کو عمر رضی اللہ عنہ کی زبان اور دل پر جاری فرمادیا ہوا ہے۔''

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ حدیث بیان فرمائی تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا:

''جب بھی لوگوں پر کوئی واقعہ رونما ہوتا اور انہوں نے اس بارہ میں کچھ کہا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس بارہ میں کچھ کہا تو قرآن حکیم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی تائید فرمائی۔''

جنت میں محل کی بشارت:

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے خواب دیکھا کہ میں جنت میں ہوں۔ وہاں میں نے اپنی رضاعی خالہ رمیصاء زوجہ ابی طلحہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور میں نے کسی کے قدموں کی آواز سنی۔ میں نے پوچھا۔ ''یہ کون ہے؟'' بتایا گیا ''یہ بلال رضی اللہ عنہ ہیں۔'' پھر میں نے ایک محل دیکھا جس کے سامنے ایک لونڈی کھڑی تھی۔ میں نے پوچھا ''یہ کس کا محل ہے؟'' جواب ملا ''عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا۔'' میں نے چاہا کہ اس محل کو اندر جا کر دیکھوں، لیکن اے عمر رضی اللہ عنہ مجھے تیری غیرت یاد آ گئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

بابی و امی یارسول اللہ! علیک اغار (بخاری:۱/۵۲۰)

''میرے ماں باپ آپ پر قربان، کیا میں آپ پر غیرت کھاؤں گا۔''

Marfat.com

علمی شان:

سیدنا ابوحمزہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم نے ارشاد فرمایا:

''میں سویا ہوا تھا، کیا دیکھتا ہوں کہ میں نے دودھ پیا ہے یہاں تک کہ اس کی سیرابی میرے ناخنوں سے باہر نکلنے لگی، پھر میں نے وہ عمر رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔'' (بخاری:۱/۵۲۱)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس روایت کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

رایت کانی اتیت بقدح لبن فشربت فاعطیت فضلی عمر بن الخطاب

''میں نے (خواب میں) دیکھا کہ مجھے دودھ کا ایک پیالہ دیا گیا جسے میں نے پیا اور جو باقی بچا وہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔'' (ترمذی:۴/۵۶۴)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تعبیر پوچھی گئی تو آپ نے اس کی تعبیر میں فرمایا: ''العلم'' یعنی وہ دودھ علم تھا۔ اس روایت میں شان فاروقی یہ بتائی کہ آپ کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالے سے بچے ہوئے دودھ سے جو دیا گیا وہ علم تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے علم میں سرشار صحابی بھی فرمایا کرتے تھے ''اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے اور عمر رضی اللہ عنہ کا علم دوسرے پلہ میں تو عمر رضی اللہ عنہ کا پلہ بھاری رہے گا۔

(استیعاب تذکرہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ)

جس شخص کی علمی حیثیت اتنی وزنی ہو پھر اس کی زبان سے ہمیشہ سچ ہی نکلتا ہے گو اسے خود اس کے بواعث پر اطلاع نہ ہو۔ وہ ایسا صدق آشنا ہوتا ہے کہ اس کی زبان سے صداقت و حقانیت کے چشمے پھوٹتے رہتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جس کے آگے صرف نبوت ہے۔ اور اگر آپ نبی نہ ہوئے تو اس کی صرف یہ وجہ تھی کہ باب نبوت بند ہو چکا تھا۔ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''خاتم النبین'' تھے اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ اسی وجہ سے ایک حدیث میں فرمایا گیا ''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہوتا۔'' (جامع ترمذی:۲/۵۶۳) معلوم ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ولایت الٰہی کے جملہ مراتب طے کر چکے تھے۔

قبائے دین کی عطاء:

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے

Marfat.com

نامدار سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں سویا ہوا تھا کہ میں نے دیکھا کہ لوگ مجھ پر پیش کیے جا رہے ہیں۔ اور وہ قمیصیں پہنے ہوئے ہیں۔ بعض لوگوں کی قمیصیں سینہ تک ہیں اور بعض کی اس سے بھی کم اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب بھی گزرے اور ان پر جو قمیض تھی وہ ایسی تھی جو زمین پر گھسٹتی جا رہی تھی۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کیا مراد ہے۔'' فرمایا: ''اس سے مراد دین ہے جو قمیض کی شکل میں مجھے دکھایا گیا ہے۔'' (صحیح مسلم: ۱۲۶)

حدیث سے معلوم ہوا کہ قبائے دین آپ کے جسد کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھی۔ وہ قمیض زمین پر گھسٹتی کیوں جا رہی تھی؟ وہ اس لیے کہ آپ کے عمل کی پیروی اس امت میں جاری وساری ہوگی۔ گویا عمل کے پیرائے میں آپ امت میں مقتدیٰ ہوں گے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھنے کی سعادت:

جامع ترمذی میں ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

انا اول من تنشق عنه الارض ثم ابوبكر ثم عمر ثم اتى اهل البقيع

''یعنی میں پہلا شخص ہوں گا جس کی قبر کھلے گی پھر ابوبکر کی پھر عمر رضی اللہ عنہ کی۔ پھر میں بقیع آؤں گا اور وہاں کے مدفون لوگ میرے ساتھ جمع کیے جائیں گے۔''

یہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب میں ایک ایسا اضافہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کسی کو یہ اعزاز حاصل نہیں ہوا کہ ان کا دو انبیاء کرام علیہم السلام (جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام) کے درمیان حشر ہوگا۔ پھر ان تینوں حضرات کا اس ترتیب سے اٹھنا جس ترتیب کے ساتھ حدیث میں مرقوم ہے ان دونوں حضرات کے لیے ایک طرہ امتیاز ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز مسجد میں اس حال میں داخل ہوئے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب تھے اور عمر رضی اللہ عنہ بائیں جانب۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((هكذا نبعث يوم القيامة))

''قیامت کے روز بھی ہم اسی طرح اٹھیں گے۔'' (کنز العمال: ۱۳/ ۱۷)

Marfat.com

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مقام خلافت:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکارِ مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

''میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک کنویں پر پانی کا ڈول کھینچ رہا ہوں۔ اتنے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ آ گئے۔ آپ نے ایک دو ڈول نکالے ہوں گے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آ گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ڈول کھینچنے میں کچھ کمزوری تھی۔ حق تعالیٰ آپ کو معاف فرما دیں گے۔ عمر رضی اللہ عنہ کے ڈول کھینچنے کے وقت ڈول بڑا ہوگیا۔ میں نے کسی عبقری (سردار) کو اس طاقت اور توانائی کے ساتھ پانی نکالتے نہیں دیکھا یہاں تک کہ سب لوگ سیراب ہوگئے اور انہوں نے اپنے اونٹ تک سیراب کر کے اپنے مناخ میں بٹھا دیئے۔'' (بخاری،۱/۵۲۰)

اس حدیث میں آپ کی خلافت کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کی خلافت میں خلق خدا کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے گا اور آپ کی خلافت کے فیوض و برکات سے لوگ زیادہ سے زیادہ مستفید ہوں گے۔

شیطان آپ سے بھاگتا ہے:

ایک مرتبہ قریش کی کچھ عورتیں اونچی آواز سے باتیں کر رہی تھیں۔ اتنے میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نام سنتے ہی یہ سب پردے میں چلی گئیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اندر آنے کی اجازت ملی تو آپ نے اندر آ کر دیکھا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک مسکرا رہا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کے چہرہ کو ہمیشہ مسکراتا رکھے لیکن اس وقت مسکرانے کی کیا وجہ تھی؟ آپ نے ارشاد فرمایا'' مجھے ان عورتوں پر تعجب ہو رہا ہے جو تمہاری آواز سنتے ہی پردے میں چلی گئیں۔'' آپ نے ان بیبیوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا'' تم مجھ سے ڈرتی ہو اور حضور علیہ السلام سے نہیں ڈرتیں؟'' انہوں نے کہا: ''ہاں ایسا ہی ہے کیونکہ آپ بہت سخت مزاج ہیں۔'' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

Marfat.com

''اے خطاب کے بیٹے! سن لو، تجھے چلتے ہوئے شیطان کسی راستے میں نہیں ملتا کیونکہ وہ تیری راہ چھوڑ کر دوسری راہ لے لیتا ہے۔'' (بخاری:۱/۵۲۰)

ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

''میں دیکھتا ہوں کہ شیاطین خواہ وہ انسانوں کے ہوں یا جنات کے عمر رضی اللہ عنہ سے بھاگتے ہیں۔''

کسی انسان سے شیطان کا بھاگنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خدائی حفاظت میں ہے اور یہ گناہوں سے حفاظت کی ایک بہت بڑی خبر ہے۔

حضور علیہ السلام کے وزیر:

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ہر نبی کے دو وزیر زمین والوں میں سے ہوتے ہیں اور دو وزیر آسمان والوں میں سے ہوتے ہیں۔ میرے آسمان والوں میں سے دو وزیر جبرائیل اور میکائیل ہیں اور زمین والوں میں سے دو وزیر ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ (کنز العمال:۱۳/۱۵)

Marfat.com

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے اجتہادات

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد لوگوں کو وحی الٰہی کی اتباع کی دعوت دینا تھا۔ لیکن جب آپ کے حلقہ بگوشوں کی تعداد میں اضافہ ہوا تو وہ اپنی زندگی میں پیش آنے والے معاملات اور مسائل کے بارہ میں آپ سے ہدایت طلب کرنے لگے جن کے بارہ میں کوئی وحی نازل نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ قرآن حکیم میں کئی مقامات پر ان سوالوں کو دہرایا گیا اور پھر ان کے جوابات دیے گئے۔ (ملاحظہ ہو سورۃ البقرہ)

ان آیات کا نزول جن واقعات و سوالات کے نتیجہ میں ہوا، مفسرین نے ان کا نام ''اسباب نزول'' رکھا ہے۔ چنانچہ محمد بکر الخضری نے اپنی کتاب ''تاریخ التشریع الاسلامی'' میں لکھا ہے کہ ''وہ احکام جو بغیر کسی واقعہ یا سوال کے نازل ہوئے بہت کم ہیں۔ ہمیں شائد ہی کوئی ایسا حکم نظر آئے جس کے سلسلہ میں مفسرین نے کوئی واقعہ درج نہ کیا ہو۔ جو اس کے نزول کا سبب ہوا۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے مفسرین نے اسباب نزول پر کتابیں لکھیں ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ مرثد غنوی رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مکہ بھیجا تا کہ بے سہارا مسلمانوں کو وہاں سے نکال لائیں۔ جب وہ وہاں گئے تو ایک حسین وجمیل اور مال دار مشرکہ عورت نے اپنے آپ کو نکاح کے لیے پیش کیا۔ مدینہ پہنچ کر مرثد رضی اللہ عنہ نے آپ سے اس نکاح کے بارہ میں اجازت چاہی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

ولاتنکحوا المشرکات حتیٰ یومن

''مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔''

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شراب کے بارہ میں پوچھا۔ اس وقت تک اس بارہ میں کوئی وحی نہ آئی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رب العزت میں

Marfat.com

التجاء کی: ''اے اللہ! شراب کے بارہ میں ہمیں کوئی واضح ہدایت فرما۔'' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یسئلونك عن الخمر والمیسر، قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس، واثمھما اکبر من نفعھما

''آپ سے شراب اور جوئے کے بارہ میں سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیں کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں، لیکن ان کا گناہ ان کے منافع سے زیادہ ہے۔''

بعض مسلمان آپ کو ایسی چیزوں کے بارہ میں سوال کرتے ہیں جن کے بارہ میں کوئی وحی نہ نازل ہوئی ہوتی۔ ایسی صورت میں آپ اپنی رائے سے فیصلہ فرماتے۔ اس کے بعد اگر وحی آپ کی رائے کے خلاف آتی تو آپ فوراً اپنے فیصلہ سے رجوع فرما کر وحی کے حکم کی تعمیل فرماتے (الاحکام، آمدی: ۴/۴۲-۴۳) لیکن بعض فقہاء اور اصولیین اسے تسلیم نہیں کرتے کہ قرآن کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو بھی حکم ہوتا تھا، وہ اجتہاد تھا (بلکہ وہ احادیث و سنن کا اجتہاد نہیں وحی بتاتے ہیں) چنانچہ اسیران بدر کے بارہ میں وحی نے آپ کے فیصلے سے اختلاف کیا، لیکن ایسا بہت ہی کم ہوا کہ وحی نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کی مخالفت کی۔ اسی لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ سنت جس سے وحی نے اختلاف نہیں کیا، آپ کے طریق اجتہاد کی طرح ایک حجت ہے۔ جس پر ہمیشہ سے عمل کیا جارہا ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ جب سے مسلم معاشرہ قائم ہوا اسی وقت سے تشریع کا سلسلہ بھی قائم ہے۔ مسلم معاشرہ کا آغاز سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ہوا اور وحی کا آغاز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ گویا وحی اور معاشرہ ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ معاشرہ وحی کے سائے میں پلتا رہا اور معاشرے کا ہر فرد وحی کی روشنی میں پھیلتا رہا اور آگے بڑھتا رہا۔ مدینہ منورہ میں اس معاشرہ نے اپنی پوری توانائی اختیار کی اور انسانی زندگی کے ہر دائرہ کو محیط ہوا۔ اب اس کا اپنا ایک تمدن تھا، اپنی سیاست تھی، اپنی تہذیب تھی اور اب اسلام مسلمانوں کی زندگی کا ایک جامع ضابطہ حیات تھا۔ اس تیئس (۲۳) سال کے عرصہ کے دوران قرآن حکیم مختلف ضرورتوں اور تقاضوں پر اترتا رہا اور اس کے تدریجی نزول اور حالات کی مناسبت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اس کا سمجھنا آسان رہا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب بھی کوئی ضرورت پیش آتی تو:

① یا تو اس موقع پر کوئی آیت نازل ہو جاتی۔

Marfat.com

(۲) یا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد فرماتے۔

(۳) یا پھر آپ وحی باطنی سے جو قرآن حکیم کے علاوہ معانی کی صورت میں آپ کے قلب مبارک پر القاء کی جاتی، رہنمائی فرماتے۔

جب آپ اجتہاد فرماتے تو اجتہاد دوسرے مجتہدین کی طرح نہ ہوتا، بلکہ آپ کے اجتہاد پر ہمیشہ خدا تعالیٰ کی حفاظت کا سایہ ہوتا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن حکیم کی روشنی میں اجتہاد کرنا بتلاتا ہے کہ آپ نے قرآن کو ہمیشہ اولیت دی ہے۔ جس کی مثالیں حدیث میں ملتی ہیں۔

چنانچہ قرآن حکیم کا حکم ملا ''واقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم (توبہ:۵)
یعنی مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ یہ حکم عام ہے اس سے کوئی مشرک مستثنیٰ نہیں، لیکن سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے علت حکم پر نظر فرماتے ہوئے بوڑھے، بچوں اور عورتوں کو اس سے مستثنیٰ فرمادیا کہ صرف وہی مشرک قتل کے لائق ہیں جو مسلمانوں کو ضرر دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:
''کسی بوڑھے فانی کو قتل نہ کرنا اور نہ کسی چھوٹے بچے کو اور نہ ہی کسی عورت کو۔'' (رواہ ابوداؤد)

آپ کا یہ حکم کوئی علیحدہ حکم نہیں ہے بلکہ جو حکم قرآن حکیم میں مذکور ہے اس سے صرف استثناء ہے۔

اسی طرح قبیلہ جہینہ کی ایک عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ میری والدہ نے حج کی نذر مانی تھی، لیکن وہ اسے پورا کرنے سے پہلے اس دنیا سے انتقال کر گئی۔ اب کیا میں اس کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا:
''تو اس کی طرف سے حج کرلے، اگر تیری ماں پر کوئی قرض ہوتا تو کیا تو اسے ادا نہ کرتی۔ اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرو۔ فرمایا خدا کا قرض پہلے ادا ہونا چاہیے۔''

(بخاری: ۱/۲۵۰)

اللہ تعالیٰ کے قرض کی ادائیگی اور نفع میں انسان کے قرض سے ملا کر دیکھنا، اصل شرعی پر دوسرے مسئلہ کو قیس کرنے کی مثال ہے۔

بعض مرتبہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ بھی لیتے۔ اس سلسلہ میں آپ کا عمل قرآن حکیم کے اس حکم پر تھا۔

وشاورھم فی الامر، فاذاعزمت فتوکل علی اللہ

Marfat.com

''معاملات میں ان سے مشورہ کرلیا کرو اور جب کوئی ارادہ کرلو تو پھر اللہ پر بھروسہ کرو۔''

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مسائل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ چاہا، جیسے اعلان نماز کے لیے، اور غزوہ احد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رائے طلب کی۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی مواقع پر آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب کیا۔ اسی وجہ سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے والا اور کسی کو نہیں دیکھا۔''

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مختلف معاملات میں خود بھی اجتہاد فرماتے اور اپنے صحابہ کو بھی اجتہاد کی تلقین فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ دو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا مقدمہ لے کر حاضر ہوئے۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ میں نے عرض کی:

''یارسول اللہ! آپ مجھ سے بہتر فیصلہ فرما سکتے ہیں۔'' فرمایا ''نہیں تمہی کو یہ فیصلہ کرنا ہوگا۔'' میں نے عرض کی ''کس شے پر فیصلہ کروں؟'' فرمایا ''اگر تم نے ان کا فیصلہ صحیح کیا تو دس نیکیوں کے مستحق ٹھہرو گے اور اگر اجتہاد کیا اور اس سے تجھ سے غلطی ہوگئی تو پھر بھی ایک نیکی کا ثواب ملے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو ان سے پوچھا: ''کس شے کے مطابق فیصلہ کرو گے؟'' عرض کی کتاب اللہ کے مطابق۔'' فرمایا ''اگر اس میں نہ ملا تو؟'' عرض کی ''سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق۔'' فرمایا ''اگر اس میں بھی نہ ملا؟'' عرض کی ''پھر میں اجتہاد کروں گا۔'' سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تائیدی لہجے میں فرمایا ''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندے کو وہ توفیق عطا فرمائی جسے اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں پسند کرتے ہیں۔''

اس حدیث کو ابو داؤد نے کتاب الاقضیہ باب اجتہاد الرائی فی القضاء میں بیان کیا ہے۔ اس حدیث پر اگرچہ بعض لوگوں نے سند کے لحاظ سے تنقید کی ہے جس کا جواب حافظ ابن قیم رحمہ اللہ اور ابن عربی رحمہ اللہ وغیرہ نے دیا ہے (ملاحظہ ہو اعلام الموقعین: ۱، حدیث معاذ بن جبل فی الاجتہاد، احکام القرآن لابی بکر ابن عربی: ۱، تفسیر آیت یا ایھا الذین آمنو اطیعو اللہ) اگر

Marfat.com

روایتی معیار سے اس کو ضعیف تسلیم بھی کر لیا جائے تو درایت کے اعتبار سے اس کا ضعف باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ بخاری اور مسلم اور احادیث کی دوسری کتابوں کی کئی روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''حاکم نے جب اجتہاد سے فیصلہ کیا اور درست کیا تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور اگر غلط فیصلہ کیا تو ایک اجر ملتا ہے۔'' (بخاری: ۲، کتاب الاعتصام باب اجر الحاکم اذا اجتہد)

ایک اور روایت میں ہے کہ

''قاضی نے جب اجتہاد سے فیصلہ کیا اور درست کیا تو اس کو دس گنا اجر ملتا ہے اور اگر غلط فیصلہ کیا تو اکہرا یا دوگنا اجر ملتا ہے۔'' (مسلم: ۲/ کتاب الاقضیہ باب اجر الحاکم)

اجتہاد قرآن و حدیث کے بعد اسلامی قانون کا سرچشمہ ہے۔ نمو پذیر زندگی اور ترقی پذیر معاشرے کی رہنمائی کا واحد ذریعہ اور ہدایت الٰہی کی تکمیل کا اہم باب ہے۔ اسی وجہ سے سرکار دو عالم نے خود بنفس نفیس اس کا دروازہ کھولا اور بے شمار مواقع پر اجتہاد کر کے اس کے نشیب و فراز سے واقف کرادیا تاکہ بعد کے لوگوں کے لیے اور باتوں کی طرح اس میں بھی آپ کی زندگی نمونہ ثابت ہو، لیکن وحی الٰہی سے آپ کا تعلق قائم ہونے اور براہ راست اس سے رہنمائی حاصل کرتے رہنے کی وجہ سے آپ کے اجتہاد میں خطاء و غلطی کا احتمال باقی نہیں رہتا بلکہ دین و شریعت کے متعلق جو کچھ آپ نے اجتہاد کے ذریعہ فرمایا، وہ بھی اس آیت کے عموم میں داخل ہے۔

انسان کی روحانی اور نفسی زندگی کا معاملہ جسمانی سے کہیں زیادہ باریک اور جذب وانجذاب کو قبول کرنے والا ہے۔ اس بناء پر لازمی طور سے اس کے مرض و مریض، دوا و غذا اور پرہیز و علاج کی نزاکتوں کو سمجھنے کے لیے فنی حذاقت و مہارت کافی نہیں ہے بلکہ نورانی شعاعوں کی بھی ضرورت ہے جن کے ذریعہ ان مخفی تاروں کا عکس لیا جاسکے، جن کو چھیڑے بغیر زندگی کے ساز میں سوز نہیں پیدا ہوتا اور بہت سے نغمے خاموش رہتے ہیں۔ پھر زندگی خود زندگی سے گریزاں بنتی اور تمدن خود تمدن کا دشمن ثابت ہوتا ہے۔ یہ نورانی شعاعیں صرف شعور نبوت کو حاصل ہیں جن کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ اجتہاد فرماتے تھے۔ شعور نبوت سے مراد علم و حکمت کا نور اور فہم و ادراک کا وہ کمال ہے جو نبوت کے خلقی وجدان و داخلی شعور اس کے لیے لازم ہے۔ یہ شعور علم و ادراک کا نہایت اونچا اور محفوظ اور ہر قسم کی آمیزش سے پاک ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔

Marfat.com

ایسی حالت میں شعور نبوت کے ذریعہ اخذ و استنباط یا اجتہاد دوسروں کے اجتہاد سے بلند و محفوظ ہوتا ہے۔ کیونکہ برتر شعور یا نور سے متعلق قائم ہونے کی وجہ سے اصلاح و اضافہ کا سلسلہ جاری رہتا ہے جو دوسرے کے اجتہاد کو میسر نہیں ہے۔ اسی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے صائب و درست ہوتی تھی کہ اللہ آپ کو دکھاتا تھا، ہماری رائے ظن اور تکلف ہے۔'' (ابوداؤد، باب فی قضاء القاضی اذا خطاء)

یہ بات سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور حدیث سے بھی اتفاق کرتی ہے جس میں حضور علیہ السلام نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا ''اگر کتاب و سنت میں کوئی شے مل جائے تو اس کے مطابق فیصلہ کرو اور اگر ان دونوں میں کوئی حکم نہ ہو تو پھر اجتہاد کرو۔''

حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے فرمایا:

''یہ حضرات اپنی رائے سے اجتہاد کرتے اور اس علت کو معلوم کرتے جس کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منصوصات پر حکم کو چلایا ہے۔ پھر جہاں وہ علت پائی جاتی یہ حضرات اس حکم کو نافذ کر دیتے، البتہ حکم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض معلوم کرنے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑتے اور اسی کی موافقت میں ایک حکم دوسرے پر لگاتے۔'' (حجۃ اللہ البالغہ، باب اسباب اختلاف الصحابۃ والتابعین فی الفروع)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوا اور کوئی فتویٰ نہ دیتا تھا اور وہ چار صحابہ رضی اللہ عنہم یہ تھے۔

① سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ② سیدنا علی رضی اللہ عنہ

③ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور ④ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

گویا یہ چاروں صحابہ قرآن و سنت سے بخوبی واقف اور ان کی علتوں سے بخوبی آشنا تھے۔ یہ درست ہے کہ خود قرآن حکیم اپنی ذات میں نہایت جامع کتاب ہے لیکن وہ اصول و کلیات کی کتاب ہے جس میں الٰہی حکمت عملی اور دستور (Constitution) سے بحث ہے۔ جزوی قوانین کی تفصیل بہت کم ہے۔ چنانچہ علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

''قرآن حکیم مختصر ہونے کے باوجود جامع ہے اور یہ جامعیت اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ اس میں کلیات بیان ہوئے ہوں کیونکہ شریعت اس کے نزول کے بعد کامل ہو گئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا۔''

Marfat.com

یہ معلوم ہے کہ نماز، زکوۃ، جہاد اور اس طرح کے سارے احکام قرآن میں نہیں بیان کیے گئے۔ ان کو سنت نے بیان کیا ہے، اسی طرح نکاح، معاملات، قصاص، حدود اور دوسرے معاملات کے تفصیلی احکام قرآن نے نہیں بیان کیے وہ احادیث میں ہیں۔'' (الموافقات:۳/۲٦۷)

ایک اور مقام پر علامہ شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''قرآن حکیم میں احکام شرعیہ اکثر کلی طور پر بیان ہوئے ہیں، جہاں جزئی طور پر تفصیل ہے۔ وہ کسی حکم کلی کے تحت ہے۔'' (الموافقات:۳/۲٦٦)

اس لیے ضروری ہے کہ قرآن حکیم کے ساتھ سنت نبوی کا ہونا بھی ضروری ہے ورنہ قرآن حکیم کی صحیح سمجھ حاصل نہیں ہوسکتی۔ جیسا کہ امام شاطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

''سنت اپنے معنی اور مفہوم کے لحاظ سے قرآن حکیم ہی کی طرف رجوع ہونے والی ہے۔ سنت قرآن حکیم کے اجمال کی تفصیل ہے، یا مشکل کا بیان یا مختصر کی تشریح ہے۔ ثبوت کے دلائل یہ ہیں کہ (۱) بحیثیت مجموعی سنت قرآن حکیم کا بیان ہے جیسا کہ اللہ کے قرآن کی یہ آیت بتاتی ہے۔ ''**وانزلنا الیك الذكر لتبين للناس مانزل الیهم**'' پس سنت میں کوئی بات نہ ملے گی جس کی قرآن حکیم میں اجمالی یا تفصیلی دلالت نہ موجود ہو (۲) تمام وہ چیزیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآن حکیم ہی کلیات شریعت کی کتاب اور اس کا سرچشمہ ہے، وہ سب اس امر کی دلیل ہیں کہ سنت اپنے مفہوم و معنی کے اعتبار سے قرآن حکیم کی طرف رجوع ہونے والی ہے۔ (۳) قرآن حکیم میں ہے ''**وانك لعلى خلق عظيم**'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے خلق کی تفسیر میں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن ہے۔ اس سے یہی ثابت ہے کہ آپ کے اقوال و افعال اور اقرار سب قرآن حکیم کی طرف رجوع ہونے والے ہیں کیونکہ خلق میں یہی چیزیں شمار ہوتی ہیں۔ (۴) اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو ''**تبيانا لكل شی**'' فرمایا ہے۔ اس سے بھی یہ بات لازم آتی ہے کہ سنت کا فی الجملہ قرآن میں ہونا ضروری ہے۔'' (الموافقات:۴/۱۲٦ المسألة الثالثة)

کتاب و سنت کے ساتھ ساتھ شریعت میں اجتہاد و قیاس کو بھی ضروری قرار دیا گیا۔ یہ بھی دراصل دین میں ایک ضروری امر ہے کیونکہ:

Marfat.com

جواحکام صریح وحی سے ثابت ہیں وہ پیش آنے والے واقعات وحوادث کے مقابلہ میں نہایت کم ہیں۔ اگر ان کا حکم وحی صریح سے بذریعہ استنباط نہ معلوم کیا جائے تو یہ مہمل پڑے رہ جائیں گے اور دین کے کمال کا دعویٰ بیکار ہو جائے گا۔ اس بناء پر ضروری ہے کہ مجتہدین کو احکام کے استنباط کا اختیار دیا جائے۔'' (تلویح:۵۰)

غرض کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اجتہاد کی اور بھی زیادہ ضرورت لاحق ہوگئی، چنانچہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد اجتہاد کیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا مسئلہ پیش آیا۔ خلافت کے بارہ میں اختلاف واقع ہوگیا اور اختلاف نے شدت اختیار کرلی۔ لیکن جب یہ دلیل پیش کی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین کی امامت کے لیے پسند فرمایا اس کو ہم اپنی دنیا کی امامت کے لیے پسند کرلیں تو یہ اختلاف سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر ختم ہوگیا۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوگئے اور انہوں نے زمام خلافت اپنے ہاتھ میں لے لی تو مسلمانوں میں ایک نئے اختلاف نے سر اٹھایا۔ وہ اختلاف جیش اسامہ کے سلسلہ میں تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ عربوں نے مدینہ کے اقتدار کے خلاف بغاوت کردی تھی۔ اس لیے مسلمانوں کے ممتاز اور سربرآوردہ لوگوں نے یہ مشورہ دیا کہ لشکر اسامہ مدینہ واپس بلوالیں تاکہ یہ طاقت مشرکین اور مرتدین کے خلاف استعمال کی جاسکے۔ لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جان ہے اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ درندے مجھ پر جھپٹ پڑیں گے تو بھی میں لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کو ضرور بھیجوں گا کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھیجا ہوا لشکر ہے اور اگر آبادیوں میں میرے سوا اور کوئی متنفس باقی نہ بچے تو بھی یہ لشکر ضرور جائے گا۔''

پھر یہ بھی اجتہاد ہی تھا کہ جنگ یمامہ میں بہت سے حفاظ قرآن نے جام شہادت نوش کیا۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: ''یمامہ کی جنگ میں بہت سے حفاظ کام آگئے ہیں مجھے اندیشہ ہے کہ اگر دوسری جنگوں میں بھی یہی سلسلہ جاری رہا تو قرآن حکیم کا بہت سا حصہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا اس لیے میری رائے ہے کہ قرآن حکیم کو جمع کرا دیجئے۔ یہ سن کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ حیرت میں رہ گئے اور فرمایا کہ ''میں یہ کام کیسے کروں گا جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ دونوں بزرگوں میں اس بارہ میں طویل

Marfat.com

گفتگو ہوئی۔ بالآخر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے متفق ہو گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ''عمر رضی اللہ عنہ مجھے مطمئن کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ نے اس کام کے لیے میرا سینہ کھول دیا اور میں عمر رضی اللہ عنہ کا ہم خیال ہو گیا'' اور پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں قرآن حکیم کو جمع کروایا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اجتہاد سے ایک وافر حصہ ملا تھا۔ آپ کے بعض اجتہادات کی تائید تو خود قرآن حکیم نے بھی کی اور بعض کو خود ذات نبوت نے بھی صحیح قرار دیا اور پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے عمر رضی اللہ عنہ کی زبان اور دل کو حق سے نوازا ہے۔'' (ترمذی ۲/۵۶۳) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کے خلاف اپنے عہد خلافت کا آغاز ہی اس حکم سے کیا کہ ''مرتدین کے لونڈی اور غلام ان کے رشتہ داروں کو واپس کر دیئے جائیں'' اور فرمایا ''مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ عرب میں غلامی کا رواج قائم ہو۔'' انہوں نے سب سے پہلا لشکر جو عراق بھیجا اس کا سپہ سالار مہاجرین وانصار کے سابقون الاولون میں سے کسی کو نہ بنایا جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا طریقہ تھا بلکہ ابوعبیدہ ثقفی کو بنایا کیونکہ وہی سب سے پہلے شخص تھے جنہوں نے تین روز کی ہچکچاہٹ کے بعد اپنے آپ کو عراق جانے کے لیے پیش کیا۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، سیف اللہ کو ان کی بہترین کارکردگی کے باوجود سپہ سالاری کے عہدے سے معزول فرما دیا۔ حالانکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے بارہ میں فرمایا تھا کہ میں اس تلوار کو نیام میں نہیں کروں گا جو اللہ نے کافروں پر کھینچی ہے۔ اور بھی کئی مواقع پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مختلف معاملات کے بارہ میں اپنا اجتہاد فرمایا۔ مثال کے طور پر انہوں نے شراب نوشی کی سزا مقرر فرمائی۔ جس کا ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ہے۔ جس کے بارہ میں ابن وبرہ کلبی فرماتے ہیں کہ مجھے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا۔ جس وقت میں مدینہ پہنچا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ آپ کے پاس اس وقت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے۔ ابن وبرہ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگ کثرت سے شراب نوشی اختیار کرتے جا رہے ہیں اور مجوزہ سزا کو کم سمجھ رہے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ سب حضرات موجود ہیں آپ ان سے دریافت کریں۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہماری رائے یہ ہے کہ آپ شراب نوشی کی سزا

Marfat.com

اسی (۸۰) کوڑے مقرر فرمائیں کیونکہ جب کوئی آدمی شراب پیتا ہے تو اسے نشہ ہوتا ہے اور نشہ میں ہذیان بکتا ہے اور ہذیان بکنے میں دوسروں پر تہمت لگاتا ہے لہٰذا آپ شراب نوشی کی سزا وہی مقرر کریں جو قذف کی ہے۔

(سنن دار قطنی :۲/۲۵۴، مستدرک حاکم:۴/ ۳۷۵، موطا امام مالک:۲/۸۴۱، مصری، المصنف عبدالرزاق :۷/ ۳۷۸، طحاوی :۲/ ۸۸، کنز العمال :۳/۱۰۰۔۱۰۱، المغنی :۷/۱۱۰، ۸/ ۳۷وغیرہ)

سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اسے حدود کی سزا کے مطابق اسی کوڑے بنا دیں۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شراب نوشی کی سزا اسی (۸۰) کوڑے مقرر فرما دی اور اس بارہ میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو فرمان روانہ کردیا (المغنی لابن قدامہ :۸/ ۳۰۸) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اسی کوڑوں کی سزا کو ۴۰ کوڑوں پر ترجیح دینے کی وجہ سے وہ روایت ہے جو سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب نوشی پر جوتوں کے چالیس جوڑے مارے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ہر جوتی کی جگہ ایک کوڑا مقرر فرمایا۔

(المصنف لابن ابی شیبہ:۲/ ۱۲۸)

اسی وجہ سے مسلم میں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

جلد النبی صلی اللہ علیه وسلم اربعین و ابوبکر اربعین و عمرؓ ثمانین و کل سنة

''سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شرابی کو چالیس چالیس کوڑے سزا دی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسی (۸۰) کوڑے سزا دی اور یہ دونوں باتیں سنت ہیں۔''

(مسلم:۲/۷۲، ابوداؤد:۲/ ۲۶۰)

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارہ میں بھی لکھا ہے کہ انہوں نے بھی اسی (۸۰) کوڑے پورے کیے اور یہ سب سنت ہے۔ (معرفۃ علوم الحدیث:۱۸۱)

اگر شراب نوشی یا نشہ میں بدمستی کے ساتھ کوئی اور بات بھی موجود ہوتی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حد کے ساتھ تعزیر بھی جمع کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ حد کے ساتھ تعزیر بھی نافذ کی کیونکہ شراب نوشی کے جرم کا مرتکب خود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ایک بیٹا تھا تاکہ امیر المومنین کے اقرباء احکام شریعت کے نفاذ کے سلسلہ میں لوگوں کے لیے مثال بنیں۔ اور آپ اپنے اعزاء و اقرباء کو تنبیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی نے کوئی قابل سزا جرم کیا تو وہ ان کو

Marfat.com

دوسروں سے دگنی سزا دیں گے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب لوگوں کو کسی بات سے منع کرتے تو اپنے گھر والوں کے پاس جا کر ان کو بھی اس بارہ میں فہمائش کرتے کہ میں نے فلاں کام کی ممانعت کی ہے اور لوگ تمہاری جانب اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے پرندہ گوشت کی طرف دیکھ رہا ہو۔ اگر تم لوگ اس کام کا ارتکاب کرو گے تو دوسرے بھی کریں گے اور اگر تم لوگ محتاط رہو گے تو وہ بھی محتاط رہیں گے اور بخدا! اگر تم میں سے کوئی شخص کسی ایسے فعل کا ارتکاب کرتے ہوئے پکڑا گیا جس سے میں نے لوگوں کو منع کیا ہے تو میں اس کو اس وجہ سے کہ اس کا مجھ سے تعلق ہے، دگنی سزا دوں گا۔ اب جس کا جی چاہے وہ اس فعل کا ارتکاب کرے اور جو چاہے محتاط ہو جائے۔'' (المصنف عبدالرزاق: ۱۱/۳۴۳)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شراب نوش کو اس بات پر تعزیری سزا دی کہ اس نے رمضان المبارک میں شراب پی اور اس طرح حرمت رمضان کو پامال کیا۔ آپ نے اسے اسی (۸۰) کوڑے حد میں لگائے اور بیس (۲۰) کوڑے تعزیراً لگائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۱/۱۳۲، کتاب الخراج لابی یوسف: ۱۹۷)

ایک مرتبہ ایک بوڑھا آپ کے سامنے پیش کیا گیا جس نے رمضان میں شراب پی تھی۔ آپ نے فرمایا خدا تعالیٰ اسے ناک کے بل گرائے۔ (یعنی اسے ذلیل وخوار کرے) یہ بوڑھا رمضان میں شراب پی رہا ہے اور ہمارے جوان روزے رکھ رہے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کوڑے لگائے اور اسے شام جلاوطن کر دیا۔

(المصنف عبدالرزاق: ۷/۳۸۲، ۹/۲۳۲، المحلی لابن حزم: ۶/۱۸۴)

جلاوطنی کی یہ تعزیری سزا دینا کچھ عرصہ کے بعد آپ نے ترک کر دی کیونکہ آپ نے ربیعہ بن امیہ کو شراب نوشی پر جلاوطنی کی سزا دی اور اسے خیبر بھیج دیا۔ وہ وہاں سے ہرقل کے پاس چلا گیا اور عیسائی ہو گیا۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اب میں کسی مسلمان کو جلاوطنی کی سزا نہیں دوں گا۔'' (المصنف عبدالرزاق: ۷/۳۱۴، ۹/۲۳۰)

حد کے کوڑے لگانے کے بعد تعزیری سزا میں آپ نے ایک مرتبہ ایک شخص کو کھڑا کر دیا تاکہ لوگ اسے دیکھیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۱/۱۳۶)

پھر آپ نے یہ بھی عمل جاری کیا کہ اگر کوئی شخص بار بار شراب پئے گا تو اس پر بار بار حد کی سزا جاری ہوگی اور وہ قتل نہیں کیا جائے گا۔ (المحلی لابن حزم: ۱۱/۳۶۶)

Marfat.com

چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابو محجن ثقفی کو آٹھ مرتبہ اور ایک دوسری روایت کے مطابق سات مرتبہ شراب نوشی کی حد کے کوڑے مارے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۷/۳۸۱، ۹/۲۲۱)

شراب نوشی کے جرم کا اثبات کئی طریقوں سے ہوتا تھا۔ جس شخص کے منہ سے شراب کی بد بو آتی اور وہ شراب کا عادی ہوتا تو اس پر حد شراب جاری کی جاتی (مصنف عبدالرزاق: ۹/۲۲۸) بحرین سے عبد قیس کے سردار جارود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ قدامہ بن مظعون نے شراب پی تھی اور انہیں نشہ ہو گیا تھا۔ اور میں یہ سمجھ کر کہ یہ حدود اللہ میں سے ایک حد ہے، آپ کے پاس یہ مقدمہ لے کر آیا ہوں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے استفسار کیا کہ تمہارے پاس اور کون گواہ ہے؟ اس نے کہا: ابو ہریرہ۔ آپ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے اس بارہ میں پوچھا کہ: ''کیا آپ گواہی دیتے ہیں؟'' انہوں نے کہا کہ ''میں نے قدامہ کو شراب پیتے نہیں دیکھا۔ البتہ میں نے انہیں نشہ کی حالت میں قے کرتے ہوئے دیکھا ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''آپ نے شہادت میں شبہ پیدا کر دیا ہے۔'' پھر آپ نے قدامہ بن مظعون کو لکھا کہ وہ بحرین سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ چنانچہ جب قدامہ آ گئے تو جارود کھڑے ہوئے اور کہا کہ ان پر اللہ کا حکم جاری کیجئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا ''تم مدعی ہو یا گواہ؟'' جارود نے کہا ''میں گواہ ہوں۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''تم گواہی دے چکے ہو۔'' اس پر جارود خاموش ہو گئے۔ اگلے روز جارود پھر امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا ''اس پر اللہ کا حکم جاری کیجئے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں سمجھتا ہوں کہ تم تو مدعی ہو اور تمہارے دعویٰ کے حق میں گواہی صرف ایک شخص نے دی ہے۔'' جارود نے کہا ''میں آپ کو اللہ کی قسم دلاتا ہوں۔'' اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''آپ اپنی زبان بند رکھیں ورنہ میں سختی سے پیش آؤں گا۔ اس پر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ کو ہماری گواہی میں شک ہے تو آپ ولید کی بیٹی یعنی قدامہ کی بیوی کو بلا لیجئے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قدامہ کی بیوی ہند بنت ولید کو بلوالیا اور انہوں نے اپنے شوہر کے خلاف گواہی دی۔ اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قدامہ سے کہا: ''میں تم پر حد جاری کروں گا۔'' چنانچہ آپ نے اس کو کوڑے مارے حالانکہ وہ بیمار تھے۔''

(المصنف عبدالرزاق: ۹/۲۴۰، سنن کبریٰ بیہقی: ۸/۳۱۵)

ابن قدامہ نے اپنی کتاب المغنی میں بھی اس واقعہ کو بیان کیا ہے، لیکن اس میں دوسرا گواہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بجائے علقمہ ذکر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو المغنی: ۱۱/۱۴۸، ۸/۳۱۰)

Marfat.com

وظائف کی تقسیم میں عدم مساوات:

اسی طرح آپ نے وظائف کی تقسیم میں سبقت اسلام یا رسول اللہ ﷺ کی قرابت کا لحاظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کے درمیان امتیاز قائم کیا جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں دی جا چکی ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے امور ہیں۔آپ نے جزیرۃ العرب اور مفتوحہ علاقوں کے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر اجتہاد فرمایا، لیکن آپ کے کچھ اجتہادات ایسے تھے جن سے عہد فاروقی خاص طور پر متاثر ہوا اور آپ کے بعد بھی انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی زندگی پر مثبت اور منفی، موافق اور مخالف اثرات چھوڑے۔آپ نے نئے تہذیبی اور ارتقائی حالات کا مقابلہ اپنے ارتقائی اصولوں سے کیا جو اسلامی شریعت کے عمومی اصولوں سے ماخوذ تھے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے زندگی کے تمام پہلوؤں میں خواہ وہ سیاسی ہوں یا اقتصادی، معاشرتی ہوں یا قانونی ایسی ترقی پذیر تبدیلیاں کردیں جو ایک طرف امت مسلمہ کی ضرورتوں اور مصلحتوں کو بروئے کار لے آئیں اور دوسری طرف مسلم معاشرے کو اسلام کے بنیادی اصولوں سے دور بھی نہ ہونے دیا۔قاضیوں کے نام جو فرامین اور احکام آپ نے جاری کیے وہ آج کل کے بھی قاضیوں، قانون دانوں اور حکومت کے مالی امور کے ماہرین کے لیے مشعل راہ اور رہنما اصولوں کا کام دیتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہادات کی اسلامی نقطہ نگاہ سے ایک خاص اہمیت اور قدرو قیمت ہے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسلامی حکومت کی تعمیر میں سرکار دو عالم ﷺ کی تعلیمات کی روح کو کمال درجہ کی مہارت کے ساتھ سمویا جس سے ان کی عظمت اور استحکام میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا۔

طلاق کے بارہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ:

شریعت اسلامیہ میں طلاق سے مراد نکاح کے بندھن کو کھول دینا ہے۔طلاق اگرچہ اسلام میں دینا جائز ہے لیکن بلاضرورت اور بلا جواز دینا مکروہ ہے۔حدیث میں ہے کہ اگرچہ طلاق دینا حلال ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ایک مبغوض شے ہے اس لیے ہنسی مذاق میں بھی اگر کوئی طلاق دے دے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے کیونکہ یہ ایک انتہائی اہمیت کا حامل

Marfat.com

معاملہ ہے، اگر اس میں مذاق کی گنجائش رہنے دی جاتی تو آوارہ اور بے ہودہ لوگ ازدواجی تعلقات کو کھیل تماشہ بنا دیتے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تین امور ایسے ہیں جن میں سنجیدہ آدمی اور ہنسی مذاق کرنے والے برابر ہیں۔ (۱) طلاق (۲) صدقہ اور (۳) عتاق (غلام کا آزاد کرنا)۔ (مصنف عبدالرزاق: ۶/۱۳۴) اور ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ''چار امور ہر حال میں نافذ ہو جاتے ہیں، (۱) عتاق (۲) طلاق (۳) نکاح اور (۴) نذر (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۲۴۴، مغنی ابن قدامہ: ۶/۵۳۵، ۷/۱۳۵) چنانچہ ایک شخص نے ہنسی مذاق میں اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دے دیں۔ جب یہ مقدمہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو اس شخص نے کہا کہ ''میں تو مذاق کر رہا تھا۔'' سیدنا عمر نے اس کے سر پر مارنے کے لیے کوڑا اٹھایا اور ان دونوں کے درمیان تفریق کرا دی (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۱۲۳۴، السنن الکبری بیہقی: ۷/۳۳۴) لیکن اگر کوئی شخص دھوکہ کھا کر اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو یہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔ چنانچہ ایک عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ میرا کوئی نام تجویز کرو۔ شوہر نے کہا تو تو ہرنی ہے۔ اس نے کہا یہ تو کوئی نام نہ ہوا۔ شوہر نے کہا اچھا تم ہی بتاؤ کہ میں تمہارا کیا نام رکھوں؟ وہ بولی ''تم میرا نام ''خلیہ طالق''۔ (بے مہار آزاد) رکھ دو۔ شوہر نے اس کا تجویز کردہ نام رکھ لیا۔ بعد ازاں اس عورت نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہا ''میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے شوہر کو بلایا، اس نے تمام واقعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سنا دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے سر پر کوڑا مارا اور اس کے شوہر سے کہا کہ اسے لے جاؤ اور اسے مارو۔

(المحلی لابن حزم: ۱/۲۰۰)

ایک شخص نے کہا کہ میں جس عورت سے بھی نکاح کروں اسے تین طلاق۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جس طرح تم نے کہا اسی طرح ہوگا'' یعنی تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔

(مصنف عبدالرزاق: ۶/۴۲۱)

اگر کسی شوہر نے طلاق کا اختیار اپنی بیوی کو تفویض کر دیا تو عورت کو یہ اختیار اس وقت تک رہے گا جب تک وہ اسی مجلس میں ہے جس میں اسے وہ اختیار تفویض کیا گیا تھا۔ اگر وہ مجلس سے اٹھ جائے تو اس کا یہ اختیار باقی نہیں رہے گا۔ اور پھر سے طلاق کا حق شوہر کو لوٹ جائے گا۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کو فیصلے کا اختیار دے دیا تو پھر اگر اس مجلس سے وہ دونوں جدا ہو جائیں اور اس مجلس میں کوئی بات وقوع پذیر نہ ہو تو طلاق کا حق شوہر کو لوٹ

Marfat.com

جائے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:۱/ ۲۲۹، مصنف عبدالرزاق ۶/ ۵۲۵)

طلاق کی دو قسمیں ہیں۔

① طلاق سنت: طلاق سنت یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو اس طہر میں طلاق دے جس میں اس نے اس سے جماع نہ کیا ہو۔ اس طلاق کے علاوہ ہر طلاق بدعت ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر نے حالتِ حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ غضب ناک ہو گئے اور فرمایا ''اسے چاہیے کہ طلاق سے رجوع کرے اور اسے اپنے پاس رکھے تاکہ وہ پاک ہو جائے اور اسے پھر حیض آئے اور اس کے بعد وہ پھر طہر کی حالت میں ہو۔ اب اگر وہ پھر بھی اسے طلاق دینا چاہے تو اس طہر میں طلاق دے اس سے قبل کہ اس سے جماع کرے۔ پھر وہ اللہ کے حکم کے مطابق عدت گزارے۔

(بخاری، باب اذا اطلقت الحائض، مسلم حدیث:۱۴۷۱، ابوداؤد حدیث:۲۱۷۹)

② طلاق بدعت: ہر وہ طلاق جو طلاق سنت کے خلاف دی جائے، طلاق بدعت ہے۔ ایک طہر میں ایک سے زائد طلاقیں دینا بھی طلاق بدعت ہے۔ (المغنی: ۷/۱۰۲) جو شخص ایک طہر میں تین طلاق دیتا تھا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کے لیے تین طلاق واقع ہو جانے کا فیصلہ دینے کے ساتھ اسے سزا بھی دیتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ:۱/۲۳۴، مصنف عبدالرزاق:۶/ ۳۹۶، معانی الآثار:۲/ ۵۹)

اگر کسی شخص نے ایک ہی لفظ سے تین طلاقیں دیں تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے ابتدائی دو سال تک اسے ایک طلاق بائن قرار دیتے تھے۔ لیکن جب آپ نے دیکھا کہ لوگ طلاق کے معاملہ میں غیر محتاط روش اختیار کرنے لگے ہیں اور کثرت سے ایسی طلاق دینے لگے ہیں تو آپ کی رائے یہ ہوئی کہ ان کو اس سے باز رکھنے کے لیے ان پر سختی کریں تو آپ نے ایسی تین طلاقوں کو حقیقی طلاقیں قرار دینا شروع کر دیا۔ چنانچہ ابو الصباء نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی عہد میں اگر کوئی شخص قبل دخول بیوی کو تین طلاق دیتا تھا تو اسے ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا؟ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ہاں یہ درست ہے۔ لیکن جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ بکثرت تین طلاق دینے لگے

Marfat.com

ہیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ طلاقیں ان پر نافذ کردو۔''

(مسلم حدیث:۱۴۷۲، ابوداؤد حدیث:۲۱۹۹، النسائی:۶/۱۴۵)

ایک اور روایت میں ہے کہ جو شخص اپنی باکرہ بیوی کو قبل دخول تین طلاقیں دے دیتا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان دونوں کے درمیان تفریق کرا دیتے تھے اور اسے مارا بھی کرتے تھے۔ (ملاحظہ ہو مصنف عبدالرزاق:۶/۳۳۲) ایک اور روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ وہ اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔

(السنن الکبریٰ بیہقی:۷/۳۳۴)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ کہ ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی۔ اجتماع صحابہ اور اجماع امت سے بھی ثابت ہے۔ اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

من طلق ثلاثاً في لفظ واحد فقد جهل و حرمت عليه زوجته ولا تحل له ابداً حتى تنكح زوجاً غيره (کتاب الصلوٰۃ:۴۷)

''جس شخص نے ایک کلمہ میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ تو اس نے جہالت کا ارتکاب کیا، لیکن اس کی بیوی اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی اور اس کے لیے وہ کبھی حلال نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔''

یہ فیصلہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا تنہا نہیں تھا بلکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا۔ روایتوں میں ہے کہ ''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سب لوگوں سے اس بارہ میں خطاب فرمایا اور ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تھے جو بخوبی جانتے تھے کہ اس سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کے متعلق کیا ہوتا رہا؟ لیکن ان میں سے کسی صحابی نے اس کا انکار نہیں کیا اور نہ کسی نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس حکم کو ٹالا۔ تو یہ ایک بہت بڑی حجت ہے کہ اس کے خلاف جو پہلے ہوتا رہا وہ منسوخ ہے کیونکہ جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک عمل پر متفق ہو جائیں تو وہ لازماً حجت ہے اور جس طرح نقل پر ان کا اجتماع وہم و خطا سے پاک ہے اسی طرح رائے پر بھی ان کا اجتماع وہم اور خطا سے بری ہے۔'' (شرح معانی الآثار:۲/۲۹)

اس بارہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کا فیصلہ بھی سن لیں کہ:

''تحریم متعہ اور اسی طرح تین طلاقوں کے تین ہونے پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت

Marfat.com

میں اتفاق و اجماع واقع ہو چکا ہے۔ اور ان کا اجتماع اس امر پر دال ہے کہ ان کو ناسخ کا علم ہو چکا تھا۔ اگرچہ اس سے قبل بعض کو اس کا علم نہ ہو سکا ہو۔ اب جو شخص اس اجماع کے بعد اس کی مخالفت کرتا ہے تو وہ اجماع کا منکر اور اس کا تارک ہے۔ اور جمہور کا اتفاق ہے کہ اجماع کے بعد اتفاق کرنا مردود ہے۔''

(فتح الباری: ۹/۲۹۳)

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے قائد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ لوگوں نے طلاق کے معاملہ میں تین طلاق بیک وقت دے کر حماقت اور جہالت کا ثبوت پیش کرنا شروع کر دیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے خلیفہ راشد اور ان کے دوسرے رفقاء کی زبان پر شریعت اور تقدیر کی رو سے یہ حکم جاری اور ساری کر دیا کہ جو شے لوگوں نے اپنے اوپر لازم کر رکھی ہے اس کا اجراء اور نفاذ کر دیا جائے۔ (اعلام الموقعین: ۲/۲۷)

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمہور نے یہی مذہب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ، سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا نقل کیا ہے اور تابعین کا تو کچھ شمار ہی نہیں۔ (اغاثۃ اللہفان: ۱/۳۲۲)

اس بات پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ان اهل السنة والجماعة متفقون علیٰ ان اجماع الصحابة حجة

''اہل السنت والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع حجت ہے۔''

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے کو تین شمار کرنا، یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فعل خاص مصلحت وقت کے تحت تھا، کیونکہ عہد فاروقی میں جو لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دیتے تھے وہ طلاق دینے کے بعد ان سے شفقت و نرمی کا برتاؤ نہ کرتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ عراق اور شام کی کنیزیں بکثرت آ گئی تھیں اور مدینہ اور جزیرۃ العرب کے لوگ ان کی محبت میں گرفتار ہو گئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ان خوبصورت اور دل پسند کنیزوں کو خوش کرنے کے لیے بیویوں کو بہ عجلت و شدت اور بہ یک لفظ تین طلاقیں دینی شروع کر دیں، تاکہ

Marfat.com

ان کی محبوبہ کو اطمینان ہو جائے کہ اب وہ اپنے چاہنے والے کے دل پر تنہا قابض ہے۔ شاید اس کے علاوہ کچھ اور اسباب بھی تھے جن کی بناء پر صدر اول کے مسلمانوں کی ایک جماعت نے طلاق ثلاثہ کو از راہ بے پروائی اور ایذا رسانی ایک ہنسی کھیل بنالیا تھا۔ ان میں ایک اہم سبب یہ بھی تھا کہ جب کوئی مرد کسی آزاد عربی یا عجمی عورت سے شادی کرنا چاہتا تھا تو وہ شرط پیش کرتی تھی کہ مرد اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دے تاکہ دوسرے شخص سے نکاح کیے بغیر وہ اس کے لیے حلال نہ ہو سکے۔ اس کے باوجود جب شوہر اپنی پہلی بیوی سے رجوع کرتا تھا تو یہ مراجعت گھر میں ایک ایسے جھگڑے کی بنیاد ڈال دیتی تھی کہ زندگی کا سارا اطمینان وسکون غارت ہو کر رہ جاتا تھا۔

اسی قسم کے اسباب تھے۔ جنہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ حکم جاری کرنے پر مجبور کیا کہ بیک وقت تین طلاقیں بھی وہی تین طلاقیں شمار ہوں جو بہ دفعات دی جاتی ہیں۔ انہوں نے دیکھا جو شخص نکاح کی گرہ کو اتنا بے حقیقت سمجھتا ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دے دیتا ہے وہ بے حس اور یاوہ گو انسان ہے۔ اسے اپنی یاوہ گوئی اور بے حسی کا بوجھ اٹھانا چاہیے۔

یہ خیال جن لوگوں کا ہے وہ سراسر غلط ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں یہ تصور دلانا کہ انہوں نے معاذ اللہ وقتی مصلحت کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو تبدیل کر دیا، بہت بڑی جرأت ہے۔ ہم اپنے قارئین کو بتانا چاہتے ہیں کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا اور انہیں تین شمار کرنا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو حکماً جاری نہیں کیا تھا بلکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حکم قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے۔ چنانچہ سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

''ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں (اکٹھی اور دفعتہً) دے دیں۔ اس عورت نے کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لیا اور اس شخص نے (ہم بستری سے قبل) اسے طلاق دے دی۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارہ میں سوال کیا گیا کہ کیا وہ عورت اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہیں جب تک کہ دوسرا خاوند اس سے ہم بستری نہ کر لے اور لطف اندوز نہ ہو جائے۔''

(بخاری: ۲/۹۱/۷، مسلم: ۱/۴۶۳، سنن کبریٰ بیہقی: ۷/۳۳۴)

ایک اور حدیث میں محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پتہ چلا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں۔ یہ سن کر آپ غصہ میں اٹھ

Marfat.com

کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ کیا میری موجودگی میں بھی کتاب اللہ سے کھیلا جا رہا ہے؟ حتیٰ کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں اس شخص کو قتل نہ کر دوں؟

(نسائی: ۸۲/۲)

اس حدیث میں اگرچہ یہ مذکور ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس طلاق سے سخت ناراض ہوئے لیکن یہ ناراضگی اس وجہ سے تھی کہ آپ نے دفعتاً تین طلاقیں دینے کو ناپسند فرمایا۔ لیکن اس ناراضی کے باوجود آپ نے ان کو نافذ فرما دیا۔ چنانچہ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دفعتہً دی جانے والی تین طلاقوں کو رد نہیں فرمایا، بلکہ ان کو نافذ کر دیا۔'' (تہذیب سنن ابی داؤد: ۱۲۹/۳)

اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں ایک طلاق دے دی، پھر ارادہ کیا کہ باقی دو طلاقیں بھی دو حیض (یا طہر) میں دے دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا پتہ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تجھے اللہ تعالیٰ نے اس طرح حکم تو نہیں دیا۔ تو نے سنت کی خلاف ورزی کی ہے۔'' وہ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ تو رجوع کر لے۔ چنانچہ میں نے رجوع کر لیا۔ پھر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ جب وہ طہر کے زمانہ میں داخل ہو تو اس کو طلاق دے دینا اور اگر مرضی ہوئی تو بیوی بنا کر رکھ لینا۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بارگاہِ نبوت میں عرض کی: ''یا رسول اللہ! یہ تو بتلائیں کہ اگر میں اس کو تین طلاقیں دے دیتا تو کیا پھر اس کی طرف رجوع کر لینا میرے لیے حلال ہوتا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''نہیں بلکہ وہ تجھ سے جدا ہو جاتی اور تمہارا ایسا کرنا معصیت ہوتا۔'' (سنن کبریٰ بیہقی: ۳۳۴/۷، مجمع الزوائد: ۳۳۶/۴، نصب الرایہ: ۲۲۰/۳)

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق بھی تین طلاقیں دے دینے کے بعد پھر رجوع کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔

ایک دفعہ ایک شخص سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو بحالت حیض بتہ (قطع تعلق کرنے والی اور یہاں مراد تین طلاقیں ہیں) طلاق دے دی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو نے اپنے رب کی معصیت کا ارتکاب کیا ہے اور تیری بیوی تجھ سے جدا ہو گئی ہے۔ اس شخص نے کہا کہ آپ کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی تو ایسا ہی معاملہ پیش آیا تھا۔ لیکن سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس کو رجوع کا حق دیا تھا۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

Marfat.com

نے فرمایا: ''بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کو اپنی بیوی کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا تھا۔ لیکن وہ اس لیے کہ اس کی طلاق باقی تھی (یعنی اس نے صرف ایک طلاق دی تھی) اور (تیری چونکہ کوئی طلاق باقی نہیں رہی یعنی تو نے تینوں طلاقیں دفعتہً دے دی ہیں) تیرے لیے تو اپنی بیوی کی طرف رجوع کا حق نہیں رہا۔'' (سنن کبریٰ بیہقی: ۷/۳۳۴، مجمع الزوائد: ۴/۳۳۵)

جو حضرات دفعتہً دی جانے والی تین طلاقوں کو ایک شمار کرتے ہیں، ان کی سب سے بڑی دلیل وہ روایت ہے جس کے بارے میں طاؤس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقیں ایک ہی ہوتی تھیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں نے اپنے معاملہ میں جلد بازی سے کام لیا ہے حالانکہ ان کو سوچنے سمجھنے کا وقت مہیا تھا۔ ہم کیوں نہ ان کو ان پر نافذ کر دیں تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر تین طلاقیں ہی نافذ کر دیں۔
(مسلم: ۱/۴۷۷، سنن کبریٰ بیہقی: ۷/۳۳۶، متدرک: ۲/۱۹۶)

ان حضرات کا کہنا ہے کہ اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل سنت جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دو سالوں (اور ایک روایت کے مطابق تین سالوں تک (ملاحظہ ہو مسلم: ۱/۴۷۸) عمل ہوتا رہا وہ یہی تھا کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کو ایک سمجھا جاتا تھا۔ جمہور علماء کی طرف سے اس روایت کے کئی جواب دیئے گئے ہیں۔ ایک جواب یہ ہے کہ یہ روایت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی جملہ صحیح روایات کے خلاف ہے۔ (سنن کبریٰ: ۷/۳۳۷)۔ ابن رشد نے لکھا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس کے تمام جلیل القدر شاگرد جیسے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، عطا رحمۃ اللہ علیہ، عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے علاوہ ان کے شاگردوں کی ایک اچھی خاصی تعداد اس کے خلاف روایت کرتی ہے۔ صرف طاؤس رحمۃ اللہ علیہ اس پوری جماعت کے خلاف روایت کرتے ہیں۔ (بدایۃ المجتہد: ۲/۶۱)

دوسرا جواب اس روایت کا یہ دیا گیا کہ اس روایت کا یہ مطلب نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت صدیقی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی تین سالوں میں تین طلاقوں کو ایک قرار دیا جاتا تھا۔ بلکہ اس روایت کا یہ مطلب ہے کہ ان زمانوں میں عموماً ایک وقت میں بجائے تین طلاقوں کے صرف ایک طلاق دی جاتی تھی۔ اس کے بعد اگر خاوند مناسب سمجھتا تو دوسرے اور تیسرے طہر میں مزید طلاقیں دے دیتا۔ ورنہ ایک طلاق ہی پر اکتفا کر لیتا اور عدت

Marfat.com

کرنے کے بعد عورت اس کے نکاح سے آزاد ہو جاتی۔ اگرچہ تین کا ثبوت بھی اس مبارک عہد میں ہے جیسے کہ محمود بن لبید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے لیکن بہت کم ایسا ہوتا تھا۔ بعد میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں (آج کل کی طرح) اس کا رواج بکثرت ہو گیا، تو آپ نے تین ہی کو لوگوں پر نافذ کر دیا۔ چنانچہ امام ابوزرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ اور امام عبید اللہ بن عبدالکریم اس حدیث کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو سنن کبریٰ: ۷/ ۳۳۸) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ زرقانی امام خطابی وغیرہ بھی اس حدیث کا یہی معنی بیان فرماتے ہیں۔

(ملاحظہ ہو نووی: ۱/ ۴۷۸، زرقانی موطا: ۲/ ۱۶۷، معالم السنن: ۳/ ۱۲۷)

تیسرا جواب اس روایت کا یہ دیا جاتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت منسوخ ہو کیونکہ ان کا اپنا فتویٰ اس روایت کے خلاف ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حکم انہیں معلوم ہو اور وہ اس کے خلاف فتویٰ دیں۔ (سنن کبریٰ بیہقی: ۷/ ۳۳۸)

چوتھا جواب اس روایت کا یہ دیا جاتا ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت مطلق نہیں بلکہ غیر مدخول بہا کے بارہ میں یعنی یہ اس عورت کے بارہ میں ہے جس کے ساتھ ابھی تک شوہر نے ہم بستری نہ کی ہو۔ (سنن کبریٰ بیہقی: ۷/ ۳۵۵) مسلم کی اس روایت میں ''قبل ان یدخل بھا'' کا لفظ رہ گیا ہے اور یہ کوئی بعید نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بلا کسی اختلاف کے اس حدیث کے ظاہر کے خلاف اجماع منعقد ہوا اور ائمہ اربعہ اور جمہور محدثین اس کے خلاف پر مجبور ہوئے۔ چنانچہ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جب کوئی شخص اپنی بیوی کو ہم بستری سے قبل تین طلاقیں دے دیتا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور خلافت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں ان کو ایک قرار دیتے تھے۔'' (زاد المعاد: ۴/ ۶۱)

خود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی اگر کوئی شخص دخول سے قبل اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا تو پہلی طلاق سے وہ بائن ہو جاتی اور باقی طلاقیں رائیگاں قرار پاتیں۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو جس سے دخول نہیں کیا کہا کہ ''**انت طالق، انت طالق، انت طالق**'' تو پہلی طلاق سے بیوی بائن ہو جائے گی اور باقی دو کچھ نہیں ہیں۔

(سنن کبریٰ: ۷/ ۳۵۵)

معلوم ہوا کہ مسلم کی روایت غیر مدخول بہا کے بارہ میں ہے ہر مطلقہ کے بارے میں

Marfat.com

نہیں ہے اور وہ بھی اس صورت میں جب کہ متفرق طور پر انت طالق، انت طالق، انت طالق سے اس کو طلاق دی گئی ہو۔

بعض حضرات نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل کے بارہ میں لکھا ہے کہ وہ شرعی نہ تھا بلکہ سیاسی تھا۔ یہ بھی بہت بڑی زیادتی ہے۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے معاذ اللہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدل ڈالا۔ اور یہ کہنا کہ ان کی خلافت کے بعد اس کے بحال رہنے یا نہ رہنے میں اختلاف ہوا۔ سراسر غلط اور جہالت پر مبنی ہے۔ اگر ان کا یہ فعل سیاسی ہوتا، شرعی نہ ہوتا تو تمام ائمہ حدیث و فقہ اسے من وعن قبول نہ کرتے اور آج تک کسی امام حدیث نے یہ نہیں لکھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حکم محض ایک سیاسی حکم تھا۔ بلکہ تمام محدثین نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس حکم کی موافقت دلائل شرعیہ سے کی ہے۔

مسلم کی اس روایت میں جس کو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور جتنے دلائل دیے جاتے ہیں اور جو احادیث اس بارہ میں پیش کی جاتی ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیک وقت تین طلاقوں کو ایک قرار دیا، سب ضعیف ہیں، لہٰذا ان کے بارہ میں کچھ نہیں کہا جائے گا۔

متعہ کی حرمت کا اعلان:

نکاح متعہ وہ نکاح ہے جو ایک مقررہ مدت کے لیے کیا جاتا ہے اور جب یہ مدت پوری ہو جاتی ہے تو تفریق واقع ہو جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے بعد ابتدائی زمانے میں متعہ حلال تھا۔ بعد ازاں اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اس کو قیامت تک کے لیے قطعی طور پر حرام قرار دے دیا اور ابتداء میں جو اجازت تھی وہ منسوخ ہو گئی۔ چنانچہ سبرۃ الجہنی کہتے ہیں کہ میرے والد نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ وہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ آپ نے فرمایا:

''اے لوگو! میں نے تمہیں عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی تھی۔ اب اللہ تعالیٰ نے اس کو قیامت تک کے لیے حرام کر دیا ہے۔ اب جس کے پاس ایسی کوئی عورت ہو اس کو آزاد کر دے اور جو کچھ تم نے انہیں دیا ہو وہ ان سے واپس لے لو۔''

(مسلم، باب نکاح المتعہ حدیث نمبر ۱۴۰۹)

Marfat.com

ایک مرتبہ آپ نے اعلان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں دو قسم کے متعہ تھے۔ ان میں سے متعہ نساء سے میں منع کرتا ہوں اور اس پر سزا دوں گا اور مجھے اگر ایسے کسی شخص پر قدرت حاصل ہو گئی جس نے مقررہ مدت کے لیے کسی عورت سے نکاح کیا ہو تو میں اسے پتھروں سے ڈھانپ دوں گا (یعنی سنگ سار کردوں گا) دوسرا متعہ، متعہ حج ہے۔ تم اپنے حج اور عمرہ میں فصل کرو کہ اس طرح تمہارا حج بھی مکمل ہوگا اور عمرہ بھی مکمل ہوگا۔''

(سنن کبریٰ بیہقی: ۷/۲۰۶، المحلی: ۷/۱۰۷)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں لوگ متعہ کرتے تھے پھر آپ نے اس کو حرام قرار دے دیا۔ بعد ازاں وقتی طور پر اس کی رخصت دی گئی اور پھر قیامت تک کے لیے حرام قرار دے دیا گیا۔ بعض لوگوں کو اس آخری تحریر کا علم ہوا تو انہوں نے اسے تا قیامت تحریم کا حکم سمجھا اور بعض لوگوں کو اس حرمت کا حکم پہنچا تو وہ سمجھے کہ یہ وہی حکم ہے جو رخصت سے پہلے تھا اور بعد میں اجازت مل گئی تھی، لہٰذا وہ رخصت پر عمل پیرا رہے۔ (نووی: ۹/۱۷۹ مصر، فتح الباری: ۱۱/۱۷۰)

متعہ کے بارہ میں بعض لوگوں کو بڑی غلط فہمی ہے، لہٰذا ہم اس کو یہاں ذرا تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ متعہ کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے نازل ہونے سے قبل جاہلیت کی عادت اور رسم و رواج کے مطابق اللہ تعالیٰ کے حکم کے نازل ہونے سے قبل جاہلیت کی عادت اور رسم و رواج کے مطابق لوگ متعہ کیا کرتے تھے اور اب تک اس کے بارہ میں کوئی واضح اور صریح حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ سب سے پہلے ۷ھ میں جنگ خیبر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے متعہ کی حرمت کا اعلان فرمایا۔ پھر ۸ھ میں جنگ اوطاس میں صرف تین روز کے لیے متعہ کی اجازت ہوئی اور اباحت کے معنی یہ ہیں کہ جن لوگوں نے حسب سابق متعہ کر لیا تھا اور جنگ خیبر کے موقع پر جو متعہ کی ممانعت کی گئی تھی، اس کا ان کو علم نہ تھا۔ اس لاعلمی میں جن لوگوں نے متعہ کر لیا تھا ان پر مواخذہ نہ کیا گیا لیکن اس کے بعد جب سرکارِ دو عالم ﷺ عمرۃ القضاء کے لیے مکہ تشریف لائے تو خانہ کعبہ کے دروازہ میں کھڑے ہو کر آپ نے فرمایا: ''متعہ قیامت تک کے لیے حرام کیا گیا ہے۔'' فتح مکہ کے بعد ہزاروں لوگ جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ ان کو متعہ کی حرمت کا علم نہیں تھا۔ انہوں نے مقام اوطاس میں لاعلمی کی بناء پر متعہ کیا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کو جب ان کی اس حرکت کا علم ہوا تو آپ نے کعبہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر متعہ کی دائمی حرمت کا اعلان فرمایا۔ پھر غزوہ تبوک کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے کچھ

Marfat.com

عورتوں کو مسلمانوں کے خیموں کے قریب گھومتے پھرتے دیکھا۔ پوچھا: ''یہ کون عورتیں ہیں؟'' بتایا گیا کہ ان عورتوں سے کچھ لوگوں نے متعہ کیا ہے۔ یہ سن کر آپ سخت ناراض ہوئے اور غصہ کی وجہ سے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ پھر آپ نے خطبہ دیا اور خطبہ میں اس کی ممانعت کا اعلان دہرایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ اس کے بعد پھر ہم نے کبھی متعہ نہیں کیا۔

بعض لوگوں کو تحریم متعہ کے اس بار بار اعلان سے یہ گمان ہو گیا کہ متعہ دو یا تین مرتبہ حلال کیا گیا اور دو تین مرتبہ حرام کیا گیا حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہے بلکہ دو تین بار اس کی حرمت کے اعلان کو دہرایا گیا۔ حرام یہ ایک ہی مرتبہ جنگ خیبر میں ہو گیا تھا۔

دوسری بات وضاحت طلب یہ ہے کہ آج کل جس شے کو متعہ کہا جاتا ہے، یہ اسلام میں کبھی بھی جائز نہیں رہا۔ متعہ کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ متعہ سے مراد نکاح موقت ہو یعنی ایک وقت معین کے لیے گواہوں کی موجودگی میں کسی عورت سے ازدواجی تعلق قائم کیا جائے اور مدت معینہ گزرنے کے بعد بلا طلاق مفارقت واقع ہو جائے۔ لیکن مفارقت کے بعد استبراء رحم کے لیے ایک مرتبہ ایام حیض کا انتظار کرے۔ یہ صورت ابتداء اسلام میں جائز تھی جو بعد میں ہمیشہ کے لیے حرام کر دی گئی۔ متعہ کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص کسی عورت سے یہ کہے کہ میں تجھ سے ایک روز کے لیے متمتع ہوں گا اور ایک روز کے انتفاع کی تجھ کو یہ اجرت دوں گا۔ یہ چیز عین زنا ہے۔ متعہ کی یہ صورت اسلام میں کبھی بھی جائز نہیں رہی۔ بلکہ متعہ کی یہ صورت کسی بھی دین میں کبھی بھی حلال نہیں ہوئی۔ یہ پہلی صورت بھی اسلام میں بایں معنی جائز تھی کہ شریعت میں اس خاص صورت کی ممانعت اور حرمت کا ابھی تک کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ جیسا کہ شراب اور سود ابتداء اسلام میں مباح ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ابتداء اسلام میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان دونوں کی ممانعت کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا جن لوگوں نے ممانعت سے قبل شراب پی یا سود لیا، شریعت کی طرف سے ان کا کوئی مواخذہ نہیں ہوا اور نہ ہی کوئی سزا دی گئی۔ یہاں تک کہ شراب اور سود کی حرمت کا حکم نازل ہو گیا۔ اس سے یہ پتہ چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کی قولاً کوئی اجازت نہیں دی تھی۔ جاہلیت سے یہ نکاح موقت چلا آ تا رہا، اس کی حرمت کا اعلان غزوہ خیبر میں ہوا۔ اور بعد میں دو تین مواقع پر اس اعلان کو دہرایا گیا تاکہ جن کو اس کی حرمت کا علم نہیں ہے انہیں علم ہو جائے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر قرطبی: ۱۳۲/۵، کتاب الاعتبار، حازمی ۱۸۰)

Marfat.com

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور حرمت متعہ:

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے متعہ کی حرمت جنگ خیبر میں ہوئی۔ اس کے بعد جنگ اوطاس میں پھر فتح مکہ کے روز، پھر جنگ تبوک وغیرہ میں اس حرمت متعہ کے اعلان کو دہرایا گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ روایات کے اس الجھاؤ کو ''حد'' ساقط کردینے والا شبہ خیال کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے نزدیک حد صرف اسی صورت میں جاری کی جاسکتی ہے جب مجرم کو معلوم ہو کہ اس کا جرم قابل حد ہے۔ اسی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ربیعہ بن امیہ بن خلف پر نکاح متعہ کرنے کے باوجود حد زنا جاری نہیں کی۔ یہ واقعہ روایات میں اس طرح ہے کہ سیدہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور کہا کہ ربیعہ بن امیہ نے ایک عورت سے نکاح متعہ کیا تھا اور وہ حاملہ ہوگئی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ گھبراہٹ سے اپنی چادر کھینچتے ہوئے باہر نکلے اور فرمایا کہ اگر میں متعہ کی حرمت کے بارہ میں پہلے اعلان کرچکا ہوتا تو میں اسے ضرور سنگسار کردیتا۔

(موطا امام مالک: ۲/۵۴۲، مصر، مصنف عبدالرزاق: ۷/۵۰۱، سنن کبریٰ بیہقی: ۷/۲۰۶)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ یہ معاملہ پھیل رہا ہے اور ایک قطعی تدبیر کی ضرورت ہے تو آپ نے نکاح متعہ کے بارہ میں سخت موقف اختیار کیا اور اس معاملہ میں نہایت سختی کی اور قطعی طور پر اس کی ممانعت فرمادی اور منبر پر بھی اس ممانعت کا اعلان فرمایا اور متعہ کرنے والوں پر بھی اس طرح کڑی نظر رکھی کہ سیدنا سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ اگر وہ متعہ سے اس طرح نہ روکتے تو لوگ کھلم کھلا زنا کرتے۔''

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۲۲۲)

متعہ کے بارہ میں سختی کرنے اور قطعیت اختیار کرنے کا مرحلہ اس وقت پیش آیا جب عمرو بن حریث نے بنی عامر بن لوئی کی نوجوان لڑکی سے نکاح کرلیا اور وہ حاملہ ہوگئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات بتائی گئی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس لڑکی سے دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ مجھ سے عمرو بن حریث نے متعہ کیا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن حریث سے پوچھا تو انہوں نے اعتراف کرلیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا ''تم نے کسی کو گواہ بنایا تھا؟'' انہوں نے کہا ''مجھے نہیں معلوم'' یا انہوں نے کہا ''اس کی ماں اور بہن کو'' یا یہ کہا کہ ''اس کی ماں اور بھائی کو'' یہ حالت دیکھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا ''لوگوں کو کیا ہوا کہ وہ متعہ کرتے ہیں اور عادل

Marfat.com

لوگوں کو گواہ نہیں بناتے؟ اب میں کسی مسلمان کو متعہ کرتے پاؤں گا تو اس پر حد جاری کروں گا۔ (مصنف عبدالرزاق: ۷/۵۰۰)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلسل اپنے خطبوں میں لوگوں کو متعہ کی ممانعت یاد دلاتے اور انہیں تنبیہ فرماتے کہ اگر کسی نے اس ممانعت کے بعد متعہ کیا تو آپ اس پر حد جاری کریں گے۔ ایک مرتبہ آپ منبر پر تشریف لے گئے اور حمد و ثناء کے بعد فرمایا "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ سے منع فرما دیا ہے تو پھر لوگ کس طرح ایسا کر رہے ہیں؟ اگر میرے پاس کوئی ایسا شخص لایا گیا تو میں اسے رجم کر دوں گا۔ (سنن کبریٰ بیہقی: ۵/۲۱)

ایک دفعہ آپ نے فرمایا: "اگر میرے پاس کوئی شخص لایا گیا جس نے محصن ہونے کے باوجود متعہ کیا ہوگا تو میں اسے رجم (سنگسار) کروں گا اور غیر محصن (غیر شادی شدہ) متعہ کرے گا تو میں اسے کوڑے ماروں گا۔" (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۱/۲۲۰)

بعض لوگوں کو یہ مغالطہ ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے متعہ سے صرف اس صورت میں منع کیا تھا جب اس میں دو عادل گواہ نہ ہوں اور اگر عادل گواہ موجود ہوں تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ (المحلیٰ لابن حزم: ۹/۵۲۰) یہ مغالطہ انہیں اس روایت سے ہوا ہے جو مصنف عبدالرزاق: ۷/۵۰۱ میں ربیعہ بن امیہ بن خلف کے بارہ میں گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ اس میں انہوں نے دو عورتوں کو گواہ بنالیا، ان میں ایک خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا تھیں۔ انہیں اچانک معلوم ہوا کہ لڑکی حاملہ ہوگئی ہے، لہٰذا خولہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا ذکر کیا۔ وہ غصے سے چادر گھسیٹتے ہوئے باہر نکلے اور منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا اور فرمایا "مجھے اطلاع ملی ہے کہ ربیعہ بن امیہ نے مدینہ کی ایک لڑکی سے دو عورتوں کو گواہ بنا کر متعہ کیا ہے۔ اگر میں پہلے اس کی ممانعت کا اعلان کر چکا ہوتا تو اسے رجم کر دیتا۔" (مصنف عبدالرزاق: ۷/۵۰۱)

ایسے ہی عمرو بن حریث کی روایت میں گزر چکا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "لوگوں کو کیا ہوا کہ متعہ تو کرتے ہیں اور عادل لوگوں کو گواہ نہیں بناتے۔" اسی طرح سنن بیہقی میں ایک روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے خفیہ طور پر نکاح متعہ کرلیا۔ وہ اس کے پاس آتا جاتا تھا۔ اس کے پڑوسی نے اسے دیکھا اور اس پر تہمت لگائی وہ اس بات کی شکایت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے کر گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ اس کے اس نکاح کے گواہ کہاں

Marfat.com

ہیں؟ اس نے جواب دیا ''امیر المومنین! یہ ذرا کم حیثیت بات ہے اس لیے میں نے اس کے گھر والوں ہی کو گواہ بنالیا تھا۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے اور اس کے قاذف سے حد ساقط کر دی اور فرمایا ''عورتوں سے تعلق میں پاک دامنی اختیار کرو اور نکاح کا اعلان کرو اور آپ نے متعہ سے منع فرما دیا۔'' (السنن الکبریٰ بیہقی: ۷/۲۹۰)

ان تمام روایات میں چند امور جمع ہو گئے تھے۔ ایک یہ کہ یہ نکاح متعہ تھا اور دوسرا یہ کہ بغیر گواہوں کے نکاح تھا۔ یا خفیہ اور بغیر اعلان کے ساتھ۔ چنانچہ جہاں گواہوں کی ضرورت پر متنبہ کرنے کی حاجت تھی وہاں آپ نے گواہوں کی ضرورت پر متنبہ کیا، لیکن ساتھ ہی متعہ کی ممانعت بھی کی۔ قطع نظر اس کہ متعہ بغیر گواہوں کے ہوا ہو یا گواہوں کے ساتھ۔ دوسری بات ان تمام روایات سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی قید کے متعہ سے منع فرمایا اور اس میں نہ کوئی شرط لگائی اور نہ کوئی قید، لہٰذا یہ دعویٰ کہ آپ نے اس متعہ کو منع کیا جو بغیر گواہوں کے ہوا ہو اور جس میں گواہ موجود ہوں اس کی اجازت دی تھی، ایک بلا دلیل دعویٰ ہے۔

تیسری چیز جو ان تمام روایات سے ثابت ہوئی وہ یہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بذات خود اس متعہ سے نہیں روکا تھا، بلکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خود روکنے اور منع کرنے کے اعلان کے مطابق لوگوں کو منع کیا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر متعہ کی حرمت کا اعلان لغو اور باطل ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس بات کی وضاحت فرمائی کہ متعہ کا نسخ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔'' (بخاری: ۲/ ۷۶۷) اور خود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ:

وقد نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عنها

''اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود متعہ سے منع فرمایا تھا۔'' (سنن کبریٰ: ۷/۲۰۶)

اسی وجہ سے امام ابن قدامہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس ممانعت کے فعل سے ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریم اور ممانعت کی اشاعت اور تشہیر کی ہے کیونکہ یہ بات ناممکن ہے کہ جس شے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مباح اور جائز قرار دیں اس سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو روک دیں۔'' (مغنی ابن قدامہ: ۷/۵۷۳)

Marfat.com

نصوص قرآن سے حرمت متعہ:

رسول اللہ ﷺ نے تو متعہ سے منع فرمایا تھا، خود اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن حکیم میں متعہ سے روک دیا۔ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی رسول اللہ ﷺ نے تشہیر کی اور متعہ سے روک دیا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿والذین هم لفروجهم حافظون الاعلیٰ ازواجهم اوما ملکت ایمانهم فانهم غیر ملومین، فمن ابتغی وراء ذالك، فاولئك هم العادون﴾ (سورۃ المومنون)

''وہ لوگ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ سوائے اپنی عورتوں کے اور لونڈیوں کے کہ ان پر (محفوظ رکھنے میں) وہ قابل ملامت نہیں ہیں۔ البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں وہی زیادتی کرنے والے ہیں۔''

اس آیہ کریمہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ منکوحہ اور مملوکہ کے سوا خواہش نفس پوری کرنے کی ہر صورت کو قرآن نے حرام کردیا ہے۔ ممنوعہ عورت نہ تو بیوی ہے اور نہ ہی لونڈی۔ لونڈی تو وہ نہیں ہے اور بیوی اس لیے نہیں کہ زوجیت کے قانونی احکام اس کے اندر نہیں پائے جاتے۔ پس جب وہ نہ بیوی ہے اور نہ لونڈی تو لامحالہ وہ ان دونوں کے سوا کچھ اور ہے جس کے طالب کو قرآن حکیم نے ''حد سے گزرنے والا'' (العادون) قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ

''یہ آیت حرمت متعہ پر دلالت کرتی ہے کیونکہ ممنوعہ عورت بیوی کے حکم میں داخل نہیں ہے، لہٰذا متعہ کرنے والے کے لیے وہ حلال نہیں ہوسکتی۔ اس کے بیوی نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تمام امت کا اجماع ہے کہ میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں۔ اگر زن ممنوعہ بیوی کے حکم میں ہوتی تو ضرور مرد کی وارث بنتی، کیونکہ فرمان خداوندی ہے کہ تمہاری بیویوں نے جو کچھ چھوڑا ہو اس کا آدھا تمہیں ملے گا اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ زن ممنوعہ بیوی کے حکم میں نہیں ہے تو پھر وہ حلال بھی نہیں ہوسکتی کیونکہ فرمان خداوندی ہے۔ ''**الاعلی ازواجهم او ماملکت ایمانهم**'' (تفسیر کبیر: ۶/۱۰۶)

ایسا ہی امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ (قرطبی: ۱۲/۱۰۶)

Marfat.com

سورۃ النساء میں فرمایا، جس کا ترجمہ یہ ہے:

''اور حلال ہیں تمہارے لیے سب عورتیں مگر یہ کہ تم انہیں اپنے اموال سے تلاش کرو، اور قید نکاح میں رکھنے والے ہو نہ کہ مستی نکالنے کو، پس جن عورتوں سے تم نے فائدہ اٹھایا تو ان کو ان کے حق دو جو مقرر ہوئے ہیں اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ مقرر کیے ہوئے مہر کے بعد اور مہر انہیں دو۔'' (النساء)

اس آیت میں کہا گیا کہ وہ عورتیں جن سے نکاح حلال ہے، انہیں چند شرطوں کے ساتھ نکاح میں لایا جا سکتا ہے۔ ان شرائط میں سے دو شرطیں متعہ کی حرمت کو بڑی وضاحت سے بیان کرتی ہیں۔

(۱) محصنین: پہلی شرط یہ ہے کہ جن عورتوں سے تم نکاح کرو تو وہ نکاح وقتی اور عارضی نہ ہو بلکہ دائمی ہو۔ ایسا نہ ہو کہ چند روز یا چند گھنٹوں کی وقتی عیش کے لیے، ان سے شادی کر لو اور پھر انہیں چھوڑ دو بلکہ نکاح کرتے وقت انہیں ہمیشہ اپنے پاس رکھنے کی نیت ہو۔

(۲) غیر مسافحین: دوسری شرط یہ ہے کہ تمہارا اس نکاح سے مقصد صرف مستی نکالنا نہ ہو، جیسا کہ زنا میں ہوتا ہے۔

اس کے بعد ''**فما استمتعتم**'' فرمایا، جس کا مطلب یہ ہے کہ جن عورتوں سے تم نے ان شرطوں کے ساتھ نکاح کر کے فائدہ اٹھالیا ہے ان عورتوں کا مہر جو بھی مقرر ہوا وہ ان کو دے دو۔ یعنی ان کا مہر ادا کرنا ہوگا۔

اس کے علاوہ اور بھی کئی آیات ہیں جن سے حرمت متعہ ثابت ہوتی ہے۔

احادیث سے حرمت متعہ:

جب قرآن حکیم نے متعہ کو حرام قرار دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی یوں ترجمانی فرمائی۔ چنانچہ سبرہ جہنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے پس آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! میں نے تم کو عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی تھی۔ اور اب اللہ تعالیٰ نے اس کو قیامت تک کے لیے حرام کر دیا ہے (**وان اللہ قد حرم ذالک الی یوم القیامۃ**) پس جس کے پاس ایسی کوئی عورت ہو، وہ اس کو چھوڑ دے اور جو

Marfat.com

کچھ تم نے ان کو دیا ہو وہ ان سے واپس نہ لو۔"

(مسلم:۱/۴۵۱،ابوداؤد:۱/۲۹۰،نیل الاوطار شوکانی:۵/۱۳۴)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے متعہ کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت حرام قرار دیا۔

ایک اور حدیث میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر میں عورتوں سے متعہ کرنے سے منع فرمایا۔" (کنز العمال:۱۵/ ۵۲۷،مسند امام اعظم:۱۳۴)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر میں متعہ سے اور پلے ہوئے شہری گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا۔

(بخاری:۲/ ۷۶۷،مسلم:۱/۴۵۲،ترمذی:۱/۱۳۳،نسائی:۲/۸۰،ابن ماجہ:۱/۱۴۲،موطا امام مالک:۱۲۶،فروع کافی:۲/۱۹۲،تہذیب الاحکام:۲/۱۸۶،الاستبصار:۳/۱۴۲)

افسوس یہ ہے کہ صاحب استبصار نے اس روایت کے بارہ میں لکھا ہے:

فالوجه في هذه الرواية ان تحملها على التقية لانها موافقة لمذهب عامة (استبصار:۳/۱۴۲)

یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت تقیہ پر محمول ہے کیونکہ یہ مذہب عامہ (اہل سنت) کے موافق ہے۔

اب جس شے کو (یعنی متعہ کو) قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کو حرام قرار دیا۔ ان دونوں کی حرام کردہ شے کے حکم کی تشہیر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں کی۔ آپ نے خود اپنی طرف سے متعہ کو حرام قرار نہیں دیا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام امت کا متعہ کی حرمت پر اجماع ہے۔ چنانچہ مغنی ابن قدامہ میں ہے۔

هذا قول عامة الصحابة والفقهاء

"حرمت متعہ کا قول تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فقہاء امت کا قول ہے۔"

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ "متعہ کی حرمت پر سوائے شیعوں کے تمام علماء کا اجماع ہو گیا ہے۔ (نووی:۱/۴۵۰،نیل الاوطار شوکانی:۶/۱۳۶)

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ "تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متعہ کو حرام سمجھتے تھے اور اس کی حرمت پر عمل پیرا تھے اور اسی تحریم کو انہوں نے ہم تک روایت کیا ہے۔ (نیل الاوطار:۶/ ۱۳۸)

Marfat.com

ابو بکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ تمام فقہاء کا بلا اختلاف حرمت متعہ پر اتفاق ہے۔ (احکام القرآن: ۲/۱۵۳)

علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''نکاح متعہ جو نکاح موقت ہوتا ہے جائز نہیں ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد نبوت کے شروع میں حلال تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کو منسوخ کر دیا۔'' (المحلی: ۹/519)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''متعہ اجماع امت سے حرام ہے باوجود ضرورت اور حاجت کے اس پر انہوں نے عمل نہیں کیا۔'' (فتح الملہم: ۳/۴۴۴)

متعہ حضر میں کبھی جائز نہیں تھا

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ متعہ صرف ضرورت شدیدہ سفر اور غزوات میں حلال تھا۔ کسی موقع پر بھی اس کی حلت حضر میں نہیں ہوئی۔ چنانچہ ابو حمزہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے متعہ کے بارہ میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا:

''اس کی حلت قلت نساء کی وجہ سے غزوات میں ہوئی'' (معانی الآثار: ۳/ ۲۷)

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''غزوات اور خوف وغیرہ کی حالت میں متعہ حلال ہوا تھا۔''

(سنن کبریٰ بیہقی: ۷/ ۲۰۷)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت شدیدہ اور قلت نساء کی وجہ سے صرف غزوات میں متعہ کی رخصت دی تھی اب اگر کوئی شخص عورتوں کی کثرت اور جائز نکاح کی توفیق ہونے کے باوجود حضر میں متعہ کی رخصت کا قائل ہے وہ بلاشبہ حد سے گزرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' (فتح الملہم: ۳/۴۴۱)

حجاب کے بارہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا حکم:

حجاب سے مراد دو چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ عورت کا عام لباس یعنی دوپٹہ اور بڑی چادر اس قسم کے ہوں جو سر سے پاؤں تک اس کے جسم کو چھپالیں۔ دوسری شے یہ ہے کہ عورت

Marfat.com

مردوں کی محفلوں سے الگ تھلگ رہے اور مرد وزن میں اختلاط نہ ہو۔

نابالغ بچیوں کے بارہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ انہیں کھلا پھرنے دو۔ ممکن ہے کہ ان کے چچا زاد ان میں دلچسپی لینے لگیں وہ جب مرد رشتہ داروں کے سامنے لائی جائیں گی تو وہ ان کو خوب دیکھ بھال لیں گے اور مستقبل میں ان کے رشتہ کی بات چل سکے گی۔

(مصنف عبدالرزاق: ۶/ ۱۵۶)

یہودیت اور نصرانیت میں بھی چونکہ پردہ کا حکم ہے اس لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان مذاہب کی عورتوں کو بھی پردہ کا حکم دیا کرتے تھے کہ وہ بھی پردہ میں رہ کر بناؤ سنگھار کریں۔

(مصنف عبدالرزاق: ۶/ ۵۴)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک مسلمان عورتوں کو کافر عورتوں سے پردہ ضروری تھا، چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ مسلمان عورتیں اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ حمام میں جاتی ہیں۔ آپ نے حکم دیا کہ مسلمان عورتوں کو ایسا کرنے سے منع کرو۔ اور انہیں اس سے روکو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ کسی مسلمان عورت کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے یہ جائز نہیں ہے کہ اس کے اپنے اہل ملت کے سوا کوئی دوسرا اس کے جسم کے پوشیدہ حصوں کو دیکھے۔ (سنن کبریٰ بیہقی: ۷/ ۹۵)

اسلام میں عورت کے حجاب کے لیے کچھ شرائط بھی ہیں، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان شرائط کو لاگو کیا۔ چنانچہ جو کپڑا عورت حجاب کے لیے استعمال کرے اس میں مندرجہ ذیل شرائط پوری ہونی چاہئیں۔

① یہ کپڑا کھلا ڈھلا ہو جس میں عورت کا پورا جسم چھپ جائے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک حوض پر تشریف لائے اور دیکھا کہ مرد اور عورتیں اکٹھے وضو کر رہے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو کوڑے سے مارا اور صاحب حوض سے کہا کہ مردوں اور عورتوں کے لیے الگ الگ حوض بناؤ۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اس بارہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''آپ راعی ہیں، اگر آپ انہیں اس کے علاوہ کسی اور بات پر ماریں تو آپ خود بھی ہلاک ہوں اور دوسروں کو بھی ہلاک کریں۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱/ ۷۹)

بعض حضرات کا خیال ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات پر اس لیے اعتراض کیا تھا

Marfat.com

اور سرزنش فرمائی تھی کہ عورت وضو کرتے وقت اپنی کلائی ضرور کھولے گی اور اس وقت اگر مرد موجود ہوں گے تو یہ بری بات ہوگی۔

② یہ کپڑا جس سے عورت نے اپنے آپ کو ڈھانپا ہوا ہو خود ایسا آراستہ پیراستہ نہ ہو کہ عورت کے حسن میں اضافہ کا باعث بن جائے اور نگاہیں بے ساختہ اس طرف اٹھیں۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک عورت اپنے شوہر کی اجازت سے زیبائش کر کے نکلی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی تو آپ نے اسے طلب فرمایا، لیکن وہ نہ مل سکی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور فرمایا ''جو عورت باہر نکلی تھی اور جس نے اسے بھیجا تھا، اگر یہ دونوں مجھے مل جائیں تو میں ان کے ٹکڑے کر دوں۔ جو عورت اپنے باپ یا بھائی سے ملنے جائے اسے سنورنے کی کیا ضرورت ہے۔ اسے چاہئے کہ وہ پرانے کپڑے پہن کر جائے اور اپنے گھر واپس آ کر شوہر کے لیے زیب و زینت کرے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۲۷۲/۴)

③ یہ کپڑا عورت کے جسم کے پوشیدہ حصوں کو نمایاں کرنے والا نہ ہو کپڑوں کے اوپر بڑی چادر کا اوڑھنا اور وجہ سے مشروع قرار دیا گیا ہے۔

اولاً: لباس کی اس زینت کو چھپانے کے لیے بالعموم کپڑوں میں ہوتی ہے۔

ثانیاً: لباس پہننے کے باوجود جسم جو نمایاں ہوتا ہے اسے چھپانے کے لیے جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ﴾ (الاحزاب: ۵۹)

''اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کرو۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ عورتیں اپنی کوکھ چھپانے میں کوتاہی نہ کیا کریں اور اگر کوکھ سے نیچے کا جسم بھی پوشیدہ ہو تو یہ اور بھی اچھا ہے اور اگر جسم کے اس حصہ پر بھی کچھ پہن لیا جائے تو یہ زیادہ چھپانے والا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۳۰/۳)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس بات کو نہایت ناپسند فرماتے تھے کہ عورتیں مردوں کی نظروں کا ہدف بنیں اور اجنبی مردوں کے ساتھ ان کا اختلاط ہو کیونکہ اس سے فتنوں کا دروازہ کھلتا ہے۔ اسی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شدید ضرورت کے بغیر عورتوں کا گھر سے باہر نکلنا ناپسند فرماتے تھے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ عورتوں میں لباس کی کمی سے قابو حاصل کرو کیونکہ اگر عورتوں کے

Marfat.com

پاس کپڑے اور سامان زینت زیادہ ہوگا تو وہ باہر نکلنا پسند کریں گی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۲۳۳)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس بات سے روکتے اور منع فرماتے تھے کہ کسی عورت کے پاس محرم کے علاوہ کوئی شخص جائے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جس عورت کا شوہر کہیں باہر گیا ہوا ہو اس کے پاس کوئی دوسرا شخص سوائے محرم کے نہ جائے۔ اگرچہ کوئی کہے کہ یہ تو اس کا دیور ہے کیونکہ دیور ہی تو موت ہے۔'' (مصنف عبدالرزاق: ۷/۱۳۷، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۲۲۲) ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص کسی ایسی عورت کے پاس نہ جائے جس کا شوہر باہر گیا ہو۔ اس پر ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ میرا بھائی یا میرا چچازاد بھائی غزوہ میں گیا ہے اور وہ مجھے اپنے گھر والوں کا خیال رکھنے کے لیے کہہ گیا ہے تو کیا میں ان کے پاس جا سکتا ہوں؟ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے درہ مارا اور فرمایا ''اب اس طرح ہرگز اندر نہ جاؤ، دروازے پر کھڑے ہو کر پوچھو' کیا کوئی ضرورت ہے یا کچھ چاہیے؟'' (مصنف عبدالرزاق: ۷/۱۳۷)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مردوں کی اجنبی عورتوں کے ساتھ اٹھک بیٹھک اور بات چیت کرنے کو منع کرتے تھے اور اس پر سزا دیا کرتے تھے۔ ایک شخص کا گزر ایک دوسرے شخص کے پاس سے ہوا جس کے لیے کچھ عورتوں نے گدا بچھایا ہوا تھا اور وہ عورتوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا اور وہ عورتیں اس سے باتیں کر رہی تھیں اور وہ بڑی دلچسپی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ اس گزرنے والے شخص نے اسے لکڑی سے مارا یہاں تک کہ وہ زخمی ہو گیا۔ وہ اسے لے کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور کہا ''امیر المومنین! یہ شخص میرے پاس سے گزرا۔ میں کچھ خواتین کے ساتھ باتیں کر رہا تھا، اس نے مجھے لاٹھی سے مار کر زخمی کر دیا ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: ''تو نے اس کو کیوں مارا؟'' اس نے کہا ''امیر المومنین! میں اس کے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ یہ شخص ایسی عورتوں سے محو گفتگو ہے جنہیں میں نہیں پہچانتا۔ یہ نہایت دلچسپی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے اپنے آپ پر قابو نہیں رہا اور میں نے اسے مارا۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے مارنے والے اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے اور اے پٹنے والے! تو جان لے کہ اللہ کے نگران نے تجھے دیکھ لیا۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۰/۳۱۰)

اسی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عورتوں کو جنازہ کے ساتھ جانے سے منع فرماتے تھے کیونکہ جنازہ میں مرد ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ کوئی عورت میرے ساتھ جنازہ میں نہ آئے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۱۴۶)

Marfat.com

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مردوں اور عورتوں کے باہمی اختلاط کو ناپسند فرمانے کی وجہ سے عبادات کے مقامات پر بھی عورتوں اور مردوں کے اختلاط کو روکتے تھے کیونکہ وہ فرماتے تھے کہ شیطان جسم انسانی میں خون کی طرح گردش کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ آپ نے مردوں اور عورتوں کے وضو کرنے کی جگہ کو الگ الگ بنانے کا حکم دیا۔ مسجد میں عورتوں کے لیے ایک الگ دروازہ مخصوص فرما دیا اور مردوں کو اس دروازہ سے آمدورفت سے روک دیا۔ (المحلی لابن حزم: ۳/۱۳۱، ۴/۱۱۹)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نماز میں بھی عورتوں کے مردوں سے دور رہنے کو پسند فرماتے تھے۔ اسی لیے آپ نے سلیمان بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ رمضان المبارک میں مسجد کے ایک کونے میں عورتوں کو تراویح پڑھایا کریں۔ (المحلی لابن حزم: ۳/۱۲۹) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس بات کو بھی ناپسند فرماتے تھے کہ آپ کے گھر کی عورتیں نماز کے لیے مسجد میں آئیں۔ ان کے لیے آپ گھر میں نماز پڑھنے کو ترجیح دیتے تھے۔ لیکن آپ واضح طور پر منع کرنے کی جرأت بھی نہیں کرتے تھے کیونکہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منع نہ کرنے کے بارے میں سنا تھا۔ امام احمد بن حنبل نے روایت نقل کی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بڑے غیرت مند تھے۔ جب نماز کو جاتے تو ان کی زوجہ عاتکہ بنت زید رضی اللہ عنہا بھی آپ کے پیچھے جاتیں۔ آپ ان کا جانا پسند نہ فرماتے لیکن ان کو منع کرنا بھی پسند نہ فرماتے اور یہ حدیث بیان فرماتے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تمہاری عورتیں مسجد میں نماز کو جانے کی اجازت طلب کریں تو ان کو منع نہ کرو، (مسند احمد: ۱/۴۰) ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ایک زوجہ محترمہ صبح اور عشاء کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرتی تھیں۔ ان سے کہا گیا کہ آپ مسجد میں نماز کو کیوں جاتی ہیں؟ جب کہ آپ کو پتہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آپ کا جانا ناپسند فرماتے ہیں۔ انہوں نے کہا ''پھر وہ ہمیں منع کیوں نہیں کرتے؟ کہا گیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے منع نہیں کرتے کہ اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مساجد میں جانے سے نہ روکو (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۱۰۶)۔ علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی اس زوجہ سے فرمایا ''تمہیں معلوم ہے کہ مجھے تمہارا مسجد میں جانا پسند نہیں ہے۔'' انہوں نے جواب دیا ''بخدا! میں اس وقت تک نہیں رکوں گی جب تک آپ مجھے منع نہیں کریں گے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''پھر میں تو منع نہیں کروں گا۔'' چنانچہ جس روز سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ابولولو فیروز نے خنجر سے شہید کیا اس روز بھی وہ مسجد میں موجود تھیں۔
(المحلی لابن حزم: ۳/۱۳۹)

Marfat.com

بچہ کی حضانت کا حق دار:

بچہ کی تربیت اور اس کے معاملات کی دیکھ بھال کے لیے اس کے نفس پر ولایت حضانت کہلاتی ہے۔ اسلام میں بچہ کی حضانت کا سب سے زیادہ حق اس کی ماں کو ہے، پھر اس کی نانی کو پھر باپ کو اور اس کی دادی کو۔ چنانچہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماں سے یہ کہا کہ تو اس بچہ کی سب سے زیادہ حق دار ہے جب تک تو دوسرا نکاح نہ کرے۔
(ابوداؤد حدیث نمبر ۲۲۷۶)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک بچہ کا جھگڑا آیا۔ آپ نے فرمایا ''یہ ماں کے ساتھ ہے جب تک بولنے نہ لگے۔'' اس کے بعد نانی کا اختیار ہے (مصنف عبدالرزاق: ۱۵۶/۷، المحلی: ۳۲۸/۱۰) اور نانی کا بچہ کے باپ سے زیادہ اس کی حضانت کی حق دار ہونے کی دلیل یہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں ایک انصاری عورت (جمیلہ) تھی۔ اس سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بیٹا عاصم پیدا ہوا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو طلاق دے دی۔ بعدازاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ایک روز ادھر سے گزر ہوا۔ دیکھا کہ ان کا بیٹا عاصم مسجد کے صحن میں کھیل رہا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے بازو سے پکڑا اور اپنے آگے سواری پر بٹھالیا۔ بچہ کی نانی آئی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے جھگڑنے لگی۔ یہاں تک کہ دونوں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ''یہ میرا بیٹا ہے'' اس عورت نے کہا کہ میرا بیٹا ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''بچہ اس کی نانی کے پاس رہنے دو۔'' چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ خاموشی سے قبول کرلیا۔
(موطا امام مالک: ۷۶۷/۲، سنن کبریٰ بیہقی: ۵/۸، مصنف عبدالرزاق: ۱۵۴/۷)

جب بچہ کی ماں اور نانی حضانت کی باپ سے زیادہ حق دار ہیں تو یقیناً یہ دونوں بچہ کے چچا سے بھی زیادہ حق دار ہیں۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک بچہ کی ماں اور بچے کا چچا مقدمہ لے کر آئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''تیری ماں کی تنگ دستی تیرے چچا کی خوشحالی سے بہتر ہے۔'' (مصنف عبدالرزاق: ۱۵۶/۷، المحلی: ۳۲۸/۱۰)

ہاں اگر میاں بیوی غیر مسلم ہوں جیسے نصرانی وغیرہ اور دونوں میں سے کوئی ایک اسلام قبول کرلے تو بچہ کی حضانت کا حق مسلمان کو ہوگا خواہ مسلمان باپ ہو یا ماں۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مقدمہ میں یہی فیصلہ کیا۔ (مصنف عبدالرزاق: ۲۶/۶)

Marfat.com

بچہ کے بالغ ہو جانے کی صورت میں حضانت کرنے والے کا حق حضانت ختم ہو جاتا ہے اور بچہ کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ چاہے تو ماں کے ساتھ رہے اور چاہے باپ کے ساتھ رہے۔ چنانچہ ایک مقدمہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بچہ کو یہ اختیار دیا۔ بچے نے ماں کا انتخاب کیا تو ماں اسے لے کر چلی گئی۔ (المحلی: ۱۰/ ۳۲۸، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/ ۱۵۵، المغنی: ۷/ ۶۱۴، ۹/ ۱۳۲)

اسی طرح ایک عراقی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ وہ حاملہ تھی۔ اس شخص نے اپنی بیوی سے کوئی اچھا سلوک نہیں کیا تھا اور نہ ہی اس نے بچہ سے کوئی اچھا سلوک کیا تھا۔ یہاں تک کہ لوگ حج کو روانہ ہوئے۔ اس قافلہ حج میں اس بچے کا باپ بھی تھا۔ کسی شخص نے اس سے کہا کہ تمہارا بچہ بھی اس قافلہ میں ہے۔ اگر تم اسے دیکھو تو کیا پہچان لو گے؟ اس نے کہا ''بخدا! نہیں۔'' اس شخص نے بتایا ''یہ تمہارا بیٹا ہے؟'' اس نے اس کے اونٹ کی مہار پکڑ کر کھینچ لی اور اسے لے کر روانہ ہو گیا۔ معاملہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچا۔ دونوں بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے۔ اس بچے کی ماں نے دامن پھیلا کر ایک شعر پڑھا کہ

''اے اللہ کے بندو! راستہ دو، میں ہی تو ہوں جس نے ایک سال اس کو پیٹ میں رکھا اور دو سال دودھ پلایا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا ''اسے راستہ دے دو۔'' چنانچہ اس نے آگے آ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سارا واقعہ سنایا۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس بچے کو جواب نوجوان تھا، اختیار دیا۔ اس نے اپنی ماں کو اختیار کیا اور وہ اسے لے کر چلی گئی (مصنف عبدالرزاق: ۷/ ۱۵۵)۔ کس عمر میں بچہ کو انتخاب کا یہ اختیار ملتا ہے؟ اس بارہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بچہ اپنی ماں کے پاس رہے گا۔ جب اپنی بات پوری طرح کہنے کے قابل ہو جائے تو اسے انتخاب کا اختیار دیا جائے گا۔ (مصنف عبدالرزاق: ۷/ ۱۵۶، المحلی: ۱۰/ ۳۲۸)

اور یہ عموماً سات برس کی عمر میں ہوتا ہے۔ اسی لیے قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہہ دیا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ فرمایا کہ بچہ کی عمر جب سات سال ہو جائے اور وہ بے عقل نہ ہو تو اسے والدین میں سے کسی ایک کو انتخاب کرنے کا موقع دیا جائے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک امیر کی شرائط:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک امیر مقرر کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ

Marfat.com

لوگوں کے معاملات اس وقت تک درست نہیں ہو سکتے جب تک کہ ایک ایسا امیر موجود نہ ہو جس کے حکم کی سب اطاعت کریں اور سب اس کی رہنمائی پر عمل کریں، اسی لیے آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم تین ہو تب بھی ان میں سے ایک کو امیر بنالو۔

(مصنف عبدالرزاق: ۸/ ۵۸، نیل الاوطار شوکانی: ۸/ ۲۶۵)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک ایک امیر میں مندرجہ ذیل شرائط ہونی چاہئیں تھیں۔

① عقل و بلوغ: ایک امیر کے لیے عاقل و بالغ ہونا ضروری ہے کیونکہ احکام الٰہی کا مکلف ہونے کے لیے ان دونوں صفات کا ہونا ضروری ہے۔

② اسلام: اسلام کی شرط بھی ایک امیر کے لیے ضروری اور لابدی ہے۔ کیونکہ امارت سے مراد عوام کی ولایت اور سرپرستی ہے اور ایک کافر کو مسلمانوں پر ولایت کا حق حاصل نہیں۔

چنانچہ آپ ایک غیر مسلم کو مسلمانوں کے معاملات کا امیر بنانا پسند نہیں فرماتے تھے۔

وسق رومی سے منقول ہے کہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا غلام تھا۔ آپ مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ تم اسلام قبول کرلو تاکہ میں تم سے مسلمانوں کی امامت میں تعاون لوں کیونکہ میں مناسب نہیں سمجھتا کہ مسلمانوں کی کسی امامت میں کسی ایسے شخص سے مدد لوں جو ان میں سے نہیں ہے یعنی غیر مسلم ہو۔ لیکن میں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کردیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں ہے۔'' (کتاب الاموال: ۳۵، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/ ۱۶۰)

سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اشعری ایک مرتبہ آپ کے پاس آئے۔ ان کے ساتھ ایک نصرانی کاتب تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی یادداشت کو پسند فرمایا اور فرمایا ''ابوموسیٰ! اپنے کاتب سے کہو کہ ہمارا خط پڑھ دے۔'' سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا ''یہ تو نصرانی ہے، مسجد میں نہیں آ سکتا کیونکہ امیر المومنین کا سیکرٹریٹ مسجد میں ہوتا تھا۔ یہ سننا تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں سرزنش کی اور ان کے کام کو ناپسند فرمایا اور فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں رسوا کیا تو تم ان کی عزت نہ کرو۔ اور جب اللہ نے انہیں دور کردیا تو تم انہیں قریب نہ کرو، اور جب اللہ نے ان کو خائن قرار دے دیا ہے تو تم ان پر بھروسہ نہ کرو۔

(سنن کبریٰ بیہقی: ۱۰/ ۱۲۷، ۹/ ۲۰۴، مغنی ابن قدامہ: ۱/ ۴۵۳، ۶/ ۴۲۵، ۸/ ۵۳۲)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک کافر کو کاتب وغیرہ مقرر کرنے پر

Marfat.com

بھی خوش نہ تھے چہ جائے کہ اس کو مسلمانوں کا امیر بنایا جائے۔

(۳) آپ کے نزدیک ایک امیر کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ وہ احکام شریعت کا علم رکھتا ہو۔ چنانچہ مسند امام احمد بن حنبل میں ہے کہ نافع بن حارث فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے مکہ میں گورنر مقرر فرمایا۔ پھر میری ملاقات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے عسفان کے مقام پر ہوئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''اہل وادی پر کس کو اپنا نائب بنا کر آئے ہو؟'' عرض کی ''ابن ابزی کو'' آپ نے پوچھا ''یہ کون ہے؟'' میں نے عرض کی کہ ''ہمارے موالی میں سے ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''کیا تم نے ان لوگوں پر ایک مولیٰ (آزاد کردہ غلام) کو اپنا نائب بنایا ہے؟'' عرض کی ''وہ کتاب اللہ کا قاری ہے، علم فرائض کا عالم اور قاضی ہے'' اس پر امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''کیا یہی وہ بات نہیں جس کی جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''اللہ اس کتاب کی وجہ سے بعض لوگوں کو عزت دیتا ہے اور بعض لوگوں کو ذلیل کرتا ہے۔''

(مسند امام احمد بن حنبل: ۱/۳۵)

(۴) ایک شرط امیر میں شجاعت کی بھی ہونی چاہیے۔ چنانچہ ایک شخص نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا میرے لیے یہ بہتر ہے کہ میں اللہ کے دین کی تبلیغ کے معاملہ میں کسی قسم کی ملامت سے نہ ڈروں یا میرے لیے یہ بہتر ہے کہ میں عبادت میں مصروف ہو کر اپنی اصلاح کروں؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جس کے پاس مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری ہو اس کا فرض یہ ہے کہ وہ کسی ملامت کے خوف سے بے نیاز ہو کر اللہ کے احکام جاری کرے، لیکن جس شخص پر ایسی کوئی ذمہ داری نہ ہو اس کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ اپنی ذات کی اصلاح کرے اور اپنے حکمران کی خیر خواہی کرتا رہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱/۳۲۳)

(۵) ایک امیر کے لیے تجربہ بھی ایک ضروری شے ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس شخص میں یہ چار اوصاف نہ پائے جاتے ہوں وہ حکومت کرنے کا سزاوار نہیں ہے۔ اس میں نرمی ہو، لیکن کمزوری نہ ہو، مضبوطی ہو لیکن سختی نہ ہو، کم خرچی ہو لیکن بخل نہ ہو اور سخاوت ہو لیکن اسراف نہ ہو۔ اگر ان میں سے کوئی ایک وصف بھی موجود نہ ہو تو باقی اوصاف بھی بیکار ہو جائیں گے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۸/۲۹۹)

Marfat.com

(۶) ایک امیر اور عہدیدار کے لیے تقویٰ نہایت ضروری شے ہے۔ یہ وہ وصف ہے جو ایک انسان کو ان کاموں کے کرنے پر آمادہ کرتا ہے جن کا اللہ نے حکم دیا ہے، اور ان کاموں سے روکتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ امراء اور عمال کے انتخاب میں اس وصف کا پوری طرح خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے سعید بن عمیر کو پروانہ بھیجا کہ تم کو شادی کے ایک حصہ کا عامل مقرر کیا جاتا ہے۔ انہوں نے یہ عہدہ قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ یہ سارا بوجھ تم لوگ میرے کندھوں پر ڈال کر خود گھروں میں بیٹھ جاؤ۔ جب سیدنا سعید رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اصرار دیکھا اور انہیں اندازہ ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ انہیں نہیں چھوڑیں گے تو انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بہت خوب نصیحت کی۔ فرمایا ''اے عمر رضی اللہ عنہ! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اپنا رخ اور اپنا نگران بنایا ہے خواہ وہ لوگ قریبی ہوں یا دور کے۔ اور دوسرے لوگوں کے لیے وہی پسند کرو جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱/ ۳۴۸)

آپ اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص کسی بدکار کو یہ جانتے ہوئے کہ وہ بدکار ہے، عامل مقرر کرے وہ خود بھی اسی جیسا ہے۔ (سیرۃ عمر بن خطاب لابن جوزی: ۶۷)

(۷) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کسی ایسے شخص کو کوئی ایسا کام سپرد نہیں کرتے تھے جس کے کرنے کی اس میں رغبت نہ ہو اور جس کے بارہ میں وہ پوری طرح مطمئن نہ ہو مگر یہ کہ کوئی مجبوری ہو یا کوئی ایمرجنسی ہو۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ کارکردگی بہترین ہو۔ آپ نے اپنی خلافت کے ابتدائی دنوں میں لوگوں کو جمع کیا اور انہیں عراق کی جنگ کے لیے ترغیب دی، لیکن کوئی نہ اٹھا۔ دوسرے روز آپ نے پھر بلایا اور ترغیب دی لیکن پھر بھی کوئی نہ اٹھا۔ تیسرے روز پھر آپ نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور ترغیب دی لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ چوتھے روز پھر جمع کیا اور انہیں عراق کی جنگ کے لیے ترغیب دی۔ سب سے پہلے ابو عبید بن مسعود ثقفی اٹھے۔ بس ان کا اٹھنا تھا کہ لوگ پے در پے اٹھنے لگے اور جنگ پر جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابو عبید رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر فرمایا اور وہ اہل بھی تھے، اگرچہ صحابی نہیں

Marfat.com

تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے کسی صحابی کو امیر کیوں نہیں بنایا؟ فرمایا ''میں نے اس کو امیر بنایا ہے جس نے دعوت جہاد پر لبیک کہا ہے۔''

(البدایہ والنہایہ: ۷/۲۶)

اگر یہ صفات کئی لوگوں میں پائی جائیں تو پھر ان میں سے حکمرانی کا زیادہ مستحق وہ شخص ہے جس میں یہ صفات زیادہ مکمل صورت میں پائی جائیں خواہ وہ نوجوان ہو یا بوڑھا۔ چنانچہ ایک دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہیں جا رہے تھے کہ سرراہ ایک قافلہ سے ملاقات ہوگئی جو حج کے لیے جا رہا تھا۔ آپ نے ان سے پوچھا ''تم کون لوگ ہو؟'' ان میں سے ایک نوجوان نے جواب دیا۔ ''عباداللہ المسلمون'' (اللہ کے مسلمان بندے) آپ نے پوچھا ''کہاں سے آئے ہو؟'' اس نے جواب دیا ''من الفج العمیق'' (تنگ گھاٹی سے) آپ نے پھر پوچھا، کہاں کا ارادہ ہے؟'' الی البیت العتیق'' (اللہ کے قدیم گھر کا) اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''بخدا! قرآنی کلمات کا کیا خوب استعمال کیا ہے۔ پھر آپ نے پوچھا ''تمہارا امیر کون ہے؟'' تو اس نے ایک معمر شخص کی طرف اشارہ کیا، لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس نوجوان سے جس نے عمدہ اور خوب صورت جواب دیئے تھے۔ فرمایا کہ ''نہیں بلکہ تم ہی امیر ہو۔''

(مصنف عبدالرزاق: ۲/۹۲۰)

اب ایک سوال یہ ہے کہ اگر کوئی عورت باصلاحیت ہو تو کیا اسے کوئی عہدہ سپرد کیا جا سکتا ہے؟ اس سلسلہ میں یہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شفا بنت عبداللہ عدویہ رضی اللہ عنہا کو بازار کا نگران مقرر کیا تھا۔ یہ شفا رضی اللہ عنہا بڑی سمجھدار اور باصلاحیت خاتون تھیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کی رائے کو بڑا پسند فرماتے تھے بلکہ مقدم رکھتے تھے اور دوسروں پر فضیلت دیتے تھے۔ (المحلی: ۹/۴۲۹)

اور حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سمراء بنت نہیک اسدیہ رضی اللہ عنہا کافی عمر رسیدہ تھیں اور انہوں نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا تھا۔ وہ جب بازار میں سے گزرتیں تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتی جاتیں۔ ان کے پاس ایک کوڑا ہوتا جس سے لوگوں کو مارتی تھیں جو کسی برے کام میں مشغول ہوتے تھے۔ (الاستیعاب ترجمہ سمراء بنت نہیک)

اسلامی مملکت کے شہریوں کا تحفظ:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسلامی ریاست کے شہریوں کے تحفظ کی طرف پوری پوری توجہ

Marfat.com

فرمائی، کیونکہ ایک سربراہ مملکت کی یہ ایک اہم ذمہ داری ہے۔ آپ نے مسلمان شہریوں کے تحفظ کے علاوہ غیر مسلم رعایا کے تحفظ کی طرف بھی اتنا ہی دھیان دیا۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت جو وصیت فرمائی، اس میں یہ بھی فرمایا کہ جن کا ذمہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھایا ہے یعنی غیر مسلم ذمی ان کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کیا جائے۔ ان کی حفاظت کے لیے جہاد کیا جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالا جائے۔ (کتاب الاموال:۱۲۶)

رعایا کا سب سے بڑا تحفظ یہ ہے کہ ان سے عدل و انصاف کیا جائے۔ اور مظلوم کو ظالم سے اس کا حق دلایا جائے۔ اس بارہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں کسی شخص کو یہ اجازت نہیں دوں گا کہ وہ کسی پر ظلم اور زیادتی کرے۔ میں ظالم کو اس قدر مجبور اور ذلیل کروں گا کہ اس کو گرا کر اس کے ایک گال کو خاک آلود کروں گا اور دوسرے گال پر پاؤں رکھوں گا یہاں تک کہ وہ حق کے سامنے جھک جائے۔ (اخبار القضاۃ وکیع:۱/۴۸۶)

عدل و انصاف کا یہ بھی تقاضا ہے کہ لوگوں کو ان کی اہلیت کے مطابق مقام و مرتبہ دیا جائے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے گورنر بصرہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ سب لوگوں کو ایک ساتھ آنے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ لہٰذا میرا یہ خط ملنے کے بعد آپ پہلے باعزت لوگوں اور اہل قرآن کو اور اہل تقویٰ اور اہل دین کو بلایئے۔ جب وہ اپنی جگہ پر بیٹھ جائیں تب عام لوگوں کو اجازت دیجیے (اخبار القضاۃ:۱/۴۸۵، سنن کبریٰ بیہقی:۱۶۸)
آپ نے یہ بھی لکھا کہ ہمیشہ سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ بعض معزز لوگ عام لوگوں کی ضروریات امیر مملکت تک پہنچاتے ہیں۔ ان کا اکرام کرو کہ یہ لوگ ایک کمزور مسلمان کے لیے فیصلے اور تقسیم میں انصاف حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔

(مصنف عبدالرزاق:۶/۱۰۲،۱۰/۳۷۱)

ایک سربراہ مملکت کو ٹیکس اور لگان عائد کرنے میں بھی عدل و انصاف سے کام لینا چاہیے۔ وگرنہ شہریوں کے حقوق کا تحفظ نہیں ہوسکتا۔ ہونا یہ چاہیے کہ کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت سے چار دن پہلے سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم دونوں اپنے علاقہ کا جائزہ لو، کہیں تم نے زمین پر اتنا خراج تو عائد نہیں کردیا جو وہاں کے لوگوں کی قوت برداشت سے زائد ہو۔ اس پر سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے اتنا ہی خراج عائد کیا ہے جو اس زمین کی پیداواری صلاحیت

Marfat.com

سے مطابقت رکھتا ہے اور وہاں کے لوگوں کے لیے اس قدر چھوڑ دیا ہے جتنا حکومت کے لیے لیا ہے اور سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے زمین پر اتنا ہی خراج عائد کیا ہے جتنی اس میں صلاحیت ہے اور وہاں کے لوگوں کے لیے قدرے زیادہ حصہ چھوڑ دیا ہے۔

(کتاب الاموال:۴۲)

ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بکثرت مال آیا تو آپ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ تم نے لوگوں کو تباہ کر دیا ہے۔ اس پر عاملین نے کہا کہ نہیں بخدا! ہم نے وہ لیا ہے جو ان کی ضروریات سے زائد تھا کہ خالص انصاف کے مطابق لیا ہے۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

ایک مرتبہ سیدنا سعید بن عامر بن حذیم رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ آپ نے کوڑا اٹھالیا۔ انہوں نے کہا: ''آپ تو بات سے پہلے ہی سزا دینے لگے بہر حال اگر آپ سزا دیں گے تو ہم صبر کریں گے، اگر آپ معاف کر دیں گے تو ہم شکر گزار ہوں گے۔ اور اگر آپ کو ہم سے کوئی شکایت ہو جائے تو اس کے ازالہ کی کوشش کریں گے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''بس یہی مسلمان کا فریضہ ہے۔ اب بتاؤ تم نے خراج کی رقم داخل کرنے میں اتنی دیر کیوں لگائی۔'' انہوں نے جواب دیا کہ آپ نے حکم دے رکھا ہے کہ ہم کاشت کاروں سے چار چار دینار سے زائد وصول نہ کریں۔ چنانچہ ہم اس سے زیادہ ان سے وصول نہیں کرتے، بلکہ ہم نے انہیں فصلیں کٹنے تک کی مہلت دے دی ہے۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تک میں زندہ ہوں تمہیں اس عہدے سے معزول نہیں کروں گا۔

(کتاب الاموال:۴۳، مغنی ابن قدامہ:۸/ ۵۳۷)

غرباء کو زندگی کی کم سے کم ضروریات مہیا کرنے کی ضمانت فراہم کرنے میں بھی آپ نے عدل سے کام لیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اگر میں زندہ رہا تو میں عراق کی بیواؤں کو اس حال میں چھوڑ کر جاؤں گا کہ میرے بعد ان کو کسی کا دست نگر نہ ہونا پڑے۔ (مصنف عبدالرزاق ۶/ ۱۰۳، ۱۰/ ۳۷۱)

قحط کے زمانہ میں جب لوگ بھوک کا شکار تھے تو نہایت پریشان حال تھے۔ آپ نے اس وقت جو موقف اختیار کیا وہ ناقابل فراموش ہے۔ آپ نے اس مشکل کو حل کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ جس کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ آپ نے حکومت کے تمام

Marfat.com

وسائل لوگوں کی بھوک ختم کرنے میں صرف کر دیئے۔ چنانچہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ قحط سالی کے دنوں میں لوگوں پر دن رات خرچ کرتے رہے یہاں تک کہ بارش ہوگئی اور یہ لوگ اپنے قافلوں میں روانہ ہوئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہو کر ان کو دیکھنے نکلے اور جب ان کو اپنے بال بچوں کے ساتھ رخصت ہوتے دیکھا تو آپ آبدیدہ ہو گئے۔ اس پر بنی محارب بن عصفہ کا ایک شخص بولا "یہ جو آپ کی آنکھیں نمناک ہو گئیں ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ فی المواقع مردِ آزاد ہیں۔" اس کا مقصود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تعریف کرنا تھا۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نے جو کچھ خرچ کیا ہے وہ اللہ کے مال میں سے کیا ہے نہ کہ اپنے مال میں سے۔ (سنن کبریٰ بیہقی: ۶/۲۵۷)

وہ تمام امور جو عدل وانصاف کے قیام میں ممد ومعاون ہوتے ہیں، آپ نے ان کا بھی خاص طور پر لحاظ رکھا۔ آپ نے اپنے بزرگوں کو ہدایت دی ہوئی تھی کہ وہ رعایا سے دور دور نہ رہیں اور نہ ہی ان سے چھپ کر بیٹھیں تاکہ ہر مظلوم کی آواز ان کے کانوں تک پہنچ سکے۔ اس بارہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے قصر سعد (گورنمنٹ ہاؤس) کے سامنے ایک ڈیوڑھی (ایک روایت کے مطابق دروازہ) بنوالیا ہے اور اب لوگوں کی آوازیں ان تک نہیں پہنچتیں۔ آپ نے محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور حکم دیا کہ وہ اب قصر سعد نہیں بلکہ قصر فساد ہے لہٰذا اس دروازہ یا ڈیوڑھی کو جلا دیا جائے۔ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے شعبہ احتساب کے رئیس تھے۔ وہ جب کوفہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں گھر سے باہر لائے اور کہا کہ یہاں لوگوں کے درمیان بیٹھیں۔ اس پر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے ان سے اپنے سابقہ رویہ کی معذرت کی۔ (المحلی: ۹/۳۷۰)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اصول یہ تھا کہ امیر مملکت یا گورنر براہ راست لوگوں کی شکایات سنے اور اگر اس کے پاس اس کام کے لیے فرصت نہ ہو تو قابل اعتماد لوگوں کا تعاون حاصل کرے۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں کچھ عرصہ کوئی قاضی مقرر نہیں کیا۔ آپ خود لوگوں کی تکالیف اور شکایات سنتے لیکن جب کام بڑھ گیا تو اپنی خلافت کے آخری سالوں میں ایک شخص سے کہا کہ تم میرا ہاتھ بٹایا کرو۔ (مصنف عبدالرزاق: ۸/۳۰۲) عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں وہ شخص سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے اپنے ایک خط میں سیدنا ابوموسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ صرف گورنر ہی قضا کا کام انجام دے۔ اس سے ظالم اور جھوٹے گواہ کے دل میں اس کی ہیبت زیادہ

Marfat.com

ہو گی۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱/۳۲۹)

آپ نے اپنے گورنروں کو یہ ہدایت جاری کی ہوئی تھی کہ وہ مشکل امور میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی جانب رجوع کریں۔ چنانچہ آپ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا "اے لوگو! میں تمہیں مختلف علاقوں کے گورنروں پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں محض اس لیے مقرر کیا ہے کہ وہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیں۔ ان کی فئے ان کے درمیان تقسیم کریں اور ان کے جھگڑوں کے فیصلے کریں اور اگر کوئی معاملہ ان کے لیے دشوار ہو تو میرے پاس بھیج دیں۔

(کتاب الخراج لابی یوسف: ۱۴۱)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک امیر کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ عوام کے مسائل اور معاملات کا پتہ لگاتا رہے تاکہ ان کو ان کے اصلی حالات سے آگاہی رہے۔ چنانچہ آپ ہر ہفتہ کے روز عوالی مدینہ کی جانب جاتے تھے اور اگر کسی غلام سے اس کی برداشت سے زیادہ کام لیا جا رہا ہو تو اس کام میں کمی کر دیتے تھے۔ (موطاء امام مالک: ۲/۹۸۰)

سیدنا سائب بن جبیر رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک رات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رات کو گشت کرتے ہوئے کسی مکان کے پاس سے گزرے۔ آپ نے سنا کہ ایک عورت اپنے گھر میں یہ اشعار پڑھ رہی ہے، جن کا ترجمہ یہ ہے:

"یہ رات بہت طویل ہے جس کے ستارے سرگرم سفر ہیں لیکن میرا رفیق موجود نہیں ہے جس سے میں اپنا دل بہلاؤں اور اس کی معیت سے لطف اندوز ہوں۔ تنہائی ایسی ہے کہ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ چاند بھی میری نگرانی کر رہا ہے۔ خدا کے سوا کوئی نہیں ہے اور وہی نگران اور وکیل ہے اور ہماری زندگی کے ہر لمحے کو اس کا کاتب لکھ رہا ہے۔"

پھر اس عورت نے ایک لمبا سانس لیا اور کہا "عمر رضی اللہ عنہ کے لیے تو آسان ہے کہ اس نے میرے شوہر کو بھیج دیا اور مجھے تنہائی کا شکار بنا دیا۔" سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کی یہ تمام باتیں سنیں اور فرمایا: "اللہ تجھ پر رحم فرمائے۔" پھر آپ نے اس کے پاس کچھ کپڑے اور رقم بھیجی اور اس کے شوہر کو واپس آنے کے لیے لکھا۔

ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدہ حفصہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور پوچھا "بیٹی! یہ بتاؤ کہ ایک عورت اپنے شوہر کے بغیر کتنے دن گزار سکتی ہے؟"

Marfat.com

انہوں نے فرمایا: ''چھ ماہ'' چنانچہ اس کے بعد آپ کسی لشکر کو چھ ماہ سے زائد جنگ کی حالت میں نہیں رکھتے تھے۔

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر جو کتاب لکھی ہے اس کا چونتیسواں باب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے راتوں کے گشت کے واقعات پر مشتمل ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال کی جس طرح حفاظت کی ایسی حفاظت شاید ہی کسی نے کی ہو۔ وہ امت کے مال میں سے ضرورت کے بغیر کچھ صرف کیا جائے، اس کو قطعاً جائز نہیں سمجھتے تھے۔ فرماتے تھے: ''میرے نزدیک یہ مال ایسا ہے کہ تین چیزیں پائی جائیں تو یہ مال صحیح ہوتا ہے اور وہ یہ ہیں کہ مال حق کے مطابق لیا جائے۔ حق کے مطابق دیا جائے، لینے اور دینے میں ناجائز طریقے اختیار نہ کیے جائیں۔ تمہارے مال کے سلسلہ میں میری مثال مال یتیم کے ولی کی سی ہے یعنی اگر میرے پاس مال ہو اور مجھے اس مال میں سے لینے کی ضرورت نہ ہو تو میں اس مال سے احتراز کروں گا اور اگر میں فقیر ہوں گا تو میں جائز طریقے سے اپنے کھانے کے لیے لوں گا۔ (کتاب الخراج لابی یوسف:۱۴۱)

ایک دفعہ ایک مجلس میں جس میں سیدنا احنف بن قیس رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے فرمایا: کہ مجھے تمہارے مال میں سے حج اور عمرہ کے لیے ایک سواری، سردی اور گرمی کا لباس اور پیٹ بھرنے کے بقدر اہل خانہ کی روزی اور وہ حصہ جو مسلمانوں کو ملتا ہے چاہیے، کیونکہ میں بھی مسلمانوں میں سے ایک ہوں۔ معمر کہتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب حج اور عمرہ کے لیے جاتے تھے تو آپ کے پاس صرف ایک اونٹ ہوتا تھا۔ (مصنف عبدالرزاق:۱۱/۱۰۴)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے مال میں سے صرف اسی قدر لیتے جس سے ان کے بچوں کی بھوک مٹ جائے یعنی روٹی اور سالن۔ جہاں تک پھل کا تعلق ہے تو بیت المال اس کی ادائیگی کا ذمہ دار نہیں تھا۔ پھل وغیرہ آپ اپنے ذاتی مال سے خریدا کرتے تھے۔ چنانچہ بیہقی میں اس بارہ میں یہ روایت موجود ہے کہ ان کے گورنر لوگوں کو کھلے دل سے ملیں اور لوگوں کو یہ احساس ہو کہ حکمران ان کے بھائی بند ہیں کسی اور کرہ کی مخلوق نہیں جیسے آج کل کے بیوروکریٹس اپنے آپ کو سمجھتے ہیں۔ اس سے حاکم پر لوگوں کا اعتماد بڑھتا ہے اور ان کے ساتھ ان کی محبت میں خاطر خواہ اضافہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ایک دفعہ اطلاع ملی کہ ان کا گورنر مریضوں کی بیمار پرسی اور عیادت نہیں کرتا۔ اور کمزور اور قلاش آدمی سے ملاقات نہیں کرتا۔ تاریخ

Marfat.com

کے رپورٹرز بتاتے ہیں کہ آپ نے اسے فوری طور پر معزول کر دیا۔ (کتاب الخراج لابی یوسف:۱۳۰)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان لوگوں کو سرزنش کیا کرتے تھے جو ضروری صلاحیتوں کو ملحوظ رکھے بغیر اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز کر دیتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص نے رشتہ داری یا دوستی کی بناء پر کسی کو عامل بنالیا، اس نے اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین سے خیانت کی۔ (سیرۃ عمر بن خطاب، ابن جوزی:۶۷)

حکومت کے عہدے کی گرمی اکثر و بیشتر لوگوں کو جادۂ اعتدال سے ہٹا دیتی ہے اور وہ عوام الناس پر ظلم و ستم کی مشق جاری کر دیتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے عمال اور ملازمین حکومت کی اس بارہ میں سخت نگرانی فرماتے تھے اور ان کے حالات سے ہر وقت باخبر رہتے تھے تا کہ کوئی ملازم حکومت رعیت کے کسی شخص پر زیادتی نہ کرنے پائے۔ چنانچہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں تم پر کسی ایسے شخص کو عامل بنادوں جو ان سب سے بہتر ہو جنہیں میں جانتا ہوں اور اسے عدل و انصاف کا حکم دے دوں تو کیا میں نے اپنا فرض پورا کر دیا؟ لوگوں نے کہا ''جی ہاں۔'' اس پر آپ نے فرمایا ''نہیں، بلکہ میرا یہ فرض بھی ہے کہ میں دیکھوں کہ یہ عامل میرے احکام کی تعمیل بھی کر رہا ہے یا نہیں۔'' (مصنف عبدالرزاق:۱۱/۳۲۶)

اس بات کو جاننے کے لیے کہ امراء ان کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں کہ نہیں ایک محکمہ قائم ہوا تھا جس کو آپ آج کل کی اصطلاح میں انٹیلی جنس بیورو (Inteligence Beauro) کہہ سکتے ہیں جس کا ذکر ہم نے گزشتہ صفحات میں کیا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے اپنے عامل کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو لکھا: اپنی ذمہ داریاں کسی دوسرے شخص کے سپرد کر کے تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ ارض سواد کے سفر پر روانہ ہو جاؤ اور ہر چھاؤنی پر وہاں کے عمال کے بارہ میں معلومات جمع کرو اور دجلہ اور فرات کے مابین تمام عمال کے بارہ میں اسی طرح اطلاعات اکٹھی کر کے بغداد کی چھاؤنی پہنچ جاؤ اور اس کے فرائض کی ذمہ داری سنبھالو۔ اور جس علاقے کا اللہ نے تمہیں والی بنایا ہے اس میں اللہ کے احکام کے مطابق عمل کرو۔

(کتاب الخراج لابی یوسف:۱۴۱)

باہر سے جو وفود آتے ان سے بھی گورنروں کے بارہ میں معلومات فراہم کی جاتیں۔ آپ ان سے پوچھتے کہ کیا وہ مریضوں کی عیادت کرتے ہیں؟ غلاموں کی بات سنتے ہیں؟ ان کا طرز عمل کیسا ہے؟ کیا ان کے دروازے پر دربار ہوتا ہے؟ اگر ایک بات کا

Marfat.com

جواب بھی نفی میں ہوتا تو ایسے امیر کو آپ معزول فرما دیتے یا پھر اس کے خلاف تادیبی کارروائی فرماتے۔ (سنن کبریٰ بیہقی: ۱۰/ ۱۰۸)

چنانچہ جب کسی شخص کو گورنر بناتے تو ایک جماعت کو اس پر گواہ بناتے۔ اس کے تمام اثاثے لکھے جاتے اور اس پر چار شرطیں عائد کی جاتیں (۱) وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہیں ہوگا (۲) باریک کپڑا نہیں پہنے گا (۳) چھنے ہوئے آٹے کی روٹی نہیں کھائے گا (۴) اور لوگوں کے کاموں سے بچنے کے لیے اپنا دروازہ بند کر کے نہیں بیٹھے گا اور دربان مقرر نہیں کرے گا۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے ایک مقام سے گزر رہے تھے کہ اچانک ایک شخص نے آپ کو آواز دی کہ کیا آپ صرف اپنے عاملوں پر شرطیں عائد کر کے اللہ تعالیٰ کے ہاں بچ جائیں گے، جب کہ حالت یہ ہے کہ مصر میں آپ کا مقرر کردہ عامل عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ باریک کپڑے پہنتا ہے اور اس نے دروازے پر دربان بھی بٹھایا ہوا ہے۔ اس پر آپ نے احتساب بیورو کے انچارج سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ جاؤ اور عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ جس حال میں بھی ہو اسے میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ جب محمد بن سلمہ رضی اللہ عنہ مصر پہنچے تو دیکھا کہ واقعی دروازے پر دربان ہے اور اندر گئے تو دیکھا کہ عیاض باریک قمیض پہنے بیٹھے ہیں۔ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے عیاض رضی اللہ عنہ سے کہا کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے آپ کو مدینہ طلب کیا ہے۔ عیاض رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے اپنی قبا پہن لینے دو۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں، اسی طرح چلنا ہوگا۔ چنانچہ انہیں اسی حال میں لے کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ پہنچے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ قمیض اتار دو اور آپ نے اون کا جبہ اور بکریوں کا ریوڑ اور ایک لاٹھی منگائی اور فرمایا ''یہ اونی جبہ پہنو، لاٹھی اٹھاؤ اور بکریاں چراؤ اور ان کا دودھ خود بھی پیؤ اور جو تمہارے پاس سے گزرے اسے بھی پلاؤ، اور جو افزائش ہو وہ ہمارے لیے محفوظ کرلو۔ کیا تم نے یہ سن لیا؟ عیاض رضی اللہ عنہ نے کہا ''جی ہاں لیکن اس زندگی سے موت بہتر ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دہراتے رہے کیا تم نے سن لیا؟ اور وہ یہی کہتے رہے کہ ایسی زندگی سے تو موت بہتر ہے۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''تم اس زندگی کو برا نہ سمجھو۔ تمہارا باپ بھی بکریاں چراتا تھا، اسی لیے اس کا نام غنیم تھا۔'' پھر آپ نے پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ مال ہے؟ اس نے کہا ''جی ہاں'' آپ نے فرمایا وہ ہمیں لادو اور ان کو پہلے کام پر واپس بھیج دیا۔'' نتیجہ یہ ہوا کہ پھر آپ کے کسی گورنر نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی۔ (کتاب الخراج لابی یوسف: ۱۳۹)

Marfat.com

ایک مرتبہ عامر بن صعق نے آپ کو کچھ شعر لکھ کر بھیجے جن میں ذکر کیا کہ آپ کے گورنروں کے پاس مال و دولت کی کثرت ہو رہی ہے۔ ابن عبدالحکم نے فتوح مصر میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ان اشعار میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو یہ بتایا کہ ''آپ کے گورنروں اور بنی غزوان کے پاس بہت مال ہو گیا ہے۔ آپ پتہ چلائیں کہ یہ مال کہاں سے آیا ہے؟ آپ مجھے شہادت کے لیے طلب نہ کریں۔ میں پس پردہ ہی رہنا چاہتا ہوں، لیکن نیرنگی زمانہ کو دیکھ رہا ہوں کہ لوگوں کے پاس خوب صورت گھوڑے، جھالر اور سرخ استر موجود ہیں۔ کوئی ہندی تاجر آ جائے تو مشک کی خوشبو فوراً اس کی ناک میں آ جاتی ہے۔'' اس کے ساتھ ہی یہ مشورہ دیا کہ آپ ان گورنروں سے آدھا مال واپس لے لیں۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کے پاس اپنا کارندہ بھیجا۔ ان گورنروں میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اور ان سے مال کا ایک حصہ لے لیا۔

(کتاب الاموال لابی عبید: ۲۶۹، مصنف عبدالرزاق: ۱۱/۳۲۳)

غرض کہ یہ تھا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا امارت کے بارہ میں نظریہ۔

پرآسائش زندگی کے بارہ میں نظریہ:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی حق میں پرآسائش زندگی کو بالکل پسند نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ آپ مسلمانوں کو جفاکشی کی زندگی کے قائل تھے۔ لباس، طعام اور زندگی کے رہن سہن میں سادگی کو پسند فرماتے تھے۔ کیونکہ جس قدر عیش و عشرت زیادہ ہوگی اتنی ہی دنیا سے محبت بڑھے گی اور جس قوم میں دنیا کی محبت زیادہ ہو جائے اس کی بربادی کا عمل تیز ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آپ نے عتبہ بن فرقد کے نام آذربائیجان میں یہ حکم بھیجا تھا کہ پرآسائش زندگی، اہل شرک کی سی ہیئت بنانے اور ریشمی کپڑوں سے احتراز کرو۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱/۸۹)

ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا کھلا ہوا پیٹ دیکھا تو کھال چکنی نظر آئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کوڑا اٹھا کر فرمایا یہ کھال کافروں جیسی ہے۔ انہوں نے عرض کی کہ شام کی آب و ہوا نہایت خوش گوار اور عمدہ ہے۔ اس پر آپ خاموش ہو گئے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۱/۳۱۰)

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ لکھا کہ ''ازار پہنو اور موزے اور شلواریں دور

Marfat.com

پھینک دو اور گھوڑوں کی رکابیں بھی اتروا دو اور کود کر گھوڑوں پر سوار ہو اور بنی معد کی زندگی اختیار کرو اور تیر نشانے پر مارو اور پر تعیش زندگی اور عجمی ہیئت ترک کر دو اور ریشمی لباس سے احتراز کرو۔''

ریشمی لباس سے تو آپ کو سخت نفرت تھی کیونکہ اسلام میں مرد کے لیے اس کا پہننا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ چمک دار کپڑا پہنے ہوئے تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اس کپڑے کو پھاڑ دو۔ لوگوں نے فوری طور پر اس کو پھاڑ دیا یہاں تک کہ لوگوں کے ہاتھوں میں اس کی دھجیاں آ گئیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میرا خیال ہے کہ یہ ریشمی ہے'' (مصنف عبدالرزاق: ۱۱/۸۰) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ریشمی کپڑا پہننے پر اعتراض کیا تھا۔

(سنن کبریٰ بیہقی: ۳/ ۲۶۹، مصنف عبدالرزاق: ۱۱/ ۶۹)

سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ہم نے شام میں فتوحات حاصل کیں۔ جب ہم مدینہ پہنچے تو ہم نے دیبا اور حریر پہن رکھا تھا۔ جونہی سیدنا عمر نے ہمیں دیکھا تو ہمیں کنکریاں ماریں۔ اس پر ہم نے وہ لباس اتار دیا۔ پھر جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں دیکھا تو فرمایا: مہاجرین کو خوش آمدید، دیبا و حریر پہننے سے اللہ تعالیٰ گزشتہ اقوام سے بھی خوش نہیں ہوا تو تم سے کیوں کر خوش ہوگا؟ بس اتنا اور اتنا جائز ہے۔ (المحلی لابن حزم: ۴/ ۳۹)

لباس کے بارہ میں آپ نے جو ہدایات دیں ان میں ایک یہ تھی کہ لباس کافروں کے لباس کے مشابہ نہ ہو۔ جیسا کہ عتبہ بن فرقد کو آپ نے لکھا تھا۔ (مسند احمد ابن حنبل: ۱/ ۱۶)

مردوں کا لباس عورتوں کے لباس سے مشابہ نہ ہو۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو کسم میں رنگا ہوا کپڑا پہنے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ چمک دار کپڑے عورتوں ہی کے لیے رہنے دو۔ (المحلی: ۴/ ۷۰، مصنف عبدالرزاق: ۱۱/ ۷۸)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ بھی چاہتے تھے کہ ہر شخص اس قسم کا کپڑا پہنے جو اس کی حیثیت کے لیے موزوں ہو یعنی ایک عالم باوقار لباس پہنے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے پسند ہے کہ قاری سفید کپڑے پہنے۔ (الموطاء: ۲/ ۹۱۱) ایک مالدار مالداروں کے سے کپڑے پہنے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ تمہیں فراخی عطا فرمائے تو تم بھی اپنے اوپر فراخی کرو۔

(موطا امام مالک: ۲/ ۹۱۱)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ مسلمان اپنے کھانے میں زیادہ تنعم

Marfat.com

اختیار نہ کرے۔ عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے بھائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے گوشت والا ثرید رکھا۔ عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا اس میں گھی ڈالو تب کھاؤں گا۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تمہیں نہیں معلوم کہ والد صاحب نے اس سے منع کیا ہوا ہے۔ اس موقع پر بعض حاضرین نے کہا کہ اپنے بھائی کو اچھی طرح کھلایئے۔ اس پر عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس میں گھی ڈال دیا۔ اسی دوران سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی تشریف لے آئے اور آپ نے ہاتھ بڑھا کر اس ثرید میں سے ایک لقمہ لیا۔ پھر اپنا چہرہ اٹھا کر لوگوں کی طرف دیکھا اور کوڑا اٹھا کر عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو مارا۔ پھر لونڈی کو مارنے کا ارادہ کیا۔ اس نے عرض کیا: اس میں میری کوئی غلطی نہیں۔ مجھے جو کہا گیا میں نے وہی کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے اور عبداللہ رضی اللہ عنہ کو کچھ نہ کہا۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۱/ ۸۷)

امیر کے لیے زکوٰۃ کے مال میں سے کوئی شے لینا حرام سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے دودھ نوش فرمایا جو آپ کو اچھا لگا تو آپ نے اس کے بارہ میں دریافت فرمایا۔ پتہ چلا کہ صدقہ کے جانوروں سے دوہا گیا ہے۔ آپ نے فوراً اپنے حلق میں انگلی ڈال کر قے کردی۔ اسی طرح آپ نے اس وقت بھی قے کردی تھی جب آپ کو آپ کے اصحاب نے ان اونٹوں کا گوشت کھلا دیا تھا۔ جو آپ نے غزوہ ذات السلاسل میں مجاہدین میں تقسیم کیے تھے۔

(طبقات ابن سعد: ۶/ ۱۰۳)

زیورات میں بھی چونکہ سادگی کے خلاف زینت کا اظہار ہوتا ہے لیکن آپ نے مردوں کو صرف انگوٹھی پہننے کی اجازت دی وہ بھی اگر سونے یا لوہے کی نہ ہو۔ چنانچہ آپ نے ایک شخص کو سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا تو آپ نے اتار کر پھینک دینے کا حکم دیا۔ ایک شخص نے کہا: ''امیر المومنین! میری انگوٹھی لوہے کی ہے۔'' فرمایا: ''یہ تو اس سے بھی گندی ہے۔''

(مصنف عبدالرزاق: ۱۰/ ۲۹۵/ سنن بیہقی: ۳/ ۲۷۴)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پہننے والے کپڑوں کی بھی سونے سے زیب و زینت کو پسند نہ فرماتے تھے۔ چنانچہ حارث بن دینار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مجھے بلایا کرتے تھے اور میں مشرکوں کی قباؤں میں سے کوئی قبا پہنے ہوئے آپ کے پاس آیا کرتا تھا۔ ایک روز آپ نے فرمایا ''اس میں سے یہ سونا نکال دو۔'' (سنن کبریٰ بیہقی: ۳/ ۲۷۴)

Marfat.com

تمتع کے بارہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نظریہ:

حج کی تین قسمیں ہیں ① افراد ② قران اور ③ تمتع

تمتع یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھے اور عمرہ ادا کر کے احرام کھول دے اور حج کا وقت آنے تک مکہ میں بطور حلال مقیم رہے۔ پھر جب حج کا وقت آ جائے تو حج کا احرام باندھ لے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں اکثر لوگ یہی کہتے ہیں کہ انہوں نے حج تمتع سے منع کیا تھا لیکن تمتع کے بارہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مختلف روایات منقول ہیں۔ ایک روایت تو یہ ہے کہ آپ نے تمتع سے منع فرمایا۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے خطبہ میں فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو بات چاہتا حلال فرما دیا کرتا تھا۔ اب چونکہ قرآن حکیم مکمل ہو چکا ہے لہٰذا تم لوگ حج کو عمرہ سے الگ کیا کرو۔ اس طرح حج زیادہ بہتر طریقے سے ادا ہوتا ہے اور عمرہ بھی بہتر طریق سے تکمیل پاتا ہے۔ (مسلم باب التمتع، سنن کبریٰ بیہقی: ۵/۲۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ''عہد نبوت میں دو متعہ جائز تھے۔ حج کا متعہ اور عورتوں کا متعہ۔ میں ان دونوں سے منع کرتا ہوں اور دونوں کو ختم کرتا ہوں۔''
(المحلی: ۷/۱۰۷، موطا مالک: ۱/۳۴۷)

لیکن سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تمتع کیا، (سنن ترمذی حدیث نمبر ۸۲۲، نسائی باب التمتع، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۱۷۴) چنانچہ جب سیدنا سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تمتع سے منع کیا تھا۔ فرمایا نہیں بخدا، انہوں نے منع نہیں کیا (المغنی لابن قدامہ: ۳/۲۸۰) اور جب سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے تمتع کے بارہ میں پوچھا گیا تو انہوں نے اس کے کرنے کا حکم دیا۔ کسی نے کہا آپ اپنے والد کی مخالفت کر رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کبھی وہ نہیں کہا جو تم کہہ رہے ہو۔ انہوں نے تو یہ کہا تھا کہ عمرہ حج سے علیحدہ کرو اور ان کا مقصود یہ تھا کہ حج کے مہینوں کے علاوہ بھی بیت اللہ کی زیارت کے لیے جایا کرو۔ تم نے خود اسے (تمتع کو) حرام قرار دے لیا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے حلال قرار دیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کیا تھا۔

(سنن کبریٰ بیہقی: ۵/۲۱، مغنی ابن قدامہ: ۳/۲۸۰)

Marfat.com

ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''کیا آپ نے حج تمتع سے منع کیا ہے؟'' فرمایا کہ نہیں، لیکن میرا ارادہ یہ تھا کہ بیت اللہ کی کثرت سے زیارت کی جائے۔
(سنن بیہقی: ۲۱)

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تمتع کرنے کا فتویٰ دیا کرتے تھے۔ کسی نے ان سے کہا: آپ اپنے اس فتویٰ پر غور کرلیں کیونکہ آپ کو معلوم نہیں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بعد میں حج کے بارہ میں کیا حکم جاری فرمایا ہے۔ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اس بارہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور ان سے پوچھا۔ انہوں نے فرمایا: ''مجھے معلوم ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے تمتع کیا ہے لیکن مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ لوگ حرم کے قریب اپنی بیویوں کے ساتھ شب باش ہوں اور جب پلٹیں تو ان کے سروں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوں۔
(سنن کبریٰ بیہقی: ۵/۲۰)

ایک اور روایت میں آپ نے فرمایا کہ میں تمتع سے منع نہیں کرتا، کیونکہ یہ تو کتاب اللہ میں موجود ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کیا ہے (المغنی لابن قدامہ: ۳/۲۷۸) اور فرمایا کہ اگر میں سال میں دو مرتبہ بھی عمرہ کر چکا ہوں لیکن بعد ازاں میں حج کو جاؤں تو حج کے ساتھ پھر عمرہ کروں گا۔ (المحلی لابن حزم: ۷/۱۰۷)

مولفۃ القلوب کو زکوٰۃ دینا:

مولفۃ القلوب کو زکوٰۃ دینے کے بارہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ان کا حصہ اس وقت نکالا جاتا تھا جب مسلمان کمزور تھے۔ مولفۃ القلوب کو اس وقت حصہ دینے سے یہ مقصد تھا کہ ان کے شر سے بچا جائے اور ان کے قلوب کو مانوس کیا جائے لیکن اب مسلمان کثیر تعداد میں ہیں اور انہیں قوت اور عزت حاصل ہے، لہٰذا اب کسی شخص کو تالیف قلب کی غرض سے زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ خواہ وہ کافر ہو اور اسے اس لیے دیا جائے کہ اس کے شر سے مسلمانوں کو تحفظ حاصل ہو، اور خواہ وہ مسلمان ہو اور اسے تالیف قلب کے لیے دیا جائے۔ (تفسیر قرطبی: ۸/۱۸۱، المغنی: ۲/۲۶۶) چنانچہ ایک مشرک سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کچھ مال لینے کے لیے آیا مگر آپ نے اسے کچھ نہ دیا اور فرمایا: ''اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے۔''
(المغنی: ۶/۴۲۷)

Marfat.com

عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہ اور اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ دونوں صحابی تھے۔ یہ دونوں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کی کہ ''اے اللہ کے رسول کے خلیفہ! ہمارے یہاں ایک بنجر زمین کا ٹکڑا ہے جس میں نہ گھاس اگتا ہے اور نہ ہی کوئی آبادی ہے۔ اگر آپ یہ زمین ہمیں دے دیں تو شاید ہم اس میں کچھ کاشت کرلیں'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں وہ زمین دے دی، اور ایک تحریر بھی لکھ دی۔ سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ یا کسی اور نے عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہم سمجھتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بھی اس معاملہ میں کوئی دخل ہوگا، اس لیے یہ تحریر انہیں بھی پڑھوا دی جائے۔ چنانچہ وہ تحریر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو دکھائی گئی۔ آپ نے وہ تحریر پڑھی تو فرمایا: ''کیا سب لوگوں کو چھوڑ کر یہ صرف تمہارے لیے ہے؟'' اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تھوک سے یہ تحریر مٹا دی اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ دونوں کی تالیف قلب فرماتے تھے اس وقت اسلام کمزور تھا۔ جاؤ اور اب تم دونوں اپنی کوشش سے کماؤ۔

(سنن کبریٰ بیہقی: ۷/ ۲۰، کتاب الاموال لابی عبید: ۲۷۲، تفسیر طبری: ۱۴/ ۲۱۵)

چوری کی سزا کے بارہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نظریہ:

چوری کی سزا کے بارہ میں بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اپنی ایک رائے ہے۔ چوری کی تعریف یہ ہے کہ کسی پوشیدہ اور محفوظ مقام سے ایسا مال لے لینا جس پر لینے والے کا ذرا بھی حق نہ ہو۔ اس وجہ سے اختلاس (چھین لینا) چوری میں داخل نہیں ہے کیونکہ اختلاس خفیہ نہیں ہوتا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اس بارہ میں رائے یہ تھی کہ چور کو خوفزدہ کرو، پکڑو نہیں (مصنف عبدالرزاق: ۱۰/ ۱۸۴، المحلی لابن حزم: ۱۱/ ۳۹۷) کیونکہ چور محض آواز دینے سے ہی مال مسروقہ چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے، لیکن اگر وہ بھاگنے کے بجائے مزاحمت کرے تو پھر اس کے خلاف جوابی کارروائی کرنا جائز ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک چور نے اگر کسی اکراہ کے تحت چوری کی تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ آپ کے نزدیک ضرورت بھی ایک قسم کا اکراہ ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے غلاموں نے بھوک سے مجبور ہو کر کسی کی اونٹنی چرالی تاکہ اسے کھا کر اپنی بھوک دور کریں۔ مقدمہ سیدنا عمر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا۔ آپ نے سیدنا کثیر بن صلت رضی اللہ عنہ کو ان کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، لیکن بعد میں آپ نے اپنے اس فیصلہ سے رجوع

Marfat.com

فرمالیا۔ فرمایا: ''اگر مجھے یہ علم نہ ہو جاتا کہ تم انہیں بھوکا رکھتے ہو اور اس بھوک سے مجبور ہو کر انہوں نے اس حرام کا ارتکاب کیا ہے تو میں ان کے ہاتھ کاٹ دیتا لیکن اب میں تم پر سخت تاوان عائد کروں گا۔'' آپ نے اونٹنی کے مالک سے پوچھا کہ اس کی کیا قیمت تھی۔ اس نے کہا کہ چار سو میں فروخت کرنے سے میں نے انکار کر دیا تھا۔ آپ نے حاطب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اسے آٹھ سو ادا کر دو۔

(سنن کبریٰ بیہقی: ۸/ ۲۷۸، موطا مالک: ۲/ ۷۴۸، مصنف عبدالرزاق: ۱۰/ ۲۳۹، المحلی لابن حزم: ۸/ ۱۵۷، ۱۱/ ۳۲۴، ۳۴۳)

ایک اور شخص ایک اونٹنی کے بارہ میں شکایت لے کر آیا۔ جو ذبح کر دی گئی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''کیا تم دس ماہ کی حاملہ، تر و تازہ اور موٹی دو اونٹنیاں لینے کو تیار ہو، کیونکہ ہم قحط سالی کے زمانہ میں قطع ید کی سزا نہیں دیتے۔''

(مصنف عبدالرزاق: ۱۰/ ۲۴۲، مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/ ۱۳۰، المحلی لابن حزم: ۱۱/ ۳۴۳، مغنی لابن قدامہ: ۸/ ۲۷۸)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس غلام پر بھی چوری کی حد قائم نہیں کی جائے گی جس نے اپنے مالک کی چوری کی ہو۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن حضرمی رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اپنا غلام لے کر آئے اور بارگاہِ خلافت میں عرض کیا کہ اس نے چوری کی ہے۔ لہٰذا اس کا ہاتھ کاٹ دیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''اس نے کیا چوری کیا؟'' اس نے کہا: ''میری بیوی کا آئینہ چوری کیا ہے۔ جس کی قیمت ساٹھ درہم تھی۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اسے چھوڑ دو، اس کو قطع ید کی سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ یہ تمہارا غلام ہے اور اس نے تمہارا ہی مال چرایا ہے۔

(سنن کبریٰ بیہقی: ۸/ ۲۸۲، موطا امام مالک: ۲/ ۸۴۰، کتاب الخراج لابی یوسف: ۲۰۵، کتاب المغنی ابن قدامہ: ۲/ ۲۶۹، ۸/ ۲۷۵)

حد سرقہ کے قائم کرنے کے لیے کچھ شرائط ہیں جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

① مسروقہ شے ایسا مال ہو کہ سارق نہ اس شے کا مالک ہو اور نہ ہی اس میں اس کی ملکیت کا شبہ ہو۔ اس لحاظ سے کسی آزاد آدمی کو چرانے پر حد نہیں، اس لیے کہ آزاد شخص مال نہیں ہے۔ ناسمجھ غلام بچے کی چوری پر حد لازم ہے۔ چنانچہ سیدنا عمر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا جس نے ایک غلام بچے کو چوری کیا تھا۔

Marfat.com

(مصنف عبدالرزاق: ۱۰/ ۱۹۶، سنن کبریٰ بیہقی: ۸/ ۲۹۸، المحلی لابن حزم جلد ۱۱/ ۳۳۶)

لیکن سمجھ دار بڑے غلام کی چوری پر قطع ید نہیں ہے کیونکہ اس کی چوری اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک وہ خود چور کا ساتھ نہ دے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی بڑی عمر کے غلام کی چوری پر حد نہیں ہے بلکہ آپ نے فرمایا کہ یہ چالباز ہیں۔ بیہقی نے لکھا ہے کہ یہ اس صورت میں ہے کہ غلام عاقل ہو۔ (سنن کبریٰ بیہقی: ۸/ ۲۶۸)

مردے کا کفن چوری کرنے پر بھی حد لازم ہے۔ یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۰/ ۲۱۵، المحلی: ۱۱/ ۳۳۰) بلکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تو کفن چور کو قطع ید سے سخت سزا دیا کرتے تھے۔ چنانچہ مدینہ میں ایک شخص مر گیا۔ اس کے بھائی کو یہ اندیشہ ہوا کہ اس کی قبر کھول کر اس کا کفن چوری کیا جائے گا۔ اس نے اس قبر کی نگرانی شروع کر دی۔ چنانچہ کفن چور آیا اور اس نے اس کا کفن نکال لیا۔ میت کے بھائی نے اسے ایسی تلوار ماری کہ وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ یہ قضیہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے اس کا خون رائیگاں قرار دے دیا۔ (مصنف عبدالرزاق ۱۰/ ۲۱۴، المحلی: ۱۱/ ۳۳۰)

اگر کسی شخص نے ایسا مال چرایا جس میں چرانے والے کا بھی حصہ ہو یا اس کا ہونے کا شبہ ہو تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ البتہ اسے تعزیری سزا دی جائے گی۔ چنانچہ کوفہ کے بیت المال سے ایک شخص نے چوری کی اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا ارادہ کر لیا۔ آپ نے اس کے بارہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا۔ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ اس کا ہاتھ نہ کاٹنا اس لیے کہ بیت المال میں اس کا بھی حق تھا (مصنف عبدالرزاق: ۱۰/ ۲۱۲، المحلی: ۱۱/ ۳۲۷، کتاب الخراج لابی یوسف: ۲۰۴ مغنی ابن قدامہ: ۷/ ۲۷۷) اسی طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مال غنیمت سے چوری پر سخت سزا دیا کرتے تھے لیکن اسے قطع ید کی سزا نہ دیتے تھے۔

(کتاب الخراج: ۲۰۵)

اسی طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک راستہ سے گزرنے والے اگر باغ میں سے پھل توڑ کر کھا لیں تو یہ چوری نہیں ہے۔

(سنن بیہقی: ۹/ ۲۵۹، المجموع للنووی: ۹/ ۵۳، المغنی ابن قدامہ: ۸/ ۵۹۷)

مسروقہ شے محفوظ جگہ میں رکھی ہوئی ہو لیکن اگر اس شے کی حفاظت کا انتظام نہ ہو تو اس کی چوری پر بھی قطع ید کی سزا نہیں ہے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر کسی نے کچھ

Marfat.com

کھجوریں لے لیں تو اس پر قطع ید نہیں ہے۔ الا یہ کہ وہ کھجوریں کھلیان یا باڑے میں لے جا کر رکھ دی جائیں۔ اس کے بعد اگر اس میں سے چوتھائی دینار کی قیمت کے برابر چرا لی جائیں تو قطع ید ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۰/۲۲۳)

اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی نے فرمایا کہ خوشہ میں لگی ہوئی کھجوریں چرانے پر قطع ید نہیں ہے۔ (ابن ابی شیبہ: ۲/۱۳۰، المحلی: ۱۱/۳۴۳)

قاضیوں کے بارہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے احکام:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قاضیوں کے بارہ میں بھی خصوصی احکام نافذ فرمائے تھے۔ قاضیوں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ قاضی ہیں جن کو حکومت نے مقرر کیا ہو، اور جھگڑا کرنے والے فریقین کے درمیان مقدمات کا فیصلہ اس کے سپرد کر دیا ہو۔ اس قاضی کو حدود، تعزیرات اور دوسری تمام سزائیں بزور نافذ کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ اس قسم کے قاضی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ہر شہر اور قریہ میں مقرر کیے ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا۔ اس کے بعد شریح رضی اللہ عنہ کو قاضی مقرر کیا۔ کعب بن سوار کو بصرہ کا قاضی مقرر فرمایا۔ قاضی مقرر فرمانے کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس بات کو پسند نہیں فرماتے تھے کہ ان قاضیوں کے علاوہ کوئی اور قضا کا کام انجام دے۔ چنانچہ آپ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مجھے یہ پتہ چلا ہے کہ تم فیصلے کرتے ہو حالانکہ ہم نے آپ کو قاضی مقرر نہیں کیا ہے۔ انہوں نے کہا ''جی ہاں''۔ اس پر آپ نے لکھا کہ اس کی سختی اسی کو برداشت کرنے دو جو اس کی راحت سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱/۳۰۱)

آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ جو قاضی اپنے فیصلے کو نافذ کرنے کا اختیار نہیں رکھتا اس کے فیصلے کا سوائے اس کے کوئی اور فائدہ نہیں کہ معاملے کا حکم معلوم ہو جائے۔

(سنن کبریٰ بیہقی: ۱۰/۱۵۰)

اس قسم کے قاضی مختلف علاقوں میں کافی تعداد میں موجود تھے اور خود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی بعض موقعوں پر ان کی جانب رجوع کیا۔ چنانچہ آپ کے اور سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے درمیان فیصلے کے لیے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم تسلیم کیا گیا اور انہوں نے ان دونوں حضرات کے قضیہ کا فیصلہ کیا۔ (سنن کبریٰ بیہقی: ۱۰/ ۱۳۶، ۱۴۰، ۱۴۵، المحلی ابن حزم: ۹/۳۸۱)

Marfat.com

قاضی مقرر کرنے کا حق صرف سربراہ مملکت کو ہوتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قاضی مقرر فرمائے اور خود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دوسرے کئی لوگوں کو قاضی مقرر کیا، لیکن سربراہ مملکت کبھی اپنا یہ حق اپنے علاقائی حاکموں یعنی گورنرز کو بھی تفویض کرسکتا ہے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو شام کا والی بنا کر بھیجا تو انہیں کہا کہ وہ اپنے علاقوں میں موجود نیک، صالح اور اہل علم حضرات کو تلاش کر کے قاضی مقرر فرمائیں اور انہیں اللہ کے مال میں سے اتنا دو جوان کی کفالت کے لیے کافی ہو۔ (المغنی لابن قدامہ:۹/ ۳۷)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک قاضی کے لیے کچھ شرائط بھی تھیں، جیسے عقل، بلوغ، حریت اور اسلام، احکام شریعت سے واقف ہونا، تقویٰ اور لوگوں کے پاس موجود مال و دولت سے بے نیاز ہونا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا: ''اللہ کا حکم وہ شخص قائم کرسکتا ہے جو نہ کسی کی طرف داری کرے، نہ کسی سے مشارکت اختیار کرے اور نہ لالچوں کے پیچھے بھاگے۔
(مصنف عبدالرزاق:۸/ ۲۹۹)

ذہانت اور فطانت بھی قاضی کے لیے ایک خاص شرط ہے کیونکہ ایک ذہین و فطین شخص ہی معاملات کے نشیب و فراز کو سمجھ سکتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا کعب بن سوار رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عورت آئی اور اس نے کہا ''امیر المومنین! میں نے اپنے شوہر سے زیادہ اچھا کوئی شخص نہیں دیکھا کہ وہ تمام رات نمازیں پڑھتا ہے اور دن کو گرمی میں بھی روزے رکھتا ہے، افطار نہیں کرتا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر اس عورت کے حق میں مغفرت کی دعا فرمائی، اور فرمایا کہ عورت کو خیر کی باتوں میں تجھ جیسا ہونا چاہیے۔ اس پر وہ عورت شرما کر واپس چلی گئی۔

اس عورت کے جانے کے بعد سیدنا کعب بن سوار رضی اللہ عنہ نے کہا: ''امیر المومنین! آپ نے اس عورت کی اپنے شوہر کے خلاف شکایت کا کوئی ازالہ نہیں فرمایا'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس نے اپنے شوہر کی کوئی شکایت نہیں کی بلکہ تعریف کی ہے۔ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ نے کہا: ''بہت سخت شکایت کی ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس عورت کو دوبارہ میرے پاس لاؤ۔ جب وہ آئی تو آپ نے فرمایا کہ ''حق بات کہنے میں کوئی باک نہیں ہے۔ کعب رضی اللہ عنہ کا خیال ہے کہ تم نے اپنے شوہر کی شکایت کی ہے کہ وہ تمہارے بستر سے دور رہتا ہے۔'' اس نے کہا: ''جی ہاں،

Marfat.com

میں ایک نوجوان عورت ہوں اور مجھے بھی وہی مطلوب ہے جو دوسری عورتوں کو ہوتا ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے شوہر کو بلوایا۔ جب وہ آیا تو آپ نے سیدنا کعب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان کا فیصلہ کرنے کے زیادہ حقدار امیر المومنین رضی اللہ عنہ ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''چونکہ تم نے ہی وہ بات سمجھی ہے جو میں نہیں سمجھ سکا، لہٰذا میں تمہیں کہتا ہوں کہ تم ہی ان کا فیصلہ کرو۔'' سیدنا کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں یہ فرض کر لیتا ہوں کہ اس شخص کی تین بیویاں اور ہیں اور یہ چوتھی ہے۔ لہٰذا میں فیصلہ دیتا ہوں کہ تین دن اور تین راتیں اس کے شوہر کی ہیں۔ ان میں وہ عبادت کرتا رہے اور ایک دن اور ایک رات اس بیوی کا ہے۔ یہ فیصلہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یہ بات مجھے تمہاری پہلی بات سے بھی زیادہ پسند ہے۔ جاؤ میں تجھے بصرہ کا قاضی مقرر کرتا ہوں۔''

(المغنی: ۹/ ۵۱، الاستیعاب ترجمہ کعب بن سوار رضی اللہ عنہ الاصابہ ترجمہ کعب بن سوار رضی اللہ عنہ)

قاضی کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس کی شخصیت میں مضبوطی ہونی چاہیے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں ابومریم کو ضرور معزول کر دوں گا اور اس کی جگہ ایک ایسے شخص کو قاضی مقرر کروں گا جس کو اگر برا آدمی دیکھے تو مرعوب ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے انہیں بصرہ کی قضاۃ سے معزول کر کے کعب بن سوار رضی اللہ عنہ کو قاضی مقرر فرمایا۔

(سنن کبریٰ بیہقی: ۱۰/ ۱۰۸، المغنی لابن قدامہ: ۹/ ۱۰۳)

قاضی کے لیے مالدار اور خاندانی ہونا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض عمال کو لکھا کہ قاضی ایسے افراد کو مقرر کرو جو مال دار اور خاندانی ہوں کیونکہ صاحب مال آدمی کو دوسرے کے مال کا لالچ نہیں ہوگا۔ اور صاحب حسب شخص لوگوں کی طرف سے پہنچنے والے عواقب سے خوفزدہ نہیں ہوگا۔ (اخبار القضاۃ: ۱/ ۷۶)

پھر جو شخص قاضی مقرر ہو، اس کے لیے مندرجہ ذیل امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اس کے عمل میں اخلاص ہو۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ''جو قاضی حق کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے اجر لازم کر دیتا ہے اور اس کی عاقبت بھی سنوار دیتا ہے۔ جس کی نیت حق کے سلسلہ میں خالص ہو اگرچہ وہ حق خود اس کے خلاف جاتا ہو تو اللہ اس کے لیے ان سب معاملات میں کافی ہو جاتا ہے جو اس کے اور لوگوں کے درمیان ہوں۔ اور جو ایسے وصف سے اپنے آپ کو راستہ دکھاتا ہے جو اس میں موجود نہ ہو تو اللہ تعالیٰ

Marfat.com

اسے عیب دار کر دیتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا صرف وہی عمل قبول فرماتے ہیں جو خالصتاً اس کے لیے ہو اور آپ کا کیا خیال ہے کہ اللہ کے یہاں اس کا کیا ثواب ہے اور دنیا میں اس کے رزق اور آخرت میں اس کی رحمتوں کے کیا خزانے ہیں؟'' (سنن کبریٰ بیہقی: ۱۰/۱۵۰)

قاضی کو اپنا فیصلہ سنانے سے قبل معاملہ کو خوب اچھی طرح سمجھنا اور اس کے تمام پہلوؤں کا بغور جائزہ لینا ضروری ہے اور جب تک حق پوری طرح واضح ہو کر سامنے نہ آ جائے، قاضی کے لیے مقدمہ کا فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ''جب تمہارے پاس کوئی مقدمہ آئے تو اسے خوب اچھی طرح سمجھو۔''
(سنن کبریٰ بیہقی: ۱۰/۱۵۰۔۱۵۳، المحلی: ۸/۴۲۰)

قاضی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اگر کوئی قضیہ اس کے لیے حل کرنا دشوار ہو جائے تو اسے دوسروں سے مشورہ کر لینا چاہئے (۱۰/۱۱۲) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک قاضی کو تحریر کیا کہ ''دین کے مسائل و معاملات میں اللہ سے ڈرنے والے لوگوں سے مشورہ کرو۔'' اور آپ نے قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ ''اگر تم چاہو تو مجھ سے مشورہ کر لیا کرو۔ اور میرا خیال ہے کہ تمہارا مجھ سے مشورہ کرنا تمہارے لیے زیادہ سلامتی کا حامل ہوگا۔'' (سنن بیہقی: ۱۰/۱۱۰) چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خود بھی بکثرت مشورہ کیا کرتے تھے۔ (سنن بیہقی: ۱۰/۱۰۹) امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جو شخص کسی کے فیصلے پر اعتماد کرنا چاہے وہ صرف سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر اعتماد کرے کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کثرت سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ (سنن بیہقی: ۱۰/۱۳۵)

قاضی کو فریقین کے مابین مساوات سے کام لینا چاہیے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ''اپنے متوجہ ہونے میں، اپنی مجلس میں اور اپنے انصاف میں لوگوں کے مابین مساوات قائم کرو تا کہ کسی باحیثیت شخص کو تم سے طرف داری کا لالچ پیدا نہ ہو اور کمزور تمہارے انصاف سے مایوس نہ ہو۔'' (سنن بیہقی: ۱۰/۱۵۰)

بعض کمزور ہمت اشخاص قاضی کے سامنے اپنی ہمت کھو دیتے ہیں، لہٰذا قاضی کو کمزور شخص کی ہمت بندھانا چاہئے تا کہ اس کا خوف جاتا رہے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ کمزور شخص کو اپنے قریب کرو تا کہ اس میں ہمت پیدا ہو جائے اور اپنے مقدمہ کی وضاحت کے لیے اس کی زبان کھل جائے۔ (اخبار القضاۃ: ۱/۷۵)

جو اشخاص باہر سے آ کر کسی شخص پر کوئی مقدمہ کریں تو باہر سے آئے ہوئے اشخاص

Marfat.com

کا فیصلہ جلد از جلد کیا جائے۔ ان کی دیکھ بھال اور اخراجات کی ذمہ داری لی جائے۔ اس سلسلہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ گورنر شام کو لکھا کہ باہر سے آنے والے شخص کی خبر گیری کرو کیونکہ اگر وہ دیر تک رکا رہا یعنی اپنے دعویٰ کی وجہ سے اس کا قیام زیادہ دن رہا اور وہ اپنے گھر والوں سے دور رہا تو وہ اپنا حق چھوڑ کر اپنے گھر کی جانب روانہ ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اس کا حق اس نے باطل کیا جس نے اس کی طرف دھیان نہ دیا۔ (اخبار القضاۃ: ۱/۷۵) اسی طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یہ ہدایات بھی دیں کہ مقدمہ کی سماعت کے وقت اکتاہٹ، غصے پریشانی اور لوگوں کو ایذا پہنچانے سے اجتناب کرو (مصنف عبدالرزاق: ۱۱/ ۳۲۹، سنن بیہقی: ۱۰/ ۱۵۰) تنگی اور اکتاہٹ کے اسباب میں سے بھوک اور پیاس بھی ہیں جن کی بناء پر ہوسکتا ہے کہ قاضی فیصلہ میں غور و تامل کے بجائے جلد بازی سے کام لے۔ اسی لیے اسے فرمایا'' قاضی اس وقت فیصلہ کرے جب وہ پیٹ بھرا ہوا اور سیراب ہو۔

(مصنف عبدالرزاق: ۸/ ۳۰۰)

قاضی کے فیصلہ پر یہ چیزیں بھی اثر انداز ہوسکتی ہیں جیسے بازار میں خرید وفروخت کے وقت دکانداروں اور تاجروں کا ان سے نرمی کا معاملہ کرنا اور ہدیہ وغیرہ قبول کرنا، اسی لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قاضیوں کو تجارت میں مصروف ہونے، بازاروں میں جا کر لین دین کرنے اور ہدیہ اور رشوت قبول کرنے سے منع فرمایا۔ چنانچہ قاضی شریح رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے قاضی بنایا تو آپ نے یہ شرط لگائی کہ میں نہ فروخت کروں گا، نہ خریدوں گا اور نہ رشوت لوں گا۔ (مصنف عبدالرزاق: ۸/ ۳۰۰)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سنن بیہقی: ۱۰/ ۱۰۶، مغنی ابن قدامہ: ۹/ ۷۹ وغیرہ)

قاضی کو چاہیے کہ مقدمہ کے دونوں فریقوں کے درمیان صلح کی خواہش رکھے۔ اس سلسلہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی واضح ہدایات ہیں کہ دونوں فریقوں کو صلح پر آمادہ کیا جائے کیونکہ بعض دفعہ قاضی کا فیصلہ بھی کینہ پیدا کرنے کا باعث بن سکتا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۸/ ۳۰۴) لیکن اگر ان کی صلح احکام شریعت کے منافی ہو تو قاضی اس کو رد کر دے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے سوائے اس صلح کے جو حرام کو حلال کر دے یا حلال کو حرام کر دے۔ (سنن بیہقی: ۱۰/ ۱۵۰)

اگر مقدمہ کے دونوں فریق رشتہ دار ہوں تو بھی قاضی کو چاہیے کہ ان دونوں کے

Marfat.com

درمیان صلح کرا دے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مقدمہ کے دونوں فریق اگر باہم رشتہ دار ہوں تو ان کے درمیان صلح کرا کر لوٹا دو، اس لیے کہ قاضی کا فیصلہ بھی عداوت پیدا کر سکتا ہے۔''
(اعلام الموقعین :۱/ ۱۰۸)

ایک اور بڑا اہم اصول سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قاضی کو یہ بتایا کہ اگر قاضی نے کسی مقدمہ میں کوئی فیصلہ کر دیا۔ پھر اس کی اجتہادی رائے میں تبدیلی آ گئی تو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی اس نئی رائے کی وجہ سے اپنے سابقہ فیصلے کو تبدیل کر دے، اسی طرح اس کے بعد آنے والے قاضی کے لیے بھی جائز نہیں ہے کہ پہلے قاضی کے پہلے فیصلے کو کالعدم قرار دے۔ اس سلسلہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اہل نجران کا فیصلہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔
(ملاحظہ ہو سنن کبریٰ بیہقی :۱۰/ ۱۲۰)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے متعدد معاملات میں اپنی رائے تبدیل کی لیکن آپ نے اپنے کسی سابقہ فیصلے کو کالعدم قرار نہیں دیا، البتہ پیش آمدہ مقدمات میں جدید اجتہاد کے مطابق فیصلہ فرماتے تھے۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس سلسلہ میں سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بھی لکھا کہ تم نے جو آج فیصلہ کیا ہے اور اس میں تم نے اپنے اجتہاد کے مطابق فیصلہ کیا ہے، پھر حق تمہارے سامنے واضح ہو گیا تو کوئی بات تمہیں اس سے مانع نہیں ہونی چاہئے کہ تم حق کی جانب رجوع کر لو کیونکہ حق قدیم ہے اسے کوئی شے باطل نہیں کر سکتی اور حق کی جانب رجوع باطل پر جمے رہنے سے بہتر ہے۔ (سنن کبریٰ بیہقی :۱۰/ ۱۵۰، اعلام الموقعین :۱/ ۸۶، مغنی :۹/ ۵۹)

ایک اصول قاضی کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بتایا کہ ملزم کو اس وقت تک بے گناہ قرار دینا جب تک اس کا جرم نہ ثابت ہو جائے۔ چنانچہ سیدنا عبیداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک قافلہ کے ساتھ روانہ ہوا۔ جب ہم ذوالمرہ پہنچے تو میری گٹھڑی چرا لی گئی۔ ہمارے ساتھ ایک شخص تھا۔ میرے ساتھیوں نے اس پر چوری کا شبہ کرتے ہوئے اس سے کہا کہ اے فلاں! گٹھڑی واپس کر دو۔ اس نے کہا: میں نے گٹھڑی نہیں چرائی۔ فرماتے ہیں کہ میں نے واپس آ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ تمام واقعہ سنایا۔ آپ نے پوچھا: تم کون کون تھے؟ میں نے آپ کو ان کے بارے میں بتایا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ میرے خیال میں بھی وہی چور ہو سکتا ہے جس پر میں نے الزام لگایا تھا۔ اس پر میں نے عرض کیا: ''امیر المومنین! میں نے تو سوچا تھا کہ اسے بیڑیاں ڈال کر لے آؤں۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''کیا تم ثبوت کے بغیر بیڑیاں ڈال کر

Marfat.com

لاتے؟'' (المحلی :۱۱/۱۳۲، مصنف عبدالرزاق :۱۰/۲۱۷)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح کے نام ایک خط میں بتایا کہ قاضی کو کس طرح فیصلہ کرنا چاہیے۔ آپ نے اس خط میں لکھا:

''اگر تمہارے سامنے کوئی ایسا معاملہ پیش ہو جس کا حکم کتاب اللہ میں موجود ہو تو اس کے مطابق فیصلہ کرو اور محتاط رہو کہ کہیں لوگ تمہیں اس سے ہٹا کر کسی اور جانب متوجہ نہ کر دیں۔ اگر کتاب اللہ میں اس کا حکم موجود نہ ہو اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہو تو اس کے مطابق فیصلہ کرو۔ اور اگر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں میں نہ ہو تو ائمہ ہدیٰ کے فیصلوں کے مطابق فیصلہ کرو۔'' (سنن بیہقی :۱۰/۱۱۰)

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو آپ نے لکھا کہ ''جب کوئی قضیہ تمہارے سامنے پیش ہو اور اس کے بارہ میں کتاب وسنت میں حکم موجود نہ ہو تو اس پر خوب غور وفکر کرنے کے بعد اس کو دیگر امور پر قیاس کرو۔ اس کی امثال واشباہ دریافت کرو اور پھر جس کے متعلق تمہارا خیال ہو کہ یہ خدا کے نزدیک زیادہ پسندیدہ امر ہے اور حق سے زیادہ قریب ہے تو اسے اختیار کرو۔
(سنن بیہقی :۱۰/۱۱۲، اعلام الموقعین :۱/۸۶)

اگر قیاس کرنے کا معاملہ بھی مشتبہ ہو اور یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ پیش آمدہ قضیہ کو اس واقعہ پر قیاس کیا جائے یا اس واقعہ پر تو پھر اہل علم اور اہل تقویٰ میں سے ایسے لوگوں سے مشورہ کرے جو خیر خواہ ہوں۔ (سنن بیہقی :۱۰/۱۱۲)

یہ تھے وہ چند احکامات جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں مختلف قاضیوں کو دیے جنہوں نے قضا کی دنیا میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا اور آج بھی دنیا اتنی ترقی کرنے کے باوجود انہی اصولوں پر کاربند ہے۔

خمس اور ذوالقربیٰ کا حصہ:

غنیمت کو تقسیم کرنے سے قبل اس کا خمس (1/5) نکالا جاتا تھا جو اسلامی حکومت لیتی اور اس کو ان پانچ مصارف میں خرچ کرتی جن کا ذکر قرآن میں ہے:

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ (الانفال:۴۱)

Marfat.com

''اور تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول، رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔''

سرکارِ دو عالم ﷺ اس خمس کو اس کے مصارف میں صرف فرمایا کرتے تھے اور ان میں سے پانچواں حصہ (خمس الخمس) خود اپنے مصارف کے لیے رکھ لیتے تھے۔ اور اپنی ذات پر اور اپنے اہل وعیال پر صرف فرمایا کرتے تھے۔ اگر اس میں سے کچھ بچ جاتا تو اسے پھر فقراء اور مساکین کو لوٹا دیتے اور دوسرا خمس الخمس آپ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے ذوی القربی پر خرچ فرماتے تھے، لیکن اس خمس میں سے آپ بنو عبد شمس اور بنی نوفل کو کچھ نہیں دیتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ اور آپ کے قرابت داروں کا حصہ بعض حضرات کے بقول ساقط فرما دیا۔ رسول اللہ ﷺ کا حصہ تو آپ کی وفات کی وجہ سے ساقط ہو گیا اور آپ کے رشتہ داروں کا حصہ اس بنا پر تھا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مدد اور نصرت کی تھی اور اس کے ساتھ ہی آپ سے تعلق قرابت داری بھی تھا۔ لیکن جن کا نصرت کا تعلق نہیں تھا ان کو کوئی حصہ نہیں ملتا تھا۔ اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قرابت داری کا حصہ ساقط کر دیا اور ان میں سے جو فقیر اور مساکین تھے ان کو عام مسلمان فقراء اور مساکین کے زمرہ میں داخل کر دیا اور باقی حصے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسی طرح تقسیم کیے جیسا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ تقسیم فرمایا کرتے تھے۔

(کتاب الاموال: ۳۳۱، سنن بیہقی: ۶/۳۴۳، احکام القرآن، حصاص: ۲/۶۲)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی پیروی کی۔ یہ بات سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں بیان کی ہے کہ ''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہمیں خمس دیا کرتے تھے جس طرح وہ موزوں خیال فرماتے کہ ہمیں دیا جانا چاہیے، لیکن ہم نے یہ کہہ کر اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ رشتہ داروں کا حصہ خمس الخمس (1/25) ہے۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خمس معینہ مدوں کے لیے مقرر فرمایا ہے، لہٰذا ان معینہ مدوں میں سے انہی کو اس خمس کا زیادہ حصہ ملے گا جو تعداد میں زیادہ ہوں گے اور ضرورت مندی کی بناء پر زیادہ مستحق ہوں گے۔ چنانچہ ہم میں سے کچھ لوگوں نے لیا اور کچھ لوگوں نے نہیں لیا۔ (کتاب الاموال: ۳۳۵)

جہاں تک صحیح روایات کا تعلق ہے، ان سے یہی ثابت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خمس میں بنو ہاشم اور بنو مطلب کا حصہ اور حق بحال رکھا۔ لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مصلحت وضرورت کے

Marfat.com

لحاظ سے تقسیم میں کمی بیشی خلیفہ وقت کا حق سمجھتے تھے۔ اس کے برعکس سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ کا یہ دعویٰ تھا کہ پانچواں حصہ پورے کا پورا ذوالقربیٰ کا حق ہے اور خلیفہ وقت کو اس میں کسی قسم کے تصرف کا کوئی حق نہیں ہے۔ چنانچہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخراج میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ:

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ہم لوگوں کے سامنے یہ بات پیش کی کہ ہم لوگ خمس کے مال میں سے اپنی بیواؤں کے نکاح اور ادائے قرض کے مصارف لے لیا کریں۔ لیکن ہم یہ کہتے تھے کہ سب ہمارے ہاتھ میں دے دیا جائے۔''

(کتاب الخراج ابی یوسف:۱۱/ کتاب الاموال:۳۳۵، احکام القرآن حصاص:۳/۶۳ وغیرہ)

ذوالقربیٰ کا حصہ ساقط کرنے کی روایت کلبی کی ہے اور کلبی کے بارہ میں علماء کی رائے یہ ہے کہ وہ نہایت ضعیف تھا بلکہ کذاب تھا اور اس کی روایت کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن ابو داؤد اور مسند امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت صدیقی اور خلافت فاروقی میں بنو ہاشم وغیرہ کو خمس باقاعدہ ملتا تھا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں تقسیم ہوتا تھا۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ:

''میں نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ ہم ذوالقربیٰ کا جو حصہ خمس میں ہے، اس کی تقسیم کی ذمہ داری اگر آپ اپنی زندگی میں میرے سپرد فرما دیں تو یہ بہتر ہوگا تاکہ آپ کے انتقال کے بعد کوئی شخص اس بارہ میں ہمارے ساتھ نزاع نہ پیدا کر سکے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کام کا متولی بنا دیا۔ دورِ نبوت میں خمس کے اس حصہ کو (بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب میں) تقسیم کرتا رہا۔ پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے اس تقسیم کا متولی بنایا تو میں دور صدیقی میں بھی اس خمس کو تقسیم کرتا رہا۔ پھر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے اس تقسیم کا والی بنایا تو عہد فاروقی میں بھی میں نے ہی اس کو تقسیم کیا۔ یہاں تک کہ خلافت فاروقی کے آخری سالوں میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بہت سا مال غنیمت آیا۔ پس انہوں نے ہم لوگوں کا حق خمس علیحدہ کر کے میری طرف آدمی بھیجا اور کہا کہ آپ اس مال کو لے کر حسب سابق تقسیم کر دیں۔ میں نے جواب میں کہا ''امیر المومنین! ہم

Marfat.com

لوگ (یعنی بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب) اب اس مال سے مستغنی ہیں (یعنی ہماری اقتصادی اور معاشی حالت بہت بہتر ہے) اور دوسرے مسلمان اس کے ضرورت مند ہیں۔ تب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے وہ مال حاجت مند مسلمانوں کے لیے بیت المال میں واپس کر دیا۔" (ابوداؤد: ۲/۶۱، مسند احمد: ۱/۸۴، کتاب الخراج لابی یوسف: ۲۰)

اس سے معلوم ہوا کہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب وغیرہ کو خمس میں سے باقاعدہ حصہ ملتا رہا۔ ان کا حصہ ساقط نہیں ہوا اور نہ ہی کسی نے غصب کیا اور یہ حصہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانوں میں بھی خود ہی تقسیم کرتے رہے۔ لیکن یہ بھی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے مابین اس مال کے بارہ میں ایک اختلاف چل رہا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کے تقاضا کے تحت ان اموال کو تقسیم کر دینے سے انکار کر دیا۔ یہ چیز دیکھ کر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اس تنازع سے دست بردار ہو گئے۔ (ملاحظہ ہو بخاری: ۲/۵۷۶، سنن کبریٰ بیہقی: ۶/۲۹۹)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پھر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں اس کی تقسیم رہی۔ اسی وجہ سے جب بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ نے آپ لوگوں کے مالی حقوق پر کوئی ظلم جائز رکھا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بے خوف وخطر جواب دیا کہ "قسم اس ذات کی جس نے تمام عالم کے نذیر اور اپنے بندے پر قرآن نازل کیا، ہمارے مالی حقوق کے بارہ میں ان دونوں نے ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ظلم نہیں کیا۔"

(ابن ابی الحدید: ۴/۱۱۳، بحث فدک)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات سرے ہی سے غلط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خمس میں سے ذوالقربیٰ کا حصہ ساقط کر دیا تھا بلکہ وہ حصہ انہیں اسی طرح ملتا رہا جیسا کہ عہد نبوت میں انہیں ملتا تھا یہاں تک کہ انہوں نے معاشی حالت بہتر ہونے کی وجہ سے خود لینے سے انکار کر دیا۔

یہ صرف وہ چند مسائل تھے جن کے بارہ میں ہم نے ان صفحات میں اجمالی طور پر لکھا ہے وگرنہ فقہ کے جس قدر مسائل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت سے منقول ہیں ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ اور سنن بیہقی میں ان میں سے کئی مسائل منقول ہیں۔ حضرۃ حکیم الامت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے فقہ فاروقی پر ایک مستقل

Marfat.com

رسالہ اپنی مشہور کتاب ازالۃ الخفاء میں شامل کر دیا ہے۔ آپ نے اپنی وسیع سلطنت کے مسائل کو حل کرنے کے لیے قیاس شرعی سے کافی حد تک کام لیا ہے اور ائمہ اربعہ کے مسائل کا بھی ایک بڑا ماخذ قیاس ہے اور حکیم الامت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مجتہدین فقہ کے بڑے بڑے مسائل سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مذہب و مسلک کے تابع ہیں۔ (ازالۃ الخفاء حصہ ۲/۸۴)

بلکہ اکثر حضرات کا خیال یہ ہے کہ قیاس کی بنیاد ہی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ڈالی تھی۔

Marfat.com

اولیاتِ عمر رضی اللہ عنہ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ہر صیغہ زندگی میں کچھ نئی باتیں پیدا کیں، ان کو مورخین نے اولیاتِ عمر رضی اللہ عنہ کا نام دیا ہے۔ اس سے قبل سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی کچھ ایسی راہیں تلاش کی تھیں جن میں ان کو اولیت حاصل ہے، جیسے اسلام میں سب سے پہلے مسجد انہوں نے بنائی جو ان کے گھر کے صحن میں تھی۔ سب سے پہلے خلیفہ کے لفظ سے آپ پکارے گئے۔ سب سے پہلے آپ اسلام لائے۔ سب سے پہلے امیر حج ہونے کا شرف آپ کو حاصل ہوا وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح کی کچھ اولیات سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بھی ہیں جن کو علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کیا ہے جو کہ حسب ذیل ہیں:

1. سب سے پہلے بیت المال یعنی خزانہ آپ نے قائم کیا۔
2. سب سے پہلے باقاعدہ طور پر عدالتیں اور قاضی آپ نے مقرر فرمائے۔
3. سب سے پہلے امیر المومنین کا لقب آپ نے اختیار کیا۔
4. سب سے پہلے فوجی دفتر آپ نے ترتیب دیا۔
5. رضا کاروں کی تنخواہیں بھی سب سے پہلے آپ ہی نے مقرر کیں۔
6. مال کا دفتر آپ ہی نے سب سے پہلے قائم کیا۔
7. زمین کا بندوبست اور پیمائش سب سے پہلے آپ نے کروائی۔
8. مردم شماری سب سے پہلے آپ نے کرائی جن سے ایک تو آپ کو ملک کی آبادی کا پتہ چلا اور دوسرے اس کی اقتصادی ترقی کے لیے منصوبہ بندی میں آسانی ہوئی۔
9. سب سے پہلے تاریخ اور سن آپ نے قائم کیا جو آج تک سن ہجری کے نام سے مسلمانوں میں جاری ہے۔

Marfat.com

(10) سب سے پہلے نہریں آپ نے کھدوائیں جس سے ایک تو نظام آبپاشی کو ترقی ہوئی اور دوسرے بحری آمد ورفت کا نظام بہتر ہوا۔

(11) سب سے پہلے اسلام میں آپ نے شہر آباد کرائے۔ جنہوں نے فوجی چھاؤنیوں کا کام بھی کیا جیسے کوفہ، بصرہ، جیزہ، فسطاط اور موصل وغیرہ۔

(12) مقبوضہ ممالک کو مختلف صوبوں میں بھی سب سے پہلے آپ نے تقسیم کیا جس سے ان کے انتظام میں بہت بہتری ہوئی۔

(13) عشور یعنی درآمدی ڈیوٹی بھی سب سے پہلے آپ نے مقرر کی۔

(14) دریائی پیداوار جیسے عنبر وغیرہ پر محصول بھی سب سے پہلے آپ نے لگایا اور اس کے لیے محصل مقرر کیے۔

(15) دارالحرب کے تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت بھی سب سے پہلے آپ نے دی۔

(16) اسلام میں جیل خانہ سب سے پہلے آپ نے قائم فرمایا۔

(17) درہ کا استعمال بھی سب سے پہلے آپ نے کیا جو ہر وقت آپ کے پاس موجود رہتا تھا، حتیٰ کہ بعض روایات کے مطابق نماز کے وقت بھی مصلیٰ پر پڑا رہتا تھا۔

(18) آپ ہی نے سب سے پہلے راتوں کو گشت کر کے رعایا کی خبر گیری کا طریقہ نکالا۔

(19) پولیس کا محکمہ بھی سب سے پہلے آپ نے قائم کیا۔

(20) ملک میں جگہ جگہ فوجی چھاؤنیاں بھی سب سے پہلے آپ نے قائم کیں۔

(21) گھوڑوں کی نسل میں اصیل اور مجنس کی تمیز بھی سب سے پہلے آپ نے قائم کی جو اس وقت تک عرب میں نہ تھی۔

(22) پرچہ نویس بھی سب سے پہلے آپ نے متعین کیے۔

(23) مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک مسافروں کے آرام کے لیے مکانات بھی آپ نے سب سے پہلے بنوائے۔

(24) راہ پر پڑے ہوئے بچوں کی پرورش اور پرداخت کے لیے روزینے بھی آپ نے ہی سب سے پہلے مقرر کیے۔

(25) سب سے پہلے مختلف شہروں میں مہمان خانے آپ نے تعمیر کرائے۔

Marfat.com

(26) یہ قاعدہ قرار دیا کہ اہل عرب (گو کافر ہوں) غلام نہیں بنائے جا سکتے۔

(27) مفلوک الحال اور نادار عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینے بھی آپ ہی نے پہلے مقرر فرمائے۔

(28) ملک کے مختلف علاقوں میں مکاتب بھی قائم فرمائے جن سے تعلیم کو فروغ حاصل ہوا۔

(29) معلمین اور مدرسین کے مشاہرے بھی مقرر کیے تا کہ وہ دل جمعی سے تعلیم کے شعبہ کو ترقی دیں۔

(30) سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نہایت اصرار کے ساتھ سب سے پہلے آپ ہی نے جمع و ترتیب قرآن پر آمادہ کیا اور اپنے اہتمام سے اس کام کو پورا کیا۔

(31) قیاس کا اصول ''تعدیة الحکم من الاصل الی الفرع لعلة متحدة'' یعنی اصل سے فرع تک حکم کو پہنچانا کسی ایسی علت کی وجہ سے جو دونوں میں مشترک ہو، یہ آپ ہی نے قائم کیا۔

(32) آپ نے سب سے پہلے فرائض میں عول کا مسئلہ ایجاد کیا۔ (میراث میں عول یہ ہے کہ ایسی صورت پیش آ جائے کہ حصوں کی تعداد بڑھ جائے جس کی وجہ سے وارثوں کے حصوں کی تعداد میں کمی کرنی پڑے)

(33) فجر کی اذان میں ''الصلوٰة خیر من النوم'' کا اضافہ کیا، جس کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک مرتبہ موذن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو نماز فجر کی اطلاع دینے آیا تو دیکھا کہ آپ سو رہے ہیں۔ اس نے آپ کو سوتا دیکھ کر کہا: ''الصلوٰة خیر من النوم'' آپ کو یہ الفاظ بہت پسند آئے۔ چنانچہ آپ نے موذن کو حکم دیا کہ وہ یہ الفاظ اذان فجر میں شامل کر دے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۲۳، موطا امام مالک: ۱/۷۲) لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اس روایت کی سند منقطع ہے۔ جبکہ ابو داؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کی تعلیم دی۔

(34) سب سے پہلے باقاعدہ طور پر نماز تراویح جماعت سے آپ نے قائم کی۔

(35) تین طلاقوں کو جو ایک ساتھ دی جائیں طلاق بائن قرار دیا اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر اجتماع کیا۔

Marfat.com

36. شراب کی حد کے لیے اسی (۸۰) کوڑے مقرر کیے۔
37. تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ سب سے پہلے آپ نے مقرر کی۔
38. بنوتغلب کے عیسائیوں پر بجائے جزیہ کے زکوٰۃ مقرر کی۔
39. وقف کا طریقہ بھی پہلے آپ نے ایجاد کیا۔
40. نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر تمام لوگوں کا اجتماع کرا دیا وہ اس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنازہ کی تکبیرات کی متعدد صورتیں منقول تھیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ ان سب میں یک جہتی پیدا فرما دیں کیونکہ آپ اختلاف کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کیا اور ان سے نماز جنازہ کی تکبیرات کے بارہ میں مشورہ کیا۔ اور چار تکبیروں پر سب کو متفق کرلیا تاکہ طویل نماز سے مشابہت ہو جائے اور طویل نماز چار رکعت والی نماز ہے۔ (سنن بیہقی :۴/ ۳۷ خ مصنب ابن ابی شیبہ:۱/ ۱۴۸، المغنی لابن قدامہ:۲/ ۵۱۴)۔ اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب بھی نماز جنازہ پڑھتے تو چار تکبیرات کہتے۔

(الاعتبار:۱۲۴، المغنی لابن قدامہ:۲/ ۵۱۴)

41. آپ ہی نے سب سے پہلے مساجد * یں وعظ کا طریقہ قائم کیا۔ ان کی اجازت سے سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ نے وعظ کیا اور یہ اسلام میں پہلا وعظ تھا۔
42. آپ نے سب سے پہلے اماموں اور موذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔
43. مساجد میں راتوں کو روشنی کا انتظام بھی سب سے پہلے آپ نے کیا۔
44. ہجو کہنے پر تعزیر کی سزا مقرر کی۔
45. غزلیہ اشعار میں عورتوں کے نام لینے سے لوگوں کو منع کیا حالانکہ یہ طریقہ عربوں میں مدتوں سے چلا آرہا تھا۔

Marfat.com

خانگی زندگی

ازواج:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خانگی زندگی کے بارہ میں کتابوں میں زیادہ معلومات نہیں ملتیں۔ آپ کو اپنی ازواج اور اولاد کے ساتھ کافی محبت تھی، لیکن آپ اس محبت کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے درمیان حائل نہیں ہونے دیتے تھے۔ اسلام سے قبل جیسا کہ کتابوں میں مرقوم ہے، عورتوں کو کوئی خاص اہمیت معاشرہ میں نہیں دی جاتی تھی۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی جاہلیت میں کچھ زیادہ اہمیت عورتوں کو نہیں دیتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ جب قرآن حکیم نازل ہوا اور اس میں عورتوں کا ذکر آیا تو ہم سمجھے کہ عورتیں بھی کوئی چیز ہیں، تاہم ہم ان کو اپنے معاملات میں بالکل دخل نہیں دینے دیتے تھے۔

اسلام اور جاہلیت میں آپ نے کئی نکاح کیے۔ پہلا نکاح آپ نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بہن زینب سے کیا۔ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا اسلام لانے والوں میں چودھواں نمبر تھا۔ اپنے دونوں بھائیوں قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مظعون رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ طیبہ کی جانب ہجرت فرمائی۔ معرکہ بدر میں شرکت فرمائی اور میدان جنگ سے واپس آ کر بیمار ہوئے۔ آپ کے انصاری بھائی اور اس کے بیوی بچوں نے دل سوزی کے ساتھ تیمارداری کی لیکن موت کا ازالہ ممکن نہ تھا۔ ہجرت کے ۳۰ ماہ بعد یعنی ۲ھ میں وفات پائی (اسد الغابہ ۳/۳۸۵_۳۸۶، طبقات ابن سعد:۳/۲۸۸) جنازہ تیار ہوا تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی مفارقت کا اتنا شدید غم تھا کہ آپ نے تین دفعہ جھک کر ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ اور اس قدر چشم پرنم ہوئے کہ اشک مبارک سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ

Marfat.com

کے رخسار تر ہو گئے۔ (طبقات: ۳/ ۲۸۸) پھر سر مبارک اٹھا کر بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا:

''ابو السائب! میں تم سے جدا ہوتا ہوں تم دنیا سے اس طرح نکل گئے کہ تمہارا ذرہ بھی اس سے ملوث نہ ہوا۔'' (اسد الغابہ: ۳/ ۳۸۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور ان کی تدفین کے لیے مقام بقیع کو منتخب فرمایا۔ چنانچہ وہ پہلے صحابی ہیں جو اس گورغریباں میں دفن ہوئے۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۹۱)

ان عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بہن زینب رضی اللہ عنہا سے آپ کا مکہ میں نکاح ہوا۔ زینب رضی اللہ عنہا نے مسلمان ہو کر مکہ مکرمہ میں انتقال فرمایا۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ اور سیدہ حفصہ ام المومنین رضی اللہ عنہا انہی کے بطن سے تھیں۔ دوسری بیوی قریبہ بنت ابی امیہ المخزومی تھیں۔ یہ سیدہ ام سلمہ ام المومنین کی بہن تھیں، لیکن یہ اسلام کی دولت سے محروم رہیں۔ اس لیے آپ نے اسے ۶ ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد طلاق دے دی۔

تیسری بیوی ملیکہ بنت جرول خزاعی تھیں۔ ان کو ام کلثوم بھی کہتے ہیں۔ یہ بھی اسلام نہیں لائیں، اس وجہ سے ان کو بھی ۶ ھ میں آپ نے طلاق دے دی۔ عبیداللہ انہی کے بطن سے تھے۔

آپ نے جب مدینہ ہجرت فرمائی تو انصار سے قرابت داری پیدا کی اور ۷ ھ میں عاصم بن ثابت بن ابی الافلح جو شرکاء بدر میں سے تھے اور انصار میں ان کا گھرانہ ایک عزت دار گھرانہ سمجھا جاتا تھا، ان کی صاحبزادی جمیلہ سے نکاح کیا۔ جمیلہ کا پرانا نام عاصیہ تھا۔ ان کے اسلام لانے کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام تبدیل کر کے جمیلہ رکھا۔ لیکن ان کو بھی کسی وجہ سے آپ نے طلاق دے دی۔ ان کے بطن سے عاصم بن عمر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ عاصم ابھی چھوٹے ہی تھے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں طلاق دے دی۔ یہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت تھا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رہائش اب قباء سے مدینہ میں تھی۔ ایک روز آپ مدینہ سے قباء کی طرف جا رہے تھے کہ عاصم کو بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے دیکھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو پکڑ کر گھوڑے پر بٹھا لیا اور ساتھ لے جانا چاہا۔ جمیلہ کو پتہ چلا تو وہ مزاحم ہوئی کہ میں اس بچے کو آپ کے ساتھ نہیں جانے دوں گی بلکہ اپنے پاس رکھوں گی۔ وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس فریادی ہو کر آئیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف فیصلہ دیا۔ اس لیے مجبوراً انہیں عاصم کو اس کی ماں کے حوالے کرنا پڑا۔ (موطا، امام مالک)

Marfat.com

آخری عمر میں آپ کو خاندان نبوت سے تعلق پیدا کرنے کا خیال ہوا۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ان کی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا ہاتھ مانگا جس کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قبول فرمالیا اور ۱۷ھ میں چالیس ہزار درہم مہر پر نکاح ہوا جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں ذکر کی گئی ہے۔ ان سے زید علیہ السلام اور رقیہ دو اولادیں ہوئیں۔

ان بیویوں کے علاوہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اور بھی بیویاں تھیں جیسے ام حکیم بنت الحارث بن ہشام مخزومی اور عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل۔ عاتکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی چچا زاد بہن تھیں۔ ان کا نکاح پہلے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ چونکہ نہایت خوب صورت تھیں اس لیے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ انہیں بہت چاہتے تھے۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ غزوہ طائف میں شہید ہو گئے۔ عاتکہ رضی اللہ عنہا نے ان کا نہایت دردانگیز مرثیہ لکھا۔ جس کا ایک شعر تھا

فاليت لا تنفك عيني حزينةً　　　عليك ولا ينفك جلدي اغبرا

''یعنی (اے میرے شوہر!) میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ میری آنکھ ہمیشہ تجھ پر غمناک رہے گی اور میرا جسم ہمیشہ خاک آلود رہے گا۔''

روایت میں ہے کہ ۱۲ھ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عاتکہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور تقریب نکاح اور ولیمہ میں اور لوگوں کے علاوہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی مدعو کیا۔ خورونوش سے فراغت کے بعد خوش طبعی کے طور پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا عاتکہ سے بات کرنے کی اجازت ہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پردہ کے پیچھے سے عاتکہ کو چند اشعار یاد دلائے جو اس نے اپنے سابق شوہر سیدنا عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی وفات پر کہے تھے۔ ان میں ایک شعر یہ تھا جو اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ عاتکہ اس یاددہانی پر رونے لگیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا: ''ابوالحسن! آپ اس کو غمناک کر رہے ہیں۔ عورتیں تو اسی طرح کیا کرتی ہیں۔''

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب نسب قریش مصعب زبیری: ۱۰/ ۳۶۵، استیعاب لابن عبدالبر: ۴/ ۳۵۵، اسد الغابہ لابن اثیر: ۵/ ۴۹۸، تذکرہ عاتکہ رضی اللہ عنہا بنت زید رضی اللہ عنہ)

اولاد:

مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپ کے ہاں کثرت سے اولاد ہوئی۔ جن میں سے کچھ

Marfat.com

زیادہ مشہور ہوئے۔ ان میں سیدہ حفصہ سلام اللہ علیہا سب سے زیادہ ممتاز ہیں، کیونکہ وہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن میں شامل تھیں۔ ان کا پہلا نکاح بنو سہم کے خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ اپنے شوہر کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ ۲ھ میں غزوہ بدر میں آپ کے شوہر نے شرکت فرمائی، لیکن میدان جنگ میں کچھ ایسے کاری زخم کھائے کہ جانبر نہ ہو سکے۔ چنانچہ انہی زخموں کی وجہ سے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

پھر دوسرا نکاح سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔

(ملاحظہ ہو بخاری حدیث نمبر ۵۱۲۲، مسند احمد بن حنبل :۱/۱۲، صفۃ الصفوۃ:۲/۳۸، فتح الباری: ۹/ ۸۱، سیر اعلام النبلا :۲/ ۲۲۷، وغیرہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی معاشرتی زندگی نہایت اچھی تھی، لیکن آخر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں، اس وجہ سے مزاج میں ذرا سی تیزی تھی۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نہایت فضل و کمال کی مالک تھیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تہذیب میں لکھا ہے کہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے ۶۰ احادیث نبوی مروی ہیں جو انہوں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھیں۔

(تہذیب:۲/ ۳۹، سیر اعلام النبلاء:۲/ ۲۲۰، زرقانی:۳/۳)

آپ کے خاندان کے سات آدمیوں نے جنگ بدر میں شرکت کی (السیرۃ النبویہ لابن ہشام :۲/ ۶۸۳) آپ کو علم سیکھنے کا بہت شوق تھا۔ اس کے علاوہ روایات میں ان کی ایک صفت یہ بھی آئی ہے کہ صائم النہار اور قائم اللیل تھیں۔

(طبقات ابن سعد :۸/ ۸۴، متدرک حاکم :۴/ ۱۵، حلیۃ الاولیاء :۲/ ۵۰)

دین میں تفقہ کا بھی ایک خاص ملکہ حاصل تھا۔ (مسند احمد :۶/ ۲۸۵)

شعبان ۴۵ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔ یہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ چنانچہ گورنر مدینہ سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور کچھ دیر تک جنازہ کو کاندھا بھی دیا۔ اور ان کے بھائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادوں عاصم رحمۃ اللہ علیہ، سالم رحمۃ اللہ علیہ، عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ اور حمزہ رحمۃ اللہ علیہ نے قبر میں اتارا۔ وفات کے وقت ان کی عمر ۶۰ سال تھی۔ (عیون الاثر :۲/ ۳۹۶، طبقات ابن سعد :۸/ ۸۶)

آپ نے اگرچہ کوئی اولاد یادگار نہیں چھوڑی، لیکن سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی معنوی اولاد

Marfat.com

بہت سی تھی، جیسے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حمزہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، صفیہ بنت ابی عبیدہ رضی اللہ عنہا (زوجہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ) حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ، ام بشر انصاریہ رضی اللہ عنہا، عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام، عبداللہ بن صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ وغیرہ)

(سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے حالات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب ''امہات المومنین رضی اللہ عنہن'' جو اس موضوع پر ایک نہایت مکمل اور شاندار کتاب ہے)

اولادِ ذکور:

اولاد ذکور میں سب سے زیادہ مشہور اور نامور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ جنگ احد میں جو ۳ھ میں ہوئی چودہ برس کے تھے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے وقت اس حساب سے ان کی عمر قریباً پانچ برس کی تھی۔ بدر اور احد دونوں میں شرکت کے لیے درخواست کی لیکن صغیر السن ہونے کی وجہ سے وہ درخواست قبول نہ ہوئی۔ اس لیے ان دونوں غزوات کے بعد ہر غزوہ میں شریک ہوئے۔ غزوہ خیبر میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بعض خاص احکام حلال و حرام جاری فرمائے، سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ ان کے راوی ہیں۔ (بخاری: ۲/۶۰۶، باب غزوہ خیبر) غزوہ خندق، محاصرہ طائف، غزوہ تبوک، حجۃ الوداع سب میں شرکت فرمائی اور ان مواقع پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشادات فرمائے ان کو آپ نے روایت فرمایا۔

عہد فاروقی میں نہاوند کی جنگ میں شریک ہوئے۔ شام و مصر کی فتوحات میں بھی آپ کی شرکت کا پتہ چلتا ہے۔ روایات میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا آخری وقت جب قریب آیا تو انہیں اپنی بہن سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی زبانی معلوم ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کسی کو اپنا جانشین مقرر فرما رہے۔ جس سے سیدنا عبداللہ کے خیال میں آئندہ کئی مشکلات پیش آنے کا خطرہ تھا۔ چنانچہ آپ ڈرتے ڈرتے باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خود فرماتے ہیں کہ میں جرأت کر کے چلا تو گیا لیکن مارے خوف کے معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑ اٹھا رہا ہوں۔ جب میں آپ کی خدمت اقدس میں پہنچا تو پہلے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے حالات مجھ سے پوچھتے رہے۔ پھر میں نے جرأت کر کے عرض کی کہ میں لوگوں کی چہ میگوئیاں گوش گزار کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کسی کو اپنا جانشین منتخب نہیں فرما رہے۔ فرض کیجئے وہ چرواہا جو آپ کی بکریوں اور اونٹوں کو چراتا ہے، اگر وہ گلہ کو چھوڑ کر آپ کے پاس سے چلا جائے تو گلہ کا کیا حشر

Marfat.com

ہوگا؟ انسانوں کی گلہ بانی کا فرض تو اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بیٹے کے اس معقول استدلال کو پسند فرمایا لیکن پھر کچھ سوچ کر فرمایا: ''خدا خود اپنے گلہ کا نگہبان ہے۔ اگر میں کسی کو اپنا جانشین نامزد نہ کروں تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نامزد نہیں فرمایا تھا اور اگر میں کسی کو نامزد کر جاؤں تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نامزد کر گئے تھے۔'' سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام لیا تو میں سمجھ گیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر کسی کو ترجیح نہ دیں گے اور کسی کو اپنا جانشین بنا کر نہیں جائیں گے۔ (مسلم: ۲/ ۱۰۸)

چنانچہ یہ ہوا اور انہوں نے اپنی جانشینی کا مسئلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی چھ رکنی کمیٹی کے سپرد کر دیا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اگرچہ آپ کو قضا کا عہدہ پیش ہوا اور آپ کو ملکی معاملات میں حصہ لینے کا موقع ملا۔ لیکن آپ نے اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ بلکہ یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ میں نہ دو شخصوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہوں اور نہ ہی دو شخصوں کی امامت کرتا ہوں (طبقات ابن سعد: ۴/ ۱۸) سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد لوگوں نے درخواست کی کہ آپ امیر ابن امیر ہیں۔ ہم سب آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہیں۔ فرمایا: میں اس کو ہرگز پسند نہیں کرتا اور فرمایا کہ جہاں تک میرے امکان میں ہے میں اپنے لیے ایک پچھنے کے برابر بھی خون نہ بہنے دوں گا۔ لوگوں نے دھمکی دی کہ اگر آپ نے اس بارگراں کو نہ اٹھایا تو ہم آپ کو قتل کر دیں گے لیکن آپ نے ان کی دھمکی کی بھی کوئی پروا نہ کی اور خلافت جیسے اعزاز سے جو اس وقت فتنوں کی آماجگاہ بن گیا تھا، اپنے آپ کو بچائے رکھا۔ (ابن سعد: ۴/ ۱۱۱)

اللہ تعالیٰ نے سرکارِ دو عالم کی دائمی حاضر باشی اور سفر و حضر کی ہم رکابی اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تعلیم و تربیت کی وجہ سے قرآن، تفسیر، حدیث و فقہ اور دیگر تمام مذہبی علوم کا بحرِ بے پایاں بنا دیا تھا۔ اور آپ کا شمار علماء مدینہ کے اس زمرہ میں ہوتا تھا جو علم و عمل کے مجمع البحرین سمجھے جاتے تھے۔ (تذکرہ الحفاظ: ۱/ ۳۵)

علم حدیث میں اپنی وسعت علم کے باوجود حد درجہ محتاط تھے۔ حدیث میں کمی بیشی سے بہت ڈرتے تھے (تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۳۴) اس وجہ سے حدیث بیان کرنے سے گریز کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے شاگرد مجاہد بیان کرتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کے راستہ میں میرا اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کا

Marfat.com

ساتھ ہوا۔ اس درمیان انہوں نے صرف ایک حدیث بیان فرمائی (بخاری: ۱۶/۱) اس شدت احتیاط کی وجہ سے اکابر علماء اور محدثین کرام رضی اللہ عنہ آپ کی مرویات کو بہت زیادہ قابل اعتماد سمجھتے ہیں۔ چنانچہ شعبی کا بیان ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایات بہت درست ہوتی تھیں۔ (مسند احمد: ۳۲/۲)

موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جس کو امت نے کتاب اللہ کے بعد صداقت و وثوق میں دوسرا درجہ دیا ہے، زیادہ تر انہی کی روایات پر مشتمل ہے، خصوصاً وہ روایات جو ان سے ان کے خادم اور شاگرد نافع نے بیان کی ہیں اور ان سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے سنا ہے۔ کیونکہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پندرہ برس رہے۔ پھر شیخین کا پورا زمانہ دیکھا۔ پھر نافع، ابن عمر رضی اللہ عنہ کی صحبت میں تیس برس رہے۔ پھر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، نافع رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں دس بارہ برس بیٹھے۔ اس لیے مالک عن نافع عن ابن عمر کا سلسلہ محدثین کے نزدیک ''سلسلۃ الذہب'' کہلاتا ہے۔ آپ کے شاگردوں کی فہرست نہایت طویل ہے۔

حدیث کے بعد فقہ پر تشریع اسلامی کا مدار ہے۔ آپ تفقہ فی الدین میں بھی درجہ کمال رکھتے تھے اور ساری عمر علم و افتاء میں گزاری۔ مدینہ کے ان سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جن سے علم حدیث کی سب سے زیادہ روایات ہیں، ایک آپ بھی تھے (اعلام الموقعین: ۱۳/۱) چنانچہ فقہ مالکی کا تمام تر دارومدار سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ پر ہے (مقدمہ مسویٰ شرح موطا امام مالک) لیکن وہ اپنے فتاویٰ اور اپنے اعمال میں سخت محتاط اور خوب سوچ سمجھ کر کہنے والے اور کرنے والے تھے۔ (استیعاب: ۳۸۰/۱)

غرض کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اس صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جو منبع علم و عمل تھے۔ ۷۴ھ میں وفات پائی۔ حجاج بن یوسف ثقفی نے نماز جنازہ پڑھائی اور فخ مہاجرین کے قبرستان میں دفن کیے گئے۔

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سالم بھی علم و عمل کے مجمع البحرین تھے۔ ان کا شمار فقہائے سبعہ مدینہ میں ہوتا ہے جن پر حدیث و فقہ کا دارومدار تھا اور جن کے فتاویٰ کے بغیر کوئی قاضی فیصلہ نہ کرتا تھا۔ سالم رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ باقی چھ فقہاء کے نام یہ ہیں۔

① خارجہ بن زید ② عروہ بن زبیر
③ سلیمان بن یسار ④ عبیداللہ بن عبداللہ
⑤ سعید بن المسیب ⑥ قاسم بن محمد بن ابی بکر

Marfat.com

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ تمام محدثین کے نزدیک حدیث کے دو سلسلے زیادہ مستند ہیں اور محدثین اسے ''سلسلۃ الذہب'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ان میں ایک سلسلہ مالک عن نافع عن ابن عمر ہے اور دوسرا سلسلہ زہری عن سالم عن ابن عمر ہے۔ ان دونوں سلسلوں میں زہری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے سوا باقی تمام لوگ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی کے خاندان کے ہیں۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے سالم رضی اللہ عنہ اور غلام نافع رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ یہ اس خاندان کی ایک بہت بڑی فضیلت ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے عاصم تھے۔ یہ نہایت عالم و فاضل اور تقویٰ و طہارت میں اپنی مثال آپ تھے۔ ۷۰ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ تھا:

فلیت المنایا کن خلفن عاصماً　　فعشنا جمیعاً او ذھبن بنامعاً

''یعنی کاش موت عاصم کو چھوڑ جاتی تاکہ ہم سب ایک ساتھ زندگی گزارتے یا پھر ہم سب کو لے جاتی۔'' (کتاب المعارف لابن قتیبہ الدینوری:۸۱)

سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ خود بھی بہت اچھے شعر کہتے تھے۔ علم و ادب کا ایک خاص ذوق اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرما رکھا تھا۔ نہایت بلند قامت اور جسیم و شحیم تھے۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ان کے نواسے تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے بھائی زید بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بہت محبت تھی۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بڑے تھے۔ (اسد الغابہ:۲/۲۲۸) سیدنا زید رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اور مہاجرین کے پہلے قافلہ کے ساتھ مدینہ آئے۔ مدینہ آنے کے بعد جنگ بدر، پھر احد میں شریک ہوئے۔ غایت شجاعت نے زرہ سے بے نیاز کر دیا تھا۔ میدان جنگ میں ننگے بدن آئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ان سے بہت محبت تھی۔ انہوں نے گوارا نہ کیا اور قسم دلا کر آپ کو اپنی زرہ پہنا دی۔ لیکن سیدنا زید رضی اللہ عنہ کے لیے زرہ کی روک ایک عار تھی لہٰذا تھوڑی دیر پہن کر اتار دی۔ اب عریاں سینہ دشمنوں کا ہدف تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے زرہ اتارنے کا سبب پوچھا۔ فرمایا: تمہاری طرح مجھ کو جام شہادت پینے کی تمنا ہے۔ احد کے بعد قریباً ہر غزوہ میں شریک ہوئے۔

عہد صدیقی میں فتنہ ارتداد کے فرو کرنے والے مجاہدین میں شریک ہوئے اور

Marfat.com

اسلامی فوج کی علم برداری کا منصب آپ کے سپرد ہوا۔ لیکن اس جنگ میں دشمن کی صفیں چیرتے ہوئے گھستے چلے گئے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ (ابن اثیر: ۲/۲۷۷) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے اس بھائی کی شہادت سے بہت غمزدہ ہوئے۔ اور جب کبھی کوئی مصیبت پیش آتی تو فرماتے کہ سب سے بڑا داغ زید کا تھا، اس کو اٹھایا اور صبر کیا (مستدرک حاکم: ۳/۲۲۷) آپ اکثر فرمایا کرتے تھے'' کہ بادِ صبا سے زید کی خوشبو آتی ہے اس سے ان کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔'' (اسد الغابہ: ۲/۲۲۷)

جب سیدنا زید رضی اللہ عنہ کی شہادت کی دل خراش خبر ملی تو اس وقت بجائے نالہ و شیون کرنے کے صرف یہ فرمایا کہ میرا بھائی دو نیکیوں میں مجھ سے سبقت لے گیا۔ مجھ سے پہلے اسلام لایا اور مجھ سے پہلے جام شہادت پیا۔ (استیعاب: ۱/۱۹۱)

اسی زمانہ میں مشہور شاعر متمم بن نویرہ کا بھائی مالک بن نویرہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ متمم اپنے بھائی کا عاشق وشیفتہ تھا۔ بھائی کی موت نے اسے دیوانہ بنا دیا کہ دیکھنے والوں کو ترس آتا تھا۔ اسی حالت جذب میں اس نے بھائی کا ایسا رقت انگیز مرثیہ لکھا کہ سننے والے بے قرار ہو جاتے۔ اتفاق سے اس کی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہو گئی۔ آپ نے فرمایا: ''تجھ کو اپنے بھائی کا کس قدر قلق ہے؟'' اس نے عرض کی: ''ایک مرض کی وجہ سے ایک آنکھ کے آنسو خشک ہو گئے تھے۔ لیکن بھائی کے غم میں جب سے اشکبار ہوئی ہے، آج تک اس کے آنسو نہیں تھمے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یہ رنج والم کی آخری حد ہے۔ کوئی جانے والے کا اتنا غم نہیں کرتا۔'' اس کے بعد فرمایا: ''خدا زید رضی اللہ عنہ کی مغفرت فرمائے۔ اگر میں شاعر ہوتا تو میں بھی اس کا مرثیہ کہتا۔ متمم نے کہا: ''امیر المومنین! اگر آپ کے بھائی کی طرح میرا بھائی شہید ہوا ہوتا تو میں کبھی اشک باری نہ کرتا۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ایک گونہ تسلی ہوگئی۔ فرمایا'' اس سے بہتر تعزیت کسی نے نہیں کی۔'' (طبقات ابن سعد: ۳/۲۷۵، استیعاب: ۱/۱۹۱)

سیدنا زید رضی اللہ عنہ کی ایک لڑکی اسماء تھی۔ آپ اس سے بہت پیار کرتے تھے۔

(مستدرک حاکم: ۳)

مکہ معظمہ سے ہجرت کے بعد آپ عوالی میں مقیم ہوئے جو مدینہ سے دو تین میل کے فاصلہ پر ہے، لیکن خلافت کے بعد وہاں کی سکونت چھوڑ کر مسجد نبوی سے متصل باب السلام اور باب الرحمۃ کے درمیان واقع ایک مکان میں سکونت اختیار کی۔ انتقال کے وقت وصیت فرمائی تھی کہ اس مکان کو فروخت کر کے ان کا قرض ادا کیا جائے۔ چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے

Marfat.com

اس مکان کو خرید لیا اور آپ کا قرض ادا کیا۔ یہ مکان مدت تک دار القضاۃ کے نام سے مشہور رہا۔
(خلاصۃ الوفاء فی اخبار دار المصطفیٰ:۱۲۹)

آپ کا ذریعہ معاش تجارت تھا لیکن قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں آپ رضی اللہ عنہ کو اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جاگیریں عطا فرمائیں۔ خیبر میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو ایک جاگیر عطا فرمائی، جس کا نام ''ثمغ'' تھا، لیکن آپ نے یہ دونوں جاگیریں بعد میں وقف کر دیں۔ بخاری میں ہے کہ مدینہ میں آپ نے کچھ عرصہ زراعت بھی کی۔

خلافت کی ذمہ داریاں اٹھانے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی اس قدر تنخواہ مقرر فرما دی جو معمولی خوراک اور لباس کے لیے کافی ہو۔ ۱۵ھ میں تمام لوگوں کے روزینے مقرر ہوئے تو دوسرے اکابر صحابہ کے ساتھ آپ کا بھی پانچ ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر ہوا، لیکن خلیفہ ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ صحابی ہونے کی وجہ سے۔

غذا نہایت سادہ تھی، معمولی روٹی اور روغن زیتون۔ روٹی اکثر ان چھنے گیہوں کے آٹے کی ہوتی تھی۔ قحط کے زمانہ میں جو کا التزام کر لیا تھا۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے کہ آپ کی اس سادہ غذا کو بعض دفعہ مہمانوں اور سفراء کو کھانے میں سخت تکلیف ہوتی تھی۔

لباس بھی غذا کی طرح نہایت سادہ اور معمولی ہوتا تھا۔ اکثر صرف قمیض پہنتے۔ سر پر کبھی کبھی برنس (ایک قسم کی ٹوپی) پہنتے تھے، لیکن اکثر عمامہ پہنتے تھے۔ جوتی کبھی عربی وضع کی ہوتی تھی جس میں تسمہ لگا ہوتا تھا۔ کپڑوں میں اکثر پیوند لگے ہوتے جن میں کچھ چمڑے کے ہوتے تھے۔ اکثر ایک جوڑا کپڑوں کا ہوتا۔ اسی کو دھو کر سوکھنے کے لیے ڈال دیتے۔ جب وہ سوکھ جاتا تو اسی کو پہن لیتے۔

حلیہ کچھ ایسا تھا۔ رنگ گندمی، سر چندلا، رخساروں پر کم گوشت، ڈاڑھی گھنی، مونچھیں بڑی بڑی، قد نہایت طویل یہاں تک کہ سینکڑوں آدمیوں میں لمبے معلوم ہوتے تھے۔ سر کے بال سامنے سے اڑے ہوئے۔

یہ تھا حلیہ اس خلیفہ اسلام کا جس کی ہیبت سے قیصر و کسریٰ کانپتے تھے اور جس کا دبدبہ ہر دل پر دستک دیتا تھا۔ بڑے بڑے لوگ بارگاہِ خلافت میں آتے لیکن ہیبت فاروقی سے جسد بے جان کی طرح کھڑے رہتے۔

Marfat.com

Marfat.com

صدیق اکبر
تفسیر ابن عباس
عبداللہ ابن عباس
لباب النقول فی اسباب النزول
امام علامہ جلال الدین سیوطی
اسلامی جنگیں
عظمتِ قرآن
مکی دار الکتب
37۔مزنگ روڈ، بک سٹریٹ، لاہور، پاکستان
فون:042- 37239138-8460196
Email: m_d7868@yahoo.com

Marfat.com